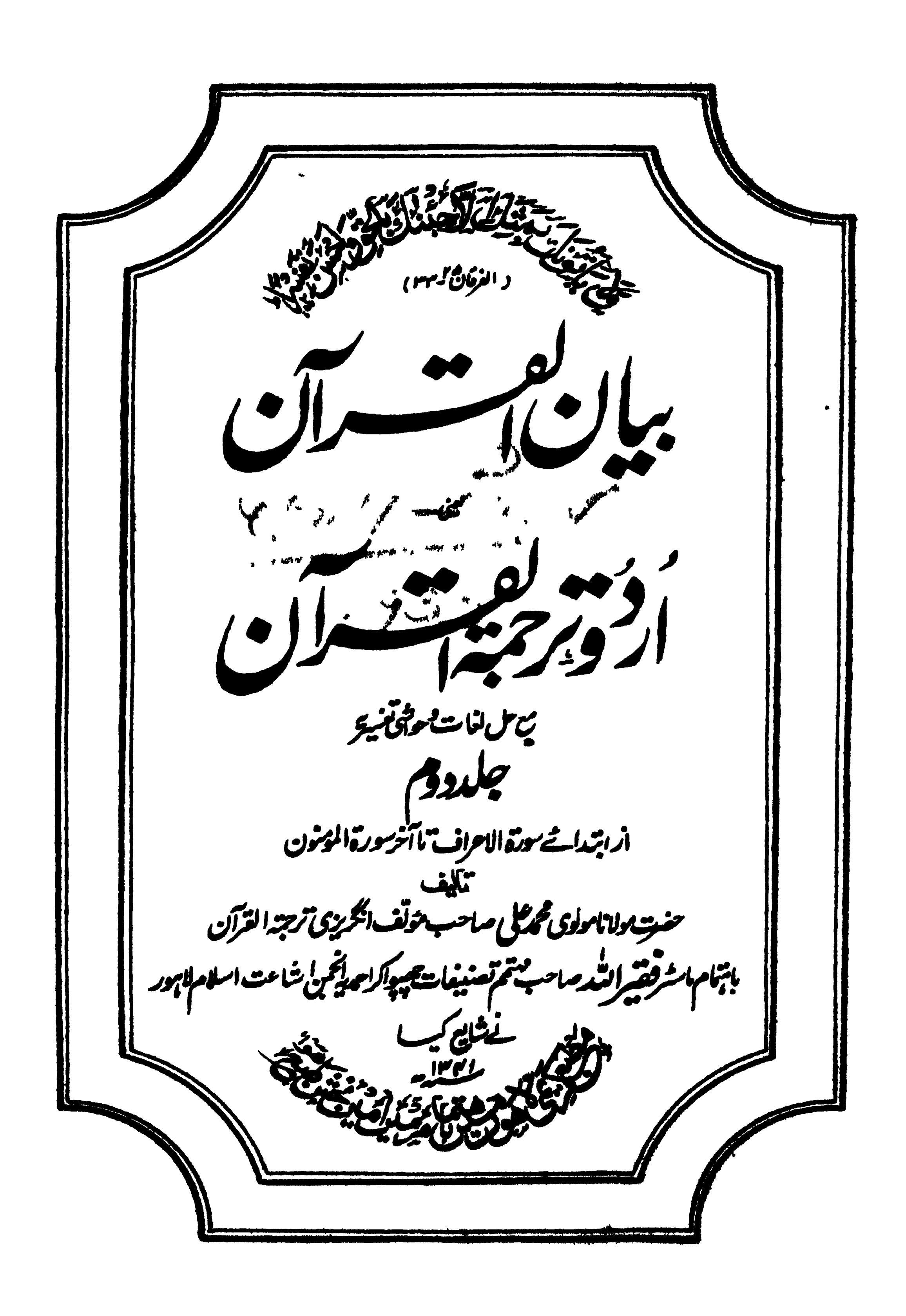


وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

(الفرقان ۲: ۳۳)

بیان القرآن

اردو ترجمۃ القرآن

مع حل لغات و مختصر تفسیر

جلد دوم

از ابتدائے سورۃ الاعراف تا آخر سورۃ المومنون

تالیف

حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مؤلف انگریزی ترجمۃ القرآن

باہتمام ماسٹر فقیر اللہ صاحب مہتمم تصنیفات چھپوا کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

نے شائع کیا

سنہ ۱۳۴۱

فہرست مضامین بیان القرآن جلد ثانی

سورۃ الانفال از ۸۰۱ تا ۸۳۲

سورۃ ہود ۱۱ از ۹۲۸ تا ۹۶۶

سورۃ الحج۔ ۱۲۸۸ تا ۱۳۱۳

سورۃ الاعراف مکیۃ وھی مائتان و ست آیات و اربع و عشرون رکوعا

نام

نام۔ اس سورت کا نام الاعراف ہے اور اس میں چوبیس رکوع اور دو سو چھ آیتیں ہیں۔ الاعراف کے معنی بلند مکان ہیں اور اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں کچھ لوگوں کا ذکر ہے جو اعراف پر ہونگے اور یہ لوگ جیسا کہ ت۵۶۰ میں دکھایا گیا ہے۔ انبیاء کا گروہ ہے اور چونکہ اس سورت میں ضرورت نبوت پر بحث ہے اسلئے اس کے نام میں انبیاء کے مقام بلند کی طرف توجہ دلائی ہے +

خلاصہ مضمون

خلاصہ مضمون۔ جس طرح پچھلی سورت میں توحید پر بحث تھی اس سورت میں نبوت پر بحث ہے اسی اصل مضمون کے مطابق اسکی ابتدا اسبات سے کی ہے کہ نزول کتاب اللہ کی غرض کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے یہ پہلے رکوع کا مضمون ہے دوسرے رکوع میں حضرت آدم کا ذکر کرکے ضرورت نبوت کو بتایا ہے۔ تیسرے میں بتایا کہ وحی الٰہی ہی انسان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ کرسکتی ہے۔ چوتھے میں وحی الٰہی کے رد کرنیوالوں کا انجام بتایا ہے اور پانچویں میں قبول کرنیوالوں کا ذکر ہے۔ اسی رکوع کے آخر پر اور چھٹے رکوع کے شروع میں اعراف والونکا ذکر ہے یعنی خود انبیاء علیہم السلام کے مقام بلند کا اور بقیہ رکوع ششم میں قبول کرنیوالوں اور رد کرنیوالوں کا مقابلہ ہے۔ ساتویں رکوع میں عالم جسمانی کی مثالیں دیکر حق کی تدریجی ترقی اور آخری کامیابی کی خوشخبری سنائی آٹھویں میں حضرت نوح کا۔ نویں میں حضرت ہود کا دسویں میں حضرت صالح اور لوط کا گیارھویں میں حضرت شعیب کا ذکر کرکے سمجھایا کہ کسطرح حق کی مخالفت کرنیوالے آخر کار ناکام ہوتے رہے اور بارھویں میں سزا کا عام قانون بیان فرما کر مخالفین قرآن کو تنبیہ کی اور پھر تیرھویں رکوع سے لیکر اکیسویں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل ذکر کیا چنانچہ تیرھویں میں حضرت موسیٰ کی بعثت کا ذکر کیا چودھویں میں ساحروں کے آپکے مقابلہ کا۔ پندرھویں میں بنی اسرائیل کی تکالیف کا ذکر کرکے ان کا علاج بتایا اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ ایسی ہی تکالیف انپر آئیں تو وہ بھی یہی طریق اختیار کریں سولھویں میں فرعونیوں پر وبا کے آنے اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر کیا سترھویں میں حضرت موسیٰ کو شریعت ملنے کا۔ اٹھارھویں میں بچھڑے کی عبادت کا اُنیسویں میں حضرت موسیٰ کی قوم کی بے اعتدالیونکا ذکر کرتے ہوئے اصل غرض کی طرف توجہ دلائی ہے جسکی وجہ سے حضرت موسیٰ کا آنا انبیاء ذکر کیا یعنی موسیٰ کا آنحضرتؐ کی نسبت پیشگوئی کرنا اور ان پیشگوئیوں کا توریت میں موجود ہونا بیسویں میں آنحضرت صلعم کی رسالت عامہ کے ذکر کے بعد پھر قوم موسیٰ کے ذکر کیطرف رجوع کیا اور اکیسویں میں یہود کی خلاف ورزی میثاق اور انکی سزا کا ذکر کیا۔ بائیسویں رکوع میں میثاق شریعت سے میثاق فطرت کیطرف رجوع کیا۔ کیونکہ میثاق شریعت میثاق فطرت کو ہی قوت دینے کیلئے آتی ہے۔ اور ہر انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر گواہ ہے اور اسی کیطرف انبیاء بلاتے ہیں تئیسویں رکوع میں آنحضرت صلعم اور اسلام کے اعداء کے انجام کا ذکر کیا اور کہ کس طرح ان پر سزا تدریجًا اور آہستگی سے وارد کی جائے گی چوبیسویں اور آخری رکوع میں بتایا کہ اس مخالفت میں خود مسلمانوں کو کیا راہ اختیار کرنی چاہئے اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ یہ سورت کل کی کل نبوت پر ہے +

تعلق

تعلق بلحاظ مضمون۔ الانعام اور الاعراف کا تعلق ظاہر ہے۔ الانعام کا مضمون توحید ہے اور الاعراف کا نبوت اور توحید کے بعد نبوت کا ذکر لازم تھا۔ مذہب کی یہی دو عظیم الشان بنیادیں ہیں اور یہ بھی ضروری تھا کہ توحید کے ذکر کے بعد نبوت کا ذکر آتا اسلئے الانعام گو اس قدر لمبی نہیں۔ مگر اسے الاعراف سے پہلے رکھا گیا کیونکہ ترتیب مضمون کا تقاضا یہی تھا اور الانعام کے آخری حصہ کو دیکھا جائے تو وہاں بھی نہایت صفائی سے توحید سے نبوت کیطرف مضمون کا رُخ بدل دیا ہے۔ جہاں آنحضرت صلعم کی توحید کے مقام بلند کو پیش کیا ہے قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین صرف یہ کہدینا کہ خدا ایک ہے انسان کو فائدہ نہیں دے سکتا جبتک کہ اسکی تمام حرکات و سکنات توحید باری کے رنگ میں رنگین نہ ہو جائیں اور یہ مقام بدون نبوت حاصل نہیں ہو سکتا نظارہ قدرت سے جس توحید پر انسان پہنچ سکتا ہے وہ محض ایک خشک عقیدہ ہے مگر نبوت جس توحید پیدا کرتی ہے وہ ایک باردار درخت ہے یوں توحید سے نبوت کیطرف مضمون کا انتقال سورۃ الانعام کے آخر میں کرکے سورۃ اعراف کے مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱۰ — ۲ — الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(نزول کتاب بطور ذکر) میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا بہترین فیصلہ کرنیوالا ہوں ۱۰۴۶ یہ کتاب ہے تیری طرف نازل کی گئی سو تیرے سینہ میں اسکی وجہ سے کوئی تنگی نہ ہو تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے اور مومنوں کیلئے نصیحت ہو ۱۰۴۷

(زمانہ نزول) زمانہ نزول ۔ اس سورت اور سورۃ انعام کے نزول کا وقت قریبًا ایک ہی ہے اور یہ دونوں سورتیں مکی زمانہ کے آخری ہیں جب مخالفت کمال کو پہنچ چکی تھی ۔ خاص خاص آیات اس سورت کی جن کو ظن کی بنا پر مدنی کہا گیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کا تعلق سورت کے اصل مضمون سے اس قسم کا ہے کہ وہ علیحدہ زمانہ کی نہیں ہوسکتیں ۔ عیسائی مورخین نے یہ کوشش کی ہے کہ آیت ۱۵۷ و ۱۵۸ کو جن میں آنحضرت صلعم کے متعلق پیشگوئیوں کا ذکر ہے جو توریت و انجیل میں ہیں مدنی قرار دیں کیونکہ ان میں توریت و انجیل کا نام آتا ہے مگر اس سے بڑھکر بودی دلیل کوئی نہیں اور آیت ۱۵۶ جس میں قوم موسیٰ کا ذکر ہے اس کا تعلق ۱۵۷ سے جس میں نبی اُمی کا ذکر ہے ایسا گہرا ہے کہ یہ دونوں آیتیں بلحاظ مضمون صاف طور پر ایک ہی وقت کی نظر آتی ہیں ۔

(المص) ۱۰۴۶ الم کے ساتھ ص بڑھایا ہے جو صادق کے قائم مقام ہے جیسا کہ ضحاک سے روایت ہے (د) یا افضل کے یعنی بہترین فیصلہ کرنیوالا جیسا کہ ابن عباس سے روایت ہے (ج) نیز دیکھو ۲۰ ۔

(ذکر ۔ ذکریٰ — قرآن کا نام ذکر رکھنے کی وجہ) ۱۰۴۷ ذکریٰ ۔ ذِکر سے زیادہ بلیغ ہے اور اس کے معنی کثرت ذکر ہیں اور ذِکر کسی شے کا قلب میں حاضر کرنا ہے (غ)۔ قرآن شریف کا نام ذِکر یا ذِکریٰ یا تذکرۃ اس لحاظ سے ہے کہ وہ ان باتوں کو یاد دلاتا ہے جو فطرت انسانی میں ہیں مگر غفلت کی وجہ سے دبی رہتی ہیں وحی الٰہی ان کو یاد دلاکر انسان کو فطرت کے صحیح قوانین پر چلاتی ہے یا چونکہ ذکر کے معنی شرف ہیں (ل) اسلئے قرآن کریم کا نام ذکر ہے کہ یہ انسان کو بلند مقام پر پہنچاتا ہے ۔

(نزول کتاب سے مصلح کو شرح صدر کا ملنا) فلا یکن فی صدرک حرج منہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے ۔ اور اصل غرض نزول کتاب کی بتائی کہ تو اسکے ساتھ ڈرائے اور مومنوں کیلئے وہ نصیحت ہو ۔ اور یہ جو فرمایا کہ تیرے سینہ میں تنگی نہ ہو تو یہ اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ اس کتاب کے نزول نے پیغمبر خدا کو شرح صدر عطا کر دی تھی ۔ جیسا کہ فرمایا الم نشرح لک صدرک (الانشراح ۹۴ : ۱) پس نزول کتاب کا فائدہ تو یہ بتایا کہ مصلح کے سینہ میں تنگی نہ رہے کیونکہ اصلاح میں جو جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ ایک آدمی کے گھبرا جانے کیلئے کافی ہوتی ہیں لیکن جب ایک شخص کو خدا ایک کام پر کھڑا کرتا ہے تو اسے وسعت اخلاق کامیابی پر ایمان اور دیگر ان صفات سے متصف فرماتا ہے ۔ جنکے بغیر اسے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی ۔ سو اس جملہ معترضہ میں بھی ایک ضرورت نزول وحی کو ہی ظاہر کیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان مشکلات کیطرف بھی اشارہ ہو جو اس سورت کے نزول کے وقت آنحضرت صلعم کو پیش آرہی تھیں کہ آپ کی دس بارہ سال کی کوششوں کے باوجود مخالفت بڑھ رہی تھی ۔ تو گویا یوں فرمایا کہ مشکلات تو بیشک بہت ہیں مگر چونکہ کتاب خدائے علیم و صادق الوعد کیطرف سے نازل ہوئی ہے اسلئے ان مشکلات کے سبب کوئی گھبراہٹ تمہارے سینہ میں نہ آئے ۔

(نزول کتاب کی غرض) نزول کتاب کی اصل غرض دو لفظوں میں بتائی ہے ۔ بدی کے انجام بد سے ڈرانا اور بتا دینا کہ بدی کا انجام نیک کبھی نہیں ہوسکتا اور دوسرا مومنوں کیلئے ذکر یا ذکریٰ یعنی ان کیلئے موجب شرف اور بلندی مرتبہ ہے یا انکو فطرت کے صحیح قوانین پر چلانا ہے اسلئے یہاں بشارت کی بجائے ذکریٰ کا لفظ استعمال فرمایا ہے ۔

چونکہ اس سورت میں اصل نبوت کی بحث ہے جیسا کہ پچھلی میں اصل توحید کی بحث تھی اسلئے اس کی ابتدا اس کلام سے نہایت موزون ہے ۔

۳ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

اسکی پیروی کرو جو تمہارے رب سے تمہاری طرف اتارا گیا اور اس کو چھوڑ کر اولیا کی پیروی نہ کرو بہت ہی کم تم نصیحت قبول کرتے ہو

۴ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ ۵ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ

اور کتنی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو ہلاک کردیا سو ہمارا عذاب اُن پر رات کو وقت آیا یا جبکہ وہ دوپہر کو آرام کررہے تھے ١٠٤٨ سو اُن کی پکار

۶ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ

جب ہمارا عذاب ان پر آیا سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ انہوں نے کہا بیشک ہم ظالم تھے سو یقیناً ہم ان سے پوچھیں گے جن کی طرف

۷ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

رسول بھیجے گئے اور یقیناً ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے ١٠٤٩ پھر ہم ان پر علم کے ساتھ بیان کرینگے اور ہم کبھی غیر حاضر نہیں ہوتے

۸ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور وزن آج کے دن حق ہے سو جس کی نیکیاں بھاری ہوگئیں تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں ١٠٥٠

بیات — **١٠٤٨** بیاتا۔ بَیّت سے مصدر ہے اور اسکے اصل معنی قصد العدو لیلاً ہیں یعنی رات کے وقت دشمن کا قصد کرنا (غ)۔

قال یقیل — قائلون۔ قال یقیل سے ہے۔ دوپہر کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں (غ)۔

١٠٤٩ کیا سوال ہوگا جن کیطرف رسول بھیجے گئے ان سے سوال ہوگا الم یاتکم نذیر (الملک ۶۷۔ ۸) الم یاتکم رسل منکم (الانعام ۶۔ ۱۳۱) کیا تمہارے پاس رسول نہ آئے تھے۔ اور رسولوں سے سوال ہے ماذا اجبتم (المائدۃ ۵۔ ۱۰۹) تمہاری قبولیت کیسی ہوئی۔

وزن — **١٠٥٠** الوزن۔ اصل میں کسی شئی کے اندازہ کے پہچاننے کو کہتے ہیں۔ راغب کہتے ہیں کہ عام طور پر وزن وہ سمجھا جاتا ہے جو ترازو کے ساتھ ہو بلکہ حدیث میں بھی ترازو کا ذکر ہے، اور قرآن شریف میں ہے واقیموا الوزن بالقسط (الرحمٰن ۵۵۔ ۹) اور وزنوا بالقسطاس المستقیم (بنی اسرائیل ۱۷۔ ۳۵) اور یہاں مراد تمام افعال و اقوال انسانی میں عدل و انصاف کا ملحوظ رکھنا ہے اور ایسا ہی وانبتنا فیہا من کل شیء موزون (الحجر ۱۵۔ ۱۹) جہاں مراد ہے کہ جو کچھ پیدا کیا اعتدال کی حالت میں پیدا کیا جیسا کہ فرمایا انا کل شیء خلقناہ بقدر (القمر ۵۴۔ ۴۹) اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ الوزن یومئذ الحق (الاعراف ۷۔ ۸) میں اشارہ محاسبہ میں عدل کیطرف ہے (غ) اور مجاہد کا قول ہے کہ وزن سے مراد یہاں قضاء یعنی فیصلہ ہے (ج)۔

وزن اعمال سے مراد — اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ میزان کا لفظ قرآن میں وسیع معنی میں آیا ہے ایک جگہ رسولوں کے بھیجنے کے ذکر میں آتا ہے وانزلنا معہم الکتاب والمیزان ہم نے انکے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری جس سے مراد کسی صورت میں ترازو نہیں۔ اور نہ کسی مفسر نے ایسا کہا ہے ایسا ہی والسماء رفعہا ووضع المیزان میں میزان کے رکھنے سے مراد کسی ترازو کا رکھنا نہیں بلکہ مراد عدل کا قایم کرنا ہے جس پر سارے آسمانوں اور زمین کا بھی مدار ہے۔ اور حق یہ ہے کہ احادیث میں بھی جس ترازو کا ذکر ہے اس سے مراد بھی محض اس قسم کا ترازو لینا جس سے اجسام کو وزن کیا جاتا ہے صحیح نہیں اس ترازو کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اس دنیا کی چیزوں پر اس کا قیاس نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اگر کہیں اعمال کے وزن کا ذکر ہے تو کہیں کتب اعمال کا اور کہیں صاحب اعمال کا اور ایک قوم کے اعمال دنیوی کا ذکر کرکے جو قیامت میں کسی کام نہ آئینگے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا نقیم لہم یوم القیامۃ وزنا (الکہف ۱۸۔ ۱۰۵) ان کیلئے ہم قیامت میں کوئی وزن قایم نہیں کرینگے یعنی قیامت کے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا ٩

اور جس کی نیکیاں ہلکی ہوگئیں تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کے بارے میں

يَظْلِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ١٠

ناانصافی کرتے تھے اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور تمہارے لئے اسکے اندر روزی کے سامان رکھے بہت کم تم شکر کرتے ہو ۱۰۵۱

ع ۲ ضرورت وحی

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا ١١

اور یقیناً ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو سو انہوں نے فرمانبرداری کی

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ ١٢

مگر ابلیس نے (نہ کی) وہ فرمانبرداروں میں سے نہ ہوا ۱۰۵۲ (اللہ نے) کہا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھکو حکم دیا ۱۰۵۳

دین ان کے ظہوری صنعتوں پر زور لگا دینے کو کوئی وزن نہیں دیا جائیگا +

موازین

موازین ۔ موزون کی جمع بھی ہوسکتی ہے اور میزان کی بھی پہلی صورت میں مراد اعمال موزونہ ہیں یعنی نیکیاں اور میزان یا میزانوں کا بوجھل یا ہلکا ہونے سے بھی مراد یہی لی گئی ہے کہ نیکیوں کا پلہ بوجھل یا ہلکا ہوجائے جس میں علاوہ اس دقت کے کہ میزانیں بہت سی ہوتیں بہت کچھ ماننا پڑتا ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ یہ موزون کی جمع ہے اور مجاہد سے موازین کے معنی حسنات یعنی نیکیاں ہی مروی ہیں +

اعمال کا وزن یعنی ہر ایک عمل کا حساب میں آنا ایک ایسا امر ہے جس کیطرف صرف وحی الٰہی نے ہی ہدایت کی ہے اسلئے قرآن کریم کے نزول کی اغراض کو بیان کرتے ہوئے وزن اعمال کا ذکر کیا ہے انسان کا کمال اسی پر منحصر ہے کہ جو اعمال اسکی فطرت کو صحیح راہ پر چلانیوالے ہیں انکو کرے اور جنسے فطرت انسانی کو نقصان پہنچتا ہے ان سے بچے۔ اسیلئے اگلی آیت میں فرمایا کہ جنکے وہ اعمال جو وزن میں آتے ہیں ہلکے ہیں انہوں نے اپنی فطرت کو خسارہ میں رکھا۔

معیشۃ عیش

۱۰۵۱ معایش ۔ مَعِیْشَۃ کی جمع ہے یعنی عیش یا روزی کے سامان لفظ عیش حیوان کی زندگی سے مخصوص ہے یعنی ایسی زندگی ہے جس سے جسمانیت کا جزو غیر منفک ہے اور حیوٰۃ کا لفظ وسیع ہے اللہ تعالیٰ اور مَلَک پر بھی بولا جاتا ہے (غ) قرآن شریف میں معیشۃ ضنکا (طٰہٰ ۔ ۱۲۴) میں اور عیشۃ راضیۃ (القارعۃ ۔ ۷) میں روحانی زندگی پر بھی لفظ عیش بولا گیا ہے +

اس آیت میں یہ بتایا کہ جب تمہارے جسم کیلئے ہم نے زمین کے اندر ہر قسم کے سامان پیدا کر رکھے ہیں تو جو حصہ تم میں حیوانیت سے بالاتر ہے یعنی ملکیت کا یا تمہاری روحانیت کیا اس کیلئے کوئی سامان خدا تعالیٰ پیدا نہ کرتا۔ یوں اس آخری آیت میں ضرورت وحی کو بیان کرتے ہوئے اگلے رکوع کیساتھ اسکا ربط کر دیا ہے

۱۰۵۲ اس رکوع میں ضرورت نبوت بتائی ہے اور آدم کا ذکر کیا ہے جو سورۃ بقرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ مگر یہاں اس قصہ کے ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جو وہاں نہ تھے

آدم اور ابن آدم کا معاملہ ایک ہے

سب سے پہلے یہاں یہ غور طلب ہے کہ اوپر کی آیت میں سارے انسانوں کو خطاب تھا اس عام خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم سب کو پیدا کیا پھر تم سب کی صورت بنائی پھر فرشتوں کو آدم کی فرمانبرداری کیلئے کہا جس سے صاف معلوم ہوا کہ اس رنگ میں ہر ایک ابن آدم آدم ہے اور فرشتوں کے آدم کی فرمانبرداری کرانے میں ابنائے آدم کا بھی ذکر ہے اور فی الحقیقت غور کیا جائے تو اگر وہ واقعات ہمکو پیش نہیں آتے جو آدم کو پیش آئے تھے تو اس قصہ کے قرآن میں رکھنے سے فائدہ کیا ہو سکتا ہے غرض تو ہماری تعلیم ہے پس آدم کے تذکرہ میں ہم کو سمجھایا ہے اور ابن آدم ہونیکی وجہ سے جو کچھ آدم کو پیش آیا وہی ابن آدم کو پیش آتا ہے اس جطرح ابن آدم شیطان کو جسمانی رنگ میں نہیں دیکھتا بلکہ شیطان صرف وسوسہ اندازی کرتا ہے اسیطرح آدم کیصورت میں سمجھنا چاہئے باقی امور کیلئے دیکھو ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ +

شیطان کو سجدہ کا حکم

۱۰۵۳ بظاہر جہاں جہاں سجدے کا حکم آتا ہے ملائکہ کو آتا ہے لیکن یہاں اذ امرتک سے معلوم ہوا کہ شیطان کو بھی حکم تھا۔ ملائکہ چونکہ اعلےٰ

۱۳ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ۱۰۵۴ کہا پھر اس (حالت) سے نکل جا

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝

کیونکہ تیرے لئے یہ شایاں نہیں کہ تو اس میں تکبر کرے سو نکل جا بیشک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے ۱۰۵۵

ہستیاں ہیں اسلئے ان کو حکم دینے میں جن یا شیاطین جو ادنیٰ ہستیاں ہیں وہ بھی شامل ہو گئیں ٭

جنوں کا آگ سے اور انسان کا مٹی سے پیدا ہونا

۱۰۵۴ سورۃ بقرہ میں فرمایا تھا کہ اس نے انکار اور تکبر کیا۔ یہاں اس کی تشریح کی ہے وہ اپنے آپ کو آدم سے فضل قرار دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ آدم کی پیدائش مٹی سے ہے اور میری پیدائش آگ سے ہے۔ دوسری جگہ عام طور پر جنات کے متعلق ہے والجان خلقناہ من قبل من نار السموم (الحجر ۱۵: ۲۷) جنوں کو ہم نے پہلے نار سموم سے پیدا کیا۔ یہ زمین بھی پہلے خود ایک شعلۂ نار تھی اس لئے پہلی مخلوق کا اسی رنگ کا ہونا عین قرین قیاس ہے اور آگ سے ہونے کی وجہ سے ہی وہ غیر مرئی ہستیاں بھی ہیں یعنی ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن اس سے علاوہ آگ یا مٹی سے پیدا ہونا یہ معنی بھی رکھتا ہے کہ وہی صفت ان میں غالب ہو جیسے انسان کے متعلق فرمایا خلق الانسان من عجل (الانبیاء ۲۱: ۳۷) انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی اس میں جلد بازی ہے۔ یا فرمایا خلقکم من ضعف (الروم ۳۰: ۵۴) اب طین یا مٹی کی صفت نرمی ہے چنانچہ عرب کہتے ہیں ما ازت بصحیفۃ طین خاتمہا جس کے معنی کئے ہیں لین خاتمہا یعنی طین سے مراد نرمی ہے (ل)، اور قرآن مجید میں دوسری جگہ دوسری ترکیب اختیار کی ہے ءاسجد لمن خلقت طینا (بنی اسرائیل ۱۷: ۶۱) ای خلقتہ فی حال طینتہ (ل)، اور آگ کی صفت تیزی ہے اور حدیث میں ہے اتقوا الغضب فانہ جمرۃ توقد فی قلب ابن آدم غضب سے بچو وہ ایک انگارا ہے جو ابن آدم کے قلب میں جلایا جاتا ہے پس شیطان کہتا ہے کہ میں ناری صفت ہو کر کس طرح طینی صفت انسان کے سامنے جھک سکتا ہوں ٭

صغر

صاغر

۱۰۵۵ الصاغرین۔ صغر ضد کبر ہے اور چھوٹا یا بڑا ہونا بلحاظ عمر بھی ہوتا ہے اور بلحاظ جسم بھی اور بلحاظ قدر و منزلت بھی اور صاغر وہ ہے جو ذلیل مرتبہ پر راضی ہو جائے (غ) ٭

شیطان کے ہبوط سے مراد

منہا میں ضمیر کس طرف جاتی ہے یعنی کس سے نکل جا۔ مفسرین میں سے کسی نے سماء لکھا ہے کسی نے زمرہ ملائکہ مگر یہ دونوں باتیں نہ سند رکھتی ہیں نہ قیاس صحیح یہ چاہتا ہے۔ سماء کا تو اوپر ذکر نہیں اور نہ یہ ہبوط مکانی تھا۔ ملائکہ کا ذکر اوپر ہے مگر دور اور شیطان ملائکہ میں سے نہ تھا جس پر کان من الجن (الکہف ۱۸: ۵۰) نص صریح ہے قریب تر ذکر اس کا اپنی فضیلت کو پیش کرنا ہے اور اسی سے ہبوط کا حکم ہے اس نے کہا تھا انا خیر منہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس حالت سے نکل جا۔ اور اگلے الفاظ خود اس معنی کے مؤید ہیں کیونکہ فرمایا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ خیر ہونا اور تکبر ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ بلکہ متکبر ذلیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ ومن تکبر وضعہ اللہ یعنی جو شخص اللہ کے لئے جھکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ اسے ذلیل کرتا ہے۔ اصل سبق انسان کے لئے ہے کہ تکبر کا نتیجہ ذلت ہے جتنا انسان دوسروں سے اپنی بڑائی جتاتا ہے اسی قدر ان کی نظروں میں ذلیل ہوتا ہے ٭

قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ ۱۴، ۱۵، ۱۶

کہا مجھ کو اس وقت تک مہلت دیجئے جب وہ اٹھائے جائیں ۱۰۵۶ کہا بیشک تو ان میں ہے جنکو مہلت دی گئی ۱۰۵۷ کہا اس لئے کہ تو نے مجھ

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ ۱۷ — النصف

جہالت کا حکم لگایا میں ضرور تیری سیدھی راہ پر انکے لئے گھات میں بیٹھوں گا ۱۰۵۸ پھر میں ضرور ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے

مِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۤئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝

سے اور اُن کے دائیں سے اور اُن کے بائیں سے ان پر آؤں گا اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر کرنے والے نہ پائے گا ۱۰۵۹

یوم یبعثون سے مراد

۱۰۵۶ یوم یبعثون سے کیا مراد ہے۔ اگر قیامت کا دن مراد لیا جائے جو مردوں کے جی اُٹھنے کا وقت ہے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ جبتک یہ عالم موجود ہے اس وقت تک انسان کے ساتھ خواہشات سفلی اور ان خواہشات کے ساتھ شیطان کا رہنا ضروری ہے مگر بعث کا لفظ وسیع معنی میں آتا ہے و البعث یکون بعثًا للقوم الی وجه من الوجوه (ل)، وتاویل البعث ازالةُ ما کان یحبسه من التصرف (ل)، یعنی جو چیز کسی امر میں تصرف سے روکتی ہو اس کا دور کر دینا بھی بعث ہے پس یوم یبعثون سے مراد ہر انسان کی بعثت روحانی کا وقت بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ وقت جب شیطان پر انسان کو پورا تصرف حاصل ہو جاتا ہے

شیطان کے مہلت مانگنے سے مراد

جیسا کہ ۱۰۴۵ میں دکھایا گیا ہے یہ کوئی واقعی مکالمہ نہیں شیطان جو رحمت الٰہی سے دور پڑا ہوا ہے اس کو مکالمہ سے کیا حصہ؟ صرف ایک حالت کا اظہار ہے۔ اور چونکہ مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ ہر انسان کے لئے ایک الگ ملک یعنی فرشتہ اور ایک شیطان ہوتا ہے۔ یہانتک کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا پس یوم یبعثون میں اگر ایک طرف ذریت آدم کی طرف اشارہ ہے تو دوسری طرف ذریت ابلیس کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ ہر انسان کو بدی کی تحریک کرنے والا وہی شیطان ہے جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے پس شیطان نے جو مہلت مانگی ہے وہ اپنی ذریت کے لئے مانگی ہے جس طرح آدم کے ذکر میں ابن آدم شامل ہے شیطان کے ذکر میں ذریت شیطان شامل ہے۔ اس آیت میں اور اس سے اگلی آیات میں سب کو شامل کر لینا حالانکہ ذکر آدم کا شروع تھا صاف بتاتا ہے کہ اصل میں ذکر آدم میں بنی آدم کا ذکر ہی مقصود ہے

ذکر آدم میں بنی آدم کا ذکر

شیطان کو مہلت کا ملنا

۱۰۵۷ انک من المنظرین۔ ترکیب صاف بتاتی ہے کہ یہ تو پہلے سے ہی فیصلہ شدہ امر ہے۔ یہ نہیں کہ شیطان کی درخواست منظور ہوئی ہے۔ جب انسان کی اس زمینی زندگی کیلئے خواہشات سفلی کا اس میں رکھا جانا ضروری ہوا۔ تو ان خواہشات سفلی کے محرک شیطان کا وجود بھی ضروری ہوا۔ علاوہ ازیں بغیر مخالفت اور مقابلہ کے اور دشمن پر غالب آنے کے کوئی کامیابی کامیابی ہی نہیں کہلا سکتی۔ شیطان یا دشمن پر غالب آنے میں ہی انسان کی اصل کامیابی ہے۔ اگر مقابلہ کوئی نہ ہوتا۔ تو انسان کے کمالات کا اظہار بھی نہ ہو سکتا۔

غیّ

غوی

اغواء

۱۰۵۸ اغویتنی غیّ سے ہے جس کے معنی میں امام راغب لکھتے ہیں الغیُّ جهلٌ من اعتقادٍ فاسدٍ یعنی غی وہ جہالت ہے جو اعتقاد فاسد سے پیدا ہو۔ اسی لئے عصی ادم ربه فغوی (طٰهٰ - ۱۲۱) میں غوٰی کے معنی جہل کئے ہیں۔ اور غوٰی کے معنی خاب یعنی ناکام رہا بھی کئے گئے ہیں اور فسد عیشه بھی یعنی اس کی زندگی خراب ہو گئی ان کان اللّٰه یرید ان یغویکم (ھود - ۳۴) میں یغوی کے معنی دو طرح پر کئے گئے ہیں یعاقبکم علی غیکم یعنی تمہاری غی کی تمہیں سزا دے یا یحکم علیکم بغیکم یعنی تمہاری غی کا تم پر حکم لگائے (غ) انہی دو معنوں میں سے کوئی سے معنی یہاں ہیں اور ابن جریر کہتے ہیں اغویتنی اضللتنی

۱۸ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

کہا اس (حالت) سے نکل جا ذلیل دھتکارا ہوا ۱۰۶۰ جو کوئی ان میں سے تیری پیروی کریگا یقیناً میں تم سب سے جہنم کو بھر دونگا

۱۹ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ

اور اے آدم تو اور تیری بیوی باغ میں رہو پھر جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب

۲۰ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا

نہ جاؤ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے اُن دونوں کو وسوسہ ڈالا تاکہ وہ جو ان کے عیوب سے ان سے

وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا

چھپایا گیا تھا اُن کے لئے ظاہر کر دے ۱۰۶۱ اور اس نے کہا تمہارے رب نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر

یعنی مجھے ہلاک کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اغواء کے جو معنی بدی کی تحریک کرنا یا دوسرے کو بدراہ پر لگانا ہیں وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کیونکہ سارے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی یہ ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نافرمانی کا حکم دیا تھا بلکہ حکم تو فرمانبرداری کا ہی دیا تھا

قعود — لاقعدن لھم۔ کسی چیز کیلئے قعود سے مراد اس کیلئے انتظار یا گھات میں بیٹھنا ہے (غ)۔

شیطان کے ہر طرف آنے سے مراد — ۱۰۵۹ شیطان کے چاروں طرف سے آنے کے معنی ہر طرح کی وسوسہ اندازی کرنا ہیں جیسا کہ آگے آدم کے ذکر میں فوسوس لھما الشیطان سے ظاہر ہے اور جیسا کہ شر الوسواس الخناس سے ظاہر ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ چاروں طرف سے اس پر غلبہ پالے گا شیطان کو انسان پر کوئی غلبہ نہیں دیا گیا۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (الحجر ۱۵: ۴۲) اور الگ الگ چاروں کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ من بین ایدیھم سے مراد ان کی دنیا ہے یعنی دنیوی لالچ دونگا اور من خلفھم سے مراد آخرت ہے یعنی وسوسہ اندازی کرونگا کہ اعمال کی جزا و سزا کچھ نہیں اور من ایمانھم سے مراد ہے کہ ان کو نیکیوں سے روکونگا اور شمائلھم سے مراد ہے کہ بدی کے لئے اُکساؤں گا (ج)۔

ذأم۔ مذؤم — ۱۰۶۰ مذؤماً کے معنی مذموم ہیں یعنی عیب لگایا گیا (غ)، کیونکہ ذأم عیب کو کہتے ہیں۔

دحر — مدحوراً۔ دَحْر کے معنی نکال دینا اور دور کرنا ہیں ویقذفون من کل جانب دحورا (والصّٰفّٰت ۳۷: ۸-۹)۔

شیطان کا مردود ہونا — بدی اور اس کا مظہر شیطان واقعی مردود اور حقیر ہے۔ بدی کو اگر کرنے والے سے الگ کر دیا جائے تو خود وہ بھی اسکو اچھا نہ سمجھے گا کوئی جھوٹ بولنے والا دوسرے کے جھوٹ کو اچھا نہیں کہتا۔ کوئی زنا کرنے والا دوسرے کے زنا کو اچھا نہیں سمجھتا۔ دنیا میں گو بدی کرنے والے رہیں مگر بدی ہمیشہ مردود و ذلیل رہے گی۔ پس شیطان اور جس چیز کی طرف وہ بلاتا ہے فطرت انسانی ان دونوں کو دھکے دیتی ہے مگر پھر بھی انسان اس کا ارتکاب کرتا ہے۔

وسواس — ۱۰۶۱ وسوس۔ وَسْواس اصل میں اس ہلکی آواز کو کہتے ہیں جو ہوا سے پیدا ہوتی ہے اور شکاری کے چلنے کی آہٹ کو بھی وسواس کہا جاتا ہے (ل)، اس لئے وسوسۃ ناقص خیالات ہیں جو دل میں آئیں (غ)۔

سوأۃ — سوأت۔ سَوْأۃ کی جمع ہے جس کے معنی شرمگاہ ہیں اور خلۃ قبیحۃ (ت)، یعنی بری خصلت بھی اور اس کی اصل سوء یعنی برائی ہے۔ لیث نے اس آیت کے الفاظ میں سَوْأۃ کے معنی کئے ہیں کل عمل وامر شائن یعنی ہر ایک عمل یا امر جو عیب

اَنۡ تَکُوۡنَا مَلَکَیۡنِ اَوۡ تَکُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِیۡنَ ۝ وَقَاسَمَہُمَاۤ اِنِّیۡ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ ۝ ۲۱

صرف اس لئے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ[۱۰۶۲] اور اس نے ان سے قسم کھا کر کہا کہ یقیناً میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں[۱۰۶۳]

لگانے والا ہو (ل)، اور ابن اثیر نے اس کے ایک معنی سئے ہیں کلّ امرٍ یُستحیٰی منہ ہر ایک امر جس سے حیا آئے قول ہو یا فعل (ن)، اور بحر المحیط میں سوأۃ کے معنی لکھے ہیں ما یسوء ھما من المعصیۃ یعنی نافرمانی جو ان کے دکھ کا موجب ہو۔

شیطان کا آدم اور حوا کو ان کی سوآت دکھانے سے مراد

یہاں سے معلوم ہوا کہ شیطان کا آدم کو پھسلانا وسوسہ کے ذریعہ سے تھا جس طرح ہر انسان کو وہ پھسلاتا ہے اور وسوسہ ڈالنے کی غرض بھی یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ انکی سوآت جو ان سے چھپا کر رکھی گئی تھیں یعنی ظاہر نہ ہوئی تھیں وہ ظاہر کر دے۔ آیا فی الحقیقت اس سے مراد کوئی لباس ہے جو ان کو پہنایا گیا تھا اور شیطان کی غرض اس لباس کو اُتار دینا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ کوئی ظاہری لباس ہو تو کسی ممنوع درخت کے پھل کے کھانے سے اس کے رہنے یا اُترنے کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ مفسرین نے بھی اس دقت کو محسوس کیا ہے۔ ابن جریر وہب بن منبہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان پر ایک نور تھا جس کی وجہ سے ان کی سَوآت دیکھی نہ جا سکتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ نور جن سَوآت کو ڈھانک سکتا ہے وہ ظاہری شرمگاہیں نہیں بلکہ باطنی عیوب اور قبائح ہیں اور سوأت کے یہ معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اور اس آیت کے معنی کو آیت ۲۷ حل کرتی ہے یعنی یٰبنی اٰدم لا یفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سواٰتھما اے آدم کے فرزندو تمہیں شیطان دُکھ میں نہ ڈالے جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا ان سے ان کا لباس اُتروا دیا تاکہ ان کو ان کی سوآت دکھا دے جہاں مجاہد سے روایت ہے ھو لباس التقوٰی یعنی تقوٰی کا لباس تھا جو اُتار دیا۔ پس سوآت سے مراد بھی عیوب اور قبائح ہی ہو سکتے ہیں۔ اور حدیث میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جہاں مغیرہ بن شعبہ کے متعلق یہ لفظ ہیں ھل غَسَلۡتَ سوأتک الا امس جہاں سَوۡأۃ میں اشارہ اس بیوفائی کی طرف ہے جو مغیرہ سے ایام جاہلیت میں اپنے ساتھیوں سے وقوع میں آئی (ت)، اور روح المعانی میں ایک قول اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے قیل ھو کنایۃ عن ازالۃ الحرمۃ واسقاط الجاہ یعنی اس سے مراد حرمت کا دور کرنا اور مرتبہ سے گرانا ہے۔ پس خود قرآن کریم اور حدیث اور مفسرین کی رائے سے یہ ظاہر ہے کہ سَوۡأٰت سے مراد یہاں ان کے عیوب اور کمزوریاں ہیں اور شیطان کی غرض پھسلانے میں یہ تھی کہ وہ پردہ جو انسان کی کمزوریوں پر پڑا رہتا ہے دور ہو جائے یعنی اس سے کمزوری کا اظہار ہو۔

شیطان کا بدی کو سجانا

[۱۰۶۲] شیطان چونکہ جھوٹا تھا اس لئے واقعات کے عین خلاف ان کے دل میں وسوسہ ڈالا یعنی یہ کہ بدی سے تم کو اس لئے روکا گیا ہے کہ تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا موت سے بچے رہو۔ گویا بدی کو اس قدر سجایا اور اس قدر اچھا دکھایا کہ انسان یہ خیال کرنے لگا کہ یہی میری موت سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ پہلا میلان انسان کا بدی کی طرف یہیں سے پیدا ہوتا ہے کہ اسکے ارتکاب میں وہ کوئی لذت دیکھتا ہے یا اسے اپنی زندگی کے سامانوں کا موجب سمجھتا ہے۔ شیطان چونکہ دھوکہ باز ہے اسلئے بدی سے جو حالت پیدا ہوتی ہے عین اس کے اُلٹ ہونے کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ بدی انسان کو ملکوتی صفات سے بہیمی صفات کی طرف لے جاتی ہے اور زندگی سے موت کی طرف اسلئے اس کا اُلٹ کہا کہ اس سے تم ملک بن جاؤ گے اور غیر فانی ہو جاؤ گے۔

قاسم

[۱۰۶۳] قاسم۔ باب مفاعلہ یہ ظاہر کرنے کیلئے اختیار کیا ہے کہ اس نے یقین دلانے کے لئے قسم میں سخت زور لگایا۔

۲۲ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

پس دھوکے سے ان کو گرا دیا سو جب انہوں نے درخت کو چکھا اُن کے عیب اُن پر ظاہر ہو گئے اور وہ باغ کے

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے اور اُن کے رب نے ان کو پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا

۲۳ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ

اور تمہیں (نہیں) کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ۱۰۶۸ انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور اگر تو ہماری حفاظت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

دَلْو ۔ اِدلاء ۔ تدلی

۱۰۶۷ دلّٰی ۔ دَلْو ڈول کو کہتے ہیں اور اِدْلاء توسّل کو جس کے لئے دیکھو ۲۳۸ اور تَدَلّی بلندی سے پستی کی طرف آنا ہے اور دَلّٰی کے معنی یہاں اِطْماع یعنی طمع دینا بھی کئے گئے ہیں جیسے پیاسے کو پانی کنوئیں کی طرف بھیجا تا ہو اور پھر اس میں پانی نہ ملے اور دوسرے معنی اَوْقَعَ یعنی گرا دیا کئے گئے ہیں (ل)۔

خصف

یَخْصِفٰن ۔ خَصَفَ جوتی کے گانٹھنے یا اس کے بعض کو بعض پر چڑھانے پر بولا جاتا ہو اور حدیث میں ہو اَنَّہٗ کَانَ یَخْصِفُ نَعْلَہٗ یعنی آنحضرت صلعم اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے تھے (ل)۔

ورقۃ ۔ ورق ۔ اورق

ورق ۔ درخت کے پتوں کو کہتے ہیں وَرَقَۃٌ واحد ہو مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ (الانعام ۔ ۵۹) اور وَرِق درہم کو کہتے ہیں فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ (الکہف ۔ ۱۹) اور اَوْرَقَ فُلَانٌ جس کے لفظی معنی ہیں وہ شخص پتوں والا ہو گیا اس سے مراد ہے ۔ وہ اپنی حاجت نہ پا سکا ۔ گویا کہ وہ بغیر پھل کے پتوں والا ہو گیا ۔ اور رِقۃ مال کو کہتے ہیں (غ)۔

پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے سے مراد

جب اوپر کی تشریح سے ثابت ہو گیا کہ جو لباس اُترا تھا وہ لباس تقویٰ تھا اور جو سوآت ظاہر ہوئی تھیں وہ اندرونی کمزوریاں تھیں تو باغ کے پتے لگانے کا مفہوم بھی ظاہری نہیں ہو سکتا بلکہ استعارۃً مراد اس سے ایسا فعل ہو کہ انسان اپنی کمزوری کا اخفا کرنے لگے اور ورق یا پتوں کا لفظ لا کر بتا دیا کہ یہ وہ انسانی کوشش ہو جو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی جیسا کہ ورق والا ہو جانے سے مراد ہی حاجت کا نہ پانا گویا پھل اس سے نہیں ملتا صرف پتے ملتے ہیں اور پھل دینے والی وحی الٰہی ہو ۔ معصیت کا ارتکاب پہلے پہلے انسان پر پشیمانی لاتا ہو وہی حالت آدم اور ان کی بی بی کی ہوئی ۔ اور جب اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا تو اب انسانی کوشش شروع کی۔

جسمانی افعال میں روحانی امور کی طرف اشارہ

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہو کہ جو بظاہر ایک جسمانی فعل معلوم ہوتا ہو اس کا اشارہ ایک روحانی امر کی طرف ہے معصیت میں مبتلا ہونے سے لباس نہیں اُترا کرتا ہاں احساس پیدا ہوتا ہو کہ انسان سے کمزوری سرزد ہوئی اسی کو زیادہ واضح کرنے کیلئے اگلے رکوع کی پہلی آیت میں لباس کا ذکر کیا ہو ۔ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۔ جہاں لباس التقویٰ سے صاف بتا دیا کہ اسی لباس کا ذکر آدم کے متعلق ہو ۔ چنانچہ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا میں مجاہد نے کہا ہو ھو لباس التقویٰ یعنی وہ لباس جو اُتار دیا وہ لباس تقویٰ تھا ۔ پس باغ کے پتے لگانے سے مراد بھی

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ۲۴

کہا نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور سامان ہے،

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ ۲۵ ۲۶

رکوع ۱۰ — وحی الٰہی انسان کو شیطان سے بچاتی ہے

کہا اسی میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے ۱۰۶۵ اے بنی آدم بیشک ہم نے تم پر لباس

لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ

اتارا جو تمہارے عیبوں کو ڈھانکتا ہے اور زینت کا موجب ہے اور تقویٰ کا لباس یہی بہتر ہے یہ اللہ کی باتوں میں سے (باتیں)

اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۲۷

ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۱۰۶۶ اے بنی آدم شیطان تم کو دکھ میں نہ ڈال دے

اپنی انسانی کوشش ہے کیونکہ فطرت انسانی کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ایک دفعہ اگر بدی سے مغلوب بھی ہو جائے تو دوسری دفعہ پھر اٹھنے کی کوشش کرتی ہے مگر یہ انسانی کوشش کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقی علاج انزلنا علیکم لباسا میں بتایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ سے وہ علاج کرتا ہے +

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں۔ ایک کھانا ایک لباس کسی چیز کے کھا لینے سے کسی لباس کا اتر جانا صحیح نہیں ہو سکتا جبتک کہ دونوں سے مراد روحانی امور نہ لئے جائیں یعنی کھانے سے مراد کسی بدی کا ارتکاب تھا لباس کے اتر جانے سے مراد اپنی کمزوری کا احساس ہے۔ یہی ہم دن رات بنی آدم میں دیکھتے ہیں اس لئے آدم کے لئے کوئی الگ معنی تجویز کرنے انسانی تجربہ کو باطل کرنا ہے +

زمینی زندگی کا اختتام صرف موت سے ہے

۱۰۶۵ فیہا تحیون میں بتایا کہ زمینی زندگی تمہارے لئے ضروری ہے یعنی اس سے تمہاری ترقیات پیدا ہوتی ہیں۔ اور زمینی زندگی کا اختتام موت سے ہوتا ہے نہ کسی اور طریق سے اور اس موت کے بعد پھر اٹھنا ہے جس میں اس زمینی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ملتا ہے۔ یہ حصر اس بات پر قطعی شہادت ہے کہ ان انسانوں کی زندگی جو اس زمین پر ہیں اسی زمین پر محدود ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھایا جانا اس آیت کے خلاف ہے۔ ایسا ہی زمینی زندگی کا انقطاع صرف موت سے ہو سکتا ہے پس جس شخص کی زندگی اس زمین پر ختم ہوگی لازماً وہ موت کا مزہ چکھ کر ہوگی نہ کسی اور طرح +

انزال

۱۰۶۶ انزلنا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی نعمتوں اور قسمتوں کا انزال یا نازل فرمانا صرف ان کا عطا کرنا ہے اور بعض وقت صرف ان کے حصول کے اسباب پیدا کر دینا اور ان اسباب کی طرف انسان کو ہدایت کر دینا ہی ہوتا ہے (غ) +

لباس

لباس۔ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو انسان کے کسی قبیح امر کو ڈھانک لے (غ)، اسی لئے بی بی کو خاوند کا اور خاوند کو بی بی کا لباس کہا ہے +

ریش

ریش۔ پرندے کے پروں یا کلغی کو کہتے ہیں جو بمنزلہ انسان کے لباس کے ہے +

پچھلے رکوع میں یہ بتایا تھا کہ انسان صرف اپنی کوشش سے وساوس شیطانی سے نہیں بچ سکتا اسلئے وحی الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے تمام نسل انسانی کو خطاب کر کے بتایا ہے کہ وحی الٰہی کی پیروی سے

كَمَآ أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ

جس طرح تمہارے ماں باپ کو باغ سے نکلوا دیا اُن سے ان کا لباس اتروا دیا تاکہ ان کو انکے عیب دکھا دے ۱۰۶۶ وہ اور

هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا

اس کی فوجیں تم کو اسی طرح پر دیکھتے ہیں کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست بنایا ہے جو

يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا ۲۸

ایمان نہیں لاتے ۱۰۶۸ اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے پایا

تم شیطان سے بچ سکتے ہو +

لباس اور اسکے اتار دینے سے مراد

لباس کے اُتارنے سے یہاں کیا مراد ہو؟ اس میں شک نہیں کہ جس لباس التقوٰی کا یہاں ذکر ہو وہ ایمان اور اعمال صالحہ کا لباس ہو۔ جیسا کہ ابن عباس۔ قتادہ سے مروی ہو تو ایک معنی تو یوں ہونگے کہ وہ ظاہری لباس جو تمہاری پردہ پوشی کرتا ہو۔ پھر صرف پردہ پوشی ہی نہیں بلکہ زینت کا کام بھی دیتا ہو۔ وہ تمہارے جسموں کی حفاظت اور زینت کے لئے بھی۔ آخر خدا نے ہی بہم پہنچایا ہو پس جس خدا نے تمہارے جسموں کیلئے یہ سامان بنایا کیا اس نے انسان کی روحانی کمزوری اس کے اخلاقی عیوب پر پردہ پوشی اور اس کی روحانی زینت کیلئے ہی کوئی سامان نہیں بنایا؟ یوں لباس ظاہری سے لباس باطنی کی طرف توجہ دلائی۔ مگر یوں بھی اس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ انزلنا علیکم لباسا سے مراد وحی الٰہی ہی ہو جو انسان کے عیوب کو ڈھانکنے اور اس کی زینت کا موجب ہے کیونکہ اگلی آیت میں صاف طور پر آدم کے لباس کے اُتر جانے کا ذکر کرکے سب انسانوں کو متنبہ کیا ہو کہ جس طرح شیطان نے تمہارے باپ اور ماں کا لباس اُتروا دیا تھا اسی طرح تمہارا لباس نہ اُتار دے۔ دیکھو اگلا نوٹ جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ یہاں جس لباس کا ذکر ہو وہ لباس روحانی ہو۔ اور اسی لباس کو جو انسان کے عیوب روحانی کے دور کرنے اور اس کی زینت کا موجب ہو لباس التقوٰی کہا ہو۔ اور ہدایت کی ہو کہ ایسے لباس کا پہن لینا یعنی وحی الٰہی پر عملدرآمد کرنا تمہاری بہتری کا موجب ہے، اور انسان کی حقیقی زینت کا موجب یہی لباس روحانی ہے۔

قبیلہ

۱۰۶۷ قبیل۔ قبیلۃ کی جمع ہو اور اس جماعت کو کہتے ہیں جو اجتماع کا رنگ رکھتی ہو اور ان کے بعض بعض کی خاطر توجہ کرنے والے ہوں (غ)، وجعلنٰکم شعوبا وقبائل (الحجرات ۴۹-۱۳) +

آدم اور ابن آدم

یہاں لفظ کما کے استعمال سے صاف بتا دیا کہ جو حملہ شیطان کا آدم پر تھا وہی ابن آدم پر ہوتا ہو جس طرح اس کو دکھ میں ڈالا کہ باغ سے نکال دیا۔ اسی طرح ہر ابن آدم کو دکھ میں ڈالنے کا وہ موجب ہو سکتا ہو جس طرح شیطانی وسوسے سے ان میں ایک کمزوری نمودار ہو گئی۔ اسی طرح ہر انسان اس کمزوری کا شکار ہو سکتا ہو یہی معنی امام مجاہد نے کئے ہیں یعنی ینزع عنہما لباسہما کی تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں . . . . . . هو لباس التقوٰی یعنی اس لباس کے اُتروا دینے سے مراد لباس تقوٰی کا اُتروا دینا یا معصیت کرانا ہو۔ مزید تشریح کے لئے دیکھو ۱۰۶۱ و ۱۰۶۴ +

جنوں یا شیاطین کا دیکھنا

۱۰۶۸ اس سے صاف شہادت ملتی ہو کہ آدم نے بھی شیطان کو نہیں دیکھا جس طرح ہم نہیں دیکھتے نہ کوئی انسان جنوں کو دیکھ سکتا ہو کیونکہ شیطان بھی جنوں میں سے ہو ہاں شیاطین الانس کو بیشک دیکھ سکتا ہو! ور جنوں کو دیکھنے وغیرہ کے جو قصے بنے ہوئے ہیں سب بے بنیاد ہیں ہاں کشفی نظر سے وہ دیکھے جا سکتے ہیں اور وہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کے سوا اور کوئی دخل

وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

اور اللہ نے ہم کو اسکا حکم دیا کہو اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ پر جھوٹ وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے

قُلْ اَمَرَ رَبِّىْ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ ۲۹

کہو میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے آپ کو ہر سجدہ کے وقت میں درست رکھو اور فرمانبرداری کو اسی کے لئے خالص کرتے

لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ○ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ ۳۰

ہوئے اس کو پکارو جس طرح تم کو پہلے بنایا تم لوٹ کر بھی آؤ گے ایک گروہ کو ہدایت کی اور دوسرا گروہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنایا اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں

لفظ شیطان کا استعمال بطور اسم جنس

ان کے کاروبار میں نہیں دیتے جیسا کہ اکثر قصے بنے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے لفظ کا استعمال اسم جنس کے طور پر ہوا ہے۔ کیونکہ شیطان کا ذکر کرتے کرتے یہاں اس کی جماعتوں کا ذکر بھی کر دیا ✦

۱۰۶۹ عرب کے لوگ اپنے مشرکانہ رسوم و رواج کو جوان کے باپ دادا سے چلے آتے تھے خدا کے حکم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اصول کیا عمدہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ جو سرچشمہ قدوسیت ہے۔ وہ ناپاکی اور بےحیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے رکھا پس جس بات کو فطرت انسانی بےحیائی میں داخل کرتی ہے وہ خدا کا حکم نہیں ہو سکتا ✦

قسط

۱۰۷۰ قسط کے معنی عدل کا حصہ ہیں پس اس میں ہر قسم کی طاعات داخل ہیں کیونکہ جو دوسرے کا حق لیتا ہے یا اسکا حق دیتا نہیں وہ عدل نہیں کرتا۔ افراط و تفریط قسط یعنی عدل کے خلاف ہیں ✦

مسجد

مَسْجِدٍ۔ سجدہ کا وقت یا سجدہ کا مکان۔ مراد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے ✦

جب فواحش سے روکا تو ساتھ ہی بتایا کہ اللہ تعالیٰ حکم کن باتوں کا دیتا ہے۔ حقوق انسانی کی ادائگی تو قسط میں آگئی۔ اصول عدل کو ملحوظ رکھو۔ اور دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ دلائی ✦

کما بدأکم تعودون میں توجہ دلائی کہ تمہاری تیاری ایک اور زندگی کے لئے ہونی چاہئے جس خدا نے پہلے بنایا وہی تم کو تمہارے اعمال کی جزا و سزا کیلئے پھر بنائیگا ✦

گمراہی کا فتویٰ

۱۰۷۱ فریقاً حق علیہم الضلالۃ یہاں انہی لوگوں کے وصف میں ہے جن کے متعلق دوسری جگہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا اضلال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسلئے گمراہ ٹھہراتا ہے کہ گمراہی کا فتویٰ ان پر صادق آتا ہے۔ یا گمراہی ان پر ثابت ہوتی ہے۔ اور گمراہی کن لوگوں پر ثابت ہوتی ہے جو شیطانوں کو دوست بنا کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں جس نے بدی کو نیکی سمجھ لیا اس کا بدی سے نجات پانا محال تک پہنچ جاتا ہے ✦

۳۱ یٰبنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب

اے بنی آدم ہر ایک سجدہ کے وقت اپنی زینت کو اختیار کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور زیادتی نہ کرو کیونکہ وہ زیادتی کرنے والوں

۳۲ المسرفین ۝ قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق

سے محبت نہیں کرتا ۱۰۷۲ کہو کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے

قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیٰمۃ کذٰلک نفصل

کہو وہ دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے قیامت کے دن خالص انکے لئے، اسی طرح ہم باتوں کو ان لوگوں

۳۳ الاٰیٰت لقوم یعلمون ۝ قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن

کیلئے کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ۱۰۷۳ کہو میرے رب نے صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوں

ع ۸ — وحی الٰہی کو رد کرنے والوں کا انجام

عرب کا عبادت کے وقت کپڑے اتار دینا

۱۰۷۲ سجدہ یا فرمانبرداری کے وقت میں زینت لینے سے مراد اکثر مفسرین نے کپڑوں کا پہننا لیا ہے اس لئے کہ عرب کے لوگ حج کے وقت یا دعا کے وقت کپڑے اتار دیا کرتے تھے یہاں تک کہ عورتیں بھی برہنہ ہو جایا کرتی تھیں اس خیال سے کہ جن کپڑوں میں گناہ کیا ہے ان کپڑوں میں عبادت نہیں کرنی چاہئے۔

نماز کے وقت زینت سے مراد

لیکن ہو سکتا ہے کہ زینت سے مراد روحانی زینت ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو۔ تو ان سب سامانوں کو بھی ساتھ رکھو جو انسان کی حقیقی زینت کا موجب ہیں گویا اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔ چنانچہ اس رکوع کی سب سے پہلی آیت میں جب لباس کو پردہ پوشی اور زینت کا سامان قرار دیا تو ساتھ ہی فرمایا کہ اس سے بہتر ایک لباس اور بھی ہے اور وہ لباس تقوٰی ہے یعنی نیکی سے آراستہ ہونا پس اگر زینتکم سے لباس کا پہننا یا اچھے لباس میں ملبوس ہونا مراد ہے تو ساتھ ہی یہ بھی مراد ہے کہ حقیقی زینت روحانیت ہے اسکو بھی ساتھ رکھو اور اپنے آپکو تقوٰی سے آراستہ کرکے مسجدوں میں جاؤ۔ اور جس طرح اخلاق حسنہ کی طرف توجہ دلائی۔ ساتھ ہی کھانے پینے کے متعلق بھی ہدایت فرمائی جس کے چار پانچ لفظوں میں نصف طب آجاتی ہے۔ کھاؤ اور پیو اور زیادتی نہ کرو یعنی کھانے پینے تک میں افراط و تفریط سے بچو۔ اس میں ہر قسم کی افراط و تفریط آجاتی ہے۔ مثلاً خاص قسم کی چیزیں کھانا یا خاص قسم کی چیزیں ترک کر دینا سب اسراف میں داخل ہے۔ گوشت کھاتا ہے تو سبزی نہیں کھاتا۔ یا سبزی کھاتا ہے تو گوشت نہیں کھاتا۔ ایسا ہی جس مقدار غذا کی انسان کیلئے ضرورت ہے اس میں ضرورت سے زیادہ کھا لینا یا جس قدر ضرورت ہو اس سے کم کھانا یہ سب افراط و تفریط میں داخل ہیں۔ اور کھانے پینے میں حصول اعتدال نہ صرف صحت جسمانی کو قائم رکھنے والی چیز ہے۔ بلکہ اس سے انسان کی ساری خواہشات سفلی حالت اعتدال پر آجاتی ہیں اور شیطان جو ان خواہشات سفلی کا محرک ہے وہ اس کا فرمانبردار ہو جاتا ہے۔

کھانے پینے میں اعتدال کی تعلیم

اچھی چیزوں کا استعمال خلاف شریعت نہیں

۱۰۷۳ اچھی چیزوں کو روحانی ہوں یا جسمانی اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا۔ نہ اچھے کھانوں کو۔ نعمائے دنیا بھی اگر مومن کو میسر ہوں تو ان سے فائدہ اٹھائے۔ آنحضرت صلعم حالانکہ نہایت درجہ کی سادگی سے گزارہ کرتے تھے۔ نہایت ہی سادہ غذا نہایت ہی سادہ لباس نہایت ہی سادہ مکان لیکن اگر کھانے کیلئے کوئی اچھی چیز آجاتی تو اسے رد نہ کرتے تھے پہننے کیلئے اچھا کپڑا ملجاتا تو اسے پھینک نہ دیتے تھے۔ مسلمانوں میں افراط و تفریط ہے ایک گروہ تو دنیا کی آسائش کی تلاش میں

وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا

اور گناہ کو اور ناحق بغاوت کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسکو شریک کرو جس کے لئے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ اللہ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً ۳۴

پر جھوٹ وہ کہو جو تم نہیں جانتے ۱۰۷۴ اور ہر ایک قوم کے لئے ایک میعاد ہے پھر جب ان کی میعاد آپہنچتی ہے تو ایک گھڑی پیچھے نہیں رہ سکتے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ ۳۵

اور نہ پہلے جا سکتے ہیں ۱۰۷۵ اے بنی آدم اگر کبھی تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں میری آیات تم پر پڑھتے ہوئے

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

تو جو کوئی تقوی کرے اور اصلاح کرے ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ پچھتائیں گے ۱۰۷۶

میں اتنا منہمک ہوا ہے کہ اس سے اوپر نظر نہیں اٹھتی اور ایک گروہ وہ بھی ہے جو صاف کپڑا رکھنا صاف جسم رکھنا۔ یا اچھا کھانا کھانا حرام سمجھتا ہے قیامت کے دن نعماء خاص طور پر مومنوں کا ہی حصہ ہیں یعنی کفار اس دن نعماء سے متمتع نہ کئے جائینگے۔ یا خالصۃ سے یہ مراد ہے کہ اس دنیا میں نعماء کے ساتھ رنج اور حزن کی باتیں بھی ملی ہوتی ہیں۔ نعمائے قیامت ان سے پاک ہونگی تعلق اس آیت کا اصل مضمون سے یہ ہے کہ وحی الٰہی اچھی چیزوں کو حرام نہیں کرتی بلکہ اچھی چیزوں کی طرف ہدایت کرتی ہے ✦

فاحشہ۔ اثم۔ بغی

۱۰۷۴ اس میں بتایا کہ وحی الٰہی صرف ان چیزوں سے روکتی ہے جو یا خود بری ہیں یا ان کا انجام برا ہے۔ اول فواحش یعنی بےحیائی کی باتوں کا ذکر کیا خواہ وہ علانیہ کی جائیں یا چھپکر۔ مثلاً زنا اور اس کے مبادی سب فواحش میں داخل ہیں علے الاعلان ہوں یا چھپکر خواہ کوئی دیکھتا ہو یا نہ دیکھتا ہو۔ پھر اثم کا یعنی جسے انسان کی ضمیر بتا دیتی ہے کہ وہ برا کام ہے یا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اور پھر بغی کا یعنی دوسرے لوگوں پر زیادتی۔ اثم کا اثر لازماً دوسرے پر نہیں۔ بغی صرف دوسروں پر زیادتی ہے ✦

۱۰۷۵ لا یستاخرون کے معنی پیچھے رہنے کا ارادہ نہ کریں گے اور لا یستقدمون آگے جانے کا ارادہ نہ کرینگے (غ) یعنی وقت مقرر سے پہلے بھی وہ عذاب نہیں آ سکتا اور جب آ جائے تو ٹل بھی نہیں سکتا ✦

رسولوں کے بھیجنے کا عام قانون اور ختم نبوت

۱۰۷۶ یہاں اور اس سے پیشتر چند باتیں عام طور پر ساری نسل انسانی کو مخاطب کر کے کہی ہیں۔ یٰبنی اٰدم قد انزلنا علیکم لباسا۔ یٰبنی اٰدم لا یفتننکم الشیطان۔ یٰبنی اٰدم خذوا زینتکم۔ اور یہاں یٰبنی اٰدم اما یاتینکم رسل جس کا مطلب یہ ہے کہ لباس سارے بنی آدم کیلئے ہے۔ شیطان کے فتنہ سے سب بنی آدم کو متنبہ کیا ہے۔ سب بنی آدم کو خدا کی عبادت کرتے وقت زینت اختیار کرنے کو کہا۔ اور بالآخر سب بنی آدم کو بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی اپنا رسول بھیجے تو اس کو قبول کرنا چاہئے کیونکہ رسولوں کو قبول کرنے سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے اور ان کا رد کرنا موجب خسران ہے۔ بعض ختم نبوت کے منکر اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ اس کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رسول آتے رہنے چاہئیں اس آیت سے رسولوں کے آنحضرت صلعم کے بعد آنے کا نتیجہ اول بہاء اللہ نے اور بعد میں ان کی نقل کر کے میاں محمود

۳۶ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور اُن سے تکبر کریں وہ آگ والے ہیں اسی میں رہیں گے ۱۰۰۷

۳۷ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ

پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے ان لوگوں کو ان کا حصہ کتاب سے ملتا رہیگا یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے اُنکے پاس آئیں گے کہ ان کو وفات دیں

قادیانی کے مریدوں نے نکالا ہے حالانکہ اس آیت کو نہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خود اور نہ ان کی زندگی میں ان کے مریدوں نے کبھی پیش کیا۔ ایک شرطیہ جملہ سے یہ نتیجہ نکالنا کمال نادانی ہے۔ مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ اگر بنی آدم کے پاس خدا کا رسول آئے تو اس کو قبول کرنے میں ان کی بہتری ہے۔ سو وہ رسول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کی ذات بابرکات کے متعلق یہ اعلان ہے کہ اگر اس کو قبول کروگے تو تمہاری بہتری کا موجب ہے اگر رد کروگے تو تمہارے نقصان کا موجب ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ رسل کا لفظ جمع کیوں استعمال کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلئے کہ خطاب کل بنی آدم کو ہے اور بنی آدم کی طرف رسول بھیجنے کا عام ذکر ہے۔ تو بلاشبہ آنحضرت صلعم سے پہلے بنی آدم کے پاس رسول آتے رہے اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفے صلعم کو بھیجا گیا کہ دنیا کی کل قوموں کو ایک سلسلہ اخوت میں منسلک کریں اور اسبات کی شہادت کہ آپکے بعد رسول نہ آئینگے دوسری جگہ سے ملتی ہے جہاں فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا۔ رسول تو دین سکھانے کے لئے آتے تھے جب اللہ تعالےٰ نے دین کو کامل کرکے پہنچا دیا تو پھر رسولوں کے آنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی۔ جب کمال شریعت اور شریعت کے آنے کیلئے مانع ہوگیا تو کمالِ نبوت بھی اور نبی کے آنے کے لئے مانع ہوگیا۔ جو ضرورت تھی وہ پوری ہوگئی۔ آفتاب رسالت شمس نصف النہار کی طرح چمک رہا ہے اس لئے اب کسی رسول کی ضرورت دنیا کو نہیں۔ اور وہ لوگ جو رسول کے آنے کا جواز نکالتے ہیں مگر شریعت کا آنا نہیں مانتے ان کے لئے خود یہاں لفظ موجود ہیں یقصون علیکم اٰیٰتی یعنی رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام بھی لائینگے۔ وہی پیغام شریعت ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ کسی پہلے رسول کی آیات ہیں تو پھر تکذیب تو ان آیات کی ہے۔ دیکھو اگلا نوٹ ایسے رسول کی تکذیب کوئی شے نہ ہوئی +

رسول کیساتھ پیغام کا آنا ضروری ہے

۱۰۰۷ اس آیت سے صاف شہادت ملتی ہے کہ رسولوں کے آنے سے مراد ایسے رسولوں کا آنا ہے جن کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا کوئی پیغام بھی ہوتا ہے چنانچہ جس طرح پہلے فرمایا تھا اما یاتینکم منی ھدی (البقرة ۲ ـ ۳۸) اور اسکے متعلق دو گروہوں کا ذکر کیا ایک فمن تبع ھدای اس ہدایت کی پیروی کرنے والے۔ اور دوسرے والذین کفروا وکذبوا باٰیٰتنا یعنی اس ہدایت اس پیغام کا انکار کرنے والے اسی طرح یہاں دو گروہ ہیں ایک اصلاح کرنیوالے دوسرے آیات یعنی پیغام الٰہی کی تکذیب کرنے والے پس دونوں آیتوں کا مطلب ایک ہے اور دونوں گروہوں کی جزا کا ذکر یکساں الفاظ میں ہے۔ دونوں میں سزا تکذیب پیغام کی ہے۔ اور رسولوں کے ختم ہوجانے پر واقعات عالم بھی گواہ ہیں جس قسم کے لوگ پہلے آیا کرتے تھے اور ایک عالم کو اپنے پیچھے لگا لیتے تھے اب تیرہ سو سال سے اس قسم کا کوئی انسان دنیا میں ظاہر نہیں ہوا

قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ

کہیں گے وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوائے پکارتے تھے کہیں گے وہ ہم سے جاتے رہے اور اپنی جانوں پر

أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۝ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم ۳۸

گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ۱۰۷۸ کہے گا اُن قوموں میں جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں

مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا

سے گزر چکیں آگ کے اندر داخل ہو جاؤ جب کبھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی ساتھی (قوم) پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ

ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ

سب اس کے اندر ایک دوسرے کو پالیں گے اُن کے پچھلے اپنے پہلوں کو کہیں گے اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا سو ان کو

عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ ۳۹

دوچند عذاب آگ کا دے کہے گا ہر ایک کے لئے دوچند ہی لیکن تم نہیں جانتے ۱۰۷۹ اور اُن کے

أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

پہلے اُن کے پچھلوں کو کہیں گے تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں سو اس کے عوض جو تم کماتے تھے عذاب چکھو

۱۰۷۸ نصیبہم من الکتٰب۔ کتاب بمعنی مکتوب بھی ہو سکتا ہے یعنی جو حصہ ان کے لئے لکھا گیا ہے۔ مگر الکتاب سے مراد یہی قرآن بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ قرآن کو رد کرکے اس حصے سے بہرہ ور ہونگے جو رد کرنیوالوں کیلئے قرآن نے قرار دیا ہے۔

شہدوا علیٰ انفسہم اپنے نفسوں پر شہادت دینے سے مراد یہ ہے کہ الزام قبول کریں گے اور اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے یا یہ کہ ان کی حالت خود بتا دے گی کہ وہ کافر تھے اور جو طاقتیں انسان کی ترقی کے لئے انسان کے اندر ودیعت کی گئی تھیں ان کو انہوں نے دبایا ✦

اخ۔ اخت

۱۰۷۹ اختہا۔ اخ اور اخت کا لفظ ہر قسم کی مشارکت پر بول دیا جاتا ہے۔ خواہ ولادت کے لحاظ سے ہو یا رضاعت کے لحاظ سے یا دین یا صنعت یا معاملہ یا دوستی کے لحاظ سے۔ کفر میں شریک بھی سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور اسلام میں شریک بھی سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یہاں اختہا بلحاظ سیاق انکے اولیاء ہیں (غ) یا یہ کہ تابع متبوع پر لعنت کریں گے اور متبوع تابع پر ✦

اولیٰ۔ اخریٰ

اخرٰہم۔ اولٰہم سے پچھلے اور پہلے بلحاظ مرتبہ مراد ہیں یعنی تابع اور متبوع۔ یا ضعفا اور کبرا ✦

دوچند عذاب سے مراد

لکل ضعف یعنی اگر متبوع زیادہ عذاب کے مستحق ہیں اسلئے کہ انہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ تو تابع بھی زیادہ کے مستحق ہیں اسلئے کہ انہوں نے آنکھیں بند کرکے تقلید کی۔ دوسری توجیہ دوچند عذاب کی یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا عذاب مراد ہے یوں ہر ایک کیلئے اس کا دوچند ہے جو نظر آتا ہے۔ گو دوسرا نہ جانتا ہو۔ امام راغب نے یہی معنی لئے ہیں ✦

ع ۵ ۸ ۱۲

وحی کو قبول کرنیوالے

۴۰ اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اُن سے سرکشی اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور وہ جنت میں

۴۱ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ○ لَهُمْ

داخل نہ ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں ع۱۰۸۰ اُن کے لئے

مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ○

جہنم کا بچھونا ہوگا اور اُن کے اوپر (اسی کے) اوڑھنے اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں ع۱۰۸۱

۴۲ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز

اور جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتے مگر اسکی وسعت کے مطابق

آسمان کے دروازے نہ کھولنے سے مراد

ع۱۰۸۰ لا تفتح لھم ابواب السماء۔ مراد یہ ہے کہ ان کے اعمال اوپر نہیں جاتے یا ان کی ارواح کا رفع نہیں ہوتا۔ صالح عمل کو اللہ تعالیٰ رفع دیتا ہے والعمل الصالح یرفعه (فاطر ۳۵۔ ۱۰) ایسا ہی مومنوں کو بھی اللہ تعالیٰ رفع دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا اسم الرافع ہے اس لئے خواہ یہاں کفار کے اعمال مراد لئے جائیں۔ یا ان کی ارواح مطلب ایک ہی ہے ان کو رفع عطا نہیں ہوتا۔ اسی لحاظ سے فرمایا کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے +

جمال۔ جمل

جمل جَمال حسن کو کہتے ہیں اور جَمَل اونٹ کو اس لئے کہ وہ اونٹ کو اپنے لئے خوبصورتی کا موجب سمجھتے تھے

جمالة

اس کی جمع جِمالَة قرآن شریف میں آئی ہے کانه جمالة صفر (المرسلٰت۔ ۳۳) اور جمال بھی آئی ہے +

سمّ

سمّ۔ تنگ سوراخ کو کہتے ہیں جیسے سوئی کا ناکہ یا ناک یا کان میں جو چھید کیا جاتا ہے اور سَمّ زہر کو کہتے ہیں اسلئے

سموم

کہ وہ اپنے لطفِ تاثیر سے بدن کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور سموم تیز گرم ہوا کو کہتے ہیں جو زہر کا سا اثر رکھتی ہے۔ فی سموم وحمیم (الواقعة ۵۶۔ ۴۲) والجان خلقناه من قبل من نار السموم (الحجر ۱۵۔ ۲۷) (غ) +

یلج الجمل فی سم الخیاط جمل یا اونٹ کو عرب بڑائی میں بطور مثال بیان کرتے ہیں اور سوئی کے ناکے کو تنگی مسلک میں۔ یہاں یہ بتایا کہ ان کے اعمال نے ان کیلئے جنت میں داخل ہونا ایسا ہی مشکل کر دیا ہے جیسا اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا مشکل ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو وہاں پہنچا دے یا سزا دینے کے بعد تو یہ اور معاملہ ہے اصل غرض بمقابلہ رد کرنے والوں کے وحی کو قبول کرنے والوں کا ذکر ہے اس مقابلہ کے اظہار کیلئے پہلی دو آیتوں میں پچھلے رکوع کے مضمون کو جاری رکھا ہے +

غاشیة

ع۱۰۸۱ غواش۔ غاشیة کی جمع ہے ڈھانکنے والی چیز۔ اور ایسی مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے جو ڈھانک لے تاتیهم غاشیة (یوسف ۱۲۔ ۱۰۷) اور قیامت کو بھی هل اتٰك حدیث الغاشیة (الغاشیة ۸۸۔ ۱) +

جہنم کے اوڑھنا اور بچھونا ہونے سے مراد یہ ہے کہ چاروں طرف سے عذاب ان پر محیط ہوگا +

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ ٤٣

یہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے ۱۰۸۲ اور جو کچھ ان کے سینوں میں رنج ہو گئے ہم نکال دینگے

تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ

اُن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کو ہے جس نے ہمکو اسکے لئے ہدایت دی اور ہم ہدایت پا سکتے

لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا یقیناً ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور اُن کو ندا دی جائیگی کہ اس جنت کا تم کو

الثلثة

أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن ٤٤

اس کے بدلہ میں وارث کیا گیا جو تم کرتے تھے ۱۰۸۳ اور جنت والے آگ والوں کو پکاریں گے کہ بیشک

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا

ہم نے جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا سچ پایا تو کیا تم نے بھی جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا سچ پایا کہیں گے

نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

ہاں تب ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکاریگا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو

غِلّ

۱۰۸۲ غِلّ ۔ کے معنی عداوت ہیں (غ)، یا کینہ رنج حسد +

نعمائے دنیا کے ساتھ یہ بھی لگا ہوا ہو کہ سینوں میں کسی قدر غل وغش رہتا ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ کینہ یا حسد ہوتا ہے۔ جنت کی نعماء کے ساتھ یہ باتیں نہ ہونگی۔ درجات میں اگر ایک دوسرے سے بلند بھی ہونگے تو بھی دلوں میں کوئی حسد نہ ہوگا۔ وہ نعماء ہر قسم کی ردی آمیزش سے پاک ہوں گی۔ اور یا یہ مراد ہے کہ مومنوں میں بھی بعض وقت غلط فہمیوں سے ایک دوسرے سے رنج ہو جاتا ہے۔ قیامت میں وہ نہ ہوگا +

وراثة

۱۰۸۳ اورثتموھا ۔ وراثۃ اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مال کسی غیر سے بلا کسی عہد کے یا بلا ایسی چیز کے جو عہد کے قایم مقام ہو پہنچے۔ پھر اس کا استعمال ایسے مال پر ہوتا ہے جو میت سے پہنچتا ہے اور ایسے حصول مال پر بھی ہوتا ہے جو بلا مشقت ملے، اور ایسا ہی جب کسی کو کوئی نعمت عطا کی جائے جو اس کے لئے خوشگوار ہو (غ)۔ یہاں جنت کو مومن کے لئے ورثہ بتانے میں یہ اشارہ ہو کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہو۔ اعمال کا بدلہ بھی ساتھ فرمایا مگر یہ بھی ہو کہ اعمال صالحہ جو انسان کرتا ہو تو وہ اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ ان پر نعماء کا عطا کرنا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہو +

۴۵ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَہَا عِوَجًا ۚ وَہُمْ بِالْاٰخِرَۃِ کٰفِرُوْنَ (وقف لازم)

وہ جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور آخرت کے بھی منکر تھے ۱۰۸۴

۴۶ وَبَیْنَہُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰہُمْ ۚ

اور ان کے درمیان پردہ ہوگا ۱۰۸۵ اور اعراف پر کچھ مرد ہونگے جو سب کو ان کے نشانوں کو پہچانتے ہونگے ۱۰۸۶

عوج

۱۰۸۴ عوج۔ عَوَج وہ ٹیڑھا پن ہے جو آنکھ سے نظر آجائے اور عِوَج وہ جو بصیرت سے معلوم ہو۔ یبغونہا عوجا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین کو استقامت دی ہے تو یہ اس حالت سے اس کو بدلنا چاہتے ہیں +

دوسری زندگی کے حواس اور کیفیات

۱۰۸۵ یعنی اہل جنت اور اہل نار کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ پس وہاں کے حواس الگ ہی ہیں اور وہاں کی کیفیات بھی الگ ہیں۔ دونوں کے درمیان پردہ بھی حائل ہے بایں ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھتے بھی ہیں۔ یہاں کے مکان کی کیفیات وہاں کے مکان کی کیفیات نہیں + نیز دیکھو ۱۸۳۸

عرف۔ اعراف

۱۰۸۶ الاَعْراف۔ عُرْف کی جمع ہے اور وہ ہر ایک بلند مرتفع مکان کو کہتے ہیں اور زجاج کا قول ہے کہ اعراف وہ بلند مکان ہیں جو دیوار کے اوپر ہوں۔ اور ایسا ہی جو بلند زمین ہو وہ بھی عُرْف کہلاتی ہے۔ اور ہواؤں اور بادلوں کے اَعْراف وہ ہیں جو پہلے آئیں اور جو بلند ہوں (ل) +

سیما

سیما۔ سام سے ہے اور اس کے معنی علامت ہیں +

اصحاب اعراف سے مراد

اصحاب اعراف کون لوگ ہیں۔ اکثر مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں اور وہ اعراف کو حجاب قرار دیتے ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے۔ مگر لفظ کے لغوی معنی کی رو سے یہ تاویل درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اعراف بلند مقاموں کا نام ہے۔ دوسرے ان کے مرتبہ کی بلندی اس سے ظاہر ہے کہ وہ سب کو پہچانتے ہیں یعنی اہل دوزخ کو اور اہل جنت کو نشانوں سے پہچانتے ہیں یہ ان کی معرفت بلند کا نتیجہ ہے۔ تیسرے ان کو رجال کہا ہے اگر وہ گروہ مراد ہوتا جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں تو رجال کی خصوصیت کے کوئی معنی نہیں کیونکہ ایسی عورتیں بھی ہونگی اور مرد بھی ہونگے۔ رجال کی خصوصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسل اور انبیاء کا گروہ ہے کیونکہ رسالت مردوں سے مخصوص رہی ہے۔ اور لسان العرب میں ایک قول اصحاب الاعراف کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ انبیاء ہیں۔ اور گو ایک گروہ مفسرین کا اس طرف بھی گیا ہے کہ اس سے مراد ملائکہ ہیں مگر اس میں بھی رجال کے لفظ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی پس حق یہی ہے کہ یہ انبیاء کا گروہ ہے جو اپنی اُمتوں کو پہچانتے ہیں کہ کون جنت میں جانے والے اور کون دوزخ میں اس کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے بھی ہوتی ہے کیونکہ انبیاء کو ایک خصوصیت دی گئی ہے کہ انہیں اپنی اپنی اُمتوں پر شہید کہا گیا ہے فکیف اذا جئنا من کل اُمۃ بشہید (النساء۔ ۴۱) اور یہ ایک الگ ہی گروہ قرار دیا گیا ہے۔ ہاں اُمت محمدیہ کو یہ فضیلت دی گئی ہے کہ اس کے کامل الایمان لوگوں کو بھی اس گروہ میں داخل کیا ہے جیسے فرمایا لتکونوا شہداء علی الناس (البقرۃ۔ ۱۴۳) اور اسی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ تین گروہ ہی بنائے ہیں ایک سابقون یا مقربوں کا گروہ۔ ایک اصحاب الیمین یا اہل جنت کا گروہ ایک اصحاب الشمال یا اہل دوزخ کا گروہ دیکھو سورۃ الواقعۃ اسلئے یہاں اہل جنت اور اہل نار کے علاوہ جس تیسرے گروہ کا ذکر ہو سکتا ہے وہ یہی سابقین اور مقربین کا گروہ ہے۔ اور لسان العرب میں ہے کہ ابن

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ○ وَاِذَا   ۴۷

اور وہ جنت والوں کو پکاریں گے کہ تم پر سلامتی ہو وہ ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امید رکھتے ہونگے ۱۰۸۷ اور جب

صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○

ان کی آنکھیں آگ والوں کی طرف پھریں گی کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ظالم قوم کے ساتھ نہ کیجیو ۱۰۸۸

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ   ۴۸

اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جن کو وہ انکے نشانوں سے پہچانتے ہونگے کہیں گے تم کو تمہاری جمعیت نے کچھ فائدہ نہ دیا

ع ۶
۱۳
مدد کرنے والوں اور قبول کرنے والوں کا مقابلہ

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ   ۴۹

اور نہ اس نے جو تم تکبر کرتے تھے ۱۰۸۹ کیا یہ وہی ہیں جو تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر رحمت نہیں کرے گا

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ○

جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم پچھتاؤ گے ۱۰۹۰

عباس سے دریافت کیا گیا کہ اس قول کے کیا معنی ہیں اهل القرآن عُرفاء اهل الجنة تو آپ نے فرمایا رؤساء اهل الجنة یعنی عرفا سے مراد سرداران اہل جنت ہیں +

۱۰۸۷ یعنی اہل جنت ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہاں اُمیدوار ہیں لیکن یہ مقربین کا گروہ چونکہ بلند مقام پر ہے اس لئے اہل جنت کو پہچانتا ہے +

۱۰۸۸ یہ اسلئے کہینگے کہ ابھی وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے صرفت ابصارهم میں انہی اہل جنت کا ذکر ہے +

۱۰۸۹ جمعکم سے مراد جمعیت بھی ہوسکتی ہے اور مال و دولت کا جمع کرنا بھی یہ الفاظ کہ اعراف والے دوزخ والوں میں سے خاص لوگوں کو پکارینگے اور ان کو انکی جمعیت اور ان کا تکبر یاد دلائینگے اسی نتیجہ کے مؤید ہیں جس پر ہم اوپر پہنچے ہیں کہ اصحاب اعراف سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ رجال جنکو وہ پکارینگے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے مال اور جتھے کو حق کی مخالفت پر لگایا۔ ان لوگوں کو جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں حق کے ان مخالفین سے کیا تعلق اور ان کے انہیں پہچاننے کا کیا مطلب؟ ہاں انبیاء ان کو پہچانتے ہونگے اس لئے کہ ان کی مخالفت ان لوگوں نے کی اور اگلی آیت میں اپنے متبعین کا ذکر کرتے ہیں +

۱۰۹۰ یہ اہل جنت کی طرف اشارہ کرکے کہا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو اب جنت میں جا رہے ہیں ان کے متعلق تم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہیں کریگا کیونکہ مخالفین حق مومنوں کو ذلیل سمجھا کرتے تھے چنانچہ ان کے اس قسم کے اقوال دوسری جگہ موجود ہیں اهؤلاء الذين من الله عليهم من بيننا (الانعام ۔ ۵۳) کیا یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے یعنی استہزا کے طور پر انکو کہتے تھے کیونکہ وہ غریب تھے آیت کے پچھلے حصہ میں خطاب اہل جنت کو کرتے ہیں جو ان انبیاء کے پیرو ہیں +

۵۰ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ

اور آگ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہم پر کچھ پانی بہاؤ یا اس سے دو جو اللہ نے تم کو رزق دیا ہے

۵۱ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّ

کہیں گے اللہ نے ان کو کافروں پر حرام کیا ہے ۱۰۹۱ جنہوں نے اپنے دین کو بے حقیقت مشغلہ اور کھیل بنایا اور

غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا

ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ دیا سو آج ہم ان کو چھوڑ دیں گے جس طرح وہ اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے اور اس لئے

۵۲ بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً

کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ۱۰۹۲ اور یقیناً ہم نے ان کو کتاب دی جسے ہم نے علم کے ساتھ کھول کر بیان کیا ہے ہدایت اور رحمت

۵۳ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں کیا وہ اس کے دیکھتے ہوئے انجام ہی کا انتظار کرتے ہیں جس دن اس کا بتایا ہوا انجام آئیگا وہ لوگ جنہوں نے

نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ

اسے پہلے بھلا رکھا تھا کہیں گے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے پس کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں

فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

جو ہمارے لئے سفارش کریں یا ہم لوٹائے جائیں تو (اور) عمل کریں اس کے خلاف جو ہم عمل کرتے تھے انہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور وہ جو افترا کرتے تھے اُن سے جاتا رہا ۱۰۹۳

اہل نار کی رزق سے محرومی کی وجہ

۱۰۹۱ جو لوگ اس دنیا میں کھانے پینے کے ہی خیال میں منہمک رہے وہاں بھی یہی خیال سر میں رہیگا اور انکو جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ رزق اب مانگنے سے نہیں مل سکتا۔ انکے قوٰی ہی اس قابل نہیں کہ وہ روحانی ثمرات حاصل کریں جن کا موقعہ انہوں نے خود گنوا دیا۔ وجہ اگلی آیت میں بتائی ہے+

۱۰۹۲ یعنی دنیا میں ان کو موقع دیا گیا تھا جسکو انہوں نے ضائع کر دیا۔ دین کو ایک کھیل سمجھا اور حیوانی خواہشات پر ہی گرے رہے۔ اسلئے ان کے روحانی قوٰی مر گئے اور وہ اس رزق کے اہل ہی نہیں رہے گویا اہل جنت بخل نہیں کرتے بلکہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ رزق تو خاص قوٰی کے حصول سے مل سکتا ہے مگر تم نے خود دنیا میں ان قوٰی کو بیکار کر دیا۔ نسیان کے معنی کیلئے دیکھو ۹۶

۱۰۹۳ تاویل کے معنی کیلئے دیکھو ۳۷۶ یہاں مراد اس کا بیان کردہ انجام ہے یعنی وہ وعید جو انکو دیئے گئے مطلب

ع ۷ ۱۴

حق کی تدریجی ترقی اور کامیابی کی نظیر

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۵۴

بیشک تمہارا رب اللہ ہی جس نے آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پیدا کئے ۹۴۲

یہ ہے کہ اصلاح کا وقت تو یہی ہے کہ وعید کے آنے سے پہلے پہلے کرے جب بدی کا انجام بظاہر ہو گیا تو پھر وہ ٹل کس طرح سکتا ہے ۔

یوم

۹۴۲ یوم کے معنی ۳۰ میں بیان ہو چکے ہیں ۔ ایک لمحہ سے لے کر پچاس ہزار سال کو بھی یوم کہا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ وہ یوم جس کو ہم دن کہتے ہیں جو آفتاب کے طلوع اور غروب سے تعلق رکھتا ہے وہ آسمانوں اور زمین کی پیدایش کے بعد ظہور میں آیا ۔ پس آسمانوں اور زمین کی پیدایش کے ذکر میں کبھی بھی مراد چوبیس گھنٹے کا دن رات نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے عام معنی وقت ہی مراد ہیں جو تمام حد بندیوں سے آزاد ہے ۔

آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کرنے سے مراد

اس رکوع میں یہ بتایا ہے کہ وہ حق جو وحی لائی ہے ۔ ضرور کامیاب ہو گا ۔ مگر اس کی ترقی جیسا کہ قدرت کے تمام نظارہ میں ہے تدریجی ہو گی ۔ اور اس لئے ابتداءً یوں کی کہ آسمانوں کو اور زمین کو بھی اللہ تعالےٰ نے چھ وقتوں میں پیدا کیا یعنی ان کی پیدایش کی جو آخری حالت ہے چھ زمانوں میں چھ حالتوں سے گزار کر ان کو اس حالت تک پہنچایا ۔ ان معنوں کی صحت پر یہ امر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون کے پہلے رکوع میں انسان کی پیدایش کے بھی چھ ہی مراتب بیان کئے ہیں ۔ نطفہ ۔ علقہ ۔ مضغہ ۔ مضغہ میں ہڈیوں کا پیدا ہونا ۔ پھر سارے اعضا کا ٹھیک ہو کر ہڈیوں پر گوشت کا چڑھ جانا ۔ پھر اس میں زندگی کا پیدا ہونا ۔ اور اس کے مقابل پر وہیں یعنی سورۃ المومنون میں چھ ہی مراتب خلق روحانی کے بیان فرمائے ہیں ۔ زمین کی پیدایش کو اگر لیا جائے تو سائنس سے موجودہ حالت تک پہنچنے میں چھ مرتبے ثابت ہوتے ہیں ۔ ایک وہ حالت جب یہ انگارے کی صورت میں تھی ۔ دوسری وہ حالت جب وہ انگارہ ٹھنڈا ہونا شروع ہوا اور پانی وغیرہ الگ ہوئے تیسری وہ حالت جب اس کی سطح کا اوپر کا حصہ کافی موٹا ہو گیا اور پہاڑ وغیرہ بن گئے ۔ چوتھی وہ حالت جب نباتات بنیں پانچویں وہ حالت جب حیوانات پیدا ہوئے چھٹی وہ حالت جب خلاصہ مخلوقات انسان بنا ۔ اسی طرح زمین آسمان کی ہر چیز کی پیدایش میں چھ مرتبے نظر آتے ہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی چھ مرتبے بتائے گئے ہیں یعنی اول مٹی کا پیدا ہونا پھر اس میں پہاڑوں کا بننا ۔ پھر درختوں کا پیدا ہونا پھر مکروہات کا پیدا ہونا ۔ پھر نور کا پیدا ہونا ۔ پھر جانداروں کا پیدا ہونا ۔ پھر انسان کا پیدا ہونا ۔ اور یوم الاحد یوم الاثنین وغیرہ کا جو ذکر بعض روایات میں ہے تو اس سے مراد واقعی یہی اتوار پیر وغیرہ کے ایام نہیں بلکہ پہلا دوسرا دن مراد ہیں ۔ اور یوم الجمعۃ سے مراد جمع ہونے کا دن ہے یعنی جس میں آدم کی پیدایش کی وجہ سے ساری مخلوقات جمع ہو گئی ابن جریر میں ایسی ہی ایک روایت کے بعد یہ لفظ آتے ہیں کہ ان چھ دنوں میں سے ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے ۔ پس معلوم ہوا یہ دن مراد کبھی نہیں لئے گئے بلکہ اس سے مراد چھ اوقات ہیں ۔ خواہ وہ ایک ہزار سال کے ہوں خواہ پچاس ہزار کے خواہ دس لاکھ کے ۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف

پھر وہ عرش پر غالب ہے۱۰۹۵

استویٰ

۱۰۹۵ استویٰ کے لئے دیکھو ۲۴ اس کا استعمال ایک چیز پر اس کی اپنی ذات میں حالت اعتدال پر ہونے پر ہوتا ہے اذا استویت انت (المؤمنون ۲۳-۲۸) لتستووا علی ظہورہ (الزخرف ۴۳-۱۳) فاستویٰ علی سوقہ (الفتح ۴۸-۲۹) اس معنی میں استویٰ کے معنی تمکن اور مضبوط ہونا ہو سکتے ہیں یا قرار پکڑنا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ استویٰ کا صلہ علیٰ ہو تو اس کے معنی استیلا یا غالب ہونا ہوتے ہیں اور استویٰ علی العرش کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں استویٰ لہٗ ما فی السمٰوات وما فی الارض اَیْ اِسْتَقَامَ الْکُلُّ عَلٰی مُرَادِہٖ بِتَسْوِیَۃِ اللّٰہِ تعالیٰ اِیَّاہُ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس کے لئے حالت اعتدال میں ہو گیا یا اس کے ارادہ کے مطابق حالت استقامت میں ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اعتدال پر بنایا (ر)

عرش

العرش۔ راغب کہتے ہیں کہ عرش اصل میں مسقف چیز کو کہتے ہیں اور بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ یعنی تخت کو عرش اس کے علو کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد عِزّ یعنی غلبہ اور سلطان اور مملکت بھی لیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ثُلَّ عرشُہٗ (جیسا کہ حضرت عمر کی روایت میں ہے) اور مراد اس سے لی جاتی ہے کہ اس کا غلبہ اور قدرت جاتی رہی۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ اللہ کا عرش ایک ایسی چیز ہے جس کو فی الحقیقت کوئی بشر نہیں جانتا۔ اور جو عوام الناس کا وہم ہے وہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں عرش اللہ تعالیٰ کو اٹھانے والا ہوتا۔ حالانکہ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ذو العرش وغیرہ میں عرش سے مراد اس کی مملکت اور غلبہ ہے نہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ۔ جس سے وہ پاک ہے۔

استویٰ علی العرش

استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے۔ سو اول الفاظ کے استعمال سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ وہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جو انسان کے لئے ہوتے ہیں مگر ان کی حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خدا کے بھی ہاتھ ہیں۔ وہ سنتا ہے دیکھتا ہے مگر اس کو انسانوں کے ہاتھوں پر ان کے سننے پر ان کے دیکھنے پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے۔ اسی طرح اگر ایک عرش بادشاہ کا ہے اور ایک عرش خدا کا ہے تو ان دونوں سے ایک ہی معنی تخت مراد لینا صریح غلطی ہے۔ بادشاہ کی بادشاہت تخت سے وابستہ ہے مگر خدا کی بادشاہت ان باتوں سے پاک ہے۔ بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے سے مراد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ اس کی قدرت اور حکومت کا نفاذ ہو گیا۔ یہی مراد نہ تخت پر بیٹھنے کا ظاہری فعل خدا کے استویٰ علی العرش سے ہو سکتی ہے دیکھو ۲۷ جہاں دکھایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف الفاظ منسوب ہوں تو جو ان میں آلہ یا ذریعہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ صرف فعل کی آخری غرض منسوب ہوتی ہے اور چونکہ انسان کے لئے استویٰ علی العرش سے مراد تخت پر بیٹھنے کے ذریعہ سے اس کی حکومت کا نفاذ پانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا استویٰ علی العرش صرف نفاذ حکومت و قدرت ہے۔

قرآن کریم کو دیکھیں تو خود اسے مطلب کو واضح کر دیا ہے سورۃ یونس میں فرمایا ثم استویٰ علی العرش یدبر الامر جہاں استویٰ علی العرش کی تفسیر خود ہی یدبر الامر سے فرما دی یعنی تدبیر امور کرتا ہے۔ پھر خاص اس موقعہ پر پہلے زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے پھر استویٰ علی العرش کا اور آیت کا خاتمہ ان الفاظ پر ہے لہ الخلق والامر پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور امر بھی اسی کا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ استویٰ علی العرش میں امر الٰہی کے نفاذ کا ذکر ہے اور خود طرز بیان بھی اسی کو چاہتی ہے۔ کیونکہ پیدا کرنا ایک کام ہے اور پیدائش میں نفاذ امر دوسرا کام۔ قدرت دونوں

يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ

رات کو دن کا لباس پہناتا ہے وہ اس کے پیچھے لگا تار چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم سے کام

بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ ۵۵

میں لگائے گئے ہیں دیکھو پیدا کرنا بھی اسی کے لئے ہے اور حکم بھی اللہ جہانوں کا رب برکت والا ہے۱۰۹۶ اپنے رب کو عاجزی سے اور

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

چھپ چھپ کر پکارو کیونکہ وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا ۱۰۹۷

سے کام ہوتی ہے پیدا بھی کرے اور اسی کا امر بھی اس میں نفاذ پائے یہی معنی فعال کے گئے ہیں (ر) ۔

کرسی اور عرش کے متعلق غلط فہمی — کرسی اور عرش دونوں کے متعلق عوام میں ایک غلط فہمی ہے۔ اول الذکر کو بخاری نے رفع کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے کرسی کے معنی علم کئے ہیں دیکھو ۳۲۹ب اس سے بھی عرش کے معنی قدرت یا نفاذ امر کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کرسی سے مراد علم ہے تو عوام کا خیال تو خود باطل ثابت ہوا۔ مشہور معنی کے لحاظ سے جس قدر روایات بیان کی جاتی ہیں انکو بیہقی نے بیان کر کے سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھو روح المعانی۔ اور اس پر ایک یہ بھی شہادت ہے کہ قرآن کریم میں یہ بار بار ذکر ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ تعالیٰ کا ہے اور کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر یہ کہیں نہیں کہ جو کچھ کرسی اور عرش میں ہے وہ بھی اس کا ہے یا وہ اسے جانتا ہے حالانکہ اگر کرسی اور عرش دو ایسے فلک ہوتے تو ایسا ذکر ضرور ہونا چاہئے تھا

حث حثیث — ۱۰۹۶ حثیثًا حَثَّ کے معنی ہیں ملنے میں جلدی کرنا اور حثیث کے معنی ہیں جلدی کرنے والا (ل) ۔

تسخیر — مسخرات۔ تسخیر کے معنی ہیں غالب ہو کر کسی خاص غرض کی طرف چلانا۔ پس مُسَخَّر وہ ہے جو اس طرح کام میں لگایا جائے

مسخر مسخری — (غ) اور مُسَخَّر وہ جو اس طرح کام میں لگایا جائے اور سُخْرِی وہ ہے جس پر دوسرا غالب آجائے پھر وہ اپنے ارادہ سے مسخر ہو جائے لیتخذ بعضکم بعضًا سخریا (الزخرف ۴۳ - ۳۲) مگر یہ تسخیر سے بھی ہو سکتا ہے اور سُخْرِیَّۃ سے بھی یعنی تمسخر کرنے سے (غ) ۔

تبارک — تبارک۔ بَرَکَۃ کسی چیز میں الٰہی خیر کا قائم ہو جانا ہے۔ اور تبارک میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان خیرات کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر تبارک کے ساتھ ہے ۔

رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس ظلمت کے بعد جو دنیا میں پھیل رہی ہے اب نور ظہور پذیر ہوگا۔ اسی مناسبت سے سورج چاند اور ستاروں کا ذکر ہے ۔

مصائب میں دعا — ۱۰۹۷ اسلام پر مصائب کا زمانہ ہے۔ اس لئے دعا کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اب بھی مسلمان دعا کی طرف متوجہ ہوں تو مصائب سے نکلیں۔ لا یحب المعتدین میں بتایا کہ جو لوگ خدا کے حضور عاجزی سے دعا نہیں کرتے وہ دنیا میں ظلم اور زیادتی کرنے لگ جاتے ہیں مگر زیادتی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس لئے تم ہمہ تن دعا کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ

تضرع کی دعا — کامیاب ہو کر ظلم اور زیادتی سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے تضرع کی دعا وہ ہے جس میں انسان خدا کے حضور گڑگڑاتا اور زور سے دعا کرتا ہے خفیہ یا چھپ کر دعا کرنا بھی اچھا ہے مگر دعا میں تضرع سے ایک خاص کیفیت انسان کے قلب پر پیدا ہوتی ہے ۔

۵۶ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ

اور زمین کے اندر اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور خوف کرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اس کو پکارو بیشک اللہ

۵۷ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ

کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہے ۱۰۹۸ اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری دیتے ہوئے بھیجتا ہے

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا

یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لاتی ہیں ہم اس کو ایک مردہ زمین کی طرف چلاتے ہیں پھر ہم اس کے ساتھ پانی اتارتے ہیں پھر اس کے

۵۸ بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ وَالْبَلَدُ

ساتھ ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم نصیحت قبول کرو ۱۰۹۹ اور اچھی

الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ

زمین کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے (خوب) نکلتا ہے اور جو خراب ہے (وہاں) نکلتا بھی ہے تو تھوڑا

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ○ ع

اسی طرح ہم ان لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں بار بار باتیں بیان کرتے ہیں ۱۱۰۰

۱۰۹۸ یہاں مخلوق خدا کے ساتھ نیکی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ مخلوق خدا کے ساتھ نیکی بھی رحمت الٰہی کی جاذب ہے اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ وہ کامیاب ہوں تو پھر فساد نہ پھیلائیں +

قِلّۃ - اقل

۱۰۹۹ اقلت۔ اس کا مادہ قِلّۃ ہے۔ اور اَقَلَّتْ کے معنی ہیں میں نے اسے تھوڑے بوجھ کا یا ہلکا پایا اور یہ بعض وقت دوسری چیز کی قوت کی نسبت سے ہوتا ہے پس اَقَلَّت کے معنی ہیں ہواؤں نے اسے اٹھایا اور اپنی قوت کے لحاظ سے اسے قلیل پایا (غ)، اس لفظ کے استعمال میں لطیف اشارہ ہے کہ ہواؤں میں کس قدر طاقت ہے جو لاکھوں اور کروڑوں من پانی کا بوجھ اٹھائے پھرتی ہیں +

روحانی بارش کا اثر

قدرت کا ایک عام نظارہ بیان کر کے کہ ٹھنڈی ہوائیں کس طرح بارش کی خوشخبری لاتی ہیں اپنی روحانی بارش کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس کے آگے آگے بھی ٹھنڈی ہوائیں چلی آرہی ہیں۔ یہ ٹھنڈی ہوائیں اسلام کی ہلکی ہلکی قبولیت کی خوشخبریاں ہیں پھر اس کے بعد وہ وقت بھی آتا ہے کہ یہ روحانی بارش ایک مردہ زمین پر پڑ کر اسے زندہ کر دے۔ کذٰلک نخرج الموتٰی میں مضمون کو بالکل صاف کر دیا ہے اور اشارہ انہی مردوں کی طرف ہے جن کے متعلق دوسری جگہ فرمایا او من کان میتا فاحییناہ (الانعام ۱۲۳)

نکد

قبولیت حق میں اختلاف استعداد

۱۱۰۰ نکد۔ نکد یا نکِد ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے طالب کی طرف تنگی سے نکلتی ہے (غ)
اس میں بتایا ہے کہ جس طرح بظاہر میں دیکھتے ہو کہ سب زمینیں یکساں نہیں۔ بارش تو ایک ہی سب پر ہوتی ہے مگر بعض کی استعداد قبولیت اچھی ہوتی ہے۔ ان میں روئیدگی بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے بعض زمین ناقص ہوتی ہے اس لئے روئیدگی اس میں

ع نوح کا ذکر

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ ۵۹

بیشک ہم نے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا سو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لئے کوئی

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ ۶۰

معبود نہیں میں ضرور تم پر ایک بڑے دن کا عذاب آنے سے ڈرتا ہوں ۱۱۰ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ہم یقیناً تجھ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں

نکلے بھی تو نہایت قلیل اور مردہ سی کہ ترقی نہیں کرتی۔ اسی طرح طبائع انسانی کی استعداد میں اختلاف ہے اپنی اپنی استعداد کے مطابق خدا تعالیٰ کی اس روحانی بارش سے فائدہ اٹھائینگے سب پر یکساں توقع غلط ہے ✦

نوح

۱۱۰ نوح۔ نبی کا نام ہے۔ اور نَوْح کے معنی نوحہ کرنا ہیں (غ) ✦

انبیاء کے ذکر کی غرض

وحی الٰہی کے جھٹلانے کے بُرے نتائج سے قریش اور دشمنان اسلام کو آگاہ کرکے اب کچھ مثالیں پہلی تاریخ سے پیش کی ہیں کہ کس طرح جن لوگوں نے پہلے پیغمبروں کے ساتھ عداوت کرکے ان کو تباہ کرنا چاہا ان کا انجام خطرناک ہوا پیغمبروں کا ذکر جو قرآن کریم میں آتا ہے اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قصوں کے رنگ میں نہیں اور اسی لئے ساری تفصیلات کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ صرف ان امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے اعدائے اسلام کو متنبہ کرنا مقصود ہو۔ مثلاً تعلیم میں سے۔ عموماً یہ موٹا اصول لے لیا ہے جو سب انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہے کہ خدا ایک ہے اسکی عبادت کرو تقویٰ اختیار کرو خلق خدا کے ساتھ نیکی کرو۔ لوگوں نے کیا سلوک کیا اس کی تفصیلات کو عموماً چھوڑ دیا ہے امر مشترک کہ نبی کو جھوٹا کہا اس کے تباہ کرنے کی کوشش کی اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اس کو بیان کر دیا ہے۔ اور پھر آخر بتا دیا ہے کہ اعدا ہلاک ہو گئے اور تعلیم حق پھیل گئی۔ عموماً یہ ذکر مکی سورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ جہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا کسی کو وہم بھی نہ ہو سکتا تھا اور جہاں اعدا کی طاقت کے نیست و نابود ہونے کا کسی کو شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا پس ان انبیاء کا ذکر درحقیقت ایک پیشگوئی کے طور پر ہے کہ جس طرح پہلوں کے اعدا تباہ ہو گئے اسی طرح محمد رسول اللہ صلعم کے دشمن بھی تباہ ہو جائینگے ✦

یہاں جن انبیاء کا ذکر کیا ہے وہ تاریخی ترتیب سے ہے۔ اور چند نہایت مشہور انبیاء کا ذکر کر دیا ہے۔ آدم کا ذکر تو پہلے ضرورت وحی میں ہی آچکا۔ اب سب سے پہلے نوح کا ذکر کیا ہے۔ گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ عرب کے ارد گرد جس قدر نبی ہوئے ان میں سے تاریخی طور پر جن انبیاء کا ذکر باقی رہ گیا ہے ان میں حضرت نوح ہی سب سے پہلے نبی تھے۔ اس لئے ان کے ذکر سے ابتدا کی۔ حضرت نوح کا ذکر علاوہ اس موقعہ کے ذیل کے مقامات پر آتا ہے:-

حوالجات جہاں جہاں حضرت نوح کا ذکر ہے

آل عمران [۳] ۳۳ - الانعام [۶] ۸۵ - یونس [۱۰] ۷۱ تا ۷۳ - ہود [۱۱] ۲۵ تا ۴۸ - ابراہیم [۱۴] ۹ - بنی اسرائیل [۱۷] ۳ - الانبیاء [۲۱] ۷۶، ۷۷ - المومنون [۲۳] ۲۳ تا ۲۹ - الفرقان [۲۵] ۳۷ - الشعراء [۲۶] ۱۰۵ تا ۱۲۲ - العنکبوت [۲۹] ۱۴-۱۵ - الصافات [۳۷] ۷۵ تا ۸۲ - الذاریات [۵۱] ۴۶ - النجم [۵۳] ۵۲ - القمر [۵۴] ۹ تا ۱۶ - التحریم [۶۶] ۱۰ - الحاقۃ [۶۹] ۱۱-۱۲ - نوح [۷۱] ✦

۶۲ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ

اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں بلکہ میں جہانوں کے رب کا رسول ہوں ۱۱۰۲ میں تم کو

۶۳ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ

اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۱۱۰۳ اور کیا تم تعجب کرتے ہو

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَ

کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعہ سے نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم تقویٰ کرو اور

۶۴ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے پر انہوں نے اسکو جھٹلایا سو ہم نے اسکو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں نجات دی

۶۵ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ع وَ

ع ۸ / ۱۶ — ہود کا ذکر

اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بلاشبہ وہ اندھی قوم تھی ۱۱۰۴ اور

اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے سوائے

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

اس کے کوئی معبود نہیں پس کیا تم تقویٰ اختیار نہ کرو گے ۱۱۰۵

عصمت انبیاء — ۱۱۰۲ بتایا کہ رسول میں ضلالت نہیں ہو سکتی عصمت انبیاء پر قرآن کریم کی یہ شہادت بھی کافی ہے ۔

نصح، نصیح — ۱۱۰۳ نصیحت ۔ نُصْح ایسے فعل یا قول کا قصد ہے جس میں دوسرے کی صلاحیت یا بھلائی ہو اور اسی سے ناصح ہے اور نُصْح کے اصل معنی ہیں خالص کیا اسی سے ہے توبۃً نصوحاً (التحریم ۸) یعنی خالص توبہ ۔

طوفان نوح — ۱۱۰۴ طوفان کے متعلق مفصل ذکر آگے آئیگا لیکن کلام پاک کے یہ الفاظ واغرقنا الذین کذبوا بآیٰتنا صاف بتلاتے ہیں کہ صرف وہی لوگ غرق ہوئے جن کی طرف حضرت نوح پیغام لائے اور جنہوں نے آپ کو جھوٹا کہا اور آپ کی مخالفت کی اور حضرت نوح کا پیغام صرف اپنی قوم کی طرف تھا جیسا کہ آیت ۵۹ سے ظاہر ہے نہ کل عالم کی طرف اس سے سارے عالم پر محیط ہونے والے طوفان کا خیال غلط ٹھہرتا ہے ۔

قوم عاد — ۱۱۰۵ نوح کی قوم کے بعد بلحاظ ترتیب زمانی عاد کا ذکر کیا ہے یہ ایک بڑی زبردست قوم تھی جو عرب کے جنوب میں الاحقاف میں آباد تھی اور جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے ان کا عروج اس قدر ہو گیا تھا کہ یہاں سے نکل کر انہوں نے بہت سے بعض ملکوں پر اپنا قبضہ جما لیا تھا ۔ خود عاد جس کے نام پر اس قوم کا نام ہوا ارم کا پوتا تھا جو نوح کا پوتا تھا ۔ اور اس قوم کو

۶۶ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ

اس کی قوم میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے سرداروں نے کہا ہم تجھے حماقت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تجھے جھوٹوں

۶۷ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

میں سے سمجھتے ہیں اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں حماقت کوئی نہیں بلکہ میں جہانوں کے رب کا رسول

۶۸ ۶۹ الْعٰلَمِیْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ○ اَوَ عَجِبْتُمْ

ہوں میں تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانت دار خیرخواہ ہوں ۱۱۰۶ اور کیا تم تعجب کرتے ہو

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ

کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم میں سے ہی ایک شخص کے ذریعہ نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور یاد کرو جب

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ

اس نے تم کو نوح کی قوم کے بعد حاکم بنایا اور تم کو بناوٹ میں قوت میں بڑھایا ۱۱۰۷

فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۱۱۰۸

وقت عاد اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اور ثمود کو جو اس قوم کی ایک شاخ تھی عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس قوم کے تاریخی نشانات اور کتبے بھی ملے ہیں۔ انہوں نے اپنے چار دیوتا قرار دیئے ہوئے تھے۔ ساقیہ۔ حافظہ۔ رازقہ۔ سالمہ یعنی بارش کا دیوتا۔ شمنوں سے بچانے والا دیوتا۔ رزق کا دیوتا۔ صحت کا دیوتا۔ حضرت ہود کو جو انکی طرف مبعوث ہوئے انکا بھائی اسی قوم میں سے ہونے کی وجہ سے کہا ہے +

حوالجات ذکر عاد — عاد کا ذکر علاوہ اس واقعہ کے ذیل کے مقامات پر ہے:۔

ہود ۱۱۔ ۵۰ سے ۶۰۔ ابراہیم ۱۴۔ ۹۔ الفرقان ۲۵۔ ۳۸۔ الشعراء ۲۶۔ ۱۲۳ سے ۱۴۰۔ العنکبوت ۲۹۔ ۳۸۔ حٰم ۴۱۔ ۱۳ سے ۱۶۔ الاحقاف ۴۶۔ ۲۱ سے ۲۶۔ الذاریات ۵۱۔ ۴۱۔ ۴۲۔ النجم ۵۳۔ ۵۰۔ القمر ۵۴۔ ۱۸ سے ۲۱۔ الحاقہ ۶۹۔ ۴ تا ۸۔ الفجر ۸۹۔ ۶ تا ۸ +

امین — ۱۱۰۶ امین۔ امن طمانیت نفس کا نام ہے اور امین وہ ہے جس کے متعلق ایسی طمانیت نفس حاصل ہو (غ) پس امین وہ ہے جو ایسی ہر طرح کی خوبیوں سے متصف ہو کہ اسکے متعلق سب کو طمانیت نفس حاصل ہو اور چونکہ امانۃ کا لفظ بھی ان تمام فرائض پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمہ رکھے ہیں (ل)، اس لئے امین وہ ہے جو تمام فرائض انسانی کو ادا کرنے والا ہو۔ ایک

رسولوں کا امین ہونا اور عصمت انبیاء — رسول کو امین یعنی ہر طرح سے راستباز قرار دے کر تمام رسولوں کی عصمت کے اصول کو بیان کر دیا ورنہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت ہود تو امین تھے اور حضرت عیسیٰ امین نہ تھے اس لئے کہ ان کے متعلق یہ لفظ قرآن شریف میں نہیں آیا +

بسط۔ بصطۃ — ۱۱۰۷ بصطۃ۔ بَسْط سے ہے جس کے معنی فراخی ہیں (غ) وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم (البقرۃ ۲۔ ۲۴۷) اور بسطۃ یا بصطۃ سے مراد قوت اور زیادتی جسم ہے +

۷۰ قَالُوٓا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ ٱللَّهَ وَحْدَهُۥ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا ۚ

انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہو کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور اس کو چھوڑ دیں جسکی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے

۷۱ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم

سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہو ۔ اس نے کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف

مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَٰدِلُونَنِى فِىٓ أَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوهَآ

سے تم پر پلیدی اور ناراضگی آچکی کیا تم میرے ساتھ ان ناموں کی بارہ میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور

أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّا نَزَّلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ فَٱنتَظِرُوٓا۟

تمہارے باپ دادا نے نام رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے لئے کوئی مضبوط دلیل نہیں اتاری سو انتظار کرو

۷۲ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ۝ فَأَنجَيْنَٰهُ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۱۰۸ سو ہم نے اس کو اور اُن کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی طرف سے رحمت سے نجات دی

۷۳ وَقَطَعْنَا دَابِرَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا۟ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِلَىٰ ثَمُودَ

ع ۱۰ / ۱۴ / ۱۷ — صالح اور لوط کا ذکر

اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ مومن نہ تھے اور ثمود کی طرف

أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ

وقف لازم

اُن کے بھائی صالح کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

خلق — الخلق ۔ سے مراد ابداع یعنی پیدائش یا بناوٹ بھی ہوسکتی ہو ۔ اور مخلوق بھی ۔
قوم عاد قوت میں اور غالباً قوت جسمانی میں بھی اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئی تھی اور بڑے حصہ دنیا کو اپنی قوت سے اپنے تصرف میں کر لیا تھا ۔

۱۱۰۸ اسمآء کے لفظ میں ان دیوتاؤں کی طرف اشارہ ہو جو انہوں نے اپنے لئے مقرر کر رکھے تھے دیکھو ۱۱۰۵ ان کو محض نام کہا ہے جن کے نیچے حقیقت کوئی نہیں ۔

قوم ثمود — ۱۱۰۹ قوم ثمود جو ارم کے ایک دوسرے پوتے کے نام پر مشہور ہوئی قوم عاد سے قریبی تعلق رکھتی ہو مگر عاد کے دو سو سال بعد اس کا عروج ہوا ۔ یہ قوم مدینہ کے شمال میں الحجر کے علاقہ میں آباد تھی جو پہاڑی علاقہ ہو ۔ بعض نے کہا ہو کہ ثمود ان کا نام ثَمَد سے ہو جس کے معنی قلیل پانی ہیں جس کا مادہ کوئی نہ ہو (غ) یہ پہاڑی علاقہ تھا اور معلوم ہوتا ہو کہ بارش کا پانی اکٹھا کر کے گزارہ کرتے تھے اور چشموں کی بہت قلت تھی ۔ اس قوم کا ذکر علاوہ اس موقعہ کے ذیل کے مقامات پر ہوا ہو :-

حوالجات ذکر ثمود — ہود [۱۱] ۶۱ تا ۶۸ ۔ ابراہیم [۱۴] ۹ ۔ الحجر [۱۵] ۸۰ تا ۸۴ ۔ الفرقان [۲۵] ۳۸ ۔ الشعراء [۲۶] ۱۴۱ تا ۱۵۹ ۔ النمل [۲۷] ۴۵ تا ۵۳ ۔ العنکبوت [۲۹]

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ

یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آچکی یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشان ہے سو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں

اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ ۷۴

چرے اور اسکو کوئی دکھ نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا ۱۱۱۰   اور یاد کرو جب تم کو عاد کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ

حاکم بنایا   اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا   تم اس کے میدانوں میں محل بناتے ہو   اور پہاڑوں کو تراش

الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

کر کوٹھیاں بناتے ہو   سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو   اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے مت پھرو ۱۱۱۱

حٰم ۴۱ - ۱۳ و ۱۴ و ۱۷ و ۱۸ - الذاریات ۵۱ - ۴۳ تا ۴۵ - النجم ۵۳ - ۵۱ - القمر ۵۴ - ۲۳ تا ۳۱ - الحاقۃ ۶۹ - ۴ و ۵ - الفجر ۸۹ - ۹ - الشمس ۹۱ - ۱۱ تا ۱۵ -

ناقۃ اللہ — ۱۱۱۰ ناقۃ اللہ - یہ اضافت محض تعظیم کے لئے ہے جیسے بیت اللہ میں - اور ادنیٰ ملابست کی اضافت ہے - کیونکہ اللہ کی طرف سے وہ اونٹنی بطور نشان قرار دی گئی کہ جو کوئی اس کو مارے گا وہ خود تباہ کر دیا جائیگا جسطرح بیت اللہ کو ایک نشان قرار دیا گیا کہ جو کوئی اس کو برباد کرنا چاہے وہ خود برباد کر دیا جائے گا - باقی باتیں کہ یہ اونٹنی پتھر سے پیدا ہوئی تھی اور تنہا ساری قوم کا پانی پی جاتی تھی محض قصے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں - اونٹنی کا نشان تکذیب کے بعد دیا گیا - اور وہ عذاب کے آنے کے لئے محض ایک نشان کے طور پر تھا جیسا کہ جآءتکم بینۃ من ربکم سے ظاہر ہے یعنی حق کی دلائل تو آچکیں - مگر چونکہ ان دلائل کی پروا نہیں کی اس لئے اب عذاب آتا ہے - یہ ذکر زیادہ تفصیل سے سورۃ ہود میں اور سورۃ شعراء میں موجود ہے - اور موخر الذکر سورت میں لمبی بحث کے بعد وہ خود نشان مانگتے ہیں فات باٰیۃ ان کنت من الصٰدقین (الشعراء ۲۶ - ۱۵۴) اور اس اونٹنی کے مارنے میں بھی درحقیقت ایک تمہید معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد وہ خود حضرت صالح کو مارنا چاہتے تھے - چنانچہ حضرت صالح کے خلاف ان کی اس سازش کا ذکر سورۃ النمل ۲۷ - ۴۸ و ۴۹ میں موجود ہے کہ آپ کے اور آپ کے سب ساتھیوں کو قتل کرنے کا منصوبہ وہ کر چکے تھے لنبیتنہٗ واھلہ پس اس اونٹنی کا مار دینا آخری نشان تھا کہ اب وہ حضرت صالح کو قتل کر دینگے - اور حضرت صالح کا یہ فرمانا کہ اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرے یا یہ کہ اس کو بھی پانی پینے دو یہ بتانے کو تھا کہ اگر تمہیں عداوت ہو تو مجھ سے ہو ایک بے زبان جانور کو دکھ نہ پہنچاؤ +

صالح کی اونٹنی

سہل — ۱۱۱۱ سھول - سَہْل کی جمع ہے - سہولت یا آسانی - اور سَہْل صاف اور ہموار زمین کو کہتے ہیں جو حَزْن کی ضد ہے یعنی اونچی نیچی زمین (غ) +

الیٰ — اٰلاء - مادہ الی ہے اور اس کے معنی نعمتیں ہیں - واحد اَلًی یا اِلًی ہے (غ) +

نحت — تنحتون - نحت - لکڑی یا پتھر اور سخت اجسام کے تراشنے پر بولا جاتا ہے +

۷۵ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ

ان لوگوں کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے تکبر کیا ان کو جو کمزور تھے۔ ان کو جو ان میں سے ایمان لائے کہا

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ○

کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے انہوں نے کہا جو کچھ وہ دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں

۷۶ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ○ ۷۷ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

جو متکبر تھے انہوں نے کہا ہم اسکا جسپر تم ایمان لائے انکار کرنے والے ہیں پس انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا

وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ○

اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر تو مرسلوں میں سے ہے ۱۱۱۲

۷۸ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ○ ۷۹ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَ

تب ان کو زلزلہ نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے ۱۱۱۳ پس اس نے ان سے منہ پھیرا اور

قَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ○

کہا اے میری قوم یقیناً میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیرخواہی کی لیکن تم لوگ خیرخواہوں کو دوست نہیں رکھتے ۱۱۱۴

۸۰ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ○

اور لوط کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم کو کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلی قوموں میں سے کسی نے نہیں کی ۱۱۱۵

عقر — ۱۱۱۲ عقر والعقر کسی چیز کا اصل ہے اور عقرتہ کے معنی ہیں اسکے اصل یا سر کو کاٹ دیا اور کھجور کا عقر اسکا کاٹ دینا اور اونٹ کا عقر اس کا ذبح کرنا یا مار دینا ہے (غ)۔

رجف۔ ارجاف — ۱۱۱۳ الرجفۃ رجف اضطراب شدید کو کہتے ہیں یوم ترجف الارض والجبال (المزمل۔ ۱۴)، ترجف الراجفۃ (النزعٰت۔ ۶) اور ارجاف کے معنی ہیں اضطراب شدید میں ڈال دینا قول سے ہو یا فعل سے والمرجفون فی المدینۃ (الاحزاب۔ ۶۰) اور رجفۃ زلزلہ ہے۔

رجفۃ

جثم — جثمین جثم پرندے کے متعلق کہا جاتا ہے جب وہ زمین پر بیٹھ جائے اور اس سے لگ جائے پس جثمین سے مراد ہے جہاں تھے وہیں رہ گئے، جیسا زلزلے میں دبکر لوگ رہ جاتے ہیں یہاں الرجفۃ کا لفظ استعمال کرکے صاف بتا دیا کہ ثمود کی قوم کا عذاب بھونچال تھا صیحۃ صاعقۃ وغیرہ نام سب زلزلہ پر صادق آتے ہیں کیونکہ سخت زلزلہ کے ساتھ خطرناک آواز بھی ہوتی ہے۔

۱۱۱۴ چونکہ اعدائے حق کی عادت ہمیشہ یہی چلی آئی ہے اور اس وقت بھی مخالفین حق کی یہی حالت تھی جیسے آج بھی ہے اس لئے استمرار کو ظاہر کرنے کے لئے مضارع استعمال کیا۔

حضرت لوط — ۱۱۱۵ ترتیب زمانی کے لحاظ سے ثمود کے بعد ابراہیم کا ذکر چاہئے تھا مگر اس ذکر کو بالکل چھوڑ کر لوط کا ذکر شروع کردیا ہے۔

إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝ وَمَا ۸۱ ۸۲

تم تو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے آتے ہو بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو اور اس کی

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝

قوم کا جواب کچھ نہ تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا ان کو اپنی بستی سے نکال دو کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پاک بنتے ہیں ۱۱۱٦

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ ۸۳

سو ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو نجات دی سوائے اس کی عورت کے وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی ۱۱۱۷

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا ذکر پہلے الگ سورۃ الانعام میں کر دیا گیا ہے۔ اور یہ علیحدہ ذکر بھی بلا وجہ نہیں جس قدر انبیاء کا یہاں ذکر کیا ہے وہ اس غرض کیلئے ہے کہ بتایا جائے کہ ان کے اعدا ہلاک ہو گئے۔ اس لئے حضرت ابراہیم کو جن کی قوم پر ایسے عذاب کے آنے کا کوئی ذکر نہیں ان انبیاء سے الگ کر دیا۔ اور آنحضرت صلعم کے اعدا کے ساتھ سلوک حضرت ابراہیم کے اعدا والا ہوا یعنی ان کو تباہ نہیں کیا گیا مگر ان کی قوت توڑ کر ان کا استیصال کر کے ایک رنگ میں دوسرے انبیاء کے اعدا کے ساتھ ان کو شامل کر دیا۔

حضرت لوط اور بائبل میں تحریف

حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے مگر علیحدہ قوم کی طرف مبعوث ہوئے یعنی سدومیوں کی طرف بائبل میں جو ذکر لوط کا ہے اس میں حضرت لوط کو بدترین افعال شنیعہ کا مرتکب بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ نعوذ باللہ من ذٰلک اپنی بیٹیوں سے تعلق ناجائز کے مرتکب ہوئے۔ مگر جس طرح کئی ایک انبیاء کے متعلق بائبل میں تحریف ہو کر غلط باتیں راہ پا گئیں اسی قسم کی یہ ایک غلطی ہے جو بائبل کی تحریف کو ثابت کرتی ہے۔ چنانچہ خود سیل نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ لوط انبیاء میں سے تھے اور عیسائی اس بارہ میں مجبور ہیں گو بائبل کو تحریف کے الزام سے بچانے کے لئے انکار بھی کر دیں کیونکہ پطرس کی شہادت ۲ پطرس ۲: ۷، ۸ میں یوں مرقوم ہے "اور راستباز لوط کو جو شریروں کی ناپاک چالوں سے دق ہوا رہائی بخشی کہ وہ راستباز ان میں رہ کر ان کے بے شرع عملوں کو دیکھ سکے ہر روز اپنے سچے دل کو شکنجے میں کھینچتا تھا" بھلا جو شخص ایسے گندے فعل کا ارتکاب کرے یعنی بیٹیوں سے ناجائز تعلق رکھے وہ راستباز کہلا سکتا ہے اور اس کا دل دوسروں کے اسی قسم کے گندے فعل سے کیوں دکھے گا پس بائبل کو خود بائبل غلط ٹھہراتی ہے اور صحیح فیصلہ قرآن کا ہے کہ لوط انبیاء میں سے تھے۔

حوالجات ذکر لوط

لوط کا ذکر علاوہ اس مقام کے ذیل کے مقامات پر آیا ہے الانعام [6] - ۸٦۔ ہود [11] - ۷۷ تا ۸۳۔ الحجر [15] - ٦۱ تا ۷۴۔ الانبیاء [21] - ۷۴، ۷۵۔ الشعراء [26] - ۱٦۰ تا ۱۷۴۔ النمل [27] - ۵۴ تا ۵۸۔ العنکبوت [29] - ۲۸ تا ۳۵۔ والصّٰفّٰت [37] - ۱۳۳ تا ۱۳٦۔ الذاریات [51] - ۳۲ تا ۳۷۔ النجم [53] - ۵۳ و ۵۴۔ القمر [54] - ۳۳ تا ۳۸۔ التحریم [66] - ۱۰۔

۱۱۱٦ حضرت لوط باہر سے آ کر ان کی بستی میں آباد ہوئے تھے۔ یہ محض ان کی اصلاح کے لئے تھا اور حکم خداوندی کے ماتحت آئے تھے۔

اھل

۱۱۱۷ اھل۔ ایک شخص کے اہل میں وہ سب لوگ داخل ہیں جن کو ایک گھر یا ایک نسب یا ایک شہر یا ایک دین جمع کرے (غ)، یہاں اھلہ سے مراد حضرت لوط کے متبع ہی ہیں (ح)، اور بلا شبہ انبیاء کے ساتھ انکے متبع ہی بچائے جاتے ہیں اور اوپر اناس یتطہرون میں حضرت لوط کے پیروؤں کا ہی ذکر تھا۔

غابر۔ غبار

غابرین۔ غابر اس کو کہا جاتا ہے جو اپنے ساتھیوں کے چلا جانے کے بعد باقی رہ جائے اور غبار وہ ہے جو مٹی اٹھانے پر

۸۴ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ

اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا پس دیکھ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ۱۱۱۸ اور مدین کی طرف ان کے بھائی

شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

شعیب کو (بھیجا) ۱۱۱۹ اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی دلیل آچکی

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

۸۶ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ

فساد نہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مان لو ۱۱۲۰ اور ہر ایک رستہ پر مت

صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

بیٹھو تم ڈراتے ہو اور اللہ کی راہ سے اسے روکتے ہو جو اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو

غبرۃ — باقی رہ جاتا ہو اسی سے غَبَرَة ہو۔ علیہا غَبَرَةٌ (عبس - ۴۰) اور یہ کنایہ ہو غم کی وجہ سے چہرہ پر تغیر آجانے سے (غ) +

مطر ۔ امطر — **۱۱۱۸** مَطَرٌ مطلق بارش کو کہتے ہیں لیکن مَطَرَ بھلائی میں اور اَمْطَرَ عذاب میں استعمال ہوتا ہے (غ) +

یہ بارش کیا تھی اس کا ذکر دوسری جگہ آتا ہے کہ پتھروں کی بارش تھی (ہود - ۸۲ - الحجر - ۷۴) جس سے معلوم ہوا کہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا تھا +

حضرت شعیب — **۱۱۱۹** شعیب حضرت ابراہیم کی نسل میں سے پانچویں پشت میں ہیں اس لئے ان کا ذکر تاریخی ترتیب میں حضرت لوط کے بعد آیا ہو۔ بائبل میں ہو کہ مدیان ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام تھا جو ان کی تیسری بی بی قتورہ کے بطن سے پیدا ہوا اسی نام کا ایک شہر بحیرہ قلزم پر ہو جہاں مدیان کی نسل آباد ہوئی۔ شعیب کا ذکر ذیل کے مقامات پر بھی آیا ہو۔ ہود - ۸۴ تا ۹۵ - الحجر - ۷۸ و ۷۹ - الشعراء - ۱۷۶ تا ۱۹۱ - العنکبوت - ۳۶ و ۳۷ +

کیل ۔ اکتیال — **۱۱۲۰** کیل کَيْلٌ (ماضی کَالَ) کے معنی غلہ کا ماپ کر دینا اور اِکْتَال علیہ دوسرے سے ماپ کر لینا اذا اکتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالوھم (التطفیف - ۲ - ۳) اور یہ گو ماپ میں خاص ہے مگر مراد تمام معاملات میں جہاں لینا یا دینا ہو انصاف کا مدنظر رکھنا ہو اور کیل بعیر (یوسف - ۶۵) سے مراد مقدار حمل بعیر ہے یعنی اونٹ کے بوجھ کی مقدار فارسل معنا اخانا نکتل (یوسف - ۶۳) (غ) +

میزان — میزان ۔ دیکھو ۸۵۰ اور وزن کرنا یا وزن یا میزان کا قایم کرنا عام ہے اور اس میں اشارہ ہو کہ تمام اقوال و افعال میں جنہیں انسان مدنظر رکھتا ہو عدل کی رعایت ملحوظ رہے (غ) +

بخس — تبخسوا ۔ بَخْسٌ تھوڑی ناقص چیز کو کہتے ہیں۔ وشروہ بثمن بخس (یوسف - ۲۰) اور ظلم کے طریق پر کسی چیز کے کم کرنے کو کہا جاتا ہو (غ) +

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پھر تم کو بہت کر دیا اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا[1121]

وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَاۗىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا ۸۷

اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اس پر ایمان لایا ہے جو مجھے دیکر بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ۸۸

الجزو التاسع

یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا ہے اُن لوگوں کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے تکبر کیا

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ

کہا اے شعیب ہم تجھ کو اور اُن کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ضرور اپنی بستی سے نکال دینگے یا تمہیں ہمارے مذہب میں لوٹ آنا ہوگا اس نے کہا

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا ۸۹

اور کیا خواہ ہم ناپسند ہی کرتے ہوں[1122] یقیناً ہم نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں اسکے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی اور ہمیں

يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ

کس طرح شایان ہے کہ ہم اس میں لوٹ کر آئیں ہاں اگر اللہ ہمارا رب چاہے[1123] ہمارا رب اپنے علم میں تمام چیزوں پر حاوی ہے

[1121] رستوں میں بیٹھنا حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی ڈاکہ مارنے کے معنی میں جیسے قطع طریق آتا ہے اور مجازی معنی میں بھی۔ یعنی مراد اس سے صرف لوگوں کا روکنا ہو اور کل صراط سے مراد ہر ایک حق کا رستہ ہو۔ نبی کریم صلعم کے اعدا بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور انہی کی طرف اشارہ کرنے کو اس کا ذکر کیا ؞

عود

[1122] لتعودن۔ عود کے اصل معنی ہیں ایک چیز سے انصراف یعنی پھر جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کرنا خواہ اپنی ذات سے ہو یا محض قول سے یا عزیمت سے (غ)، بعض اہل لغت نے عاد بمعنی صار بھی لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کبھی حالت ضلالت میں نہیں ہوتے چہ جائیکہ ان کی طرف کفر منسوب کیا جاسکے۔ عود کا لفظ محض اسلئے استعمال کیا کہ قوم کی حالت عام طور پر کفر کی تھی۔ یا وہ ایک قومی مذہب تھا یہی وجہ ہے کہ یہاں کفار ملتنا کہتے ہیں یعنی اس مذہب کو اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور حضرت شعیب جواب میں ملتکم کہتے ہیں یعنی تمہارا مذہب اور اس لئے بھی عود کا استعمال جائز ہے کیونکہ یہاں اکیلے حضرت شعیب کا ذکر نہیں بلکہ والذین اٰمنوا کا ذکر بھی ساتھ ہے اور یہ لوگ بلاشبہ حالت کفر سے نکل کر حالت اسلام کی طرف آئے تھے۔ قرآن کریم کی یہ دلیل ہے کہ جب ہم ایک عقیدہ سے دل سے بیزار ہیں تو اس کی طرف کیونکر آ سکتے ہیں۔ وہ لوگ غور کریں جو ایسے مذہب کی تعلیم کا آنا مانتے ہیں جو تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کریگا۔ خواہ دل سے وہ ان عقاید کو ناپسند ہی کرتے ہوں ؞

تلوار سے مسلمان کرنے کے خلاف دلیل

[1123] الا ان یشآء اللہ ربنا۔ ایک طرف تو یہ زور سے کہا ہے کہ ہم کہاں کفر کی حالت میں جاسکتے ہیں دوسری طرف استثنا بھی کیا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو جس طرح وہ چاہے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر کہ عارف تر است ترساں تر۔ اور انبیاء کا ایمان بھی بین الخوف

۹۰ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَقَالَ

ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا ہے ۱۱۲۴ اور

۹۱ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ

ان لوگوں کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے کفر کیا کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تب تم یقیناً نقصان اٹھانے والے ہو گے سو انکو زلزلہ

۹۲ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ

نے آپکڑا پس وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے وہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان میں رہے ہی نہ تھے

ع — عند المتقدمین

۹۳ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

وہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے ہوئے تب اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم یقیناً

اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ ع

میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی سو میں کافر قوم پر کس طرح افسوس کروں ۱۱۲۵

والرجاء ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی بشر ہیں لیکن اصل بات جس کی طرف یہاں توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت شعیب کو اور آپ کے ساتھیوں کو باکراہ کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ اور مومن سب یکساں نہیں ہوتے بعض حالت اجبار و اکراہ میں نبی کا ساتھ نہیں دے سکتے اس لئے فرمایا کہ اگر اللہ کو منظور ہے کہ کوئی ان مومنوں میں سے پھر جائے تو جیسا وہ چاہے ورنہ ہم اپنے اختیار سے تو کبھی پھر نہیں سکتے۔ اس اکراہ و اجبار کے ذکر میں بھی مسلمانوں پر جو جبر کیا جاتا تھا اسکی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی دوسرے کے ذکر میں بتا دیا کہ مسلمان ہو کر پھر کوئی شخص کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتا۔ اور مسلمانوں کے متعلق تاریخی شہادت موجود ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو پہلے منافقت کے طور پر یا اسلام کی دشمنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے مسلمانوں میں سے کوئی لوگ مرتد نہیں ہوئے ؎

مسلمانوں میں ارتداد نہ تھا

۱۱۲۴ افتح۔ فاتح۔ فتح کے اصل معنی زنجیروں اور بیڑیوں کا دور کرنا ہیں پھر یہ یا مادی طور پر ہو سکتا ہے یعنی جو آنکھوں سے دیکھا جا سکے جیسے فتح الباب وغیرہ ولما فتحوا متاعھم (یوسف ۱۲ ـ ۶۵) یا ذہنی طور پر جو بصیرت سے معلوم ہو سکے۔ جیسے ہم و غم کا دور کرنا مال و دولت دیکر فتحنا علیھم ابواب کل شئ (الانعام ۶ ـ ۴۴) لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض (۹۶) یا علوم کا عطا فرمانا جیسا کہ انا فتحنا لک فتحا مبینا (الفتح ۴۸ ـ ۱) میں بعض لوگوں نے مراد لیا ہے کہ مراد اس سے ان علوم و ہدایات کا دیا جانا ہے جو ثواب اور مقام محمود تک پہنچانے کا اور یوں غفر ذنوب کا ذریعہ ہو گئے۔ اور دو شخصوں کے درمیان فتح یا فتح قضیۃ کے معنی ہیں باہمی اختلاف یا جھگڑے کا فیصلہ کر دینا اور یہی معنی یہاں مراد ہیں (غ) ؎

فتح

۱۱۲۵ انبیاء میں غمخواری مخلوق کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ مگر جب حق تبلیغ ادا کر چکے تو اب افسوس کیا کریں جہاں تک ممکن تھا انکی خیر خواہی کی جب انہوں نے نہ سنا اور نہ مانا تو پھر خدا کی قضا پر رضا کا اظہار کیا اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ۔ ہاں جب غمخواری کرنے کا وقت ہوتا ہے تو خطرناک مخالفت کے باوجود غمخواری بھی اس قدر کرتے ہیں اور کفار کی خاطر اس قدر انکے دل میں درد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین (الشعراء ۲۶ ـ ۳) شاید تو اپنے آپکو ہلاک کر دیگا کہ وہ مومن نہیں ہوتے ؎

انبیاء میں غمخواری

ع ۱۲

وَمَآ أَرْسَلْنَا فِى قَرْيَةٍ مِّن نَّبِىٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ۹۴

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے رہنے والوں کو سختی اور دکھ میں پکڑا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں[۱۲۵]

سزا کا عام قانون اور تنبیہ

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ ءَابَآءَنَا الضَّرَّآءُ ۹۵

پھر ہم نے تکلیف کی جگہ بھلائی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو بھی دکھ اور

وَالسَّرَّآءُ فَأَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰٓ ءَامَنُوا ۹۶

خوشی پہنچے رہی تب ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ محسوس نہ کرتے تھے[۱۲۶] اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور

وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَٰهُم

تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تب ہم نے ان کو اسکی

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰٓ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَٰتًا وَهُمْ ۹۷

سزا میں پکڑ لیا جو وہ کماتے تھے تو کیا بستیوں والے نڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آئے جب وہ

نَآئِمُونَ ○ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰٓ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ○ ۹۸

سو رہے ہوں اور کیا بستیوں والے نڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب اُن پر چاشت کے وقت آئے جب وہ کھیل رہے ہوں[۱۲۷]

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَٰسِرُونَ ○ ع ۹۹

سو کیا وہ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے تو اللہ کی تدبیر سے کوئی نڈر نہیں ہوتا مگر وہی لوگ جو گھاٹے میں رہنے والے ہیں

ضرع — تضرع

۱۲۵ یضرعون۔ اصل یتضرعون ہے ضرع اونٹنی بکری وغیرہ کے پستان کو کہتے ہیں اور ضرع البھم کے معنی ہیں چاہا یہ کے بچے نے اپنی ماں کے پستان کو لیا۔ اسیطرح ضرع الرجل کے معنی ہیں وہ عاجز ہو گیا (غ) گویا اس میں عاجز ہو کر دوسرے سے قوت حاصل کرنا ہے۔ اور یہی تضرع ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے آگے عاجزی کر کے اس سے طاقت چاہنا۔ انبیاء اور ان کے مخالفین کی چند مثالیں پیش کر کے اب بتاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا قانون اس دنیا میں عذاب کا اس لئے ہے کہ تا دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہو کر لوگ عاجزی اختیار کریں اور اللہ کی طرف رجوع کریں گویا وہ بھی بندوں کی بھلائی کیلئے ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب آئیگا وہ محض سزا کے طور پر نہیں بلکہ انسان کی اصلاح اسکی اصل غرض ہے اسلئے دوزخ کا عذاب بھی انسان کی اصلاح کیلئے اور بطور علاج ہی ہو سکتا ہے نہ صرف بطور سزا +

عذاب بطور سزا نہیں علاج کے طور پر ہے

عفا

۱۲۶ عفوا۔ عفی کے معنی نشان کا مٹانا بھی آتے ہیں اور بڑھنا بھی جیسے عفا النبت (غ) یہی معنی یہاں ہیں یعنی ایک دکھ جب ایک قوم پر آتا ہے اور وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتی بلکہ اُلٹا حق کیساتھ عناد کرنے میں ترقی کرتی ہے تو پھر نتیجہ اسکا تباہی ہوتی ہے تاکہ کوئی دوسری قوم اسکی جگہ لے +

۱۲۷ پہلی آیت میں نائم یا سونے والوں سے اور دوسری میں کھیلنے والوں سے مراد غافل اور دنیا کے لہو ولعب میں مشغول اور حقیقت زندگی سے بے خبر لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس میں عرب والوں کو صاف تنبیہ ہے +

۱۰۰ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ع

کیا ان لوگوں کے لئے واضح نہیں ہوا جو اس کے (پہلے) بسنے والوں کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو انکے گناہوں کی وجہ سے انکو مصیبت میں ڈالیں — موسیٰ کی بعثت

۱۰۱ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ

اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں سو وہ نہیں سنتے ۔ یہ بستیاں ہم ان کے کچھ حالات تجھ پر ذکر

أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ

کرتے ہیں اور یقیناً ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلائل لیکر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ اس پر ایمان لاتے جس کو پہلے

۱۰۲ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ○ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ

جھٹلا دیا اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے ۱۱۲۷ اور ہم نے اُن میں سے بہتوں میں عہد

۱۰۳ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ○ ع ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا

(پر) قیام نہ پایا اور یقیناً ہم نے ان میں سے بہتوں کو نافرمان پایا ۱۱۲۸ تب ہم نے اُن کے پیچھے موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ

هدی — **۱۱۲۷** یہد۔ هَدَيْتُ لَكَ کے معنی ہیں بَيَّنْتُ لَكَ یعنی ایک امر کو واضح کر دیا (دل) اور یہاں اس کا استعمال بمنزلہ لازم کے ہے +

طبع۔طبیعة — یطبع۔ طَبْعٌ اصل میں یہ ہے کہ کسی شے کو کوئی سی صورت دی جائے اور یہ ختم سے عام اور نقش سے خاص ہے اور طَبِيْعَة گویا نفس پر کسی صورت کا نقش ہونا ہے خواہ وہ پیدائش کی وجہ سے ہو یا عادت سے اور پیدائش کے لحاظ سے اغلب ہوتا ہے اور طبع اور ختم ایک ہی طرح پر ہیں اور بعض نے طَبَعَ کے معنی دَنَّسَ لئے ہیں یعنی اسے زنگ آلود کر دیا جیسے فرمایا بل ران علیٰ قلوبہم (غ)

مہر لگنے سے مراد — یہاں صفائی سے بتایا کہ پہلے انسان گناہ کرتا ہے تب خدا کی طرف سے مہر لگتی ہے۔ اور خود لفظ طَبَعَ کا استعمال یہی بتاتا ہے کیونکہ ایک خاص صورت کا نقش کرنا ہے اور جس طرح عادت طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے یہی حالت گناہ کی ہے کہ جب انسان بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کا ایک نقش دل پر ہوتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ بکثرت اس کو دوہرانے سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ بوجہ عادت کے طبیعت کا ایک جزو ہو جاتا ہے اور مہر لگنا یہی ہے کہ جب انسان جھٹلا دیتا ہے تو پھر ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی۔ جھٹلانا حق کی مخالفت پر کھڑا ہو جانا ہے۔ اور مخالفت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کے کسی اچھے پہلو کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا بلکہ سارا زور اسکے نیست و نابود کرنے پر لگاتا ہے اس لئے دل کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ پھر ایمان کی طرف اس کا میلان ہی نہیں ہوتا پس یہی خدا کی مہر ہے +

عہد فطرت — **۱۱۲۸** عہد سے مراد یا تو عام ہے یعنی جب کبھی وہ کوئی عہد کرتے ہیں۔ اس کو پورا نہیں کرتے۔ جو انسان کسی عہد کا پابند نہیں ہوتا وہ انسانیت کے اعلےٰ مقصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یا عہد سے مراد عہد فطرت ہے یعنی جو کچھ ان کی فطرت میں مرکوز ہے اس پر وہ قایم نہیں رہتے۔ یہاں تک کہ وہ نور فطرت بجھ جاتا ہے۔ دوسرے معنی قابل ترجیح ہیں +

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا مگر انہوں نے ان کا انکار کیا تو دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ۱۱۲۹

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن ١٠٤ ١٠٥

اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں اس کا اہل کہ اللہ پر

لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي

سوائے حق کے کچھ نہ کہوں میں تمہارے پاس تمہارے رب سے کھلی دلیل لایا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ

إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَأَلْقَىٰ ١٠٦ ١٠٧

بھیج دے ۱۱۳۰ اس نے کہا اگر تو کوئی نشان لایا ہے تو وہ لے آ اگر تو سچا ہے تب اس نے اپنا

عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۝ ١٠٨

عصا ڈالا تو ناگہان وہ صریح اژدہا تھا اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو ناگہان دیکھنے والوں کیلئے سفید تھا ۱۱۳۱

حضرت موسیٰ

ف ۱۱۲۹ درمیان میں بہت سے انبیاء کا ذکر چھوڑ کر حضرت موسیٰ کا ذکر شروع کیا ہے اور اس کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی وجہ آنحضرت صلعم کو حضرت موسیٰ کے ساتھ کئی ایک امور میں مماثلت کا ہونا ہے کیونکہ آپ استثناء ۱۸:۱۸ کی مثیل والی پیشگوئی کا مصداق ہیں حضرت موسیٰ کا ذکر قرآن کریم میں ذیل کے مقامات پر آتا ہے۔ البقرۃ[2]۔ ۴۹ تا ۷۴۔ النساء[4]۔ ۱۵۳ المائدہ[5]۔ ۲۰ تا ۲۶۔ الاعراف[7]۔ ۱۰۳ تا ۱۵۶۔ یونس[10]۔ ۷۵ تا ۹۲۔ ہود[11]۔ ۹۶ تا ۹۹۔ بنی اسرائیل[17]۔ ۱۰۱ تا ۱۰۴۔ الکہف[18]۔ ۶۰ تا ۸۲ مریم[19]۔ ۵۱ و ۵۲۔ طٰہٰ[20]۔ ۹ تا ۹۸۔ المومنون[23]۔ ۴۵ تا ۴۹۔ الشعراء[26]۔ ۱۰ تا ۶۸۔ النمل[27]۔ ۷ تا ۱۴۔ القصص[28]۔ ۳ تا ۴۸۔ والصفّٰت[37]۔ ۱۱۴ تا ۱۲۲۔ المومن[40]۔ ۲۳ تا ۵۵۔ الزخرف[43]۔ ۴۶ تا ۵۶۔ الدخان[44]۔ ۱۷ تا ۳۳۔ الذاریات[51]۔ ۳۸ تا ۴۰۔ الصف[61]۔ ۵۔ النازعات[79]۔ ۱۵ تا ۲۶ +

حوالہ جات ذکر موسیٰ

حقیق

ف ۱۱۳۰ حقیق بمعنی جدیر ہے یعنی سزاوار اور علیٰ بمعنی ب یعنی اسبات کا اہل ہوں +

حضرت موسیٰ کی بعثت کی اصل غرض

حضرت موسیٰ کا اصل کام فرعون کو تبلیغ کرنا نہ تھا بلکہ بنی اسرائیل کو فرعون سے چھڑانا کیونکہ وہ مبعوث صرف اپنی قوم کے لئے ہوئے تھے جیسا کہ فرمایا اخرج قومك من الظلمٰت الی النور (ابراھیم[14]۔ ۵) اسی لئے سب سے پہلے انہوں نے اسبات کو پیش کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے ہاں جب ان کا واسطہ فرعون سے پڑنا ضروری تھا تو فرعون کو نصیحت بھی ضروری تھی یہی انہوں نے کی +

بیضاء۔ الید البیضاء

ف ۱۱۳۱ عصا کیلئے دیکھو ف ۸۳ اور بیضاء کے معنی سفید یا روشن اور الید البیضاء کے معنی ہیں الحجۃ المبرھنۃ (ل) یعنی روشن یا واضح دلیل

حضرت موسیٰ کے دو معجزے

حضرت موسیٰ کے ان دونوں معجزات کا ذکر بائبل میں بھی ہے۔ ان دونوں معجزات کا ظہور دو دفعہ ہونا قرآن شریف اور بائبل میں بھی مذکور ہے یعنی ایک اس موقعہ پر جب حضرت موسیٰ کو رسالت کے عہدہ پر ممتاز کیا جاتا ہے اور دوسرا فرعون کے سامنے جب پہلے گئے ہیں تو اس وقت ان معجزات کا ظہور ہوا۔ البتہ بائبل میں دوسرے موقعہ پر یعنی فرعون کے سامنے ید بیضاء کے معجزہ کا ذکر نہیں جو صریحاً تحریف ہے اسلئے کہ خروج ۴: ۸ میں حضرت موسیٰ کو خداوند کا یہ ارشاد ہے کہ اگر وے تجھ پر ایمان نہ لاویں اور نہ پہلے معجزے کے سننے والے ہوں تو وے دوسرے معجزے کے معتقد ہونگے علاوہ ازیں دوسرے معجزہ کا دینا بے معنی تھا اگر فرعون کے سامنے اسکا اظہار نہ ہونا تھا

۱۰۹ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ ساحر علم والا ہے ۱۱۳۲ وہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو ۱۱۳۳

موسیٰ اور ساحروں کا مقابلہ

حضرت موسیٰ کے معجزات کا پہلا ظہور کن حالات میں ہوا

البتہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معجزہ کا ظہور عموماً اعدائے حق کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور انہی کو عاجز کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن حضرت موسیٰ کو پہلے یہ معجزات اس وقت دکھائے جاتے ہیں جب وہ اکیلے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں۔ اور جب ان پر وہ حالت طاری ہے جس حالت میں اللہ تعالیٰ کا کلام انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے یہ حالت جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں خاص حالت ہوتی ہے جس میں نبی ایک امر کو دیکھتا ہے اور ایک آواز کو سنتا ہے مگر پاس بیٹھنے والے اسے نہیں دیکھتے اور نہ سنتے ہیں چنانچہ احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعض وقت حضرت نبی کریم صلعم اصحاب میں بیٹھے ہوتے تھے جب آپ پر حالت وحی وارد ہوتی اور آپ کی حالت بدل جاتی اور فرشتہ آپ کے سامنے آتا اور آپ سے کلام کرتا مگر فرشتہ کو پاس بیٹھے ہوئے صحابہ نہ دیکھتے نہ ہی وہ فرشتہ کی آواز سنتے سوائے آنحضرت دیکھتے اور سنتے بھی پس اس حالت میں ہی جب حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام تھے۔ ان معجزات کا ظہور ایک کشفی رنگ رکھتا ہے ہاں فرعون کے سامنے بھی ان معجزات کا ظہور ہوا ہے لیکن بعض اوقات کشفی نظارہ کے دیکھنے میں دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے تصرف تام سے شریک کر دیتا ہے۔ اور یہی اعجاز ہے۔ ورنہ حضرت موسیٰ کے سونٹے میں یہ خاصیت نہ تھی کہ جب زمین پر ڈالیں تو اژدہا بن جائے۔ نہ ہی سوائے ان دونوں موقعوں کے اور کبھی دشمن کے بالمقابل بھی اس کے اژدہا بننے کا ذکر ہے وہ ایک معمولی سونٹا تھا۔ جیسا کہ خود حضرت موسیٰ کے الفاظ ہیں۔ کہ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور بکریوں کیلئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور اور کام بھی لے لیتا ہوں۔ کہاں سے وہ سونٹا آیا تھا اس کے متعلق کوئی صحیح اور معتبر روایت پیش نہیں کی جا سکتی ۔

ان معجزات میں کیا سبق

ہاں عصا کے اژدہا بننے اور ید بیضا کے ایک معنی بھی تھے یعنی اول میں یہ اشارہ تھا کہ حضرت موسیٰ کے پیروؤں کی جماعت (کیونکہ عصا کا لفظ جماعت پر بھی بولا جاتا ہے دیکھو ؁) اپنے فریق مخالف پر غالب آئیگی اور ید بیضا میں اشارہ حضرت موسیٰ کی دلائل نیرہ کی طرف تھا جو دلوں کو کھا جائینگی۔ چنانچہ فرعونیوں کا غرق ہونا اور ساحروں کا حضرت موسیٰ پر ایمان لانا ان دونوں معجزوں کی اصل حقیقت پر شاہد ہے ۔

سحر

۱۱۳۲ ساحر سحر کرنے والا۔ اور سِحْرٌ کے لئے دیکھو ۱۲۹ لسان العرب میں ہے کہ سِحْرٌ وہ افسون ہے جو آنکھ پر قبضہ کر لیتا ہے یہاں تک کہ یہ گمان ہوتا ہے کہ اصل بات ایسی ہے جس طرح وہ دیکھ رہا ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں اور پھر لکھا ہے کہ سِحْرٌ افسون ہے اور ہر ایک چیز جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو وہ سِحْرٌ ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ سحر نہایت درجہ کی ذہانت کا بیان ہے اور حدیث اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا کو پیش کیا ہے جس کے معنی ابو عبید نے یوں کئے ہیں کہ ایک شخص کسی کی تعریف کرے یہاں تک کہ اپنی صداقت کا لوگوں کو قائل کرے پھر مذمت کرے یہاں تک کہ لوگوں کو اپنی صداقت کا قائل کرے اور ابن الاثیر نے اسکے معنی کئے ہیں کہ وہ سامعین کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیتا ہے۔ گو سچ نہ بھی ہو (ل)۔ الساحر العالم الفطن یعنی بڑے ذہین عالم کو ساحر کہا جاتا ہے (ت)۔ انبیاء کو ان کے مخالف جو ساحر کہتے تھے صرف اسی وجہ سے کہ ان کی باتوں کا اثر دلوں پر ہوتا تھا اور وہ دلوں کو پھیر دیتے تھے ۔

انبیاء کو ساحر کیوں کہتے

امر - ائتمار

۱۱۳۳ تامرون ۔ امر سے ہے اور ائتمار مشورہ کو کہتے ہیں اور یہاں تامرون اسی مشورہ کے معنی میں ہے۔ فماذا تامرون

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حٰشِرِينَ ۝ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ۝ وَجَاءَ السَّحَرَةُ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳

انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کے معاملہ کو ٹال دو اور شہروں میں اکٹھے کرنے والے روانہ کر دو وہ تیرے پاس ہر ایک جادو علم والا لے آئیں ۱۱۳۴ اور آئے

فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ ۱۱۴

فرعون کے پاس آئے کہنے لگے ہم کو اجر تو ضرور ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے اس نے کہا ہاں اور تم یقیناً مقربوں میں سے بھی ہو گے

قَالُوا يٰمُوسٰى إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ۝ قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّا ۱۱۵ ۱۱۶

انہوں نے کہا اے موسیٰ یا تو تو ڈال یا ہم (پہلے) ڈالنے والے ہوں اس نے کہا تم ڈالو سو جب

أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ۝

انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا اور ان کو ڈرایا اور ایک بڑا فریب بنا کھڑا کیا ۱۱۳۵

فرعون کا قول ہے جو ان کی بات سُنکر کہا گیا ہے جیسا کہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے +

ارجاء

۱۱۳۴ ارجه - اصل میں ارجئه ہے اور ارجاء کسی معاملہ کو توقف یا تاخیر میں ڈال دینے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ فوراً ان کے معاملہ میں کارروائی نہ ہو جو اس علم کے ماہر ہیں وہ سب جمع ہو کر مقابلہ کریں +

حضرت موسیٰ کا ساحروں سے مقابلہ اور ان کی رسیاں اور سونٹیاں

۱۱۳۵ وہ کیا چیز تھی جو انہوں نے ڈالی - دوسری جگہ آتا ہے حبالهم وعصيهم (الشعراء ۲۶-۴۴) ان کی رسیاں اور ان کی سونٹیاں - آیا یہ سچ مچ کی رسیاں اور سونٹیاں تھیں حبل ہر ایک ذریعہ کو کہا جاتا ہے - اس لئے اس سے مراد اس قدر ہو سکتی ہے کہ جو ان سے بن پڑا - اور عصا کا استعمال مجاز کے رنگ میں ہوا ہے - مثلاً قرعه بعصا الملامة کے لفظی معنی ہیں اسکو ملامت کے سونٹے سے مارا مگر مراد صرف یہ ہے کہ خوب ملامت کی - ایسا ہی قشرت له العصا کے لفظی معنی ہیں میں نے اسکے لئے سونٹے کا چھلکا اتارا اور مراد ہے جو کچھ میرے دل میں تھا زبان سے ظاہر کر دیا اور تاج العروس میں العصا کے معنی اللسان یعنی زبان بھی دیئے ہیں پس ممکن ہے کہ کوئی رسیاں اور سونٹیاں وہ ساتھ لائے ہوں اور ان کو ڈالا ہو - اور ممکن ہے کہ مراد اس سے صرف باطل کی حمایت میں جھوٹے سامان اور جھوٹی تقریریں ہوں - ما یأفکون سے جو آگے آتا ہے دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے - اور دوسری جگہ انہی واقعات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے فحشر فنادی فقال انا ربكم الاعلى (النّٰزعٰت ۷۹-۲۳ و ۲۴) یعنی لوگوں کو اکٹھا کیا اور یہ اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں جو اسی موقعہ کا ذکر ہے - گویا ساحروں سے یہ اعلان کرایا کہ وہی سب سے بڑا دیوتا ہے اور اسکے سوا کوئی خدا نہیں ما علمت لكم من اله غيري (القصص ۲۸-۳۸) اور اسکے بالمقابل حضرت موسیٰ یوں فرماتے ہیں فلما القوا قال موسى ما جئتم به السحر ان الله سيبطله ان الله لا يصلح عمل المفسدين ويحق الله الحق بكلمته ولو كره المجرمون (یونس ۱۰-۸۱ و ۸۲) یعنی جو کچھ تم لائے ہو یہ تو سحر ہے اور اللہ اسکو یوں باطل کر دے گا کہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کو حق کر دکھائیگا پس یہ تمام امور اسکے مؤید ہیں کہ ایک طرف سے فرعون کی خدائی پر زور دیا جاتا تھا اور دوسری طرف حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل دیں - لیکن ظاہر الفاظ کو بھی اگر لیا جائے اور واقعی لوگوں کو مرعوب کرنے کیلئے فرعون نے چالاک آدمیوں سے کچھ فریب کاری اس قسم کی کرائی ہو جس سے لوگوں کو خیال ہو جائے کہ فرعون میں کچھ خدائی ہے تو یہ امر بھی بالکل قرین قیاس ہے کیونکہ عموماً مشرک قوموں میں توہم پرست بھی بہت ہوتی ہیں جو لوگ ہواؤں اور بجلیوں اور

(۱۱۷) (۱۱۸) وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ○ فَوَقَعَ الْحَقُّ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو اپنا سونٹا ڈال پس وہ فوراً اسے نگل گیا جو وہ جھوٹ بناتے تھے ۱۱۳۶ سو حق ظاہر ہوگیا

(۱۱۹) (۱۲۰) وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صٰغِرِينَ ○ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ

اور جو وہ کرتے تھے باطل ہوگیا پس وہیں مغلوب ہوگئے اور ذلیل ہوکر لوٹ گئے اور ساحر سجدہ کرتے

(۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) سٰجِدِينَ ○ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ○ رَبِّ مُوسَىٰ وَهٰرُونَ ○ قَالَ فِرْعَوْنُ

ہوئے گر گئے کہا ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے موسیٰ اور ہارون کے رب پر ۱۱۳۷ فرعون نے کہا

آمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۚ إِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ

تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں یہ تدبیر ہے جو تم نے مخفی طور پر شہر میں کی ہے

بارشوں اور آگ اور درختوں اور پتھروں اور جانوروں کے سامنے سر جھکا دیتے ہوں انکو اس قسم کی شعبدہ بازی سے مرعوب کرلینا بہت آسان ہوتا ہے پس فرعون نے بڑے بڑے دانا آدمیوں کو اکٹھا کرکے ان سے کوئی اس قسم کی شعبدہ بازی کرائی اور اس خاص طرز کو ممکن ہے انہوں نے اس لئے اختیار کیا کہ فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ کے عصا کے اژدہا بننے کا معجزہ مشہور ہو چکا تھا انہوں نے سمجھا یہ کوئی چالاکی ہے ہم بھی اسی قسم کی چالاکی سے کام نکال لینگے۔ مگر اسکا پول حضرت موسےٰ نے کھول دیا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے +

لقف — ۱۱۳۶ تلقف۔ لقف کے معنی ہیں ایک چیز کو دانائی سے لے لینا خواہ منہ سے ہو یا ہاتھ سے (غ) +

افک — یافکون۔ اِفْكٌ۔ حق سے باطل کی طرف پھیرنے کو کہتے ہیں اسلئے ہر چیز کو جو اس حالت سے پھری ہوئی ہو جس پر اسے ہونا چاہئے اِفْكٌ کہا جاتا ہے اسی لئے اِفْكٌ مطلق کذب کو بھی کہتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ (النور ۲۴۔ ۱۱) (غ) +

ساحروں کی سونٹیاں اور عصائے موسےٰ — یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ کے عصا میں یہ صفت نہ تھی کہ جب ڈالا جائے تو اژدہا بن جائے اور حضرت موسےٰ نے اسے خود ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کی جبتک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں ہوئی۔ عصا کے ڈالنے کا نتیجہ کیا ہوا۔ جو کچھ ساحروں نے افک یا جھوٹ بنایا تھا یا جو حق کو باطل سے پھیرا تھا اسکو وہ عصا کھا گیا اور ان کا کچھ باقی نہ رہنے دیا کس طرح پر ہوا اس کی تفصیل قرآن شریف میں نہیں نہ کہیں یہ ذکر ہے کہ یہ عصا اژدہا بن گیا تھا نہ یہ ذکر ہے کہ ان کی سونٹیاں سانپ بن گئی تھیں۔ صرف اس قدر ذکر ہے کہ ان کے سحر سے وہ دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اور حضرت موسیٰ نے جب عصا ڈالا تو وہ ساحروں کے جھوٹ کو کھا گیا اور حق ظاہر ہوگیا۔ اور یہ خیال کہ اژدہا بنکر ہی نگلا ہوگا محض خیال ہی ہے یہی عصا جب سمندر سے گزرنے کیلئے ضرورت پیش آئی تو وہاں اژدہا نہیں بنا اور جو کچھ ہوا اس کا نتیجہ یہ بتایا کہ ساحر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے اور ان کے اس قول سے کہ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا (۷: ۱۲۶) یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف عصا کا معجزہ نہ تھا کیونکہ وہ ایک ہی آیت ہوتی اور ایمان درحقیقت معجزات پر نہیں لایا جاتا بلکہ اللہ تعالےٰ کے احکام پر پس کیا بعید ہے کہ ایک بت پرست قوم کے دل اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلائل سے کھائے گئے ہوں +

ساحروں کا ایمان لانا اور بائبل — ۱۱۳۷ جادوگروں کے ایمان لانے کا ذکر بائبل میں نہیں جہاں اس مقابلہ کا ذکر ہے مگر یہودیوں کی روایات میں یہ ذکر

لِتُخْرِجُوا مِنْهَآ أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ ۱۲۴

تاکہ اس کے رہنے والوں کو اس سے نکال دو سو تم دیکھو جان لوگے میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مقابل کی اطراف

خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قَالُوٓا إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ۝ وَمَا تَنقِمُ ۱۲۵ ۱۲۶

سے کاٹ دوں گا پھر میں ضرور تم کو صلیب کی موت ماروں گا انہوں نے کہا ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور تو ہم کوئی

مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِـَٔايَٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا

عیب نہیں لگا سکتا سوائے اس کے کہ ہم اپنے رب کی باتوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آگئیں اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہم کو فرمانبردار

مُسْلِمِينَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُۥ لِيُفْسِدُوا ۱۲۷

ع ۱۵ ۳

بنی اسرائیل کی تکالیف

بناکر وفات دیجیو ۱۳۸ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑتا ہے تاکہ وہ ملک میں

فِى الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَءَالِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىِۦ نِسَآءَهُمْ

فساد کریں اور تجھے اور تیرے خداؤں کو چھوڑ دے اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے

وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَٰهِرُونَ ۝ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوٓا ۱۲۸

اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی مدد مانگو اور صبر کرو

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۖ وَالْعَٰقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

بیشک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسکا وارث بناتا ہے۔ اور (اچھا) انجام متقیوں کیلئے ہوتا ہے ۱۳۹

موجود ہو۔ اور اس کی تائید خروج ۱۲ : ۳۸ سے ہوتی ہو جہاں بنی اسرائیل کے مصر سے جانے کے ذکر میں لکھا ہو کہ "ایک دوسری بڑی گروہ مل جلکر انکے ساتھ گئی" جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ اسرائیلیوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے۔ اور یہودی انسکلو پیڈیا میں ہو "کیونکہ مصری جب موسے کی پہاڑ سے واپسی کا وقت گزر گیا ان میں سے چالیس ہزار اکٹھے ہو کر آئے دو مصری جادوگروں ینیس اور یمبریس کے ساتھ" اور ینیس اور یمبریس وہی جادوگر تھے جو حضرت موسے کے مقابلہ پر آئے جیساکہ ۲ تمطاؤس ۳ : ۸ سے ظاہر ہو۔

۱۱۳۸ مومن اور کافر میں یہ فرق دکھایا ہو کہ یہی جادوگر جو حالت کفر میں روپوں کا اجر فرعون سے طلب کرتے تھے اب جان تک کی ان کو پروا نہیں اس لئے کہ خدا کو پالیا۔

بنی اسرائیل کے ذکر میں مسلمانوں کی مشکلات کا علاج

۱۱۳۹ قرآن کریم نے جن گزشتہ واقعات کو بیان کیا ہو ان سب میں اور بالخصوص بنی اسرائیل کے ذکر میں اسلام کی تاریخ لکھی ہوئی ہو جو کچھ حالت بنی اسرائیل کو پیش آئی وہی مسلمانوں کو پیش آنے والی تھی۔ اسلئے بنی اسرائیل کے واقعات کا ذکر کرکے جو ان کو حضرت موسیٰ کی معرفت علاج بتایا ہو وہ مسلمانوں کی مشکلات کا علاج ہے۔ بنی اسرائیل ایک دوسری قوم

۱۲۹ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

انہوں نے کہا ہمیں دکھ دیا گیا اس سے پہلے کہ تو ہمارے پاس آتا اور اسکے بعد کہ تو ہمارے پاس آیا اس نے کہا قریب ہے کہ تمہارا رب

يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ۧ

دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو زمین میں حاکم بنائے پھر دیکھے تم کس طرح عمل کرتے ہو ۱۱۳۹ف

کی غلامی میں تھے۔ اور دوسری قوم ان پر حکمران تھی۔ حاکم قوم ان کو روز بروز کمزور کرتی چلی جاتی تھی اور ایسی تدابیر انکے متعلق اختیار کرتی تھی کہ جن سے انکی قومی زندگی گھٹتی چلی جائے بسبب ذلت کے کام ان سے لئے جاتے تھے انکے بیٹوں کو قتل کیا جاتا اور عورتوں کو زندہ رکھا جاتا تھا کہ یہ قوم آہستہ آہستہ فنا ہو جائے۔ آج یہی نقشہ مسلمانوں کا نظر آتا ہے صرف اس قدر فرق ہے جو حالات زمانہ سے پیدا ہونا لازم تھا۔ آج مسلمان عموماً ساری دنیا میں اور بالخصوص اس ملک ہند میں ایک دوسری قوم کی غلامی میں ہیں وہ دوسری قوم ان پر حکمران ہے اور حکومت کی تدابیر اس قدر مضبوط ہیں کہ محکوم قوم انکا مقابلہ نہیں کرسکتی محکوم قوم کے اعلیٰ درجہ کے جوہر مٹتے چلے جا رہے ہیں دنیا کے مال کے لالچ کیلئے وہ دین ایمان بیچتے چلے جاتے ہیں شجاعت اور مردانگی کا جوہر مفقود ہوتا چلا جاتا ہے دین اسلام کی محبت اور غیرت کم ہوتی چلی جاتی ہے دنیوی شان و شوکت تو مدت سے رخصت ہو چکی جو کچھ باقی رہی تھی اس کا اس جنگ نے فیصلہ کر دیا۔ ہاں وہاں اگر بیٹوں کو قتل کرتے تھے تو یہاں مجازی قتل ہے۔ کیونکہ مردانگی اور شجاعت کی اعلیٰ صفات کا مرجانا بھی مجازاً قوم کے فرزندوں کا قتل ہے۔ آرائش و زیبائش جسمانی مال و دولت دنیا کی دلفریبی کے ظاہری سامانوں پر فریفتگی یہ وہ زنانہ صفات ہیں جو نستحیی نساءھم کے قایم مقام ہو رہی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان مشکلات کا علاج کیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ آج ہماری قوم کو بالکل وہی حالات پیش آئے ہیں جو بنی اسرائیل کو فرعون کے ماتحت پیش آئے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو حضرت موسیٰ کی زبان سے علاج بتایا ہے وہ ہماری ہی مشکلات کا علاج ہے اور وہ علاج کیا ہے استعینوا باللہ واصبروا اللہ کی مدد چاہنا اور صبر اختیار کرنا۔ آج کل کے لیڈروں کی نظر میں یہ ایک لغو سی بات ہے وہ اس طرف توجہ نہیں کرتے انکو اپنی قوت بازو پر بھروسہ ہے کہ ہم اس حاکم قوم کو عدم تعاون سے ماریں گے اور اگر عدم تعاون سے یہ قوم نہ مری تو پھر ہم تلوار اٹھائیں گے۔ خدا کے کلام کی تصریح کے خلاف ان باتوں کی طرف جانا عمداً قوم کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ فرعون کی اس قدر زیادتیوں کے باوجود بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنیکے باوجود خدا کی عبادت سے روکنے کے باوجود بنی اسرائیل کو جو ایک محکوم قوم تھی یہ حکم نہیں دیا جاتا کہ تم فرعون کے خلاف جنگ کرو۔ بلکہ یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو یہی علاج آج ہماری مشکلات کا تھا ہم بنی اسرائیل کی طرح دوسری قوم کی غلامی میں ہیں اس ذلت کیحالت سے ہم حاکم قوم سے جنگ کرکے نہیں نکل سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے خدا کے آگے گڑگڑا کر اور اپنی کمزوری کا علاج اللہ تعالیٰ کی قوت کو سمجھکر نکل سکتے ہیں۔ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اسبات کی تائید میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کہ محکوم ہو کر حاکم قوم کیساتھ جنگ کرنے کی اجازت دیجائے اور درحقیقت یہ جنگ نہ ہوگی خودکشی ہوگی قوم کے ملکی رہنماؤں کو اور علمائے اسلام کو یہ چاہئے کہ حالات پیش آمدہ میں اپنی مشکلات کا حل قرآن کریم سے سوچیں۔ استعانت باللہ اور صبر سے ہی قوم کے اندر وہ جوہر پیدا ہونگے جن سے یہ قوم زندہ رہیگی اللہ تعالیٰ نبیگی۔ رہا ان لوگوں کا سوال جو اس وقت اسلام کے دشمن ہمیں نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ انکی ہلاکت کے کوئی اسباب پیدا کردے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انکو دشمنان اسلام کے حلقہ سے نکالکر حلقہ بگوشان اسلام بنادے عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منہم مودۃ (الممتحنۃ۔ ۷) ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں اور اسلام کی خوبیوں کو دوسروں کے سامنے کھولکر رکھیں یہی وہ راہ ہے جو حالات پیش آمدہ میں قرآن کریم نے ہمیں صراحت سے بتادی ہے جبتک مسلمان اس راہ سے منہ موڑ رہے ہیں ذلت و ادبار کی حالت سے باہر نہیں نکل سکتے۔

۱۱۳۹ف اس سارے بیان میں یہی بتایا ہے کہ جب ایک قوم حد سے زیادہ مخلوق کو دکھ دیتی ہے تو بادشاہت اس سے لیکر دوسری

رکوع ۱۶

فرعونیوں پر بلائیں اور ہلاکت کا آنا اور بنی اسرائیل کی نجات

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ۱۳۰

اور البتہ ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط اور پھلوں کی کمی میں پکڑا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۱۱۴۰

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا ۱۳۱

سو جب ان کو سکھ پہنچتا کہتے یہ ہمارا حق ہے اور اگر ان کو دکھ پہنچتا موسیٰ اور اس کے

بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ساتھیوں کی بدشگونی بتاتے دیکھو ان کی بدقسمتی صرف اللہ کی طرف سے ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۱۱۴۱

قوم کو دیدی جاتی ہے۔ باوجود ان سارے دکھوں کے جو بنی اسرائیل کو ملتے ہیں باوجود اس کے کہ ایک سخت غلامی کی حالت میں وہ پڑے ہوئے ہیں اور حاکم قوم بڑی زبردست ہے اور یہ صرف چند بیگار کے کام کرنے والے لوگ ہیں جن کو حکومت میں بھی کوئی رسوخ حاصل نہیں حضرت موسیٰ کا ایمان کس قدر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تمہارا دشمن ضرور ہلاک ہوگا اور تم بادشاہ ہوگے مگر پھر تمہارے عملوں کو بھی اللہ تعالیٰ دیکھے گا جب تم اس طرح مخلوق خدا کو دکھ دینے لگوگے تو تم سے بھی حکومت لے لی جائیگی۔ موسیٰ کے ساتھیوں کی تکالیف میں مسلمانوں کی اس وقت کی تکالیف کا نقشہ کھینچا ہے گو دونوں رنگوں میں کچھ فرق ہو کہ دوسری قوموں کے ہاتھ میں یہ لوگ ذلیل اور مقہور ہو رہے ہیں +

سنۃ

۱۱۴۰ سنین ۔ سنۃ کی جمع ہے جس کے معنی سال ہیں مگر اس کا زیادہ استعمال قحط کے سال پر ہے (غ) یہاں تک کہ اس سے مراد قحط کا سال ہی سمجھا جانے لگا +

تطیر۔ اطیر

۱۱۴۱ یطیروا ۔ طائر و طیر بمعنی پرندے ہے ۔ اور تَطَیُّرًا و اِطَّیَّرَ پرندوں سے شگون لینے کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال ہر ایک قسم کی بدشگونی اور بری فال لینے پر عام ہوگیا ہے (غ) اہل عرب اگر پرندوں کو بائیں جانب اڑتا دیکھیں تو اسے بدشگونی سمجھتے تھے (ت) اور

طائر

طائرھم میں طائر سے مراد ان کی شوم یعنی وہ بدقسمتی ہے جس کے متعلق وہ بدشگونی لیتے تھے۔ طائر اصل میں انسان کے عمل کو کہتے ہیں خیر ہو یا شر کیونکہ وہ اس سے اڑجاتا ہے جیسا کہ کل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ میں ہے (غ) ابوعبیدہ کہتے ہیں حظ یا بہرہ پر جو انسان کو ملے یہ لفظ اطلاق پاتا ہے (ت) طائرھم عند اللہ سے مراد ہے کہ جو کچھ ان پر مصیبت آتی ہے وہ ان کا حظہ یا بہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی انہی کی بدعملیوں کی سزا ہے +

مسلمانوں کے مصائب اور مجدد چہاردہم

جب کوئی راستباز آتا ہے اور وہ ایک اچھی راہ کی طرف بلاتا ہے اور بری راہ سے روکتا ہے اور لوگ اس کی بات نہ ماننے سے اور مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں اور راہ حق کو قبول کریں یوں کہنے لگتے ہیں کہ یہ مصائب اس شخص کی وجہ سے ہم پر آ رہی ہیں۔ ان کو توجہ دلائی ہے کہ داعی خیر کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال بد کی وجہ سے ان پر مصائب آتی ہیں۔ آج مسلمانوں کا یہی حال ہے جب چودھویں صدی کے سر پر ایک مجدد آیا اور اس نے بتایا کہ تمہاری کامیابی اپنی اصلاح اور اشاعت اسلام میں ہے تو بجائے اس کے کہ اس حق بات کو قبول کرتے اس کی مخالفت کی اور غلط راہوں پر پڑے وہ مصائب اور بھی بڑھیں تو اب لگے کہنے کہ ہماری مصائب تو اس کے آنے سے اور بھی زیادہ ہوگئیں کاش مسلمان ان آیات قرآنی سے کچھ سبق لیں +

۱۳۲ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا

اور انہوں نے کہا جو کوئی نشان بھی تو ہمارے پاس لائے تاکہ اس کے ساتھ ہم کو دھوکا دے ہم تیری بات کو نہیں مانیں گے ۱۱۴۲ سو ہم نے

عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا

ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈکیں اور خون کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر انہوں نے تکبر کیا

۱۳۴ وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

اور وہ مجرم قوم تھے ۱۱۴۳ اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر جیسا اس نے

عَهِدَ عِندَكَ ۚ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي

تجھ سے عہد کیا ہے اگر تو ہم سے عذاب دور کر دے ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئینگے اور ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو

۱۳۵ إِسْرَائِيلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ۝

بھیج دینگے لیکن جب ہم ان سے ایک وقت کے لئے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب دور کر دیتے تو فوراً عہد شکنی کرتے ۱۱۴۴

۱۳۶ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

پس ہم نے ان پر سزا وارد کی سو ان کو دریا میں غرق کر دیا اس لئے کہ وہ ہماری باتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے لاپروا تھے

مهما

۱۱۴۲ مهما ۔ مه اور ما سے مرکب ہے اور مه اسم فعل بمعنی توقف ہے ۔ اور ما شرطیہ ۔ یا ما ما سے مرکب ہے ۔ پہلا ما شرطیہ ہے اور دوسرا تعمیم کے لئے ۔

مطلب یہ تھا کہ یہ تمہارے معجزات محض دھوکا ہیں ۔ اسلئے ان کو دیکھکر ہم ایمان نہیں لاتے ۔

طوف ۔ طوفان

۱۱۴۳ الطوفان ۔ طَوف سے ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کے گرد گھومنا ۔ اور طوفان ہر وہ حادثہ ہے جو انسان کو چاروں طرف سے گھیرے (غ) اسی سے اس کا استعمال بڑے سیل پر ہوا ہے ۔ طوفان کے معنی بخاری میں موت کثیر دیئے ہیں ۔

جراد

جراد ۔ ٹڈی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو سبزی سے خالی کر دیتی ہے (غ) اور جَرْدٌ کے معنی ہیں ایک چیز کا چھلکا اتارنا ۔

قمل ۔ ضفدع

قُمَّل ۔ جوں ۔ چچڑی ۔ پسو وغیرہ پر بولا جاتا ہے ضفادع ۔ ضِفْدَعٌ کی جمع ہے مینڈک ۔

حضرت موسیٰ کے نو نشان

بائبل میں ذیل کی نشانیوں کا ذکر ہے ۔ دریا کا لہو بن جانا ۔ مینڈکوں کی آفت ۔ جوئیں ۔ مچھر ۔ مویشی پر مری ۔ پھوڑوں کی آفت ۔ اولے ۔ ٹڈی ۔ تاریکی ۔ قرآن کریم نے جو آفات بیان کی ہیں وہ سات ہیں جن میں سے پانچ یہاں اور دو آیت ۱۳۰ میں یعنی قحط اور پھلوں کی کمی ۔ اور ان سات کے ساتھ عصا و ید بیضا کے معجزات ملا کر کل نو نشان ہو جاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ذکر ہے ۔

نکث

۱۱۴۴ ینکثون ۔ نکث کاتے ہوئے اور بنے ہوئے کے توڑنے پر استعمال ہوتا ہے اور استعارۃً نقض عہد پر (غ) خروج ۷ سے ۱۱ باب تک ان نشانات کی تفصیل اور فرعون کے اقرار و عہد شکنی کا ذکر ہے ۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ ۱۳۷

اور ہم نے اس قوم کو جس کو کمزور خیال کیا جاتا تھا اس زمین کے مشرقی حصوں اور اس کے مغربی حصوں کا وارث کردیا

بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ

جس میں ہم نے برکت دی تھی اور تیرے رب کی اچھی بات بنی اسرائیل کے حق میں پوری ہوئی اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا

الربع

وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا ۱۳۸

اور ہم نے وہ سب تباہ کردیا جو فرعون اور اس کی قوم بناتے تھے اور جو وہ عمارتیں بناتے تھے ۱۱۴۵ اور ہم نے بنی اسرائیل

بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا

کو دریا سے گزار دیا تب وہ ایک قوم پر آئے جو اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے انہوں نے کہا

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝

اے موسیٰ ہمیں بھی دیوتا بنا دے جیسے ان کے دیوتا ہیں اس نے کہا بلاشبہ تم جاہل قوم ہو ۱۱۴۶

الارض — ۱۱۴۵ الارض سے مراد ارض مقدس یعنی شام کی زمین ہو اس کے مشرق و مغرب کا مالک کردیا یعنی ساری ارض مقدس کا وارث کردیا گو یہ بہت بعد کا واقعہ ہو +

تمام — تمت کلمة ربك الحسنی۔ تمام یا انتہا کو پہنچ جانے سے مراد اس کا پورا ہونا ہو اور کلمة الحسنی یا اچھی بات وہ وعدہ ہو جو ان کو دیا گیا تھا کہ تمہیں ارض مقدس کا وارث بنایا جائیگا یا اس وعدہ کی طرف اشارہ ہو جو اوپر فرمایا عسیٰ ربکم ان یہلك عدوکم (۱۲۹) +

عرش — یعرشون۔ کے معنی ابوعبیدہ نے یبنون کئے ہیں یعنی جو عمارتیں وہ بناتے تھے (غ)۔ یا باغات مراد ہوسکتے ہیں

اس امت کی کامیابی تلوار سے نہیں — یہاں بنی اسرائیل کی کامیابی کو ان کے صبر کا نتیجہ بتایا۔ اور حسن سے مروی ہو کہ اگر لوگ جب ان کو اپنے بادشاہ کی طرف سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو بہت دیر نہ لگے گی کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کردے گا لیکن وہ گھبرا کر تلوار کی طرف جاتے ہیں سو اسی کے سپرد کردیئے جاتے ہیں اور انہی سے روایت ہو کہ بنی اسرائیل کو جو کچھ ملا ان کے صبر سے ہی ملا۔ اور یہ اُمت جب تلوار کی طرف دوڑے گی۔ تو کبھی نتیجہ اچھا نہ ہوگا (ر) ان روایات کو نقل کرکے مصنف روح المعانی لکھتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو ۱۲۴۸ سال تک دیکھا کہ وہ جب تلوار کی طرف دوڑے ہیں تو ان کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا نہ ان کی مراد پوری ہوئی نہ کوئی مجود امر ہوا +

صنم — ۱۱۴۶ اصنام صنم کی جمع ہے اور وہ جسم ہو جو چاندی تانبے لکڑی وغیرہ سے بنایا جائے ان کی عبادت کرتے تھے اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس سے حاصل ہوتا ہو اور بعض نے صنم سے مراد ہر اس چیز کو لیا ہو جس کی من دون اللہ پرستش کی جائے بلکہ ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دوسری طرف لے جانے والی ہو (غ) +

بنی اسرائیل پر مصریوں کا اثر — مصری لوگ ہر چیز کی پرستش کرتے تھے اس قسم کی بت پرست قوم میں رہ کر بنی اسرائیل کی عادات میں

۱۳۹ ۱۴۰ إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ

(سمجھو) یہ سو جس معاملہ میں یہ پڑے ہوئے ہیں وہ تباہ کر دیا جائیگا اور جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں باطل ہو[۱۴۷] اسنے کہا کیا میں اللہ کے سوا

۱۴۱ إِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ وَإِذْ أَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ

تمہارے لئے معبود چاہوں اور اسنے تم کو مخلوقات پر فضیلت دی ہو[۱۴۸] اور جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی وہ تمہیں

سُوٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

برا دکھ پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی

۱۴۲ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِينَ لَيْلَةً وَّأَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ

ع ۱۶

طرف سے بڑی آزمایش تھی اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور ان کا اتمام دس (اور) کے ساتھ کیا

حضرت موسیٰ کو تورات کا ملنا۔

مِيقٰتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسٰى لِأَخِيهِ هٰرُونَ

یوں اس کے رب کا مقرر کردہ وقت چالیس رات پورا ہو گیا[۱۴۹] اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کہا

مسلمانوں پر ہندوؤں کا اثر

بت پرستی داخل ہو گئی تھی۔ اس لئے بار بار بت پرستی کی طرف ان کا میلان پایا جاتا ہو۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں پر ہمسایہ قوم کا اثر بہت ہوا ہو یہانتک کہ قبر پرستی پیر پرستی کے رنگ میں طرح طرح کے مشرکانہ عقیدے ان میں پھیل گئے ہیں۔ اور ہر قسم کی مشرکانہ رسوم و رواج ان میں جڑ پکڑ گئے ہیں ✦

تبر

متبر۔ تتبیر

تباد

۱۴۷ متبر۔ تبر اس سونے یا دوسری معدنی چیز کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی حالت میں یعنی ذرات کی صورت میں مٹی میں ملی ہوئی ہو اور تَبَّرَهٗ کے معنی ہیں ایک چیز کو توڑ دیا اور ہلاک کر دیا پس مُتَبَّرٌ کے معنی توڑ کر ہلاک کر دیا گیا۔ اور تباد ہلاکت ہو ولا تزد الظالمین الا تبارا (نوح[۷۱]-۲۸) وکلا تبرنا تتبیرا (الفرقان[۲۵]-۳۹) ✦

بت پرستی کے نابود ہونے کی پیشگوئی

ماھم فیہ جس معاملہ میں یہ ہیں یعنی بت پرستی یا ان بتوں کو حصول قرب بارگاہ الٰہی کا ذریعہ خیال کرنا بالفاظ دیگر مذہب بت پرستی آخر کار دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ ابتک دنیا کی تاریخ سے اس پر شہادت ملتی ہو کہ بت پرستی کا مذہب دنیا میں علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتا چلا گیا ہو۔ اور یقیناً وہ وقت آنے والا ہو کہ یہ مذہب بالکل نابود ہو جائے گا اور خدائے واحد کی عبادت دنیا میں قایم ہو گی ✦

شرک کے خلاف دلیل

۱۴۸ اس میں شرک کے خلاف اعلیٰ درجہ کی دلیل دی ہو جو فطرت انسانی کو اپیل کرتی ہو یعنی فرمایا کہ خدا نے انسان کو تو ساری مخلوقات پر فضیلت دی ہو۔ پھر کیا اسی مخلوقات میں سے تمہارے لئے معبود تجویز کیا جائے اور فطرت انسانی کو اس چیز کے آگے جھکایا جائے جس پر اس کو فضیلت حاصل ہو ✦

عبادت کی چالیس خاص راتیں

۱۴۹ سورۂ بقرہ میں صاف فرمایا کہ موسیٰ سے ہم نے چالیس رات کا وعدہ کیا تھا اور یہاں بھی چالیس رات کو ہی میقات ربہ یعنی رب کا مقرر کردہ وقت کہا ہو۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلے تیس رات کا وعدہ کیا تھا اور اس کے گزر جانے کے بعد پھر دس راتیں اور بڑھا دیں۔ بلکہ مطلب صرف ایک ماہ اور دس دن کو ظاہر کرنے کا ہو۔ کیونکہ تیس رات کا ایک پورا

اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا ١٤٣

میری قوم میں میری جگہ رہنا اور اصلاح کرنا اور فساد کرنیوالوں کی راہ کی پیروی نہ کرنا ۱۱۵۰ اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقررہ پر آیا

وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ

اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا اس نے کہا میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ کہا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ

فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ

اگر یہ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تو تو مجھے بھی دیکھ لے گا پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ

مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

بیہوش ہو کر گر گیا پھر جب ہوش میں آیا تو کہا تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانیوالا ہوں ۱۱۵۱

مہینہ بنتا ہے اور اس تقسیم میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ سنت انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے بھی چالیس راتیں مقرر کی ہیں تیس راتیں رمضان کی اور دس ذی الحج کی جو خاص طور پر عبادت کی راتیں ہیں ۔

خلف — ۱۱۵۰ اخلفنی۔ خَلَفَ فلانٌ فلانًا سے مراد ہوتی ہے اس کی طرف سے حکومت کے کام کو سنبھالا۔ قام بالامر عنه (غ) ۔

ہارون کی خلافت سے مراد — نبی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں تھے۔ مگر حکومت اور سرداری کا منصب حضرت موسیٰ کو حاصل تھا اسلئے اخلفنی سے مراد صرف یہی ہے کہ حکومت کا کام جو حضرت موسیٰ کے سپرد تھا وہ ان ایام میں حضرت ہارون کریں۔ نہ یہ کہ ان کی جگہ نبوت کا کام کریں۔ کیونکہ نبی وہ خود اصالتاً تھے (د) ۔

جلاء۔ جلاء — ۱۱۵۱ تجلی۔ جلو کے معنی ہیں کھلے طور پر ظاہر یا الگ کر دینا اسی سے جَلَاء ہے یعنی وطن سے نکال دینا لولا ان کتب اللّٰہ علیہم الجلاء (الحشر ۵۹-۳) اسی سے جَلْوَة ہے اور تَجَلِّی کبھی بالذات ہوتی ہے جیسے والنہار اذا تجلی (الیل ۹۲-۲) اور کبھی امر اور فعل سے جیسے یہاں۔

جلوۃ۔ تجلی

صعق — صعقا۔ صَعِقَ الْاِنسانُ کے معنی اس کو غش آگیا اور ایسے شخص کو صعق کہا جاتا ہے (ل) ۔

موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال — جیسا کہ ۸۷ میں دکھایا جا چکا ہے۔ اصل سوال حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کا تھا لن نؤمن لک حتی نری اللّٰہ جہرۃ (البقرۃ ۲-۵۵) انہی کی خاطر حضرت موسیٰ نے یہ سوال کیا تھا جس طرح حضرت عیسیٰ نے حواریوں کی درخواست کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا انزل علینا مائدۃ من السماء حالانکہ اس سوال کو ناپسند بھی کرتے تھے۔ اور اپنے متعلق درخواست اسلئے کی کہ بنی اسرائیل کے وہ سردار تو خدا سے بہت دور پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے اگر انسان کے لئے ان آنکھوں سے خدا کو دیکھنا ممکن ہے تو خدا کا ایک نبی اسے دیکھ سکتا ہے جس کے ساتھ وہ کلام بھی کرتا ہے جواب ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ وہ اپنی تجلیات سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی تجلیات کیا ہیں۔ قدرت کے سب کام اس کی تجلیات ہیں ہیں۔ اور

الٰہی تجلیات — بعض تجلیات دوسروں سے بڑھکر ہوتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنی تجلی کا ایک زبردست نمونہ دکھایا جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ یہی وہ رنگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ دنیا میں کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے بڑے بڑے انسان اور بڑی بڑی قومیں جو پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے طاقتور ہاتھ کے سامنے یوں پاش پاش ہو جاتے ہیں کہ گویا کچھ بھی نہ تھے۔ اور شاید اس تجلی کے دکھلانے میں یہ بھی اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے سامنے مشکلات کے پہاڑ بھی ہونگے تو اڑ جائینگے ۔

۱۴۴ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ

کہا اے موسیٰ میں نے تجھے اپنے پیغاموں اور اپنے کلام سے (دوسرے) لوگوں پر ممتاز کیا سو جو میں نے تجھے دیا ہے وہ لے

۱۴۵ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ

اور شکر کرنے والوں میں سے ہو ۔ ۱۱۵۲ اور ہم نے اس کیلئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور

تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ

ہر چیز کی تفصیل لکھ دی سو اس کو مضبوطی سے پکڑے اور اپنی قوم کو حکم کر کہ اس کی بہترین باتوں کو پکڑے رہیں میں تم کو نافرمانوں

۱۴۶ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

کا گھر بھی دکھا دوں گا ۱۱۵۳ میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی کامل تجلی

حضرت موسیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ کی اس تجلی میں ایک اور اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کامل تجلی حضرت موسےٰ کے لئے مقدر نہ تھی بلکہ اس کا ظہور محمد مصطفےٰ صلعم کیلئے مقدر تھا۔ اسی لئے حضرت موسےٰ کے اس ریزہ ریزہ شدہ پہاڑ کے مقابل پر رسول اللہ صلعم پر تجلی کے مقام کو بلد امین کے نام سے موسوم کیا ہے وطور سینین وھذا البلد الامین (التین ۹۵ - ۲ - ۳) ۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنا

حضرت موسیٰ کے ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کے دن بھی مومن اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکینگے کیونکہ وہ اور حواس ہونگے ۔

کلام الٰہی اور رسالت

۱۱۵۲ یہاں رسالت اور کلام کو الگ الگ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کلام ان سے بھی کرتا ہے جنکے سپرد رسالت کا کوئی کام نہیں ہوتا جیسے اس اُمت کے مجددین ۔ رسالت پیغام ہے جو عموماً حکم کے رنگ کا ہوتا ہے اور کلام میں پیشگوئیاں وغیرہ بھی ہیں۔

کتاب

۱۱۵۳ کتبنا ۔ کتاب بمعنی اثبات ۔ ایجاب ۔ فرض بھی آتا ہے (غ) پس مراد یہاں فرض کر دینا ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو انسان کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اس کی تحریر انسان کی تحریر کی طرح نہیں ہوسکتی اس کا لکھنا اس کا فرض کر دینا ہی ہے جیسے کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (المجادلۃ ۵۸ - ۲۱) میں بھی یہی مراد ہے ۔ ایسا ہی کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت (البقرۃ ۲ - ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کے توریت لکھنے سے مراد

میں یا کتب علیکم الصیام (البقرۃ ۲ - ۱۸۳) میں ۔ ان تمام موقعوں پر فعل کتاب اللہ کی طرف منسوب ہے اس لئے اگر توریت کو الواح میں خدا نے خود لکھا تھا تو قرآن میں بھی یہ احکام خود ہی لکھے ۔ یہ کہنا کہ توریت اپنے ہاتھ سے لکھی اور قرآن اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا ایک بے معنی تفریق ہے ۔ اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اگر کتابوں میں کوئی کتاب خصوصیت سے ممتاز ہو تو وہ قرآن کریم ہے اس کے مقابل میں توریت کے علوم سمندر کے مقابل میں ایک چھوٹی سی ندی کا حکم بھی نہیں رکھتے ۔

توریت میں ہر چیز کی تفصیل سے مراد

لکل شیٔ یعنی ہر چیز جن کی اُن کو اس وقت حاجت تھی ۔ کیونکہ باوجود اس تفصیل کے بعد میں جو انبیاء آئے ان کو کتابیں بھی دی گئیں جیسے داؤد کو زبور اور عیسےٰ کو انجیل اور ان کتابوں میں ان باتوں کی تفصیل تھی جن کی ضرورت ان انبیاء کے وقت میں پیش آئی ۔

باحسنہا تعلیم جو خدا کی طرف سے آتی ہے سب ہی احسن ہوتی ہے مگر چونکہ یہاں ایک بلند مقام کی طرف اشارہ ہے

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ

اور اگر وہ ہر ایک نشان بھی دیکھ لیں تو اس پر ایمان نہ لائیں اور اگر وہ راستی کی راہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ ٹھہرائیں

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا

اور اگر وہ گمراہی کا رستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) رستہ بنا لیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے

غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ ۱۴۷

لاپروا رہے ۱۵۴ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے عمل ضائع ہوئے ان کو کوئی بدلہ

رکوع ۱۸ — بچھڑے کی عبادت

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا ۱۴۸

نہ ملے گا مگر وہی جو عمل کرتے تھے اور موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا ایک جسم جس میں سے

وقف لازم

لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

آواز نکلتی تھی کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انکو رستہ دکھاتا ہے اس کو (معبود) بنا لیا اور وہ ظالم تھے ۱۵۵

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ ۱۴۹

اور جب وہ پشیمان ہوئے اور دیکھ لیا کہ وہ یقیناً گمراہ ہو گئے تھے

اس لئے خصوصیت سے احسن وجہ پر قایم رہنے کا حکم دیا ہے۔ اگر نبی کے پہلے متبعین ہی اعلیٰ مقامات پر نہ پہنچیں تو پچھلے بہت ہی گر جائینگے۔ اسی کی طرف داد الفاسقین میں اشارہ کیا ہے یعنی اس قوم کی حالت ایک وقت نافرمانی کی ہو جانیوالی ہے اور فاسقوں کا جو انجام ہوتا ہے وہ بھی تم دیکھ لوگے دار الفاسقین سے یہی مراد ہے یا یہ کہ تم کو دکھا دونگا کہ فاسقوں کا انجام کیا ہوتا ہے +

۱۵۴ ہوسکتا ہے کہ اس کلام کا خطاب کفار مکہ سے ہو اور ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل سے ہی یہ خطاب منقول ہو۔ متکبر اپنے کبر کی وجہ سے حق اور صداقت سے دور جا پڑتا ہے یہاں تک کہ غلطی اسے اچھی معلوم ہوتی ہے اور دلائل اور نشانات کی وہ کچھ پروا نہیں کرتا۔ تکبر تمام بدیوں کی جڑ ہے +

حلی — حلبة

۱۵۵ حُلِیّ حَلْیٌ کی جمع ہے۔ زیورات۔ اسی سے ہے یحلون فیہا من اساور من ذھب (الکھف ۱۸ - ۳۱) وحلوا اساور من فضة (الدھر ۷۶ - ۲۱) اور حلیة کے معنی بھی زیور ہیں او من ینشؤا فی الحلیة (الزخرف ۴۳ - ۱۸) جنگل میں اموال و دولت تو کیا ہوگا زیورات جو کچھ پاس تھے انکو اکٹھا کر کے یا ان میں سے بطور چندہ لیکر ایک بچھڑے کی صورت بنالی +

جسداً عجلاً سے بدل ہے یا اس کی صفت یعنی وہ محض ایک جسم تھا جس کے اندر کوئی جان نہ تھی +

خوار — خوار۔ گائے کی آواز کو کہتے ہیں +

بچھڑے کے معبود بنانے کے خلاف جو دلیل یہاں دی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ رستہ بتاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا منقطع نہیں ہوسکتا — پس معلوم ہوا معبود وہ ہو سکتا ہے جو کلام بھی کرے اور رستہ بھی دکھلائے جو لوگ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا بالکل

۱۵۰ قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ○ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰى

کہنے لگے اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو یقیناً ہم نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہو جائینگے ۱۱۵۶ اور جب موسیٰ اپنی قوم

إِلٰى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنۢ بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ

کیطرف لوٹ کر آیا غضبناک افسوس کرتا ہوا کہا کیا ہی بُرا وہ کام ہے جو تم نے میرے پیچھے کیا ۱۱۵۷ کیا تم نے اپنے ربکے امر

رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ

کو جلد چاہا ۱۱۵۸ اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچا اس نے کہا ماں کے بیٹے قوم نے مجھے

اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ

کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے سو دشمنوں کو مجھ پر خوش ہونے کا موقع نہ دے اور مجھے ظالم لوگوں کے

۱۵۱ الظّٰلِمِينَ ○ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ ○

ساتھ نہ ملا ۱۱۵۹ (موسیٰ نے) کہا میرے رب میری اور میرے بھائی کی حفاظت فرما اور ہمکو اپنی رحمت میں داخل کر اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے

منقطع مانتے ہیں وہ اس کی معبودیت کے خلاف اسی دلیل سے اپنے آپ کو ملزم ٹھہراتے ہیں +

سقوط۔ سقط فی ایدیہم

۱۱۵۶ سقط فی ایدیہم۔ سُقُوط ایک چیز کا بلند مکان سے پست مکان میں گرنا ہے اور سقط فی ایدیہم بطور محاورہ کے نادم ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے +

اسف

۱۱۵۷ اسفا۔ اَسَف وہ غم ہے جسکے ساتھ غضب بھی ملا ہوا ہو گو صرف بمعنی غم و بمعنی غضب بھی آتا ہے (غ) حضرت موسیٰ کو بذریعہ وحی قوم کی اس لغزش کا علم ہو گیا تھا قال فانا قد فتنا قومك من بعدك واضلهم السامری (طٰہٰ ۲۰۔ ۸۵) اس لئے آپ قوم کے اس مشرکانہ فعل پر غصہ میں تھے۔ ایسے امور میں غضب کا آنا مذموم نہیں بلکہ مستحسن ہے +

عجل عن الامر

۱۱۵۸ عجلتم امر ربکم کے معنی کئی طرح پر کئے گئے ہیں۔ عجلتم عما امرکم بہ ربکم یعنی تمہارے ربنے جو وعدہ تم سے کیا تھا اسکے بارہ میں جلدی کی کشاف میں عجلتم عن امر ربکم مراد لیکر عجل عن الامر کے معنی کئے ہیں ترکہ غیر تام یعنی اسے نامکمل چھوڑا۔ لیکن سورۃ طٰہٰ میں اس کی تفسیر خود موجود ہے جہاں آیت ۸۶ میں ایسا ہی ذکر کرکے فرمایا افطال علیکم العھد ام اردتم ان یحل علیکم غضب من ربکم یعنی کیا چالیس رات کا عہد تمہیں لمبا معلوم ہوا۔ یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب

امر

نازل ہو۔ پس امر ربکم سے مراد رب کی سزا یا اس کا غضب ہی ہے۔ اور امر بمعنی سزا قرآن کریم میں آیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ سزا تو قوم پر پیچھے ویسے آیا کرتی ہے مگر تم نے اسکو میری زندگی میں اور میرے سامنے اس قدر جلدی لانا چاہا +

شمت۔ شماتۃ تشمیت

۱۱۵۹ تشمت۔ شمت سے ہے اور شَمَاتَۃ اس خوشی کو کہا جاتا ہے جو دشمن کے مبتلائے مصیبت ہونے پر ہو اور تَشْمِیت چھینکنے والے کو جو دعا دی جائے اسے کہتے ہیں گویا اس طرح اس سے شماتت کا ازالہ کیا جاتا ہے (غ) +

قرآن کا ہارون کے بچھڑا بنانے سے انکار اور بائبل کی اصلاح

ان الفاظ سے قرآن کریم نے حضرت ہارون کے بچھڑا بنانے میں شرکت سے صاف انکار کیا ہے اور یوں بائبل کے اس بیان کو غلط ٹھہرایا ہے کہ ہارون نے ہی یہ بچھڑا بنایا تھا۔ حضرت ہارون جیسا کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے صرف اسلئے خاموش رہے

ع ۱۹ — موسیٰ کی قوم اور تختیاں

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۱۵۲

جن لوگوں نے بچھڑا بنایا ان کو ان کے رب کی طرف سے ناراضگی اور دنیا کی زندگی میں رسوائی پہنچ کر رہے گی

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ○ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا ۱۵۳

اور اسی طرح ہم افترا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں ۱۱۶۰ اور جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کی

وَاٰمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ ۱۵۴

اور ایمان لائے یقیناً تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور جب موسیٰ کا غصہ کم ہوا

أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ○

تختیاں لیں اور ان کی تحریر میں ان لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب کیلئے خوف رکھتے ہیں ۱۱۶۱

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۚ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ ۱۵۵

اور موسےٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وعدے کے لئے چنے ۱۱۶۲ پھر جب ان کو زلزلے نے آلیا کہا میرے رب اگر تو چاہتا

کہ انہیں خوف تھا کہ اگر انہوں نے حکما روکا تو لوگ انہیں قتل کر دینگے۔ حضرت موسیٰ کا سر پکڑ کر انکو کھینچنا اس غصہ کی وجہ سے تھا جو انکو صحیح طور پر تھا۔ اور انہیں یہ بھی خیال ہوگا کہ ہارون نے کیوں ان کو حکماً اس سے نہیں روک دیا۔ آخر جب وجہ سمجھی تو بھائی کو اپنے ساتھ دعا میں شامل کیا۔ حضرت ہارون کا ابن ام سے خطاب کرنا رحمت کی طرف توجہ دلانے کو ہے ٭

۱۱۶۰ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ البقرۃ ۲-۵۴ میں جو فاقتلوا انفسکم کا حکم ہے اس سے مراد فی الواقع قتل نہیں کیونکہ یہاں سزا صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور دنیا میں رسوائی بتائی ہے۔ اور اگلی آیت میں اس سزا کے ٹل جانے کی صورت توبہ بتائی ہے ٭

۱۱۶۱ خروج ۳۲-۱۹ میں ہے کہ موسےٰ نے غصہ میں تختیاں توڑ ڈالیں مگر قرآن اس کا موید نہیں اور نہ یہ نبی کی شان کے شایاں ہے۔ قوم پر ناراض ہو کر احکام خدا کا استخفاف نبی کا کام نہیں ہو سکتا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم توریت سے نقل نہیں کرتا بلکہ اصل سرچشمہ کوئی اور ہے اسی لئے موقعہ موقعہ پر بائبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی ایک واقعہ میں تین اہم امور میں بائبل کے قصہ کی اصلاح فرمائی ہے اول حضرت ہارون کی شرک عجل میں علیحدگی حالانکہ بروے بائبل ہارون ہی بچھڑا بنانے والے تھے دوم یہی تختیوں کا توڑنا سوم بچھڑے کو جلا کر اس کی خاکستر کو پانی میں ملا کر بنی اسرائیل کو پلانا جو ایک بے معنی بات ہے ٭

موسیٰ کے تختیاں توڑنے کے معاملہ میں بائبل کی اصلاح

۱۱۶۲ ذکر عجل کے بعد کلام کا رجوع پھر اسی اصل واقعہ کی طرف کیا ہے جو حضرت موسیٰ کے طور پر جانے کا واقعہ ہے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ قرآن کریم نے حضرت موسیٰ کی صرف ایک ہی میقات کا ذکر کیا ہے توریت میں دو دفعہ طور پر جانے کا ذکر ہے جس کی وجہ توریت کی تختیوں کا ٹوٹ جانا ہے یعنی چونکہ پہلی دفعہ جو تختیاں حضرت موسےٰ لائے تھے وہ غصہ میں آکر توڑ دیں اسلئے دوبارہ پھر تختیاں دینے کے لیئے گئے مگر چونکہ قرآن کریم اس تختیوں کے توڑنے کے واقعہ کو ہی تسلیم ہی نہیں کرتا اسلئے دوسری میقات کا اس میں نہ کوئی ذکر ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور مفسرین کا یہ خیال کہ بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے جو ناراضگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی اسکے لئے پھر جانے کی ضرورت پیش آئی یا حضرت موسیٰ پر ہارون کے قتل کا الزام جب بنی اسرائیل نے لگایا تو اسکی صفائی کیلئے ہارون کی قبر پر ان ستر

حضرت موسیٰ کی میقات طور پر ایک ہی تھی

أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ

ان کو اور مجھے پہلے سے ہی ہلاک کر دیا ہوتا۔ کیا تو ہم کو اس کے لئے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا یہ صرف تیری آزمائش ہے

تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنتَ

تو اس کے ساتھ جس کو چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ہی ہمارا ولی ہے سو ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم کر اور تو

۱۵۶ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا

سب سے بہتر حفاظت کرنیوالا ہے[۱۱۶۳] اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی مقدر کر دے اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ ہم تیری طرف

إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

رجوع کرتے ہیں (اللہ نے) کہا میرا عذاب اس سے میں جس کو چاہوں تکلیف میں ڈالوں اور میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے۔

فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ○

سو میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں[۱۱۶۴]

آدمیوں کو لیکر حضرت موسیٰ گئے محض قصے ہیں۔ پس یہ ستر آدمی وہی تھے جو اس وقت حضرت موسیٰ کے ساتھ گئے جب آپ کو شریعت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے طور پر بلایا تھا۔ اور انہوں نے ہی کہا تھا لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ (البقرۃ ۲: ۵۵) اور اس کے مطابق ابن جریر میں ایک روایت بھی موجود ہے اور ذکر عجل کے بعد پھر طور والے واقعہ کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو توریت میں حضرت موسیٰ کو بتائی گئی۔ جیسا کہ آیت ۱۵۷ میں صاف اس کی تصریح فرما دی ✦

صاعقۃ سے مراد

۱۱۶۳ الرجفۃ کے لئے دیکھو ۱۱۱۳ سورۂ بقرہ کی آیت ۵۵ میں اسی کو الصاعقۃ کہا ہے جس کو یہاں الرجفۃ کہا ہے۔ اور دونوں جگہ ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے فاخذتھم الرجفۃ وھی الصاعقۃ (ج) اب گو الصاعقۃ کئی معنوں میں آتا ہے مگر الرجفۃ صرف زلزلہ کے معنی میں آتا ہے اور چونکہ صاعقۃ کے معنی صوت شدید یعنی سخت آواز ہیں اس لئے اس سے مراد وہ آواز ہے جو بڑے زلزلہ سے پہلے آتی ہے ✦

حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کو طور پر صرف غشی کا آنا

یہاں بعض مفسرین نے صرف غشی کا واقع ہونا مراد لیا ہے قیل غشی علیھم ثم افاقوا (ر) یعنی انکو صرف غشی آئی تھی کہ پھر افاقہ ہو گیا اور اصعقھم فسلب افھامھم (ج) یعنی ان پر صاعقہ بھیجا اور ان کے فہموں کو سلب کر لیا اور یہی حق ہے جیسا ۹۵ میں دکھایا جا چکا ہے اور جو بیوقوفوں نے کیا اس سے مراد تھا یہ کہنا ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کو کھلا کھلا نہ دیکھ لیں ہم ایمان نہ لائیں گے

وسعت رحمت الٰہی

۱۱۶۴ رحمتی وسعت کل شیء۔ اس قدر وسیع رحمت الٰہی کا علم محمد رسول اللہ صلعم کو ہی اللہ تعالیٰ نے دیا جو دنیا کی تمام اشیاء پر حاوی ہے جس میں مسلم اور کافر۔ فرمانبردار اور عاصی دونوں آ جاتے ہیں۔ وہ رحمان ہے اور اس کی رحمت بلا عمل کام کرتی ہے اسلئے کفار کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر مومنوں کے لئے خصوصیت سے اس کا اثبات کیا ہے ✦

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۱۵۷

وہ جو رسول نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا

وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ

پاتے ہیں وہ ان کو بھلی باتوں کو حکم دیتا اور ان کو بری باتوں سے روکتا ہے اور ان کیلئے ستھری چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر

عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا

ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے ان کا بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان پر تھے سو جو لوگ اس پر ایمان لائیں

بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور اس کی تعظیم کریں اور اسکو مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی کامیاب ہونگے ۱۱۶۵

اُمّی — ۱۱۶۵۔ الامّی۔ اُمّی ناخواندہ کو بھی کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی جو ام القریٰ یعنی مکہ کی طرف منسوب ہو دیکھو ۱۰۲ اور نبی اُمی سے مراد نبی عربی ہی ہے جیسا کہ آگے دکھایا جائیگا +

اصر — اِصرھم۔ اِصر کے معنی کیلئے دیکھو ۳۶۵ یہاں مراد ایسا عہد ہے جس کا نقض خیرات سے محروم کر دیتا ہے جیسے وہ عہد جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے لیا جاتا ہے اور عام طور پر کسی امر کو کہا جا سکتا ہے جو خیرات سے روک دے (غ) +

غُلّ — اغلال۔ غُلّ کی جمع ہے دیکھو ۸۵۰ وہ لوہا جس کے ذریعہ سے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس سے مراد بھی ایسی چیز ہے جو انسان کو کام سے روک دے +

تعزیر — عزّروہ۔ تعزیر۔ اس نصرت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تعظیم ملی ہوئی ہو اور اسی سے تعزیر سزا کے معنی میں ہے کیونکہ وہ بھی ایک نصرت ہے جو ظلم سے روکتی ہے (غ) +

توریت میں آنحضرت کی پیشگوئی — حضرت موسیٰ کو توریت ملنے کے ذکر میں اس پیشگوئی کا ذکر کر دیا ہے اور ضروری تھا کہ کیا جاتا جو توریت میں آنحضرت صلعم کی آمد کے متعلق ہے بلکہ اسی غرض کیلئے حضرت موسیٰ کا ذکر بھی کیا تھا اس پیشگوئی میں رسول نبی اُمی کا ذکر کیا ہے اُمی کے معنی اگر ناخواندہ لئے جائیں تو پیشگوئی میں کسی ناخواندہ رسول کے آنے کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن اس کے معنی اگر منسوب بہ اُم القریٰ یعنی مکی یا عربی لئے جائیں تو پیشگوئی میں رسول عربی کا ذکر ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کی اس پیشگوئی میں جو استثناء ۱۸ : ۱۵ - ۱۸ میں ہے۔ بنی اسرائیل کو خطاب کرکے یہ صاف ذکر ہے کہ تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی بھائی قوم بنی اسمٰعیل ہی تھی۔ گویا یوں بتا دیا کہ وہ رسول عربی ہوگا۔ اور پھر فاران سے اس کے طلوع کا ذکر بھی موسیٰ کی کتاب میں موجود ہے +

انجیل میں آنحضرت کی پیشگوئی — دوسری بات اس رسول کے متعلق یہ بتائی کہ اس کا ذکر توریت میں ہی نہیں بلکہ انجیل میں بھی ہے۔ انجیل میں یہ ذکر دو طرح پر موجود ہے ایک اس طرح پر کہ اسی مثل موسیٰ رسول کا ذکر انجیل میں ہے دیکھو یوحنا ۱ : ۲۱ کہ وہ اس وقت تک نہ آیا تھا اور دوسرے اس طرح پر کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی دوسرے فارقلیط کے آنے کی ہے۔ دیکھو یوحنا باب ۱۴ - ۱۶ یہ کھلی کھلی پیشگوئیاں ہیں جو اور کسی کے حق میں پوری نہیں ہوئیں +

ع ۲۰

آنحضرت کی رسالت اور موسیٰ کی قوم

۱۵۸ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

کہہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت

الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ

ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو

۱۵۹ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ

اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ۱۱۶۶ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے

۱۶۰ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ

جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں ۱۱۶۷ اور ہم نے ان کو بارہ قبیلوں میں (الگ الگ) قومیں بنا کر تقسیم کر دیا

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰٮهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی جب اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو چٹان پر مار

رسول موعود کی صفات

اس کے بعد اس رسول کی صفات بیان کی ہیں۔ اِصر اور اغلال کے دور کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو دور کرتا ہے جن سے انسان نیکیوں کے کرنے میں رکتا ہے۔ گویا بدیوں کی جڑ کاٹتا ہے اور انسان کی ترقی کی حقیقی راہ کھولتا ہے اہل کتاب کے لئے یہ ایک کھلا نشان آنحضرت صلعم کی صداقت کا تھا کہ کس طرح وہ لوگ جن کی اصلاح سے یہودی اور عیسائی دونوں عاجز آ چکے تھے آنحضرت صلعم کی قوت قدسی سے ہر قسم کی بدیوں سے پاک ہوتے چلے جاتے تھے کس طرح صدیوں کی بدیوں اور رسم و رواج کی قیدوں سے وہ آزاد ہوتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح پر نیکی کا دنیا میں پھیلانا سوائے صادق کے دوسرے کا کام نہ ہو سکتا تھا اس لئے جب پیشگوئی کا ذکر کیا تو یہ بھی بتایا کہ جن بیڑیوں کو تم نہیں کاٹ سکے ان کو عرب کے ایک اُمّی نے کاٹ دیا اور یہی اسکے منجانب اللہ ہونے کا کافی نشان ہے۔

ساری نسل انسان کا نبی

۱۱۶۶ یہاں نبی عربی کی خصوصیت بتائی ہے اور بتایا کہ اس کے لئے یہ پیشگوئیاں اس کا تورات و انجیل میں ذکر ہے یعنی نہ تھا بلکہ اس قدر اہمیت اس کے ذکر کو اس لئے دی گئی کہ اس نے دنیا کی سب قوموں کی طرف رسول ہو کر آنا تھا آپ سے پہلے تمام رسول ایک ایک قوم کی طرف آئے جیسا کہ خود ان انبیاء کے ذکر سے جو اس سورت میں ہو چکا ظاہر ہے کیونکہ اس وقت کے حالات اسی کے مقتضی تھے۔ لیکن اس کا نتیجہ قومی تفریق اور بُعد ہوا اس لئے سب سے آخر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا رسول بھیجا جو ساری قوموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرے اور ساری نوع انسانی میں وحدت پیدا کرے۔ دنیا کے جس قدر مذاہب اسلام سے پہلے ہوئے وہ سب قومی مذاہب تھے۔ اور جس قدر نبی ہوئے وہ سب قومی نبی تھے۔ مگر کل نسل انسانی کا مذہب اور کل بنی نوع انسان کا نبی ایک ہی ہوا وہی جس کے منہ میں یہ لفظ ڈالے گئے انی رسول اللہ الیکم جمیعا

۱۱۶۷ یہ بتانا مقصود ہے کہ ساری قوم نافرمان نہ تھی ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حق کے ساتھ دوسروں کو ہدایت بھی کرتے اس لئے خود بھی حق پر قائم ہوتے اور معاملات میں بھی حق کے ساتھ عدل کا معاملہ کرتے۔

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر ایک قوم نے اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے ان پر بادل کا

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَ

سایہ کیا اور ہم نے ان پر من اور سلویٰ اُتارا ستھری چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں کھاؤ اور

مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ ۱۶۱

انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے اور جب ان کو کہا گیا اس بستی میں

الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ

رہ پڑو اور جہاں سے چاہو اس سے کھاؤ اور کہو ہمارے گناہ معاف کئے جائیں اور دروازے میں فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہو

خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ ۱۶۲

ہم تمہاری خطائیں بخش دینگے (اور) احسان کرنیوالوں کو ہم بڑھکر دینگے۔ مگر ان لوگوں نے جو ان میں سے ظالم تھے اس بات کے سوائے جو

قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ۧ وَسْـَٔـلْهُمْ عَنِ ۱۶۳

ان کو کہی گئی تھی دوسری بات بدل دی سو ہم نے ان پر آسمان سے وبا بھیجی اس لئے کہ وہ ظلم کرتے تھے ۱۱۶۸ اور ان سے اس بستی

الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ

کا حال پوچھ جو دریا پر واقع تھی جب وہ سبت کے بارہ میں حد سے تجاوز کرتے تھے جب ان کے سبت کے دن ان کی مچھلیاں

يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ۱۶۴

پانی کے اوپر انکے سامنے آجاتیں اور جس دن ان کا سبت نہ ہوتا انکے سامنے نہ آتیں اسیطرح ہم ان کو آزماتے رہے اسلئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

ع ۲۱ — یہود کی خلاف ورزی میثاق

وقف لازم

النصف

۱۱۶۸ ان واقعات کو تیسری دفعہ بیان کیا ہے پہلی دفعہ سورۃ بقرہ میں حضرت موسٰے کے ذکر میں۔ دوسری دفعہ سورۃ نساء میں حضرت عیسٰی کے ذکر میں تیسری دفعہ یہاں آنحضرت صلعم کے ذکر میں اور ہر مقام پر لانے میں ایک خاص غرض ہے

۱۱۶۹ القریۃ اس بستی کو بعض نے ایلہ کہا ہے جو مدین اور طور کے درمیان بحیرہ قلزم پر واقع ہے اور بعض نے خود مدین

حوت — حیتان حوت کی جمع ہے مچھلی۔

شرع — شرعا۔ شارع کی جمع۔ شرع سے ہے جس کے معنی ہیں اظہار و تبیین ہے اسلئے شرعا کے معنی ہیں ظاہرۃ علی وجہ الماء یعنی پانی کے اوپر نظر آنیوالیاں۔ سبت کے دن مچھلیوں کا پانی کے اوپر آجانا اور دوسرے دنوں میں نہ آنا یہودیوں کیلئے موجب ابتلا ہوا اسلئے کہ سبت کے دن انکو شکار کی ممانعت تھی۔ اور مچھلیوں کے اس دن اوپر آنے کی وجہ بھی یہی تھی

سبت کے دن مچھلی کا شکار

۱۶۴ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تم کیوں اس قوم کو وعظ کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنیوالا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے

۱۶۵ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ

انہوں نے کہا تاکہ تمہارے رب کے سامنے معذور ہوں اور شاید کہ وہ بچیں سو جب انہوں نے وہ چھوڑ دیا جس کی انکو نصیحت کی گئی تھی

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○

ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو بدی سے روکتے تھے اور جو ظالم تھے انکو سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

۱۶۶ ۱۶۷ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○ وَإِذْ تَأَذَّنَ

سو جب انہوں نے اس سے سرکشی کی جس سے روکے گئے تھے ہم نے ان کو کہا ذلیل بندر ہو جاؤ ف۱۱۶۶ اور جب تیرے رب نے

رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ

خبر دے دی کہ ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو اٹھاتا رہے گا جو ان کو برا

الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

عذاب دینگے بیشک تیرا رب بدی کی سزا دینے میں جلدی کرنیوالا ہے اور یقیناً وہ بخشنے والا رحم کرنیوالا بھی ہے ف۱۱۶۷

کہ اس دن اس کا شکار نہ کیا جاتا تھا۔ اور جانور کی یہ عادت ہے کہ وہ وقت کو پہچانتا ہے +

یہودیوں کا نقشہ مکی اور مدنی سورتوں میں ایک ہے۔

اس رکوع میں بھی یہود کی سرکشی کی مثالیں دی ہیں۔ نبی کریم صلعم کو تسلی دینے کیلئے ان مثالوں کو اس وقت پیش کیا ہے جب ابھی یہود سے آپکا معاملہ نہیں پڑا تاکہ جب یہ قوم آپکے ساتھ سرکشی سے پیش آئے تو آپکو رنج نہ ہو اور یہ علم ہو کہ اس قوم کی عادت ہی سرکشی رہی ہے۔ ان لوگوں نے کس قدر غلطی کھائی ہے جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ پہلے پہلے نبی کریم صلعم بھی یہود کو اچھا کہتے تھے اور جب مدینہ میں اس قوم نے آپکی مخالفت کی تب انکو برا کہنا شروع کیا۔ حالانکہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ اور اس وقت بھی قرآن کریم یہود کے اسی نقشہ کو پیش کرتا ہے جسکو بعد میں سورۂ بقرہ میں مدینہ میں پیش کیا ہے +

یہود کے بندر بننے سے مراد

ف۱۱۶۶ ان کے قردۃ یا بندر بننے کی تشریح ف۹۲ میں گزر چکی ہے۔ یہاں یہ بات مزید قابل غور ہے کہ ایک طرف تو ان کے بندر بنانے کا ذکر کیا اور ساتھ ہی دوسری آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو حاکم بناتا رہے گا جو ان کو سخت دکھ دیتے رہینگے حالانکہ حاکم انسانوں پر بنائے جاتے ہیں اور عذاب بھی انسانوں کو ہی دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کی صورتیں بندروں کی سی نہ بنی تھیں بلکہ انسانوں ہی کی رہی تھیں +

تاذن

ف۱۱۶۷ تاذن۔ اذن کے معنی کیلئے دیکھو ف۱۲۳ اور تاذن کے معنی اَعْلَمَ ہیں یعنی یہ علم دیدیا یا خبر دیدی +

یہودیوں کے متعلق پیشگوئی

یہودیوں کے ہاتھ سے حکومت اسلام کے آنے سے پہلے نکل چکی تھی اور جہاں جہاں یہ قوم محکوم ہونے کی حالت میں رہی سخت ذلت کی حالت میں رہی۔ ہاں اسلام کے آنے سے پہلے یہ قوم صرف چند ایک قریب قریب کے ممالک میں ہی آباد تھی۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ ۱۶۸

اور ہم نے ان کو زمین میں گروہ گروہ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کچھ ان میں سے صالح ہیں اور کچھ اس سے ہٹے ہوئے ہیں اور ہم ان کو آسائش

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا ۱۶۹

اور تکلیف سے آزماتے رہے تاکہ وہ رجوع کریں پھر ان کے پیچھے ایسے ناخلف لوگ آئے جو کتاب کے وارث

الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ

ہوئے وہ اس نچلی زندگی کا سامان لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو بخش دیا جائے گا اور اگر ان کے پاس اسی قسم

عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا

کا اور سامان آ جاتا ہے اسے بھی لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کے ذریعے عہد نہ لیا گیا تھا کہ اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہیں گے

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ

اور جو کچھ اس میں ہے اسے پڑھتے ہیں اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ ۱۷۰

سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۱۷۲ اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں ہم کبھی اصلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے

کے بعد دنیا کے تمام ملکوں میں پھیل گئی اور جہاں کہیں رہی حکام وقت کی طرف سے بڑی بڑی خطرناک تکلیفیں اٹھاتی رہی۔ اور اس مصیبت کے متعلق جس کے نیچے اس وقت یہودی تھے۔ قرآن کریم نے یہ پیشگوئی کی کہ آئندہ بھی وہ رہیں گے۔ ہاں انہ لغفور رحیم میں خوشخبری بھی دی کہ کچھ رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف کریں تو ان کی بدیوں کو بخش بھی دیگا یعنی اس سزا سے انکو نکال دیگا۔

خَلْف ۱۷۲ خَلْف کے عام معنی پیچھے ہیں۔ لیکن بالخصوص یہ لفظ برے محل پر استعمال ہوتا ہے بمقابلہ خَلَف کے جو اچھی جگہ پر بولا جاتا ہے یعنی خَلْف کے معنی ہیں المتأخر لقصور منزلته یعنی ایسا پیچھے آنے والا جو مرتبہ میں گر گیا ہو (غ)۔

عَرَض عَرَض۔ متاع دنیا کو کہتے ہیں یا ایسے مال کو جس کے لئے ثبات نہ ہو (غ)۔

قول یقولون۔ قول۔ یہاں بمعنی اعتقاد ہے یعنی دین کو چھوڑ کر دنیا کو لیتے ہیں اور پھر امید رکھتے ہیں۔ کہ ہم بخشے جائیں گے منہ سے کہنا مراد نہیں۔

میثاق الکتاب میثاق الکتاب سے مراد وہ میثاق ہے جو کتاب یعنی توریت میں مذکور ہے گویا اضافت بمعنی فی ہے۔

گناہ کی مغفرت کا اصول مطلب یہ ہے کہ پہلے لوگوں میں تو صالح بھی تھے مگر جو پیچھے آئے وہ اکثر ناخلف ہی تھے۔ مال دنیا کے حصول کے لئے دین اور اخلاق کی ان کو پرواہ نہ رہی۔ اور اعتقاد یہ رکھا کہ گناہ تو اللہ تعالیٰ بخش ہی دے گا لیکن حالت یہ تھی کہ اپنے گناہوں پر اصرار تھا۔ حالانکہ مغفرت کی امید تو اس حال میں رکھنی چاہئے جب انسان گناہ پر اصرار نہ کرے۔ یہ اصول گناہوں کی مغفرت کا بتایا۔ یہ بنی اسرائیل کے قصہ میں مسلمانوں کا نقشہ ہے۔

۱۷۱ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ

اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو زور سے ہلایا گویا کہ وہ سایہ کرنے والا بادل تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے

۱۷۲ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ

ع ۲۲ / ۱۲ — میثاق فطرت

مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے یاد رکھو تاکہ تم بچ جاؤ ۱۱۷۳ اور جب تیرے رب نے بنی آدم سے (یعنی) ان کی پیٹھوں

ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ

سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا کیا میں تمہارا رب نہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔

شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝

مع — عند المتاخرین

ہم گواہ ہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کہو ہم تو اس سے بے خبر تھے ۱۱۷۴

نتق

۱۱۷۳ نتقنا۔ نتق کے اصل معنی لغت میں الزَّعْزَعَةُ والهَزُّ ہیں (ل) یعنی ایک چیز کو حرکت میں لانا اور ہلا دینا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ونَتَقُوا احلامنا الاثاقلا ہاں اسکے معنی جذب اور اقتلاع بھی آتے ہیں یعنی ایک چیز کا کھینچ لینا اور جگہ سے اکھیڑ دینا لیکن جب نَتَقْتُ الشَّيْئَ کے معنی حَرَّكْتُهٗ صاف لغت میں موجود ہیں۔ اور ابھی پیچھے رجفة یعنی زلزلہ کا ذکر گزر چکا ہے تو یہی معنی یہاں مراد لئے جائینگے۔ اس لئے بھی کہ پہاڑ کو جگہ سے اٹھا کر ہوئے کے لشکر پر لانا اور پھر ان سے اقرار بابندی معاہدہ لینا اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے خلاف ہے جو اپنی شرائع کے بارہ میں اسنے رکھا ہے فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر۔ (الکہف [۱۸] ۲۹)

ظلۃ

ظُلَّة۔ اس بادل کو کہتے ہیں جو سایہ کرے اور اکثر استعمال اس کا اس میں ہے جسے ناپسند کیا جائے عذاب یوم الظلة۔ (الشعراء [۲۶] ۔ ۱۸۹) اور اسکی جمع ظُلَل ہے فی ظلل من الغمام (البقرۃ [۲] ۔ ۲۱۰) واذا غشیهم موج كالظلل (لقمان [۳۱] ۔ ۳۲) یعنی اسی کیفیت کا ذکر کیا ہے جب وہ پہاڑ کے دامن میں تھے اور اوپر سے زور کا زلزلہ آیا جس سے انکو معلوم ہوا کہ بس پہاڑ انکے اوپر گر جائیگا۔

میثاق فطرت

۱۱۷۴ یہود کی خلاف ورزی میثاق کا ذکر کرتے ہوئے اس میثاق کا ذکر کیا جس کا تعلق کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ فطرت انسانی سے تعلق ہونے کی وجہ سے اس کا دائرہ سب انسانوں پر محیط ہے یعنی فطرت انسانی میں ایک نور رکھا گیا ہے جو اسے حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر شہادت دیتا ہے۔ وحی الٰہی اسی نور کی معاون ہو کر اس کی تکمیل کرتی ہے پس یہودیوں کو گویا دونوں طرح پر خطاب کیا۔ اس خاص میثاق کی طرف بھی توجہ دلائی جو ان سے ہوا تھا اور اس فطری میثاق کی طرف بھی جو سب انسانوں سے ہوا اور یوں بھی وحی الٰہی کا مضمون جس پر اس سورت میں خاص بحث ہے نامکمل رہتا اگر اس نور فطرت کی طرف توجہ نہ دلائی جاتی جس کو چمکانے کے لئے وحی الٰہی آتی ہے۔

میثاق فطرت کب اور کس طرح لیا گیا۔

آیا یہ عہد آدم کی ذریت کو یکمرتبہ پیدا کرکے لیا گیا تھا جیسا کہ حضرت عمر کی حدیث میں ہے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس حدیث کی تشریح میں بھی غلطی کی جاتی ہے الفاظ حدیث یہ ہیں ان اللہ تعالیٰ خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية فقال خلقت هؤلاء للجنة الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کی پیٹھ کو دائیں ہاتھ سے چھوا پھر اس سے ایک ذریت نکالی اور کہا ان کو میں نے جنت کیلئے پیدا کیا ہے۔ ان الفاظ کو اس رنگ میں ظاہر پر محمول کرنا کہ گویا سچ مچ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھی تھا جس کے ساتھ اس نے فی الواقع آدم کی پیٹھ کو چھوا صحیح نہیں نہ ہی قرآن و حدیث سے

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا ١٧٣

یا کہو صرف ہمارے باپ دادا نے پہلے شرک کیا اور ہم ان کے پیچھے (ان کی) اولاد تھے تو کیا تو ہم کو اس کی

بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ١٧٤

وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو ابطال (حق) کرنیوالوں نے کیا ۱۷۵ اور اسی طرح ہم کھول کھول کر باتیں بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ رجوع کریں۔

یہ ثابت ہوتا ہے کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح انسانی کو پہلے پیدا کر دیا تھا بلکہ اس سے مراد ارواح کی وہ پیدایش ہے جو علم الٰہی میں ہے یا یوں کہو کہ یہ محض عالم مثال کا ذکر ہے کیونکہ فی الحقیقت پیدایش ہر ایک روح کی جسم کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ صاف فرمایا ثم انشأنٰہ خلقاً اٰخر (المومنون ۲۳-۱۴)، ہاں ہر ایک چیز جو ہونے والی ہے وہ علم الٰہی میں پہلے موجود ہے اسلئے حدیث میں ذکر عالم مثال کا ہے۔ اور یہی بات آیت کے صحیح الفاظ سے معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہاں آدم کی پیٹھ سے اولاد نکالنے کا ذکر نہیں بلکہ بنی آدم کی پیٹھ سے نکالنے کا ذکر ہے۔ اور پھر ایک طرف تو کہا کہ بنی آدم سے ان کی اولاد نکالی اور دوسری طرف ساتھ ہی بدل کے طور پر فرمایا من ظهورهم ان کی پیٹھوں سے پس اس سے مراد ہر ایک نسل کا اپنے آبا کی پیٹھوں سے پیدا ہونا ہے من ظهورهم کے لفظ نے صاف بتا دیا کہ اس سے مراد ایک نسل کے بعد دوسری نسل کا پیدا ہونا ہے۔

میثاق فطرت سے مراد

اشهدهم علٰى انفسهم اپنے آپ پر گواہ ٹھہرانے سے مراد یہ ہے کہ دلائل ربوبیت انکی فطرت میں رکھدیئے اور عقل انسانی میں انکو مرکوز کر دیا اور اسی کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کل مولود یولد على الفطرة یعنی ہر ایک بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے اور قرآن کریم میں فرمایا فطرة الله التى فطر الناس عليها (الروم ۳۰-۳۰) اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت جس پر سب لوگوں کو پیدا کیا پس ان دونوں آیتوں اور حدیث کا مطلب ایک ہی ہے اور ابن جریر میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کی اس حدیث کو سُنکر الا انها ليست نسمة تولد الا ولدت على الفطرة حسن نے فرمایا کہ یوں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے واذ اخذ ربك من بنى ادم من ظهورهم ذريتهم جس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے یہی مطلب انہوں نے بھی نکالا پس اشهدهم على انفسهم میں یہ بتایا کہ فطرت انسانی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ انسان اپنا رب آپ نہیں بلکہ اس کا رب کوئی ذات کامل مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے جہاں سے کچھ حصہ انسان بھی پاتا ہے۔

شهدنا بلٰی کے ساتھ انسانوں کا قول بھی ہو سکتا ہے یعنی ان کی فطرت اس صداقت کا اقرار کرتی ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یعنی اس صداقت کی کہ فطرت انسانی اپنے رب کا اقرار کرتی ہے ہم گواہی دیتے ہیں۔

باطل۔ابطال

مبطل

۱۷۵ مبطلون۔ باطل وہ ہے جس کے لئے کوئی ثبات نہیں اور ابطال کے معنی کسی چیز کو بگاڑ دینا اور اسکو نابود کرنا ہیں۔ اور مُبْطِل سے مراد حق کا ابطال کرنے والا (غ)۔

[illegible] اعتراض کا جواب [illegible] تقلید [illegible] الزام نہیں

مطلب یہ ہے کہ اصل مبطل یعنی ابطال حق کرنے والے تو وہ لوگ تھے جنہوں نے پہلے شرک کر کے اس کی بنیاد رکھی۔ اور پیچھے آنے والی نسل محض ناقل ہے کیونکہ آبا و اجداد کی تقلید فطرت انسانی میں ہے۔ اس لئے پیچھے آنے والے اپنی بریت ظاہر کرتے ہیں۔ اس کا جواب اسی فطرت انسانی کے میثاق میں ہے یعنی وہ عقل و فطرت جس میں ربوبیت الٰہی مرکوز ہے وہ تو سب انسانوں کو ہم نے یکساں دی ہے۔ اس لئے تقلید غلط کاری کے لئے کوئی حجت نہیں۔

۱۷۵ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

اور ان پر اس شخص کی خبر پڑھ دے جس کو ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ ان سے نکل گیا تب شیطان نے اس کو پالیا سو وہ

۱۷۶ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ

گمراہوں میں سے ہوگیا [۱۷۵] اور اگر ہم چاہتے تو ان کے ذریعہ سے اس کا رفع کر دیتے لیکن وہ زمین کے ساتھ لگ گیا اور

اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ

اپنی گری ہوئی خواہش کی پیروی کی [۱۷۶] سو اسکی مثال کتے کی مثال کی طرح ہے اگر تو اس پر حملہ کرے

سلخ — [۱۷۵] انسلخ: سَلْخٌ حیوان کا چمڑا اتارنے کو کہا جاتا ہے اور اسلئے محض کسی چیز کا کھینچ لینا یا نکال لینا مراد لیا جاتا ہے۔ نسلخ منہ النہار (یٰسٓ ۳۶ ۔ ۳۷) اور انسلخ نکل گیا فاذا انسلخ الاشہر الحرم (التوبۃ ۹ ۔ ۵) (غ)۔

انسلاخ

تبع ـ اتبع — اتبعہٗ۔ تَبِعَ کے معنی پیروی کی اور اَتْبَعَہٗ کے معنی ہیں لحقہ یعنی اسے پالیا یا پکڑ لیا۔ فاتبعوہم مشرقین (الشعراء ۲۶ ۔ ۶۰) واتبعناہم فی ہذہ الدنیا لعنۃ (القصص ۲۸ ۔ ۴۲) (غ)۔

بلعم — اس سے مراد کوئی خاص شخص نہیں گو بعض نے بلعم کا اور بعض نے کسی راہب اور بعض نے اُمیہ کا نام لیا ہے۔ اس کا عام ہونا خود اگلی آیت سے واضح ہے جہاں یہ لفظ صاف ہیں ذٰلک مثل الذین کذبوا باٰیٰتنا یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہمارے احکام کو جھٹلاتے ہیں پس جس شخص کو احکام الٰہی پہنچیں اور وہ ان کی پروا نہ کرے یا ان کو قبول کرکے رد کر دے اس کا وہ نور فطری بھی بجھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان جو اس کے پیچھے لگا ہوا ہوتا ہے اسے آپکڑتا ہے پھر جدھر اسے شیطان چلاتا ہے اسی طرف چلنا جاتا ہے۔

اخلاد — [۱۷۶] اخلد۔ اِخْلَاد۔ خُلْد سے ہے اور اس کے معنی کسی چیز کا باقی رکھنا یا اس پر باقی رہنے کا حکم لگانا ہے۔ پس اخلد الی الارض کے معنی ہوئے اس کی طرف مائل ہوگیا یہ خیال کرتا ہوا کہ وہ اس میں باقی رہ جائے گا (غ)

رفع — ان الفاظ نے لفظ رفع کے معنی جس کی بحث [۱۵۸] میں گزر چکی ہے پوری وضاحت سے کھول دیئے ہیں یہاں رفع کے بالمقابل اخلد الی الارض یا زمین سے پیوست ہو جانے کے لفظ بھی موجود ہیں مگر تاہم نہ رفع سے مراد آسمان پر جانا ہے۔ نہ اخلاد الی الارض سے مراد سچ مچ زمین کے ساتھ لگا رہنا ہے۔ بلکہ دونوں جگہ مراد روحانی طور پر رفع اور روحانی طور پر زمین کے ساتھ لگنا ہے۔ یہاں مفسرین نے رفعناہ کے معنی الی منازل الابرار کئے ہیں یعنی بلند مراتب کی طرف رفع اور یہاں رفع الی السماء کا نام کوئی نہیں لیتا حالانکہ یہاں تو مذکور بھی نہیں کہ رفع کہاں ہوا ہے لیکن جہاں رفع کے ساتھ الی اللہ صاف پڑا ہوا ہے وہاں زبردستی اللہ کو سماء پر بیٹھا ہوا مان کر آسمان پر رفع مراد لیا جاتا ہے یعنی حضرت عیسٰی کے متعلق۔ یہ ایک غلطی عیسائیت کے مروجہ خیال سے بعض مفسرین کو لگ گئی اور دوسروں نے اس کی پیروی کی ورنہ رفع قرآن کریم میں کہیں بھی جہاں انسانوں کے رفع کا ذکر ہو رفع جسمانی کے معنی میں نہیں آتا۔

يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

تو زبان نکالے یا تو اس کو چھوڑ دے (تو بھی) زبان نکالے یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَاۗءَ مَثَلَا ِۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ۱۷۷

سو یہ حال بیان کردے تاکہ وہ فکر کریں ۱۷۸ ان لوگوں کی مثال بری ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَ ۱۷۸

ہیں اور اپنے آپ پر ہی وہ ظلم کرتے ہیں ۱۷۹ جس کو اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانیوالا ہے اور

مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۱۷۹

اور جس کو وہ گمراہ چھوڑ دے تو وہ نقصان اٹھانیوالے ہیں اور یقیناً ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو دوزخ کیلئے پیدا کیا ہے

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ

ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے اور انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان ہیں

لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

جن سے وہ سننے کا کام نہیں لیتے وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں یہی بے خبر ہیں ۱۸۰

لہث — ۱۷۸ یلہث ۔ لَہَث کے معنی ہیں کتے کا زبان نکالنا درانحالیکہ اس کا سانس تیز ہو رہا ہو پیاس سے ہو یا تھک جانے سے (مفردات)

کتے کی مثال — ایسے لوگوں کی مثال جو احکام الٰہی کو جھٹلاتے ہیں کتے سے دی ہے جو ہر حال میں ہانپتا ہے خواہ کوئی اس پر حملہ کرے یا نہ کرے گویا قلق اور اضطراب ہر وقت ایسے انسان کے لاحق حال رہتا ہے۔ اور

اطمینان قلب کس طرح ملتا ہے — اطمینان قلب اسے کسی حال میں میسر نہیں آتا۔ احکام الٰہی یا وحی الٰہی کی غرض تو یہی ہے کہ انسان کو سکون یعنی اطمینان قلب حاصل ہو پس اس کا رد کرنا گویا قلق و اضطراب ہے۔ اور اطمینان قلب صرف ذکر اللہ سے میسر آتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ۱۳ - ۲۸)

۱۷۹ مثلاً ۔ بطور تمیز واقع ہوا ہے۔ اور اصل ترکیب یوں ہے ساء مثلاً مثل القوم الذین ۔

جنوں کیلئے انسانوں کو پیدا کرنا — ۱۸۰ قرآن کریم کی بہترین تفسیر خود قرآن سے ہی ہوتی ہے جو فرماتا ہے وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ (الذاریات ۵۱ - ۵۶) یعنی جن و انس کو پیدا کیا تو صرف اس غرض کیلئے کہ وہ عبادت کریں۔ پس جہنم کے لئے پیدا کرنا غرض پیدائش نہیں ہو سکتی ۔ اسلئے جیسا کہ روح المعانی میں ہے اکثر مفسرین نے یہاں لام کو لام عاقبت کہا ہے جیسے فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا (القصص ۲۸ - ۸) یعنی ان کا انجام یہ ہے کہ وہ جہنم میں جاتے ہیں جس طرح شاعر کہتا ہے لدو للموت وابنوا للخراب ۔ موت کیلئے اولاد پیدا کرو اور ویران ہونے کیلئے عمارتیں بناؤ مطلب یہ نہیں کہ ان میں تمہاری غرض یہ ہے بلکہ انجام تو یہی ہے کہ جو پیدا ہوگا وہ مریگا جو عمارت بنی سو ایک دن ویران ہوگی ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تو ان کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کی غرض بھی دوسری جگہ عبادت بتا دی، مگر نتیجہ یہ ہے کہ وہ گویا جہنم

۱۸۰ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ

اور اللہ کے لئے سب اچھے نام ہیں سو انکے ساتھ اس کو بلاؤ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اسکے ناموں میں باطل کیطرف جھک جاتے ہیں

۱۸۱ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

انہیں اس کا بدلہ دیا جائیگا جو وہ کرتے ہیں ۱۸۱ اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک گروہ ہے جو حق کیساتھ ہدایت کرتے ہیں

۱۸۲ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں ۱۸۲ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

ع ۲۲ ۱۴ — مخالفین حق کا انجام

کے لئے ہی پیدا ہوئے تھے کیوں؟ اس لئے کہ دل اور کان اور آنکھ سے کام نہیں لیتے یعنی اس لئے کہ کام ایسے کرتے ہیں جن کا نتیجہ جہنم ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ آیا وہ لوگ برے عمل اس لئے کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو پہلے ہی جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یا وہ جہنم کے لئے اس واسطے پیدا ہوئے کہ وہ برے کام کرتے ہیں۔ سو قرآن شریف کا ایک ایک لفظ اس پر شاہد ہے کہ کوئی شخص اس لئے برے عمل نہیں کرتا کہ خدا نے اس کو کوئی الگ قسم کے قویٰ کے ساتھ پیدا کیا ہے یہاں بھی یہی بات فرمائی۔ کہ ان کو بھی وہی دل دیئے ہیں جو دوسروں کو مگر دوسرے ان سے سمجھ کا کام لیتے ہیں وہ نہیں لیتے یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے ان کو دل دیئے مگر فقاہت سے خالی یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا اس لئے فرمایا کہ دل بھی ہیں اور فقاہت کی قوت بھی ان میں ہے مگر وہ خود اس قوت فقاہت سے کام نہیں لیتے ایسا ہی ان کو دوسروں کی طرح آنکھ اور کان دیئے مگر وہ خود ان سے دیکھنے اور سننے کا کام نہیں لیتے یہ نہیں کہ ان میں دیکھنے یا سننے کی قوت نہیں! شرف انسانیت یہی تھا کہ انسان سنکر اور دیکھ کر اور سمجھ کر ان نتائج پر پہنچتا جن پر حیوان نہیں پہنچ سکتا اس شرف کو انہوں نے گنوا دیا اس لئے چارپایوں کی طرح ہو گئے۔ آخر پر ان کو غافل اس لئے کہا کہ قصور ان کا اپنا ہے کہ وہ اصل مقصد زندگی سے یا شرف انسانیت سے بیخبر ہیں وہ چاہتے تو خبردار ہو سکتے تھے ◆

اسماء — **۱۱۸۱** الاسمآء۔ وہ الفاظ جو معانی مختلفہ پر دلالت کریں۔ یا صفات بھی معنی لئے جا سکتے ہیں پہلے معنی کے لحاظ سے بھی مراد ان کا مفہوم احسن ہونا ہی ہے ◆

الحد — یلحدون۔ الحد کے معنی ہیں حق سے باطل کی طرف مائل ہوا۔ الحاد فی الاسماء سے مراد اس کی طرف ایسی صفات منسوب کرنا ہے جو صحیح نہیں یا اس کی شان کے شایاں نہیں (غ)۔ ◆

اسمائے الٰہی سے حصول کمال — یہاں اسمائے آلٰہی کا ذکر اس لئے کیا کہ انہی اسماء سے ہی انسان کمال کو حاصل کرتا ہے گویا جس اللہ تعالیٰ کے اسم کو پکارتا ہے اسی کمال کو اپنے اندر بھی چاہتا ہے اور ہر ایک غلط عقیدہ کسی اسم آلٰہی میں الحاد سے پیدا ہوتا ہے اور غلط عقیدہ سے خراب عمل پیدا ہوتا ہے ◆

۱۱۸۲ اُمۃ یھدون کی تفسیر خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ھذہ امتی یعنی میری اُمت آیت ۱۵۹ سے مقابلہ کرکے جہاں من قوم موسیٰ امۃ یھدون فرمایا اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے گویا وہاں قوم موسےٰ کا ذکر ہے تو یہاں اُمت محمدیہ کا ◆

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ ۱۸۳

ہم ان کو درجہ بدرجہ ہلاکت کیطرف لے جائینگے اس طریق سے کہ وہ جانتے نہ ہوں ۱۱۸۳ اور میں انکو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر مضبوط ہے ۱۱۸۴

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ ۱۸۴ ۱۸۵

اور کیا انہوں نے فکر نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو جنون نہیں ہے وہ صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہے ۱۱۸۵ اور کیا

يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ

انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور نہیں کیا اور جو کوئی اللہ نے چیز پیدا کی ہے

درجة — درج — استدراج

۱۱۸۳ سنستدرجهم ۔ دَرَجَة ۔ مَنْزِلَة کی طرح ہے لیکن اوپر چڑھنے کے لحاظ سے اور اس سے مراد بلند مرتبہ بھی لیا جاتا ہے للرجال علیهن درجة (البقرة ۲ ۔ ۲۲۸) هم درجات عند الله (آل عمران ۳ ۔ ۱۶۲) اور دَرَج کتاب یا کپڑے کے لپیٹنے کو کہا جاتا ہے اور جو لپیٹا جائے اسے بھی دَرَج کہا جاتا ہے اور اس لئے استعارۃً موت کو بھی دَرَج کہا جاتا ہے اسی سے استدراج ہے جس سے مراد ہے ان کا لپیٹ لینا جس طرح کتاب لپیٹ لی جاتی ہے گویا ان کی حالت غفلت کا ذکر ہے اور استدراج کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کو تدریج سے یعنی آہستہ آہستہ پکڑیں گویا وہ تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی ہلاکت کے قریب آتے جاتے ہیں (غ)

ہلاکت میں تدریج

اس رکوع میں آنحضرت صلعم کے مخالفین کے انجام کا ذکر ہے کیونکہ جب نبوت اور اس کی ضرورت پر مفصل بحث ہو چکی تو اب اس قوم کا ذکر ضروری تھا جو حق کو نابود کرنا چاہتی ہے تو اس کے متعلق فرمایا کہ ہم آہستہ آہستہ ان کو ہلاکت کیطرف لیجائینگے اور ان کا نہ جاننا اس لحاظ سے ہے کہ جب ایسی حالت ہوتی ہے تو حق کے مخالف اس مخالفت کے نشہ میں اس قدر سرشار ہوتے ہیں کہ وہ آتی ہوئی ہلاکت کو محسوس بھی نہیں کرتے۔ یہ مکی سورت ہے بعینہ اسی طرح مدینہ میں جا کر اعدائے حق کی مخالفت کا انجام ہوا۔ ایسے رنگ میں کہ محسوس بھی نہیں کرتے تھے۔ حق کے مخالف اپنی تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں مگر ایسے تدریج کے ساتھ پکڑے جاتے ہیں کہ وہ ہلاکت آتی ہوئی بھی ان کو نظر نہیں آتی ۔

متن — متین

۱۱۸۴ متین ۔ مَتْن بلند اور سخت زمین کو کہتے ہیں گویا وہ پیٹھ کی دونوں طرفوں سے مشابہ ہے اسلئے مَتُنَ کے معنی ہیں مضبوط ہوا اسی سے متین ہے (غ) ۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے دل کے انسان کی طرح نہیں کہ ذرا کسی نے مخالفت کی تو فوراً پکڑ لیا۔ بلکہ وہ مہلت دیتا ہے اسلئے کہ انسان کی طرح اس کو یہ فکر نہیں کہ شاید پھر میرے قابو میں نہ آسکے بلکہ خدا تعالیٰ کی تدبیر بڑی مضبوط ہوتی ہے اور انسان اپنے اوپر قیاس کر کے جب ایک جرم پر ایک دفعہ نہیں پکڑا جاتا تو سمجھ لیتا ہے کہ پکڑنے والا ہی کوئی نہیں ۔

جنة

۱۱۸۵ جنة ۔ جَنّ کے معنی ڈھانکنا اور جِنَّة جنوں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں جیسے من الجنة والناس (الناس ۱۱۴ ۔ ۶) وجعلوا بینه و بین الجنة نسبا (والصّٰفّٰت ۳۷ ۔ ۱۵۸) اور جنون کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ نفس اور عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (غ)

رسول کو جنون نہیں تھا

رسول تو بدی کے بد انجام سے ڈراتا ہے۔ اور یہ کوئی جنون کی بات نہیں قرآن کریم میں غور کرنے تو معلوم ہوتا کہ یہ کسی بلند مقام پر پہنچانا چاہتا ہے اور یہ کام مجنون کا نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ انہی لوگوں کو مجنون کہا گیا جو انسان کو بلند سے بلند مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں اور بدی کے بد انجام سے ڈراتے ہیں۔ حالانکہ بدی کا انجام بد ہونے پر کل دنیا کا تجربہ شاہد ہے ۔

۱۸۶ وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝ مَنْ

اور یہ کہ قریب ہے کہ ان کا وقت نزدیک آگیا ہو تو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائینگے جس کو

۱۸۷ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ

اللہ گمراہ قرار دے تو اس کے لئے کوئی ہادی نہیں اور وہ ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑتا ہو اندھے ہو رہے ہیں تجھ سے گھڑی کے متعلق پوچھتے

السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ

وقف لازم
وقف منزل

ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہوگا کہو اس کا علم تو صرف میرے رب کو ہے اس کو اس کے وقت پر کوئی ظاہر نہیں کریگا مگر وہی

ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ

وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہوگی تم پر اچانک ہی آجائے گی تجھ سے پوچھتے ہیں گویا کہ تو اس کے متعلق کاوش

عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

کرنیوالا ہے۔ کہو اس کا علم صرف اللہ کو ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۱۸۷

رسی ۔ ارسی — **۱۸۶** مرسی ۔ رَسَا کے معنی ایک چیز مضبوط ہو گئی یا گڑ گئی اور اَرْسٰی اسے مضبوط یا قایم کر دیا قدور رّٰسیٰت (السّبا ۔ ۱۳) گڑی ہوئی دیگیں رواسی شٰمِخٰت (المرسلٰت ۔ ۲۷) جہاں رواسی جمع ہو اور مراد پہاڑ ہیں بوجہ مضبوطی کے جیسا کہ فرمایا

رواسی — والجبال ارسٰها (النّٰزعٰت ۔ ۳۲) اور مُرْسٰی مصدر بھی ہو اور اسم مکان اور زمان اور مفعول بھی۔ یہاں مراد اسکے قایم

مرسی — ہونیکا زمانہ ہے اور بسم اللّٰه مجرٖها و مرسٰها (ھود ۔ ۴۱) کشتی کا ٹھہرنا یا لنگر ڈالنا (غ) +

جلو ۔ تجلی — یجلی جلو سے ہے جس کے معنی کھلے طور پر ظاہر کر دینا ہیں یہی معنی تجلیة کے ہیں +

ثقل — ثقلت ۔ ثِقَل یا بوجھ کا لفظ اصل اجسام میں بولا جاتا ہو لیکن معانی میں بھی اس کا استعمال ہو فہم من مغرم مثقلون (القلم ۔ ۴۶) اور ثقل القول اس بات کو کہا جاتا ہو جس کا سننا پسند خاطر نہ ہو اسی لحاظ سے یہاں ساعت پر ثقلت بولا ہے

احفاء — حفی ۔ احفاء کے معنی ہیں سوال میں الحاح کرنا یا کسی چیز کا حال معلوم کرنے میں زیادہ کاوش میں لگے رہنا (غ)

قریش کی ساعت — یہاں الساعة سے کیا مراد ہو لـ۹۳ میں دکھایا گیا ہو کہ ساعتیں یا قیامتیں تین ہیں صغریٰ وسطیٰ کبریٰ ۔ ساعت وسطیٰ ایک قوم کی تباہی کا وقت ہو۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں اوپر ذکر صاف الفاظ میں اعدائے حق کے پکڑا جانے کا ہو جیسا کہ رکوع کے شروع کی آیتوں میں صفائی سے فرمایا۔ تو پس جب ان کو استدراج کی خبر دی گئی ۔ اور یہ کہ ان کو تھوڑے وقت کے لئے مہلت دیجاتی ہو تو وہ سوال کرتے ہیں کہ یہ ہماری تباہی اور ناکامی کا وقت کب آئیگا ۔ کیونکہ اس وقت زوروں پر تھے ۔ اس کا جواب یہ دیا کہ کب وہ وقت آئیگا اسکے بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اوپر بتا دیا تھا کہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً آئیگا ۔ ہاں یہ فرمایا کہ وہ کوئی ایسی آسان شے نہیں جس کے متعلق تم بار بار جلدی کرتے ہو اور اس کا ثقیل ہونا اس لحاظ سے بھی ہو کہ وہ اس قوم کے لئے ایک امر ناخوشگوار ہو ۔ اور اس لئے بھی کہ اسے دوسری جگہ خافضة رافعة (الواقعة ۔ ۳) کہا ہو یعنی بعض یعنی کفار کو ذلیل کریگی اور بعض یعنی مومنوں کو بلند مقام پر پہنچا دیگی +

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۱۸۸

کہو میں اپنی جان کے لیے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ نقصان کا ہی ہاں جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا ۔

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ

تو بہت سی بھلائی لے لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ چھوتی میں صرف ڈرانے والا ہوں اور ان لوگوں کے لئے خوشخبری دینے

يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ۱۸۹

والا جو ایمان لاتے ہیں [۱۸۷] وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ

تاکہ وہ اس سے راحت حاصل کرے پھر جب وہ اس پر پردہ ڈالتا ہو تو وہ ایک ہلکا سا بوجھ اٹھا لیتی ہو اور اسکے ساتھ چلتی پھرتی ہے پھر جب بوجھل ہوتی ہے

دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

دونوں اللہ اپنے رب کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح و سالم (بچہ) دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہونگے [۱۸۸]

مع عند المتاخرین ۲ ۔ ع ۲۴ / ۱۸ ۔ مخالفت کا علاج

اصول اسلام کی سادگی

۱۸۷ مخالفین کو ان کے بد انجام سے ڈرانے کے بعد۔ قبول کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا کر پھر بھی یہی فرمایا کہ رسول عالم الغیب نہیں جس قدر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اس قدر سنا دیا اپنے لئے بشر سے بڑھکر طاقت کا دعویٰ نہ کرنا دکھاتا ہو کہ کس قدر سادگی آپکے اصول دین میں تھی سب کچھ سنا تو دیا مگر یہ بھی بتا دیا کہ حق کو حق کی خاطر قبول کرو نہ اسلئے کہ بہت سی آسائش ملجائے۔ اسلام کے اصول کی کامیابی کا اصل راز ان کی سادگی ہو اور شروع سے ہی یہ رنگ نظر آتا ہو صاحب انجیل کی طرح بڑے بڑے دعوے نہیں کہ میں یہ ہوں اور میں وہ ہوں۔ مگر کام اتنا بڑا کیا کہ حضرت عیسیٰ کا کام اسکے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

غشی

۱۸۸ تغشہا۔ غَشِیَ کے اصل معنی ستر یعنی ڈھانک دینا یا پردہ ڈالنا ہیں واذا غشیہم موج (لقمٰن ۳۱ - ۳۲) فغشیہم من الیم ما غشیہم (طٰہٰ ۲۰ - ۷۸) اذ یغشی السدرۃ ما یغشی (النجم ۵۳ - ۱۶) وغیرہ اور کنایۃً اس سے مراد جماع لیا جاتا ہو (غ)۔

صالح

صالحا صلاح۔ فساد کی ضد ہو۔ اسلئے صالح بلحاظ افعال بھی ہو سکتا ہو یعنی جس کے افعال میں کوئی فساد نہ ہو اور بلحاظ جسم بھی یعنی جس کے جسم میں کوئی نقصان نہ ہو اور یہی یہاں مراد ہو اس لئے کہ بچہ کی صلاحیت اس کے جسم کے لحاظ سے ہی ہو سکتی ہے اس رکوع میں یہ بتایا ہو کہ مخالفت میں کیا طریق اختیار کرنا چاہئے مگر پہلے بتایا ہو کہ انسان کس طرح ناشکری اختیار کرتا ہو جب دکھ اور تکلیف کا وقت ہوتا ہو تو خدا کو پکارتا ہو جب آسایش اور نعمت حاصل ہو جاتی ہو تو پھر خدا کیساتھ شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔

آدم کیطرف شرک کی نسبت غلط ہے

یہاں لفظ تو عام ہیں مگر نفس واحدۃ کے لفظ نے بہت لوگوں کو اس طرف مائل کر دیا کہ یہاں آدم و حوا کا ذکر ہے حالانکہ کسی حدیث میں یہ نہیں۔ اور دوسری طرف الفاظ کو عام رکھنے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جو انسان پیدا ہوتا ہو وہ ایک ہی نفس سے پیدا ہوتا ہو اور بی بی یا جوڑے کا اسی نفس سے پیدا ہونا صرف حوا کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانوں کو یہی کہا ہو کہ تم سب کی بیبیوں کو تمہارے ہی نفسوں سے پیدا کیا ہو ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا (الروم ۳۰ - ۲۱) جہاں سارے لفظ وہی ہیں جو یہاں ہیں پس آدم و حوا پر ان کا لگانا اور اسپر

۱۹۰ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

پھر جب وہ ان کو صحیح سالم (بچہ) دیتا ہے وہ اس کیلئے اس میں جو ان کو دیا شریک ٹھہراتے ہیں مگر اللہ اس سے بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں

۱۹۱ ۱۹۲ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ

کیا وہ اس کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتا اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ ان کی مدد نہیں کرسکتے اور

۱۹۳ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

نہ اپنے آپ کی مدد کرسکتے ہیں اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کرتے تمہارے لئے یکساں ہے

۱۹۴ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کہ تم ان کو بلاؤ یا تم چپکے رہو ۱۱۸۹ وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

تمہاری طرح بندگی کی حالت میں ہیں سو ان کو پکارو تو چاہئے کہ وہ تمہارا جواب دیں اگر تم سچے ہو ۱۱۹۰

یہ قصہ بڑھانا کہ آدم وحوا کی اولاد نہ جیتی تھی۔ تب انہوں نے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھا اور حارث شیطان کا نام ہے سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ اور محقق مفسرین نے انکو رد کیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان آیات میں بت پرستی کے شرک کا ذکر ہے جیسا کہ آیت ۱۹۵ میں واضح کر دیا ہے اور کم از کم بت پرستی کی ابتدا حضرت آدم کی طرف آج تک کسی نے منسوب نہیں کی ◆

۱۱۸۹ اس آیت میں خطاب مشرکوں کو ہے جیسا اگلی آیت سے واضح ہوتا ہے اور ان کو بتوں کی بے بسی کی طرف توجہ دلائی ہے اور ھدی سے مراد حصول کامیابی کی راہ ہے اور اتباع یا پیروی کرنے سے مطلب حصول مراد میں امداد دینا ہے سواء علیکم اس کو واضح کرتا ہے کیونکہ اگر دعوت الی الحق مراد ہو اور خطاب مسلمانوں کو ہو تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ تمہارے لئے ان کا بلانا نہ بلانا یکساں ہے دعوت الی الحق سے بہرحال بلانے والے کو فائدہ پہنچتا ہے ◆

ھدی۔ اتباع

۱۱۹۰ بتوں کو عباد امثالکم اس لحاظ سے کہا کہ وہ انسان کی طرح بندگی یعنی عاجزی کی حالت میں ہیں مسخر ہیں۔ محکوم ہیں۔ یا اس لئے کہ بت انسانوں کی صورت پر بنائے جاتے تھے۔ یا انسانوں کی یادگار کے طور پر تو مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وہ تمہاری طرح عباد ہیں اور یہ جو فرمایا کہ تم دعا کرو تو پھر چاہئے کہ وہ جواب دیں (یا قبول کریں) تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا ضرور دعا قبول کرتا ہے بلکہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور موحد اور مشرک میں یہی فرق ہے کہ موحد اس ہستی کو پکارتا ہے جو دعاؤں کا جواب دیتی ہے اور مشرک جن کو پکارتا ہے وہ جواب نہیں دیتے ◆

بتوں کا عبد ہونا

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ ۱۹۵

کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چل سکتے ہیں یا انکے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جنکے ساتھ وہ دیکھ

بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا

سکتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سن سکتے ہیں کہو اپنے شریکوں کو پکارو پھر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے

تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۱۹۶

مہلت بھی نہ دو ۱۱۹۱ بیشک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہی صالح لوگوں کی کارسازی کرتا ہے

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ ۱۹۷

اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ اپنے آپ کی ہی مدد کر سکتے ہیں ۱۱۹۲

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ ۱۹۸

اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سنیں گے اور تو ان کو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھ نہیں سکتے ۱۱۹۳

بے نظیر تحدی

۱۱۹۱ یعنی مشرکوں کی اور انکے فرضی خداؤں کی مخالفت حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ مکہ میں سورۂ اعراف کے نزول کا زمانہ وہ ہے جب مخالفت زور پر ہے اور ساتھی اول تو تعداد میں کچھ نہیں جو ہیں وہ بھی متفرق۔ پھر وطن سے بے وطن۔ مگر کس قدر تحدی ہے کہ سارا زور لگاؤ۔ ساری تدبیریں میری ہلاکت کی کر لو مجھے کوئی مہلت بھی نہ دو۔ ایک بیکس انسان جو چاروں طرف سے ستایا جا رہا ہو جس کی زندگی معرض خطر میں ہو جسکے چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہوں ایسے لفظ منہ سے نہیں نکال سکتا یہ پرشوکت الفاظ اسی خدائے قادر کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں جس کے سامنے انسانوں کی مخالفت کوئی وقعت نہیں رکھتی جسکے مقابلہ پر ساری دنیا اگر کوشش کرے تو ناکام ہوتی ہے۔ ایسی بیکسی کی حالت میں اسقدر پرشوکت متحدیانہ دعوی جو ساری دنیا کو مخالفت کیلئے بلا رہا ہے ثابت کر رہا ہے کہ وحی کے الفاظ نہ محمد رسول اللہ صلعم کے بنائے ہوئے ہیں نہ آپکے قلب کا نقشہ ہیں بلکہ یہ کوئی خارجی شے ہے جو انتہائی

اسلام کی کامیابی کا یقین کی ضرورت

درجہ کی بیکسی کیوقت مہبط وحی کی قوت کا باعث ہو رہی ہے۔ اگر آج بھی مسلمانوں کو اس کلام پر ایمان ہوتا تو وہ حالات میں آمدہ میں اتنے مایوس نہ ہوتے۔ سب سے بڑی مایوسی جو آج مسلمانوں کے دلوں میں ہے وہ اسلام کے غلبہ کے متعلق ہے نہ اس امر کے متعلق کہ مسلمانوں کو بادشاہت نہیں ملیگی۔ اسلیئے اشاعت اسلام کے عظیم الشان مقصد کیطرف انکا قدم نہیں اٹھتا جب دل بیٹھے ہوتے ہوں تو قدم کسطرح اٹھے

بت پرستی کا انجام اور آخر مغلوب ہونا

۱۱۹۲ اوپر کی آیات میں تو یہ بتایا تھا کہ وہ آنحضرت صلعم کے خلاف سارا زور لگا کر بھی آپکا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یہاں بتایا کہ صرف یہی بلکہ جب مشرک مغلوب ہونگے تو یہ بت انکی کچھ مدد نہ کر سکینگے۔ انکی مدد کرنا تو ایک طرف رہا اپنے آپکو بھی تباہی سے نہ بچا سکینگے یوں نہایت صفائی سے یہ بتا دیا کہ انجام کار مشرک مغلوب ہونگے اور انکے بتوں کی صفائی ہو جائیگی۔ یہی وہ بات تھی جس نے آخر کار ابو سفیان اور دیگر اہل مکہ پر اثر کیا کہ کس طرح جو کچھ بیکسی کی حالت میں رسول اللہ صلعم کے منہ سے کہلوایا گیا تھا وہ حرف بحرف پورا ہوا اور مشرک باوجود اپنی ساری طاقت کے آخر کار مغلوب ہوئے ۔

۱۱۹۳ اس آیت میں یا اس کے پچھلے حصہ میں خطاب بدل دیا ہے یعنی مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم ان کفار کو ہدایت کیطرف بلاؤ تو

١٩٩ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ ٢٠٠ وَاِمَّا

عفو اختیار کر اور نیک کام کا حکم کر اور جاہلوں سے منہ پھیرے ١١٩٤ اور اگر شیطان

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

کی طرف سے تجھے بری بات پہنچے تو اللہ کے ساتھ پناہ چاہو بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے ١١٩٥

تو یہ بھی نہیں سُنتے ۔ یہاں سُننے سے مراد قبول کرنا ہے۔ اور اسی طرح پر نظر تو تیری طرف کرتے ہیں مگر دیکھتے نہیں ٭

عفو

١١٩٤ یہاں عفو کے معنی ماعفا وسھل وتیسر من اخلاق الناس حضرت عائشہ ومجاہد سے مروی ہیں یعنی جو کچھ لوگوں کے اخلاق سے آسانی سے میسر آئے اور سہل ہو اس کو قبول کرلو۔ اس پر راضی ہو جاؤ۔ اور ان پر مشقت نہ ڈالو

دشمنوں کو معافی

لیکن یہاں صاف ذکر مخالفین کا ہے۔ اور عفو سے مراد صاف یہی ہے کہ جو مخالفت کرتے ہیں دکھ دیتے ہیں ان کے معاملہ میں تم عفو کرتے جاؤ۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہانتک اس حکم پر عمل کیا کہ فتح مکہ کے وقت بھی جو دنیا دار فاتح کے لئے انتقام کا وقت ہوتا کمال درجہ کا عفو دکھایا پس حکم دیا کہ ان کی مخالفت پر عفو اختیار کرو ۔ چنانچہ سلف سے یہ معنی بھی مروی ہیں بلکہ شعبی کی ایک روایت میں خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی مروی ہیں ان تعفوا عمن ظلمک یعنی جو تم پر ظلم کرتا ہے تم اس پر عفو اختیار کرو ۔ ہاں نیک باتوں کے لئے کہتے جاؤ اور جاہل جو معاملہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں اس سے اعراض کرتے رہو ٭

نزغ

١١٩٥ ینزغن ۔ نَزْغ کے اصل معنی سوئی یا کسی نوک کا چمڑہ میں داخل کرنا ہیں اس لئے اس کے معنی دخول فی الامر لافسادہ ہی ہیں یعنی کسی امر میں اس کو بگاڑنے کے لئے مداخلت کرنا چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف یہی معنی آئے ہیں نزغ الشیطان بینی وبین اخوتی (یوسف ١٢-١٠٠) (ع) شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈلوایا۔ اور لسان العرب میں ہے کہ نزغ وہ کلام ہے جس سے لوگوں کے درمیان فساد ڈال دیا جائے اور نَزَغَ الرجلُ کے معنی ہیں ذکرہ بقبیح اس کا بُرے لفظوں میں ذکر کیا اور حدیث میں نَوَازِغ کا لفظ آتا ہے جو نزغ بمعنی طعن وفساد سے ہے اور ایک اور حدیث میں ہے فنزغہ انسان من اھل المسجد بنزیغۃ جس کے معنی کئے ہیں رماہ بکلمۃ سیئۃ یعنی اس کی نسبت بُرا کلمہ کہا (ت) اور نزغ کے معنی وسوسہ بطور مجاز ہیں اصل معنی نہیں اور نہ ہی وسوسہ یہاں معنی مراد ہوسکتے ہیں ۔ اس لئے کہ حدیث میں صاف آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا قرین جن مسلمان ہو گیا اور وہ سوائے بھلائی کے اور مجھے کچھ نہیں کہتا اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر (مسلم) ۔ پس یہاں نزغِ شیطان اپنے حقیقی معنی میں ہے یعنی شیطان تیرا کام بگاڑنا چاہے

انسان شیطان

یا تیری نسبت بری باتیں کہتا پھرے اور شیطان سے مراد انسان شیطان ہی ہیں جو دن رات آپ کے کام کو بگاڑنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور آپ کے متعلق بُرے کلمات کہکر لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے روکتے تھے۔ تو اس کا علاج بتایا کہ خدا کی پناہ میں آجاؤ۔ ان شیاطین کے انسان ہونے پر آیت ٢٠٢ بھی شاہد ہے ٭

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ۲۰۱

وہ لوگ جو بدی سے بچتے ہیں جب ان کو شیطان سے کوئی خیال پہنچتا ہے (خدا کو) یاد کرتے ہیں پس یکایک روشنی حاصل کر لیتے ہیں ۱۱۹۶

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ۝ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ ۲۰۲ ۲۰۳

اور ان کے بھائی جنکو گمراہی میں بڑھاتے ہیں پھر رکتے نہیں ۱۱۹۷ اور جب تو ان کے پاس کوئی نشان نہیں لاتا

طائف ۱۱۹۶ طائف کے معنی طواف کرنیوالا یا گھومنے والا ہیں طہرا بیتی للطائفین (البقرہ ۲-۱۲۵) اور خیال یا لمہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے یہاں اور حادثہ پر جیسے فطاف علیہا طائف (القلم ۶۸-۱۹) اور مجاہد اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہاں غضب مراد ہے (ج) کیونکہ وہ بھی ایک لمہ شیطانی ہے۔ اور بعض نے کہا طائف جنون ہے مگر چونکہ غضب بھی اپنے اندر جنون کا رنگ رکھتا ہے اسلئے اس پر بولا گیا ۔

غضب کا علاج پچھلی آیت میں ان باتوں کا ذکر کیا تھا جو شریر لوگ آنحضرت صلعم کے متعلق مشہور کرتے تھے اور آپکو حکم دیا کہ تم انکے معاملہ میں عفو سے کام لو اور اللہ کی پناہ چاہو اب اسی بات کو عام کیا ہے اور سب مسلمانوں کو بتایا ہے کہ انکو اگر دکھ دینے والے کلمات سنکر غضب آئے تو یہ نہیں چاہئے کہ انکی طبائع انتقام کی طرف مائل ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں تو غضب خود ہو جائیگا اور یہاں طائف من الشیطان سے مراد غضب ہی ہے جیسا کہ مجاہد سے روایت ہے۔ سیاق عبارت بھی اسی معنی کو چاہتا ہے کیونکہ جب شیاطین کی طرف سے مخالفت ہوگی تو بعض وقت غضب آہی جائیگا اور غضب انسان کو اندھا کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج یہ بتایا کہ پھر خدا کو یاد کرو غضب خود فرو ہو جائیگا اور بصارت پیدا ہو جائیگی۔ دعوت الی الحق کا کام کرنیوالوں یا مبلغین اسلام کو اس پاک اصول کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا چاہئے وہ کبھی غضب میں نہ آئیں بلکہ جب واقعات ایسے ہوں جن سے غصہ پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں غضب میں آکر وہ دوسروں کو برا کہینگے نتیجہ یہ ہوگا کہ حق کے ساتھ تنفر اور بڑھیگا بجائے اس کے اگر نرمی اختیار کی جائے تو اللہ تعالیٰ وہ راہ بھی بتا دیگا جس سے الزام کو دلائل سے دور کر دیا جائے اسی کی طرف لفظ مبصرون میں اشارہ ہے مگر آج ہمارے علما کی یہ حالت ہے کہ غیروں سے تو کیا نرمی سے پیش آئینگے اگر ایک مسلمان کے منہ سے کچھ خلاف طبیعت سن لیں تو غضب سے آگ ہو جاتے ہیں ۔

۱۱۹۷ اخوانہم ضمیر شیاطین کی طرف جاتی ہے یعنی شیاطین کے بھائی ۔

مدّ ۔ امداد یمدونہم ۔ مدّ کے معنی لمبا کیا ۔ مہلت دی ۔ گمراہی میں لمبا کرنے سے مراد گمراہی میں بڑھانا ہے۔ راغب نے لکھا ہے کہ مدّ برے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ اور امداد اچھے موقعہ پر۔ جیسے وامددناہم بفاکہۃ (الطور ۵۲-۲۲) یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف (آل عمران ۳-۱۲۴) ۔

قصر ۔ اور اقصر یقصرون ۔ قصر چھوٹا کرنا ہے ۔ اور اقصر عنہ کے معنی ہیں کف مع القدرۃ علیہ یعنی باوجود ایک امر پر طاقت رکھنے کے اس سے رک گیا (غ) ۔

شیاطین کے بھائی یہاں سے معلوم ہوا کہ ایک تو شیطان ہیں اور دوسرے ان کے بھائی جو گمراہی میں ان کو بڑھاتے ہیں۔ اسلئے شیاطین سے مراد وہ شیطان نہیں ہو سکتے جو بدی کی تحریک کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو ان کے اتباع گمراہی میں کیا بڑھائینگے بلکہ شیاطین سے مراد وہی کفار کے روسا ہیں جن کا ذکر واذا خلوا الی شیاطینہم میں ہے جب لوگ ان کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر وہ گمراہی میں اور ترقی کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو معاون مل جاتے ہیں۔ اگر ان کے معاون نہ ہوں تو ان کی شرارتیں خود ہی ختم ہو جائیں ۔

قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ

کہتے ہیں تو خود اسے کیوں نہیں بنا لاتا کہو میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب سے میری طرف وحی کیا جاتا ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا ٢٠٤

روشن دلیلیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ۱۱۹۸ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو

لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً ٢٠٥

سُنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۱۱۹۹ اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرتا رہ عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے

جبی

جابیۃ ۔ اجتباء

۱۱۹۸ اجتبیتہا جبی کے معنی جمع کرنا ہیں یجبی الیہ ثمرات کل شیء (القصص ۲۸ ۔ ۵۷) اسلئے بڑے حوض کو جس میں پانی جمع ہوتا ہے جابیۃ کہا جاتا ہے جس کی جمع جواب ہے وجفان کالجواب (السبا ۳۴ ۔ ۱۳) اور اللہ کا اجتباء عبد طریق اصطفا پر جمع کرنا ہے اور یہاں اجتباء سے مراد یہ ہے کہ خود جمع کر کے کیوں نہیں لے آتا گویا یہ تعریض کی ہے کہ تم تو اختراع کے طور پر ایسی باتیں بنا لیا کرتے ہو (غ)، اس کا رد یوں کیا ہے کہ میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں مجھے خود کہاں اختیار ہے کہ نشان بنا لیا کروں ٭

فاتحہ خلف الامام مسئلہ

۱۱۹۹ ظاہر ہے کہ یہاں خطاب کفار سے ہے جن کا قول تھا لا تسمعوا لھذا القراٰن والغوا فیہ لعلکم تغلبون (حٰم ۔ ۲۶) اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور ڈال دو تا کہ تم غالب آ جاؤ مگر اس سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ سورۃ فاتحہ جماعت کی حالت میں مقتدی کو نہ پڑھنی چاہئے ۔ چونکہ صحیح احادیث موجود ہیں کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی اس لئے یہ استدلال درست نہیں ۔ اول تو مقتدی کے فاتحہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امام کی قرأت فاتحہ کو سنتا نہیں ۔ کیونکہ ہر ایک آیت پر جب امام وقفہ کرتا ہے تو اس وقفہ میں مقتدی اس فقرہ کو دوہرا سکتا ہے ۔ اور سورۃ فاتحہ کی آیات ایسی چھوٹی واقع ہوئی ہیں کہ اس وقفہ میں ان کو دوہرانا ذرا بھی مشکل نہیں ۔ اسلئے فاستمعوا لہ میں اگر مسلمانوں کو خطاب بھی لیا جائے تو بھی سورۃ فاتحہ کے پڑھنے سے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی دوسرے کل رکعتیں فرض نماز کی سترہ ہیں جن میں سے صرف چھ رکعتوں میں قراۃ بالجہر ہوتی ہے اور باقی گیارہ میں خفیہ ہوتی ہے تو گویا قریباً صرف ایک تہائی رکعات میں فاتحہ بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے اور دو تہائی میں منہ میں پڑھی جاتی ہے اب ان دو تہائی رکعات میں تو سنتا ہی نہیں ۔ نہ اس پر فاستمعوا کا حکم وارد ہوتا ہے ۔ اور یہ کہنا کہ مقتدی کو علم ہے کہ امام کچھ پڑھ رہا ہے نہایت بودی بات ہے ۔ اس علم سے آواز پیدا نہیں ہو جاتی پس کل رکعتوں میں ایک حکم اگر لگایا جائے تو ترجیح اسی کو ہو گی جس کا تعلق زیادہ رکعات سے ہے ۔ اور زیادہ رکعات میں کوئی شئے فاتحہ کے پڑھنے میں مانع نہیں ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ باقی قرأت مقتدی کیوں نہ پڑھے تو جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلعم کا حکم ایسا نہیں ۔ فاتحہ کے پڑھنے کیلئے ہے مگر باقی قرأت کیلئے نہیں ۔ خود وہ لوگ جو فاتحہ خاموشی کی حالت میں بھی نہیں پڑھتے تسبیحات پڑھتے ہیں ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسا حکم نبی کریم صلعم جیسا حکیم انسان نہ دے سکتا تھا کیونکہ فاتحہ کو تو ہر مقتدی جانتا ہے مگر باقی قرأت میں امام کا تتبع کرنا سو مقتدی میں سے ایک کیلئے بھی مشکل ہوتا اور لمبی آیات میں تو یہ ممکن ہی نہ ہوتا ۔ اسلئے فاتحہ اور باقی قرأت کا حکم ایک نہیں فاتحہ ایک خاص دعا ہے جو ہر ایک رکعت میں لازماً پڑھی جاتی ہے ۔ باقی کسی حصہ قرآن کو یہ امتیاز حاصل نہیں ٭

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

اور ایسی آواز میں جو بہت بلند نہ ہو صبح و شام کے وقتوں میں اور غافلوں میں سے نہ ہو ۱۲۰۰

السجدۃ الثالثۃ ۲۰۶ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝

بیشک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں ۱۲۰۱

۱۲۰۰ یہاں خطاب عام ہے جیسا کہ عمومیت حکم سے ظاہر ہے ۔

دل میں ذکر فی نفسک ۔ دل میں ذکر کرنے سے کیا مراد ہے ؟ آواز کا ذکر تو آگے آتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں مراد ایسا ذکر ہے ۔ جس میں انسان کا دل ذکر میں مصروف ہو یعنی الٰہی عظمت اور ہیبت اور جلال کا اثر دل پر ہو ۔

خیفۃ خیفۃ ۔ اصل خوفۃ ہے ۔ تضرع بندہ کا عاجزی اختیار کرنا ہے اور خوف عظمت الٰہی کا ہے ۔

دون الجھر دون الجھر ۔ عاجزی اور خوف کا یہ تقاضا ہے کہ انسان بہت شور نہ ڈالے دون الجھر سے مراد یہ نہیں کہ آواز اونچی نہ ہو بلکہ یہ منشا ہے کہ زیادہ شور نہ ڈالے گو یا آواز میں بھی اقتصاد ہو ۔

غدو غدو ۔ قاموس میں اسے غُدْوَۃ کی جمع لکھا ہے اور یا یہ مصدر ہے صبح کا وقت ۔ اور مفردات میں ہے قرآن کریم میں غُدُوّ کے مقابل پر آصال آیا ہے جیسے یہاں اور غداۃ کے مقابل پر عشی جیسے بالغداۃ والعشی (الانعام ۔ ۵۲) ۔

اصل اصیل آصال ۔ اصل یا اصیل کی جمع ہے عصر اور غروب آفتاب کے درمیان کا وقت ہے ۔ مراد مطلق شام ہے ۔

یہاں اللہ تعالٰی کے ذکر کا حکم ہے اور وہ دو رنگ میں ہے ایک دل میں اور ایک آواز کے ساتھ جو وہ بھی دون الجھر من القول ہو پس اصل مطلب یہ ہے کہ جب نماز میں یا ویسے اللہ تعالٰی کا ذکر کرو اور سب سے بڑھکر ذکر اللہ تعالٰی کا نماز میں ہی ہے تو ایسا نہ ہو کہ منہ سے کلمات نکلتے ہوں مگر دل اور کہیں ہو ۔ اس لئے فرمایا کہ زبان سے ذکر ہو تو دل میں بھی کیفیت ہو اور دل عظمت الٰہی اور ہیبت اور جلال سے بھرا ہوا ہو ۔ تاکہ ذکر کا اصل مقصد پورا ہو اور بالغدو والآصال میں نماز کے اوقات بھی آجاتے ہیں یعنی ایک طرف فجر کا وقت دوسری طرف ظہر سے لیکر عشا تک کا وقت ۔

۱۲۰۱ عند ربک میں سب مقربین بارگاہ الٰہی داخل ہیں ۔

سجدۂ تلاوت ترتیب قرآن کریم میں یہاں سجدۂ تلاوت پہلی دفعہ آتا ہے ۔ سجدۂ تلاوت قرآن کریم کی تلاوت میں خاص خاص مواقع پر نبی کریم صلعم کا حکم ہے خواہ وہاں سجدہ کا حکم ہو ۔ یا اور کسی رنگ میں سجدہ کا ذکر ہو ۔ سجدۂ تلاوت میں آنحضرت صلعم سے مختلف دعائیں مروی ہیں ۔

دعا سجدۂ تلاوت مثلاً ایک یہ اللھم لک سجد سوادی وبک آمن فؤادی اللھم ارزقنی علمًا ینفعنی وعلمًا یرفعنی اور ایک حدیث میں آپ کی یہ دعا آتی ہے سجد وجھی للذی خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقوته فتبارک اللہ احسن الخالقین ۔ سجدۂ تلاوت ایک شہادت ہے کہ مسلمان کو یا قرآن پر ایمان لانے والے کو تعمیل حکم الٰہی میں کس قدر جلدی کرنی چاہئے ۔

سُورَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَعَشْرُ رُكُوعَاتٍ

نام

نام۔ اس سورت کا نام الانفال ہے اور اس میں دس رکوع اور ۷۵ آیات ہیں۔ الانفال کے معنی ہیں مال غنیمت یا وہ مال جو باقاعدہ جنگ میں دشمن سے ہاتھ آتا ہے۔ اس سورت میں اصل ذکر جنگ بدر کا ہے۔ اور یہ سب سے پہلی باقاعدہ جنگ ہے جو مسلمانوں اور کفار میں ہوئی اور اس میں دشمن سے مال غنیمت ہاتھ میں آیا اور قیدی بھی پکڑے گئے ایسے مال کو جائز قرار دیا ہے دوسری طرف ایک تجارتی قافلہ اہل قریش کا جا رہا تھا اور مسلمانوں میں سے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس قافلہ پر حملہ کر کے لوٹ لیا جائے اس کو قرآن شریف نے عرض الدنیا یعنی دنیا کا مال قرار دیکر ناجائز قرار دیا تو گویا بتانا یہ مقصود تھا کہ جنگ میں جو مال دشمن سے ملے وہ جائز ہے لیکن مال کا حاصل کرنا اصل غرض نہیں بلکہ جنگ کی اصل غرض کچھ اور ہے۔ اس لحاظ سے سورت کا نام الانفال قرار دیا +

خلاصہ مضمون

خلاصہ مضمون۔ اس سورت کا اصل مضمون جنگ بدر اور اس کے متعلقہ واقعات ہیں اسلئے پہلی ہی آیت میں انفال یا مال غنیمت کا ذکر کیا ہے مگر اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے کہ اصل غرض جنگ یا جنگوں کے ذریعہ سے حصول مال نہیں فوراً اس طرف توجہ دلائی ہے کہ آپس میں اصلاح کرو اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اللہ کا ذکر کرو نمازیں قایم کرو زکوٰۃ دو تو پکے مومن بنتے ہو۔ اور پھر اصل مضمون جنگ بدر کیطرف عود کیا اور بتایا کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ احقاق حق کرنا چاہتا تھا اور یہ کہ دشمن جو اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں انکا استیصال کر دے دوسرے رکوع میں جنگ بدر میں فتح کا اور ان اسباب کا جن سے فتح ہوئی ذکر ہے اور وہ محض اللہ تعالےٰ کی نصرت تھی۔ تیسرے میں پھر بتایا کہ فلاح کی حقیقی راہیں کیا ہیں اور مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی چوتھے میں فرمایا کہ جنگ بدر کے بعد بھی کفار لڑائی میں نکلتے رہینگے مگر آخر کار مغلوب ہونگے اور مسلمان خانہ کعبہ کے متولی ہمیشہ کیلئے قرار دیئے جائینگے۔ پانچویں میں بتایا کہ اجتماع بدر مصلحت الٰہی سے ہوا ورنہ مسلمانوں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اتنی بڑی جمعیت سے مقابلہ کیلئے نکلتے۔ چھٹے میں مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی تاکہ نصرت الٰہی کے جاذب بنیں۔ ساتویں میں کفار کی بدعہدیوں کا ذکر کیا۔ آٹھویں میں بتایا کہ دشمن کے مقابلہ کیلئے ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیئے نویں میں تسلی دی کہ کفار کی زیادتی تعداد سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دگنی اور دس گنی تعداد پر بھی غالب کر دکھائیگا اور اسی میں آخر پر بتا دیا کہ قیدی یا مال غنیمت باقاعدہ جنگ کی صورت میں لئے جا سکتے ہیں دسویں میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات قومی بتائے اور فرمایا کہ دین کے معاملہ میں اگر کفار مسلمانوں پر زیادتی کریں تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ انکی مدد کریں سوائے اس صورت کے کہ ایسی کافر قوم سے مسلمانوں کا عہد ہو۔

تعلق

تعلق۔ اس سے پہلے سورۂ اعراف میں ضرورت نبوت پر بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ گزشتہ اُمتیں جنہوں نے نہ صرف حق کو رد کیا بلکہ خود حق کا استیصال کرنا چاہا انکا انجام کیا ہوا اور اس سورت کے آخر پر بتایا تھا کہ آنحضرت صلعم کے اعدا کو بھی ہم تدریجاً پکڑینگے اس تدریجی گرفت میں سب سے پہلے جنگ بدر کا مقام ہے جس میں کفار کیلئے ایک عبرت آموز سبق تھا اور آنحضرت صلعم کی صداقت کی ایک یقینی دلیل تھی کیونکہ مسلمانوں کے باوجود قلت کے غالب آنیکی پیشگوئیاں مدت پہلے قرآن شریف میں مکہ میں ہو چکی تھیں۔ اسلئے سورۂ اعراف کے مضمون کا تقاضا تھا کہ اسکے بعد فوراً جنگ بدر کا ذکر ہوتا جو آنحضرت صلعم کے مخالفین کی تدریجی گرفت میں پہلی منزل تھی +

زمانہ نزول

زمانہ نزول۔ اس سورت کی تاریخ نزول جنگ بدر کا ہی زمانہ ہے یعنی دوسرا سال ہجرت بعض آیات جن میں کفار کی بار بار عہد شکنی کا ذکر ہے بعد کے زمانہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ آیات جن میں آنحضرت صلعم کے خلاف کفار مکہ کے منصوبوں کا ذکر ہے یعنی ہجرت سے پہلے کے واقعات کا وہ درحقیقت مکی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کو گزشتہ واقعات کا حوالہ دیکر یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس وقت بھی اسلام کی تائید میں تھا جب آنحضرت صلعم اکیلے دشمنوں کے اندر رہ گئے تھے اور وہ دشمن آپ کے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور یوں ان کو تسلی دی ہے کہ وہ اسلام کی ہمیشہ تائید فرماتا رہے گا +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ / ۱۵ — گ بدر کی ابتدا

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ۱

تجھ سے مال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو مال غنیمت اللہ اور رسول کے لئے ہے سو اللہ کا تقویٰ کرو اور آپس میں

ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ ۲

صلح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اگر تم مومن ہو[۱۲۰۲] مومن صرف وہی ہیں کہ جب

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ

اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو انکو ایمان میں بڑھاتی ہیں اور وہ اپنے

يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ۳

رب پر بھروسہ رکھتے ہیں[۱۲۰۳] جو نماز کو قایم کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

نفل - انفال

۱۲۰۲ الانفال۔ نَفَل کی جمع ہے جو اصل میں زیادت ہے یعنی جس قدر واجب ہو جو اس سے زیادہ ہو وہ نفل ہے۔ اسی معنی میں نفل عبادت ہے۔ اسی لئے مال غنیمت کو نفل کہا جاتا ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ کس قسم کی غنیمت پر یہ لفظ بولا گیا ہے بعض نے اسے عین غنیمت کہا ہے یعنی انفال اور غنیمت ایک ہی شے ہے۔ دو نام دو حیثیتوں سے رکھے گئے ہیں اس لحاظ سے کہ وہ مال مظفر ہو کر لیا جاتا ہے اسے غنیمت کہا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فضل ہے اسے انفال کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے غنیمت اور نفل میں عموم وخصوص کے لحاظ سے فرق کیا ہے یعنی غنیمت عام ہے محنت سے حاصل ہو یا بلا محنت فتح سے پہلے حاصل ہو یا پیچھے اور نفل وہ ہے جو مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے حاصل ہو۔ یا وہ جو بغیر جنگ کے حاصل ہو مگر ایسے مال کو فئ کہا جاتا ہے۔ گو فئ کیلئے ضروری ہے کہ جنگ کی تیاری ہو چکی ہو اور دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں نفل کے لئے یہ ضروری نہیں +

غنیمت اور انفال میں فرق

فئ اور نفل میں فرق

للّٰہ والرسول سے مراد بیت المال ہے یعنی مسلمانوں کی عام اور مشترکہ ضروریات +

اس سورت میں بالخصوص جنگ بدر کا ذکر ہے اور اسکا تعلق سورت ماقبل سے یوں ہے کہ وہاں انبیائے سابق کے مخالفوں کی ہلاکت کا ذکر ہے یہاں آنحضرت صلعم کے اعدا کی ہلاکت اور ان پر جو عذاب آیا اسکا ذکر ہے اسلئے اسکی ابتدا اس سے ہوتی ہے کہ جنگ میں جو بعض قسم کا مال دشمن سے حاصل ہوتا ہے اس کو کس غرض پر صرف کیا جائے۔ اور اسکے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی عام ضروریات پر خرچ ہو لیکن یہ سمجھانے کیلئے کہ جنگ اصل ضروریات میں سے نہیں بلکہ محض ایک اتفاقی پیش آمدہ امر ہے جنگ کے ذکر کو چھوڑ کر فوراً اس طرف توجہ دلائی کہ تقویٰ با اخلاق انسان بنو اور آپس میں صلح کرو +

وجل

۱۲۰۳ الوجل۔ استشعار خوف کا نام ہے یعنی خوف محسوس کرنا دیکھو انا منکم وجلون (الحجر ۱۵ - ۵۲)، و قلوبہم وجلة (المومنون ۲۳ - ۶۰) +

ایمان کا بڑھنا گھٹنا

زادتہم ایمانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے۔ گویا برے اعمال سے اس میں نقص واقع ہوتا ہے اور اچھے اعمال سے ایمان بڑھتا ہے۔ بخاری میں حدیث مروی ہے کہ ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں جن میں سے لا الٰہ الا اللہ سب سے بلند اور ادنیٰ سے

ایمان کی شاخیں

۴ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

یہی سچے مومن ہیں ان کیلئے ان کے رب کے ہاں درجے، درجے اور حفاظت اور عزت والا رزق ہے ۱۲۰۴

۵ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ

جس طرح تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا حالانکہ مومنوں میں سے ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا ۱۲۰۵

دکھ دینے والی چیزوں کو دور کرنا سب سے نچلی شاخ ہے۔ اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ آج مسلمانوں کا دعویٰ ایمان اور عملی حالت ان آیات اور احادیث کی تکذیب کر رہے ہیں +

مسلمانوں کو عاجزی کا جنگ کیلئے تیار کرنا

۱۲۰۴ ان تین آیات میں مومنوں کی صفات کو بیان کیا ہے تاکہ زندگی کے اصل مقصد کو سمجھ لیں۔ مسلمانوں کی تیاری جنگ کیلئے اس طرح پر نہیں ہوئی کہ انہیں فنون جنگ میں مہارت کا سبق سکھایا جاتا۔ بلکہ قیام نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کا سبق ان کو پڑھا کر اور یہ بتا کر کہ دل میں خوف الٰہی ہونا چاہئے۔ اور متکبرانہ روش سے بچنا چاہئے۔ ان کو جنگ کے لئے تیار کیا ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جنگیں بے وجہ خونریزی سے پاک تھیں۔ اور بڑی بڑی فتوحات کے وقت دشمنوں کے ساتھ کمال عفو اور نرمی کا سلوک تھا اور مخلوق خدا کی ہمدردی مدنظر تھی +

۱۲۰۵ کما۔ میں اشارہ آیت ماقبل کے آخری الفاظ کی طرف ہے یعنی مومن کا اصل کام تو وہی ہے جو ان آیات میں بیان ہوا یعنی دل میں عاجزی کا پیدا کرنا۔ نماز قایم کرنا۔ خدا کی راہ میں اپنی طاقتوں اور مال کا خرچ کرنا۔ اسی راہ پر چلنے سے بلند درجات اور رزق کریم ملتا ہے چنانچہ انہی درجات بلند اور رزق کریم کے دینے کیلئے ہی اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے گھر سے حق کے ساتھ نکالا یعنی جنگ بدر کیلئے مدینہ سے تم کو حق کے ساتھ نکالا بالفاظ دیگر اس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو نکلنے کا حکم دیا جب ضروریات حقہ پیش آچکی تھیں +

جنگ بدر کیلئے آنحضرت کن حالات میں نکلے

جنگ بدر جن حالات میں پیش آئی اس کے متعلق قرآن کریم سے بڑھکر اور کوئی معتبر شہادت نہیں ہو سکتی۔ اور ان آیات میں مختصر مگر جامع الفاظ میں جنگ بدر کے تمام ابتدائی مراحل کی شہادت ہمیں ملتی ہے اس قدر تو مسلّم ہے کہ جب نبی کریم صلعم مدینہ سے نکلے ہیں اس وقت ایک طرف کفار کی ایک زبردست جمعیت ابوجہل کی کمانڈ کے ماتحت مکہ سے نکل چکی تھی بلکہ اس کی خبر بھی نبی کریم صلعم کو پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ مقام بدر جہاں مٹھ بھیڑ ہوئی ہے مکہ سے آٹھ یا نو منزل اور مدینہ سے تین منزل پر ہے۔ دوسری طرف یہ بھی درست ہے کہ ایک تجارتی قافلہ شام سے ابوسفیان کی سرکردگی میں مکہ کو واپس آرہا تھا اور اسکی اطلاع بھی مسلمانوں کو تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلعم اس قافلہ کو لوٹنے کیلئے نکلے تھے یا اس لشکر کی مدافعت کے لئے

ارباب سیر کی غلطی

ارباب سیر نے بعض غیر محتاط روایات سے یہ غلطی کھائی ہے کہ نبی کریم صلعم ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ آپ ابوجہل کے لشکر کے مقابلہ کیلئے نکلے تھے جو مدینہ پر حملہ آور ہونے کیلئے مکہ سے نکلا تھا۔ اس امر پر

اسبات کی دو شہادتیں کہ آنحضرت قافلہ پر حملہ کیلئے نہیں بلکہ لشکر کے مقابلہ کیلئے نکلے تھے

کہ دوسری بات صحیح ہے پہلی شہادت الفاظ اخرجك ربك من بيتك سے ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بیت تو مدینہ ہی ہے۔ اور مدینہ سے آپکے نکلنے کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف منسوب کیا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ نبی کریم صلعم اپنی خواہش سے یا لوگوں کے مشورہ کی بنا پر نہیں نکلے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلے ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی قافلہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا ہوگا تو یہ

بالحق

اسلئے غلط ٹھہرتا ہے کہ یہ واقع نہیں ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تو ضرور تھا کہ واقع ہو کر رہتا۔ دوسری شہادت بالحق سے ملتی ہے کسی فعل یا قول کا حق ہونا یہ ہوتا ہے جیسا کہ راغب نے لکھا ہے جب اسکا وقوع بحسب مايجب وبقدر ما يجب وفي

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۶

تیرے ساتھ حق کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں اسکے بعد کہ ان کیلئے (حق) واضح ہوگیا گویا کہ وہ موت کیطرف ہانکے جاتے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں ۱۲۰۶

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۷

اور جب اللہ تمہارے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہو اور تم چاہتے تھے کہ جس کے پاس ہتھیار نہیں وہ تمہارے لئے ہو اور اللہ ارادہ کرتا تھا اپنی پیشگوئیوں کے ذریعہ سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ۱۲۰۷

للوقت الذی یجب ہو یعنی اس کے مطابق جو واجب ہو اور اس اندازہ سے جو واجب ہو اور اس وقت میں جو واجب ہو۔ اب اگر تجارتی قافلہ پر حملہ کیلئے نکلا ہوتا تو یہ تینوں لحاظ سے کسی طرح پر بالحق نہ تھا اسلئے کہ اول تو کسی راہ چلتے قافلہ پر حملہ بحسب ما یجب نہیں یعنی واجب ہونا چھوڑ اسکی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ اور پھر بقدر ما یجب بھی نہیں اسلئے کہ آنحضرت صلعم پوری تیاری کرکے نکلے ہیں جو ممکن تھی حالانکہ قافلہ کیلئے پچاس مسلح آدمی کافی تھے۔ اور فی الوقت الذی یجب بھی نہیں اسلئے کہ قافلہ تو اس وقت بہت دور نکل چکا تھا یہاں تک کہ جنگ بدر میں فتح حاصل کرنیکے بعد اتنا قریب بھی نہ تھا کہ اس پر حملہ کیا جاتا پس اخراج بالحق اسی وقت ہو سکتا ہو کہ اس لشکر کے مقابلہ کیلئے نکلیں جو مدینہ پر مسلمانوں کو کچلنے کیلئے حملہ آور ہو رہا ہو یہ ایک ضرورت حقہ تھی اور پھر تیاری بھی اسی کے مطابق کیگئی اور پھر وقت بھی اسی کے مقابلہ کا تھا۔ اور قافلہ پر حملہ کرنیکیلئے نکلنا اسلئے بھی بالحق نہیں کہلا سکتا کہ قرآن کریم میں حکم ہو وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم اور اس قافلہ نے آپ سے جنگ نہ کی تھی نہ ابھی تک قریش نے ہی آپ پر حملہ کیا تھا یہی وجہ ہو کہ بدر کے دن نبی کریم صلعم پہلے کفار کے حملہ کے منتظر رہے اور جب انہوں نے حملہ کیا تب آپنے مدافعت کا حکم دیا۔ تیسری قطعی شہادت اس بات پر کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے نکلے تو مدینہ پر حملہ آور لشکر کے مقابلہ کیلئے نکلے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ آپ جب مدینہ سے نکلے تو اس وقت مومنوں کا ایک حصہ ناخوش تھا۔ اس ناخوشی کی وجوہات اگلی آیت میں بتائی ہیں۔ مگر یہ ظاہر ہو کہ اگر قافلہ پر حملہ کا مطلب ہوتا تو کوئی فریق ناخوش کیوں ہوتا اور اس کو مصیبت کیوں سمجھتا تین سو چھوڑ پچاس آدمی بھی ایک قافلہ کو لوٹنے کیلئے کافی تھے۔ پس مدینہ سے نکلتے وقت مومنوں کی ایک جماعت کی ناخوشی صاف بتاتی ہو کہ وہ مدینہ پر حملہ آور لشکر کے مقابلہ کیلئے نکل رہے تھے ۔

مدینہ والوں کا نکلنا دفاع کیلئے تھا

۱۲۰۶ چوتھی شہادت اس بات کی من بعد ما تبین لہم الحق میں موجود ہو۔ کیونکہ نکلنے کو ناپسند کرنے والے اسے ضرورت حقہ نہیں سمجھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو وہ ضرورت ظاہر ہو چکی تھی ضرورت ظاہر اسی صورت میں کہلا سکتی ہو جب مسلمانوں کی ہستی معرض خطر میں ہو۔ اور دشمن حملہ آور ہو چکا ہو کیونکہ جنگ کی اجازت ہی انہی لوگوں سے تھی جو پہلے جنگ کریں جیسا اذن للذین یقاتلون۔ (الحج ۲۲-۳۹) سے اور پھر وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (البقرۃ ۲-۱۹۰) سے ظاہر ہو۔ قافلہ تو مسلمانوں سے جنگ کرنے نہیں آرہا تھا کہ اسکے ساتھ جنگ کی ضرورت کو الفاظ قرآنی میں واضح اور بین کہا جا سکے۔ پانچویں اور نہایت کھلی ہوئی شہادت الفاظ کانما یساقون الی الموت سے ملتی ہو۔ قافلہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلنے کو کون موت کے منہ میں جانا کہہ سکتا ہو۔ ہاں وہ طاقتور لشکر جو مدینہ پر حملہ آور ہو رہا تھا اسی سے مقابلہ کرنے کیلئے نکلنا واقعی موت کے منہ میں جانا تھا ۔

شوکۃ

۱۲۰۷ غیر ذات الشوکۃ شوکۃ اصل میں کانٹوں کو کہتے ہیں اور اس سے مراد شدت اور ہتھیار بھی لئے جاتے ہیں (غ) ۔

احقاق

یحق۔ احقاق حق سے یہاں مراد وہ احقاق حق ہو جو دلائل اور نشانات کے اظہار سے ہو ۔

٩ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۚ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

تاکہ حق کا سچ اور باطل کا جھوٹ ہونا ظاہر کردے گو مجرم ناپسند کریں جب تم اپنے رب سے مدد مانگتے تھے سو اس نے تم کو جواب

١٠ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ

دیا کہ میں ایک ہزار آگے چلنے والے فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں [١٢٠٨] اور اللہ نے اس کو صرف ایک خوشخبری ٹھہرایا

دو گروہوں کا ذکر اور خدائی ارادہ

اس آیت میں جنگ بدر کی وجوہات کو اور بھی کھول دیا ہے یہاں صاف بتا دیا ہے کہ دو گروہ تھے ایک مسلح اور ایک غیر مسلح یعنی تجارتی قافلہ اور تم (یعنی مسلمانوں میں سے وہ لوگ جنکے خوف کا ذکر اوپر ہے) چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ یعنی قافلہ کیساتھ مقابلہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے خلاف چاہتا تھا یعنی مسلح لشکر سے مقابلہ ہو۔ تو جس صورت میں گھر سے نکالنے والا اللہ تعالیٰ تھا یعنی نکلنا اسکے حکم سے تھا تو صاف معلوم ہوا کہ یہ نکلنا مسلح لشکر کے مقابلہ کیلئے تھا یعنی ابوجہل کے مقابلہ کیلئے اور تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کیلئے نہ تھا جو محض بعض کمزوروں کی خواہش تھی یہ چھٹی دلیل ہے جو ہمارے مدعا کو ثابت کرتی ہے۔ اور جن روایات میں قافلہ پر حملہ کو مدینہ سے نکلنے کی وجہ بتایا گیا ہے وہ اسی بنا پر محمول ہوسکتی ہیں۔ ساتویں دلیل ان الفاظ میں ہے ویرید اللّٰہ ان یحق الحق بکلمٰتہ یہ تو ظاہر ہے کہ کلمات سے مراد کوئی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اب اللہ تعالیٰ کے کلام کو ایک جنگ سے کیا تعلق ہے۔ سوائے اسکے کہ اس جنگ کے متعلق کوئی پیشگوئیاں ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں جنگ بدر کے متعلق اور مسلمانوں اور کافروں میں مقابلہ ہو کر مسلمانوں کے غالب آنے کے متعلق صریح پیشگوئیاں ہیں۔ اور کلمات میں انہی پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے یوں یہ جنگ محض جنگ نہ تھی بلکہ ایک دلیل اور نہایت واضح دلیل اسلام کی صداقت کی تھی لیکن قافلہ پر حملہ کرنے کی نہ کوئی پیشگوئی تھی نہ کوئی ایسی پیشگوئی پوری ہوئی آٹھویں دلیل الفاظ یقطع دابر الکافرین میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا منشا تمہارے مدینہ سے نکالنے میں یہ تھا کہ کافروں کی جڑ کاٹ دے یعنی ان کی طاقت کو کچل دے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کفار کی طاقت ایک قافلہ کو لوٹنے سے نہ کچلی جا سکتی تھی بلکہ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنا پورا زور لگا کر ہلاک ہوں ✦

غوث۔ غیث۔ استغاثۃ

[١٢٠٨] تستغیثون۔ غَوْث کا استعمال نصرت کے محل پر ہوتا ہے۔ اور غَیْث بارش ہے۔ اور استغاثۃ طلب غوث اور طلب غیث دونوں پر بولا جاتا ہے (غ)۔ یہاں طلب مدد ہی مراد ہے جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے۔ اور دوسری جگہ ہے فاستغاثہ الذی من شیعتہ (القصص ٢۔ ١٥) وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل (الکھف ٢٩) ✦

ردف۔ اردف
رادف۔ مُردف
فرشتوں کا لشکر اسلام کے آگے چلنا

مردفین۔ رِدْف تابع یعنی پیچھے آنے والے یا پچھلے حصہ کو کہتے ہیں اور اَرْدَفْتہ کے معنی ہیں اسے گھوڑے کے پچھلے حصہ پر (یعنی اپنے پیچھے) سوار کر لیا اور رَادِفْ پچھلے کو کہتے ہیں۔ اور مُرْدِف متقدم کو یعنی جسکے پیچھے دوسرا ہو (غ) یعنی رَدِفَ اور اَرْدَفَ کے الگ الگ معنی ہیں جنہوں نے مردفین کے معنی پیچھے آنے والے کئے ہیں انہوں نے رَدِفَ اور اَرْدَفَ کے ایک معنی کرلئے ہیں۔ رہا یہ کہ آگے چلنے والے فرشتوں سے کیا مراد ہے اور انکے پیچھے کون ہے۔ سو ظاہر ہے کہ ملائکہ جیسا کہ آگے صراحت سے مذکور ہے مسلمانوں کو ثابت قدم کرتے اور کفار کے دل میں رعب ڈالتے تھے۔ اذ یوحی ربک الی الملٰئکۃ انی معکم فثبتوا الذین اٰمنوا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (١٢) اسلئے وہ عسکر اسلامی کیلئے متقدم تھے یعنی وہ آگے تھے اور انکے پیچھے لشکر اسلامی تھا۔ راغب نے یہ معنی نقل کئے ہیں قیل المراد المتقدمین للعسکر یلقون فی قلوب العدی الرُّعْبَ ✦

یہ بھی اسی وقت کا ذکر ہے جیسا کہ اذ کے استعمال سے ظاہر ہے جب نبی کریم صلعم مدینہ سے نکلتے ہیں۔ مسلمان اپنی کمزوری دیکھکر اور دشمن کی طاقت دیکھکر اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔ اگر قافلہ پر حملہ مقصود ہوتا تو طلب مدد کا کوئی موقعہ نہ تھا۔

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور تاکہ اس کے ساتھ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو اور مدد تو اللہ کی طرف سے ہی ہے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے ۱۲۰۹

اور ظاہر ہے کہ جب ایک گروہ ڈر رہا ہے کہ ہمیں موت کے منہ میں دیا جاتا ہے وہی وقت طلب مدد کا ہے پس یہ قوی دلیل اس بات پر ہے کہ مسلمان گھر سے لشکر کفار کے مقابلہ کیلئے نکلے تھے نہ قافلہ پر حملہ کرنے کیلئے +

ایک ہزار ملائکہ

ایک ہزار فرشتوں کی خصوصیت کیوں کی؟ ایک ہزار عدد کامل بھی ہے مگر دوسری بات یہ بھی ہے کہ دشمن کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہی تھی۔ اس لئے اسی قدر ملائکہ کی نصرت کا وعدہ دیا دیکھو ۵۱۱ +

ملائکہ سے نصرت کیونکر ہوئی

۱۲۰۹ ملائکہ کے ذریعہ نصرت کا جو وعدہ دیا اسکے متعلق یہاں دو باتیں بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ تمہارے لئے یہ خوشخبری ہو کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ تین سو آدمی ایک ہزار کا مقابلہ کیا کر سکتے تھے۔ ملائکہ سے نصرت کا وعدہ دیکر فتح کی خوشخبری مسلمانوں کو دی اور بتایا کہ تمہاری تائید میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے یہ تو مسلمانوں کو پہلے سے خبر دی گئی تھی کہ کفار کے ساتھ انکی جنگ ہوگی تو وہ مظفر و منصور ہونگے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے سیھزم الجمع ویولون الدبر (القمر ۵۴-۴۵) یہاں یہ بھی بتایا کہ وہ مدد کیونکر ہوگی۔ اسلئے ملائکہ کا ذکر فرمایا کیونکہ تین سو آدمی ایک ہزار پر غالب نہ آسکتے تھے سوائے اسکے کہ کوئی اور اسباب ان کے موافق اور دشمن کے خلاف پیدا ہو جائیں تو ملائکہ کی نصرت کے وعدہ میں یہ بتایا کہ وہ اسباب کوئی انسانی تجاویز کا نتیجہ نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب پیدا ہونگے اور ملائکہ چونکہ وسائط ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کام لیتا ہے اسلئے ان وسائط کا ذکر کیا +

دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ تا تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو۔ قلوب میں اطمینان کا پیدا کرنا بھی ملائکہ کا کام ہے اور یہ عام تجربہ ہے کہ وہی شخص جب اسکے قلب میں اطمینان ہو تو بہت بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ حالانکہ اگر اس کا قلب اطمینان سے خالی ہو تو اسکے جسمانی قویٰ اور ظاہری سامان اس کو کچھ بھی نفع نہیں دیتے +

تیسری غرض سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (۱۲) میں بیان فرمائی یعنی ملائکہ کے ذریعہ سے دشمنوں کے دل میں رعب ڈالدیا جائیگا اور یہی صحیح ہے کہ مومن کتنے بھی ثابت قدم ہوتے لیکن اگر مقابلہ میں کفار بھی ثابت قدم ہوتے تو بھی مسلمانوں کو فتح نہ مل سکتی تھی اس لئے فرمایا کہ کفار مرعوب ہو جائینگے اسی کی طرف ملائکہ کیلئے لفظ مردفین اختیار کرنے میں اشارہ ہے یعنی وہ مسلمان لشکر کے آگے آگے کفار کے دل میں رعب ڈالتے جائینگے تاکہ کفار کے لشکر کے مسلمانوں کے سامنے قدم نہ جم سکیں +

ملائکہ نے بدر میں جنگ نہیں کی

ان تین اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ صاف سمجھ آتا ہے کہ ملائکہ کا نزول ایک حقیقت تھی اور اسی نزول سے ہی مسلمانوں کے قلوب کو قوت ملی اور کفار کا لشکر مرعوب ہو گیا۔ رہا یہ سوال کہ آیا ملائکہ نے انسانوں کی صورت میں ہو کر یا کسی اور طرح پر فی الواقع کفار سے لڑائی بھی کی یا نہیں اس بارہ میں مختلف رائیں ہیں۔ ایک روایت میں ایک انصاری کا ذکر ہے کہ وہ ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اتنے میں اس نے ایک کوڑے کی آواز سنی اور وہ کافر گر گیا اور اس نے یہ ذکر رسول اللہ صلعم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ملائکہ کی امداد سے تھا۔ اور ایک میں ہے کہ ابوجہل نے ابن مسعود سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی کہ ہم آواز سنتے تھے اور شکل نہ دیکھتے تھے تو انہوں نے کہا یہ ملائکہ تھے۔ ان دونوں سے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو کسی نے دیکھا نہیں۔ اور وہ جنگ کرتے تھے اور بعض لوگوں نے لکھا کہ انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے انسانوں کی صورت میں لڑائی کی مگر قرآن کریم کی صراحت ان دونوں کے خلاف ہے اور اس آیت کے الفاظ قطعی ہیں چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں والذی یدل علی صحۃ ان الملائکۃ ما نزلوا للقتال قولہ تعالیٰ وما جعلہ اللّٰہ الا بشریٰ الخ یعنی یہ آیت اس بات کی صحت پر دلالت کرتی ہے کہ بدر کے دن ملائکہ جنگ کرنے کیلئے نازل نہیں ہوئے اور اسکی تائید میں ایک روایت حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے جس میں یہ لفظ آتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے خود بنفس

۱۱ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ

جب اس نے تم پر اپنی طرف سے امن کے طور پر اونگھ وارد کردی نوٹ ۱۲۱۰ اور اس نے تم پر بادل سے پانی اُتارا تاکہ اس کے ساتھ تم کو پاک کرے

يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

اور تم سے شیطان کی ناپاکی کو دور کردے اور تاکہ تمہارے دلوں کو قوت دے اور قدموں کو اس کے ساتھ مضبوط کرے نوٹ ۱۲۱۱

ع ۲ ۱۲ — جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح

میں دعا کے بعد حضرت ابوبکر کو فرمایا ابشر بنصر اللہ ولقد رایت فی منامی جبرائیل یقدم الخیل یعنی اللہ کی مدد سے خوش ہو جاؤ میں نے اپنی خواب میں جبرائیل کو دیکھا کہ وہ لشکر کے آگے آگے چلتا ہوا اور اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزول کی غرض صرف یہی بشارت تھی اور اس سے انکے جنگ پر اقدام کرنے کی نفی ہوتی ہے۔ اسی طرح روح المعانی میں اس آیت کے نیچے ہے۔ فی الآیۃ اشعار بان الملٰئکۃ لم یباشروا قتالا وھو مذھب لبعضھم اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے لڑائی نہیں کی اور بعض کا یہی مذہب ہے۔ نوٹ ۱۲۰۵ سے ظاہر ہے کہ اسباب پر قریباً اتفاق ہے کہ سوائے بدر کے اور کسی جنگ میں ملائکہ نے لڑائی نہیں کی اور جنگ بدر میں لڑنا خود اوپر کی بحث سے ظاہر ہوا اور اگر ادنیٰ تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب تین جنگوں میں ملائکہ کے نزول کا ذکر ہے۔ اور دو کے متعلق اتفاق ہے کہ فرشتے لڑے نہیں۔ تو جس غرض کیلئے دو میں نزول ملائکہ ہوا اسی غرض کیلئے تیسری میں بھی ہوا اسلئے جنگ بدر کو مستثنیٰ کرنا غلطی ہے۔ علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے اسکا فیصلہ کیا ہے فارسلنا علیھم ریحاً وجنوداً لم تروھا (الاحزاب ۳۳-۹) ہم نے ان پر ہوا بھی اور ایسے لشکر جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ یہ جنگ احزاب کے متعلق ہے جہاں فرشتوں کو ایسے لشکر قرار دیا ہے جنہیں مسلمانوں نے نہیں دیکھا اور قطعی شہادت اسباب پر ہے کہ فرشتوں کی امداد اور رنگ کی تھی۔ ان کا آنا یوں نہ تھا کہ تین سو مسلمانوں کے ساتھ ایک ہزار فرشتے مل کر تیرہ سو جنگ کرنیوالے ہو گئے ہوں۔ ہاں تین سو کا ہزار پر غالب آنا یقینی شہادت ہے کہ مسلمانوں کو امداد غیبی پہنچی۔

نعاس

میدان جنگ میں نیند کا آنا

نوٹ ۱۲۱۰ نعاس۔ تھوڑی نیند یا اونگھ کو کہتے ہیں مگر راغب نے یہاں نُعاس کے معنی سکون بھی قبول کئے ہیں۔ کیونکہ نیند خود بھی سکون ہے۔
جنگ بدر کے ابتدائی مراحل کو بیان کرکے اب میدان جنگ کی کسی قدر کیفیت بیان کی اور اس میں سب سے پہلے یہ بتایا کہ ہم نے تم پر نعاس وارد کردی۔ نعاس کے عام معنی اونگھ یا نیند کی مقاربت ہیں مگر کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ بدر کے دن لڑائی کے وقت مسلمانوں پر نیند وارد ہوئی تھی۔ البتہ احد کے دن خاتمۂ جنگ پر نیند کا وارد ہونا ایک مشہور واقعہ ہے۔ ہاں ایک صورت ہو سکتی ہے کہ رات کے وقت نیند کا آنا مراد لیا جائے۔ کیونکہ جنگ اگلے دن صبح شروع ہوئی۔ پس یہاں یا تو یہ مراد ہے کہ رات کو میدان جنگ میں تمہیں نیند آگئی اور یہ امن کی نشانی تھی یعنی مسلمانوں کے دلوں میں جو دشمن کا خوف تھا وہ جاتا رہا۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ بارش نعاس سے پہلے آئی تھی (ف) اور یہ اس معنی کا موید ہے مگر رات کی نیند کے لئے نوم کا لفظ زیادہ موزوں تھا اور یا نعاس سے مراد یہاں سکون ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ وہ جو حالت خوف تھی کہ بعض سمجھتے تھے کہ ہم موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ میدان جنگ میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو بدل کر دلوں میں سکون وارد کردیا اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نبی کریم صلعم بہت دعا کرتے کرتے آخر عریش سے باہر تشریف لائے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ لفظ تھے سیھزم الجمع و یولون الدبر یعنی کافروں کی جمعیت بھاگ جائیگی اور پیٹھ پھیر دینگے جو ایک قرآنی پیشگوئی جنگ بدر کے لئے تھی۔ (ف)

ربط

جنگ بدر میں بارش کا ہونا

نوٹ ۱۲۱۱ یربط علیٰ قلوبکم۔ رَبط کے معنی باندھنا ہیں اور دلوں پر ربط سے مراد وہی ہے جو سکینت کے نازل کرنے اور روح القدس سے تائید کرنے سے ہے۔
دوسری نعمت مسلمانوں پر یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مینہ برسا دیا اور اس مینہ سے کئی ایک فوائد حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ جہاں مسلمان اترے تھے وہاں پانی کافی نہ تھا۔ دوسرے مسلمانوں کے اترنے کی جگہ نشیب میں تھی۔ اور ریتلی زمین تھی۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ ۱۲

جب تیرا رب فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو جو ایمان لائے انکو ثابت قدم رکھو میں انکے دلوں میں جو کافر ہوئے

الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝

رعب ڈال دوں گا سو گردنوں کے اوپر مارو اور ان کی پوروں کو کاٹ ڈالو ۱۲۱۲

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ ۱۳

یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہو تو اللہ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝ ۱۴

(بھی) سخت سزا دینے والا ہے ۱۲۱۳ اس (عذاب) کا مزہ تو (ابھی) چکھ لو۔ اور (جان لو) کہ کافروں کیلئے آگ کا عذاب ہے ۱۲۱۴

جس میں پاؤں دھنستا تھا پس بارش سے ایک تو پانی استعمال کیلئے یعنی وضو غسل کیلئے با فراط ہوگیا۔ اور دوسرے زمین سخت ہوگئی اور اس پر قدم جمنے لگا۔ اور تطہیر سے مراد یا تو وضو غسل وغیرہ ہی ہیں اور یا دوسرے گندے خیالات کا دور کرنا شیطان کی ناپاکی دور کرنے سے یا تو ان وساوس کا دور کرنا مراد ہو جو شیطان بعض دلوں میں ڈالتا تھا کہ ایک تو تم پہلے ہی کمزور تھے دوسرے جگہ بھی اچھی نہیں ملی اور یا پیاس کا دور کرنا مراد ہو کیونکہ پیاس کو شیطان الفلاۃ کہا جاتا ہو۔ اور دلوں کی قوت اور قدموں کی مضبوطی

شیطان الفلاۃ

اسکا لازمی نتیجہ ہو۔ قدموں کی مضبوطی صرف یہی نہیں کہ ریتلی زمین پر بارش کی وجہ سے پاؤں جمنے لگا بلکہ یہ کہ دشمن کے مقابلہ پر قدم مضبوط ہوگئے ۔

۱۲۱۲ یہ میدان جنگ کا دوسرا نظارہ ہے پہلا نظارہ وہ ہے جسکا ذکر پہلی آیت میں ہے اور یہاں عین حالت جنگ کا نقشہ کھینچا ہے ملائکہ کا جو کام تھا اس کی تصریح یہاں خود قرآن کریم نے فرما دی ہے۔ اسلئے اختلاف روایات کے اندر صحیح راہ قرآن کریم کے الفاظ کو مد نظر رکھنا ہو۔ ملائکہ کو حکم تھا کہ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھیں اور ملائکہ کا تعلق چونکہ قلوب سے ہوتا ہے اسلئے ان کا ثابت قدم رکھنا اسی طرح پر تھا جیسا کہ زجاج نے بھی لکھا ہو کہ ان کے دلوں میں ایسا القاء کریں جس سے انکا عزم پختہ ہو اور انکی کوشش مضبوط ہو سالقی فی قلوب والا فقرہ الگ ہو جس میں مسلمانوں کو خطاب ہو کہ تم کفار کو مارو یہ ملائکہ کی وحی میں داخل نہیں فوق الاعناق سے مراد بعض نے سر لئے ہیں کہ انکے سر کاٹ دو۔ اور بعض نے فوق بمعنی علی لیا ہو یعنی انکی گردنوں پر تلواریں مارو ۔

فوق الاعناق

بنانۃ

بنان۔ بنانۃ کی جمع ہو۔ انگلیوں کی پوروں کو کہتے ہیں کیونکہ انہی سے ہاتھ کام دیتا ہو اور اسی میں انسان کی ساری قوت مخفی ہو پس مراد یہ ہو کہ جن ہاتھوں سے تم پر تلواریں اٹھاتے ہیں ان ہاتھوں کو کاٹ ڈالو ۔

شق

شقۃ۔ شقاق

۱۲۱۳ شاقوا۔ شق کے معنی شگاف ہیں ثم شققنا الارض شقا (عبس-۲۶) اور شِق کے معنی مشقت ہیں الا بشق الانفس (النحل[16]-۷) اور شُقَّۃ وہ جانب ہے جس تک پہنچنے میں مشقت ہو بعدت علیہم الشقۃ (التوبۃ[9]-۴۲) اور شقاق مخالفت ہو و ان خفتم شقاق بینہما (النساء[4]-۳۵) ومن یشاقق الرسول (النساء-۱۱۵) (غ)

عذاب دنیا عذاب آخرت کیلئے بطور پیش خیمہ ہے

۱۲۱۴ یہاں صاف طور پر اس عذاب دنیا کو عذاب آخرت کیلئے پیش خیمہ بتایا ہو۔ یہ اس لئے کہ دونوں قسم کے عذاب کا ان سے وعدہ کیا تھا ولنذیقنہم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر۔ سو اس پہلے عذاب کا آجانا ثبوت تھا کہ دوسرا وعدہ بھی سچا ہے ۔

۱۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ○

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم ان سے جو کافر ہوئے جنگ کی حالت میں ملو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو ۱۲۱۵

۱۶ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے کہ جنگ کیلئے ایک طرف پھر جائے یا کسی جماعت کے ساتھ پناہ لے

۱۷ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ

تو وہ اللہ کے غضب کا محل ہو گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ۱۲۱۶ پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے

اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ

ان کو قتل کیا اور جب تو نے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا اور تا کہ وہ مومنوں کو اپنی طرف

مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

سے اچھا انعام دے بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۲۱۷

زحف

۱۲۱۵ الزحف۔ اصل میں پاؤں گھسیٹ کر چلنا ہے جس طرح بچہ چلتا ہے اور لشکر کے کوچ پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اس لئے کہ کثرت سامان وغیرہ کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہے (غ)، اسلئے زحف کے معنی جنگ میں دشمن سے مٹھ بھیڑ بھی آئے ہیں جیسے حدیث میں ہے وان فر من الزحف۔

جنگ میں پیٹھ دکھانے کی ممانعت

جنگ کے ذکر میں بتایا ہے کہ مسلمان کا یہ کام نہیں کہ دشمن کو پیٹھ دکھائے استثنا کا ذکر اگلی آیت میں ہے چونکہ مسلمان کیلئے جنگ کے قوانین بھی منجانب اللہ ہیں اسلئے آج تک مسلمان ان احکام پر عامل ہیں۔ ترکوں کے متعلق بالخصوص یہ ایک مشہور امر ہے کہ گولی کا زخم ان کے سینہ پر یا سامنے کی طرف ہوتا ہے پیٹھ پر نہیں۔

حرف۔ تحرف

حوز۔ متحیز

۱۲۱۶ متحرفا حرف سے ہے جسکے معنی کنارہ یا طرف ہیں پس تحرف کنارہ کشی ہے۔

متحیزا حوز اس کا اصل ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جمع ہونا پس متحیزا کے معنی ہیں صائرا الی حیز (غ)۔

جنگ میں دشمن کے سامنے دو حال میں بھاگنا جائز ہے۔ اول اغراض جنگ کیلئے دوسرے حصہ لشکر سے کٹ جائے تو اس کے ساتھ ملنے کے لئے۔

آنحضرت صلعم کی رمی لشکر کفار کی ہزیمت

۱۲۱۷ یہاں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا دوسرے نبی کریم صلعم کا رمی یعنی پھینکنا حنین کے دن نبی کریم صلعم کی رمی مسلم ہے مگر بدر کے دن بھی بعض احادیث میں رمی کا ذکر ہے۔ گو طیبی نے اسکے صحیح احادیث میں ہونے سے انکار کیا ہے اور وہ رمی یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے ایک مٹھی کنکروں کی دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی جو اس کی ہزیمت کا موجب ہو گئی ان دونوں باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اس سبب سے کہ دونوں میں ایک اعجازی رنگ ہے تین سو مسلمان ہزار کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو کس طرح قتل کر سکتے تھے ایک مٹھی کنکروں کی دشمن کو کس طرح بھگا سکتی تھی دونوں میں اللہ تعالیٰ نے اعجازی رنگ پیدا کر دیا۔ اللہ کے قتل اور رمی سے مراد یہی ہے کہ ان میں اعجازی طاقت پیدا کر دی۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ ۱۹

یہ (ابھی لو) اور جان لو کہ اللہ کافروں کی جنگ کو کمزور کردینے والا ہے[۱۲۱۸] اگر تم فیصلہ کے خواہاں ہو تو فیصلہ تو تمہارے پاس آگیا[۱۲۱۹]

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ

اور اگر تم رک جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر جنگ کروگے ہم بھی پھر (سزا) دینگے اور تمہارا جتھا تمہارے کچھ بھی کام

شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۲۰

نہ آئیگا خواہ وہ بہت ہی ہو۔ اور (جان لو) کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے[۱۲۲۰] اے لوگو جو ایمان لائے ہو

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○

اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اس سے مت پھرو درانحالیکہ تم سنتے ہو[۱۲۲۱]

ع — فلاح کی حقیقی راہیں اور مسلمانوں کو تنبیہ

جنگوں کے متعلق پیشگوئی

۱۲۱۸ ذٰلک میں اشارہ موجودہ جنگ کے نتائج کی طرف ہے وان اللہ موھن کید الکافرین میں یہ بتایا کہ اب انکی جنگ جاری تو رہیگی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو کمزور کردیگا یعنی آہستہ آہستہ یہ خود رک جائینگے ۔

کفار کی دعائے مباہلہ بدر سے پہلے

۱۲۱۹ کفار جب مکہ سے چلے تو استار کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی اللّٰھم انصر اعلی الجندین واھدی الفئتین واکرم الحزبین اے اللہ دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ لشکر کو اور دونوں جماعتوں میں سے زیادہ ہدایت والی جماعت کو اور دونوں گروہوں میں سے زیادہ معزز گروہ کو مدد دے بعض روایتوں میں ہے کہ ابوجہل نے میدان جنگ میں یہ دعا کی تھی کہ جو ہم دونوں فریق میں سے فساد اور قطع رحمی کا مرتکب ہے اس کو ہلاک کردے۔ انہی دعاؤں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ہے کہ تمہاری اپنی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ دیدیا۔ اب اس فیصلہ کو تو قبول کرلو ۔

کفار کی بڑی بڑی ناکامی کی پیشگوئی

۱۲۲۰ کفار کو نصیحت کی ہے کہ جنگ سے رک جاؤ تو اسی میں تمہارا فائدہ ہے اور پھر جنگ کروگے تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ اور سزا بھگتو گے۔ اور یہ بھی پیشگوئی کھلے الفاظ میں کردی کہ کتنے بڑے بڑے لشکر لیکر آؤ کامیاب نہ ہوگے۔ ان حالات میں جب مسلمانوں کی جمعیت ابھی تین چار سو ہے کل عرب کو مخاطب کرکے یہ کہنا الٰہی طاقت کا جلوہ ہے۔ ان الفاظ کی صداقت روز روشن کی طرح چمکی جس سے کوئی دشمن بھی انکار نہیں کرسکتا ۔

مسلمانوں کی حقیقی فلاح کی راہ

۱۲۲۱ پچھلے رکوع کے آخر میں کفار کو صاف کہکر کہ تمہارے بڑے بڑے جتھے اسلام کو نیست ونابود نہ کرسکینگے بلکہ جنگوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو سزا ملے گی اور مسلمانوں کو بتا کر کہ اللہ انکے ساتھ ہے یعنی وہ کامیاب اور غالب ہونگے اس رکوع میں خود مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے اور انکو بتاتا ہے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ بس حکومت اور بادشاہت کا مل جانا اور دشمنوں کا ناکام ہوجانا ہی فلاح ہے بلکہ تمہاری حقیقی فلاح اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی میں ہے۔ ہماری موجودہ حالت کیلئے ہدایت ہے ۔

لا تولوا عنه ۔ یہاں ضمیر اس امر کی طرف ہے جس پر فعل اطاعت دلالت کرتا ہے یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو۔ درحقیقت ظاہر میں تو صرف رسول کی ہی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغام بھی وہی پہنچاتا ہے اسلئے اگر ضمیر صرف رسول کی طرف ہو تو بھی ہرج نہیں یا چونکہ دوسرے رنگ میں رسول کی اطاعت بھی آخر اللہ کی اطاعت ہی ہے اسلئے اللہ کی طرف ضمیر لی جائے تو بھی ہرج نہیں ۔

۲۱ ۲۲ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ

اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا ہم سنتے ہیں اور وہ قبول نہیں کرتے بیشک اللہ کے نزدیک سب

۲۳ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا

جانداروں سے بدتر وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱۲۲۲ اور اگر اللہ ان میں بھلائی جانتا

۲۴ لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

تو انکو سنوا دیتا اور اگر ان کو سنواتا تو وہ پھر جاتے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ۱۲۲۳ اے لوگو جو ایمان لائے ہو

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تم کو اس کے لئے بلاتا ہے جو تمہیں زندگی دیتا ہے ۱۲۲۴ اور جان لو کہ اللہ

يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے اور کہ تم اس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے ۱۲۲۵

عقل اور مذہب

۱۲۲۲ یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی اصطلاح میں بہرے اور گونگے وہ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ بعض پیشوایانِ دین علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ عقل کو مذہب میں کیا دخل ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو انسان ہو کر عقل سے کام نہ لے وہ چارپایوں بلکہ کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر ہے۔ اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ انکو اللہ تعالیٰ نے عقل نہیں دی ہے۔ اسلئے انسان جس کو وہ نعمت ملی ہے جب اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو ان سے بدتر ہوا۔

حالت عناد

۱۲۲۳ وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ خیر سے خالی ہیں سُننے سے فائدہ تب ہوتا ہے جب انسان اس پر غور کرے یعنی عقل سے کام لے مگر وہ چونکہ غور نہیں کرتے اسلئے انکا سننا نہ سننا برابر ہے۔ یہ انکی حالتِ واقعی کا اظہار ہے۔ اسکے بعد انکی حالت عناد کا ذکر کیا کہ انہوں نے نہ صرف اپنے آپکو خیر و خوبی سے ہی محروم کر دیا ہے بلکہ حق کی عداوت میں یہانتک ترقی کر گئے ہیں کہ اگر کلمۂ حق ان کے کان میں ڈالا بھی جائے تو بوجہ عناد کے منہ پھیر لینگے۔ غور کرنا تو ایک طرف رہا وہ اعراض کرتے ہیں یعنی کچھ کی کچھ باتیں بناتے ہیں۔

مسلمانوں کی زندگی

۱۲۲۴ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کا نتیجہ بتایا ہے کہ وہ تمہاری زندگی کا موجب ہے۔ آج مسلمان قوم جس موت کے نیچے ہے یہی اس کا علاج یہاں بتایا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو کوئی حکم نہیں ملا جس کی انہوں نے فرمانبرداری نہ کی ہو اور اسی لئے وہ ایک زندہ قوم تھے۔ مگر آج اسلام کا دعویٰ کرنیوالے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری سے باہر نکلے ہوتے ہیں انہی کو یہ زندگی کا پیغام دیا ہے۔ کیا مسلمان اسپر توجہ کرینگے؟ انکی زندگی حکومت و بادشاہت سے نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری سے ہے حکومت و بادشاہت تو محض غلام ہیں۔

آنحضرت کا مردے زندہ کرنا

یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول جو مردوں کو زندہ کرتا ہے اس سے مراد احیائے روحانی ہی ہوا کرتا ہے پس اگر حضرت عیسیٰ نے مردے زندہ کئے تو ہمارے نبی کریم صلعم نے اس سے لاکھوں درجہ بڑھکر مردے زندہ کئے۔

حَوَل

۱۲۲۵ یحول حَوْل کے معنی ایک چیز کا تغیر اور اس کا دوسرے سے الگ ہو جانا ہیں۔ اور حال کا صلہ جب بَیْنَ ہو تو مراد ان دونوں کے درمیان آ جانا ہوتا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا ۲۵

اور اس (عظیم الشان) فتنہ سے بچا کرو جو خاص کر ان لوگوں کو ہی نہ پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ ۲۶

کہ اللہ بڑی سزا دینے میں سخت ہے [۱۲۲۶] اور یاد کرو جب تم تھوڑے زمین میں

فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

کمزور تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو زبردستی پکڑ لے جائیں سو اس نے تم کو پناہ دی اور اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری تائید کی

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۲۷

اور تم کو اچھی چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم شکر کرو [۱۲۲۷] اے لوگو جو ایمان لائے ہو

اللہ کے انسان اور اسکے قلب میں حائل ہونے سے مراد

اللہ تعالیٰ کے انسان اور اسکے قلب کے درمیان حائل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس سے سب سے زیادہ قریب ہے، یہانتک کہ قلب انسان اور انسان جن میں کوئی فرق نہیں ان دونوں کے درمیان میں بھی اللہ تعالیٰ حائل ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق ۵۰-۱۶) یعنی ہم انسان کی رگ حیات سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ حالانکہ رگ حیات سے ہی انسان کی زندگی ہے اور اللہ کے قریب ہونے کی طرف اسلئے توجہ دلائی کہ پھر اسکو چھوڑ کر دوسری طرف کیوں جاتا ہے۔ یا یہ فرمانبرداری میں جلدی کرنے کیلئے ترغیب ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مہلت جو انسان کو دی گئی ہے انسان کے ہاتھ سے نکل جائے اور یہ بھی صحیح ہے کہ قلب انسانی اللہ تعالےٰ کے تصرف میں ہے اسلئے عزائم بعض وقت رکھے کے رکھے رہ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی کسی مصلحت سے ان کو فسخ کر دیتا ہے اسلئے انسان کو جب نیکی کا موقعہ ملے اس سے فوراً فائدہ اٹھائے ایسا نہ ہو کہ نیکی کو ترک کرتے کرتے اسکے قلب کی حالت یہانتک پہنچ جائے کہ پھر وہ نیک تحریک ہی اسکے اندر نہ ہو۔ اور یا مراد یہ ہے کہ تم اگر فرمانبرداری کرو تو تمہارے ضعف کو اللہ تعالیٰ قوت سے بدل دیگا اور بزدلی کی جگہ تم میں ہمت پیدا کر دیگا اور خوف کی جگہ امن دیدیگا ◆

مسلمانوں کو عظیم الشان فتنے سے تنبیہ

۱۲۲۶ فتنۃ سے مراد دکھ یا عذاب ہے۔ اور تنوین اس کی عظمت کیلئے ہے جیسا کہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے اس میں مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ بعض وقت جب ایک قوم میں کثرت سے لوگ مستحق عذاب ہو جاتے ہیں تو پھر وہ دکھ ساری قوم کو ہی پہنچکر رہتا ہے یعنی ظالموں کے ساتھ اچھے بھی پھر اس لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ حدیثوں میں مسلمانوں پر آخری زمانہ میں اسی قسم کے فتنوں کے آنے کا ذکر آتا ہے جو ساری مسلمان دنیا میں عام ہو جائینگے۔ اور کوئی شخص انکو روک نہ سکے گا اور ایک طرف سے اسکو روکنے کی کوشش کیجائیگی تو دوسری طرف سے نمودار ہو جائیگا ◆

خطف۔ اختطاف

۱۲۲۷ یتخطفکم خَطف اور اِختطاف کے معنی ہیں تیزی سے کسی چیز کا لے لینا یکاد البرق یخطف ابصارھم (البقرۃ ۲-۲۰)، الا من خطف الخطفۃ (والصّٰفّٰت ۳۷-۱۰) اور یتخطف الناس من حولھم (العنکبوت ۲۹-۶۷) میں معنی کئے ہیں لوگ قتل کئے جاتے ہیں اور گرفتار کئے جاتے ہیں (غ)، یہی معنی یہاں ہیں ◆

اَوٰی۔ اٰوٰی

اَوٰی۔ اَوٰی کے معنی ایک چیز کے ساتھ مل گیا یعنی اس کی پناہ لی اور اٰوٰی کے معنی اسے پناہ دی اور اَوٰی کے معنی رجوع یعنی لوٹ آنا بھی آتے ہیں اذ اوی الفتیۃ الی الکھف (الکھف ۱۸-۱۰)، اٰوٰی الیہ اخاہ (یوسف ۱۲-۶۹)، وتُؤْوِیْٓ الیک من تشآء

۲۸ لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ وَاعْلَمُوٓا

اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درانحالیکہ تم جانتے ہو[۱۲۲۸] اور جان لو

اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمایش ہے اور کہ اللہ کے ہاں بھاری اجر ہے[۱۲۲۹]

(الاحزاب[۳۳]-۱۰) اور اسی سے مَاْوٰی ہے جو مصدر بھی ہو سکتا ہے جیسے جنۃ الماوٰی (النجم[۵۳]-۱۵) اور اسم مکان بھی جیسے ماوٰھم جہنم (بنی اسرائیل[۱۷]-۹۷) (غ)۔

ماوٰی

ایک خوشخبری

ساتھ ہی اس فتنہ عظیم میں ایک خوشخبری بھی دی ہے۔ کہ اگر تم اُس وقت کمزور ہو گے تو پھر اُس وقت کو بھی یاد کرو جب تم تھوڑے بھی تھے اور کمزور بھی یعنی اسلام کی ابتدائی حالت۔ اور اس وقت تو تمہاری حیثیت اسی قدر تھی کہ لوگ اگر زبردستی تم کو پکڑ کر ہلاک کر دیتے تو تمہارے بس کی بات نہ تھی پس اگر اس وقت بھی تم کو اللہ تعالیٰ نے مصائب سے پناہ دی اور اپنی نصرتوں سے تم کو مضبوط کر دیا تو اب ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہو کر تم کیوں مایوس ہوتے ہو؟

اللہ اور رسول کی خیانت سے مراد اور قومی ترقی کا راز

۱۲۲۸ اللہ اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری کا اقرار کر کے۔ مسلمان کہلا کر۔ پھر ان کی فرمانبرداری نہ کریں خیانت نقض عہد کا نام ہے دیکھو [۱۲۶] یا یہ کہ وہ کام کریں جس سے دین اسلام کو اور قوم مسلمان کو نقصان پہنچتا ہو کیونکہ دین ایک امانت تھی جو ان کے سپرد کی گئی تھی۔ مسلمانوں میں یہ خیانت ہی آجکل ان کی بڑی تباہی کا موجب ہو رہی ہے قومی اور دینی اغراض کو اپنی ذاتی اغراض پر قربان کر دیتے ہیں۔ چند پیسوں کے لئے قوم کو اور دین کو نقصان پہنچانے کے کام کر لیتے ہیں۔ ایک ادنیٰ خواہش کے سامنے اپنے اعلیٰ فرائض کو برباد کر دیتے ہیں۔ ایمان فروشی اور قوم فروشی ان کا عام شیوہ ہو گیا ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں اسی سے تباہ ہوئیں کہ ایک شخص نے چند پیسے اپنی جیب میں ڈالنے کے لالچ سے اغراض قومی کو دوسری قوموں کے ہاتھ بیچ دیا۔ ہندوستان میں سلطنت کھو کر اب بھی یہی عام شیوہ ہے کہ ایک خان بہادری یا چند گز زمین کے لئے قومی مفاد اور دینی مصالح کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ گویا اس حصہ آیت میں اغراض قومی اور اغراض دینی کو مقدم کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ قومی ترقی کا راز ہے۔ اپنی امانتوں کی خیانت یہ ہے کہ جو قوٰی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیئے ہیں ان کو اپنے محل اور موقع پر کام میں نہ لائے اور خداداد طاقتوں کو بیکار کر دے۔ یہ انسانی یعنی افراد قومی کی ترقی کا راز ہے۔ جب تک مسلمان اندرونی اصلاح سے کام کو شروع نہ کریں گے ان کی سوراج اور حکومت حاصل کرنے کی خواہشات کا حشر بھی ناکامی کے رنگ میں ہو گا۔ اصل بیماری جبتک دور نہ ہو بادشاہت سے کیا ملیگا۔

اغراض قومی و دینی کی اہمیت کو نہ سمجھنے کا خطرہ۔

۱۲۲۹ مال اور اولاد مسلمانوں کے لئے فتنہ ہو گئے ہیں اسلئے کہ انہوں نے اسی کو غرض زندگی سمجھ لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہی فرض ہے کہ اپنے لئے کچھ مال کما لیں یا جمع کر لیں۔ اور اپنی اولاد کا کچھ فکر کر لیں۔ اور اغراض قومی اور اغراض دینی کی اہمیت کو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اس لئے سزا بھی اسی مال اور اولاد پر ہی آ کر پڑی یعنی قوموں میں مفلس قوم رہ گئے اور اولاد دوسروں کی محکوم ہو گئی۔ وہ مال جس کو غرض زندگی سمجھا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اور وہ اولاد بھی ذلیل ہوئی جس کو مدنظر رکھکر فرائض اعلیٰ کو ترک کر دیا تھا۔

ع ۳ / ۱۸

کفار مغلوب کئے جائینگے اور مسلمان غالب کئے متولی ہوں گے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ۲۹

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کا تقویٰ کرو تو وہ تمہارے لئے حق و باطل میں فرق کرنیوالا نشان بنادیگا ۱۲۲۹ اور تمہاری برائیاں تم سے

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۳۰

دور کردے گا اور تمہاری حفاظت کریگا اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے ۱۲۲۹ اور جب وہ جو کافر ہوئے تیرے متعلق تدبیریں کرتے تھے۔

لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ

تاکہ تجھے قید کردیں یا تجھے قتل کردیں یا تجھے نکال دیں اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ بہترین

الْمٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ ۳۱

تدبیر کرنیوالوں کا ہے ۱۲۲۹ اب اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

تو اس کی مثل کہہ لیں یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں ہیں

اندرونی فرقان

۱۲۲۹ ک ایک فرقان ظاہری تو وہ تھا جو جنگ بدر کے ذریعہ سے مسلمانوں کو عطا ہوا۔ یہاں اس دوسرے فرقان کا ذکر ہے جو اندرونی طور پر مومن کو عطا ہوتا ہے یعنی اس کے اندر ایک ایسا نور پیدا کردیا جاتا ہے جس سے اسے دوسروں سے ایک امتیاز مل جاتا ہے ظاہری فرقان یا فتوحات تب ہی مفید ہوسکتی ہیں جب اصلی فرقان یعنی اندرونی نور پیدا ہو۔

ثبات
اثبات

۱۲۲۹ ل یثبتوک۔ ثبات زوال کی ضد ہے۔ اور ثابت بصر سے بھی ہوتا ہے اور بصیرۃ سے بھی اور بصیرۃ کے لحاظ سے ہی کہا جاتا ہے کہ فلاں امر ثابت ہے اور یثبتوک کے معنی ہیں تجھے قید کردیں اور حیران کردیں (غ)، گویا اثبتہ کے معنی ہیں اسے ایک مکان میں قایم کردیا جس سے وہ علیحدہ نہ ہوسکے اور اس حالت پر بھی اثبت بولا جاتا ہے جب بیماری یا زخم سے ایک شخص حرکت کے قابل نہ رہے (ل)، پس یثبتوک کے معنی دونوں طرح ہوسکتے ہیں قید کردیں یا ایسا زخمی کردیں کہ حرکت کے قابل نہ رہے مگر پہلے معنی قابل ترجیح ہیں اسلئے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ان میں سے بعض نے کہا اثبتوہ بالوثاق (ل)۔

دار الندوہ میں آنحضرت کے خلاف مشورہ

اس میں مسلمانوں کی تکلیفوں کا وہ نقشہ کھینچا ہے جب خود رسول اللہ صلعم کو بھی کہیں امن نہ ملتا تھا اور دار الندوہ میں اکٹھے ہوکر کفار نے مختلف تجویزیں آپ کے متعلق کیں۔ یہ کہ آپ کو قید کردیا جائے یا قتل کردیا جائے یا نکال دیا جائے۔ باقی تجویزیں رد ہوکر آخر اس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ آپ کو قتل کیا جائے۔ اسکے بالمقابل فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے بھی تمہارے بچانے کے لئے ایک تدبیر کی اور وہی تدبیر کارگر ہوئی۔ ایک طرف سارے اہل مکہ کی متفقہ تدبیر دوسری طرف ایک اکیلے انسان کو بغیر سرو سامان کے انکے اندر سے نکال کر اور انہی کے گھر کے پاس رکھکر بچایا جاتا ہے۔

خیر الماکرین

خیر الماکرین۔ مکر کے معنی مخفی تدبیر اچھی ہو یا بری ۱۲۳۳ میں بیان ہوچکے ہیں۔ یہاں صرف اس قدر ظاہر کردینا ضروری ہے کہ لفظ خیر کا ماکر کے ساتھ آنا خود بتاتا ہے کہ ماکر میں بجائے خود کوئی شر یا برائی نہیں کیونکہ بری چیز پر خیر کا لفظ بولا ہی نہیں جاسکتا۔

۳۲ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر

۳۳ حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

برسا یا ہم پر دردناک عذاب بھیج ۱۲۲۹ج اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان کو عذاب دیتا

۳۴ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ

حالانکہ تو ان میں تھا اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہ تھا حالانکہ وہ استغفار کرتے تھے ۱۲۲۹د اور ان کو کیا عذر ہے

اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ

کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس کے ولی (رہنے کے قابل) نہیں

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اس کے ولی سوائے متقیوں کے اور کوئی نہیں ہو سکتے لیکن ان میں سے بہت نہیں جانتے ۱۲۲۹ھ

کفار کا عذاب مانگنا

۱۲۲۹ج جب ان سے پہلوں کا ذکر کیا جاتا جسے وہ کہانیاں قرار دیتے ہیں اور ان کی مخالفت حق کا انجام بتایا جاتا تو پھر یہ کہتے کہ اگر محمد رسول اللہ صلعم حق پر ہیں تو ہم پر ایسا ہی عذاب کیوں نہیں آتا۔ بدر میں بھی ان کا اس قسم کی دعا کرنا ثابت ہے دیکھو ۱۲۱۹۔

کفار پر تاخیر عذاب کی وجہ

۱۲۲۹د۔ بتایا ہے کہ عذاب تو تم پر آنا ہی تھا۔ مگر اس وقت کس طرح آتا جب محمد رسول اللہ صلعم ابھی تمہارے درمیان موجود تھے۔ سنت اللہ عذاب کے متعلق یہی ہے کہ جب نبی قوم سے الگ ہو جاتا ہے تب عذاب آتا ہے پس اہل مکہ پر عذاب ضروری تھا کہ ہجرت نبی کریم صلعم کے بعد آتا۔ دوسری وجہ یہ دی ہے کہ ابھی وہ استغفار کرتے تھے یعنی گو بظاہر عناد کی حالت میں عذاب تک مانگ لیتے تھے مگر پھر پچھتاتے تھے اور گھروں میں جا کر استغفار بھی کرتے تھے لیکن جب آخر مقابلہ پر نکل کھڑے ہوئے اور تلوار ہاتھ میں لے لی کہ مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کر دیں تو وہ حالت استغفار پھر باقی نہ رہی۔ اور یا ھم یستغفرون میں اشارہ مسلمانوں کے استغفار کی طرف ہے کہ جب ان میں ایک قوم استغفار کرنے والی تھی تو عذاب ان پر کس طرح آتا۔

مسلمانوں کے خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی پیشگوئی

۱۲۲۹ھ یعنی عذاب کا آنا تو اس لئے ضرور ہے کہ وہ حق کی مخالفت کو ترک نہیں کرتے اور مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ حالانکہ بوجہ اپنے مشرک ہونے کے وہ ولایۃ مسجد حرام کے مستحق بھی نہیں کیونکہ مسجد تو توحید کا گھر ہے اور وہی لوگ اب اس کے اولیاء قرار پائینگے جو مذہب توحید رکھتے ہیں یعنی اہل اسلام متقیوں سے مراد یہاں شرک سے بچنے والے لوگ ہیں بمقابلہ ان مشرکوں کے جن کا ذکر ہے اور یہی ادنیٰ مرتبہ اتقا بھی ہے اس میں یہ پیشگوئی بھی ہے کہ اہل اسلام ہی آئندہ خانہ کعبہ کے متولی رہینگے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا ۳۵

اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے اور تالی پیٹنے کے اور کچھ نہیں سو عذاب چکھو اسلئے

كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ ۳۶

کہ تم کفر کرتے تھے ۔ ۱۲۲۹ب وہ جو کافر ہیں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے

اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ

روکیں سو انکو خرچ کرتے رہینگے پھر وہ انکے لئے حسرت کا موجب ہونگے پھر وہ مغلوب کئے جائینگے اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف اکٹھے کئے جائینگے

[مکا] ۱۲۲۹ الف - مکاء - مکا پرند کی آواز نکالنے پر بولا جاتا ہے (غ) اور سیٹی بجانے پر بھی (ل)

[صدای تصدیۃ] تصدیۃ - صدای وہ آواز ہے جو صاف مکان سے لگ کر واپس آتی ہے یعنی گونج اور تصدیۃ وہ آواز ہے جو اس کے قائم مقام ہے یعنی جس میں کچھ فائدہ نہ ہو (غ) +

[مشرکین عرب کی عبادت کا رنگ] ابن عباس سے روایت ہے کہ مشرک حج کے وقت ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ یا اشارہ انکے ان افعال کی طرف ہے جو نبی کریم صلعم کو عبادت سے روکنے کیلئے کرتے تھے۔ گویا ان کی عبادت اب اسی قدر رہ گئی ہے کہ سیٹی اور تالیاں بجا کر دوسروں کی عبادت میں مخل ہوں۔ راغب کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان کی نماز یا دعا میں حقیقت کچھ نہیں ایسی ہے جیسے سیٹی یا تالی یعنی بمعنی حرکت یا آواز +

[ابن حضرمی کا قتل] ۱۲۲۹ ب - یہاں بتایا ہے کہ مسلمانوں سے انکو عداوت اور کسی وجہ سے نہیں بلکہ محض اسلئے کہ وہ مسلمانوں کے دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں جنگ بدر میں بھی اگرچہ عام لوگوں کو اس بنا پر اکسایا گیا تھا کہ ابن حضرمی کو مسلمانوں نے قتل کردیا ہے مگر اصل کینہ یہی تھا کہ مسلمان ترقی کرتے جاتے ہیں ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائیں تو پھر ان کا تباہ کرنا مشکل ہو جائے۔ اور ابن حضرمی کا قتل محض ایک بہانہ بنایا گیا تھا۔ ابن حضرمی کے قتل کا واقعہ اتفاقی تھا۔ اور وہ اس طرح پر تھا کہ آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن جحش کی سرداری میں کچھ آدمی قریش کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجے تھے۔ غرض یہ تھی کہ ان کی تیاری جنگ کا حال معلوم رہے اور تحریری پروانہ میں صرف اسی قدر ہدایت تھی کہ نخلہ تک جاؤ اور قریش کی خبر لاؤ ان لوگوں نے غلطی سے ابن حضرمی کو جو اس وقت ایک قافلہ کو لئے ہوئے طائف سے آرہا تھا قتل کر دیا ایسے اتفاقی قتلوں میں عرب میں دستور دیت کا تھا مگر ابوجہل نے اسے بہانہ بنا کر مدینہ پر چڑھائی کی۔ سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے اس لشکر کیلئے تیار کئے جس پر بہت سا مال خرچ ہوا +

[جنگ بدر کے بعد اور لڑائیاں اور ان میں کفار کی مغلوبیت کی پیشگوئی] مگر علاوہ اس کے یہاں آیندہ کے لئے بھی پیشگوئی ہے کہ ابھی یعنی جنگ بدر کے بعد اور بھی مال اسلام کی مخالفت پر خرچ کرینگے مگر چونکہ ناکام رہینگے اسلئے یہ خرچ ان کے لئے موجب حسرت رہے گا اور صرف مسلمانوں پر چڑھائی میں ہی ناکام نہ رہینگے بلکہ آخر کار مسلمانوں سے مغلوب بھی ہو جائینگے۔ جنگ بدر کے بعد بھی ایسی صریح پیشگوئی قیاس انسانی سے بالکل بالاتر تھی اسلئے کہ ان کی طاقت ابھی اسی طرح باقی تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین چار سو سے زائد نہ تھی جو میدان جنگ میں لائی جاسکتی +

۳۷ لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا

تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھتا چلاجائے پھر سب کو ایک ڈھیر بنادے

۳۸ فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ

ع ۵ — اجتماع بید مصلحت الٰہی کے ہوا۔

پھر اس کو جہنم میں ڈالدے وہی نقصان اٹھانیوالے ہیں ف۱۲۲۹ ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہدو اگر وہ رک جائیں تو جو کچھ ہو چکا

۳۹ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى

ان کو معاف کردیا جائے گا۔ اور اگر وہی کام پھر کریں تو پہلوں کا معاملہ گذر ہی چکا ہے ف۱۲۲۹ط اور ان کے ساتھ جنگ کرو یہانتک

لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ

کہ دین کیلئے دکھ دینا نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ کے لئے ہو۔ پھر اگر وہ رک جائیں تو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے جو وہ

۴۰ بَصِيرٌ ۝ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

کرتے ہیں ف۱۲۳۰ اور اگر پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولےٰ ہے کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے

خبیث، طیب

ف۱۲۲۹ح ۔ الخبیث ۔ الطیب ۔ خبیث اور طیب کے معنی کے لئے دیکھو ف۳۴۳ و ف۵۲۔ اور الخبیث اور الطیب سے برے اور اچھے عمل بھی مراد ہو سکتے ہیں اور برے اور اچھے نفوس بھی یا کافر و مومن (غ)۔ اور انسانوں میں طیب وہ ہے جو جہل اور فسق اور برے اعمال سے پاک ہو اور علم اور ایمان اور اچھے اعمال کے ذریعہ سے آراستہ ہو (غ) +

رکم ۔ رُکام

یرکمہ ۔ رَکَم کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسرے کے اوپر رکھکر جمع کرتا چلا گیا سحاب مرکوم (الطور۵۲ ۔ ۴۴) اور رُکام وہ ہے جو ایک دوسرے پر رکھکر جمع کیا جائے ثم یجعلہ رکاما (النور۲۴ ۔ ۴۳) +

یہاں انکے مغلوب ہونے کا نتیجہ بتایا یعنی تاکہ پاک اور ناپاک الگ الگ ہو جائیں خبیث اور طیب انسانوں پر بھی بولے جا سکتے ہیں اور مال وغیرہ پر بھی۔ اگر انسان مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس مغلوبیت پر کافروں اور مسلمانوں میں ایک کھلا کھلا امتیاز قائم ہو جائیگا اور ائمۃ الکفر یکے بعد دیگرے جہنم میں پہنچ جائینگے یا انکے لشکر یکے بعد دیگرے آتے رہینگے مگر نتیجہ سب کا ناکامی ہوگا یہی انکا جہنم ہے اور اموال مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کے خرچ کئے ہوئے مال میں تمیز ہو جائیگی ایک کا مال خرچ کیا ہوا کامیابی کا موجب ہوگا دوسرے کا ناکامی کا موجب۔ آیت کے آخری الفاظ پہلی صورت کو مرجح ٹھہراتے ہیں +

ف۱۲۲۹ط اس رکوع میں یہ دکھایا ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کا دشمن کے مقابلہ میں نکلنا محض مصلحت الٰہی سے عمل میں آیا ورنہ اگر کفار کی طاقت کا اندازہ انکو ہوتا تو وہ جرأت نہ کرتے۔ اور ایسا اسلئے ہوا کہ تا اللہ تعالیٰ ایک کھلا ثبوت حقانیت اسلام کا دے اور حق و باطل میں کھلا کھلا فیصلہ کر دکھائے +

سنت الاولین

سنت کے معنی طریق ہیں۔ سنت الاولین سے مراد وہ طریق ہے جو پہلے سرکش لوگوں کے ساتھ اللہ نے برتا یعنی مراد پہلوں کا قائم کردہ طریق نہیں بلکہ وہ طریق ہے جو اللہ تعالیٰ نے انکے خلاف قائم کیا یعنی جس طرح انکو سرکشی کی سزا دی اسی طرح تمہیں بھی دیگا +

یکون الدین کلہ للہ سے مراد

ف۱۲۳۰ اس پر مفصل بحث ف۲۶۷ میں گزر چکی ہے۔ ہاں یہاں الفاظ الدین کلہ قابل غور ہیں جن کے معنی ہیں سب دین جیسے

الجزء العاشر

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ۴۱

اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم (دشمن سے) حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کیلئے ہو اور (وہ) رسول کیلئے اور قریبیوں کیلئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہی ۱۲۳۱ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو

لیظهره علی الدین کله میں الدین کله سے مراد سب دین ہیں۔ سب دینوں کا اللہ کے لئے ہونا یہی ہو کہ جو دین کوئی چاہے اختیار کرے کسی ایک دین پر مجبور نہ کیا جائے۔ یہ عین اس کے مطابق ہو جہاں دوسری جگہ اسلامی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم ایسی اجازت نہ دیتے تو گرجے اور راہبوں کی کوٹھڑیاں اور دوسرے مذاہب کے عبادتخانے سب تباہ ہو جاتے گویا وہاں بھی سب مذاہب کی حفاظت اسلامی جنگوں کی غرض بتائی ہو اور یہاں بھی۔

غنم — ۱۲۳۱ اغنمتم۔ غنم کے اصل معنی الفوز بالشیء ہیں یعنی کسی چیز کا حاصل کرنا۔ راغبؒ نے لکھا ہو کہ غُنْم اصل میں غنم یعنی بکریوں کا حاصل کرنا ہو جو بذریعہ فتح ہو۔ پھر ہر ایک چیز پر جو فتح کرکے دشمنوں سے حاصل کی جائے یہ لفظ بولا گیا ہو اس کے معنی لوٹ صحیح نہیں۔

تقسیم غنیمت — مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہو۔ اللہ کے لئے ہونے سے مراد یہی ہو کہ وہ فی سبیل اللہ خرچ ہو یعنی بیت المال میں داخل ہو کر مسلمانوں کی ضروریات عامہ پر خرچ ہو اور باقی سپاہیوں وغیرہ میں تقسیم ہو یا ان کی تنخواہوں وغیرہ کے کام آئے۔ پھر ان ضروریات عامہ کی تفصیل کردی یعنی رسول اور قریبی اور یتیم اور مسکین اور مسافر کہا گیا ہو کہ ان میں برابر پانچ حصوں میں تقسیم ہو مگر یہ صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ کا مذہب یہی ہو کہ اس خمس کے برابر پانچ حصے کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ امام اپنی رائے کے مطابق ان اغراض پر جس طرح چاہے صرف کرے خود رسول اللہ صلعم بقدر

آنحضرت کا گزارہ — کفایت لیکر باقی سب ضروریات عامہ مسلمین پر خرچ کردیتے تھے۔ جناب پیغمبر خدا کس قدر لیتے تھے یہ اس سے ظاہر ہے کہ خیبر کو فتح کرکے جب آپ واپس ہوئے اور حضرت صفیہ سے نکاح کیا تو آپ کی دعوت ولیمہ پر یہی ستو اور کھجوریں وغیرہ تھیں جو لوگ اپنے اپنے گھروں سے لائے تھے۔ اور اس زمانہ میں جب آپ ملک عرب کے بادشاہ تھے آپکے گھر کا سامان ایک کھجور کی چٹائی اور ایک پانی کی مشکیا تھی۔ اور بیبیوں نے جب کچھ اپنی آسودگی کیلئے مال مانگا تو حکم ہوا اگر مال دنیا چاہتی ہو تو آؤ تمہیں رخصت کردوں اور جب آپکی صاحبزادی حضرت فاطمہ نے خادمہ مانگی کہ چکی پیسنے سے تکلیف ہوتی ہو تو فرمایا کہ نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ آپکے گھر میں مہینوں اس طرح گزر جاتے تھے کہ آگ نہ جلتی تھی اور صرف کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے۔ اور اسی خمس کے متعلق ایک حدیث میں آپکے یہ لفظ آتے ہیں مالی الا الخمس والخمس مردود فیکم یعنی پانچواں حصہ جو میرے لئے ہو وہ بھی تمہارے اندر ہی واپس کیا گیا ہو۔

ذوی القربیٰ سے مراد — ذوی القربیٰ سے مراد نبی کریم صلعم کے ذوی القربیٰ ہی لئے گئے ہیں مگر اس سے مراد بھی یہ نہیں کہ انکے اغنیا کو دیا جائے بلکہ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا وہ حق صرف اس قدر تھا کہ ان میں سے جو غربا ہوں انکو دیا جائے اور انکی بیوہ کا نکاح کردیا جائے اور کسی کو جسکے پاس خدمتگار نہ ہو خادم دیدیا جائے اور انکے خاص ذکر کی وجہ یہ ہو کہ بیت المال میں جو صدقات آتے تھے وہ انپر حرام کئے گئے تھے۔ اور صرف اسی مال میں سے انکو دینا جائز تھا بلکہ یہاں ذوی القربیٰ سے مراد قرب نصرت لیا گیا ہے نہ قرب قرابت یعنی انکو دینا انکی نصرت کیوجہ سے تھا جو وہ دین کی نصرت کرتے تھے نہ انکی قرابت کی خاطر۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اور اس (دین) پر، جو ہم نے اپنے بندہ پر حق و باطل میں فرق کرنے کے دن اتارا جس دن دو گروہوں میں مٹھ بھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲۳۲

۴۲ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ بِالْعُدْوَۃِ الْقُصْوٰی وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ ؕ وَلَوْ

جب تم قریب کے کنارہ وادی پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر اور قافلہ تم سے نیچے تھا اور اگر تم (دونوں گروہ)

تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰکِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ۬ۙ لِّیَھْلِکَ

آپس میں قرارداد کرتے تو تم میعاد میں اختلاف کرتے لیکن (ایسا ہوا) تاکہ اللہ ایک امر کا فیصلہ کردے جو ہو کر رہنا تھا۔ تاکہ جو ہلاک ہوتا ہے

مَنْ ھَلَکَ عَنْۢ بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

وہ کھلی دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ ہوتا ہے وہ کھلی دلیل سے زندہ ہو۔ اور اللہ یقیناً سننے والا اور جاننے والا ہے ۱۲۳۳

یوم الفرقان

۱۲۳۲ یوم الفرقان۔ یوم بدر ہی ہے۔ کیونکہ حق و باطل میں فرق کر دیا جیسا کہ حضرت مجاہد و دیگر مفسرین سے مروی ہے اور جیسا کہ یوم التقی الجمعٰن سے بھی ظاہر ہے۔ اسدن کیا اُتارا تھا۔ وہ ساری باتیں جو حق و باطل میں فرق کا موجب ہوئیں یعنی نشانات الٰہی۔ نصرت الٰہی۔ فرشتے وغیرہ +

عُدوۃ

۱۲۳۳ العدوۃ۔ عدو بمعنی تجاوز سے ہے اور عدوۃ وادی کے کنارہ کو کہتے ہیں +

دنیا

دُنیا۔ ادنٰی کی تانیث ہے۔ اور قریب سے مراد مدینہ سے قریب ہے +

قُصوی قَصِیّ

قُصوی۔ اقصٰی کی تانیث ہے اور قَصِیّ بعید کو کہتے ہیں مکانا قصیا (مریم[19]۔۲۲) اور المسجد الاقصٰی (بنی اسرائیل[17]۔۱) من اقصی المدینۃ (القصص[28]۔۲۰) اور یہاں مراد مدینہ کی جانب سے دور کا کنارہ ہے +

رَکْب

الرکب۔ قافلہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا تھا۔ راکب کی جمع ہے +

اسفل۔ نیچے یعنی ساحل سمندر کی طرف۔ کیونکہ وہ زمین نیچی ہے +

اختلفتم فی المیعاد ضمیر مسلمانوں کی طرف ہے یعنی جنگ اگر کسی وعدہ کا نتیجہ ہوتا تو ضرور تھا کہ مسلمان وعدہ پورا کرنے سے رہ جاتے اس لئے کہ کفار کی طاقت کا پتہ ہوتا اور اپنے آپکو ان کے مقابل میں کمزور خیال کر کے مقابلہ کے لئے نہ نکلتے۔ مگر یہ سب ایک فوری کارروائی تھی۔ اور مسلمانوں کو کفار کی طاقت اور تعداد کا علم نہ تھا +

مفعول

مفعولا کے معنی کیا گیا۔ مراد یہ کہ ارادہ الٰہی میں ایسا ضروری ٹھہر چکا تھا کہ ضرور تھا کہ ہو کر رہتا۔ اس میں ان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر کے متعلق مدت پہلے سے قرآن شریف میں بیان ہو چکی تھیں اور جن میں وعدہ تھا کہ مسلمانوں اور کافروں میں مقابلہ ہو کر کفار مغلوب کئے جائینگے +

جنگ بدر کیوں فرقان کہلائی

اس آیت میں اول دونوں فوجوں کی حالت بتائی ہے۔ مسلمان مدینہ کے قریب کے کنارہ کی طرف تھے اور کفار دور والے کنارہ کی طرف اس میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان کفار سے پیچھے میدان جنگ میں نکلے۔ اور مقابلہ کی غرض یہ بتائی کہ وہ پیشگوئیاں پوری ہوں جو پہلے سے ہو چکی تھیں اور نتیجہ اس کا یہ بتایا ہے کہ کوئی ایسی مضبوط دلیل صداقت اسلام پر قائم ہو کہ ہلاک ہونے والے اور مخالفت کرنیوالے بھی اس کھلی دلیل کو دیکھ لیں اور زندہ ہونیوالی قوم یعنی مسلمان بھی اس کھلی دلیل

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ ۴۳

جب اللہ تجھے تیرے خواب میں انکو تھوڑا دکھاتا تھا۔ اور اگر وہ تجھے ان کو بہت دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور تم معاملہ میں

فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ ۴۴

جھگڑنے لگتے لیکن اللہ نے بچا لیا بیشک وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے ۱۲۳۴ اور جب

يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي

انہیں جب تم ایک دوسرے کے سامنے آئے تمہاری نظروں میں تھوڑا کرکے دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو

أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا ۴۵

تھوڑا کرکے دکھا رہا تھا۔ تاکہ اللہ ایک معاملہ کا فیصلہ کر دے جو ہو کر رہنا تھا اور اللہ کی طرف (سب) کام لوٹائے جاتے ہیں ۱۲۳۵ اے

الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو

لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

تاکہ تم کامیاب ہو ۱۲۳۶

ع ۶ — جنگ میں ثابت قدمی کی نصیحت

کو دیکھ لیں۔ گویا بدر کی فتح اسلئے فرقان نہ تھی کہ کفار کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی بلکہ اس لئے کہ عین ان پیشگوئیوں کے مطابق یہ سب کچھ وقوع میں آیا جو مدت پہلے سے شائع شدہ تھیں جنکا علم کفار کو بھی تھا اور مسلمانوں کو بھی ۔

۱۲۳۴ نبی کریم صلعم کو رویا میں دشمن تھوڑا دکھایا گیا اسلئے کہ وہ مغلوب ہونیوالا تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو قوت رہے ۔

۱۲۳۵ یہ دوسرا واقعہ ہے یعنی میدان جنگ میں جب ایک دوسرے کے سامنے آئے تو اس وقت بھی مسلمانوں کو کافر تھوڑے نظر آئے۔ صرف اپنے سے دوچند حالانکہ تھے سہ چند دیکھو ۱۲۳۴ اس سے بھی ان کے حوصلے بڑھے اور مسلمانوں کا کفار کی نظر میں تھوڑا ہونا تو مطابق واقع تھا ۔

۱۲۳۶ یہاں پھر مسلمانوں کو فلاح کے اسباب کی طرف متوجہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جنگ و مقابلہ کے وقت بھی اللہ کو یاد رکھو کیونکہ اصل غرض صرف جنگ میں فتح حاصل کرنا نہیں بلکہ اصل غرض فلاح ہے یعنی زندگی کے مقصود حقیقی تک پہنچنا ۔

ریح

۱۲۳۷ ریحکم ۔ ریح کے معنی ہوا ہیں مگر مفردات میں ہے کہ کبھی ریح کا لفظ بطور استعارہ غلبہ پر بولا جاتا ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ ریح سے مراد ریح النصر یعنی مدد کی ہوا ہے (ج) کیونکہ ہوا بھی نصرت کے خاص سامانوں میں سے ہے چنانچہ جنگ احزاب میں ایک ہوا نے ہی دشمن کے ٹڈی دل لشکر کو پراگندہ کر دیا اور ان کے قدم اکھیڑ دیئے بتایا ہے کہ اتفاق اور مشکلات کے مقابلہ میں ثابت قدمی یہ دو بڑے کامیابی کے راز ہیں ۔

۴۶ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمہارا غلبہ جاتا رہے گا اور

۴۷ اصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [1237] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فخر کرتے ہوئے اور

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

لوگوں کے دکھاوے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اللہ اس کا احاطہ

۴۸ يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

کئے ہوئے ہے جو وہ کرتے ہیں [1238] اور جب شیطان نے ان کو ان کے عمل خوبصورت بنا کر دکھائے اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ

تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا حامی ہوں پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے آئے الٹے پاؤں پھر گیا۔

وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور کہا میرا تم سے کچھ واسطہ نہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بدی کی سزا دینے میں سخت ہے [1239]

بطر

1238 بطر۔ بَطَر کے معنی نشاط ہیں یا متکبرانہ روش دل، اور بَطَر اور طَرَب قریب قریب ہیں اور وہ خفت یعنی ہلکا پن ہے جو خوشی سے پیدا ہوتا ہے (غ)، یا وہ کسی چیز سے کراہیت کرنا ہے حالانکہ وہ کراہیت کی مستحق نہ ہو یا نعمت کے وقت حد سے نکل جانا اور سرکشی کا طریق اختیار کرنا بطرت معیشتہا (القصص ۲۸: ۵۸) میں اصل ترکیب، بطرت فی معیشتہا (ل)۔

ابوجہل اور اسکے ساتھی۔۔۔۔ مکہ سے نکلے۔۔۔۔ تو بڑے ساز و سامان سے نکلے اور ان کو اپنی قوت پر بڑا فخر تھا۔ اور انکا منشا قبائل عرب پر بھی اپنا رعب بٹھانا تھا کہ ہماری طاقت بڑی ہے۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ تم فاتح ہو کر کبھی اس غرض کیلئے جنگ نہ کرنا۔ اور نہ اپنی قوت پر ناز کرنا۔

جار۔ جوار

جوَد

شیطان بنی کنانہ کے شیخ کی صورت میں

1239 جار ہمسائے کو کہتے ہیں اور جوار یا مُجَاوَرَۃ کے معنی دوسرے کی حفاظت میں آنا یا حفاظت میں لینا ہیں اور یہاں اسی معنی میں جار ہے اور جار عن الطریق کے معنی ہیں رستہ سے ہٹ گیا جو ملحاظ معنی قریب ہے اور اسی سے جَوْر یعنی عدول یا ظلم ہے (غ)۔

قریش اور بنی کنانہ میں جنگ رہا کرتی تھی اسلئے جب قریش نے مدینہ پر حملہ کیا تو انکو یہ بھی خیال تھا کہ کہیں بنی کنانہ جنگ پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ بنی کنانہ کا سردار سراقہ بن مالک تھا اس نے ابوجہل کو یقین دلایا کہ تمہاری طاقت بڑی ہے اور ہم تمہارے ساتھ جنگ نہ کرینگے بلکہ ہم تو تمہارے حامی ہیں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ شیطان سراقہ بن مالک کنانی کی صورت اختیار کرکے آیا تھا لیکن اگر سراقہ ہی آیا ہو اور اسی کو شیطان کہا ہو جیسا کہ کئی جگہ پر سرداران کفار کو شیطان یا شیاطین کہا ہے۔ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں جب قریش کے پاؤں اکھڑتے دیکھے تو بھاگ گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب محض شیطان کی وسوسہ اندازی ہو نہ کوئی واقعی گفتگو۔

ع ۶

کفار کی بدعہدیاں

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ ۴۹

جب منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے اور جو شخص اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ ۵۰

بھروسہ کرتا ہے تو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے ۔ اور اگر تو دیکھے جب فرشتے ان کی جو کافر ہیں روح قبض کریں گے

يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا ۵۱

ان کے مونہوں اور پیٹھوں کو مارتے ہونگے اور کہیں گے جلنے کا عذاب چکھو یہ اس کی سزا ہے جو

قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ ۵۲

تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کہ اللہ بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں فرعون کے لوگوں کا سا حال ہے

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ

اور جو ان سے پہلے ہوئے انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا سو اللہ نے انکو انکے گناہوں کی وجہ سے پکڑا

إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً ۵۳

بے شک اللہ طاقتور (بدی کی) سزا دینے میں سخت ہے یہ اس لئے کہ اللہ کبھی کسی نعمت کو نہیں بدلتا

أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۙ

جو اس نے کسی قوم پر کی ہو یہاں تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں

کفار کی عہد شکنی

۱۲۴۰ اس رکوع میں اصل ذکر کفار کی بدعہدی کا اور بار بار عہد شکنی کا ہے۔ اور فرعون کے ساتھ مثال دینے کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ وہ بھی اسی طرح حضرت موسیٰ کے ساتھ بدعہدی کرتا تھا فلما کشفنا عنھم الرجز الی اجل ھم بالغوہ اذا ھم ینکثون (الاعراف۔ ۱۳۵) ایسی بدعہدیاں نبی کریم صلعم کے آخری زمانہ میں بھی بہت سی وقوع میں آئیں جیسا کہ سورۂ براۃ کے شروع میں ذکر ہے مگر ابتدا میں بھی حالت ایسی ہی تھی اور آنحضرت صلعم نے کفار قریش کی دستبرد سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے کئی ایک اقوام کیساتھ جو حالت کفر پر تھیں عہد نامے کر رکھے تھے۔ مگر جب یہ لوگ ذرا مسلمانوں میں کمزوری دیکھتے تو فوراً عہد شکنی کرتے۔ کیونکہ ان کا اصول مہذب یورپ کے اصول کی طرح یہ تھا کہ کمزور قوم کے ساتھ ایفائے عہد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھکر اور بالمقابل چاروں طرف دشمنوں کو دیکھکر منافق لوگ اور کمزور دل یہ کہتے تھے کہ مسلمان ان وعدوں پر بھروسہ کرکے اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلعم نے ان کو دے رکھے ہیں اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنیوالا دھوکا نہیں کھاتا یہی لوگ غالب ہونگے کیونکہ اللہ غالب ہے۔

۵۴ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ

اور کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۲۴۱ فرعون کے لوگوں کا سا حال ہے اور جو اُن سے پہلے ہوئے انہوں نے اپنے رب کی آیتوں

۵۵ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ إِنَّ

کو جھٹلایا سو ہم نے اُن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور سب ظالم تھے بے شک

۵۶ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ عَاهَدْتَ

اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ ہیں جو کافر ہوئے پھر وہ ایمان لاتے ہی نہیں ۱۲۴۲ وہ جن سے تو عہد کرتا ہے

۵۷ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ

پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ (خلاف ورزی عہد سے) نہیں بچتے ۱۲۴۳ سو اگر تو ان کو جنگ میں پائے

۵۸ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً

تو اُن (کی عبرت ناک سزا) سے ان کو منتشر کر دے جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۱۲۴۴ اور اگر تجھے کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو

قوم سے نعمت کب چھنتی ہے۔

۱۲۴۱ یعنی اللہ تعالیٰ باوجود انکے کفر کے بھی ان سے یہ نعمتیں نہ چھینتا اگر یہ اپنی حالتوں کو خراب نہ کر ڈالتے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ اے کریمے کہ از خزانۂ غیب ٭ گبر و ترسا وظیفہ خور داری ٭ دوستاں را کجا کنی محروم ٭ تو کہ بر دشمناں نظر داری ٭ ہاں جب قوم سے حکومت کی اہلیت چھن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اٹھا کر دوسری کو اس کی جگہ لے آتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو نہیں لیتا جب تک کہ انسان خود ہی انکو نہیں پھینکتا۔ آج مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی سلطنت و دولت کی نعمتیں تب ہی گئیں جب انہوں نے اپنے حالات کو بدل ڈالا پس مقدم ضرورت اپنی حالت میں اصلاح کرنے کی ہے اور اسی کی طرف سے مسلمان غافل ہیں ٭

۱۲۴۲ یعنی ایسے کافر جنہوں نے یہ ٹھان لیا ہے کہ ایمان کسی صورت میں لائینگے ہی نہیں اس لئے وہ حق کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں جیسا کہ ان کی عہد شکنی سے ظاہر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر ہے ٭

۱۲۴۳ یہ حالت بھی اس وقت عام تھی۔ نبی کریم صلعم چاہتے تھے کہ ان قوموں کے ساتھ جنگ نہ ہو۔ اسلئے آپ نے جہاں تک ہو سکتا تھا معاہدے کر لئے تھے مگر ایفائے عہد ان اقوام میں بہت کم تھا حتیٰ کہ یہودی جو اہل کتاب تھے وہ بھی ایفائے عہد کی پروا نہ کرتے تھے۔ اور بالخصوص مسلمانوں کی کمزوری ان کو اور بھی زیادہ عہد شکنی کی طرف مائل کرتی تھی۔ اتقاء سے مراد یہاں خلاف ورزی عہد سے بچنا ہی ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے نیچے بنو قریظہ یا بعض اور قبائل یہود کا ذکر لکھا ہے۔ مگر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے شاذ و نادر کے جن اقوام نے آنحضرت صلعم سے معاہدات کئے تھے۔ عموماً عہد شکنی ہی کرتی رہیں ٭

شرد۔ تشرید

۱۲۴۴ شرد۔ شَرَدَ کے معنی ہیں بھاگ گیا (غ) اسلئے طرید۔ شرید اس شخص کو کہتے ہیں جو اکیلا رہ گیا ہو اور تشرید کے معنی نکال دینا یا پراگندہ و منتشر کر دینا ہیں۔ مفردات میں ہے کہ شرد بہ کے معنی ہیں اسکے ساتھ ایسا فعل کیا جس نے اسکے غیر کو بھگا دیا یعنی ایسی عبرتناک سزا جو دوسرے کو ایسا فعل کرنے سے روک دے ٭

ع

دشمن کے مقابلہ کیلئے تیاری کی طرف

فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۵۹

تو ان کا عہد برابری کو لحوظ رکھتے ہوئے انکی طرف پھینک دے کیونکہ اللہ دغابازوں کو محبت نہیں کرتا۔[۲۴۵] اور جو کافر ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ

سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ۶۰

آگے نکل گئے وہ عاجز نہیں کر سکتے[۲۴۶] اور جو کچھ طاقت اور گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے سے تم سے ہو سکے انکیلئے تیار رکھو

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ

تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ رکھو گے اور انکے سوائے اوروں کو بھی، ان کو تم نہیں جانتے اللہ

يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

ان کو جانتا ہے اور جو کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تم کو پوری واپس دی جائیگی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا[۲۴۸]

مراد یہ ہے کہ جو لوگ بار بار بدعہدیاں کرتے اور امن اُٹھا دیتے ہیں انکو اگر واقعی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پائے جائیں تو عبرتناک سزا دینی چاہئے تاکہ دوسرے لوگ اس قسم کی بدعہدی سے باز آئیں +

خوف

۲۴۵ اتخافن خوف۔ مکروہ امر کی توقع ہے جو ظنی یا معلوم علامات سے حاصل ہو جیسا طمع رجاء۔ اور طمع محبوب امر کی توقع ہے جو ظنی یا معلوم علامات سے حاصل ہو اور ان خفتم شقاق بینہما (النساء ۳۵) میں خفتم (یا تم ڈرو) کے معنی کئے گئے ہیں عرفتم تم پہچان لو گویا اصل مطلب یہ ہے کہ حالات کے جاننے کی وجہ سے تمہیں خوف ہو (غ) یہی معنی تخافن کے یہاں ہیں یعنی یہ کہ اگر حالات کی واقفیت کیوجہ سے تمہیں ڈر ہو کہ یہ قوم خیانت کریگی۔

علی سواء

علی سواء۔ برابری کو مدنظر رکھتے ہوتے یعنی ایسا نہ ہو کہ انکو مشکلات کی حالت میں پاکر چھوڑ دیا جائے یا عہد کو اس صورت میں توڑ دیا جائے کہ وہ سمجھ رہے ہوں کہ عہد باقی ہے فریقین کو مساوی حالت میں رکھکر ایسی صورت میں معاہدہ سے دست برداری کرلی جائے۔ دوسرے فریق کو نقصان پہنچانا مدنظر نہ ہو +

یہ اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ ایک خائن قوم کے ساتھ بھی خیانت کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ فرمایا کہ اگر کسی قوم کی خیانت کا علم ہو جائے تو ان کو برابری کا موقعہ دیکر معاہدہ سے دست برداری کرلی جائے +

کفر اسلام پر غالب نہیں آسکتا

۲۴۶ لا یعجزون کا مفعول ذکر نہیں کیا۔ لیکن اگلی آیت میں مسلمانوں کو خطاب کرکے اور انکو دشمن کے مقابلہ کیلئے تیار رہنے کا حکم دیکر صاف بتا دیا کہ یہاں بھی مسلمانوں کو عاجز نہ کرسکنا ہی مراد ہے آج جب مسلمان چاروں طرف سے مایوس ہیں۔ اور بظاہر دنیا پر کفر کا غلبہ ہو رہا ہے یہ آیت کس قدر مایوس دلوں میں اُمید کی روشنی پیدا کرسکتی ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ کر اپنے دلوں کو مایوسی کا شکار کر لیا اگر قرآن کریم کے یہ وعدے جو ایک مرتبہ موجودہ حالت سے بڑھکر مایوس کن حالات کے باوجود پورے ہوچکے ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے رہتے تو زندہ ایمان ان سے ایثار کے وہ کارنامے نمایاں کرا دیتا جو دنوں میں انکی حالت بدل ڈالتے خدا کی آواز اب بھی وہی یقین ہم کو دلاتی ہے چنانچہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو آج سے کوئی چالیس سال پیشتر یہ الہام ہوا بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد مایوسی مسلمانوں کیلئے نہیں نہ اسلام کیلئے مغلوبیت ہے بلکہ جہاں اور جب لوگوں نے خیال کیا کہ اسلام مغلوب ہوا وہی اسکے غلبہ کا وقت تھا +

قوة

۲۴۷ قوة۔ وہ چیز جو موجب تقویت ہو مثلاً جنگ میں طرح طرح کے ہتھیار جیسا کہ ابن عباس نے لکھا ہے۔ اور قلعے جیسا کہ

۶۱ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۲۲۱

عکرمہ نے کہا ہے۔ اور رمی یعنی تیر (یا بندوق یا توپ) کا چلانا۔ جو ایک حدیث میں مروی ہے۔ اور رمی کی تعریف احادیث میں آئی ہے اور اس کے سیکھنے کا حکم بھی احادیث میں پایا جاتا ہے۔

ربط۔ رباط

رباط الخیل۔ ربط باندھنا۔ اور رباط اور مرابطۃ کے معنی ہیں دشمن کی سرحد پر لگے رہنا۔ گویا ہر ایک نے اپنے گھوڑے تیار باندھے ہوتے ہیں اور محض حفاظت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ پر بھی رباط بولا گیا ہے (غ)۔ پس جس طرح جہاد پر قایم رہنے اور تیار رہنے پر رباط بولا جاتا ہے اسی طرح طہارت اور نماز پر قایم رہنے پر بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ رباط کے ساتھ خیل کا لفظ لانے میں مزید مستعدی پر دلالت ہے۔

اسلام کے جن دشمن

اٰخرین من دونھم۔ یعنی ان دشمنوں کے سوائے جو اب تمہارے مقابل پر ہیں کچھ اور دشمن بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے کسی نے کہا یہود بنو قریظہ کسی نے منافق کسی نے اہل فارس۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جن ہیں۔ میرے نزدیک ایک معنی سے یہ آخری قول درست ہے۔ کیونکہ جن وہ ہیں جو نظروں سے مخفی ہوں پس اسلام کے وہ دشمن جو ابھی ظاہر نہ ہوئے تھے۔ اور پھر وہ دشمن جنکا حملہ جنوں کی طرح وسوسہ اندازی سے ہو۔ جیسے آج کل کے عیسائی مشنری کہ ان کا حملہ اسلام پر کھلا نہیں بلکہ جن کی طرح مخفی حملہ ہے۔ اور طرح طرح کے اعتراض کرکے وسوسہ اندازی کرتے ہیں انہی کی طرف یہاں اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

دشمن کے ملکی اور مذہبی مقابلہ کیلئے تیاری کا حکم۔

اس آیت میں دشمن کے مقابلہ کیلئے مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک قوت یعنی دشمن کی مدافعت کا سامان مثلاً جنگوں میں آلات اور قلعے۔ اور فنون جنگ سے واقفیت اور گولہ بارود۔ اور جہاد قلمی میں وہ علمی سامان جس سے دشمن کے اعتراضات کا مقابلہ ہو۔ اور دوسرے مستعد رہنا جس کو یہاں رباط الخیل کہا ہے مطلب یہ ہے کہ دشمن کو اتنا موقعہ نہیں دینا چاہئے کہ وہ سرحد سے آگے نکل سکے بلکہ اس کا مقابلہ سرحد پر کرنے کے لئے پورا تیار رہنا چاہئے اگر ظاہری رنگ میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کی سلطنتوں کی تباہی کا موجب رباط الخیل سے غفلت ہوئی ہے نہ صرف یہی کہ مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لئے سرحد پر تیار نہیں رہے بلکہ انہوں نے دشمنوں کو اپنے ملکوں میں گھس جانیکا موقعہ خود اپنے ہاتھ سے دیا اور دشمنوں نے اندر داخل ہو کر مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دیں۔ اب دوسرے پہلو یعنی جہاد قلمی میں مسلمان اسی طرح غافل ہیں۔ دشمن طرح طرح کے سامانوں سے

قلمی جہاد میں مسلمانوں کی غفلت

سیکڑوں اور ہزاروں اور کتابوں اور لکچروں اور تقریروں اور مشن قایم کرکے اسلام پر حملہ آور ہو رہا ہے مسلمان خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور دشمن کے مقابلہ کیلئے کوئی سامان نہیں نہ کوئی تیاری ہے۔ تیاری کا فائدہ بتایا کہ دشمن مرعوب رہیگا۔ اور حملہ کرنے کی جرأت نہ کریگا بلکہ صلح کی طرف مائل ہوگا۔ اسی لئے اگلی آیت میں صلح کا ذکر ہے۔ آج بعض ناواقف لوگ

یورپ میں تبلیغ کا فائدہ

یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یورپ میں تبلیغ اسلام کی ضرورت نہیں جب خود گھر میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ ایک ہی سامان سے دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یورپ یعنی تثلیث کے مرکز میں توحید کی آواز کا بلند ہونا رباط الخیل ہے جس سے دشمن پر رعب بیٹھتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اپنا شکار سمجھے بیٹھے ہیں مسلمان اگر ہمت کرکے یہ دکھادیں کہ خود عیسائی انکا شکار ہیں تو دشمن کی آدھی سے زیادہ قوت ٹوٹ جاتی ہے۔

اسلام صلح کا مقدم رکھتا ہے

۱۲۲۱ کیا یہ اس مذہب کی تعلیم ہو سکتی ہے جو بجبر اپنے آپ کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہو سخت ترین دشمنوں کا ذکر کرکے ان کی غداری کا ذکر کرکے ان کے مقابلہ میں مستعد رہنے کا حکم دیکر پھر بھی فرمایا کہ اصل غرض جنگ نہیں اگر صلح کی طرف دشمن مائل ہو تو تم بھی صلح کرو بلکہ اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ اگر میان صلح میں غداری کا ارادہ بھی ان کا پنہاں ہو تو بھی تم صلح کی طرف ہی جھکو

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ ٦٢

اور اگر وہ ارادہ کریں کہ تجھے دھوکہ دیں تو اللہ تجھے بس ہے وہی ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ اور

وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ٦٣

مومنوں کے ساتھ تجھے قوت دی اور اس نے اُن کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر دیتا

مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا ٦٤

تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتا۔ لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی بیشک وہ غالب حکمت والا ہے ۱۲۴۹ اے

النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

نبی اللہ تیرے لئے بس ہے اور (اس کے لئے) جو مومنوں میں سے تیرا پیرو ہوا ۱۲۵۰

رہی غداری تو اس کے مضرات سے اللہ تم کو بچا دیگا اس زمانہ میں مسلمان بادشاہتوں کو یہ زرین اصول اور بھی زیادہ مد نظر رکھنا چاہئے تھا ایک طرف اپنی طاقت اور قوت کو مضبوط کریں اور اپنی پوری تیاری دکھائیں تو دوسری طرف صلح کو جنگ سے بہتر سمجھیں۔

مسلمانوں کی باہمی محبت

۱۲۴۹ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے بڑے پہلو کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ کہ مسلمانوں میں باہمی الفت پیدا کر دی۔ بلاشبہ کسی قوم کے دلوں میں اُلفت و محبت کا پیدا ہو جانا اس کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دلوں میں محبت ہو تو ایک دوسرے پر حسن ظن ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے کام کی قدر ہوتی ہے ذاتی اغراض درمیان میں نہیں آتیں آج مسلمانوں کا جو کام دیکھو اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ ذاتی رنجشیں اور کدورتیں ہیں۔ بدظنی ہے۔ ایک دوسرے کی تحقیر ہے یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت نہیں۔

اسلام کی دشمنوں میں محبت پیدا کرنے کی طاقت

لو انفقت میں بتایا کہ وہ ملک جس کی قوم قوم کے خلاف اور قبیلہ قبیلہ کے خلاف شب و روز بر سر پیکار رہتا تھا جن کی دشمنی کی آگ قریب تھا کہ انہیں بھسم کر دیتی۔ جیسا کہ فرمایا کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار۔ وہ آگ یہی باہم دشمنی کی آگ تھی اس قسم کی صدیوں کی خطرناک دشمن قوموں کو ملا کر ایک کر دینا ساری دنیا کے خزانے صرف کرنے سے بھی نہ ہو سکتا تھا پس وہ مذہب جس نے ایسی دشمن اقوام میں بھی اُلفت پیدا کر دی وہ آج بھی دنیا کی سخت ترین دشمن قوموں میں محبت پیدا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان آپس میں محبت کا نمونہ دنیا کی قوموں کو دکھاتے تو دیکھتے کہ قومیں اس طرح اسلام پر جمع ہوتیں جیسے پروانے چراغ پر۔

سامانوں کے ساتھ توکل

۱۲۵۰ ظاہری سامان کی ضرورت بتا کر اور یہاں دشمن کے مقابلہ کی تیاری کو ضروری قرار دیکر فرمایا کہ یہ سب کچھ کر کے ان چیزوں پر بھروسہ نہ کرو۔ سامان سب کرو مگر بھروسہ اللہ کی ذات پر ہی رکھو۔ نبی کو اگر یہ موحدانہ تعلیم دی تو آپ کے مومن متبعین کو بھی یہی تعلیم دی۔ اور نبی کو ان الفاظ میں بشارت دی کہ دشمن اگر قوی ہے تو نگہباں قوی تر ہے۔ یہی بشارت آج ہمارے لئے بھی ہے بشرطیکہ ہم متبع بنیں یہی اسلامی توکل ہے جسے لوگوں نے غلطی سے یوں سمجھا ہوا ہے کہ وہ کچھ نہ کرنے کا نام ہے حالانکہ یہاں زبردست سامانوں کی تیاری کی تعلیم کے بعد توکل کے لئے کہا۔

رکوع ۹

مسلمان دشمن کی زیادہ تعداد سے نہ گھبرائیں

۶۵ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

اے نبی مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو[۱۲۵۱] اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو جو کافر ہیں ان میں سے ایک ہزار پر غالب آئینگے یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے

۶۶ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ

[۱۲۵۲] موجودہ وقت میں اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے سو اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئینگے

حرض

تحریض

۱۲۵۱ حَرَض حَرَض اس کو کہتے ہیں جس میں کچھ بھلائی نہ ہو۔ جو ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہو۔ حتّٰی تکون حرضاً (یوسف ۱۲ ـ ۸۵) اور تحریض کے معنی ہیں کسی چیز کو بہت اچھا کر کے دکھانا اس پر ترغیب دینے کے لئے گویا تحریض حرض کا ازالہ ہے جیسے تمریض میں مرض کا ازالہ (غ)۔

مسلمانوں کو جنگ پر تحریض

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو۔ اور لفظ حَرِّض جو یہاں استعمال فرمایا ہے وہ اس غرض سے ہو کہ تا معلوم ہو کہ جنگ میں حَرَض یعنی ہلاکت نہیں۔ جیسا کہ ظاہر نظر سے معلوم ہوتا تھا یعنی جنگ میں ہلاکت نظر آتی تھی اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جنگ کو پسند نہ کرتے تھے۔ دوسرا یہ امر قابل غور ہے کہ القتال سے مراد کیا ساری دنیا کے ساتھ جنگ ہے؟ نہیں بلکہ انہی دشمنوں کے مقابل پر جن کا ذکر اوپر ہو رہا ہے۔ اور اسی قتال پر جس کی اجازت ہو چکی ہے اور وہ قتال کیا ہے قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں صرف ان کے ساتھ جنگ کرو وہ بھی اللہ کی راہ میں نہ انتقام کے لئے نہ بدلہ لینے کے لئے۔ ہاں دین اسلام کی حفاظت کے لئے۔

مسلمانوں کا دس گنا پر غالب آنا اور اس کی وجہ فقاہت قرار دینا

۱۲۵۲ مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابل بہت ہی تھوڑی تھی۔ پس ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ تم صابر بنو یعنی مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرو۔ تو تم میں سے ایک آدمی دس پر غالب آئیگا۔ اس کی وجہ بتائی کہ تمہارے دشمن ایک ایسی قوم ہیں کہ وہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ گویا اسلام مسلمانوں کے اندر وہ بہادری پیدا کرنا نہیں چاہتا جو اندھا دھند کام کرے بلکہ ایسی بہادری پیدا کرتا ہے جو فقاہت کا نتیجہ ہو۔ یعنی انسان سوچ سمجھ کر کہ اس کی زندگی کی یہ غرض ہے پھر اس اصل غرض پر اپنی زندگی کو لگاتا ہے جس نے اپنی زندگی کی غرض کو نہیں سمجھا وہ اگر ایک وقت جوش کے ماتحت اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا بھی ہے تو پھر جان بچانے کا خیال اس کی ہمت کو کمزور بھی کر دیتا ہے۔ یہی رنگ علمی پہلو میں بھی ہے بلکہ شاید لا یفقھون اسی کی طرف اشارہ کرنے کو فرمایا۔ دس عیسائی مشنری ایک مسلمان مبلغ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ ان کے عقاید کی بنیاد علم اور فقاہت پر نہیں۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ ٦٧

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۱۲۵۳ ایک نبی کے لئے شایاں نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین میں جنگ کرکے کامیاب ہو

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۱۲۵۴

مسلمانوں کا دو چند تعداد پر غالب آنا اور دونوں حالتوں میں فرق

۱۲۵۳ اس آیت کو پہلی کی ناسخ سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہاں کوئی حکم ہی نہیں جو منسوخ ہو سکتا ہو۔ بلکہ صرف ایک خبر ہے ہاں ان دونوں خبروں میں کہ پہلی جگہ فرمایا کہ مسلمان دہ چند تعداد پر غالب آئینگے اور یہاں فرمایا کہ دو چند تعداد پر غالب آئینگے فرق نظر آتا ہے جسکو الْـٰٔنَ کا لفظ ہی حل کرنے کیلئے کافی ہے یعنی ان دونوں آیتوں میں دو مختلف حالات کا ذکر کیا ہے۔ ایک مسلمانوں کی حالت نزول آیت کیوقت جسکو فیکم ضعفا سے تعبیر کیا ہے یعنی مسلمانوں میں اس وقت کمزوری ہے اور یہ زمانہ جنگ بدر کا ہے۔ اس وقت دشمن کے مقابلہ پر مسلمانوں میں کئی قسم کی کمزوری تھی اول یہ کہ طاقت کے لحاظ سے وہ سب جنگ کے قابل نہ تھے ان میں بوڑھے اور بچے بھی تھے جنکو میدان جنگ میں جانا پڑتا تھا ان میں کمزور و ناتوان بھی تھے اور تعداد اس قدر تھوڑی تھی کہ بلالحاظ جنگی قابلیت کے میدان جنگ میں نکلنا پڑتا تھا دوسرے یہ لوگ فنون سپاہگری سے واقف نہ تھے۔ انکو کسی جنگ کے لئے تیار ہی نہ کیا گیا تھا بلکہ یہ جنگ صرف دشمن کی زبردستی کی وجہ سے وقوع میں آئی۔ تیسرے یہ کہ آلات حرب ان کے پاس کافی نہ تھے۔ کیونکہ جنگ یک بیک سر پر آپڑی۔ چوتھے یہ کہ دیگر ضروریات جنگ مثلاً گھوڑے باربرداری کا سامان بھی موجود نہ تھا اسلئے فرمایا کہ اس وقت تو تم ابھی جنگ کیلئے تیار ہی نہیں تم میں طرح طرح کی کمزوریاں ہیں باوجود ان کمزوریوں کے اگر تم صبر اختیار کرو تو پھر بھی اس قدر نصرت تم کو دی جائیگی کہ تم دو چند تعداد پر غالب آؤگے اور پہلی آیت میں جہاں دہ چند پر غالب آنے کی خبر دی ہے اس حالت کا ذکر ہے جب مسلمان ہر طرح سے مسلح اور تیار رہیں جیسا کہ اس سے پہلے رکوع میں اس کا مفصل ذکر بھی کیا ہے کہ تم کو ہر ایک قسم کے آلات حرب اور سامان جنگ تیار کرنا چاہئے اور فنون جنگ سے واقفیت حاصل کرنا چاہئے جب تمہارے پاس یہ سب سامان ہوں تو تم دہ چند تعداد پر غالب آؤگے ✦

ہر حالت میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صبر کی شرط ساتھ ہے۔ اور اس آیت کے آخر پر بتا بھی دیا کہ اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے یعنی نصرت الٰہی صبر کرنے والوں پر نازل ہوتی ہے ✦

اسیر

۱۲۵۴ اَسْرٰی ۔ اسیر کی جمع ہے ✦

ثخن ۔ اثخان

یَثْخُنُ ثَخُنَ کے معنی موٹا یا سخت ہوا اور اَثْخَنَ کے معنی غَلَبَ و قَھَرَ جیسا کہ ابن الاعرابی کا قول لسان العرب میں منقول ہے یعنی غالب ہوا۔ ہاں اثخان فی القتل کے معنی بہت قتل کرنا ہیں اور عام طور پر کسی شے میں اثخان اس میں مبالغہ و اکثار کو کہتے ہیں مگر مطلق اثخان کے معنی جیسا کہ دوسری جگہ یہ لفظ قرآن شریف میں آیا ہے غالب آنا ہی ہیں نہ خونریزی کرنا چنانچہ دوسری جگہ ہے حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق (محمد ۴۷ ـ ۴) جہاں اثخان کے بعد فرمایا کہ ان کو قید کرلو۔ اور قیدی وہی کئے جاسکتے ہیں جن پر غلبہ حاصل ہوا ہو نہ وہ جو قتل کردیئے گئے ہوں ✦

قیدیان بدر کے بارہ میں مشورہ

امام احمد اور ترمذی وغیرہا کی روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے دی کہ فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے یہ کہ مسلمان ابھی کمزور ہیں قیدیوں کو قتل کیا جائے۔ اور رسول اللہ صلعم نے حضرت ابوبکر کو فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت ابراہیم کی مثال ہے کہ انہوں نے کہا تھا ومن عصانی فانک غفور رحیم اگر کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ یا حضرت عیسٰی کی کہ انہوں نے کہا وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم

لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ

اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا

اور حضرت عمر کو فرمایا کہ تیری مثال نوح کی مثال ہے جنہوں نے کہا لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ یا حضرت موسیٰ کی جنہوں نے کہا ربنا اطمس علی اموالھم ۔ اور عمل آپنے حضرت ابو بکر کی رائے پر کیا اور یہ آیت نازل ہوئی لیکن حضرت ابن عباس سے اسقدر مزید روایت ہے کہ اگلے دن حضرت ابو بکر اور نبی کریم صلعم رو رہے تھے۔ تو حضرت عمر نے وجہ دریافت کی تو اس آیت کا نزول وجہ بتائی گئی یعنی یہ کہ فدیہ لینا خلاف منشائے حکم الٰہی تھا۔ روایت کے اس حصہ کے غلط ہونے پر چونکہ قرآن کریم صراحتاً گواہ ہے اسلئے یہ کسی طرح قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ذیل کی وجوہات بتاتی ہیں کہ اسیران بدر کو فدیہ پر چھوڑنا عین حکم قرآن کے مطابق تھا۔

بدر کے قیدیوں کا فدیہ مطابق حکم قرآنی تھا

اوّل۔ اگلے رکوع کی پہلی آیت یوں ہے یا یھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسریٰ ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم اے نبی ان قیدیوں کو جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں کہدو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی جانتا ہے تو تم کو اس سے بہتر دیگا جو تم سے لیا گیا یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر اللہ تعالیٰ تم کو دیگا۔ اگر قتل کرنا ضروری تھا تو انکو یہ تسلی کسی طرح نہ دی جا سکتی تھی یہاں تو فدیہ کی رقم سے بھی بہتر کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول کے وقت تک قیدی چھوڑے تو گئے نہیں تھے پس اگر رسول اللہ صلعم کو منشائے الٰہی یہ معلوم ہوتا کہ انہیں قتل کرنا ضروری ہے تو اس وقت قتل کرنے میں کون مانع تھا۔

دوم۔ یہ قیدی تو عین اس حکم کے مطابق لئے گئے تھے کہ دشمن پر غالب آ کر قیدی پکڑ سکتے ہو بغیر غالب آنے کے نہیں اور جنگ بدر میں دشمن پر غلبہ مل چکا تھا اور باقاعدہ فوج سے جنگ ہو چکی تھی ؛

سوم۔ دوسری جگہ صراحت سے یہ حکم قرآن شریف میں موجود ہے کہ جب دشمن پر غالب آ کر قیدی پکڑو تو یا انکو فدیہ لیکر چھوڑ دو یا بطور احسان۔ قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم قرآن شریف میں کہیں نہیں چنانچہ سورۃ محمدؐ ۴۷ میں فرمایا فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء جب کافروں سے تمہاری جنگ ہو تو انکی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان پر غالب آ جاؤ تو انکو قید کرلو پھر اس کے بعد یا احسان کے طور پر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر ؛

چہارم۔ نبی کریم صلعم نے بعض جنگوں میں ہزاروں کی تعداد میں قیدی پکڑے لیکن کبھی ان کو قتل نہیں کیا (بنو قریظہ کا معاملہ الگ ہے اسلئے کہ انکے اپنے منتخب کردہ ثالث کا فیصلہ تھا اور انکی شریعت کے مطابق تھا) بلکہ جنگ بدر میں تو فدیہ لیا باقی جنگوں میں عموماً بطور احسان ہی آزاد کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہی عملدرآمد مطابق قرآن کریم تھا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ قرآن میں تو یہ حکم ہو کہ قیدیوں کو قتل کردو اور نبی کریم صلعم کا عمل اسکے خلاف ہو۔ مگر یہ محض ایک خیال ہے کہ قرآن میں کوئی ایسا حکم ہے نہ یہاں کوئی ایسا حکم ہے نہ کہیں دوسری جگہ قرآن شریف میں کوئی ایسا حکم ہے بلکہ اسکے خلاف آزاد کرنے کا حکم ہے ؛

پنجم۔ فدیہ کے فیصلہ کی تعمیل ہونے میں بہت دن لگے یعنی جب تک مکہ سے زر فدیہ آئے اس وقت تک قیدی قبضہ میں تھے جب نبی کریم صلعم کو اپنی غلطی کی اطلاع مل گئی تھی تو اس کی اصلاح کیوں نہ کی؟ پھر بعض قیدیوں سے فدیہ بجائے روپیہ کے یہ لیا گیا کہ وہ کتابت سکھا دیں۔ یہ ایک دن کا کام نہ تھا بلکہ کئی مہینے اس پر لگے ہونگے ؛

ششم۔ آیت ۶۹ میں فدیہ کو مما غنمتم میں داخل کرکے پھر اسکو صریح طور پر حلال ٹھہرایا ہے۔ غرض یہ بات بالکل خلاف صریح نص قرآن شریف ہے کہ ایسا ہوا ہو۔ اس آیت میں جو ذکر ہے وہ تو صاف ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ چاہتا تھا کہ قافلہ پر حملہ کیا جائے تو دون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم (۷) جو شروع سورت میں گزر چکا ہے اس خیال کی نفی یہاں آخر پر اللہ تعالیٰ نے پھر کی ہے کہ قافلہ پر حملہ کرنا نبی کی شان کے شایاں نہ تھا۔ بلکہ ضروری تھا کہ میدان میں جنگ ہو کر پھر قید کیا جاتا یہی اشارہ

لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ٦٩

تو تم کو اس بارہ میں جو تم کرنے لگے تھے بھاری عذاب پہنچ کر رہتا ۱۲۵۵ سو اس میں سے جو تم نے دشمن پر فتح پا کر حاصل کیا ہے حلال طیب کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ کرو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ ٧٠

بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۲۵۶ اے نبی ان کو جو تیرے ہاتھ میں قیدیوں میں سے ہیں کہہ دو اگر

يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ

اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی جانتا ہے تو تم کو اس سے بہتر دیگا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دیگا اور اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ ٧١

بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۲۵۷ اور اگر وہ تجھ سے دغا بازی کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اللہ کی خیانت بھی کر چکے ہیں سو اس نے

مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا ٧٢

ان پر تم کو قابو دے دیا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۱۲۵۸ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

(حاشیہ: ع ۹ — مسلمانوں کے باہمی تعلقات قومی)

تریدون عرض الدنیا میں ہے اور یہ صرف اس گروہ کا ذکر ہے جو قافلہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے اور نبی کریم صلعم کو اسکے خلاف حکم تھا اور یہاں واللہ یرید الآخرۃ اسی کے مطابق ہے جو پیچھے فرمایا تھا ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ (۷)۔

(حاشیہ: اخذ)

۱۲۵۵ فیما اخذتم۔ اخذ فی کذا کے معنی لسان العرب میں دیئے ہیں بدأ یعنی اس کام کو کرنا شروع کیا تھا یا اس کام کو کرنے لگا تھا اسلئے فیما اخذتم سے مراد فدیہ کا لینا درست نہیں بلکہ اس سے مراد ہے وہ کام جو تم کرنے لگے تھے۔ یعنی قافلہ پر حملہ کرنا۔ یعنی ایسا کرنا چونکہ مومنانہ شان کے خلاف تھا۔ گو عام جنگوں میں جائز ہوتا اس لئے اس کا نتیجہ عذاب ہوتا کتاب من اللہ سبق میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہ پہلے سے فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ جنگ ہو جیسا کہ فرمایا لیقضی اللہ امرا کان مفعولا (۴۴)۔

۱۲۵۶ ان الفاظ میں غنمتم کا ذکر کر کے اسی فدیہ کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی فدیہ کا لینا تمہارے لئے جائز ہے کیونکہ دوسرے مال غنیمت کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اور قیدیوں کا فدیہ یقیناً مال غنیمت میں داخل ہے۔

(حاشیہ: فدیہ کی مقدار)

۱۲۵۷ عام فدیہ بیس اوقیہ فی قیدی تھا (اور اوقیہ چالیس درہم ہے) اور حضرت عباس کا چالیس اوقیہ۔ بعض ان میں سے جنگ میں خلاف منشا۔ بھی شامل ہوئے تھے۔ جیسے حضرت عباس اور ابو البختری ان کے متعلق رسول اللہ صلعم نے حکم بھی دیدیا تھا کہ ان کو قید نہ کیا جائے۔

۱۲۵۸ نبی کریم صلعم کی خیانت سے مراد یہ ہے کہ جو عہد کیا ہے کہ پھر مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ کرینگے اس پر قائم نہیں اگر ان کا یہ ارادہ ہو تو بھی تم فکر مت کرو اس لئے کہ وہ اس سے بڑھکر خدا کی خیانت پہلے کر چکے ہیں یعنی بلا وجہ مسلمانوں پر چڑھ کر آئے تاکہ ان کو تباہ کریں اور خدا کا نام مٹا دیں۔

فَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے (انکو) پناہ دی اور مدد دی

اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ

یہ ایک دوسرے کے ولی ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم پر اُن کی

وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

ولایت کا کچھ حق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے متعلق مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۷۲ وَ

فرض ہے سوائے اسکے کہ وہ مدد اُن لوگوں کے خلاف ہو جنکے اور تمہارے درمیان عہد ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو اسے دیکھنا ہے ۱۲۵۹ اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝

جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا ۱۲۶۰

ایسے مسلمانوں سے تعلقات ولایت جو کافر قوموں میں ملے ہوتے ہیں

۱۲۵۹ اس آیت میں مسلمانان مدینہ کے ان مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کا ذکر ہے جو کفار کے اندر رہ گئے تھے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی انکے متعلق فرمایا کہ ان کی ولایت کا کوئی حق مسلمانوں پر نہیں یعنی ان مہاجرین اور انصار پر جو مدینہ میں ایک جمعیت بن گئی تھی اور جن کی اپنی حکومت قایم ہو گئی تھی۔ گو محض مسلمان ہونے کے لحاظ سے وہ انکے بھائی ہوں مگر ولایت جس میں لین دین تجارت میراث عہد نصرت وغیرہ کے تعلقات شامل ہیں وہ ان کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ ان کافر قوموں کے ساتھ ایسے تعلقات قایم نہیں۔ اور عام حالت ان کافر قوموں کی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے دشمن تھے اور عموماً ان سے برسر پیکار رہتے تھے پس جن کافر قوموں سے مسلمانوں کے تعلقات ولایت نہیں جو مسلمان ان میں مل رہے ہیں اور وہاں سے ہجرت نہیں کرتے انکو بھی انہی قوموں کے حکم میں رکھا ہے۔ اور یہی حق بھی تھا اور دینی تعلق کی وجہ سے ایک حالت کو مستثنے کیا ہے یعنی اگر وہ مسلمان دین کے بارہ میں تم سے مدد مانگیں تو انکو مدد دو اور ظاہر ہے کہ یہ مدد جنگ کی صورت میں ہوگی تاکہ ان کافر قوموں کے ظلم سے انہیں نجات حاصل ہو اس طرح پر انکی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا لیکن اس میں سے پھر ایک حالت کو مستثنے کیا یعنی اگر ایک کافر قوم کے ساتھ تمہارا عہد ہو تو پھر دینی رنگ میں انکی مدد کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ مدد اس معاہدہ کے خلاف ہوگی جو اس قوم کے ساتھ ہے اور معاہدہ بہرحال مقدم ہے۔ اور ایسا ہی نبی کریم صلعم کا عمل بھی پایا جاتا ہے کہ آپ نے معاہدہ کو مقدم کیا۔ رہا یہ سوال کہ اگر ان مسلمانوں کی جو معاہد قوم میں ہوں دینی رنگ میں مدد کرنا جائز نہیں تو کیا ان سے تعلقات ولایت بھی ہونگے یا نہیں سو یہ امر ظاہر ہے کہ جب ایک کافر قوم سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے تو ایک حد تک تعلقات ولایت تو ان سے قایم ہیں یعنی ان کے ساتھ لین دین تجارت وغیرہ ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات ایسے معاہدات کی رو سے جنگوں میں وہ مسلمانوں کے اور مسلمان ان کے معاون ہو جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جو مسلمان ان میں ہوں ان سے وہ تعلقات نہ ہوں صرف تعلقات وراثت کو انکی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیا گیا (ج۔ ر) +

مسلمانوں سے مسلمانوں کی دینی مدد فرض ہے

۱۲۶۰ الا تفعلوہ میں کس حالت کا ذکر ہے جس کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ زمین میں فتنہ و فساد کبیر ہوگا فتنۃ قرآن کریم کی اصطلاح

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد دی

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا

یہی سچے مومن ہیں اُن کے لئے مغفرت اور عزت کا رزق ہے اور جو بعد میں

مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ

ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم ہی سے ہی ہیں اور رشتہ کے تعلقات والے

الربع

بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اللہ کے حکم میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱۲۶

میں مسلمانوں کو بوجہ اسلام لانے کے جو دکھ دیا جاتا تھا اس پر بولا گیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ الا تفعلوہ میں کسی فعل کے نہ کرنے کا ذکر ہے اور وہ جس فعل کے کرنے کا حکم تھا وہ صرف یہی تھا ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر یعنی مسلمانوں کو جہاں کفار بوجہ مسلمان ہونے کے اذیت پہنچاتے ہوں وہاں مسلمانوں کی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ دوسرے مسلمان خاموش بیٹھے دیکھتے رہیں۔ اسلئے اب یہ بتایا کہ اگر ایسا نہ کرو گے یعنی وہ اپنے معاملہ میں تمہاری مدد چاہتے ہیں اور تم مدد نہیں کرتے تو پھر زمین میں فتنہ و فساد ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں فرمایا والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض یعنی کفار ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو تمہیں بھی ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے ہاں تمہاری ایک دوسرے کی مدد دین کے بارہ میں چاہیئے کفار محض اغراض دنیا کو مد نظر رکھ کر بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ یہ گویا اصلاح ہے جو اسلام نے کی۔ اور دوسری اصلاح یہ کی کہ دینی ضروریات کیلئے بھی جنگ کرنی پڑے تو ان لوگوں کے خلاف جنگ نہ کرو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے گویا عہد کی عزت سکھائی کہ دینی ضروریات کے پیش آنے پر بھی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تعلقات رشتہ داری

ف۱۲۶ جب اخوت ایمانی کے تعلقات کا ذکر کیا تو ساتھ ہی تعلقات رشتہ داری کا بھی ذکر کیا یعنی وہ تعلقات بھی اللہ تعالیٰ کے قایم کردہ ہی ہیں۔ اسلئے وہ تعلقات جو اخوت ایمانی سے پیدا ہوئے ہیں ان کی غرض یہ نہیں ہو سکتی کہ تعلقات رشتہ داری جنکے لحاظ سے وراثت کے احکام جاری ہوتے ہیں باطل ہو جائیں جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو عموماً بیکسی کی حالت میں تھے آنحضرت صلعم نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان اخوت قایم کر دی تھی جس کی ان سچے مومنوں نے یہاں تک عزت کی کہ گھر بار مال اسباب تک نصف نصف دینے کو تیار ہو گئے اور وفات کی صورت میں حصہ میراث بھی

ابتدائی مسلمانوں کے تعلقات اخوت

سو اس سے روکا اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی مسلمانوں میں تعلقات اخوت کس قدر مضبوط تھے کہ ان میں افراط کا خطرہ ہو گیا تھا۔ جس کو آیت قرآنی نے روک دیا۔ آج اس کی بجائے منافرت اور تباغض و تحاسد میں کمال حاصل کیا جا رہا ہے۔

سورۃ التوبۃ مدنیۃ وہی مائۃ وتسع وعشرون آیۃ وستۃ عشر رکوعاً

البرآءۃ یا التوبۃ نام کی وجہ

نام۔ اس سورۃ کا نام التوبۃ یا البرآءۃ ہو اور بھی کئی ایک نام اس کے احادیث میں آئے ہیں جیسے المقشقشۃ یعنی شفا دینے والی گویا نفاق سے شفا دیتی ہو اور المنقرۃ۔ البحوث۔ المبعثرۃ وغیرہ جن ناموں میں اس کے مضمون کی طرف اشارہ ہو۔ جس سے معلوم ہوتا ہو کہ سورتوں کے ناموں میں ان کے مضمون کی طرف اشارہ ہو اس سورت میں ۱۶ رکوع اور ۱۲۹ آیات ہیں اور اس کا نام البرآءۃ اس کی پہلی ہی آیت میں مذکور ہو براءۃ من اللہ ورسولہ جہاں ان کفار سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان ہو جو اپنے معاہدات پر قائم نہ رہتے تھے اور ایسا ہی اس سورت میں منافقین کو بھی بالکل الگ کر دیا جو اب تک ملے جلے آتے تھے پس اس کے نام میں یہ اشارہ ہو کہ شرک اور نفاق سے مسلمان الگ ہوتے ہیں اور کامل بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور اس کا دوسرا نام التوبۃ لقد تاب اللہ علی النبی (۱۱۷) سے لیا گیا ہو جہاں اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں اور رحمتوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کئے اسلئے کہ انہوں نے سخت تنگی کے وقت میں نبی کریم صلعم کی آواز پر لبیک کہا یہانتک کہ تیس ہزار آدمی اپنے سب کاروبار کو چھوڑ کر سخت گرمی کے موسم میں پکی ہوئی فصلوں کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے اور ایک لمبا اور صعوبت والا سفر اختیار کیا۔ اور مسلمانوں میں سے صرف تین آدمی پیچھے رہے۔

خلاصہ مضمون

خلاصہ مضمون۔ جیسا کہ اس سورت کے نام البرآءۃ سے ظاہر ہو۔ پہلے رکوع میں ان کفار سے علیحدگی کا اعلان ہو جنہوں نے بار بار عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچا رکھی تھی۔ چونکہ اسلام نے ملک عرب میں جنگوں کا خاتمہ کر کے اپنے اصول کو پھیلانا تھا اسلئے اب وقت آگیا تھا کہ کفار کی شرارتوں کا سدباب ہمیشہ کیلئے کیا جاتا ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ صرف کفر و شرک اس علیحدگی کی وجہ نہیں چنانچہ حکم دیا کہ جن کفار نے عہد شکنی نہیں کی۔ ان کے ساتھ تم بھی اپنے عہد کو پورا کرو اور یہ بھی بتایا کہ باوجود مشرکوں کے معاہدات کے اختتام کے اگر ان قوموں میں سے کوئی شخص آکر تمہاری پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو۔ اور اسے اصول اسلام سمجھاؤ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو پھر اسے صحیح سلامت اپنی قوم میں پہنچا دو دوسرے رکوع میں وجوہات قطع تعلق دی ہیں اور کچھ ذکر ان لوگوں کا کیا ہو جنکے ساتھ ابھی جنگ ہونیوالی تھی اسلئے کہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیا اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا تیسرے رکوع میں بتایا کہ اسلام مسلمانوں سے پوری مالی اور جانی قربانیاں چاہتا ہو صرف یہ فخر کافی نہیں کہ ہم نے اس قدر مہمان نوازی کر دی یا مسجدوں کی مرمت کر دی یا مسجدیں بنالیں۔ بلکہ اپنے عزیزوں اپنے اموال اپنی جائدادوں اپنی تجارتوں کو جبتک اسلام کے سامنے قربان کرنے کیلئے تیار نہ ہوں اس وقت تک مسلمان نہیں۔ چوتھے میں بتایا کہ اپنی کثرت پر فخر نہ کرنا بلکہ وہ چیز جو تمہیں کامیاب کرتی ہو وہ نصرت الٰہی ہو اور فرمایا کہ مشرکوں کو آئندہ خانہ کعبہ کے پاس نہ آنے دو اور اس بات کا خوف مت کرو کہ اس سے تمہاری تجارتوں کو نقصان پہنچیگا اور اہل کتاب بھی اگر تمہارے ساتھ جنگ کریں تو ان کا بھی مقابلہ کرو اللہ تعالیٰ انہیں بھی مغلوب کریگا۔ پانچویں میں اہل کتاب کی اسلام کے خلاف کوششوں کا ذکر کر کے اسلام کے آخری غلبہ کی پیشگوئی کی چھٹے رکوع میں غزوۂ تبوک کا ذکر کیا جس کی ضرورت عیسائیوں کی ہلچل سے پیش آئی اور منافقوں کے پیچھے رہ جانے کا ذکر کیا۔ ساتویں میں بتایا کہ منافق مصائب کے خوف کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں اور اسلئے بھی کہ وہ اسلام کو تباہ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ آٹھویں میں منافقوں کی ایذا رسانی کا ذکر کیا۔ نویں میں نفاق کا انجام ناکامی بتایا۔ دسویں میں منافقوں سے جہاد کا اور گیارھویں میں ان سے کامل قطع تعلق کا حکم دیا۔ بارھویں میں اعراب کا ذکر کیا جن میں بہت سے منافق تھے تیرھویں میں منافقوں کے مختلف گروہ ہو ما

ع ۱

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱

یہ علیحدگی (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں میں سے اُن لوگوں کی طرف جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا[۱۲۶۲]

بعض مشرکوں سے قطع تعلق کا اعلان

کا ذکر کرکے بتایا کہ ایک گروہ کو تو دو دفعہ عذاب ملیگا یہ دوسرا عذاب ان کی فضیحت تھی اور ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دیگا اور ساتویں میں مسجد ضرار کا ذکر کیا چودھویں میں بتایا کہ مومنوں کا خدا کے ساتھ کیا عہد ہو اور وہ انہیں کس طرح پورا کرنا چاہئے اور کس طرح پورا کر رہے ہیں پندرھویں میں بتایا کہ مومنوں کے حقیقی مجاہدات جن سے وہ مقام قرب حاصل کرسکتے ہیں یہی خدمات دینی ہیں سولھویں میں بتایا کہ رسول اللہ صلعم تو اصل میں دنیا کو گناہ اور ہلاکت سے نکالنے کیلئے آئے ہیں اور اسی پر سورت کا خاتمہ کیا +

تعلق

اس سورۃ کا الانفال سے یعنی پچھلی سورت سے ایسا شدید تعلق ہو کہ ان کو ایک ہی سورت کے دو حصے قرار دیکر درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی نہیں لکھی گئی۔ اور اسی تعلق شدید کی طرف اشارہ کرنے کیلئے بسم اللہ کا نزول اس سورت کی ابتدا میں آنحضرت صلعم پر نہیں ہوا۔ سورۃ الانفال میں بالخصوص جنگ بدر کا ذکر تھا اور مخالفین کو سمجھایا تھا کہ یہ جنگ تمہارے لئے ایک نشان ہے اگر تم جنگ سے ترک جاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہو اگر جنگ کو جاری رکھو تو تمہارا انجام ذلت اور مغلوبیت ہو۔ سورۃ براءت میں اس ذلت اور مغلوبیت کا نقشہ کھینچا ہو۔ کہ کس طرح آخر کار کفر کا زور ٹوٹا اور اسے اسلام کے سامنے نیچا دیکھنا پڑا پھر سورۃ انفال میں ذکر تھا کہ مخالف بار بار عہد شکنی کرتے ہیں اس عہد شکنی کا آخری علاج اب سورۃ براءت میں بتایا۔ غرض غور کیا جائے تو دونوں سورتوں کا مضمون بالکل مسلسل معلوم ہوتا ہو حالانکہ الانفال اور اس کے نزول میں سات سال کے قریب فرق ہے جس میں طرح طرح کے واقعات پیش آئے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ علم الٰہی میں کس طرح پر ان واقعات اور امور میں ایک ربط تھا +

زمانۂ نزول

براءۃ من اللہ ورسولہ اور سورت کی ابتدائی آیات کا اعلان ہجرۃ کے نویں سال میں ذیقعدہ میں ہوا پس یہ اسی سال کی نازل شدہ ہیں۔ بقیہ حصہ سورت میں سے کثیر حصہ کا تعلق جنگ تبوک سے ہو اور یہ جنگ نویں سال ہجرت میں پیش آئی پس یہ سورت کل کی کل نویں سال ہجرت کی ہو ہاں اگر ایک دو آیات جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے بعد میں نازل ہوئی ہوں تو ہو سکتا ہو۔ مگر اصل سورت کا نزول یقیناً نویں سال ہجرت کا ہی ہو +

برء۔ براء۔ تبرّی

[۱۲۶۲] براءۃ۔ بُرء اور بَرَاء اور تبرّی کے معنی ہیں اس سے علیحدگی جس سے انسان کو کراہت ہو۔ اسی لئے بیماری سے اچھا ہونے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہو اور جسے ناپسند کیا جائے اس سے علیحدگی پر بھی اور ایسے شخص کو بری اور قوم کو براء کہا جاتا ہو ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ (التوبۃ۔۳) انتم بریٔون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون (یونس۔۴۱) اذ تبرا الذین اتبعوا (البقرۃ۔۱۶۶) انا برءؤا منکم (الممتحنۃ۔۴) (غ) +

مشرکوں سے علیحدگی کے اعلان کی وجہ

سورۂ انفال جنگوں کی ابتدا کی خبر دیتی ہو تو یہ سورۃ ان کے خاتمہ کی یا وہ کفار کی پہلی کارروائیوں کا ذکر کرتی ہو تو یہ ان کے انجام کا۔ پس سب سے پہلے رکوع میں ان مشرکین سے قطع تعلق کا ذکر ہو جنہوں نے بار بار عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا مسلمانوں کو ایک بڑی تکلیف جو عرب کی مشرک قوموں سے پہنچتی تھی یہی تھی کہ ایک دن یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ عہد کرلیتے اور مسلمان ان کی طرف سے مطمئن ہو جاتے لیکن اگلے ہی دن ذرا مخالفین کا دباؤ پڑا تو عہد شکنی کر دیتے۔ اب جبکہ فتح مکہ کے بعد ملک عرب میں جنگوں کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ یہ ضروری ہوا کہ ان عہد شکنیوں کی گنجایش کا خاتمہ کیا جائے اور ملک میں ایک عالمگیر صلح کی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ نویں سال ہجری میں حج کے موقعہ پر اس سورت کی پہلی چند آیات کا تمام اطراف ملک سے جمع شدہ قبایل میں اعلان کیا گیا۔ اس سال حج کے لئے نبی کریم صلعم خود تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو حاجیوں پر امیر مقرر کرکے بھیجا اور

امور جن کا اعلان کیا گیا

آپ کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ کو روانہ کیا کہ سورۂ توبہ کی پہلی آیات کا اعلان کردیں جسکے بعد ذیل کے امور کا اعلان کیا گیا اول

٢ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

پس چار مہینے ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اللہ کہ اللہ

٣ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ

کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ۱۲۶۳ اور (یہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن اطلاع ہو کہ

اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اللہ اور اس کا رسول ان مشرکوں سے بیزار ہے پس اگر تم توبہ کرو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور اگر پھر جاؤ

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور جنہوں نے انکار کیا ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو ۱۲۶۴

یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک خانہ کعبہ کے قریب نہ جائیگا۔ دوم یہ کہ کوئی شخص ننگا ہو کر طواف نہ کریگا۔ سوم یہ کہ ہر ایک عہد پورا کیا جائیگا۔ یہ ظاہر ہو کہ ان آیات میں تمام مشرکین عالم کا ذکر نہیں بلکہ تمام مشرکین عرب کا بھی ذکر نہیں جیسا کہ چوتھی آیت سے ظاہر ہو۔ یہ اعلان صرف ان لوگوں کے متعلق تھا جو بار بار عہد کرکے خلاف ورزی کرتے تھے۔ کیونکہ جنہوں نے عہد کرکے خلاف ورزی نہیں کی انکے ساتھ عہد پورا کرنے کا وہاں صریح حکم موجود ہو۔ اور حضرت علیؓ نے جن باتوں کا اعلان کیا ان میں سے ایک عہد کا ایفا تھا پس ان آیات سے مشرکین دنیا سے عام جنگ کا حکم نکالنا ایسی تاویل ہو جو صریح نص قرآنی کے خلاف ہو +

عہدوں کے واپس کرنے کی وجہ

۱۲۶۳ لکھا ہو کہ اس سال حج بسبب نسیٔ کے (یعنی اس تاخیر کے جو حج کے مہینوں میں کرلی جاتی تھی) ذیقعدہ میں ہوا۔ ہر حال میں چار مہینے اس وقت سے دیئے گئے جب یہ اعلان حج کے دن ہوا۔ یہ خیال کہ فتح مکہ کی وجہ سے چونکہ مسلمانوں کو غلبہ ہو گیا تھا اس لئے ان معاہدات کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا گیا صحیح نہیں فتح مکہ کا واقعہ رمضان ۸ھ کا ہو اور یہ چودہ ماہ بعد کا واقعہ ہو باوجود فتح مکہ کے جس کا تعلق صرف قریش سے تھا دوسری اقوام عرب کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں بلکہ یہاں جو لفظ استعمال فرمائے ہیں کہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ ابھی تک یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبوں میں لگے ہوئے تھے۔ اس لئے جیسا کہ اس سے پیشتر سورۂ انفال میں مدت پہلے حکم ہو چکا تھا واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء (الانفال - ۵۸) جب بار بار کی عہد شکنی کی وجہ سے ملک میں فتنہ و فساد کا خاتمہ نہ ہوتا تھا تو آنحضرت صلعم نے اس حکم الٰہی کے ماتحت نہایت صفائی سے چار ماہ کی مہلت دیکر ان عہدوں کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ اور یہ بات کہ اصل وجہ اس اعلان کی وہ فتنہ و فساد ہی تھا جو عہد شکنی سے پیدا ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا کفر اس سے بھی ظاہر ہو کہ چوتھی آیت میں ان کافروں کو مستثنےٰ کر دیا ہو جنہوں نے عہد کرکے عہد شکنی نہیں کی +

یوم الحج الاکبر

۱۲۶۴ یوم الحج الاکبر۔ اس میں اختلاف ہو کہ آیا اس سے مراد قربانیوں کا دن یعنی دسویں ذی الحج ہو یا عرفہ کا دن یعنی میدان عرفات میں اجتماع کا چونکہ تاریخ سے یہی ثابت ہے کہ اعلان یوم النحر یعنی دسویں ذی الحج کو ہوا اس لئے قول اول کو ترجیح ہے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی اسی کی مؤید ہے۔ کہ آپ نے یوم النحر کو یوم الحج الاکبر فرمایا +

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا ٤

سوائے ان کے جن کے ساتھ تم نے مشرکوں میں سے عہد کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف

عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

کسی کو مدد دی تو اُن کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو بے شک اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے ١٢٦٥

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ ٥

سو جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور

خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا

ان کو پکڑو اور ان کو روک دو اور اُن کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو پھر اگر توبہ کریں اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

قایم کریں اور زکوۃ دیں تو اُن کا رستہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ١٢٦٦

عہد جو پورے کئے گئے

١٢٦٥ یہ استثناء صاف بتاتا ہے کہ مشرکین سے قطع تعلق کی وجہ صرف ان کی عہد شکنی ہوئی تھی جہاں عہد شکنی نہیں ہوئی ان کے ساتھ عہد پورا کرنے کو اتقاء قرار دیا ہے۔ گویا اس اعلان کی اصل وجہ شرک یا کفر نہیں بلکہ عہد شکنی ہے مفسرین نے یہاں صرف بنی حمزہ اور بنی مدلج کا ذکر کیا ہے کہ کنانہ کے یہ دو قبیلے ایسے تھے جن کی مدت عہد باقی تھی لیکن خود خزاعہ جنکی خاطر مکہ پر چڑھائی کی گئی مسلمانوں کے معاہد تھے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا عہد مدت معینہ تک تھا۔ شاید اور بھی اس قسم کے عہد ہوں ۔

١٢٦٦ الاشھر الحرم سے مراد یہاں وہی چار ماہ ہیں جن کے متعلق اوپر اعلان ہو چکا۔ کہ ان میں جنگ نہ کی جائیگی ان کو حرمت والے مہینے یا تو اسی لئے کہا کہ جنگ ان کے اندر رکی رہیگی اور یا اس لئے کہ ذیقعد اور ذی الحج اور محرم جو ان چار ماہ میں شامل تھے اور بیشتر حصہ ان چار ماہ کا تھے۔ حرمت والے مہینے تھے ۔

حصر۔ احصار

احصروھم حَصَر کے معنی تضییق اور احصروھم کے معنی ہیں ضیقوا علیہم (غ) یعنی ان کو تنگ کرکے روک دو اُحْصِرَ العدوُّ اذا ضُيِّقَ علیہ محصر یعنی جب دشمن کسی کو یہانتک تنگ کردے کہ وہ رک جائے تو احصرہ العدو کہا جاتا ہے اور حَصْر اور اِحْصار کے اصل معنی منع یعنی روک دینا ہیں (ل) اور گو حصر کے معنی حبس یعنی قید کرنا بھی ہیں مگر چونکہ یہاں خذوھم پہلے آچکا ہے جسکے معنی ہیں گرفتار کرلو اسلئے حصر سے مراد کسی دوسری طرح روک دینا ہیں جیسے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ (البقرہ ۲۔ ۲۷۳) میں کسی طرح رک جانا مراد ہے نہ قید سے اور ابن جریر نے واحصروھم کے معنی کئے ہیں وامنعوھم التصرف فی بلاد الاسلام ودخول مکۃ یعنی ان کو بلاد اسلامی میں آنے جانے اور مکہ میں داخل ہونے سے روک دو ۔

رصد۔ مرصد ارصاد

مرصد۔ رَصَد کے معنی گھات میں بیٹھنا اور مرصَد گھات کی جگہ ہے ترقّب اور ارصاد کے ایک ہی معنی ہیں و ارصادًا لمن حارب اللہ ورسولہ (التوبۃ ۹۔ ۱۰۷) ۔

۶

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور اگر ان مشرکوں میں سے کوئی

تمام مشرکین عالم سے علیحدگی کا اعلان نہیں ہوا۔

وہ معترضین جو قرآن کریم کو اگر کبھی بھی تو بالکل سطحی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اس آیت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام میں ہر کافر کو قتل کر دینے کا حکم ہے کیونکہ یہاں فاقتلوا المشرکین آگیا ہے۔ تعصب کی عینک کبھی انسان کی نظر کو صاف نہیں رہنے دیتی۔ یہاں شروع سے ایک خاص ذکر چلا آتا ہے یعنی ان مشرکوں کا ذکر جنہوں نے بار بار عہد کر کے خلاف ورزیاں کیں ینقضون عہدہم فی کل مرۃ (الانفال ۸ - ۵۶) پہلے بھی ان کے متعلق آچکا ہے۔ یہاں نہ ان مشرکوں کا کوئی ذکر ہے جن سے کوئی عہد ہی نہیں ہوا نہ ان کا جنہوں نے عہد کر کے خلاف ورزی نہیں کی۔ بلکہ پہلی ہی آیت میں بیزاری کو صرف ان لوگوں تک محدود کر کے جن سے عہد ہوا الذین عاہدتم۔ ان تمام مشرکوں اور کفار کو اس سورت کے مضمون سے بے تعلق کر دیا جنہوں نے مسلمانوں سے کوئی عہد نہ کیا تھا۔ اور عہد کر کے پورا کرنے والوں کو الگ مستثنیٰ کر دیا تو باقی صرف وہ چند مشرک رہ گئے جنہوں نے عہد کر کے بار بار اس کی خلاف ورزی کی اور سزا جو یہاں تجویز کی گئی ہے وہ محض ان کی بار بار کی عہد شکنی کی وجہ سے تھی۔

سزا جو بار بار کی عہد شکنی پر تجویز کی گئی

اس سزا میں بھی صرف قتل کرنا نہیں بلکہ قتل۔ گرفتار کر لینا۔ روک دینا ہے اور اس سزا کی غرض صاف معلوم ہوتی ہے کہ وہ شرارت کرنے سے رک جائیں ان کو قتل کرنا مقصود اصلی نہیں بلکہ شرارت کو روکنا مقصود اصلی ہے اسلئے اگر کسی طریق سے رک جائیں تو وہ طریق کافی ہے ورنہ گرفتار کئے جا سکتے ہیں اور یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکیں تو پھر ایسے شریروں کو قتل کرنا حفاظت و امن قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے اور یا یہ سزائیں بلحاظ جرم کے الگ الگ ہیں یعنی جو بہت شریر ہیں ان کو قتل کر دو جو کسی طرح سے باز ہی نہیں آتے جو اس سے کم ہیں انہیں گرفتار کر لو جو بغیر قید کے رکے رہ سکتے ہیں ان کو دوسرے طریقوں سے روک دو اور جو پکڑے نہیں جاتے ان کے لئے گھات میں بیٹھو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ وہ بلاد اسلامی میں آئیں جیسا ابن جریر نے واحصروھم کی تفسیر میں لکھا ہے اور یہ اگلے الفاظ فخلوا سبیلہم سے ظاہر ہے جہاں فرمایا کہ ان کا رستہ کھلا چھوڑ دو اور آیت ۶ سے بھی یہی ظاہر ہے جہاں مشرکوں کی پناہ مانگنے کا ذکر ہے

اس سزا کی معافی کی صورتیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں چونکہ ان لوگوں کے چھوڑ دینے کا حکم ہے جو توبہ کریں اور نماز قایم کریں اور زکوٰۃ دیں اسلئے گویا باقی سب کو قتل کرنے کا حکم ہے تو یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ اسلئے کہ مجرم تو وہی ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی۔ ہاں ان مجرموں کے بعض حالات میں چھوڑ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو لوگ اس حکم کے ماتحت تھے ہی نہیں وہ بھی اس استثنا کی وجہ سے زیر مواخذہ آ گئے ہیں یعنی سزا دینے کا حکم صرف ان لوگوں کیلئے تھا جو عہد شکنی کریں۔ پھر ان مجرموں میں سے ان کو مستثنیٰ کر دیا جو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ تو اس سے یہ لازم نہ آیا کہ جو مجرم تو کبھی تھے ہی نہیں نہ انہوں نے عہد کیا تھا نہ عہد شکنی کی تھی۔ تو اب وہ محض اسلئے کہ نماز نہیں پڑھتے مجرم بنکر مستحق سزا ہو گئے۔ محض نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے۔ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے اسلام نہ لانے کی وجہ سے قرآن کریم نے کسی شخص کو مستحق سزا قرار نہیں دیا (اس کی سزا عالم آخرت میں ہے) ہاں عہد شکنی کے لئے مستحق سزا قرار دیا اور اس سزا کی جسکے وہ مستحق ہو چکے تھے اس صورت میں معافی کا اعلان کر دیا جب وہ مسلمان ہو جائیں اور یہ صرف ایک صورت ہے کیونکہ اسلام میں داخل ہونے سے ان کی شرارتوں کا کامل طور پر سد باب ہو جاتا تھا۔ دوسری صورتیں یہ بھی ہیں کہ ان کو گرفتار کر لیا جائے یا ان کو روک دیا جائے مگر چونکہ عرب میں ہر قوم بجائے خود آزاد تھی اسلئے روکنا بغیر لڑے کے نہ ہو سکتا تھا کہ وہ مغلوب ہو جائیں جس کیلئے قتال کی ضرورت پیش آتی اور اس میں بعض قتل بھی ہو جاتے یہی وجہ ہے کہ صرف قتل کا کہیں حکم نہیں۔ غرض تلوار یا اسلام کا پیش کرنا اسلام پر مخالفین کا محض افترا ہے۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ ١٣

کیا تم اُن لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کے نکال دینے کا پکا ارادہ کر لیا اور انہوں نے پہلے تم سے

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قَاتِلُوهُمْ ١٤

ابتدا کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو بلکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو ان کے ساتھ جنگ کرو

يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ

اللہ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دیگا اور انکو رسوا کریگا اور اُنکے مقابلہ میں تمہیں مدد دیگا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا

مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ١٥

بخشے گا اور ان کے دلوں کے غصہ کو دور کر دیگا اور اللہ جس پر چاہتا ہے رجوع برحمت کرتا ہے اور اللہ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا ١٦

جاننے والا حکمت والا ہے کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو ابھی الگ نہیں کیا

مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

جنہوں نے جہاد کیا اور نہ اللہ کے سوائے اور نہ اس کے رسول اور نہ مومنوں کے سوائے کسی کو ولی دوست بنایا[۱۲۷۲] اور اللہ اس سے واقف ہے جو تم کرتے ہو

دینے سے انکار کرنا بھی نکث ایمان تھا اور طعن فی الدین کرنیوالے مسیلمہ و اسود اور دوسرے لوگ تھے۔ رہی یہ بات کہ انکے متعلق آیت ۱۳ میں فرمایا وھموا باخراج الرسول سو مسیلمہ وغیرہ کا ایسا کرنا ظاہر ہے کہ وہ یہ قصد کر چکا تھا اور قریش کا آنحضرت صلعم کو نکالنا ان الفاظ میں نہیں آسکتا کیونکہ وہ تو یہ کام کر چکے تھے انپر ھموا صادق نہیں آسکتا اور یہ الفاظ کہ یشف صدور قوم مومنین و یذھب غیظ قلوبھم بھی مسیلمہ اور اسکے ساتھیوں پر ہی صادق آتے ہیں کہ انکی وجہ سے جو مسلمانوں کو سخت رنج پہنچا تھا انکی ہلاکت سے وہ دور ہو گیا بحض طعن فی الدین پر قتل کا فتویٰ ان الفاظ سے نہیں نکل سکتا +

۱۲۷۱ یذھب غیظ قلوبھم۔ قلوبھم میں ضمیر مخالفین کی طرف ہے یعنی انکے دلوں میں جو غیظ و غضب اسلام کی تباہی کیلئے پیدا ہو گا اللہ اس کو بھی دور کر دیگا اور یہ دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ کفار کے ذلیل ہو جانے سے بھی اور ان کے مسلمان ہونے سے بھی جسکی طرف ویتوب اللہ علی من یشاء میں اشارہ کیا ہے +

۱۲۷۲ ولیجۃ ولوج تنگی میں داخل ہونے کا نام ہے حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف - ۴۰) تولج اللیل فی النہار (آل عمران - ۲۶) اور ولیجۃ وہ ہے جو انسان کے اہل میں سے تو نہ ہو مگر انسان اسے ایسا دوست بنالے جس پر اعتماد ہو (غ) +
یہ کون لوگ ہیں جن کو ممیز کرنے کا یہ ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے سابقین اولین مراد نہیں جو جہاد بھی کر چکے اور اپنا اخلاص اللہ و رسول کیلئے بھی دکھا چکے ہیں۔ بلکہ ان کا ذکر ولا المومنین میں ہے اور حسبتم میں مخاطب وہ لوگ ہیں جو ادھر اُدھر اقوام میں سے چلے دین اسلام میں داخل ہو چکے تھے تو فرمایا کہ ابھی ضرورت ہے کہ تمہارا خلوص اللہ کے لئے ظاہر ہو کر

ولوج
ولیجۃ

ع ٣ / ٨

اسلام مسلمانوں سے کیسی قربانیاں چاہتا ہے

١٧ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اپنے آپ پر کفر کی گواہی دیتے ہوئے ان کے

١٨ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

عمل بے کار ہیں اور وہ آگ کے اندر رہیں گے ١٢٧٣ اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے

الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ

اور جنہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوائے کسی کا خوف نہ کیا سو امید ہے کہ یہ

١٩ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہدایت پانے والوں میں سے ہوں کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا

اسلئے نئی مشکلات تمہارے رستہ میں آئینگی۔ یا نئے مسلمان مراد ہیں جواب دین اسلام میں داخل ہوئے تھے انکو بتایا ہے کہ تم کو بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پڑیگا اور اپنے خلوص کا ثبوت دینا ہوگا۔ یہ ان لوگوں کا بھی جواب ہے جو اسلام پر بجبر مسلمان کرنے کا الزام لگاتے ہیں جو مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے انہوں نے جہاد کیا کرنا تھا اور اخلاص کیا دکھانا تھا صرف منہ سے کچھ کہہ دینے پر تو اسلام راضی نہیں ہوتا +

عمارة

١٢٧٣ یعمر و اعمارۃ۔ ویران کرنے کی ضد ہے یعنی آباد کرنا۔ اور مسجد کے آباد کرنے میں اس میں رہنا یا اس میں آنا بھی داخل ہے اور اس کا تعاہد مرمت وغیرہ بھی داخل ہے +

مساجد اللہ مشرک باقی مسجدوں سے تو کچھ تعلق نہ رکھتے تھے البتہ مسجد حرام پر اپنا حق جتاتے تھے کہ ہم اسکی زیارت کے لئے آتے ہیں تو اسی کو یعنی مسجد حرام کو ہی مساجد اللہ کہا اسلئے کہ وہ سب مسجدوں کا قبلہ ہے۔ یا ایک خاص دعویٰ کو عام لفظوں میں بیان کر دیا ہے +

اسلام کس قسم کی قربانیاں مسلمانوں سے چاہتا ہے

پچھلے رکوع کے آخر پر ذکر کیا تھا کہ ایک مسلمان کو صرف اتنی بات پر نہیں چھوڑا جاتا کہ منہ سے اپنے آپکو مسلمان کہدے بلکہ جہاد اور خلوص کا ظاہر ہونا اس سے ضروری ہے۔ اسلئے اب یہاں بتایا کہ اسلام کیسی قربانیاں چاہتا ہے اور چونکہ کفار صرف اسی قدر کو بڑی خدمت سمجھتے تھے کہ خانہ کعبہ کے ہم خدمتگذار ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں مرمت وغیرہ کرتے ہیں اور یوں اس گھر کو آباد رکھتے ہیں تو یہ سمجھانے کیلئے کہ یہ کوئی بڑے مجاہدانہ کام نہیں کہ مسلمان بھی مسجدوں کے متولی ہونے کو اپنا فخر سمجھیں بلکہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانیاں بجا لائیں۔ شروع یہاں سے کیا کہ مشرک جو ان کاموں پر فخر کرتے ہیں اول تو حق ہی کیا رکھتے ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ کیونکہ مسجد اللہ کی عبادت کیلئے بنائی گئی ہے اور یہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت ہے کیونکہ اس وقت خانہ کعبہ بتوں سے بالکل پاک ہو چکا تھا تو اسلئے اب بت پرستوں کا خانہ کعبہ میں جانا یا اسکی تولیت اور خدمت کرنا خود انکے اپنے معتقدات کے خلاف تھا اور اس طرح پر شروع کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ آئندہ مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کریں اسکی وجہ بھی بتا دی۔ اور یہ جو فرمایا کہ انکے عمل بیکار ہیں تو مراد اس سے وہ عمل ہیں جن پر انکو بوجہ خدمت خانہ کعبہ فخر تھا۔ فرمایا کہ یہ عمل کچھ کام نہیں دے سکتا جب شرک و کفر میں مبتلا ہیں تو خانہ کعبہ

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

اس کی طرح ٹھہرایا ہے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے ہاں وہ برابر نہیں

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ ۲۰ وقف لازم

اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی

الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۲۱

بامراد ہونگے ان کا رب ان کو اپنی رحمت کی اور رضا کی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے ان کے واسطے ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہونگی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا ۲۲

انہی میں ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور

اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان سے بڑھ کر کفر سے محبت رکھیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست بنائیگا

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ ۲۳

تو یہی ظالم ہیں کہو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی

وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا

اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم کماتے ہو

کی خدمت یا خانہ کعبہ کا حج کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تولیت کسی مشرک یا کافر قوم کے سپرد نہیں ہو سکتی۔

۱۲۷۴ یعنی چھوٹے چھوٹے فیاضی کے کام اور جہاد فی سبیل اللہ جیسا عظیم الشان کام جو کہ حق کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے پوری جدوجہد کرنے کا نام ہے یکساں نہیں۔ اس کا شان نزول حضرت عباس کا جنگ بدر میں قید ہو کر آنا اور حضرت علی پر فخر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اس کا نزول ۹ھ کا ہے۔

۱۲۷۵ اللہ کی رحمت اور اس کی رضا جنت کی وہ عظیم الشان نعماء ہیں جن کا ذکر دوسری ساری نعماء سے الگ کیا ہے۔

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اسکی

وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۱۲۷۶

۲۵ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

ع ۵ ۱۰

مسلمانوں کیلئے نصرت الٰہی

یقیناً اللہ نے تمہیں بہت سے میدانوں میں مدد دی اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت تمہیں اچھی لگی پھر وہ تمہارے

عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝

کچھ بھی کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہوگئی تب تم پیٹھ دیتے ہوئے پھر گئے ۱۲۷۷

مسلمانوں کی زندگی کا اصل الاصول

۱۲۷۶ اس آیت میں مسلمانوں کی قومی زندگی کا ایک اصول بیان کیا ہے جس کو آج مسلمانوں نے یہاں تک بھلا رکھا ہے کہ ایک مترجم قرآن نے اپنے ترجمہ کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے کہ یہ حکم ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کیلئے تھا ہمارے لئے نہیں۔ گویا یہاں تک اس حالت سے جو ان کی اصل زندگی کا موجب ہوتی تھی دور پڑ گئے ہیں کہ اب وہ اس اصول کو قابل عمل ہی نہیں سمجھتے۔ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کو اس سے منع نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے عزیزوں اور قریبیوں سے تعلق رکھیں یا مال کمائیں یا تجارتیں کریں یا بڑے بڑے مکانات بنائیں بلکہ انکے سارے تعلقات دنیا کا ذکر کیا۔ انکی ایسی تجارتوں کا ذکر کیا جن سے ذرا توجہ ادھر ادھر ہو تو مندی پڑ جائیں۔ انکے بڑے بڑے محلات و مکانات کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ مسلمان رکھیں اس کے لئے کوشش کریں مگر اصول یہ رکھیں کہ یہ چیزیں اللہ اور اسکے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری نہ ہوں یعنی اگر خدا کیلئے انکو قربان کرنے کی ضرورت پڑے تو قربان کردیں حق کے قبول کرنے یا پھیلانے میں تعلقات رشتہ داری چھوڑنے پڑتے ہیں تو چھوڑیں مال برباد ہوتے ہیں تو ہوں تجارت جاتی ہے تو جائے غرض ان چیزوں کو اسلام پر قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اسی آیت قرآنی کا ہی خلاصہ ہے جو اس صدی کے مجدد نے اپنے ساتھیوں سے یہ اقرار لیا ہے "میں دین کو دنیا پر مقدم کرونگا" یہ سب چیزیں وسائل میں داخل ہیں مگر خدا اور اس کا رسول اصل غرض ہیں وسائل کو حصول غرض کیلئے قربان کرنا ضروری ہے۔ آخر پر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کروگے اگر انہیں چیزوں کو تم اصل غرض زندگی بنالوگے تو پھر تمہارے ساتھ فاسقوں والا معاملہ ہوگا۔

دین کو دنیا پر مقدم کرنا

وطن۔ موطن

۱۲۷۷ مواطن۔ مَوْطِن کی جمع ہے اور وَطَنٌ وہ جگہ ہے جہاں انسان اقامت رکھتا ہے اسے مَوْطِن بھی کہا جاتا ہے اور اس سے مراد لڑائی کا میدان بھی لیا جاتا ہے (ل)

حنین

حنین۔ مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے۔ مکہ سے صرف تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

جنگ حنین

مکہ کو فتح کرنے کے بعد رسول اللہ صلعم کو خبریں پہنچیں کہ ہوازن اور ثقیف مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اسلئے آپ نے مناسب سمجھا کہ قبل اسکے کہ وہ زور پکڑیں اس شورش کو دبا دیا جائے چنانچہ آپ اسی دس ہزار جمعیت کے ساتھ جسکو لیکر مکہ فتح کیا تھا اور جس میں اب دو ہزار طلقاء ملکر کل تعداد بارہ ہزار ہوگئی تھی باہر نکلے مسلمانوں کو اپنی کثرت پر فخر ہوا

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۲۶

تب اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور وہ لشکر اتارے جنکو تم نہیں دیکھتے تھے

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ۲۷

اور ان کو جو کافر تھے عذاب دیا اور یہی کافروں کی سزا ہے ۱۲۷۸ پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ ۲۸

رجوع برحمت کرے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو مشرک ضرور

نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ

پلید ہیں سو اپنے اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آئیں ۱۲۷۹

بالمقابل دشمن صرف چار ہزار تھے۔ ہوازن اور ثقیف مشہور تیر انداز تھے۔ اور پہاڑوں کے تنگ رستوں پر قابض تھے پہلے حملہ میں ہی مسلمانوں پر اس قدر زور سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی کہ جو فوج آگے بڑھی تھی اور جس میں اکثر طلقا تھے۔ اس نے پیٹھ پھیرلی

آنحضرت کی شجاعت

اس کا اثر پچھلی فوج پر پڑا اور آن کی آن میں بارہ ہزار کی فوج بھاگ اُٹھی قدرت خداوندی کا نظارہ تھا۔ مگر نبی کریم صلعم اپنی خچر پر سوار اور حضرت عباس آپ کی رکاب پکڑے ہوئے برابر دشمن کی طرف بڑھتے جارہے تھے اور بلند آواز سے یوں پکار رہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ یہ ہمت اور شجاعت کا نظارہ ایسا نہ تھا کہ بے اثر رہتا۔ تھوڑی ہی دیر میں لوگ آپکے گرد جمع ہونا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ ساری فوج کا رُخ پلٹا اور دوبارہ حملہ کرکے دشمن کو شکست دی۔ زمین کے تنگ ہونے سے مراد یہی پسپائی کی حالت ہے جب بھاگنے کو جگہ نہ ملتی تھی یہاں اس گزشتہ واقعہ کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ مسلمان متنبہ رہیں کہ ان کیلئے فتح وظفر کا موجب نصرت الٰہی ہے نہ انکی کثرت وہ اپنی کثرت پر کبھی نازاں نہ ہوں +

ملائکہ ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے

۱۲۷۸ جنودالم تروھا۔ ملائکہ کی نصرت ہے۔ اور لم تروھا انکو تم نے دیکھا نہیں ثابت کرتا ہے کہ ملائکہ کا نزول جو جنگوں میں ہوا وہ ان آنکھوں سے نہیں دیکھا گیا ہاں کسی صحابی نے کشفی نظر سے دیکھ لیا ہو تو الگ بات ہے +

نجاسة

۱۲۷۹ نجس۔ نجاسة پلیدی کو کہتے ہیں وہ بھی جو حاسہ سے معلوم ہو یعنی جسمانی پلیدی اور وہ بھی جو بصیرت سے معلوم ہو یعنی باطنی ناپاکی (غ) اور یہاں مراد روحانی نجاست ہے اور مبالغہ کیلئے اسم کو استعمال کیا ہے گویا عین نجاست ہیں۔ مراد یہ نہیں کہ انکے جسم پلید ہیں ان سے مسجد حرام پلید ہو جائے گی۔ بلکہ انکے عقاید اور ان کا شرک ناپاک ہیں۔ اور مسجد حرام کو اللہ تعالےٰ نے توحید کا پاک نشان بنایا ہے +

مسجد حرام میں غیر مسلم کو داخل ہونے کی ممانعت

مسجد حرام میں مشرکوں کے آنے کو روک دیا۔ اسلئے کوئی غیر مسلم حدود حرم میں داخل نہیں ہوسکتا اور یہ حکم حج سے مخصوص نہیں بلکہ عام ہے یعنی کسی وقت بھی غیر مسلم حدود حرم میں داخل نہ ہو۔ اور مشرک کے لفظ میں ہر غیر مسلم اسلئے داخل ہے کہ توحید کا مذہب سوائے اسلام کے کوئی نہیں رہا یہ حکم ہر ایک مسجد کیلئے نہیں بلکہ خاص مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کیلئے ہے۔ اور اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا اسلام کا یہ مرکز غیر مسلموں کے تصرف میں نہ آنے پائے۔ بلکہ یہ امر کمال علم الٰہی پر دلالت کرتا ہے

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر تم کو مفلسی کا ڈر ہو تو اللہ اگر چاہے گا تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا بے شک اللہ

۲۹ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا

علم والا حکمت والا ہے ۱۲۵۰ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ پچھلے دن پر اور نہ ہی

يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ

ان چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہیں جو اللہ اور اسکے رسول نے حرام کیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ ع

کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ محکوم ہوں ۱۲۵۱

کہ ان حالات کا انکشاف آنحضرت صلعم پر کیا جو تیرہ سو سال بعد دنیا میں پیدا ہونے والے تھے کہ غیر مسلم طاقتیں مسلمانوں کے ملکوں میں تھوڑی تھوڑی آمد و رفت کرتے کرتے پھر تدریجاً کچھ رسوخ حاصل کرتے کرتے آخر ان ممالک پر متصرف ہو جائینگی اسلئے عالم الغیب اور حکیم خدا نے (جیسا کہ آخری الفاظ ان اللہ علیم حکیم میں اشارہ کیا) اپنے کامل علم و حکمت سے حدود حرم کو جو اسلام کا مرکز ہی غیر مسلموں کے دخول سے پاک رکھا۔ ہاں یہ حکم مسلمانوں کو دیا ہی جس میں یہ بھی بتا دیا کہ بادشاہت اس ملک کی تمہارے ہی ہاتھ میں رہیگی اور تم اس امر کے بجا لانے پر قادر رہوگے ۔

عال۔ عیلة مفلس
مکہ کیلئے فقر کی دوری کی بشارت

۱۲۵۰ عیلة کے معنی فقر ہیں اور عال کے معنی فقیر ہو گیا ووجدك عائلا فاغنى (الضحیٰ ۹۳ - ۸) مفلسی کے خوف کا ذکر اسلئے کیا کہ مکہ تو خود وادی غیر ذی زرع میں تھا۔ تجارت سے اس کی ساری رونق تھی۔ بالخصوص موسم حج میں تجارتی مال دور دور سے لوگ ساتھ لاتے تھے۔ اور اہل مکہ کو بیٹھے بٹھائے تجارت سے نفع حاصل ہوتا تھا۔ سو فرمایا کہ یہ خوف مت کرو اللہ تعالیٰ اسکے سامان اپنے فضل سے پیدا کر دیگا۔ وہ فضل کے سامان یہ تھے کہ سارے ملک عرب کو مسلمان کر دیا بلکہ سارے عالم میں اسلام کو پھیلا دیا ۔

جزیة
جزیہ کیا ہی

۱۲۵۱ الجزية ۔ یہ لفظ جزا سے نکلا ہی جسکے معنی بدلہ ہیں۔ اسلئے جزیہ کسی چیز کا بدلہ ہی وتسميتها بذلك للاجتزاء بها في حقن دمهم (رغ) یعنی اس کا نام جزیہ اسلئے رکھا گیا کہ یہ انکی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہی جنسے لیا جاتا ہی گو یا جزیہ ایک ٹیکس ہی جو غیر مسلموں سے اخراجات حفاظت ملک کے بدلہ میں لیا جاتا ہی جس حفاظت کیلئے مسلمان اپنی جان دیتا ہی دوسرے سے صرف ایک قلیل رقم لی جاتی ہی جب مسلمان کسی دوسری قوم پر حکومت کرینگے تو لازماً انکے جان و مال کی حفاظت وہ کرینگے کیونکہ حفاظت کا کام حکومت کے سپرد ہی ہوتا ہی اور ایسا ہی دشمن سے بھی انکی حفاظت کرینگے ۔ اسکے عوض ان سے ایک رقم لے لیجاتی تھی ۔ جو اس حفاظت کا معاوضہ ہو جاتی تھی ۔ اسی کو جزیہ کہا جاتا ہی ۔ اور یہ امر کہ یہ صرف حفاظت کا بدلہ ہی اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی فوجیں حمص سے جو شام میں واقع ہی ہٹ آئیں تو حضرت ابو عبیدہ نے وہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا کر کئی لاکھ کی رقم جزیہ سب واپس کر دی کہ اب ہم چونکہ تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اسلئے یہ رقم ہم نہیں رکھ سکتے ۔ اور ایسا ہی اضلاع میں لکھ دیا کہ جہاں سے اسلامی لشکر ہٹ آئے وہاں کی رقم جزیہ واپس کر دی جائے

ع ۸ / ۱۱

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ ۳۰

اور یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ اُن کے مُنہ کی باتیں ہیں ۱۲۴۳

اہل کتاب بھی اسلام کے خلاف کوششیں اور اسلام کا آخری غلبہ

عن ید

عن ید۔ ید کے معنی ہاتھ اور مجازاً قوت کے معنی میں آتا ہے۔ تو مراد ہوئی قوت کی وجہ سے یعنی مسلمانوں کے ان پر غالب ہونے کی وجہ سے اور راغب نے اسکے معنی کئے ہیں عَنْ مُقَابَلَةِ نِعْمَةٍ عَلَيْهِمْ فِي مُقَارَّتِهِمْ یعنی اس نعمت کے مقابل پر جو انکو آرام دیا جانے سے ملی ہے۔ اور بعض نے عن ید کے معنی عن غنی کئے ہیں یعنی غنی ہونے کی حالت میں جزیہ دیں اسلئے کہ فقیر عاجز سے جزیہ نہیں لیا جاتا (د) یہ معنی اسلئے قابل ترجیح ہیں کہ محکومیت کا مفہوم صاغرون میں آجاتا ہے ۔

صاغر

صاغرون ۔ صاغر کے معنی راغب نے لکھے ہیں جو چھوٹے مرتبہ پر راضی ہو پس مراد حالت محکومیت ہے ۔

اہل کتاب کے ساتھ جنگ کے احکام

یہ آیت مضمون سابق کے لئے بطور تتمہ کے ہے۔ قرآن کریم میں اور بالخصوص اس سورت میں جس قدر احکام جنگ کے متعلق ابتک آئے ہیں وہ سب مشرکوں کے متعلق ہیں اور یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید سوائے مشرکوں کے مسلمانوں کو دوسروں سے جنگ کی ضرورت ہی کبھی پیش نہ آئے گی۔ اسلئے اہل کتاب کا نام بھی یہاں لے دیا ہے اور منشا صرف اس قدر ہے کہ جن حالات میں مشرکوں سے جنگ کی اجازت یا حکم دیا ہے انہی حالات میں اہل کتاب سے بھی جنگ جائز ہے۔ اور اہل کتاب کا نقشہ جو کھینچا ہے تو اس میں بھی بتایا ہے کہ یہ مذہب حق سے جس پیمان کو قایم کیا گیا تھا بالکل گر گئے ہیں جس کی تفصیل اگلے رکوع میں آئے گی ۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہاں قاتلوا کا حکم ہے اور مقاتلہ میں دو فریق ہوتے ہیں اقتلوا کا حکم نہیں کہ انہیں قتل کرنے کا اختیار ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے قتال پر جو حد بندی وارد ہو چکی ہے وہ اہل کتاب کی صورت میں باطل نہیں ہو جاتی اور وہ یہ ہے۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا یعنی جنگ صرف ان لوگوں کے ساتھ ہو جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ اور پھر ضرورت جنگ سے نہ بڑھیں ۔

نبی کریم نے رومی اہل کتاب سے جنگ کیوں نہیں کی

کیا نبی کریم صلعم کا عمل اسکے مطابق تھا یا نہیں۔ رومن امپائر عرب کے شمال میں لگتی تھی اور آپ کو خبر پہنچی کہ یہ لوگ عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپنے فوراً تیس ہزار کی فوج جمع کی اور عرب کی شمالی حد پر پہنچ گئے۔ یہ غزوۂ تبوک ہے جس کا مفصل ذکر آگے آئیگا۔ مگر وہاں آپکے مقابلہ کیلئے کوئی لشکر تیار نہ پایا۔ اب اگر اہل کتاب سے جنگ کرنے کا حکم مشروط نہ ہوتا تو ظاہر تھا کہ حکم بھی موجود ہے فوج بھی موجود ہے مقابل میں تیاری نہ ہونے سے کامیابی کی اُمید بھی بہت زیادہ ہے۔ مگر نبی کریم صلعم نے کیا کیا؟ بغیر جنگ کے واپس آئے کیوں؟ اسلئے کہ الذین یقاتلونکم کی شرط پوری نہ ہوئی تھی پس الفاظ قرآنی اور عمل نبی کریم صلعم دونوں اس پر شاہد ہیں کہ اہل کتاب سے جنگ بھی اسی طرح مشروط ہے جس طرح مشرکوں سے ۔

ہاں یہاں یہ فرمایا کہ اہل کتاب یعنی دوسرے مذاہب تو ہمیشہ رہینگے عرب کی بت پرستی کی طرح نابود نہ ہو جاوینگے اسلئے فرمایا کہ جنگ ان سے کرنی پڑے اور وہ جزیہ قبول کریں تو جنگ مت کرو اور جزیہ کے لینے میں جو حاکم کا کام ہے اور اسکے لئے لفظ صاغر اختیار کرکے یہ بھی بتا دیا کہ اہل کتاب کے ساتھ جنگوں میں مسلمان کامیاب ہونگے۔ اور اہل کتاب مغلوب ہونگے ۔

۱۲۴۳ اہل کتاب کے ساتھ جنگوں کا ذکر کیا تو بتا دیا کہ یہ لوگ بھی اسلام کی کامیابی کو نہیں چاہتے اور اسکے خلاف کوشش کرتے ہیں مگر اسلام آخر کار غالب ہوگا۔ مگر اصل مضمون سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کی غلطیوں کا کچھ ذکر کیا ہے ۔

حضرت عزیر

عزیر یا عزرا یہودیوں میں ایک بڑے عظیم الشان نبی گزرے ہیں۔ علمائے طالمود نے انکے متعلق بڑے مبالغہ آمیز بیان کئے ہیں۔ یہاں تک کہ جیسا کہ یہودی انسکلوپیڈیا میں ہے بعض نے کہا ہے کہ اگر موسیٰ پر شریعت نازل نہ ہوئی ہوتی تو عزیر

يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ النصف

یہ ان کی بات کی نقل کرتے ہیں جو پہلے کافر ہوئے اللہ ان کو ہلاک کرے کہاں سے الٹے پھیرے جاتے ہیں ۱۲۴۳

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ ۳۱

انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے رب بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

اور ان کو سوائے اسکے کچھ حکم نہ دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھیراتے ہیں ۱۲۴۴

پر نازل ہوئی۔ ممکن ہے اس زمانہ میں یہودیوں کی قوم اس قسم کے بیانات کی وجہ سے اور عیسائیوں کے مقابل میں اگر مسیح عزیر کو ابن اللہ کہنے لگی ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر مباحثات یہود کے ساتھ ہیں ان میں ان کو براہ راست یہ الزام نہیں دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن اللہ ہونے کا عقیدہ اگر فی الواقع ان میں تھا تو ساری قوم کا نہ تھا کسی ایک شاخ کا ہوگا۔ اور یا ممکن ہے کہ یہاں ابن اللہ کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہو جیسے دوسری جگہ ہے وقالت الیھود والنصارٰی نحن ابناء اللہ واحباءہ (المائدۃ ۱۸) اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں۔ جہاں ابناء اللہ کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ اور مطلب صرف یہی ہے کہ اسکے ایسے پیارے ہیں جیسے باپ کو بیٹا پیارا ہوتا ہے۔ اسی طرح عزیر کو ابن اللہ کہنے سے مراد یہی ہو کہ وہ ان کی عزت انکے اصل مرتبہ سے بڑھکر کرتے ہیں +

ضاھی

۱۲۴۳ یضاھئون۔ ضاھی بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے اور اسکے معنی ہیں مشابہت اختیار کی (غ)

قاتلھم اللہ

قاتلھم کے معنی بعض نے کئے ہیں اللہ ان پر لعنت کرے اور بعض نے اللہ انکو قتل کرے۔ راغب کہتے ہیں درست یہ ہے کہ یہ باب مُفَاعَلَة سے ہے اور مطلب یہ ہوگا گویا ایسا شخص اللہ کے ساتھ جنگ کا قصد کرتا ہے اور جو اللہ کیساتھ مقابلہ کریگا وہ مغلوب ہوگا

عیسائیوں کا عقیدہ ابنیت مسیح میں پہلے کافر قوموں کی نقل ہے

ان الفاظ میں ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جس کی اطلاع آج دنیا کو ہوئی ہے یعنی یہ کہ عیسائیوں نے خدا کا بیٹا تجویز کرنے میں پہلی کافر قوموں کی نقل کی ہے۔ آج یونانیوں اور رومیوں کے مذاہب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فی الواقع یہ خدا کا بیٹا بنانے کا عقیدہ ان میں مروج تھا اور وہیں سے پولوس نے اس کو لیا کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ یہودی تو حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کرتے تو اس نے حضرت مسیح کے بعض الفاظ کو جو مجاز اور استعارہ کے طور پر تھے۔ حقیقت پر محمول کرکے اور اصل بنائے مذہب قرار دیکر بت پرستی سے ملتا جلتا ایک مذہب بنا دیا جس کی وجہ سے غیر یہودی اقوام کا میلان عیسائیت کی طرف بہت ہوگیا یہی الزام قرآن شریف نے دیا ہے کہ عیسائیوں کا مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینا ان کی ایجاد نہیں بلکہ پہلی کافر قوموں کی ریس کرکے یہ مذہب بنا لیا ہے یوں تو بعض لوگ بھی خدا کی طرف بیٹیاں منسوب کرتے تھے مگر من قبل کا لفظ بڑھا کر یہ صاف کر دیا کہ قرآن کریم کی مراد عیسائیت سے پہلی کافر قومیں ہیں +

اربابا من دون اللہ کی تفسیر

۱۲۴۴ ارباب۔ رب کی جمع ہے دیکھو ۲۔ جب کسی کی اطاعت میں غلو کیا جائے تو اسے بھی معبود یا رب ہی کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ احبار و رہبان کی عبادت تو نہ کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ جو اللہ نے حلال کیا ہے وہ حرام کہدیتے تو لوگ بھی اسے حرام سمجھ لیتے اور جو اللہ نے حرام کیا ہے اسے حلال کہدیتے تو لوگ بھی اسے حلال سمجھ لیتے۔ مسیح ابن مریم کا نام الگ لینے سے بالخصوص عیسائیوں

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ ۳۲

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ کو کچھ منظور نہیں مگر یہی کہ اپنے نور کو پورا کرے گو کافر

الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى ۳۳

برا ہی مانیں ۱۲۸۵ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو کل دینوں پر

النصف

الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا ۳۴

غالب کرے گو مشرک برا ہی مانیں ۱۲۸۶ اے لوگو جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے

کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے اس معیار پر آج مسلمانوں میں جس قدر گدیاں ہیں الا ماشاء اللہ ان سب کو انکے مرید ارباباً من دون اللہ سے کم نہیں سمجھتے کیونکہ جو کچھ پیر کہدے اسکے مقابل شریعت کی پروا بھی نہیں کی جاتی +

نور اللہ

۱۲۸۵ نور اللہ سے مراد نبوت محمدیہ ہے یا دین اسلام۔ بافواھھم سے مراد انکے اقوال باطلہ ہیں جنکے ساتھ دلیل کوئی نہیں +

اس آیت میں ایک طرف تو یہ بتایا کہ عیسائیوں کے کیا کیا منصوبے اسلام کے خلاف ہیں اور وہ کس طرح اسلام کے نیست نابود کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور دوسری طرف نہایت پر زور الفاظ میں یہ خبر ہے کہ دین اسلام کامل ہو کر رہیگا +

ظہر

۱۲۸۶ یُظْھِرہٗ۔ ظَھْر کے معنی پیٹھ ہیں اور سواری کو بھی کہتے ہیں اور بطور استعارہ اس پر بھی بولا جاتا ہے جس سے قوت ملے۔ اور ظَھَرَ علیہ کے معنی ہیں غَلَبَہٗ یعنی اس پر غالب آگیا۔ اسی سے یظھرہ غالب کرنے کے معنی میں ہے (غ) +

دین اسلام کے کل ادیان پر غلبہ کی پیشگوئی

یہ دوسری خوشخبری ہے۔ پہلی آیت میں تو یہ بتایا تھا کہ دین اسلام کو یہ نیست و نابود نہیں کر سکینگے۔ اب فرمایا کہ یہی نہیں بلکہ یہ دین کل ادیان پر غالب کر دیا جائیگا۔ عیسائی اسبات پر خوش ہو رہے ہیں کہ اب اسلام کی حکومت دنیا سے اٹھ گئی اسلئے اب عیسائیت غالب آجائیگی۔ لیکن اہل نظر دیکھ سکتے ہیں کہ اسلام کی حکومت باوجود مسلمانوں کی محکومی کے دنیا پر بڑھ رہی ہے۔ اسلام کی حکومت پہلے بھی دلوں پر تھی اب بھی دلوں پر ہے ہاں مسلمانوں کو حکومت دیدی گئی تھی کیونکہ اس وقت بغیر اسلامی حکومت کے اسلام کا پھیلنا ناممکن تھا۔ اب بغیر مسلمانوں کی حکومت کے بھی اسلام پھیل سکتا ہے اور چونکہ عیسائیوں کا یہ اعتراض اسلام پر تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کی وجہ سے ابتدا میں اسلام پھیل گیا اور بزور شمشیر پھیلا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری قوم کے ہاتھ میں حکومت اور تلوار دیکر ان کو اسبات پر بھی آمادہ کر دیا ہے کہ وہ سارا زور اسلام کے خلاف لگالیں بالآخر حق ہی غالب ہوگا۔ چنانچہ ایک طرف اگر اسلامی حکومتیں گرتی جاتی ہیں تو دوسری طرف اصول اسلام غالب آتے چلے جاتے ہیں توحید اسلامی۔ مساوات نسل انسانی جسکی تعلیم اسلام نے دی اگر ایک طرف روز بروز ترقی کر رہے ہیں تو دوسری طرف تثلیث و کفارہ کے اصول خود بخود گھٹتے چلے جاتے ہیں۔ ساری دنیا پر عیسائیت کی حکومت ظاہری کے باوجود اس کی حکومت باطنی گر گئی اور مسلمانوں کی محکومیت کے باوجود اسلام کی حکومت باطنی مضبوط ہوتی جا رہی ہے +

عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ

غلبہ دین اسلام اور مسیح موعود

اکثر مفسرین کا اسبات پر اتفاق ہے کہ یہ اظہار دین اس امت میں مسیح موعود کے ظہور کے بعد ہوگا (ج) البتہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اظہار اسلام سے مراد کل دینوں کا ہلاک ہو جانا ہے بلکہ غلبہ یا اظہار کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ دوسرے دین بھی رہینگے مگر غالب دین اسلام ہوگا۔ اس زمانہ میں دین عیسوی کے عقاید خود بخود اسطرح دلوں سے نکلتے چلے جاتے ہیں اور خود عیسائی ان سے اسطرح بیزار ہو رہے ہیں اور دوسری طرف عقاید حقہ اسلامیہ کی قبولیت یوں خود بخود بڑھتی جاتی ہے کہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کا زمانہ آچکا ہے +

مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

علماء اور راہب لوگوں کے مال جھوٹ کے ساتھ کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ

روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں

اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ۝ ۳۵ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا

کرتے تو ان کو دردناک دکھ کی خبر دو ۱۲۸۷ جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائیگا پھر اُسکے ساتھ ان کی

جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

پیشانیاں اور ان کے پہلو اور اُن کی پیٹھیں داغی جائینگی یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو (اسکا مزا) چکھو جو تم جمع کرتے تھے ۱۲۸۸

علماء و مشائخ کی حالت

۱۲۸۷ اس آیت میں اول علماء و مشائخ کے مال وزر بالباطل کھانے کا ذکر ہو لکھا ہو کہ اس زمانہ میں علمائے یہود و نصاریٰ عوام کالانعام کو اس طرح دھوکہ دیکر انکا مال کھاتے تھے کہ ہم کو راضی کرلوگے تو اللہ راضی ہو جائیگا اور رشوتیں لیکر فتویٰ دیتے تھے مگر یہ یہود و نصاریٰ کے علماء تک محدود نہیں بلکہ ان کے ذکر میں مسلمانوں کو سمجھایا ہو چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں اکثر علماء و مشائخ کی یہی حالت ہو کہ وہ بھی اپنی رضا میں خدا کی رضا بتاتے ہیں یہی لوگ پھر اللہ کی راہ سے روکنے والے بھی ہو جاتے ہیں اسلئے کہ ذاتی اغراض درمیان میں آجاتی ہیں۔ اور یہ لوگ حق کے دشمن ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ کے علماء آنحضرت صلعم کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور آج بھی علماء و مشائخ نے اس حق کی مخالفت کی جو ایک مجدد کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا تھا اور جس نے سوائے خدمت دین اسلام کے اور کسی طرف نہیں بلایا ۔

مال جمع کرنا اور ابوذرؓ

سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے کیا مراد ہو۔ حضرت ابوذرؓ نے اس بارہ میں یہانتک مبالغہ کیا کہ انکے نزدیک سونے چاندی کا گھر میں رکھنا ہی منع تھا اس بارہ میں ان کا صحابہ سے اختلاف بھی سخت تھا۔ یہانتک کہ ایک دفعہ کعب کے پیچھے ڈنڈا لیکر دوڑے اور انہوں نے حضرت عثمان کے پاس جاکر پناہ لی جس کی وجہ سے آخر کار حضرت عثمان کو حکم دینا پڑا کہ وہ ربذہ میں جارہیں تاکہ فساد نہ ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال درست نہیں اسلئے کہ پھر زکوٰۃ کس چیز پر ہو اور وراثت کی تقسیم کا کیا مطلب ہو۔ خود نبی کریم صلعم سے مروی ہو کہ آپ نے فرمایا کہ مال کو پاک کرنے کیلئے زکوٰۃ فرض کی گئی ہو پس مال کی وہی محبت بری ہو جب انسان اللہ کی راہ میں کچھ صرف نہ کرے۔ یا غربا کا اس میں کچھ حق نہ سمجھے۔ مال کے جمع کرنے کے بارہ میں افراط و تفریط دونوں راہوں سے بچنا چاہئے آج اگر ایک طرف مال کے چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہونے سے یورپ میں مصائب پیش آرہی ہیں تو ان کے مقابل بولشویکوں کا گروہ پیدا ہو گیا ہو جنہوں نے تفریط کی راہ اختیار کی ہو۔ اسلام کی تعلیم اعلیٰ درجہ کے اقتصاد اور میانہ روی کی ہو مال بھی جمع کرو مگر غربا کا حصہ دیتے رہو اور ملامت ان لوگوں کو کی ہو جو مال جمع کرتے ہیں پھر اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے صرف جمع کرنیوالوں کو ملامت نہیں

حمی

حمیۃ

۱۲۸۸ حمی حمی وہ حرارت ہو جو گرم جواہر سے پیدا ہوتی ہو جیسے آگ اور سورج اور وہ بھی جو بدن میں قوت حارہ سے پیدا ہوتی ہو اور قوت غضبیہ جب جوش میں آئے تو اسے حمیۃ کہا جاتا ہو حمیۃ الجاھلیۃ (الفتح ۲۶) ۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ ۳۶

بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کے حکم میں بارہ مہینے ہے جس دن آسمان اور زمین

الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا

پیدا کئے اُن میں سے چار حرمت والے ہیں یہ دین مضبوط ہے سو اُن کے بارہ میں اپنے آپ پر ظلم مت کرو اور مشرکوں سے

الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

سب کے سب جنگ کرو جس طرح کہ وہ تم سے سب کے سب جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ۱۲۸۹

کَیّ تکوی۔ کوئی جانور کے داغ دینے پر بولا جاتا ہے اور مصدر کیّ ہے +

جبهة جباھھم۔ جبہۃ ماتھے کو کہا جاتا ہے وہ جگہ جو سر میں سے سجدہ میں زمین پر لگتی ہے +

جنب جنوب۔ جنب کی جمع ہے کروٹ یا پہلو +

پیشانی وغیرہ کا داغا جانا

آخرت کی سزا کا ذکر عموماً انہی الفاظ میں ہوتا ہے جس قسم کی بدی ہو۔ انسان مال جمع کر کے اس سے دوسروں پر وجاہت قایم کرتا ہے اور دوسروں سے متکبرانہ پیش آتا ہے۔ اور حاجتمندوں پر پیٹھ پھیر لیتا ہے اسلئے وہ پیشانی جس سے وہ اظہار فخر کرتا ہے اور وہ پہلو جو وہ بوجہ تکبر پھیر لیتا ہے (واذا انعمنا علی الانسان اعرض و نا بجانبہ) اور وہ پیٹھ جو وہ حاجتمند پر پھیرتا ہے سب محل سزا ہو جاتے ہیں اور یوں سزا بھی محیط ہو جاتی ہے کہ سامنے پیشانی پر اور کروٹ پر اور پیٹھ پر سب طرف اس کا اثر ہے۔ دولت کا نرا جمع کرتے جانا اور اس کا خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا اس دنیا میں بھی دکھ کا موجب بن جاتا ہے اور وہ سکھ جو انسان اس سے چاہتا ہے حاصل نہیں ہوتا +

سال کے بارہ ماہ اور حرمت کے چار مہینے

۱۲۸۹ اہل کتاب کا ذکر درمیان میں ضمنی طور پر آ گیا تھا۔ اصل مضمون مشرکین سے جنگ کا تھا۔ اور غزوۂ تبوک اور منافقین کا ذکر شروع کرنے سے پہلے اسی اصل مضمون کی طرف عود کیا ہے۔ تو چونکہ جنگوں کا ذکر تھا اسلئے حرمت کے مہینے جن میں جنگ کرنا منع کیا گیا ہے ان کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرک لوگ نسئی کے ذریعہ سے حرمت کے مہینوں کو بدلتے رہتے تھے جس سے امن اٹھ جاتا تھا چنانچہ خود اسی نویں سال میں حج ذیقعدہ میں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بھی کہ مشرکوں کے لئے یہ ایک اعلان تھا۔ یہ اطلاع ضروری تھی کہ آیندہ یہ تغیر و تبدل نہ ہونگے پس فرمایا کہ مہینے تو بارہ ہی ہیں۔ اور پہلے دن سے ہی بارہ ہیں چنانچہ سب قوموں میں سال کے بارہ مہینے ہی پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چار حرمت کے مہینے ہیں جن کے بارہ میں فرمایا اپنے آپ پر ظلم مت کرو یعنی ان کے اندر جنگ مت کرو۔ اور اس کو یعنی حرمت کے تسلیم کرنے کو دین قیم کہا ہے۔ اس لحاظ سے کہ یہ ایک مضبوط اصول ہے جس سے جنگوں کے اندر قوموں کی زندگی وابستہ ہے۔ اور یا دین یہاں بمعنی حساب ہے، یعنی یہ حساب مضبوط ہے۔ اس سے شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا +

مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں ایک ہونے کی نصیحت

حرمت کے مہینوں کو قایم کر کے پھر فرمایا کہ مشرکوں کے ساتھ سب کے سب جنگ کرو جس طرح وہ سب کے سب تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں جس میں یہ اصول سمجھایا ہے کہ دشمن کے مقابل میں سب مسلمانوں کو ایک رہنا چاہئے جس طرح دشمن مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک ہو جاتے ہیں +

۳۷ إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا

مہینوں کا پیچھے کر دینا کفر میں ایک زیادتی ہے وہ جو کافر ہیں اس کے ساتھ گمراہ کئے جاتے ہیں ایک سال اسے حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام قرار دیتے ہیں

لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا

تاکہ ان (مہینوں) کی گنتی کے مطابق کر لیں جو اللہ نے حرام کئے ہیں اور یوں جو اللہ نے حرام کیا ہے اسے حلال قرار دیں ان کو ان کے برے کام اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ

۳۸ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ

ع ۶ ۵ ۱۲

غزوہ تبوک اور منافقوں کا پیچھے رہ جانا

کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا ۱۲۹۰ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارا کیا عذر ہے کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں

اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ

نکل پڑو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاؤ کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر (گر جانے کو) راضی ہو گئے ہو مگر دنیا کی زندگی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

کا سامان آخرت کے مقابلہ میں تو تھوڑا ہی ہے ۱۲۹۱

نسئ — ۱۲۹۰ نسئ۔ نَسْئ کے معنی تاخیر کرنا یا پیچھے ڈال دینا ہیں۔ اور نسیئۃ حرمت کے مہینوں کا پیچھے ڈال دینا ہے جو عرب لوگ کرتے تھے

نسئ کی غرض — بعض وقت یہ لوگ یوں کیا کرتے تھے کہ اگر جنگ ہو رہی ہو اور حرمت کا مہینہ آجائے تو اسے پیچھے ڈال دیتے یعنی اس کی بجائے کسی پچھلے مہینہ کو حرمت والا قرار دے لیتے بعض اور اغراض کے لئے بھی ایسا کر لیتے تھے۔ اس سے ناواقفوں کو بڑی تکلیف ہوتی تھی اسلئے نسئ کو ناجائز قرار دیا گیا۔ اور فرمایا کہ خدا کے حکم میں جب چار ماہ کی حرمت قرار دی گئی تو یہ نسئ نہ تھی یہ پیچھے کافروں نے اپنی اغراض کیلئے بنالی۔ اس لئے اب اس کو دور کیا جاتا ہے +

نَفْر — ۱۲۹۱ انفروا۔ نَفْر قرار پکڑنے کی ضد ہے (ل)، یا گھبرا کر ایک چیز سے ہٹ جانا یا ایک چیز کی طرف نکل پڑنا ما زادهم الا نفورا (فاطر ۴۲) اور جنگ میں نکلنے کو بھی نفر کہا جاتا ہے اور نَفَر اور نفیر کئی آدمیوں کو کہتے ہیں گویا ان کے لئے باہر نکلنا ممکن ہے (غ) +

نَفَر۔ نفیر

ثقل۔ ثقیل — اثاقلتم۔ ثِقَل۔ خِفّۃ کے مقابلہ پر ہے۔ اور اجسام اور معانی دونوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور ثقیل کا استعمال انسان میں اکثر ذم کے مقام پر ہوتا ہے کبھی مدح پر بھی اور چونکہ اجسام میں ثقیل وہ ہیں جن کا میلان نیچے کی طرف ہوتا ہے جیسے پتھر وغیرہ

اثاقل — اور خفیف وہ جنکا میلان اوپر کیطرف ہو اسلئے اثاقل میں اشارہ یہاں پستی کی طرف جھک جانے کی طرف ہے (غ)، اور اسکا اصل تثاقلتم ہے

جنگ تبوک — یہاں سے جنگ تبوک اور اسکے متعلق واقعات کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ یہ مہم رجب ۹ھ میں تیار ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ نبی کریم صلعم کو سلطنت روما کے متعلق یہ خبریں متواتر پہنچیں کہ وہ عرب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں جنگ کے معاملہ میں آپ کا طریق نہایت احتیاط کا تھا جب کبھی کسی قوم کی تیاری کی خبر آپ کو پہنچتی آپ فوراً اس کے انسداد کے لئے مہم روانہ کر دیتے تھے اس موقعہ پر بھی متواتر خبروں کے پہنچنے پر آپ نے تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا تھا اول تو ایام قحط تھے دوسرے ملک شام کی حدود تک ایک بہت ہی لمبا سفر تھا اور راستہ میں پانی اور رسد وغیرہ کی قلت تھی تیسرے فصل بالکل پختہ کاٹنے کے لئے تیار تھی اور اس حالت میں اس کو چھوڑنا بڑا مشکل تھا چوتھے موسم سخت

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَ ۳۹

اگر تم نہ نکلو تو وہ تم کو دردناک دکھ کا عذاب دیگا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا اور تم اس کو کچھ ضرر نہ دے سکو گے اور

اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۴۰

اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲۹۲ اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی جب اس کو ان لوگوں نے جو کافر تھے نکالا

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ

(اس حال میں کہ) وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب اس نے اپنے رفیق کو کہا غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے سو اللہ نے

اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ

اپنی تسکین اس پر اتاری اور اسکو ایسے لشکروں سے قوت دی جنکو تم نہ دیکھتے تھے اور ان لوگوں کی بات کو جو کافر تھے نیچا دکھایا

وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا ۴۱

اور اللہ کی بات ہی بلند ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۱۲۹۳ ہلکے اور بوجھل نکل پڑو

گرمی کا تھا۔ اور پانچویں مقابلہ عرب کی کسی قوم سے نہ تھا بلکہ ایک منتظم سلطنت کی باقاعدہ فوجوں سے مقابلہ تھا جو ہر قسم کے سامان جنگ سے آراستہ تھیں اور روما اور ایران کی سلطنتوں سے عرب کے لوگ ہمیشہ خائف رہتے تھے کیونکہ ان کی طاقت کے سامنے عربوں کی طاقت ہیچ تھی۔ مگر باوجود ان مشکلات کے مسلمانوں نے نبی کریم صلعم کی آواز پر لبیک کہا۔ اور تیس ہزار آدمی آپکے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور کسی نے مشکلات کی پروانہ کی بلکہ جو لوگ تنگدست تھے اور سواری کا انتظام ان کیلئے نہ ہو سکا وہ روتے ہوئے پیچھے رہے البتہ منافقوں کی تمیز کا یہ آخری موقعہ آپہنچا تھا۔ اور وہ طرح طرح کے عذر کرکے رہ گئے۔ یہ جنگ عیسائیوں سے تھی اور اس لئے اس کے ذکر سے پہلے اہل کتاب کے ساتھ جنگ کا ذکر بھی آچکا ہے اور نبی کریم صلعم کی جنگوں میں یہ سب سے آخری جنگ تھی۔ شاید یہ اشارہ تھا کہ آخر کار مسلمانوں کا مقابلہ عیسائیوں سے ہی رہ جائیگا۔ اور یہاں جو اثاقلتم الی الارض کہا تو مطلب اس کا یہ نہیں کہ مومن زمین کی طرف جھک گئے تھے بلکہ یہ بطور حث ہے اور خطاب ان لوگوں سے ہے جو زبانی منہ سے دعویٰ ایمان کرتے تھے جیسا کہ آیت ۴۰ میں الا تنصروہ سے ظاہر ہے کیونکہ مومن مدد کرنیوالے تھے۔

۱۲۹۲ یہ عذاب منافقین کو ہی ملا جس سے معلوم ہوا کہ یہاں خطاب منافقوں سے ہی ہے ولا تضروہ شیئا یعنی جنگ کے لئے تمہارے نہ نکلنے سے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے دین کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔

غور۔ غار۔ مغار

۱۲۹۳ غار غور سے ہے۔ اور غور ہر چیز کی گہرائی کو کہتے ہیں اور اسی سے پہاڑ کی غار ہے اور مغار اور مغارۃ بھی غار کی طرح ہے اور مغارات (التوبۃ ۹ ۔ ۵۷) اور پانی کے بہت گہرائی میں چلے جانے پر بھی بولا جاتا ہے اصبح ماؤکم غورا (الملک ۶۷ ۔ ۳۰) اور اسی سے غور کسی چیز میں فکر کرنا ہے (دل)۔

اس آیت میں مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیسی کیسی مشکلات کے وقت میں اسلام کی نصرت کرتا رہا ہے اور نبی کریم صلعم کی انتہائی بیکسی کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے کہ مخالفین اسلام تو اس وقت بھی اسلام کو نیست و نابود نہ کر سکے تو اب

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ۱۲۹۶

مومنوں کو کیا خوف ہو جب اسلام اس قدر پھیل چکا ہو۔

ہجرت کے واقعات اور حضرت ابو بکر کی رفاقت

وہ واقعہ جس کا یہاں ذکر ہو نبی کریم صلعم کی مکہ سے مدینہ کو ہجرت کا واقعہ ہو جس کی طرف اذ اخرجہ الذین کفروا میں اشارہ ہو یعنی کافروں کی وجہ سے آپ کو نکلنا پڑا۔ آپ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ قاتلوں کا جتھا آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے کھڑا تھا۔ اس حالت میں آپ انکے درمیان سے نکلتے ہیں۔ اور سیدھے حضرت ابو بکر کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور یہ دونوں ساتھی رات کی تاریکی میں نکلتے ہیں نبی کریم صلعم نے سب صحابیوں کو ایک ایک کرکے اپنے سے پہلے رخصت کر دیا تھا سوائے حضرت علی اور حضرت ابو بکر کے۔ ان میں سے حضرت علی تو آپ کے بستر پر لیٹ رہے اور ان کے پیچھے رہنے کی غرض یہ تھی کہ امانتیں وغیرہ ادا کریں جو نبی کریم صلعم کے ذمہ تھیں اور حضرت ابو بکر کو آپ نے ہجرت میں ساتھی بنانے کے لئے چنا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر آپ سے بار بار دریافت کرتے رہتے تھے اور آپ فرماتے تھے کہ ابھی ہجرت کی اجازت مجھے نہیں ملی۔ آخر وہ وقت آیا تو آپ حضرت ابو بکر کو ساتھ لیکر نکلے جس کی طرف ثانی اثنین میں اشارہ ہو اور جو حضرت ابو بکر کی علو مرتبت پر شاہد ہو تیسرا مرتبہ اذ ھما فی الغار کا بیان کیا ہو۔ یہ غار ثور ہے جو مکہ سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر ہو۔ رات کے وقت غار میں جا کر چھپنا کس قدر خطرات سے پر ہو اور غار بھی نہایت بے آباد اور سنسان مقام میں جہاں انسان کا گزر نہیں حضرت ابو بکر اس غار میں پہلے داخل ہوئے اور اس کے سارے سوراخوں وغیرہ کو بند کیا اور ہاتھ پھیر کر اندر سے صاف کیا تب اس بات کا اطمینان کر کے کہ کوئی موذی جانور اندر نہیں نبی کریم صلعم کو اندر داخل ہونے دیا اور اس تاریک پر خطر جگہ میں یہ دونوں ساتھی چھپے۔ آخر کار دن چڑھا کفار کو پتہ لگا ہر طرف تلاش شروع ہوئی سراغ غار کے منہ تک پہنچا ادھر حضرت ابو بکر نے اوپر پاؤں کی آہٹ سنی تو آپ کو اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے اس پیارے رفیق کے لئے جس کی خاطر سب کچھ قربان کر رکھا تھا۔ فکر ہوا۔ کہ اب گریز کی کوئی جگہ نہیں۔ دو آدمی غار کے اندر ہیں اور دشمنوں کا جمگھٹا اس کے منہ پر اس حالت میں وحی الٰہی کی تسکین کام دیتی ہے۔ ہم دو نہیں بلکہ اللہ ہمارے ساتھ ہو۔ کیا عجب شان خداوندی ہے کہ ایک مکڑی غار کے منہ پر جالا تن دیتی ہو اور تلاش کرنے والے سراغ رسانی کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچے اور وہاں سے جالا دیکھکر واپس ہو جاتے ہیں۔ مکڑی کا جالا جو اوھن البیوت ہو وہ کام دے جاتا ہو جو ایسے اوقات میں بڑے بڑے مضبوط قلعے نہیں دے سکتے۔ یہ نصرت الٰہی کا نظارہ تھا۔

ایدہ بجنود لم تروھا میں یا تو اشارہ اس وقت نزول ملائکہ کی طرف ہے جنہوں نے آنحضرت اور ابو بکر کو تسکین دی اور یا بعد میں جنگوں میں نزول ملائکہ کیطرف اشارہ ہو کلمۃ الذین کفروا یا کافروں کی بات یہ تھی کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائیگا کلمۃ اللہ اسلام کے غلبہ کی پیشگوئیاں تھیں۔

فضیلت ابو بکر

خطاب ثانی اثنین میں۔ ان اللہ معنا میں حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت پر صریح دلیل ہو۔ اہل تشیع کو اس کی بڑی بھڑی تاویلیں کرنی پڑی ہیں اللہ کی معیت جو آنحضرت صلعم کو حاصل تھی اس میں حضرت ابو بکر بھی شامل ہیں۔ حضرت ابو بکر کی نصرت کو اللہ تعالےٰ اپنی نصرت قرار دیتا ہو۔

خفاف ثقال

۱۲۹۶ خفافا وثقالا ہلکا ہونا اور بوجھل ہونا کئی طرح سے ہو سکتا ہو اسلئے ان الفاظ کی کئی تاویلات کی گئی ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ خفافا یا ہلکا ہونے میں ہر وہ امر شامل ہو جسکی وجہ سے نکلنا سہل ہو جیسے قوت بدن صحت جسمانی جوانی کی عمر فراخیٔ مال قلیل سے فراغت سواری کا ہونا اور اسکے خلاف جو کچھ ہو۔ وہ ثقال میں داخل ہو جیسے ضعف جسمانی۔ کمزوری۔ بیماری۔ بڑھاپا۔ تنگیٔ مال۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ ۴۲

اگر فائدہ جلد ملنے والا اور سفر میانہ ہوتا تو ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے لیکن مشقت کا سفر انہیں بہت دور کا

الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ

معلوم ہوا اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں

وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ ۴۳

ع
منافقوں کے پیچھے رہنے کی وجوہات

اور اللہ جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں ۱۲۹۵ اللہ تجھے معاف کرے تو نے کیوں ان کو اجازت دی یہاں تک کہ تجھے

لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۝ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ ۴۴

تجھے وہ تیرے لئے الگ ہو جاتے اور تو جھوٹوں کو بھی جان لیتا ۱۲۹۶ جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں وہ

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

تجھ سے اجازت نہیں مانگتے کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد (نہ) کریں اور اللہ متقیوں کو

بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۴۵

خوب جانتا ہے وہی تجھ سے اجازت چاہتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان نہیں لاتے

وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝

اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں سو وہ اپنے شک میں تردد میں پڑے ہوئے ہیں

صورت معاش کا نہ ہونا وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ضرورت آ پڑے تو جس حال میں بھی ہو نکل پڑو +

عرض — ۱۲۹۵ عَرَض۔ عَرْض چوڑائی یا وسعت کو کہتے ہیں اور عَرَض وہ ہے جسے ثبات نہ ہو اسلئے حدیث میں آتا ہے الدنیا عرض حاضر پس عرض سے مراد تھوڑی دیر رہنے والا منافع یا مال دنیا ہے تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ (الانفال۔ ۶۷) یاخذون عرض ھذا الادنیٰ (الاعراف۔ ۱۶۹) (غ) +

شُقّہ۔شق — الشقۃ۔ وہ جانب جسکے پہنچنے میں مشقت اٹھانی پڑے اور شِق کے معنی مشقت ہیں الا بشق الانفس (غ) +

یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پیچھے رہ گئے یعنی منافقین چنانچہ ایک طرف لاتبعوک صاف بتاتا ہے دوسری طرف ان کا جھوٹی قسمیں کھانا اور پھر اگلے رکوع کا مضمون سب اس پر گواہ ہیں کہ اس رکوع میں منافقوں کا ذکر ہے +

عفا اللہ عنک — ۱۲۹۶ عفا اللہ عنک۔ یہ کلمہ بعض وقت صرف محبت اور تعظیم کے لئے بولا جاتا ہے (د) ایسا ہی موقعہ یہاں ہے جنگ تبوک کی مشکلات کو دیکھ کر منافقوں نے جو ہمیشہ جنگوں میں پیچھے رہ جاتے تھے عذر پیش کر کے نبی کریم صلعم سے اجازت مانگی آپ میں اس قدر حیا تھی کہ آپ نے ان کا پول کھولنا پسند نہ کیا اور ان کو اجازت دیدی یہ اجازت دینا اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف

۴۶ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ

اور اگر اُن کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اسکے لئے سامان مہیا کرتے لیکن اللہ نے اُن کا اُٹھنا ناپسند کیا سو اُن کو روک دیا اور کہا گیا

۴۷ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا

بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ ۱۲۹۷ اگر تم میں مل کر نکلتے تو تم میں سوائے فساد کے کچھ نہ بڑھاتے اور تمہارے اندر تمہارے

خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

لئے دکھ چاہتے ہوئے چغلیاں پھیلاتے پھرتے اور تم میں اُن کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۱۲۹۸

نہ تھا۔ بلکہ محض ایک طبعی حیا کی وجہ سے۔ اور یہ درحقیقت ایک نہایت بلند مقام اخلاق تھا جس کو ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا۔ گویا آپ میں صفت عفو اس قدر غالب ہے کہ اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تجھے بھی معاف کرے۔ یعنی جیسا معاملہ تو لوگوں سے کرتا ہے ایسا ہی اللہ تجھ سے کرے اس میں صدور گناہ کا وہم بھی نہیں پایا جاتا۔ ہاں یہ فرمایا کہ اب موقعہ آچکا تھا کہ یہ منافق الگ ہوجاتے روح المعانی میں علی بن الجہیم کا شعر متوکل کی مدح میں نقل کیا ہے جس میں یہی لفظ آتے ہیں عفا اللہ عنک۔ اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا لقد عجبت من یوسف علیہ السلام وکرمہ وصبرہ واللہ تعالیٰ یغفرلہ حین سئل عن البقرات العجاف والسمان مجھے یوسف علیہ السلام پر اور آپکے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ ان کو بخشے جب ان سے دُبلی اور موٹی گائیوں کے متعلق سوال کیا گیا۔ یہاں ذکر ان کے کرم و صبر کا ہے۔ اور ساتھ دعائے مغفرت ہے۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح اس نے مغفرت سے کام لیا۔ اللہ اس سے مغفرت کرے۔

عدد — **۱۲۹۷** اعدوا عُدَّةً دونوں کا مادہ عَدَّ ہے اور چونکہ بہتوں کو بھی گننے کی ضرورت پیش آتی ہے اسلئے کثرت پر بھی اس کا استعمال ہوا ہے قلت کے استعمال کیلئے دیکھو ۲۲۴) اور اَعْدَدْتُ کے معنی ہیں ایک چیز کو ایسا بنایا کہ دوسرا اس کو شمار میں لائے اور حسب حاجت رہے اعدت للکافرین (البقرۃ ۲ - ۲۴) واعد لہم جنات (التوبۃ ۹ - ۱۰۰) اعتدنا جہنم للکافرین (الکہف ۱۸ - ۱۰۲)

اعداد — جو سب تیار کرنے کے معنی میں ہیں اور عُدَّۃ وہ شے کثیر ہے جو گنی جائے مال ہو یا ہتھیار (غ)۔

عُدَّۃ — ثبط۔ تَثْبِیْط کے معنی ہیں روک دیا یا ایک چیز سے ہٹا دیا۔

تثبیط — مطلب یہ ہے کہ ان کا ارادہ کبھی جنگ کے لئے نکلنے کا ہوا ہی نہیں اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے کوئی تیاری ہی نہیں کی ہاں اللہ تعالیٰ کو بھی انکا نکلنا ناپسند ہی تھا کیونکہ ان سے بوجہ انکی دلی بیماری کے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا انکا نہ اُٹھنا اور وہاں کا رک رہنا ان کا اپنا فعل ہے مگر اس کو منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کیا ہے کیونکہ ان کے کسی پہلے فعل پر بطور سزا کے اللہ تعالیٰ نے ہی یہ نتیجہ مترتب کیا ہے انکے نکلنے سے کیا نقصان ہوتا وہ اگلی آیت میں بیان کیا ہے۔

وضع۔ اوضع — **۱۲۹۸** اوضعوا خلالکم۔ وَضْع کے معنی رکھنا اور جانور کے تیز چلنے پر بولا جاتا ہے (غ) اوضع اس کو تیز چلایا اور تیز چلنے کے معنی میں بھی آتا ہے خلال۔ خَلَل کی جمع ہے دو چیزوں کے درمیان خالی جگہ (غ) اوضعوا کا مفعول نمائم مقدر ہے یعنی

خلل — چغلیاں یا اوضعوا بالنمائم ترکیب ہے، اور معنی ہیں سَعَوْا وَسْطَکُمْ بالنمائم۔

سماع — سماعون لہم یعنی ان کی خاطر سننے والے یا اس غرض کے لئے بات سننے والے کہ ان کو پہنچائیں جاسوس۔

چونکہ فی الواقع یہ لوگ مسلمانوں کی تباہی چاہتے تھے۔ اسلئے اگر وہ نکلتے تو فساد پھیلانے کی ہی کوشش کرتے پس ان کا

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ ٤٨

یقیناً انہوں نے پہلے بھی دکھ میں ڈالنا چاہا تھا اور تیرے لئے تدبیریں کرتے رہے یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم

اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا ٤٩

غالب رہا اور وہ برا مانتے ہی رہے ١٢٩٩ اور اُن میں سے وہ بھی ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے اور مجھے دکھ میں نہ ڈالئے دیکھو

فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ ٥٠

دکھ میں تو یہ پڑ ہی گئے اور دوزخ یقیناً کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ١٣٠٠ اگر تجھے بھلائی پہنچے انہیں

تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا

برا لگتا ہے اور اگر تجھے تکلیف پہنچے کہتے ہیں ہم نے اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا اور وہ پھر جاتے ہیں اس حال میں

وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ ٥١

کہ وہ خوشیاں مناتے ہوتے ہیں کہہ دے ہم کو ہرگز کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہو وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ ٥٢

مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے ١٣٠١ کہو تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ہی ایک کا انتظار کرتے ہو

نہ نکلنا بہتری کا موجب ہی تھا۔ گو ان کا یہ فعل مستحسن نہیں +

تقلیب الامور

١٢٩٩ قلبوالك الامور۔ تقلیب الامور یعنی امور کے ہیر پھیر کے معنی محاورہ میں تدبیر کردن (کیونکہ تدبیر میں معاملات کے سب پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے۔ مراد ان کی منصوبہ بازیاں اور سازشیں ہیں جو نبی کریم صلعم کے خلاف کرتے رہتے تھے +

امر اللہ جو اللہ نے پہلے فرما دیا تھا۔ اللہ کا حکم۔ وہی آخر کار غالب رہا +

١٣٠٠ روایت ہے کہ بعض منافقوں نے یہ عذر بنا لیا کہ عیسائیوں کی عورتیں خوبصورت ہیں ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے جائینگے تو ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑینگے لیکن یوں بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ آپ کے ساتھ نکلنے سے مال و عیال ہلاک ہو جائیگا ہمیں اس تکلیف میں نہ ڈالئے۔ جواب میں فرمایا دکھوں میں تو اپنے افعال سے پڑ چکے ہیں یعنی اس دنیا میں بھی دکھوں میں مبتلا ہونگے اور پھر جہنم آئندہ زندگی میں ہے +

١٣٠١ یعنی تم ہم کو مصیبت پہنچانے پر قادر نہیں مگر چونکہ بعض مصائب انسان کی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہیں اس لئے فرمایا کہ ایسی مصائب جو اللہ نے ہمارے لئے مقدر کر رکھی ہیں ان کو ہم خوشی سے اٹھانے کو تیار ہیں کیونکہ وہ ہماری بہتری کا موجب ہیں ھو مولٰنا میں اسی طرف اشارہ ہے +

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا

اور ہم تمہارے حق میں انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب (دیا) اپنی طرف سے لائے یا ہمارے ہاتھوں سے سو انتظار کرو

۵۳ اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ○ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالے ہیں ۱۳۰۲ کہہ دے خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا

۵۴ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ

کیونکہ تم نافرمان قوم ہو ۱۳۰۳ اور کوئی چیز انکے حق میں مانع نہیں ہوئی کہ اُن کے کئے ہوئے خرچ اُن سے قبول کر لئے جائیں سوائے

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا

اس کے کہ وہ اللہ کا اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور نماز کو نہیں آتے مگر اس حال میں کہ وہ سست ہوں اور خرچ

يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○

نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوں ۱۳۰۴

مسلمانوں کیلئے دو بھلائیاں

۱۳۰۲ احدی الحسنیین۔ دو بھلائیوں میں سے ایک۔ منافق کبھی تو خیال کرتے تھے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے مارے جائینگے کبھی نصرتوں کو دیکھکر سمجھتے تھے کہ کامیاب ہو جائینگے ان دونوں باتوں کو مسلمانوں کے حق میں بھلائی فرمایا اس لئے کہ اگر کفار کے ہاتھ سے مارے جائیں تو بہرحال مقصد زندگی تو حاصل کر لیا کہ حق کی خاطر اپنی جانیں دیدیں۔ نتیجہ تو پھر بھی اچھا ہوا۔ اور یا نصرت الٰہی کے ساتھ حق پھیل گیا اور کامیاب ہوگئے تو یہ بھی بھلائی ہے۔ دنیا کے مال کی خاطر دنیا کی عزت کی خاطر دنیا کی حکومت کی خاطر وہ جنگ نہ کرتے تھے جو ان کا مارا جانا حصول مقصد زندگی کے منافی ہوتا لیکن بالمقابل منافقوں کے لئے عذاب ہی تھا کیونکہ اگر مسلمان مارے بھی جائیں تو بھی منافقوں کو اس سے فائدہ نہ تھا بلکہ ضرور تھا کہ وہ اپنے اعمال بد کی سزا پاتے۔ یہ عذاب من عندہ ہے اور اگر مسلمان کامیاب ہوں تو پھر جو کچھ منصوبے مسلمانوں کی تباہی کے منافقوں نے کئے ضرور تھا کہ ان کی پاداش میں سزا پاتے۔ اس کی طرف بایدینا میں اشارہ ہے ✦

۱۳۰۳ منافق کھلی مخالفت تو کر نہ سکتے تھے اس لئے کچھ نہ کچھ مال بھی ان کو خرچ کرنا پڑتا تھا اور بعض وقت جنگوں میں بھی نکلنا پڑتا تھا۔ مگر چونکہ اخلاص نہ تھا اللہ کے ہاں ان اعمال کی قدر کوئی نہ تھی ✦

نماز میں سستی

۱۳۰۴ نہ اللہ سے کوئی تعلق۔ کیونکہ نماز بھی مجبوری کی پڑھتے ہیں۔ نہ مسلمانوں سے حقیقی تعلق کیونکہ خرچ اخلاص سے نہیں کرتے بلکہ محض بحالت مجبوری کہ اپنے آپ کو ظاہر مسلمان کرتے ہیں یہی بات ان کے نفقات کے نہ قبول ہونے کا موجب ہوگئی۔ کیونکہ قبول اخلاص ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سستی یعنی ایسی حالت کہ انسان بوجھ سمجھکر نماز پڑھے علامت نفاق ہے ✦

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي ۵۵

سو ان کے مال تجھے تعجب میں نہ ڈالیں اور نہ اُن کی اولاد ہی اللہ کا صرف یہ ارادہ ہے کہ ان کی وجہ سے ان کو دنیا کی زندگی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ○ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ ۵۶

میں عذاب دے اور اُن کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں ۱۳۰۵ اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ○ لَوْ يَجِدُونَ ۵۷

کہ وہ تمہیں میں سے ہیں اور وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ڈر رہے ہیں ۱۳۰۶ اگر کوئی پناہ

مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ○ وَمِنْهُم ۵۸

کی جگہ یا غاریں یا گھسنے کی جگہ پائیں تو وہ اسکی طرف پھر جائیں اس حال میں کہ بے قابو ہو کر دوڑتے ہوں ۱۳۰۷ اور اُن میں سے

مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا

وہ بھی ہے جو صدقات (کے بانٹنے) میں تجھے طعنہ دیتا ہے سو اگر ان میں سے ان کو دے دیا جاتے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں سے انکو نہ دیا جائے

مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۵۹

تو فوراً غصہ سے بھر جاتے ہیں ۱۳۰۸ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انکو دیا تھا

منافقوں پر مال و اولاد کا عذاب

۱۳۰۵ اللہ تعالیٰ کا مال اور اولاد کے ذریعہ ان منافقوں کو عذاب دینا یوں تھا کہ انکو مال جنگوں وغیرہ میں خرچ کرنا پڑتا تھا اور زکوٰۃ بھی دینی پڑتی تھی لیکن چونکہ دل سے یہ نہ چاہتے تھے اسلئے یہ خرچ ان کے لئے عذاب کا موجب ہو رہا تھا۔ اور انکی اولاد کی وجہ سے یوں عذاب تھا کہ وہ لوگ دین اسلام کے خادم تھے اور اپنی جانیں خدا کی راہ میں دیتے تھے جس اسلام کو وہ نیست و نابود کرنے کے منصوبے کرتے تھے اسی کی خاطر ان کی اولاد اپنی جانیں قربان کر رہی تھی۔ عبداللہ بن ابی کا لڑکا عبداللہ مخلص مومن تھا۔

فرق

۱۳۰۶ یفرقون۔ فرق کے معنی الگ ہونا ہیں۔ اسی سے امن سے حالت مفارقت یعنی خوف بھی فرق کے معنی آتے ہیں۔ راغب کہتے ہیں فرق خوف کو اسلئے کہا جاتا ہے کہ دل کی حالت خوف سے پراگندگی کی ہوتی ہے یعنی ان کا قسمیں کھانا کہ ہم مسلمان ہیں محض خوف کی وجہ سے ہے۔ ورنہ دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اظہار مخالفت نہیں کرتے۔

لجأ

۱۳۰۷ ملجأ۔ لجأ کے معنی کسی چیز کی پناہ لینا یا اس سے ٹیک لگانا دل، اسی سے التجا ہے۔

مدخل

مُدَّخلا۔ ادَّخل کے معنی ہیں اِجْتَهَدَ فِي دُخُوله داخل ہونے میں زور لگایا۔ اسی سے مُدَّخل ہے (غ)۔

جمح

یجمحون۔ جمح کا اصل استعمال گھوڑے پر ہے جب وہ چلنے میں نشاط کی وجہ سے سوار پر غالب آجائے یعنی اسکے قابو سے نکل جائے۔

لمز۔ لمزۃ

۱۳۰۸ یلمز۔ لمز کے معنی پیٹھ کے پیچھے بات کا کہنا اور معائب کے پیچھے لگنا ولا تلمزوا انفسکم (الحجرات ۴۹-۱۱) اور لمزۃ وہ ہے جو کثرت سے دوسروں کی عیب شماری کرے ویل لکل همزة لمزة (الهمزة ۱۰۴-۱)۔

سخط

یسخطون۔ سخط اور سُخط غضب شدید کو کہتے ہیں جس کا اقتضاء عقوبت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انزال عقوبت ہے کما باء بسخط من اللہ (آل عمران ۳-۱۶۲)

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ

اور کہتے اللہ ہمارے لئے بس ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (اور بھی) ہم کو دے گا ہم تو اللہ کی طرف ہی

٦٠ رٰغِبُوْنَ ۝ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ

ع ١٤ منافقوں کی ایذا رسانی

رغبت رکھنے والے ہیں ١٣٠٩ صدقات صرف ناداروں کے لئے ہیں اور مسکینوں (کے لئے) اور کارکنوں (کے لئے) جو ان (صدقات) پر مقرر ہیں

الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً

(ان کے لئے) جنکی تالیف قلوب ضروری ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں (کیلئے) اور اللہ کی راہ میں (خرچ کرنے کیلئے) اور مسافر (کیلئے) یہ اللہ کی طرف

٦١ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ

سے ضروری ٹھیرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ١٣١٠ اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں

١٣٠٩ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی اصل غرض کوئی مال لوگوں کو دینا تو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور اسکی رضا کیطرف قدم بڑھانا ہے بس ان کو چاہئے تھا کہ اصل غرض کو مقدم رکھتے۔ ہاں اسلام نے دنیوی زندگی کے لئے بھی اعلیٰ درجہ کے اصول قایم کر دیئے ہیں منجملہ انکے غربا کی خبر گیری ہے سو وہ بھی ہوتی رہتی ہے مگر جس شخص نے مال کو ہی زندگی کا مقصد قرار دے لیا وہ اصل راہ کو چھوڑ کر دور نکل گیا +

١٣١٠ صدقات۔ صَدَقَة وہ ہے جو انسان اپنے مال سے قرب حاصل کرنے کیلئے خرچ کرے اور اصل میں صدقة اسے کہا جاتا ہے جو بطور تطوع دیا جائے یعنی اپنی خوشی سے یا نفل کے طور پر اور جس کا دینا واجب ہے اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے لیکن بعض وقت بلحاظ اصل معنی کے زکوٰۃ کو بھی صدقة کہا جاتا ہے جب اس کا دینے والا صدق کا طالب ہو جیسے خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بہا (١٠٣) یہاں بھی زکوٰۃ ہی مراد ہے (غ) کیونکہ جو نفل صدقات ہوں وہ ہر انسان جس طرح چاہے دے سکتا ہے معین تقسیم اسی کی ہو سکتی ہے جو بیت المال میں داخل ہو اور یہ زکوٰۃ ہی ہے +

صدقة

منافقوں کی ایذا رسانی کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے رکوع کے آخر پر فرمایا تھا کہ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو مال زکوٰۃ کی تقسیم میں آنحضرت صلعم پر طعن کرتے ہیں کہ فلاں کو دیا فلاں کو نہ دیا اسلئے یہاں بتایا ہے کہ زکوٰۃ (صدقات سے یہاں خاص مال زکوٰۃ ہی مراد ہے کیونکہ یہی صدقات بیت المال میں جمع ہوتے تھے اور انہی کی تقسیم پر طعن ہو سکتا تھا) کی تقسیم کس طرح ہو۔ اس خرچ کی یہاں آٹھ مدات بیان کی ہیں۔ پہلے فقرا یعنی نادار لوگ۔ دوسرے مسکین جو گو بالکل نادار تو نہ ہوں مگر بغیر امداد اپنی روزی کمانے کے قابل نہ ہو سکیں مثلاً اہل حرفہ کے لئے خاص ہتھیار و طالبعلموں کے لئے ذرائع حصول علم کا مہیا کرنا وغیرہ امام شافعی نے فقیر اور مسکین میں اسی کے قریب قریب فرق بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں فقیر وہ ہے جسکے پاس نہ مال ہو نہ اسکے ہاتھ میں کوئی کسب ہو اور مسکین وہ ہے جسکے پاس مال یا کسب تو ہو مگر اس کی ضروریات کیلئے مکتفی نہ ہو اس پر انہوں نے قرآن کریم کی آیت واما السفینة فکانت لمساکین (الکھف۔ ٧٩) کو پیش کیا ہے کیونکہ جنکے پاس کشتی تھی وہ نادار نہ تھے۔ تیسرے وہ لوگ جو صدقات کے انتظام پر متعین ہوں جیسے مال زکوٰۃ جمع کرنے والے اسکے تقسیم کرنیوالے چوتھے مؤلفة القلوب یعنی ایسے لوگ جنکے دلوں سے تنفر دور کرنا مقصود ہو اور انکے دلوں کو حق کی طرف مائل کرنا ہو۔ روح المعانی میں ہے کہ اس میں تین گروہ آتے ہیں اول ایسے لوگ جو اسلام نہیں لائے اور انکو اسلام کے قریب لانے کی ضرورت ہے انکو مال دینے کی غرض یہ نہیں کہ پیسوں سے ان کا ایمان خریدا جائے ایسے

خرچ زکوٰۃ کی مدات

فقیر و مسکین میں فرق

عاملین

مؤلفة القلوب

وَيَقُوْلُوْنَ

اور کہتے ہیں

ایمان کو اسلام ایک لمحہ کیلئے نہیں چاہتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حصول تعلیم اسلام کے لئے یا اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے ان کو مدد دینے کی ضرورت ہے تو دی جائے۔ دوم وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں مگر ان کا ایمان ابھی کمزور ہے یعنی نومسلموں کی امداد اور ان کو تعلیم اسلام میں مضبوط کرنا۔ سوم وہ لوگ جنکے شر سے اسلام کو بچانا مقصود ہو۔ پانچویں فی الرقاب جسکے معنی گردنوں کا آزاد کرنا ہیں۔ اور یہ تین طرح پر ہو سکتا تھا اول یہ کہ حکومت کی طرف سے ان لوگوں کی امداد کی جائے جو غلامی کی حالت سے نکلنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام نے غلام کو یہ حق دیا تھا کہ وہ اپنے مالک سے مکاتبہ کرے لیکن اس کی آزادی مشروط ہوا سبات پر کہ ایک خاص رقم مالک کو جمع کر کے دے تو اس میں امداد دینا یا اس رقم کا مہیا کر دینا حکومت کا فرض ٹھہرایا کہ وہ بیت المال سے ان لوگوں کی امداد کرے۔ دوم یہ کہ حکومت خود مالکوں سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرے۔ سوم یہ کہ اس سے اسیران جنگ کا فدیہ ادا کیا جائے۔ وہ اسیران جنگ ظاہر ہے کہ دشمن قوم میں سے اور پھر غیر مسلم ہونگے یہ تعلیم اسلامی کی وسعت ہے۔ چھٹے قرضداروں کا قرضہ ادا کرنے کیلئے یا جن پر جرمانہ ہو گیا ہو ان کا جرمانہ ادا کرنے کیلئے۔ ساتویں فی سبیل اللہ یعنی جہاد کیلئے خواہ وہ جہاد قلمی ہو یا سیفی۔ کفار کے حملوں سے اپنے مذہب کو محفوظ کرنے کیلئے اور اصول حقہ کو کافروں میں پھیلانے کیلئے۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنیوالے کو مال زکوٰۃ لینا جائز ہے گو وہ غنی ہو کیونکہ اس کی غرض اس مال کو دشمنوں کے مقابلہ میں خرچ کرنا ہے۔ آٹھویں مسافر کے لئے۔ کیونکہ اپنے گھر سے باہر وہ بھی مفلس کے حکم میں ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ مراد اس سے ایسا مسافر ہے جو محتاج امداد ہو۔

غلاموں کا آزاد کرنا

قرضدار

جہاد قلمی یا سیفی کرنے والے

مسافر

فریضہ زکوٰۃ سے مسلمانوں کی غفلت

فریضہ زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ تھا جو مسلمانوں کی ساری قومی ضروریات کا متکفل ہو سکتا تھا مگر آج اس کی یہ حالت ہے کہ اول تو مسلمان مال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں تو اس کے ایک جگہ جمع ہو کر ضروریات قومی پر خرچ ہونے کا کوئی انتظام نہیں بلکہ عموماً اپنے اپنے طور پر اور اکثر اوقات غیر مستحق لوگوں میں وہ مال تقسیم ہو کر اصل غرض اس فریضہ کی ضائع ہو جاتی ہے۔ فریضہ زکوٰۃ ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا انتظام تقسیم دولت ہے کہ جسکے نہ ہونے کی وجہ سے یورپ کو طرح طرح کی مصائب کا سامنا درپیش ہے جن مصائب کا علاج سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ نہیں۔ اور سوشلزم اور بولشوزم محض دھوکہ دینے والے خیالات ہیں جو عملی رنگ میں کبھی قائم نہیں ہو سکتے۔

تقسیم دولت کا مسئلہ

تقسیم دولت کے مسئلہ میں یورپ کو جو سب سے بڑی مشکل پیش آئی ہے وہ یہ ہے کہ دولت کا رجحان یہ ہے کہ چند ہاتھوں میں زیادہ مقدار میں جمع ہوتی چلی جائے اور بیشتر حصہ نسل انسانی میں غربت یا مسکنت کی حالت رہے یا ایسی حالت کہ بمشکل وہ اپنی گزر کرنے کے قابل ہوں۔ اس کا علاج اسلام نے طرح طرح کے رنگوں میں کیا ہے انہی علاجوں میں سے ایک علاج زکوٰۃ ہے کہ اغنیا کی دولت میں سے ہر سال چالیسواں حصہ نکل کر غربا میں تقسیم ہوتا رہے دوسرے دو علاج ایک تقسیم وراثت ہے اور دوسرا ممانعت سود۔

بیت المال کی ضرورت

مسلمانوں کے کل قومی کام آج صرف ایک فریضہ زکوٰۃ کے قیام پر ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اسکے جمع کرنے کا کوئی انتظام ہو۔ قرآن کریم نے تو زکوٰۃ کو ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت یہانتک مقدم کی ہے کہ اخراجات زکوٰۃ میں ایک مد خصوصیت سے کارکنان زکوٰۃ کی قائم کردی ہے جس پر خرچ کرنا ضروری ٹھہرایا ہے گویا قرآن کریم کوئی حالت زکوٰۃ ایسی فرض نہیں کرتا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ آپ ادا کرے بلکہ اس کا قومی بیت المال میں جمع ہونا اور پھر وہاں سے تقسیم ہونا ضروری ہے کاش مسلمان اس طرف توجہ کریں۔

اشاعت اسلام اور تعلیم پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا

پھر مسلمانوں کی سب سے بڑی دو قومی ضرورتیں اس وقت ہیں ایک اشاعت اسلام دوسرے تعلیم ہر قسم کی۔ سو یہ دونوں کام زکوٰۃ کے مصارف میں داخل ہیں اور آج اگر زکوٰۃ کا روپیہ ایک جگہ جمع ہو تو مسلمانوں کے یہ دونوں کام عمدہ طور پر سرانجام پا سکتے ہیں۔ اشاعت اسلام پر تو آج زکوٰۃ کا روپیہ بالکل صرف نہیں ہوتا کیونکہ اس کا کوئی قومی انتظام ہی مسلمانوں

هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ

یہ کان (کا کچا) ہے کہدے تمہاری بھلائی کے لئے ہی کان (دھرتا) ہی اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کی بات کو مانتا ہی اور ان لوگوں

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۔ الثلثة

کے لئے رحمت ہی جو تم میں سے ایمان لائے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۱۳۱۱

۶۲ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش رکھیں اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ اس کو راضی کریں اگر وہ

۶۳ مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ

مومن ہیں ۱۳۱۲ کیا ان کو معلوم نہیں ہوا کہ

نے نہیں رکھا۔ حالانکہ فی سبیل اللہ کا لفظ خصوصیت سے اشاعت اسلام کے لئے موجود ہی اور تعلیم پر شاید علماء کا فتویٰ نہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اگر اغنیا سے تعلیم کی فیس لی جائے اور تعلیم کا خرچ کل زکوٰۃ سے ادا کیا جائے تو اس طرح زکوٰۃ کا مصرف صرف غیر اغنیا کیلئے رہ گیا اس میں کونسا محذور لازم آتا ہی اصول تقسیم زکوٰۃ کہ اس کا خرچ عموماً غیر اغنیا کے لئے ہو قائم رہ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ بیشتر حصہ مسلمان آبادی کا بلحاظ ضرورت تعلیم مساکین میں داخل ہی +

یتامیٰ اور زکوٰۃ — بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہی کہ یتامیٰ پر زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا۔ یہ انہوں نے اس سے قیاس کیا ہی کہ یتامیٰ کی مد مصارفِ زکوٰۃ میں نظر نہیں آتی حالانکہ اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ یتامیٰ غنی بھی ہوتے ہیں اور فقیر بھی اسلئے یتامیٰ کی مد قایم کرنا درست نہ تھا۔ ہاں جو یتیم فقرا یا مساکین یا اور کسی مد میں آتے ہوں وہ اس مد کی ذیل میں زکوٰۃ کے مستحق ہیں +

اُذن — ۱۳۱۱ اُذُن کے اصل معنی تو کان ہی ہیں مگر بطور استعارہ اس کا استعمال اس شخص پر بھی ہوتا ہی جو بات کو سنکر اسے فوراً قبول کرلے (ع)

آنحضرت کا حسن ظن اور حیا — منافقوں کی مراد آنحضرت صلعم کو اُذن کہنے سے یہی تھی کہ ہم جب آپ کے سامنے جا کر قسم کھا لیتے ہیں تو ہماری بات کا اعتبار کرلیتے ہیں اسلئے آپ کی غیبت میں ہم جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں کریں جب سامنے جائینگے اور کہدینگے کہ ہمارا منشا یہ تھا تو آپ اسبات کو مان لینگے۔ درحقیقت یہ امر نبی کریم صلعم کے خُلق عظیم میں سے تھا کہ آپ ان لوگوں کی طرح نہ تھے کہ کوئی بات کرے تو فوراً کہدیتے ہیں کہ تو جھوٹ کہتا ہی حسن ظن اور حیا آپ کی طبیعت میں غالب امور تھے۔ چنانچہ اسی کے مطابق ان کی اسبات کا جواب دیا ہی کہ اگر آپ بات کو سنکر مان لیتے ہیں تو یہ تو تمہاری ہی بھلائی کیلئے ہی ایسا خلق دیکھکر تو چاہیئے تھا کہ تم آپ پر ایمان لاتے نہ یہ کہ اور ایذا دیتے اور آپ کا مان لینا محض بلحاظ رحمت کے ہی کیونکہ وہ مومنوں کیلئے رحمت ہی یعنی محض تم پر شفقت جبلی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ حق و باطل میں تمیز ہی نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ بعض کان کے کچے لوگ ہوتے ہیں کہ جو بات سنی اس کو بے دوڑے تحقیق اور تمیز کے تسلیم کرلیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہی اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات ۴۹ - ۶) اگر ایک فاسق کوئی خبر تمہارے پاس لائے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔ تحقیق کرنا اور امر ہی اور دوسرے کو جھوٹا کہدینا اور امر +

۱۳۱۲ یرضوہ پیچھے اللہ اور رسول دونوں کا ذکر ہی مگر یہاں ضمیر واحد ہی اسلئے کہ اصل رضا اللہ تعالیٰ کی ہی مطلوب ہی بشر کی ناراضگی بلا وجہ بھی ہو سکتی ہی۔ گو وہ رسول ہی ہو کیونکہ اسے غلطی لگ سکتی ہی۔ اور دوسرے رسول کی اطاعت فی الحقیقت اللہ کی اطاعت میں داخل ہے۔

مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے اسی میں رہے گا یہ بڑی رسوائی ہے ۳۱۳

۶۴ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ

منافق ڈرتے ہیں کہ اُن پر کوئی سورت اتاری جائے جو اُن کو ان باتوں کی خبر دے دے جو اُنکے دلوں میں ہیں کہہ دے

۶۵ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا

ہنسی کئے جاؤ اللہ ضرور اس کو باہر نکالنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو ۳۱۴ اور اگر تو اُن سے سوال کرے تو کہیں گے ہم تو

كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

یوں ہی باتیں اور دل لگی کرتے تھے کہو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے ۳۱۵

۶۶ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ

بہانے نہ بناؤ تم نے یقیناً اپنے ایمان کے بعد کفر کیا اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں گے

مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے اس لئے کہ وہ مجرم تھے ۳۱۶

حدّ ۔ محادّۃ

۳۱۳ یحادد ۔ حد سے ہے جس کے ایک معنی جہت کے ہیں پس محادّۃ ایک دوسرے سے عداوت اور مخالفت کی جانب میں ہو جانا ہے اسی طرح یشاقق کا لفظ ہے ایک شق میں ہو جانا دل، اسی طرح معاداۃ ہے کہ عدوۃ بھی ایک کنارہ کو کہتے ہیں ۔ راغب نے اس معنی کی وجہ ممانعت یا استعمال حدیدی ہے اور ممانعت کے معنی حد میں شامل ہیں +

۳۱۴ ینزل علیہم میں ضمیر مومنوں کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور منافق بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ جو کچھ نازل ہوتا تھا وہ ان پر بھی نازل ہوتا تھا ۔ اسی طرح تنبئہم میں ضمیر دونوں طرف ہو سکتی ہے ۔ منافقوں کا یہ حذر بھی بطور استہزاء تھا ۔ جیسا کہ قل استہزؤا سے ظاہر ہے

خوض

۳۱۵ خوض اصل میں ایسی چیز میں داخل ہونے کو کہتے ہیں جیسے پانی یا کیچڑ ۔ اسلئے کسی ایسے امر میں داخل ہونے پر بولا جاتا ہے جو انسان کو ملوث کرے ۔ اکثر استعمال اس کا قرآن شریف میں ذم کے موقعہ پر ہی ہوا ہے ۔ یہاں بتایا ہے کہ بعض منافق یہ بھی عذر کر دیتے ہیں آج بعض مسلمان امور دینی میں ہنسی کرتے ہیں اور ان کا ذکر ایک مشغلہ کے طور پر کرتے ہیں ۔ وہ غور کریں کہ جو کچھ منافقوں کے متعلق قرآن شریف نے فرمایا تھا اسکے مصداق وہ ہو رہے ہیں +

عذار یا اعتذار

۳۱۶ لا تعتذروا ۔ عُذر اس چیز کا قصد کرنا ہے جس سے گناہ مٹ جائے اور اعتذر کے معنی عذر پیش کیا اور عذر کے معنی اس کا عذر قبول کیا ۔ اور اعذر کے معنی ایسی بات پیش کی جس سے معذور ہو گیا ۔ اور راغب نے ایک قول نقل کیا ہے کہ عُذر کا لفظ عَذِرَۃ سے ماخوذ ہے جو نجس شے کو کہا جاتا ہے اور عذّرت فلانا کے معنی ہیں اسکے گناہ کی نجاست کو عفو سے دور کیا (غ) +

منافقوں کی آخری علیحدگی

یہ ایک پیشگوئی تھی جو پوری ہوئی منافقوں کا اکثر حصہ اسلام میں شامل ہو گیا کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس حالت نفاق کو

منافق بیان نفاق کا انجام

۶۷ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک سے ہی ہیں وہ برے کام کرنے کو کہتے ہیں اور اچھے کاموں

الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ

سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں انہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا سو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا بیشک منافق

۶۸ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

نافرمان ہیں ۱۳۱۷ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے اسی میں

۶۹ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ كَالَّذِيْنَ مِنْ

رہیں گے وہ اُن کو کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی اور اُنکے لئے قایم رہنے والا عذاب ہے (تم منافق بھی) ان کی طرح ہو جو

قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

تم سے پہلے ہو چکے وہ تم سے طاقت میں زیادہ اور مالوں اور اولاد میں بڑھ کر تھے سو انہوں نے اپنے حصہ سے تھوڑا فائدہ اٹھا

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

پس تم بھی اپنے حصہ سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیے ہو جیسے اُن لوگوں نے جو تم سے پہلے تھے اپنے حصہ سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ

اور تم بیہودہ باتوں میں لگے رہے اس کی مثل جن میں وہ لگے رہے ۱۳۱۸

ترک دکیا ان کو بالآخر مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس طرح پر کہ نبی کریم صلعم نے خطبہ میں انکے نام لیکر ظاہر کر دیا اور ان کو مسجد سے نکال دیا گیا۔ اور ان سے زکوٰۃ نہ لی جاتی تھی یہی وہ عذاب تھا جو ان کو دیا گیا۔

بعضهم من بعض

۱۳۱۷ بعضهم من بعض لفظی معنی ہیں بعض ان کے بعض میں سے ہیں۔ مگر مراد ان کا تشابہ ہے جس طرح ایک ہی چیز کے مختلف اجزا میں تشابہ ہوتا ہے گویا وہ سب ایک ہی ہیں کیا مرد اور کیا عورتیں۔

قبض

یقبضون ایدیهم قَبْض کے معنی ہیں کسی چیز کا پورے کف سے لے لینا اور کسی شے پر قَبْضُ الْيَدِ سے مراد اس کا جمع رکھنا ہے اسکے لے لینے کے بعد اور یقبضون ایدیهم کے معنی ہیں خرچ کرنے سے رکتے ہیں (غ)۔

نسوا الله فنسیهم میں بتا دیا کہ جس طرح کا فعل انسان کرتا ہے اسی طرح کی سزا اللہ کی طرف سے ملتی ہے یہاں نسیٰ جنی ترک ہے دیکھو ...۔

۱۳۱۸ کالذی خاضوا کی ترکیب دو طرح ہو سکتی ہے کالخوض الذی خاضوه۔ یا الذی کی اصل الذین ہے اور نون تخفیف کے لئے گرا دیا گیا ہے اور مراد ہے کالذین خاضوا۔

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

اُن کے عمل دنیا اور آخرت میں ضایع ہوگئے اور یہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ ۷۰

کیا اُن کے پاس ان کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے نوح کی قوم کی اور عاد کی اور ثمود کی اور ابراہیم کی قوم کی

وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ

اور مدین کے رہنے والوں کی اور تباہ شدہ بستیوں کی ان کے رسول اُن کے پاس دلائل لے کر آئے سو اللہ ایسا

اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَالْمُؤْمِنُونَ وَ ۷۱

نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے تھے ۱۳۱۹ اور مومن مرد اور

الْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

وقف لازم

مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے

الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ

روکتے ہیں اور نماز قایم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں

أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ ۷۲

ان پر اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے اللہ نے مومن مردوں اور مومن

وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي

عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہیں میں رہیں گے اور ہمیشگی کے باغوں میں پاکیزہ

جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ۷۳

ع ۹ / ۱۴

منافقوں سے جہاد

رہنے کی جگہوں کا اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر نعمت ہے یہی بڑی بھاری کامیابی ہے ۱۳۲۰ اے نبی

موتفکۃ ائتفاک

۱۳۱۹ المؤتفکات۔ مؤتفکۃ کی جمع ہے اور ائتفاک کے معنی (جو افک سے ہے) انقلاب ہیں اور مراد اس سے ہر سب لوگ جو ہلاک ہوئے اور نضر بن انس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا اے بیٹے بصرہ میں نہ اترنا فانہا احدی المؤتفکات اور بعض نے اسے صرف لوط کی بستیوں سے خاص کیا ہے (ل) اور مفردات میں ہے کہ مؤتفکۃ وہ ہوائیں ہیں جو اپنے چلنے سے پھر جائیں +

عدن

۱۳۲۰ عدن۔ عدن بمکان کے معنی ہیں استقر یعنی مکان میں استقرار پکڑا پس جنات عدن وہ باغ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان کے مقابلہ میں شدت اختیار کر اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ۷۳

یعنی ان سے کبھی نکالے نہ جائینگے۔ اسی سے مخلدون ہو دغ، ✦

معدن

بہشت کی سب سے بڑی نعمت

رضوان من اللہ اکبر۔ اللہ کی رضا کو یہاں جنت کی سب سے بڑی نعمت فرمایا ہے۔ ابو سعید خدری کی حدیث جو بخاری اور مسلم میں ہے اسی کی موید ہے۔ یہ ایک فیصلہ کن دلیل ہے کہ مسلمانوں کا بہشت کیسی چیز ہے جس کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالے کی رضا کا حصول ہے۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ کی رضا مومن کو اس دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ اور صحابہ کے متعلق تو نص صریح ہے رضی اللہ عنہم پس مومن کی جنت اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ اور وہ جنت وہی چیز ہے جس میں مومن اور غیر مومن کا اشتراک نہیں۔ دنیا کی لذات فانی میں تو نہ صرف اشتراک موجود ہے بلکہ بعض وقت کفار اس سے زیادہ حظ اٹھالیتے ہیں مومنوں کا ذکر ان دو آیات میں کفار کے مقابلہ کے لئے کیا جن کا ذکر منافقین کی تنبیہ کے لئے آگیا تھا کہ تمہارا انجام بھی اسی طرح برا ہوگا جس طرح تم سے پہلے کفار کا انجام برا ہوا ✦

جہد جہاد

۱۳۲۱ جاھد جھد سے ہے جس کے معنی زور لگانا۔ کوشش کرنا ہیں۔ اور جہاد اور مجاھدۃ دشمن کی مدافعت میں اپنی طاقت کا خرچ کرنا ہے۔ راغب کہتے ہیں جہاد تین طرح پر ہے۔ دشمن ظاہری سے مجاہدہ اور شیطان سے مجاہدہ اور اپنے نفس سے مجاہدہ۔ اور

جہاد تین طرح پر ہے

جاھدوا فی اللہ حق جہادہ۔ اور جاھدوا باموالکم وانفسکم وغیرہ میں تینوں قسم کا جہاد شامل ہے۔ اور پھر نبی صلعم کی حدیث نقل کی ہے جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم اپنی خواہشات سے اسی طرح جہاد کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو اور پھر کہتے ہیں کہ مجاہدہ کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے اور کبھی زبان سے جیسا کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا جاھدوا الکفار بایدیکم والسنتکم کافروں کے ساتھ جہاد کرو اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبانوں سے پس جہاد لسانی بھی ہو سکتا ہے اور سیفی بھی

جہاد لسانی یا قلمی

غلظ

اغلظ علیھم۔ غلظ اصل میں رقت کی ضد ہے اور اس کا استعمال قوت اور مضبوطی پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے میثاقا غلیظا (النساء ۴۔۲۱) جس سے مراد مضبوط یا موکد عہد ہے ایسا ہی فآزرہ فاستغلظ (الفتح ۴۸۔۲۹) مراد مضبوط ہونا یا موٹا ہونا ہے ارض غلظ اس زمین کو کہتے ہیں جو نرم نہ ہو بلکہ سخت ہو جس میں کوئی چیز آسانی سے داخل نہ ہو سکے (ل) واغلظ علیھم کے کیا معنی ہیں؟ دوسری جگہ آتا ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ (التوبۃ ۹۔۱۲۳) چاہئے کہ کافر تم میں شدت پائیں پس یہاں بھی معنی وہی جائینگے یعنی ان کے مقابلہ میں شدت اختیار کرو ✦

منافقوں سے جہاد

منافقوں کے ساتھ ایک مدت تک نبی کریم صلعم نرمی برتتے رہے ان کی شرارتوں پر چشم پوشی سے کام لیتے رہے ان کے جنگوں میں نہ نکلنے پر کبھی سخت گیری نہیں کی بلکہ ان کے عذروں کو قبول کر لیتے جیسا کہ اس جنگ میں بھی ہوا مگر اب چونکہ وہ موقعہ پہنچ چکا تھا کہ منافقوں اور مومنوں کو الگ الگ کر دیا جائے اور زیادہ ان کے مسلمانوں میں ملا رہنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اسلئے اب حکم ہوتا ہے کہ کافروں اور منافقوں دونوں کے خلاف جہاد کرو ظاہر ہے کہ یہاں جہاد سے مراد جہاد سیفی نہیں۔ کیونکہ منافقوں کے ساتھ کبھی جہاد سیفی نبی کریم صلعم نے نہیں کیا پس اس سے مراد دوسرا جہاد ہے جس کے معنی محض کوشش اور زور لگانے کے ہیں یعنی اب انکو اپنے میں سے نکالو اور انکے خلاف پورا زور لگاؤ۔ اور دوسری بات فرمائی واغلظ علیھم نبی کریم صلعم کے غلیظ القلب ہونے کی تو قرآن کریم نے نفی کی ہے ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (آل عمران ۳۔۱۵۸) اگر تو سخت گو سخت دل ہوتا تو تیرے پاس سے بھاگ جاتے معلوم ہوا نبی کریم صلعم نہ سخت کلامی کرنیوالے تھے نہ سخت دل تھے پس جب قرآن شریف خود آپ کی یہ صفت بیان فرماتا ہے تو واغلظ علیھم نہ آپکے لئے سخت گوئی کرنے کا حکم

غلظ کیا ہے منافقوں کی سختی سے مراد

۷۴ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۚ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا اور یقیناً انہوں نے کلمۂ کفر کہا اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور ایسی چیز کا

بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا

قصد کیا جس کو نہیں پا سکے ۱۳۲۲ اور وہ بُرا نہیں کہتے مگر اس لئے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے ان کو غنی کر دیا ۱۳۲۳ سو اگر توبہ کریں

يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ

تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر پھرے رہیں تو اللہ اُن کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا

۷۵ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ

اور زمین میں ان کا کوئی دوست نہ ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا ۱۳۲۴ اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر

آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝

وہ ہم کو اپنے فضل سے دے تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور ہم ضرور نیکو کاروں میں سے ہوں گے۔

ہو سکتا ہے نہ سخت دلی اختیار کرنے کا۔ بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ تم جو اس قدر نرمی ان کے مقابلہ میں برتتے رہے ہو اگر یہ نرمی سے درست ہونیوالے ہوتے تو ہو جاتے اس لئے اب وہ چشم پوشیاں اور عفو اور درگزر جو ان کے قصوروں اور شرارتوں پر آپ کرتے رہے ہیں ان کو ترک کر کے ان کے مناسب حال شدت کا طریق اختیار کریں۔ کیونکہ دشمن کے مقابلہ میں نرمی اور درگزر سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ جب وہ طریق عداوت کو نہیں چھوڑتے تو نرمی کا طریق اب ان کے مقابلہ میں کام نہیں دے سکتا +

منافقت کا نتیجہ ناکامی اور شیعوں پر اتمام حجت

۱۳۲۲ هموا بما لم ینالوا۔ منافقوں نے اسلام کو تباہ کرنے کا قصد کیا مگر اس مقصد کو حاصل نہ کر سکے۔ شیعہ جو حضرت ابوبکر و عمر کو منافق کہتے ہیں قرآن کریم کے اس نص صریح کے خلاف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن فیصلہ کرتا ہے کہ منافقوں کو انکے ارادہ میں کامیابی نہ حاصل ہو سکی۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر کو وہ کامیابیاں اللہ تعالیٰ نے دیں اور ایسی ایسی نصرتیں انکے ذریعہ سے اسلام کو عطا فرمائیں کہ بہت سے انبیاء کو بھی وہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی +

۱۳۲۳ ما نقموا الا ان اغنٰهم اللہ۔ ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے مالی عندک ذنب الا انی احسنت الیک میں نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا سوائے اسکے کہ تیرے ساتھ احسان کیا۔ اللہ نے تو انکو اپنے فضل سے غنی کر دیا کیونکہ جو وسعت و غنا فتوحات کے بڑھنے کے ساتھ مسلمانوں کو ملے اس میں یہ منافق بھی شریک تھے۔ مگر نتیجہ اُلٹ ہوا کہ بجائے اس کے کہ نفاق کو چھوڑتے اور بُرا کہنا شروع کیا +

۱۳۲۴ دنیا کا عذاب الیم کوئی سزا ہے جو ان کو اس دنیا میں دی جائے۔ اس صورت میں صرف مسلمانوں سے ان کی تمیز کر دینا ہی ان کے لئے عذاب الیم تھا اور جب یہ سزا ان کو ملی تو ان کا کوئی دوست و مددگار نہ بنا جو اس سزا کو ٹال لیتا +

۷۶ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ

پھر جب اس نے انکو اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور پھر گئے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ۳۲۵ سو اس نے ان کو اسکی سزا

نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا

یہ دی کہ اُن کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک کہ وہ اسے ملیں اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی خلاف ورزی کی جو اس سے وعدہ کیا تھا

۷۸ يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ

جھوٹ بولتے تھے ۳۲۶ کیا ان کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ اُن کے بھیدوں کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور کہ اللہ غیب کی باتوں کا

۷۹ الْغُيُوْبِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ

جاننے والا ہے جو مومنوں میں سے ان پر طعن کرتے ہیں جو صدقات دل کھول کر دیتے ہیں اور

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۳۲۷

وہ جو سوائے اپنی محنت مشقت کے کچھ نہیں پاتے تو ان پر ہنسی کرتے ہیں اللہ اُن کو ان کی ہنسی کی سزا دیگا

ثعلبہ بن حاطب اور منافقوں سے زکوٰۃ کا نہ لیا جانا

۳۲۵ ثعلبہ بن حاطب ایک غریب آدمی تھا جس نے رسول اللہ صلعم سے دعا کرائی کہ اسکے پاس مال بہت ہو تو وہ سب حقوق دیگا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہی اس کا مال بڑھ گیا یہانتک کہ اس نے نماز وغیرہ بھی ترک کر دی اور منافقانہ رویہ اختیار کیا اور جب نبی کریم صلعم کے عامل اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے گئے تو انکار کر دیا۔ پھر جب منافقین کو مسلمانوں کی جماعت سے الگ کر دیا گیا تو یہ شخص رسول اللہ صلعم کے پاس آیا کہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ لی جائے آپ نے فرمایا اب نہیں لی جا سکتی۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد یہی ثعلبہ حضرت ابوبکر کے پاس حاضر ہوا کہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ لی جائے آپ نے بھی انکار کر دیا حضرت ابوبکر کی وفات پر حضرت عمر کی خدمت میں یہی درخواست لیکر حاضر ہوا انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ پھر اسی طرح حضرت عثمان نے بھی۔ یہ واقعہ اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے مگر مراد اسی قدر ہے کہ اس پر اس آیت کا مضمون صادق آیا اور ہزاروں انسانوں پر بھی آتا ہے بہتیرے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر کرکے لیتے ہیں پھر حقوق مال ادا نہیں کرتے اور مال کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی سزا قرآن کریم نے یہ بیان کی ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کے ساتھ کیسا جاوتا تھا کہ ان میں سے ایک شخص حضرت عثمان کی خلافت تک زندہ رہتا ہے وہ مدینہ میں یا اسکے پاس موجود ہے مگر اس کی سزا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی۔

نفاق بطور سزا ہے

۳۲۶ اس سے معلوم ہوا کہ نفاق کا ان کے دلوں میں پیدا ہونا خود ان کے پہلے اعمال کی سزا تھی کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کے خلاف ورزی کرتے رہے ہر ایک عذاب الٰہی بطور سزا ہی لگتی ہے۔ اسی کے مطابق ہی جو منافق کی علامات میں لکھا ہے کہ اذا وعد اخلف جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے واذا حدث کذب اور جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی منافقت میں داخل ہے۔

مطوع

۳۲۷ مطوع اصل میں متطوع ہے ایسا شخص جو بطور تطوع یا تبرع یعنی رضا و رغبت سے یا دل کھول کر دیتا ہے اللہ ان پر منافق طعن کرتے کہ دکھاوے کیلئے بڑی بڑی رقوم دیتے ہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ٨٠

اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ ان کے لئے بخشش چاہو یا اُن کے لئے بخشش نہ چاہو ۔ اگر تو اُن کے لئے ستر مرتبہ بھی

سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ

بخشش چاہے ۔ تو اللہ انکو نہیں بخشے گا ۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا کفر کرتے ہیں ۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ ٨١

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۱۳۲۸ ۔ جو پیچھے رہ گئے وہ اللہ کے رسول کی مخالفت میں بیٹھ کر

رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

خوش ہوئے ۔ اور اس بات کو ناپسند کیا ۔ کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝

اور انہوں نے کہا گرمی میں مت نکلو ۔ کہو دوزخ کی آگ گرمی میں بہت بڑھ کر ہے ۔ کاش یہ سمجھتے ۱۳۲۹

ع ١١ ١٤ — منافقوں سے قطع تعلق کا حکم

جہد — لا یجدون الا جہدھم جَہْد اور جُہْد کے معنی مشقت ہیں (غ)، مراد غریب لوگ ہیں جو سخت محنتیں کرتے مزدوری کرتے اور جو کماتے اس میں سے جو چند پیسے بچتے وہ لا کر خدا کی راہ میں حاضر کر دیتے ۔ منافق انپر ہنسی کرتے کہ بھلا انکے مٹھی بھر دانوں کا بھی خدا محتاج ہے ۔

سخر اللہ منھم کے معنی ہیں جازاھم علی سخریتھم ان کی ہنسی کا انکو بدلہ دے ۔ جیسے اللہ یستھزی بھم میں دیکھو ۲۶ ۔

منافقوں کیلئے استغفار اور عبداللہ بن ابی کا جنازہ — ۱۳۲۸ اس آیت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ منافقوں کی حالت ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو کسی صورت میں نہیں بخشے گا خواہ نبی انکے لئے استغفار کرے یا نہ کرے لیکن اس سے ممانعت استغفار نہیں نکلتی ۔ اسلئے وہ حدیث صحیح اس آیت کے خلاف نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلعم نے عبداللہ بن ابی رئیس منافقین کا جنازہ پڑھا بلکہ حضرت عمر کو جنہوں نے اس آیت کے مضمون کیطرف توجہ دلا کر روکنا چاہا ۔ آپ نے فرمایا اخر عنی یا عمر لو اعلم انی لو زدت علی السبعین یغفر لہ لزدت علیھا اے عمر ہٹ جا اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں تو اسے بخشدیا جائیگا تو میں ضرور ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ستر کا لفظ نبی کریم صلعم نے بھی عدد کامل کے معنی میں ہی لیا اور اس سے یہ مراد نہیں لی کہ ستر سے زیادہ بار استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ بخشدے گا بلکہ یہ تو آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے کہ استغفار کرو یا نہ کرو اللہ انہیں نہیں بخشے گا ۔ اور اس سے پہلے سورۃ منافقون میں نازل ہو چکا تھا استغفرلھم اولا تستغفرلھم لن یغفر اللہ لھم جہاں سبعین مرۃ مذکور نہیں پس یہ آپکا استغفار اسی غلبہ رحمت و شفقت سے تھا جسکی وجہ سے آپ رحمۃ للعالمین کہلائے کہ ایسی آیت کے ہوتے ہوئے راس رئیس منافقین کی نماز جنازہ پڑھی ۔ وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہ بھی ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مواعید کو بھی ٹال دیتا ہے ۔ اسی بنا پر آپ نے یہ دعا کی لیکن جب لا تصل (۸۴) کا حکم صریح آگیا تب آپ رک گئے ۔ اگلا رکوع منافقوں سے قطع تعلق پر ہے ۔

خلف ۔ مخلف — ۱۳۲۹ المخلفون خَلَّفَہُ کے معنی ہیں میں نے اسے پیچھے چھوڑا پس مخلفون وہ ہیں جو پیچھے چھوڑے گئے اسلئے کہ انہوں نے جھوٹے عذر بنا کر اجازت حاصل کرلی تھی ۔

۸۲ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَإِن رَّجَعَكَ

سو ان کو چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں اس کی سزا ہو وہ جو کماتے تھے ۱۳۳۰ پس اگر اللہ تجھے

اللَّهُ إِلَىٰ طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَّ

ان میں کسی گروہ کی طرف لوٹا کر لائے اور وہ نکلنے کے لئے تجھ سے اجازت مانگیں تو کہو تم میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور

لَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ

نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ کرو گے کیونکہ تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہو گئے سو اب پیچھے رہنے والوں کے

۸۴ الْخَالِفِينَ ۝ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ

ساتھ بیٹھے رہو ۱۳۳۱ اور تو ان میں سے کسی پر جو مر جائے نماز (جنازہ) کبھی نہ پڑھیو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے

۸۵ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ مر گئے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے ۱۳۳۲ اور اُن کے مال اور ان کی اولاد

وَأَوْلَادُهُمْ ۚ

تجھے تعجب میں نہ ڈالیں

خلف — خِلٰف۔ خالف سے مصدر ہے اور اس کے معنی مخالفت ہیں (غ ج) یعنی رسول اللہ صلعم کی مخالفت میں یا مخالفت کی خاطر خوش ہونے اور بعض نے خلٰف کے معنی بعد بھی کئے ہیں مگر پہلے معنی قابل ترجیح ہیں +

۱۳۳۰ مطلب یہ ہے کہ یہ تو رسول اللہ صلعم کی اس مخالفت سے خوش ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو چاہیئے کہ اپنی اس حالت پر بہت روئیں اور تھوڑا ہنسیں یعنی ان کی ایسی حالت کہ برے کام پر خوش ہو رہے ہیں رونے کے قابل ہے خوشی کا مقام نہیں۔ اور ضحک اور بکاء سے خوشی اور غم مراد ہیں۔ یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ خوش تو ہو رہے ہیں مگر یہ ان کی خوشی بہت تھوڑے دن ہے اور آخر کار رونا یا غم ہی ہوگا +

۱۳۳۱ فان رجعك الله۔ کیونکہ یہ وحی اس حالت میں ہوئی جب آپ سفر تبوک پر تھے +

خالف — خالفین۔ خالف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پیچھے رہنے والا نقصان یا قصور کی وجہ سے جیسے تخلف اور خالفۃ خیمہ کے پچھلے ستون کو کہتے ہیں اور کنایۃً عورت کو اس لئے کہ وہ کوچ کرنے والوں سے پیچھے رہ جاتی ہے اور اس کی جمع خوالف ہے (غ) جس کا استعمال (۸۷) میں ہوا ہے +

منافقوں سے انقطاع تعلق جسمانی — یہاں منافقین سے جو توبہ نہ کریں اور دین اسلام میں سچے دل سے داخل نہ ہوں تعلقات ظاہری کا انقطاع ہے کہ آئندہ ان کو کسی جنگ میں نکلنے کی اجازت نہ دی جائیگی +

انقطاع تعلقات — ۱۳۳۲ یہ انقطاع تعلقات روحانی ہے کہ آپ کو ان کے جنازہ سے بھی روک دیا گیا۔ کیونکہ ان کی عداوت اب حد سے بڑھ گئی تھی اور

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاِذَآ ٨٦

اللہ یہی ارادہ کرتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں نکل جائیں اس حال میں کہ وہ کافر ہوں اور جب

اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے فراخی والے تجھ سے اجازت

مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ ٨٧

مانگتے ہیں کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دے ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور

طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ٨٨

ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ سمجھتے نہیں لیکن رسول اور وہ لوگ جو اسکے ساتھ ایمان لائے

مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور انہی کے لئے (سب) بھلائیاں ہیں اور یہی

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ٨٩

کامیاب ہونے والے ہیں اللہ نے اُن کے لئے باغ تیار کئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

انہی میں رہیں گے یہ بڑی بھاری کامیابی ہے

قبر پر دعا

اخفا کی حالت سے نکل چکی تھی۔ لاتقم علی قبرہ سے مراد قبر پر دعا کے لئے کھڑے ہونا ہے۔ اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی کے جنازہ کے واقعہ کے بعد کا ہے اور یہ متعدد احادیث سے جو بخاری اور دیگر صحاح میں ہیں ثابت ہے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنے کو پسند نہ کرتے تھے اس لئے یہ ان مواقع میں سے ایک موقعہ ہے جن پر حضرت عمر رضی اللہ کی رائے کا وحی الٰہی سے توافق ہوا۔

وحی کا رائے کے خلاف ہونا

یہاں سے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وحی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے خیالات کا نتیجہ نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی شفقت تو جبلی تھی۔ استغفر لہم او لا تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم کے ارشاد نے بھی آپ کو دعائے مغفرت کرنے سے نہ روکا۔ اللہ تعالیٰ بخشے یا نہ بخشے یہ اس کا اختیار رہا۔ آپ نے اپنی شفقت جبلی سے اور رحمت وسیع سے دعائے مغفرت بھی کی اور اپنی قمیص بھی بطور تبرک عطا کر دی اب اس کے خلاف وحی ہونا صاف بتاتا ہے کہ یہ آپ کی رائے اور خیالات سے الگ کوئی امر تھا۔

ع ۱۲

اعراب کا ذکر

۹۰ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

اور دیہاتیوں میں سے جھوٹے عذر کرنیوالے آئے کہ انہیں اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا

۹۱ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى

وہ بیٹھے رہے جنہوں نے اُن میں سے کفر کیا انہیں دردناک دکھ پہنچے گا ۱۳۳۳ نہ کمزوروں پر کوئی

الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ

گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے

اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے مخلص ہوں نیکی کرنیوالوں پر (الزام کی) کوئی راہ نہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۳۳۴

مُعْتَذِر — عَذَّرَ. مُعَذِّر

۱۳۳۳ معذّرون ـ لسان العرب میں ہے کہ مُعْتَذِر سچا بھی ہوتا ہے اور جھوٹا بھی یعنی محض عذر کرنیوالا خواہ وہ عذر درست ہو یا غلط اور عَذَّرَ کے معنی قصّر ہیں یعنی کوتاہی کی اور مُعَذِّر وہ ہے جو عذر پیش کرے اور اس کا عذر درست نہ ہو یعنی جھوٹا عذر بنانے والا یا بہانہ کرنے والا +

اعراب

الاعراب. اصل میں عَرَب کی جمع ہے مگر یہ ان لوگوں کے لئے خاص ہو گیا ہے جو بادیہ کے رہنے والے ہوں (غ) ہمارے ہاں اسکے مقابل پر دیہاتی کا لفظ ہے یعنی گاؤں کے رہنے والے لوگ +

بادیہ نشین عرب

اس رکوع میں بالخصوص ان لوگوں کا ذکر ہے جو بادیہ کے رہنے والے تھے ۔ اور جن میں ایسے بھی لوگ تھے جو منافقانہ طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور ایسے بھی تھے جو سچے دل سے مسلمان تھے جیسا کہ آیت ۹۹ سے ظاہر ہے ۔ مجاہد کہتے ہیں یہاں جن کا ذکر ہے وہ بنی غفار کا ایک گروہ تھا وقعد الذین میں اسی گروہ کا ذکر ہے اور کذبوا اللہ ورسولہ میں انکے جھوٹے عذروں کا ذکر ہے یعنی یہ لوگ جھوٹے عذر کر کے جنگ سے پیچھے رہ گئے +

نَصَحَ ـ نُصْح — الدین النصیحة لاٰمام

۱۳۳۴ نصحوا. نَصَحَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں خَلَصَ یعنی خالص ہوئی اور نُصْح غِشّ یعنی کھوٹ کی ضد ہے (دل) اور حدیث میں ہے الدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمة المسلمین وعامتہم یعنی دین نصیحت ہے اللہ کیلئے اور اسکے رسول کیلئے اور اسکی کتاب کے لئے اور مسلمانوں کے ائمہ کیلئے اور ان کے عام لوگوں کیلئے جس کی شرح ابن اثیر نے یوں کی ہے کہ نصیحة سے مراد ارادہ خیر ہے اسکے لئے جو منصوح ہے یعنی جس پر وہ فعل نصیحت واقع ہوتا ہے ۔ پس اللہ کے لئے نصیحت اس کی وحدانیت کا اعتقاد اور اس کی عبادت میں اخلاص اور رسول کیلئے نصیحت اس کی نبوت اور رسالت کی تصدیق اور جو امر یا نہی وہ دے اس کی فرمانبرداری ہے اور کتاب اللہ کیلئے نصیحت کتاب پر عمل اور ائمہ کے لئے نصیحت ان کی اطاعت فی المعروف اور عوام کیلئے نصیحت انکو

توبة نصوح

اچھی باتوں کی طرف ہدایت کرنا ہے اور توبة نصوحا (التحریم ۶۶ ـ ۸) کے معنی ہیں خالص توبہ جس کے بعد اس بات کی طرف لوٹکر نہ جائے جس سے توبہ کی ہے (دل) +

معذور لوگوں کا گروہ

جب پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے رسول اللہ صلعم سے جھوٹے عذر کے اجازت لے لی تھی کہ وہ جنگ میں نہ جائیں تو اب اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت معذور تھے ۔ اس میں تین گروہوں کا ذکر

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا ۹۲

اور نہ اُن پر الزام ہے جو جب تیرے پاس آئے کہ تو انہیں سواری دے تو نے کہا مجھے کچھ نہیں ملتا جس پر تمہیں سوار کروں وہ واپس گئے

وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝ إِنَّمَا ۹۳

اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس غم سے کہ وہ مال نہیں پاتے جسے خرچ کریں [۱۳۳۵] الزام صرف

السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا

اُن لوگوں پر ہے جو تجھ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ دولت مند ہیں وہ راضی ہو گئے کہ عورتوں کے ساتھ

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

رہیں اور اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ نہیں جانتے

کیا کمزور جیسے بچے بوڑھے بیمار[۳] وہ لوگ جنکے پاس خرچ کرنے کو موجود نہیں ایسے لوگ جہاد سیف میں معذور ہیں۔

حمل — [۱۳۳۵] لتحملھم۔ حمل کا لفظ اُٹھانے کے معنی میں بہت سے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی گناہ کے اُٹھانے پر بھی استعمال ہوا ہے مگر یہاں جس خاص موقع پر استعمال ہوا ہے اس کی تشریح میں لسان العرب میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے سفر کو جاری نہ رکھ سکے تو وہ دوسرے کے پاس جاتا اور کہتا ہے احملنی تو مراد ہوتی ہے کہ مجھے سواری کا جانور دو۔

فاض — تفیض من الدمع۔ فاض پانی کے بہنے پر بولا جاتا ہے جب وہ گر رہا ہو۔ اسی معنی میں یہاں تفیض ہے اور دوسری جگہ ہے افیضوا

فیاض۔ افاضۃ — علینا من الماء (الاعراف ۵۰) اور اسی سے فیاض سخی کو کہا جاتا ہے اور اسی سے افاضوا فی الحدیث استعارۃً بات میں لگ جانے کے معنی میں ہے لمسکم فیما افضتم فیہ (النور ۲۴-۱۴)۔

سواری کا نہ ملنا بھی عذر ہے — یہ ان لوگوں میں سے جو اس جنگ میں جانے میں فی الواقع معذور رہے چوتھا گروہ ہے کسی نے کہا یہ بنو مقرن تھے جو مزینہ میں سے تھے کسی نے کہا عرباض بن ساریہ کا ذکر ہے کسی نے کہا مختلف قبیلوں کے سات آدمی تھے (ج) کسی نے ابو موسیٰ اشعری اور بعض اہل یمن کو اس کا مصداق ٹھہرایا (د) ممکن ہے یہ سب ہی ہوں تخصیص کی ضرورت نہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ ہر موقعہ پر اس کے مناسب حال انتظام نہ ہونے سے انسان معذور ہوتا ہے چونکہ یہ لمبا سفر تھا بغیر سواری کے نہ پہنچا جا سکتا تھا اسلئے سواری کا نہ ملنا بھی صحیح عذر تھا۔

صحابہ کا جذبہ محبت — لیکن جو نقشہ یہاں ان معذورین کا کھینچا ہے وہ صحابہؓ کے قلب کی کیفیت کا ایک عجیب نقشہ ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس خرچ کرنے کو ہے وہ خوشی سے اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ دوسرے یہ ہیں کہ جب خرچ کرنے کو نہیں پایا اور رسول اللہ صلعم بھی سواری مہیا نہ فرما سکے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جذبہ محبت جو رسول اللہ صلعم کی فرمانبرداری کرتا تھا کس قدر زبردست تھا۔ آج مسلمانوں کی انفاق مال میں یہ حالت ہے کہ دل تو اسلام کی حالت زار دیکھ کر سے چاروں طرف سے مصیبتوں میں مبتلا پا کر بھی ان کے دل دینے کیلئے نہیں پگھلتے اور اس قدر دل سخت کر لیتے ہیں کہ ایک پیسہ تک جیب سے نہیں نکلتا اور جو کچھ دیتے ہیں تو وہ بھی ایک گونہ جبر و اکراہ سے۔ دل نہیں چاہتا مگر لحاظ سے یا اور وجوہ سے کچھ دینا پڑتا ہے اسلام اس مقام کو چاہتا ہے کہ جب دے اس کا دل خوشی سے بھرا ہوا ہو کہ اس نے کچھ خدمت کی اور جو نہ دے سکے اسلئے کہ اس کے پاس نہیں ہے تو دل غم سے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہوں۔

الجزء الحادی عشر

٩٤ يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ

وہ تم سے عذر کرنے لگیں گے جب تم لوٹ کر ان کی طرف جاؤ گے کہو عذر مت کرو ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے اللہ نے

نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ

تمہارے حالات کی خبریں دیدی ہیں اور اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا پھر تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کی

٩٥ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ

طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہیں اس کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے ف۱۳۳۶ وہ تمہارے لئے اللہ کی قسمیں کھائینگے جب تم ان کی

إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا

طرف واپس جاؤ گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو سو ان سے اعراض کرو بیشک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اس کا بدلہ

٩٦ كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ

جو وہ کرتے تھے ف۱۳۳۷ وہ تمہارے لئے قسمیں کھائینگے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ نافرمان

٩٧ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا

لوگوں سے راضی نہیں ہوتا دیہاتی کفر اور نفاق میں بڑے سخت ہیں اور اسی کے زیادہ لائق ہیں کہ اس کی

حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

حدود کو نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارا اور اللہ علم والا حکمت والا ہے ف۱۳۳۸

ف۱۳۳۶ چونکہ ان آیات کا نزول سفر تبوک میں ہوا اسلئے پہلے باطل عذروں کے ساتھ جو اجازت کیلئے ان لوگوں نے کئے تھے جنکا ذکر جاء المعذرون (۹۰) میں ہے یہاں ان عذروں کا ذکر کیا ہے جو جنگ سے واپسی کے بعد پھر یہ لوگ کرینگے پہلی دفعہ یہ عذر قبول کر لئے گئے اب فرمایا کہ کہدو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے تمہارے معاملہ پر روشنی ڈالی ہے اور تمہارا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے اب عذر بے سود ہیں ◆

منافقوں سے اعراض

ف۱۳۳۷ ان کی قسمیں کھانے کی غرض یہ بتائی کہ مسلمان ان سے اعراض کریں یعنی ان کو ان کی کمزوریوں پر ملامت نہ کریں اللہ تعالیٰ نے پہلے حکم دیا کہ تم ان سے اعراض ہی کرو یعنی کسی قسم کا تعلق نہ رکھو اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ ناپاک ہیں یعنی ان کے خیالات ناپاک ہیں وسوسہ اندازی ان کا کام ہے ◆

جدیر، جدار — حائط — جُدُر

ف۱۳۳۸ اجدر ـ جدیر ایک چیز کا منتہی ہے یعنی جس کی طرف ایک امر کا انتہا ہو جس طرح جدار یعنی دیوار کی طرف ایک امر کا انتہا ہو جاتا ہے۔ اور جدار دیوار کو بلحاظ اس کی بلندی کے کہا جاتا ہے اور حائط احاطہ کرنے کے لحاظ سے جدارا یرید ان ینقض الکہف ۷۷، جمع جُدُر ہے او من وراء جدر الحشر ۱۴، اور اسلئے جدیر کے معنی ہیں گویا وہ اسی چیز کیلئے بنائے گئے ہیں ◆

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ ۹۸

اور دیہاتیوں میں سے کچھ ایسے ہیں کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اسے چٹی سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں (کے آنے) کا انتظار کرتے ہیں بری

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ ۹۹

گردش انہیں پر پڑے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۳۳۹ اور دیہاتیوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان

الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۗ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ

لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں سنو وہ ان کیلئے قرب کا

لَّهُمْ ۗ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ہی موجب ہوگا اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۳۴۰

قرآن نے کیسی لوگوں کی اصلاح کی۔ — یہ قرآن شریف کا کمال تھا کہ ایسے سخت لوگوں کو بھی جو علم سے اس قدر دور تھے کہ حدود اللہ کا علم حاصل کرنے کیلئے گویا پیدا ہی نہیں ہوئے ان کو بھی حدود اللہ پر قائم کر دکھایا۔ اعراب کے اس نقشہ میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ دنیا کی کوئی قوم نہیں جس کی اصلاح قرآن شریف نہیں کر سکتا۔

غُرم — غارِم — غرام

۱۳۳۹ مغرما۔ غُرم وہ ہے جو انسان کو اس کے مال میں نقصان پہنچے حالانکہ اس کا اپنا کوئی ایسا فعل نہیں نہ خیانت ہو یہاں اور انا لمغرمون (الواقعۃ ۵۶-۶۶) میں چٹی مراد ہے اور قرضدار کو غارِم یا غریم کہا جاتا ہے والغارمین (التوبۃ ۹-۶۰) اور غرام اس شدت اور مصیبت کو کہا جاتا ہے جو انسان پر آپڑے گویا وہ اس سے ایسا چمٹ جاتا ہے جیسے غریم۔ ان عذابها کان غراما (الفرقان ۲۵-۶۵)

منافق کو چٹی سمجھنے والے — اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کو ظاہرداری کیلئے کچھ مال بھی خرچ کرنا پڑتا تھا اسے وہ چٹی سمجھتے تھے بہتیرے مسلمان جو آج کچھ دینی کاموں میں خرچ کرتے ہیں اسے چٹی سمجھتے ہیں۔ قرآن نہیں پڑھتے کہ ان کو معلوم ہو کہ وہ صحابہؓ کے نقش قدم پر نہیں چلتے اور

اعدائے اسلام آخر تک اسلام کی تباہی کے منتظر تھے۔ — منافقین کا خرچ کئے ہوئے مال کو چٹی سمجھنا اس وجہ سے تھا جیسا کہ خود بتایا کہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ نویں سال ہجرت کی آیت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتک بھی مخالفین کو یہ اُمید لگی ہوئی تھی کہ مسلمان تباہ ہو جائیں گے اس لئے اسلام میں داخل ہونا کسی لالچ کی بنا پر نہ ہو سکتا تھا۔

قُربۃ۔ قُربات — قرب الٰہی کیلئے ہے۔

۱۳۴۰ قربات۔ قُربۃ کی جمع ہے۔ ہر ایک قدم جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتا ہے قُربۃ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب بندہ پر فیض اور افضال سے ہے نہ مکان سے اور تقرب اصل میں یہ ہے کہ بہت سی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں ان سے بندہ مخصوص ہو گو اس حد تک وہ صفات اس میں نہ پائی جائیں جس حد تک اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں جیسے حکمت اور علم اور حلم اور رحمت اور غنا اور یہ تب ہوتا ہے جب پہلے انسان جہل اور طیش اور غضب وغیرہ بری صفات سے پاک ہو (غ)۔

صلوات۔ صلوٰۃ کی جمع ہے جس کے اصل معنی دعا ہیں دیکھو ۱۲ یہی معنی یہاں مراد ہیں۔

قرآن کریم کا پیدا کردہ انقلاب — یہاں نہ صرف ایک حق بات کو ظاہر کیا کہ اعراب میں یا دیہاتیوں میں اگر سخت لوگ ہیں تو اچھے بھی ہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح قرآن کریم کی بدولت ایک قوم ایک ایسے ذلیل مقام سے جس پر عرب کے دیہاتی تھے بلند مقام پر ترقی کر گئی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا حاصل کرنا ان لوگوں کی غرض ہو گئی گویا کوئی دنیوی غرض نہیں کہ اس طرح مال خرچ کرنے سے حکومت

حصول قرب الٰہی کیلئے انفاق مال

١٠٠ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

اور سبقت لیجانے والے مہاجرین اور انصار میں سے پہلے اور وہ جنہوں نے احسان کے ساتھ انکی پیروی کی

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور اس نے انکے لئے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ انہی میں

١٠١ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ

ہمیشہ رہینگے یہ بڑی کامیابی ہے ١٢٤٤ اور ان میں سے جو تمہارے ارد گرد دیہاتیوں میں سے ہیں منافق ہیں۔

منافقوں کے گرد اور ان کا انجام

اور سلطنت مل جائیگی بلکہ محض قرب الٰہی کا حصول غرض ہو یہ فی الواقع بڑا ہی بلند مقام ہو آج کتنے مسلمان ہیں جو قرب الٰہی کے حصول کیلئے اپنے مالوں کو خرچ کرنے کیلئے تیار ہوں ہاں حکومت اور سلطنت کے حصول کیلئے بہتیرے اپنے مال دینے کو تیار ہیں کاش مسلمانوں کے لیڈر اس بات پر غور کر کے قوم کو صحیح راہ پر ڈالیں صلوٰت الرسول کا لفظ یہاں لاکر یہ بتایا ہو کہ گناہوں کے پاک کرنے میں رسول اللہ صلعم کی دعاؤں نے بھی ایک عظیم الشان کام کیا ہو اور قرب الٰہی آپ کی دعا کے بغیر میسر نہیں آسکتا۔ آپ کی یہ قوت قدسی اور یہ دعا اور توجہ اب بھی کام کرتی ہو جو لوگ پیروں کے پیچھے پڑکر ان کو ارباب من دون اللہ بنا رہے ہیں اور اپنے اموال کو ان کی نذر و نیازوں میں تباہ کرتے ہیں۔ اگر یہی اموال دین اسلام کی ترقی کے لئے خرچ کرتے تو رسول اللہ صلعم کی دعا ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقام پر پہنچا دیتی مگر یہ افسوس کا مقام ہو کہ ایک طرف یہ لوگ اپنے اموال کو برباد کرتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے بھی روز بروز دور ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ رسول کے دین کی ترقی میں جو شخص کوشاں ہوگا وہ یقیناً قرب الٰہی کے حصول میں ترقی کرے گا۔ یہی وہ طریق ہو جس پر رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہ کو چلایا اور یہی ہم کو صحابہؓ کی زندگیوں میں کام کرتا نظر آتا ہو ایک بھی مثال ایسی نہیں کہ صحابہ میں کوئی پیر بنکر لوگوں کا مال نذر و نیاز کے رنگ میں کھاتا ہو +

آنحضرتؐ کی دعا اور قوت قدسی

پیر اور ان کی نذریں

١٢٤٤ سابقون۔ سَبق کے اصل معنی چلنے میں آگے بڑھنا ہیں۔ اور اِستباق ایک دوسرے سے آگے بڑھنا انا ذھبنا نستبق (یوسف ١٢-١٧) و استبقا الباب (یوسف ٢٥) اور پھر ہر قسم کے تقدم پر بولا جاتا ہو ما سبقونا الیه (الاحقاف ٤٦-١١) اور کلمة سبقت من ربك (یونس ١٠-١٩) میں مراد نفوذ یا پہلے ہو چکنا ہو اور فضیلت اور بزرگی کے حاصل کرنے پر بولا جاتا ہو السابقون السابقون (الواقعة ٥٦-١٠) سے مراد اعمال صالحہ سے ثواب اور جنت کیطرف پہلے جانیوالے ہیں گویا یہ یسارعون فی الخیرات کے قائم مقام ہو وھم لها سابقون (المؤمنون ٢٣-٦١) میں یہی مراد ہو۔ اور ما نحن بمسبوقین (الواقعة ٥٦-٦٠) میں مراد ہے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل نہیں سکتے ایسا ہی و لا یحسبن الذین کفروا سبقوا (الانفال ٨-٥٩) +

سَبق۔ استباق

سابق

مَسبوق

اولون۔ اَوّل۔ اَوْل سے ہو جس کے معنی ہیں اصل کی طرف رجوع کرنا۔ اور اَوّل وہ ہو جس پر اس کا غیر مترتب ہو۔ اور اَوّل ہونا کئی لحاظ سے ہوسکتا ہو جیسے زمانہ کے لحاظ سے جو عام ہو یا ریاست اور مرتبہ کے لحاظ سے جیسے اول امیر ہو یعنی پہلے وغیرہ وانا اول المسلمین (الانعام ٦-١٦٣) انا اول المؤمنین (الاعراف ٧-١٤٣) میں مراد یہ ہو کہ اسلام اور ایمان میں دوسروں سے آگے بڑھنا چاہیئے۔ و لا تکونوا اول کافر به (البقرة ٢-٤١) میں بھی یہی مراد ہے کہ ایسے کافر مت بنو جو دوسرے تمہارا اقتدا کریں +

اَوّل

مہاجرین۔ مہاجر کیلئے دیکھو ١٣٥ مہاجرین۔ اصطلاح اسلام میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلعم کے اتباع کیوجہ سے مکہ سے ہجرت کی اور بعض نے پہلے حبشہ پھر مدینہ اور بعض نے مدینہ ہی میں جا کر پناہ لی یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد مقدس ترک وطن کی ضرورت نہ رہی +

مہاجر

منزل ۲ — عند المتقدمین

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ

اور مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں تو انکو نہیں جانتا ہم انہیں جانتے ہیں

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝ وَآخَرُونَ ۱۰۲

ہم انہیں دو دفعہ عذاب دینگے پھر وہ بھاری عذاب کی طرف لوٹائے جائینگے [۱۳۴۲] اور کچھ اور ہیں

انصار — انصار نصیر کے معنی ناصر یا مدد کرنیوالا اور اسکی جمع انصار ہو مگر اصحاب نبی صلعم کے ایک گروہ کیلئے یہ خاص نام ہوگیا ہو جیسے ایک قبیلہ کا نام ہوتا ہو (ل) اور یہ اہل مدینہ کا وہ گروہ ہو جن کی وجہ سے دین اسلام کو وہ عظیم الشان نصرت ملی کہ سب مسلمان ہجرت کرکے وہاں چلے گئے۔

رضائے الٰہی — رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۔ اللہ کی رضا بندہ سے یہ ہو کہ وہ اسے اپنے اوامر کی تعمیل کرتا ہوا اور اپنی نہیوں سے رکتا ہوا پائے اور بندہ کی رضا اللہ سے یہ ہو کہ جو کچھ اس کی قضا و قدر سے اس پر وارد ہو اسے ناپسند نہ کرے (غ)۔

کامل مومنین کا گروہ — اصل ذکر تو اس رکوع میں انہی لوگوں کا ہو جن سے کوئی کمزوریاں سرزد ہوتیں یا جو منافق تھے لیکن چونکہ پچھلے رکوع کے آخر میں اعراب کے اس گروہ کا ذکر آیا تھا جو اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے کے لئے اپنے مال خرچ کرتے تھے۔ اسلئے یہاں ان کامل مومنین کے گروہ کا ذکر بھی کیا جو دوسرے مسلمانوں کے لئے بطور مقتدا ٹھہرے اور یہ گروہ مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین کا ہو۔

سابقون اولون سے مراد — سابقون اولون سے کیا مراد ہو بعض نے کہا وہ جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی بعض نے کہا اہل بدر بعض نے اہل بیعت رضوان بعض نے کہا جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے اور انصار میں سے سابق اول اہل بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کو کہا ہو لیکن اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد کل مہاجرین اور انصار ہیں اور سابق اول ہونا بلحاظ دوسرے مسلمانوں کے ہو۔ مگر اصل بات یہ ہو کہ سابق اور اول ہونے میں گو زمانہ کو بھی خاص دخل حاصل ہو اسلئے کہ جس قدر زیادہ مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اسی قدر زیادہ کمال ایمان بھی ان لوگوں کو حاصل ہوا اور جو لوگ پہلے ایمان لائے ان میں سے اکثر نے بہت بڑی بڑی ترقیاں کیں مگر سابق اور اول سے اصل مراد جیسا کہ ان الفاظ کی تشریح میں دکھایا گیا ہے اعمال صالحہ کے لحاظ سے سابق ہونا اور دوسروں کیلئے مقتدا ہونے کے لحاظ سے اول ہونا ہو۔ یوں بلحاظ زمانہ عبیداللہ مہاجرین اولین میں سے تھا مگر نصرانی ہوگیا اسلئے حقیقتاً سابقون اولون بلحاظ زمانہ نہیں بلحاظ اعمال ہیں اسی لئے جب ان کے اتباع کا ذکر کیا تو باحسان کا لفظ بڑھایا۔ یا نیکیوں میں انکی اتباع کرنے والے گویا ان کا تقدم اور انکی سبقت نیکیوں کے لینے میں تھی۔ یہ سابقین مقربین بارگاہ الٰہی ہیں والسابقون السابقون اولئک المقربون (الواقعۃ ۵۶ - ۱۰ - ۱۱)

حصول رضائے الٰہی کا مقام — اور جنہوں نے احسان میں ان کی پیروی کی ان کو بھی ان کے ساتھ یہ مرتبہ ملا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور یہ بلند ترین مقام ہو جس پر انسان پہنچ سکتا ہو۔ اور فی الحقیقت جو کمال صحابہ نے اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں دکھایا اس کی نظیر دنیا دکھانے سے عاجز ہو۔ قرآن کریم میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا جس کی تعمیل انہوں نے لفظاً نہیں کر دکھائی اور پھر اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر ایسے راضی ہوئے کہ سر دیکر جان دیکر مال دیکر اولاد دیکر خوش ہوتے تھے۔

مارد ۔ مرید ۔ امرد ۔ اہل الجنۃ مُرْد کی تشریح ۔ مَرَدَ — [۱۳۴۲] امی دوا ۔ مارد اور مرید کے معنی راغب نے کئے ہیں خیرات سے خالی اور اسی سے امرد وہ ہو جس کی ڈاڑھی کے بال ابھی نہ نکلے ہوں اور حدیث میں جو ہو اھل الجنۃ مُرْدٌ تو اسکے ایک معنی یہ کئے گئے ہیں کہ وہ برائیوں اور عیبوں سے خالی ہونگے اور مردوا علی النفاق کے معنی کئے ہیں ارتکسوا عن الخیر وھم علی النفاق یعنی نیکی سے محروم رہ گئے درانحالیکہ وہ نفاق پر تھے (غ) اور مَرَدَ کے معنی مَرَنَ بھی ہیں یعنی عادی ہوگیا۔ اور مَرَدَ علی الشیء کے معنی ہیں عتا وطغی یعنی سرکشی کی اور حد سے بڑھ گیا (ل)۔

منافقین کی سزا — چونکہ اصل ذکر اعراب یعنی بادیہ نشین منافقین کا چل رہا تھا۔ اسلئے اسی مضمون کی طرف رجوع کیا ہو اور فرمایا ان میں کے تو

اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ أَنْ

جنہوں نے اپنے قصوروں کا اقرار کیا ایک نیک کام اور دوسرا برا ملا یا قریب ہے کہ اللہ ان پر

يَّتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ١٠٣

رحمت سے متوجہ ہوگا کیونکہ اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہی ۱۲۴۳ ان کے مالوں سے صدقہ لے

منافق ہیں مگر اہل مدینہ میں سے جو شہری لوگ ہیں وہ نفاق پر سخت اڑے بیٹھے ہیں ان کا نفاق اس وقت سے شروع ہوا جب نبی کریم صلعم مدینہ میں تشریف لائے اور اب نویں سال تک انہوں نے اپنی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی تھی اور گو انکے عمل سے ان کی حالت ظاہر تھی مگر تاہم یہ لوگ اس قدر چالاک تھے کہ مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنا مومن ہونا ظاہر کرتے تھے۔ اتخذوا ایمانہم جنۃ (المنافقون ۶۳: ۲) اسلئے فرمایا کہ تم انہیں نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں میں یہ اشارہ ہی کہ ہم اب تمہیں ان کے نام بتاتے ہیں یہی وہ لوگ تھے جنہیں مسجد سے نکال دیا گیا۔ اور انکی سزا بتائی کہ دو دفعہ ان کو عذاب دینگے پھر عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائینگے۔ عذاب عظیم آخرت کا عذاب ہی اسلئے دو دفعہ کا عذاب اس دنیا میں ہونا چاہیئے اکثر مفسرین نے اس دو دفعہ میں عذاب قبر کو شامل کیا ہی حالانکہ عذاب قبر عذاب آخرت میں شامل ہی اور وہ منافقوں سے خاص نہیں۔ اور ایک عذاب پر حضرت ابن عباس سے روایت موجود ہی کہ آنحضرت صلعم نے خطبہ جمعہ میں ان منافقوں کے نام لیکر ان کو مسجد سے نکال دیا یہ انکی رسوائی ان کے لئے واقعی سخت عذاب کا موجب تھی اسلئے کہ ابتک وہ اپنی منافقت کو جھوٹی قسمیں کھا کر چھپاتے تھے۔ اب وہ سب پردہ فاش ہو گیا۔ اور دوسرے عذاب پر قرآن کریم اپنی نص صریح سے شاہد ہی ولا تعجبك اموالهم واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها في الدنيا (۸۵) ان منافقوں کے مال اور اولاد تجھے تعجب میں نہ ڈالیں اللہ چاہتا ہی کہ انکے ساتھ انہیں دنیا میں عذاب دے اور یہ یوں عذاب کا موجب تھا کہ ان کی اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمان بنی اور اسلام کی تائید اور نصرت میں جانوں تک دیتے تھے اور انکو مال بھی ظاہر داری کیلئے اسلام کی تائید میں خرچ کرنے پڑتے تھے جیسا کہ آیت ۹۸ سے ظاہر ہی جہاں فرمایا کہ وہ اس خرچ کو چٹی سمجھتے ہیں دل سے تو اسلام کے دشمن تھے اور اسلام کی تباہی چاہتے تھے اور انکے مال اور اولاد اسلام کی تائید میں خرچ ہو رہے تھے اس سے بڑھکر عذاب کیا ہو سکتا تھا پس یہی وہ عذاب دنیا تھے ✦

دو دفعہ عذاب کا مطلب

۱۲۴۳ اعترفوا۔ عَرَفَ کے معنی پہچانا یا جان لیا۔ اور اِعْتَرَفَ کے معنی اقرار کیا اور اصل اس کا گناہ کی معرفت کا اظہار ہے جو جحود کی ضد ہی (غ) اور اعترف بمعنی عَرَفَ بھی آتا ہی (ل)، اور اعتراف ذنب کے لازماً یہ معنی نہیں کہ گناہ کرکے دوسروں پر ظاہر کرتا پھرے بلکہ رسول اللہ صلعم کے سامنے ایک شخص نے آکر اپنے کسی گناہ کو ظاہر کیا تھا تو آپ نے منہ پھیر لیا اور دو دفعہ اسی طرح کیا گویا اس کو پسند نہ کیا۔ اور حضرت عمر کا قول منقول ہی اَطْرُدُنا الْمُعْتَرِفِينَ یعنی جو لوگ ان باتوں کو جن میں حد اور تعزیر واجب ہی خود ظاہر کرتے ہیں ہم انکو شہر سے نکال دینگے گویا اسے ناپسند کیا (ل)، اصل اعتراف ذنب یہ ہی کہ انسان کا اپنا نفس یہ محسوس کرے کہ اس سے ایک برا فعل سرزد ہوا ہی اور اسکے ازالہ کی کوشش کرے یہی اقرار ہی ✦

عرف۔ اعتراف اقرار گناہ۔

مفسرین نے یہاں ابولبابہ اور بعض دوسرے لوگوں کا ذکر کیا ہی۔ مگر یہ سب بطور مثال ہی۔ قرآن کریم نے منافقوں کے ذکر کو یہاں ہر پہلو سے پورا کر دیا ہی چونکہ یہاں منافقوں کی سزا کا ذکر تھا اور یہاں منافقوں کا ذکر ہوا۔ جو نفاق پر اڑ گئے اور انکی فضیحت کا ذکر تھا تو اب ایک اور گروہ کا ذکر کرتا ہی جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور انکی اصلاح کی کوشش

منافقوں کی توبہ

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

اس سے تو انہیں پاک کریگا اور بڑھائیگا اور انکے لئے دعا کر کیونکہ تیری دعا ان کیلئے موجب تسکین ہی اور اللہ سننے والا جاننے

عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ١٠٤

والا ہے ١٣٤٤ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہی اور صدقات لے لیتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَ ١٠٥

اور کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ہی ١٣٤٥ اور کہو عمل کرو اللہ تمہارے عمل کو دیکھیگا اور اس کا رسول اور

الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

مومن بھی اور تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کیطرف لوٹائے جاؤگے سو وہ تمہیں اسکی خبر دیگا جو تم عمل کرتے تھے ١٣٤٦

کی۔ یہ معلوم ہوتا ہی کہ سخت دشمن اسلام نہ تھے یا کمزوری کی وجہ سے منافقین سے ملے ہوئے تھے۔ اور سوائے ان تھوڑوں کے جنکے نام لیکر انہیں مسجد سے نکالا گیا بڑا حصہ منافقوں کا ایسا ہی تھا جو سچے دل سے مسلمان ہوگئے۔ اور عسی اللہ ان یتوب علیہم میں جو اُمید دلائی ہی وہ ان کے حق میں پوری ہوئی +

تطہیر و تزکیہ میں فرق

١٣٤٤ تطہرھم و تزکیہم۔ تطہیر اور تزکیۃ میں فرق یہ ہی کہ طُہر نجاست کا نقیض ہی اور تطہیر کے معنی نجاست سے پاک کرنا ہیں۔ اور تزکیۃ کا اصل زکا ہی جو نمو پر بولا جاتا ہی اور اسلئے تزکیۃ کے معنی ہیں خیرات اور برکات سے نفس کو ترقی دینا۔ پس تطہیر صرف برائیوں سے پاک کرنا ہی اور تزکیہ نیکیوں میں ترقی کرنا +

صلٰوۃ

صل علیہم میں یہاں صرف دعا مراد ہی یعنی انکے لئے استغفار کرو۔ نماز جنازہ مراد نہیں +

توبہ کرنیوالے منافقوں سے زکوٰۃ کا لینا اور مسلمانوں کیلئے سبق

یہاں رسول اللہ صلعم کو یہ حکم دیکر کہ انکے مالوں سے زکوٰۃ لیلو۔ یہ بھی بتادیا ہی کہ آیت ١٠١ کے منافقوں سے جنہیں مسجد سے نکال دیا گیا زکوٰۃ نہیں لینی چاہئے جو مسلمان زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ غور کریں کہ ان کا حشر کس گروہ میں ہوگا۔ نام کا مسلمان کہلانا کوئی فائدہ نہ دیگا جس طرح منافقوں کو فائدہ نہ دیا۔ پھر اس زکوٰۃ لینے کا فائدہ یہ بتایا کہ اس سے انکی تطہیر اور ان کا تزکیہ ہوگا یعنی جو گناہ کر چکے ہیں ان سے پاک ہونگے اور آیندہ نیکیوں میں ترقی کرینگے۔ اور نبی کریم صلعم کو انکے لئے دعا کا حکم دیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہی کہ نبی صلعم کے پاس جب زکوٰۃ کا مال آتا تو آپ دینے والے کیلئے دعا کرتے اور اسی طرح جو امام ہو اس پر واجب ہے۔ دعا کو دوسروں کیلئے موجب تسکین فرمایا ہی +

اَخْذ

١٣٤٥ یاخذ الصدقات۔ اَخْذ کے معنی ہے لینا مگر لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کا صدقات کو لینا استعارۃً یعنی قبولیت ہی +

ثبوت اخلاص

١٣٤٦ اللہ تعالیٰ تو اعمال کو دیکھتا ہی ہو مطلب یہ ہی کہ تمہیں آیندہ اپنے صدق اور اخلاص کا ثبوت دینا ہوگا دوسری جگہ فرمایا قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الیٰ قوم اولی باس شدید تقاتلونہم او یسلمون (الفتح ۴۸-١٦) اور چونکہ یہاں بھی پیچھے فرمایا تھا کہ آیندہ یہ منافق جنگ میں ساتھ نہ نکلیں (٨٣) اسلئے جنہوں نے توبہ کی ان کو پھر موقعہ ملتا ہی کہ اسلام کے لئے اپنے صدق اور اخلاص کو دشمن کے مقابلہ میں نکلکر دکھائیں۔ اسلئے اللہ کیساتھ رسول اور مومنوں کا لفظ بڑھایا ہی یعنی وہ اس قسم کے عمل ہونگے جن کو رسول اور مومن بھی دیکھ سکتے ہیں اور وہ جنگوں میں نکلنا ہی۔ آج بھی مسلمان اپنے اخلاص کا ثبوت اسی طرح دے سکتے ہیں کہ

١٠٦ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور کچھ اور اللہ کے حکم کیلئے پیچھے رکھے گئے ہیں خواہ انہیں عذاب دے اور خواہ ان پر رحمت سے متوجہ ہو اور اللہ جاننے والا

١٠٧ حَكِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

حکمت والا ہے ۱۳۴۷ اور وہ جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ دکھ پہنچایا جائے اور کفر کیا جائے اور مومنوں میں پھوٹ ڈالی جائے

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا

اور اس شخص کیلئے گھات ہو جو پہلے سے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ لڑ رہا ہے اور وہ یقیناً قسمیں کھائینگے کہ ہمارا ارادہ سوائے

١٠٨ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ

بھلائی کے کچھ نہ تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ۱۳۴۸ اس میں کبھی کھڑا نہ ہونا

خدا کی راہ میں اور اس کے دین کی ترقی کے لئے اپنے مالوں کو بے دریغ خرچ کریں اور اپنی جانیں دیدیں +

ارجأ — ۱۳۴۷ مرجون۔ اَرْجَأَ الامرَ کے معنی ہیں اَخَّرَہٗ یعنی اسے پیچھے ڈال دیا اور ہمزہ ترک بھی کر دیا جاتا ہے (ل) +

منافقین سے تشابہ — یہ کون تھے؟ ابن عباس مجاہد عکرمہ وغیرہ اسی طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد وہی تین شخص ہیں جنکا ذکر آیت ۱۱۸ میں ہے مگر اس رکوع میں منافقین کا ذکر ہے اور ان تین کا ذکر آگے چلکر مومنوں کی ذیل میں بھی کیا ہے اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ ان تینوں نے غزوہ تبوک میں شمولیت پر اپنے آرام کو مقدم کیا اور یوں منافقوں کے ساتھ خود تشبیہ پیدا کر لی۔ اس لحاظ سے ان کا ذکر یہاں کیا اور انکی توبہ کا ذکر مومنوں کی ذیل میں کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ فی الواقع منافقین میں شامل نہ تھے +

مسجد ضرار — ۱۳۴۸ اس آیت میں منافقوں کے اس گروہ کا ذکر ہے جنہوں نے وہ مسجد بنائی جو مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بارہ آدمی

ابو عامر — تھے جنہوں نے ابو عامر راہب کی سازش سے ایک مسجد مسجد قبا کے پاس بنائی۔ ابو عامر خزرج میں سے ایک شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گیا۔ اور بوجہ اس کی عبادت کے خزرج اس کی عزت کرتے تھے۔ جب بدر میں رسول اللہ صلعم کو فتح ہوئی تو ابو عامر بھاگ کر قریش سے جا ملا اور ان کو رسول اللہ صلعم کی جنگ کیلئے اُکسایا اور اُحد میں خود بھی آیا۔ اور اعانہ کو دور دور غلاما چاہا مگر نامراد رہا۔ آخر جب رسول اللہ صلعم کے امر کو غالب ہوتے دیکھا تو ملک شام میں چلا گیا تاکہ ہرقل سے رسول اللہ صلعم کے خلاف مدد لے اور وہاں سے کچھ وعدہ پاکر اس نے اپنی قوم کے بعض آدمیوں کو خط لکھا کہ وہاں ایک علیحدہ مسجد بنائیں جہاں منصوبہ بازی کا کام آسانی سے ہو سکے۔ اسی بنا پر یہ مسجد بننی شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلعم تبوک کیلئے تیار تھے جب یہ لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس آئے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں آپ نے فرمایا سفر سے واپسی پر دیکھا جائیگا۔ واپسی پر مدینہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وحی کے ذریعہ سے اصل حقیقت سے آپ کو اطلاع دی اور آپ نے اس مسجد کو گروا دیا۔

مسجد ضرار بنانیکی غرض — اسکے بنانے کی اول غرض ضرار فرمائی یعنی مسلمانوں کو ایذا پہنچانا سو ظاہر ہے دوسری غرض کفر کا پھیلانا وہ بھی ظاہر ہے تیسری تفریقاً بین المؤمنین جس سے مراد یہ ہے کہ الگ مسجد بنانے کی غرض مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا تھا تاکہ بعض لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنے ساتھ ملالیں اور ارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ سے مراد ابو عامر کیلئے گھات ہے۔ کیونکہ غرض یہ تھی کہ ابو عامر اس مسجد کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کے حالات سے آگاہی وغیرہ حاصل کرتا رہے جس سے آپ کے خلاف سازش میں اسے مدد ملے +

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ

یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو[۳۴۹] اس بات کے زیادہ لایق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں

رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ۱۰۹ اَفَمَنْ

ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ پاک ہو جائیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے ۳۴۹ تو کیا وہ جس نے

اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضا پر رکھی اچھا ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

کھو کھلے گرنے ہوئے کنارہ کے اوپر رکھی سو وہ اسکو جہنم کی آگ میں لے گرا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۳۵۰ ۱۳۵

اساس۔اس — ۳۴۹ اسس۔ اُسّ اور اَساس بنیاد کو کہتے ہیں جس پر عمارت بنائی جائے اور جہاں سے کسی چیز کی ابتدا ہو اسے بھی کہتے ہیں اور انسان کا اُسّ اس کا قلب ہے (ل) تقویٰ پر بنیاد ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے بنانے میں تقویٰ مدنظر تھا +

مسجد قبا — اس مسجد سے مراد مسجد قبا ہی۔ گو بعض روایات میں مسجد نبوی کا ذکر بھی ہو مگر قول اول کو ترجیح ہے۔ اور یہ جو فرمایا

تطہیر سے مراد — کہ اس میں لوگ ہیں جو پاک ہونا چاہتے ہیں۔ تو مراد ظاہری طہارت نہیں گو چند روایات اس کی تائید میں ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف نے اس تطہیر کا ذکر پہلی شرارتوں کے مقابل پر کیا ہے۔ ظاہری طور پر پاکیزہ کپڑوں سے تو مسجد ضرار میں بھی جا سکتے تھے۔ مراد قلوب کی پاکیزگی ہے یعنی ہر قسم کی شرارت سے پاک ہونا جیسے تقویٰ پر بنیاد رکھنے سے مراد نہیں کہ تقویٰ کوئی جسمانی شے تھی جس پر بنیاد رکھی گئی +

بنیان — ۳۵۰ بنیان۔ بَنٰی سے ہے جس کے معنی ہیں عمارت بنائی اور بُنیان دیوار کو بھی کہتے ہیں کانّہم بنیان مرصوص (الصّف ۶۱-۴) اور ہر چیز کو جو بنائی جائے۔ چنانچہ دوسری جگہ آیا ہے فاتی اللہ بنیانہم من القواعد (النحل ۱۶-۲۶) جہاں مراد انکی تدابیر

بنیۃ — کی عمارت ہے۔ چنانچہ بناء کا لفظ جسم انسانی پر بھی بولا گیا ہے من ھدم بناء ربہ اور بِنْیَۃ فطرت کو کہا گیا ہے (ل) +

شفا۔شفاء — شفا۔ شَفا کنوئیں وغیرہ کے کنارہ کو کہتے ہیں اور ہلاکت سے قرب میں مثال کے طور پر بولا جاتا ہے جیسے یہاں اور شفاء بیماری سے بھی ہوتی ہے جو گو یا سلامتی کے کنارہ کو پا لینا ہے (غ) +

جراف — جرف جَرْف کسی چیز کا بہت سا یا سارے کا سارا لے لینا ہے اور جُرُف وادی اور نہر کی جانب کا نچلا حصہ ہے جسے سیل بہا لے جائے

جارف — اور اسکا اوپر کا حصہ آگے بڑھا ہوا رہ جاتا ہے پھر جب وہ اوپر کا حصہ پھٹ جائے تو اسے ھار کہا جاتا ہے حدیث میں جو طاعون جارف کا ذکر ہے یا اسی مادہ سے (ل)

ھار۔انہار — ھار و انہار ھار البناء دیوار گر گئی۔ انہار اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو بلند جگہ سے نیچے گر جائے +

یہاں مراد سچ مچ عمارتوں کا بنانا نہیں۔ بلکہ مومن اور منافق کی حالت کو تشبیہ دی ہے۔ ایمان کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور نفاق کی بنیاد نہایت کمزور ہے +

١١٠ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ

انکی عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ انکے دلوں کی بے چینی کا موجب رہے گی یہانتک کہ انکے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

١١١ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ١٣٥١ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اسکے)

بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا

بدلے میں ان کے لئے جنت ہو ‏ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں ‏ سو قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں ‏ یہ وعدہ

عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ

اس پر لازم ہو توریت ‏ اور انجیل اور قرآن میں ثابت ہے ‏ اور اللہ سے بڑھکر اپنے وعدہ کو کون پورا کرنے والا ہو

فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

سو اپنے سودے پر جو تم نے اس سے کیا ہو خوش ہو جاؤ ‏ اور یہی بڑی کامیابی ہے ١٣٥٢

ع ١٤ / ٣

مومنوں کا عہد و اسکا اجر

ریبۃ

١٣٥١ ریبۃ۔ رَیب سے اسم ہو اور بنوا ریبۃ فی قلوبہم کی تفسیر میں ہو تدُلُّ علی دَغَلٍ وقِلّۃِ یقینٍ یعنی یہ کھوٹ اور قلت یقین پر دلالت کرتا ہو (غ)۔

قطع قلوب

تقطع قلوبہم قَطْعٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا علیحدہ کر دینا جسم سے ہو یا معناً۔ جیسے ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل (البقرہ ٢٧) اور دلوں کے کٹنے سے مراد یہ ہو کہ مر جائیں یا یہ کہ ایسی توبہ کریں جس سے ان کے دل ندامت کے مارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں (غ) یہاں خود ان کی اس عمارت کو ریبۃ کہا ہو یعنی شک اور قلق اور اضطراب جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ مراد انکا دین ہے۔

مسلمانوں کا عہد

١٣٥٢ جب منافقوں کا ذکر ہو چکا تو اب بتایا کہ وہ لوگ جو فی الواقع مومن ہیں ان کا کیا طریق ہو۔ جان اور مال دو ہی چیزیں انسان کو بہت پیاری ہیں سو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں اور اس کا معاوضہ جنت قبول کر چکے ہیں۔ گویا اللہ پر ایمان کی حقیقت یہ بتائی کہ انسان اپنی محبوب ترین چیزوں کو اپنا نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا مال سمجھے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کے ساتھ عہد ہو جبتک وہ اپنے عہد پر قایم رہینگے اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے جنت کے مستحق ہونگے اور وعدہ جنت میں اس دنیا کی کامیابی کا وعدہ بھی شامل ہو۔ جیسا کہ متعدد مقامات سے ظاہر ہو لیکن اگر مسلمان اپنے عہد پر قایم نہ رہیں تو معاوضہ کے بھی وہ مستحق نہ ہونگے۔ پس ہر ایک شخص کو جو مسلم کہلاتا ہو یا ایمان کا دعویٰ کرتا ہو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال دونوں بیچ چکا ہو اور ان پر اس کا کوئی حق نہیں اور اب وہ بطور ایک امین کے ہو کہ اللہ کی راہ میں انکو لگائے

صحابہؓ نے اس عہد کو کس طرح پورا کیا

اس وعدہ کے بعد انکے کاموں کا ذکر کیا اور چونکہ پچھلے رکوعوں میں منافقوں کی سب سے بڑی علامت یہ بتائی کہ وہ لڑائی کیلئے نہیں نکلتے اسلئے مقابلہ کے طور پر یہاں مومنوں کے جنگ کرنے کا ذکر کیا۔ منافق نمازیں بھی شامل ہو جاتے تھے۔ زکوٰۃ بھی دیدیتے تھے اور احکام ظاہری نکاح وغیرہ کے معاملات میں بھی شریعت قرآنی پر عمل کر لیتے تھے۔ مگر جنگوں کے پیش آنے پر ان میں اور مومنوں میں مابہ الامتیاز یہ ہو گیا کہ وہ جنگوں میں نہ نکلتے تھے۔ اسلئے یہاں مومنوں کے ساتھ وعدہ کا ذکر کر کے عمل کے رنگ میں اس چیز کو

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ۱۱۲

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۲۵۴

بھلائی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنیوالے اور مومنوں کو خوشخبری دو

پیش کیا جو منافقوں اور مومنوں میں مابہ الامتیاز تھا یعنی جنگ کرنا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہے کہ جان اور مال کو دینے کا پورا امتحان جنگ میں ہی ہوتا ہے اسلئے وعدہ کے ذکر کے ساتھ اس چیز کا ذکر کیا جو ایفائے وعدہ کیلئے ایک محک کے طور پر کام دے سکتی تھی۔ لیکن یقاتلون سے یہ مراد لینا کہ خواہ مخواہ لوگوں کو مارتے پھرتے ہیں پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ جنگ کی ضرورت جو پیش آتی وہ خود کھولکر قرآن شریف بیان فرما چکا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (البقرۃ ۲۔ ۱۹۰) انہی جنگوں میں نہ شامل ہونے پر منافقوں کو الزام دیا انہی میں شمولیت اختیار کرنے کو مومن کے وعدہ کا ایفا قرار دیا۔

یہی عہد سب انبیاء لیتے تھے۔

تیسری بات جو یہاں بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ یہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے ساتھ ہے یہ توریت اور انجیل اور قرآن سب میں پایا جاتا ہے گویا سب انبیاء یہی وعدہ لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس وعدہ کا اوپر ذکر ہے وہ یہی ہے کہ جنت کے عوض اپنی جانوں اور مال کو بیچ دیا ہے بالفاظ دیگر وعدہ یہ ہے کہ مومن جان اور مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیگا اور اللہ تعالیٰ اُسے جنت دے گا۔ عیسائی جو قرآن کریم کے بیانات کو توڑ مروڑ کر محل اعتراض بنانے کے عادی ہیں کہتے ہیں یہ قرآن کریم نے جھوٹ کہا ہے ایسا کوئی وعدہ توریت اور انجیل میں نہیں۔ غالباً یہ لفظ قلم سے نکالتے وقت پادری صاحبان کا خیال یقاتلون کی طرف تھا کیونکہ اسلام میں قتال کی اجازت انہیں سب سے بڑا عیب نظر آتا ہے حالانکہ جس مصیبت کی حالت میں پہنچ کر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی کوئی عقلمند ایک لمحہ کیلئے بھی ان حالات میں جنگ کرنے پر اعتراض نہیں کرسکتا۔ اور موسوی شریعت میں تو ایسی کوئی شرط جنگ کیلئے قطعاً نہیں اور خود عیسائی قومیں جب اپنے آپکو طاقتور پاتی ہیں تو ادنےٰ ادنےٰ بہانوں پر جنگ کیلئے آمادہ ہوجاتی ہیں مگر بہر حال یقاتلون میں کسی وعدہ کا ذکر نہیں۔ ایفائے وعدہ کا ذکر ہے اور وعدہ کا ذکر اشتریٰ من المؤمنین میں ہے اور یہ سچ ہے کہ یہی وعدہ توریت اور انجیل میں ہے۔

حضرت مسیح کی تعلیم جان و مال دینے کی

جو وہ ہے جب ایک دولتمند حضرت مسیح کے پاس آیا۔ اور پوچھا کہ اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں تو حضرت عیسیٰ نے جواب دیا "اگر تو کامل ہوا چاہے تو جا کے سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا تب آ کے میرے پیچھے ہولے" (متی ۱۹: ۲۱) اور حضرت موسیٰ کی بھی یہی تعلیم تھی تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔ جنت یا آسمانی بادشاہت دنیا پر لات مارنے کے بغیر نہیں ملتی۔

ساحة **ساح** **سیّاح۔ سائح**

۱۲۵۴ السآئحون۔ ساحۃ فراخ مکان کو کہتے ہیں اور ساحۃ الدار گھر کے صحن کو کہتے ہیں فاذا نزل بساحتھم (الصّٰفّٰت ۳۷۔ ۱۷۷) اور ساح فی الارض کے معنی ہیں زمین میں گزرا یا سیاحت کی فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر (التوبۃ ۹۔ ۲) اور سائح اس پانی کو کہتے ہیں جو دائم طور پر جاری ہو۔ اور سیّاح اور سائح سیاحت کرنے والے کو کہتے ہیں (غ) اور سائحون جو یہاں آیا ہے اور سائحات (التحریم ۶۶۔ ۵) کے معنی روزہ رکھنے والے صحابہ اور تابعین سے مروی ہیں۔ بلکہ ایک حدیث میں یہی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ سائحون کے معنی صائمون ہیں اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے سیاحت کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے (ت)، مگر عموماً روزہ رکھنے والے معنی ہی قبول کئے گئے ہیں اور مفردات میں بھی ہے السآئحون ای الصآئمون اور السائحات ای الصائمات پھر اسکے بعد لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ روزہ دو طرح پر ہے

۱۱۳ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا

نبی کیلئے شایاں نہیں اور نہ ان کیلئے جو ایمان لائے کہ وہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں گو وہ قریبی ہوں اسکے بعد کہ ان پر

۱۱۴ تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ

کھل گیا کہ وہ دوزخ والے ہیں ۱۳۵۴ اور ابراہیم کا اپنے بزرگ کیلئے استغفار کرنا

ایک حقیقی یعنی کھانے پینے کا ترک کرنا اور دوسرا حکمی یعنی جوارح کا معاصی سے محفوظ رکھنا۔ اور سائح اسی روزہ کا رکھنے والا ہے +

مومنوں کی صفات

پہلی آیت میں مومنوں کے عہد کا ذکر کیا اور اس میں انکی صفات بیان کیں سب سے پہلے تائب یعنی سب قسم کے گناہوں سے توبہ کرنے والے پھر عابد یعنی قوے کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگانیوالے۔ پھر حامد یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے اور جس کی حمد کی جائے اسکی صفات کو انسان اپنے اندر لیتا ہے پس ماندون اخلاق الٰہی کے رنگ میں رنگین ہونیوالے ہیں پھر سائحون یعنی روزہ رکھنے والے یا اپنے جوارح کی پوری حفاظت کرنے والے پھر اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کی حالت اختیار کرنیوالے۔ پھر دوسروں کو نیکی کی راہ پر ڈالنے والے اور برائی سے روکنے والے اور سب سے آخر حدود اللہ کی حفاظت کیلئے کھڑے ہو جانیوالے یہ وہ مومن ہیں جنکے لئے خوشخبری ہے +

مشرکین کیلئے ممانعت استغفار

ابو طالب

۱۳۵۴ اس آیت کی رو سے ان مشرکوں کیلئے استغفار منع کیا گیا ہے جنکے متعلق یہ کھلے طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ اصحاب جحیم ہیں صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں اس کا شان نزول ابو طالب کی وفات کو بیان کیا گیا ہے جو ہجرت سے پیشتر کا واقعہ ہے اور اس سورت کا نزول ۹ ہجری کا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم برابر اسکے لئے استغفار کرتے رہے جبتک کہ کفار سے قطع تعلق کی وجہ سے اس سورت کے نزول کے وقت آپ کو روکا نہیں گیا اور بعض احادیث میں اس کا شان نزول آپ کا اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنا بتایا گیا ہے۔

آنحضرت کی والدہ

ابو طالب نے آنحضرت صلعم کا زمانہ پایا مگر آپ کی والدہ جو آپ کی بعثت سے چونتیس سال پیشتر وفات پا چکی تھیں انکے متعلق ایسا خیال جانے تعجب ہے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ سے دریافت کیا فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ (طٰہٰ ۵۱) تمہارے آنے سے پیشتر جو نسلیں گزر چکیں ان کا کیا حال ہے تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي (طٰہٰ ۵۲) بعثت نبی سے پیشتر جو لوگ ہوتے ہیں یا جن کو تبلیغ نہیں پہنچی ان پر مواخذہ بھی صرف اس روشنی کے مطابق ہوتا ہے جو عقل اور فطرت کے ذریعہ سے ان کو دی گئی ہے نبی کے انکار کا لفظ ان پر نہیں آتا اور آنحضرت صلعم کی والدہ کا صحیح فطری مذہب پر قائم ہونا خود وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (الشعراء ۲۱۹) کی اس تفسیر سے ظاہر ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مراد اس سے آپ کا انتقال ایسے آباء اور امہات میں ہوتے رہنا ہے جو ساجدین میں داخل تھے ◦

ممانعت استغفار مشروط

استغفار کی ممانعت کو اس بات کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ ان کا دوزخی ہونا صراحت سے معلوم ہو جائے۔ مفسرین نے صرف دو ہی صورتیں ایسے تبین کی ٹھہرائی ہیں ایک یہ کہ ایک شخص حالت کفر پر مر جائے۔ دوسرا یہ کہ وحی سے معلوم ہو جائے کہ ایک شخص ناقابل اصلاح ہے۔ اور قرآن کریم نے خود جو تصریح فرمائی ہے وہ اگلی آیت میں مذکور ہے جہاں حضرت ابراہیم کا استغفار سے اس وقت رکنا بیان کیا گیا ہے جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ شخص خدا کا دشمن تھا پس اصل بات تو یہی ہے کہ استغفار سے روکنے کی غرض صرف یہی ہے کہ جو شخص کھلے طور پر حق اور صداقت کا جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے دشمن ہو اس کیلئے طلب حفاظت الٰہی یا طلب معافی بے معنی ہے خدا کے دشمنوں سے ایسا تعلق مومن کو شایاں نہیں اور کسی شخص کی ایسی دشمنی پر قطعی یقین تو وحی الٰہی سے ہی پیدا ہوتا ہے گو بعض وقت واقعات بھی بتا دیتے ہیں مگر اس نہی میں عام مشرک یا کافر شامل نہیں ہاں جو لوگ حالت شرک یا کفر پر مر جائیں انکی نماز جنازہ کے

غیر مسلم کا جنازہ

نہ پڑھنے کا استدلال بھی اس سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ نماز جنازہ صرف مسلمان کا حق مسلمان پر ہے انسانی ہمدردی کا

إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ

صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے اس سے کیا تھا پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے وہ اس سے الگ ہوگیا یقیناً ابراہیم

لَأَوّٰهٌ حَلِيمٌ ○ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ ١١٥

بہت نرم دل بردبار تھا ۱۳۵۵ اور اللہ کی شان نہیں کہ ایک قوم کو گمراہ قرار دے اسکے بعد کہ انہیں ہدایت دی یہانتک کہ ان کیلئے وہ بیان کردے

مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ إِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ ١١٦

جس سے انہیں بچنا چاہئے بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا ہے ۱۳۵۶ اللہ کی ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔

يُحْيٖ وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ○

وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوائے تمہارا کوئی ولی نہیں اور نہ مددگار ہے۔

حق اور ہے اور اسلامی ہمدردی عام انسانی ہمدردی کے حق کے علاوہ ہے نماز جنازہ بغیر تعلق اخوت اسلامی جائز نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے جس طرح چاہے ان سے معاملہ کرے۔ مگر نماز جنازہ انہی لوگوں کی ہوسکتی ہے۔ جو ظاہر طور پر اسلام میں داخل ہوچکے ہیں۔

اوّاہ

۱۳۵۵ اوّاہ جو کثرت سے تأوّہ کرے یا اَوّہ کہے اور تأوّہ ہر وہ کلام ہے جو حزن پر دلالت کرے اور مراد اس سے ایسا شخص لیا جاتا ہے جو بہت خشیۃ اللہ کو ظاہر کرے (غ) نرم دل اسلئے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ کثرت خشیۃ اللہ سے نرم دلی پیدا ہوتی ہے۔ ابن جریر میں جو اقوال اسکے معنی میں نقل کئے گئے ہیں ان میں الرحیم کو ترجیح ہے یعنی اس سے مراد رحم کرنیوالا ہے۔

ابراہیم اور آزر

حضرت ابراہیم کا اپنے اب یا بزرگ کے لئے استغفار سے روکا جانا یہاں سے صراحت سے ثابت ہے۔ حالانکہ والدین کیلئے استغفار آخر عمر تک کرتے رہے ربنا اغفرلی ولوالدی (ابراھیم ۱۴۔ ۴۱)۔

اب کے لئے دیکھو ۹۶۷ باوجود اس کے کہ وہ حضرت ابراہیم .... کا بزرگ تھا جب اس کی حالت معمولی کفر کی حالت سے نکل کر یہاں تک پہنچ گئی کہ کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوگیا تو پھر اس کی بخشش کی دعا کے یہ معنی ہوتے کہ اللہ تعالیٰ اس ناحق اور باطل کو جو حق اور صداقت کو کچلنا چاہتا ہے دنیا میں سرسبز کرے ہاں جبتک ایسا نہ ہو اس وقت تک غیروں کیلئے بھلائی مانگنا بھی مقام مدح پر ہے۔ وعدہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اس کی تصریح دوسری جگہ ہے۔ دیکھو مریم ۱۹۔ ۴۷۔ جہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود آزر کے حضرت ابراہیم کو سنگسار کرنے کی دھمکی دینے اور ان سے علیحدگی اختیار کرلینے کے حضرت ابراہیم نے استغفار کا وعدہ کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک استغفار کو نہیں چھوڑا جبتک کہ آزر کی دشمنی اور استیصال حق کی کوشش انتہا کو نہیں پہنچ گئی۔

۱۳۵۶ ان الفاظ سے یہ مراد لی گئی ہے کہ مسلمانوں کے مشرکوں کیلئے استغفار کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ضلالت قرار نہیں دیا۔ یہاں تک کہ اس حکم کو کھول کر قرآن کریم میں بیان کردیا۔ ہاں حکم کے آجانے کے بعد جو شخص ایسا کرے وہ ضلالت میں ہوگا اور یضل کے معنی گمراہ قرار دینا ہی لئے گئے ہیں۔

١١٧ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ

اللہ نے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر رحمت سے توجہ فرمائی جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل پھر جاتے پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بیشک وہ ان پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔

١١٨ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۠

اور ان تین پر جو پیچھے رکھے گئے تھے ١٣٥٨ یہاں تک کہ زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جانوں سے بھی تنگ آ گئے اور یقین کر لیا کہ اللہ کی سزا سے سوائے اس کے کوئی پناہ نہیں تب وہ رحمت سے ان پر پھر آیا تاکہ وہ بھی پھر آئیں بیشک اللہ بہت رحمت سے پھر آنے والا رحم کرنے والا ہے ١٣٥٨

تاب — ١٣٥٧ تاب۔ لفظ تاب کے معنی پر یہ آیت کھلی شہادت ہے کہ اس سے مراد صرف گناہ پر رجوع ہی نہیں بندہ کی طرف سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلکہ جیسا کہ ۵ میں بیان کیا گیا ہے ایک اچھی حالت سے اس سے زیادہ اچھی حالت کی طرف رجوع کرنا بھی تاب میں داخل ہے کیونکہ یہاں نبی اور مومنین کا قطعاً کوئی گناہ نہیں۔ بلکہ الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ میں ان کی تعریف ہی کی گئی ہے تاہم فرمایا تاب اللّٰہ علی النبی۔ اور مراد صرف اس قدر ہے کہ بڑے بڑے فضل کئے۔ اور یہ اسکے مطابق ہے جو لغت میں تاب کے معنی دیتے ہیں کہ اصل معنی عاد الی اللّٰہ ورجع وانات ہیں یعنی اللہ کی طرف عود کیا اور لوٹ آیا اور جھک گیا (ل)۔ +

ساعۃ العسرۃ — ساعۃ العسرۃ عسر۔ یُسر کی ضد ہے۔ اور یہاں ساعۃ العسرۃ سے مراد غزوہ تبوک لیا گیا ہے جس میں صحابہ کو تکالیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑا یہاں تک کہ بعض وقت ایک کھجور کو دو آدمیوں نے بانٹ کر اس پر پانی پیکر گزارہ کیا اور دو دو تین تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے۔ یہ انکے کمال صداقت اور اخلاص کا ثبوت تھا اسلئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا۔ +

مسلمانوں کی جان نثاری کا کمال۔ — اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس سخت مصیبت اور مقابلہ کے وقت مسلمانوں نے خوش دلی سے آنحضرت کی آواز پر لبیک کہا صرف ایک گروہ کے متعلق ذکر کیا کہ انکے دلوں میں کچھ کمزوری کا خیال آیا تھا مگر اس پر بھی کاد کا لفظ بولکر بتا دیا کہ فی الواقع کوئی زیغ انکے دلوں میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ آنحضرت صلعم کی قوت قدسی کا اثر تھا کہ صحابہ کو اس مقام اتباع تک پہنچا یا کہ وہ سب کے سب ہی ایک رنگ میں رنگین تھے۔

خَلَّف — ١٣٥٨ خلفوا۔ خَلَّفْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اسے اپنے پیچھے چھوڑا مگر مخلفون سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ میں پیچھے رہ گئے اور یہی مراد خلفوا سے ہو سکتی ہے یعنی جو پیچھے رہ گئے۔ مگر عموماً مراد اس سے لی گئی ہے کہ ان کا حکم پیچھے رکھا گیا یعنی وہ جنکے متعلق فرمایا تھا اٰخرون مرجون لامر اللّٰہ (۱۰۶)۔ خود کعب جو ان میں سے ایک تھے یہی معنی خلفوا کے لیتے ہیں۔ +

ضاق — ضاقت ضِیق وسعت کی ضد ہے اور اس کا استعمال فقر اور بخل اور غم وغیرہ پر ہوتا ہے وضائق بہ صدرک (ھود ۱۱-۱۲) یضیق بہ صدری (الشعراء ۲۶-۱۳) ولا تک فی ضیق مما یمکرون (النحل ۱۶-۱۲۷) میں اور یہاں مراد حزن ہے (غ)۔ +

ع ۱۵ مومنوں کے لئے ہدایات

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ۝ ۱۱۹

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ ۱۳۵۹

رحب

رحبت۔ رحب مکان کی وسعت کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال ضیق کی طرح بطور استعارہ بھی ہو جاتا ہے جیسے یہاں اور اسی سے رحب آیا ہے۔ (مفردات)

کعب بن مالک مرارۃ ہلال

یہ تین شخص جن کا یہاں خصوصیت سے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ کعب بن مالک۔ مرارۃ بن الربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔ ان کا ذکر صحیح احادیث میں ہے۔ اور ایک طویل حدیث میں خود کعب نے یہ ذکر کیا ہے غزوہ تبوک میں تیاری کو ایک سے دوسرے دن پر ملتوی کرتے کرتے یہ لوگ پیچھے رہ گئے۔ یہانتک کہ رسول اللہ صلعم بہت دور نکل گئے۔ تب انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔ واپسی پر جب بہت سے منافقین نے جھوٹے عذر پیش کئے تو کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں نے رسول اللہ صلعم سے سچ سچ کہدیا کہ ہمارا عذر کوئی نہ تھا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جبتک اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ان کے بارہ میں نازل نہ ہو مسلمان ان سے قطع تعلق کریں۔ پچاس دن تک ان تینوں کی یہ حالت رہی کہ کوئی شخص ان سے کلام تک نہ کرتا تھا۔ کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں رسول اللہ صلعم کیساتھ نماز بھی پڑھنے آتا مگر کوئی شخص مجھ سے کلام نہ کرتا۔

کعب اور ملک غسان

انہی ایام میں جب ایک دن میں بازار میں پریشان پھر رہا تھا ملک غسان کے ایک قاصد نے میرا پتہ دریافت کیا اور مجھے بادشاہ کا ایک رقعہ دیا جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے تمہارے ساتھ سختی ہوئی ہے اور ذلت کا برتاؤ کیا جاتا ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ تو ہم تم سے ہمدردی کرینگے۔ کعب کہتے ہیں میں نے سمجھا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمایش ہے اور اس رقعہ کو لیکر تنور کا رخ کیا اور اسے جلا دیا۔ پچاس دن کے بعد اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلعم نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو یاد فرمایا اور بشارت دی۔ یہ

صحابہ کی سچائی سے محبت

واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ کو سچائی سے کس قدر محبت تھی کہ اس کی خاطر خود رسول اللہ صلعم کی ناراضگی کی بھی پروا نہیں کی۔ ایک طرف اگر یہ صحابہ کا گروہ جاں نثاری میں اور مال و جان کے قربان کرنے میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتا۔ تو دوسری طرف اخلاق فاضلہ میں بھی تاریخ عالم دوسرا کوئی ایسا گروہ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان تینوں میں سے کعب علاوہ تبوک کے صرف بدر میں غیر حاضر تھے اور دوسرے دونوں اصحاب بدر میں بھی شامل تھے۔ باایں غزوہ تبوک میں نہ جانے کی وجہ سے ان پر ایسی سختی ہوئی۔ وہ مسلمان غور کریں جو آج خدمت اسلام کو ایک بے معنی چیز ٹھہرا کر صرف اپنے نفسوں کے فکر کو کافی سمجھے ہوئے ہیں یا زیادہ سے زیادہ کسی نے نماز پڑھ لی اور سمجھ لیا کہ ہم جنت کے وارث ہو گئے ✦

صحابہ کی جاں نثاری اور اطاعت کا کمال

منجملہ اور امور کے جو ان تین شخصوں کے ذکر میں مقصود ہیں ایک یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری اور اطاعت کس حد تک پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ مقام بلند عطا فرمایا جو کسی قوم کی قوم کو دنیا میں نہیں ملا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ایک طرف اس جنگ کی مشکلات کو رکھو۔ خطرناک گرمی۔ عرب کا ملک فصلیں پکی ہوئیں۔ لمبا سفر۔ سواریوں کا پورا انتظام نہیں۔ نہ سامان رسد کا۔ عظیم الشان شہنشاہ کی افواج سے مقابلہ ہے۔ سب لوگ اپنی تجارتیں کر کے اور کاروبار کر کے معاش پیدا کرنیوالے ہیں کوئی فوج باقاعدہ نہیں مگر تیس ہزار نو ساتھ ہوتے ہیں اور صرف تین پیچھے رہ جاتے ہیں کیا ایسی اطاعت اور ایسی جاں نثاری کی کوئی مثال دنیا میں مل سکتی ہے (منافقوں کو الگ رکھو کیونکہ وہ دل سے ہی دشمن اسلام تھے) گویا دس ہزار میں سے صرف ایک کمزوری دکھاتا ہے اور وہ کمزوری بھی خود عظیم الشان سچ کا پہلو ساتھ لئے ہوئے ہے کہ اس میں ان کی صداقت کا کمال ظاہر ہوتا ہے ✦

معیت صادقین کا حکم

۱۳۵۹ یہ آیت قرآن کریم کی ترتیب ابلغ اور محکم پر گواہ ہے پچھلی آیت میں ان تین شخصوں کا ذکر تھا جو ہمیشہ غزوات میں شامل ہوتے ہوتے غزوۂ تبوک سے رہ گئے تو ان پر اس قدر عتاب اللہ تعالیٰ کا ہوا کہ پچاس دن تک کسی مسلمان کو ان سے بولنے کی اجازت نہ تھی حالانکہ وہ نمازیں پڑھتے اور سب مسلمانوں والے کام کرتے اور مسلمانوں کی جماعت میں سے تھے۔ تو سمجھایا کہ ضروریات دینی میں

١٢٠ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ

مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے اردگرد کے جو بادیہ نشین ہیں انہیں مناسب نہ تھا کہ اللہ کے رسول کے پیچھے

رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ

رہ جائیں اور نہ (یہ کہ) اپنی جانوں پاس تے حریص ہوں کہ اسکی جان کی پروا نہ ہو یہ اسلئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں کوئی پیاس

وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ

کی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ تھکان اور نہ بھوک کی اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آتا ہے اور

لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

نہ دشمن سے کچھ چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے انکا نیک عمل لکھا جاتا ہے اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا[١٣٦٠]

جو مسلمان ان ضروریات کو محسوس کرکے ان کے پورا کرنے کا تہیہ نہ کریں۔ وہ اس بات کے اہل نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوں۔ اب نبوت کا سلسلہ تو منقطع ہوتا تھا مگر ضروریات دینی ختم ہونے والی نہ تھیں۔ اسلئے اسکے فوراً بعد مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ جو صادق راستباز تمہارے اندر پیدا ہوں اور ضروریات دینی کی طرف قوم کی رہنمائی کریں تو قوم کا انکے ساتھ ہو جانا اس وقت کا سب سے اہم فرض ہوتا ہے۔ و صادقین سے مراد یہاں ایسے ہی لوگ ہیں جو خدمت دین میں صدق دکھاتے ہیں۔

صادقین سے مراد راستباز خادمان دین ہیں جو مجدد

صادق کے اس معنی کیلئے دیکھو ۳۴۴ اور قرآن شریف نے خود فرمایا ہے انما المؤمنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصٰدقون (الحجرات [٤٩] -١٥) اور یہاں بھی اگلی آیت میں مصائب اٹھانے کے ذکر میں یہی اشارہ ہے کہ صادق کہلانے کا وہی مستحق ہے جو خدا کی راہ میں دکھ اٹھاتا اور کام کرتا ہے۔ آج مسلمان قرآن شریف سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ کثرت سے یہی کہتے اور جواب دیتے ہیں کہ فلاں شخص مجدد زمانہ ہے تو ہو ہم نہ مانیں پڑھتے ہیں۔ کاش کبھی قرآن پر تھوڑا سا بھی غور کرتے تو معلوم ہوتا کہ صادقوں کے ساتھ ہونے کے حکم کو یہاں لاکر قرآن شریف نے اسے کس قدر اہمیت دی ہے +

رغب

۱۳۶۰ یرغبوا۔ رغب کے معنی کیلئے دیکھو ۱۶۵ کسی چیز کے ساتھ رغبت ہونا اس کے لئے حرص اور اس میں طمع ہے حدیث میں ہے کیف انتم اذا مرج الدین وظهرت الرغبة۔ تمہاری کیا حالت ہوگی جب دین ابتری کی حالت میں ہوگا اور رغبت ظاہر ہوگی جس سے مراد مال کے جمع کرنے کی حرص ہے (ل)۔ یہاں بھی اپنی زندگی پر حرص مراد ہے +

ظمأ۔ ظمآن

ظمأ۔ ظِمء وہ وقفہ ہے جو دو دفعہ پانی پینے کے درمیان ہو اسلئے ظمأ پیاس ہے اور ظمآن پیاسا۔ لا تظمؤا فیہا (طٰہٰ [٢٠] -١١٩) یحسبہ الظمان ماء (النور [٢٤] -٣٩) (غ) +

نصب۔ نَصْب کے اصل معنی گاڑ دینا ہیں اور نُصُب . . . . . اور نَصَب تھکان کو کہتے ہیں مسنی الشیطان بنصب (ص [٣٨] -٤١) (غ) لا یمسہم فیہا نصب (الحجر [١٥] -٤٨) +

مخمصة

مخمصة۔ خَمْص البطن پیٹ کی لاغری کو کہتے ہیں اسلئے مخمصة بھوک ہے جس سے پیٹ کی لاغری پیدا ہوتی ہے (غ) +

وطئ۔ موطئا

یطئون۔ موطئا۔ وَطْءٌ کے معنی پامال کیا اسلئے زمین کو پامال کرنا یا زمین پر چلنا جیسے یہاں اور مُوْطِیٴ کے معنی موضع

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ١٢١

اور نہ وہ کوئی خرچ کرتے ہیں تھوڑا ہو یا بہت نہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ ان کیلئے لکھا جاتا ہے

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ ١٢٢

تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے ١٣٦١ اور مومنوں کو یہ بھی مناسب نہیں

مواطأة یعنی جگہ (ل)، اور اللّٰھم اشدُدْ وَطْأَتَكَ علی مُضَرَ میں مراد ہو اس کو ذلیل کردے یا فرمانبردار کردے اور مُواطأة کے معنی مطابقت ہیں گویا جہاں ایک پاؤں رکھتا ہو وہیں دوسرا رکھتا ہو اسی معنی میں ہو لیواطئوا عدة ما حرم اللہ (التوبة ۹-۳۷)، ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آتا ہو مراد یہ ہے کہ دشمن اس سے مرعوب ہوتا ہو۔

نَیل ینالون - نیلا۔ نَیْل وہ ہے جسے انسان اپنے ہاتھ سے لیتا ہو اور نَوْل (نَالَ یَنَالُ)، اور تَنَاوُل کے معنی لینا یا حاصل کرنا ہیں (غ)، دشمن سے کچھ لیتے ہیں یعنی فتح یا کوئی اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

اعدائے دین کا مقابلہ عبادت میں داخل ہے اس آیت میں بتایا ہو کہ دشمنان دین کے مقابلہ پر جو کام کئے جائیں وہ سب عبادت میں داخل ہیں اور انسان کے لئے اعمال صالحہ کا کام دیتے ہیں اور ظاہر ہو کہ اعمال صالحہ میں اس سے بڑھکر کونسا کام ہو سکتا ہو جس سے دین اسلام کو زندگی ملے عمل صالح درحقیقت وہی عمل ہو جو انسان کیلئے موجب بقا ہو مگر انسان کی زندگی سے بڑھکر حق اور صداقت کا زندہ رہنا ہو اسلئے حق اور صداقت کو زندہ رکھنے کے لئے جو کام کئے جاتے ہیں وہ انسان کے بہترین اعمال صالحہ میں ہیں کیونکہ ان سے انسان کا اپنا بھی بقا ہو کس قدر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ صرف اندر بیٹھکر خدا کا نام لے لینے کو عمل صالح سمجھتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات اختیار کئے جاتے ہیں حالانکہ دشمنان دین کا مقابلہ کرنا وہ مجاہدہ ہو جسپر اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چلایا اور یوں بتا دیا کہ یہ بہترین مجاہدہ ہو۔ ہاں دشمنان دین کا مقابلہ جب وہ تلوار اٹھائیں تو تلوار سے ہے۔ لیکن آج سب سے بڑا مقابلہ علم اور دلائل کے رنگ میں ہو اور جس طرح پر ایک مجاہد بالسیف کا بھوک پیاس کو برداشت کرنا دُکھ اُٹھانا دشمن کو زک دینا رستے طے کرنا عمل صالح ہے اسی طرح ایک مجاہد بالقلم یا باللسان کا انھی باتوں کو برداشت کرنا یا ان کو کر دکھانا عمل صالح ہے جس سے نہ صرف انسان کو خود قلب کی صفائی میسر آتی ہو بلکہ وہ حق اور صداقت کے بقا میں بھی معاون ہوتا ہو اور یوں تمام مجاہدات سے افضل یہ مجاہدہ ہو۔ یہاں لفظ ایسے اختیار کئے ہیں جن میں مجاہدات سیف اور مجاہدات علمی دونوں آجاتے ہیں بلکہ یہاں اصل مقصود علمی مجاہدات کا ذکر ہو معلوم ہوتا ہو جیسے کہ رکوع کی آخری آیت میں صاف بتا دیا ہو جہاں جہاد سیف کے لئے نکلنے کا ذکر حذف کرکے جہاد علمی کے لئے نکلنے کا ذکر کیا ہو۔

سب سے بڑا مجاہدہ دینیا

مجاہدۂ علمی

قطع الطریق ١٣٦١ یقطعون وادیا۔ قطع کسی چیز کا الگ کر دینا ہو اور قطع الطریق سے مراد سیر یعنی چلنا بھی ہوتا ہے جیسے یہاں قطع وادی کے معنی وادی میں سے گزرنا ہیں اور رستے چلنے والوں سے مال چھیننا بھی مراد ہوتا ہو جیسے وتقطعون السبیل (العنکبوت ۲۹-۲۹) (غ)

ہر ایک نفقہ اور کام پر اجر پچھلی آیت میں خود تکلیف بھوک پیاس وغیرہ کے اُٹھانے یا دشمن پر کسی قسم کا غلبہ حاصل کرنے کا ذکر تھا اس میں بتایا کہ خواہ کوئی ایسی تکلیف نہ پہنچے اور خواہ اس سے کوئی غلبہ حاصل نہ ہو محض خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور خدا کی راہ میں نکلنا بجائے خود ہی ایک عمل صالح ہو۔

لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ

کہ سب کے سب نکل پڑیں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور

لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بھی بچیں ۱۳۶۲

۱۳۶۲ لیتفقھوا۔ فقہ علم شاہد سے علم غائب کی طرف پہنچنا ہے علم عام ہے اور یہ خاص ہے لا یکادون یفقھون حدیثا (النساء ۴ - ۷۸) اور احکام شریعت کے علم پر بالخصوص بولا جاتا ہے اور تفقہ کے معنی ہیں اس علم کو طلب کیا پھر اس میں خصوصیت پیدا کی (غ)

یہ عجیب بات ہے کہ اس سورت کے نزول کے ساتھ جس میں جنگوں کا مضمون اس قدر بھرا ہوا ہے فی الحقیقت جنگوں کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اقوام عرب کے وفد آنے شروع ہوئے وہ قومیں جو اب تک اسلام کی تباہی پر تلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بھی جب دیکھا کہ اسلام کی قوت کو وہ توڑ نہیں سکتے تو ٹھنڈے دل سے اسلام کی صداقتوں پر غور کرنے لگے۔ ان کے سامنے یہ نظارہ تھا کہ کس طرح محمد رسول اللہ صلعم ایک اکیلے شخص تھے سارا عرب آپ کا مخالف ہی نہیں خطرناک دشمن تھا جان لینے کے درپے تھا۔ منصوبے کئے کوشش کی لڑائیاں کیں مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اور اب غزوۂ تبوک کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان قیصر روم کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں تو انہوں نے مقابلہ کو چھوڑ دیا اور دل ان کے پہلے سے اندر سے کھلنے ہوئے تھے پس قوم پہ قوم آنے لگی اور اسلام کے اصول معلوم کر کے دین اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ ان مختلف اقوام کی تعلیم کا ایک انتظام تو یہ ہو سکتا تھا کہ جو مسلمان نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تعلیم حاصل کر چکے تھے وہ باہر نکل جائیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سب کے سب ہی باہر نکل جاتے اس لئے فرمایا کہ بہتر یہ ہو کہ ہر ایک قوم میں سے کچھ آدمی مدینہ میں آکر تعلیم حاصل کریں اور پھر یہی لوگ جا کر اپنی قوم کو تعلیم دیں جو ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے ان کو اسلام کی تعلیم دیں جو مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو اسلام کی طرف بلائیں ولینذروا قومھم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی قوموں کا بڑا حصہ کفر پر تھا گو ان میں تھوڑے لوگ مسلمان ہو گئے تھے علاوہ ازیں دین اور علم کے تمام اقوام میں پھیلانے کا بھی بہترین ذریعہ تھا اگر اہل مدینہ ہی اس کام کے لئے مخصوص رہتے تو دوسری قومیں سمجھتیں کہ علم انہی کا خاص ورثہ ہے مگر دین اور علم کی اشاعت میں اسلام کی تعلیم جمہوریت کے یہ خلاف تھا اس لئے حکم دیا کہ سب قومیں تعلیم حاصل کریں اور اس کا طریق یہ ہے کہ ہر قوم میں سے کچھ آدمی آکر علم سیکھ جائیں اور پھر اپنی قوم کو جا سکھائیں۔ یوں جنگوں کا خاتمہ اور صلح اور امن کی بنیاد رکھا جانا اسلام کی فتوحات حقیقی کی ابتدا تھی۔ اور جنگوں کے خاتمہ پر اس آیت کو لا کر اسلام کی اصل غرض بھی بتا دی۔ آج بھی اسلام کو ضرورت ایسے لوگوں کی ہے جو دین میں تفقہ حاصل کر کے دنیا کی مختلف قوموں کی طرف نکل جائیں اور جب ان قوموں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں تو پھر وہی لوگ دین اسلام کو سیکھ کر اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب تک مسلمانوں کی طرف سے پہلا قدم نہ اُٹھے گا اسلام بھی دنیا میں نہیں پھیل سکتا۔

فقہ

تفقہ

جنگوں کا خاتمہ

صداقت اسلام کا ایک نشان

سب اقوام میں علم پھیلانے کی تجویز

نشر و توسیع علم کی تجویز

ع ۱۶

الربع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ ۱۲۳

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں شدت

غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ ۱۲۴

پائیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ۱۳۶۳ اور جب کوئی سورت اُتری ہو تو ان میں سے

مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے۔ سو جو ایمان لائے ان کا ایمان بڑھایا

وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا ۱۲۵

اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کی پلیدی پر پلیدی کو

اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ ۱۲۶

زیادہ کیا اور وہ مرگئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے ۱۳۶۴ اور کیا دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال

فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

میں ایک دفعہ یا دو دفعہ آزمائے جاتے ہیں پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ۱۳۶۵

قریب کے کفار سے جنگ کا منشاء

۱۳۶۳ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔ عام حکم نہیں جس سے پہلے احکام قتال کے متعلق منسوخ ہو جاتے ہوں مثلاً جن کفار کے ساتھ معاہدات تھے ان کے متعلق خود حکم دے چکا ہے کہ ان عہدوں کو پورا کرو یہی تقویٰ ہے۔ پھر یہودی خیبر میں رہتے حالانکہ کافر تھے آنحضرت صلعم نے ان سے جنگ نہیں کی۔ اور ایک یہود پر کیا انحصار ہے بہتیرے قبیلے اور قومیں تھیں جن کے خلاف آپ نے جنگ نہیں کی پس یہ حکم بھی قتال کے اس پہلے حکم کے ماتحت ہے جو درحقیقت تمام احکام قتال پر حاوی ہے یعنی ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ پھر الذین یلونکم کہنے کی ضرورت کیا تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دکھ اور تکلیفیں انہی لوگوں سے پہنچتی تھیں جو قریب تھے دور والوں نے دکھ کیا دینا تھا۔ اسی طرف الذین یلونکم میں اشارہ کیا ہے اور غلظۃ پر دیکھو ۱۳۲۱ مراد یہ ہے کہ محض قرب کے لحاظ سے قوم کی مصیبت کو نہ بھول جاؤ۔

۱۳۶۴ الرجس یا پلیدی ان کا نفاق ہے جیسا کہ فی قلوبہم مرض سے ظاہر ہے اور پہلی آیت میں مومنوں کے ایمان کے بڑھنے کا ذکر ہے اس کے مقابلہ پر یہاں ان کے نفاق کے بڑھنے کا ذکر ہے۔ قرآن کریم کے نزول سے بالخصوص ان سورتوں کے نزول سے جن میں جنگ اور دشمن کے مقابلہ کا یا منافقوں کے نفاق کا ذکر ہوتا جس طرح مومنوں کا ایمان ترقی کرتا اسی طرح منافقوں کا نفاق ترقی کرتا۔

منافقوں کو نصیحت خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں

۱۳۶۵ کسی قسم کا فتنہ یعنی آزمائش یا دکھ مراد ہے بعض نے کہا قحط اور بیماریاں بعض نے کہا غزوات اور جہاد یفتنون کا لفظ زیادہ تر پہلے پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ بھوک بیماری وغیرہ سے جو انسان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ فطرت کا تقاضا ہے

۱۲۷ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ ٱنصَرَفُوا۟

اور جب کبھی کوئی سورت اترتی ہے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (کہتے ہیں) کیا تمہیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر پھر جاتے ہیں

۱۲۸ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ

اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے ۱۳۶۶ یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک

۱۲۹ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا۟

رسول آیا ہے جو تمہیں دکھ پہنچتا ہے وہ اس پر شاق گزرتا ہے ۱۳۶۷ وہ تمہارے لئے (بھلائی کا) بہت خواہشمند ہے مومنوں پر مہربان (اور) رحم کرنے والا ہے سو اگر پھر جائیں

کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو انسان گناہ سے توبہ کرے مگر ان منافقوں کی حالت ایسی تھی کہ اس سے بھی فائدہ نہ اٹھاتے تھے۔ اور غزوات اور جہاد کے ذریعہ سے بھی آزمائش تھی اس لئے کہ یہ لوگ اس انتظار میں رہتے تھے کہ ان جنگوں میں مسلمان مارے جائیں گے مگر ہر جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی نامرادی ہوتی تھی۔ اور یفتنون میں جس دکھ کا ذکر ہے وہ جنگوں کی صورت میں یہ تھا کہ کچھ اموال ان منافقوں کے بھی خرچ ہوتے تھے۔ اور کچھ لوگ بھی ان میں سے شریک جنگ ہو کر مارے جاتے تھے ✦

۱۳۶۶ سورت کے نزول سے مراد یہاں ایسی سورت کا نزول معلوم ہوتا ہے جس میں منافقوں کا ذکر ہو۔ اور ان کا ایک دوسرے کی طرف دیکھنا یا تو اس غرض سے ہے کہ اب یہاں سے چلنا چاہئے اور یا بطور تمسخر آنکھوں سے اشارہ کرنا مراد ہے اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کیونکہ وہ سمجھ سے کام نہیں لیتے ✦

عَزَّ علیہ

۱۳۶۷ عزیز علیہ۔ عَزَّ کے معنی ہیں غَلَبَ یعنی غالب ہوا اور عَزَّ علیہ کذا کے معنی ہیں صَعُبَ وہ چیز اس پر شاق گزری (غ)

عنت

عنتم یعنی عَنَتُّكُمْ عنت کے معنی کے لئے دیکھو ۲۸۳ مشقت فساد ہلاکت گناہ غلطی سب پر بولا جاتا ہے (ل)

قلب رسول کی اعلیٰ کیفیت

یہاں سورت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس میں کچھ جنگوں کا ذکر ہے کچھ منافقوں کا ذکر ہے۔ اس لئے آخر پر بتایا کہ یہ کوئی رسول کے آنے کی غرض نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول کی حالت تو یہ ہے کہ جو کچھ تم پر تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ اس پر بھی شاق گزرتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے کہ تم ان مصائب سے باہر نکل جاؤ اور وہ تم پر حریص ہے یعنی تمہاری بہتری کو چاہتا ہے یہاں تک لفظ عام ہیں یعنی جو کچھ دنیا میں گناہ اور غلطیاں ہیں اور جو کچھ ان کی وجہ سے دنیا اپنے آپ کو مشقت اور ہلاکت میں ڈال رہی ہے اس سے رسول اللہ صلعم کا دل پگھلتا ہے جنگ میں انسانوں کا خون بہتا ہے اس سے اسے خوشی نہیں ہوتی اگر لوگ کفر اور نفاق اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں تو اس سے اسے راحت نہیں ہوتی بلکہ ان چیزوں کو دور کرنے کی تڑپ اس کے دل میں ہے۔ اس آخری پیغام میں رسول کے قلب کی پہلی حالت کا ذکر کیا جو دنیا میں گناہ اور ہلاکت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور خدا سے مدد چاہی اور بالمؤمنین رؤف رحیم میں بتایا کہ اگر تم مومن بن جاؤ تو پھر وہ رسول تو تمہارے لئے مجسم راحت و رحمت ہی ہے صرف جب لوگ شرارت میں حد سے بڑھے تو ضرورت وقتی کے لحاظ سے حق کو تباہی سے بچانے کے لئے اسے تلوار اٹھانی پڑی رؤف اور رأفۃ کے لئے دیکھو

گناہ اور ہلاکت سے دنیا کو بچانے کی تڑپ

رأفۃ. رحمۃ

۱۸۱ اور رأفۃ کو رحمۃ پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رأفۃ میں دفع مضرت ہے اور رحمۃ میں جلب نفع (ر)

ان لوگوں کو جن سے جنگ تھی یا جن کا ذکر اس سورت میں ہے یعنی کافر اور منافق یہ بتایا ہے کہ اصل وہ کونسی

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

تو کہو اللہ میرے لئے کافی ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم والا رب ہے ۱۳۶۸

تڑپ ہے جو رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک میں ہے +

رب العرش

۱۳۶۸ رب العرش العظیم ۔ عرش کے لئے دیکھو ۱۰۹۵ یہ ترکیب ایسی ہی ہے جیسے رب العزۃ میں یعنی یہ اضافت اختصاص کی ہے +

رسول اللہ کو تسلی کہ ایک خدا پر بھروسہ کرو

جب یہ بتایا کہ رسول صرف تمہاری خیرخواہی چاہتا ہے تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اگر باوجود اس کے کہ تم صرف ان کو دکھوں اور ہلاکت سے نکالنا چاہتے ہو اور ان کی بھلائی چاہتے ہو پھر بھی یہ تمہیں قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت پر اڑے رہیں تو تم کوئی پرواہ مت کرو۔ فقل حسبی اللہ ۔ اللہ تمہارے لئے کافی ہے ۔ ایک اللہ پر ہی اپنا بھروسہ رکھو۔

بعض روایات میں ہے کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں سب سے آخر نازل ہوئیں ۔ مگر بخاری نے واتقوا یوما ترجعون فیہ (البقرۃ ۲ ۔ ۲۸۱) کو آخر النزولات حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے ۔ ہاں سورۃ توبہ آخری سورتوں میں سے ہے اور روایت کا مطلب شاید یہی ہو کہ سورۃ توبہ میں سب سے آخر ان کا نزول ہوا +

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ هِيَ مِائَةٌ وَتِسْعُ آيَاتٍ ۱۰۹ وَإِحْدَىٰ عَشَرَ رُكُوعًا

نام

اس سورت کا نام یونس ہے اور اس میں گیارہ رکوع اور ۱۰۹ آیات ہیں۔ اس کا نام یونس اس بات کی طرف توجہ دلانے کیلئے ہی کہ جس طرح حضرت یونس کی قوم آخر ایمان لاکر ہلاکت سے بچ گئی تھی ویسا ہی معاملہ آنحضرت صلعم کی قوم سے ہوگا یعنی یہ قوم تباہ نہ کی جائے گی بلکہ آخر راہ راست پر آجائے گی ✦

خلاصہ مضمون

اس سورت میں زیادہ تر توجہ اللہ تعالیٰ کے رحم کی طرف دلائی ہی کہ وہ کس طرح مصائب میں انسان پر رحم فرماتا ہے اور کفار کو اللہ تعالیٰ کے بے انتہا رحم سے فائدہ اٹھانے کی نصیحت کی ہی پہلے رکوع میں وحی الٰہی کا ذکر کیا اور بتایا کہ صرف اس دنیا کی زندگی پر خوش نہ ہو جانا چاہئے اور اسی کو غرض و غایت نہ سمجھ لینا چاہئے بلکہ اصل زندگی انسان کی دوسری ہی اور اسی کی طرف وحی الٰہی ہدایت کرتی ہی دوسرے رکوع میں وحی الٰہی کی تکذیب اور اس پر عذاب کے آنے کا ذکر ہی تیسرے رکوع میں بتایا کہ تم پر چھوٹے دکھ اور تکلیفیں آتی ہیں اور تکلیف کے وقت فطرت انسانی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے پس تم بھی ان مصائب سے یہ فائدہ اٹھاؤ کہ اللہ کی طرف توجہ کرو اور جب آرام ملے تو خدا کو بھول نہ جاؤ۔ چوتھے میں ہستی باری اور توحید پر دلائل دیتے ہیں۔ پانچویں میں پھر تکذیب پر عذاب کا ذکر کیا ہی چھٹے میں بتایا کہ قرآن شریف تو تمہیں بلند مقامات کی طرف لے جاتا ہے تم اس کی تکذیب کرنے کی بجائے ان مقامات عالیہ کی طرف رخ کیوں نہیں کرتے ساتویں میں مومنوں کے مقامات عالیہ کا ذکر کیا۔ آٹھویں میں حضرت نوح اور موسیٰ کی مثالیں پیش کیں نویں میں فرعون کی تباہی کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس قدر سخت انسان بھی جب آخر ہلاکت کا نشان اس پر آیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا مگر وہ جھکنا بعد از وقت تھا تم قبل از وقت اس مثال سے فائدہ اٹھاؤ اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ اس کی لاش کو ہم نے نشان کے طور پر رکھنے کے لئے سمندر سے باہر نکال پھینکا اور یہ خبر قرآن کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہی کیونکہ اس وقت کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی اور آج واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی وہ لاش محفوظ ہے دسویں میں بتایا کہ اگر تم اب بھی تکذیب سے رک جاؤ تو عذاب ٹل سکتا ہی اور گیارھویں میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا ذکر کرکے سورت کو ختم کیا ✦

تعلق اور ترتیب

اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے یہ ہی کہ اس کا خاتمہ اس بات پر کیا تھا کہ یہ رسول جو تمہارے پاس آیا تو تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اسے رنج ہوتا ہی۔ اس لئے اس سورت میں بتایا کہ گو وحی الٰہی کی تکذیب اور ساری ہمت اس دنیا پر صرف کر دینے پر عذاب کا آنا لازمی ہے تاہم اللہ تعالیٰ کا رحم بھی بے انتہا ہی اگر انسان ذرا بھی اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ بھی اس پر رحمت سے متوجہ ہوتا ہے پچھلی سورت میں زیادہ تر کفار کی سزا کا ذکر تھا تو اس سورت میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم غالب ہی بشرطیکہ کوئی فائدہ اٹھانے والا ہو بعامہ ترتیب قرآن شریف میں یہ سات سورتیں یعنی یہاں سے لیکر النحل تک قریباً ایک ہی مضمون کی ہیں اور ان میں اثبات نبوت ہی گویا جب سورۃ الاعراف میں جو اثبات نبوت پر ہی انبیاء کی تکذیب کا ذکر کیا تو اس کے بعد الانفال اور البراۃ میں آنحضرت صلعم کے مخالفین کی سزا کا کچھ ذکر کرکے پھر اسی اصل مضمون اثبات نبوت کی طرف توجہ کی اور سلسلہ مضمون کو جاری رکھا بلحاظ نزول یہ ساتوں سورتیں

ان سورتوں کا زمانہ نزول۔

یعنی یونس سے لیکر النحل تک ایک ہی زمانہ کی ہیں اور یہ آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کا پچھلا زمانہ ہی جب کفار کی مخالفت حد سے زیادہ بڑھ گئی اور ان میں پیشگوئیوں کے رنگ میں آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو تسلی دی ہی کہ آخر حق غالب آئے گا اور باطل ہلاک ہو جائے گا ✦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ١

١ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ

میں اللہ دیکھتا ہوں ١٣٦٩ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ١٣٧٠ کیا یہ لوگوں کیلئے تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کیطرف

مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ

وحی کی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور انہیں خوشخبری دو جو ایمان لائے کہ ان کیلئے ان کے رب کے پاس بزرگی میں قدم

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

٢ رَبِّهِمْ ۘ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

بڑھا ہوا ہے ١٣٧١ کافر کہتے ہیں یہ تو صریح جادوگر ہے تمہارا رب اللہ ہے جس نے

الٓرٰ

١٣٦٩ الٓرٰ۔ مقطعات کے لئے دیکھو ۵؎ یہ مجموعہ حروف اس سورت کے علاوہ چار اور سورتوں کی ابتدا میں آتا ہے یعنی ہود ١١ یوسف ١٢۔ ابراہیم ١٤۔ الحجر ١٥۔ اور ان چاروں کے درمیان سورہ الرعد ١٣ ہے جو المرا سے شروع ہوتی ہے۔ ان چھ سورتوں کا مضمون بھی ملتا جلتا ہے اور زمانہ نزول بھی قریباً ایک ہی ہے۔ یہ حروف انا اللہ اریٰ کے قائم مقام ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے (ج)، اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی صفت لانے کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق جزا دیگا۔

الحکیم

١٣٧٠ الحکیم۔ یہاں کتاب کی صفت ہے حکمۃ اور الحکیم کے معنی کیلئے دیکھو ١٥٠ و ١٦٤ و ٣٢١ قرآن کو حکیم اسلئے کہا کہ اس میں حکمت ہے۔ اور بعض نے حکیم سے مراد محکم لیا ہے اور دونوں باتیں درست ہیں کیونکہ وہ محکم بھی ہے اور حکم کیلئے فائدہ دینے والا ہے اور حُکْم حِکْمَة سے وسیع ہے ہر ایک حکمت حُکم ہے مگر ہر حکم حکمت نہیں کیونکہ حُکم صرف یہ فیصلہ کرنے کا نام ہے کہ یہ چیز یوں ہے یوں نہیں۔ اور حکمت یہ ہے کہ علم اور عقل سے حق کو یعنی صحیح بات کو پالے (غ)

قرآن میں حکمت

یہاں قرآن کریم کو الکتاب الحکیم فرمایا دوسری جگہ بھی ہے والقرآن الحکیم (یٰس ٣٦-٢) اور ایک جگہ آتا ہے حکمة بالغة (القمر ٥٤-٥) اور کئی جگہ پر کتاب کے مقابل پر حکمت کا ذکر کیا ہے جیسے یعلمهم الكتاب والحكمة (الجمعة ٦٢-٢) واذكرن ما يتلىٰ في بيوتكن من اٰيٰت الله والحكمة (الاحزاب ٣٣-٣٤)، تو یہ دونوں باتیں صحیح ہیں یہ ساری کتاب حکمت سے ہی بھری ہوئی ہے اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں یعنی اس میں جو کچھ ہے وہ حق ہے اور علم اور عقل کے مطابق ہے اور پھر اس کی بعض باریک حکمت کی باتوں کو فہم رسول نے الگ کر کے کھول دیا تو وہ بھی حکمت ہے۔ اور قرآن کو حکیم کہنے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ مذہب کی بنا اصل میں حکمت پر ہے اور یہ ایک سائنس ہے جس کے قوانین اور قواعد عقل و علم کے مطابق ہیں چند بے جوڑ باتوں کا نام مذہب نہیں جیسا پہلے لوگوں نے خیال کر رکھا تھا۔

قدم صدق

١٣٧١ قدم صدق۔ قَدَم پاؤں کو کہتے ہیں اور اس سے مراد تقدم و تاخر لیا جاتا ہے جو باعتبار زمانہ بھی ہوتا ہے اور باعتبار شرف بھی (غ) یعنی قدم سے مراد یہاں مجازاً سبقت ہے اور وہ سبقت بلحاظ شرف و فضیلت ہے اور صدق کا استعمال قول پر عام ہے مگر کذب کی طرح افعال جوارح میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور ہر ایک فضیلت والے فعل کو ظاہری ہو یا باطنی صدق کہا جاتا ہے۔ في مقعد صدق عند مليك مقتدر (القمر ٥٤-٥٥)، رب ادخلني مدخل

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ

آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر غالب ہے ہر کام

الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا

کی تدبیر کرتا ہے کوئی شفیع نہیں مگر اس کے اذن کے بعد یہ اللہ تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو تو کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۴ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ

نصیحت اختیار نہیں کرتے ۱۳۷۲ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے

ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ

پھر اسے لوٹاتا ہے تاکہ انہیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝

جو کافر ہیں ان کے لئے کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب ہوگا اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے ۱۳۷۳

لسان صدق صدق واخرجنی مخرج صدق (بنی اسرائیل ۸۰) واجعل لی لسان صدق فی الآخرین (الشعراء ۲۶ - ۸۴) اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صالح بناتے تاکہ جو لوگ بعد میں اس کی ثنا کریں وہ ثنا سچ ہو جھوٹ نہ ہو (غ)، اور **قدم صدق** سے مراد فضیلت میں قدم آگے بڑھانا ہے (غ)، اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں جو قدیم کا لفظ متکلمین میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے تو امام راغب کہتے ہیں کہ قرآن اور آثار صحیح میں اس کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا ۔

انبیاء کو ساحر کہنے کی وجہ اس بات کے بیان کو کہ بدی کا انجام بد ہے اور نیکی کرنے والے ترقی کرینگے۔ منکر سحر قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلعم کو ساحر کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر اور ساحر کا استعمال قرآن مجید میں کس رنگ میں ہوا ہے۔ مخالفین انبیاء کو ان کے معجزات کی وجہ سے ساحر نہیں کہتے بلکہ انکے حسن بیان کی وجہ سے ساحر کہتے ہیں بات تو صاف تھی دلوں پر اثر کرتی تھی۔ مگر اس سے بچنے کیلئے کہتے تھے ساحر ہے اسکی باتوں کا اعتبار نہ کرو۔

دوسری پیدائش **۱۳۷۲** ستة ایام اور عرش اور تدبیر امر پر دیکھو ۹۴۴ و ۱۰۹۵ پہلی آیت میں وحی الٰہی کا ذکر تھا جو بدی اور نیکی کی جزا کو ضروری قرار دیتی ہے اور اس کیلئے ایک دوسری زندگی کا وعدہ دیتی ہے اس پر کفار کو تعجب ہوتا ہے تو عظمت الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ کیا وہ دوسری خلق پر قادر نہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا افعیینا بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید (ق ۵۰ : ۱۵) انسان کی عقل اور اس کا علم تو اس موجودہ مخلوق کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے تو دوسری خلق کے انکار کے کیا معنی۔ اور چھ وقتوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یہ خلق بھی تدریج ہوئی وہ دوسری خلق بھی بتدریج ہوگی۔ اور شفیع کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ پیدا کرنیوالا وہ ایک ہے کوئی اس کے ساتھ شامل نہیں کیونکہ شفع وتر کے مقابل پر ہے بس اور کوئی مستحق عبادت بھی نہیں الا من بعد اذنہ میں دوسری شفاعت کی طرف بھی اشارہ ہے جو گنہگاروں کیلئے ہوگی اور اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو اسکے شفیع بنائے جاتے ہیں وہ سب اسکی مخلوق ہے۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکے خالق ہونے کیطرف توجہ دلانے میں اصل غرض دوسری زندگی کیطرف توجہ دلانا ہے۔

۱۳۷۳ یہاں پچھلی آیت کے اشارہ کو واضح کر دیا ہے۔ اور وعد اللہ اس وعدہ کیلئے بطور مصدر مؤکد ہے جو الیہ مرجعکم جمیعا

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا ۵

وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں

عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

کی گنتی اور حساب جان لو اللہ نے یہ حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے وہ ان لوگوں کے لئے کھول کر

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّ فِى اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى ۶

باتیں بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں ۱۳۷۵ رات اور دن کے ادل بدل میں اور (اس میں) جو اللہ نے آسمانوں اور زمین

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ۷

میں پیدا کیا ہے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے

وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۞

اور دنیا کی زندگی پر راضی ہیں اور اسی پر مطمئن ہو گئے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں

میں پایا جاتا ہے اور حقاً وعد اللہ کی تاکید کیلئے ہے۔ اور الیہ مرجعکم سے مراد موت کے بعد بعث کے ذریعہ لوٹ کر جانا ہے اور یہی وعدہ حق ہے ورنہ موت کو تو سب جانتے ہیں اور آگے پہلی پیدائش کا ذکر کیا۔ اور اس دوبارہ پیدائش کی غرض یہ بتائی کہ نیک اور بدعمل کرنے والے اس کے مطابق پھل پائیں ؎

ضوء

۱۳۷۴ ضیاء۔ ضَوء وہ ہے جو روشنی کرنے والے اجسام سے پھیل جاتی ہے آگ کی روشنی پر بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے (غ) اور

ضوء اور نور میں فرق۔

بعض نے ضَوء اور نُور کو مترادف کہا ہے اور بعض کے نزدیک ضوء وہ ہے جو بالذات ہو جیسے سورج اور آگ اور نور وہ ہے جو بالعرض ہو اور دوسرے سے حاصل کیا گیا ہو (ت)، جیسے چاند کی روشنی قرآن کریم نے یہاں بھی فرق رکھا ہے اور دوسری آگ کے متعلق ہے فلما اضاءت ما حولہ (البقرۃ ۲-۱۷) اور یکاد زیتہا یضئ ولو لم تمسسہ نار (النور ۲۴-۳۵) کے معنی بعض نے یہ کئے ہیں کہ یہ آنحضرت صلعم کیلئے بطور مثال ہے یکاد منظرہٗ یدل علیٰ نبوتہ ولو لم یتل قراٰنا (ت)، یعنی آپ کا منظر ہی آپ کی نبوت پر دلالت کرتا تھا گو آپ قرآن نہ پڑھتے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے لا تستضیئوا بنار اھل الشرك جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ مشرکوں کی آگ سے آگ روشن نہ کرو تو مراد اس سے صرف یہ ہے کہ اپنے معاملات میں مشرکوں کو مشیر نہ بناؤ اور ان کی رائیں نہ لو (ت)، نور کیلئے دیکھو

حدیث نار اہل الشرک

منزل

منازل۔ مَنزِل یا منزلۃ جائے نزول کو کہا جاتا ہے اور مرتبہ اور درجہ کو بھی کہا جاتا ہے (ل)، قدرہ منازل کے معنی ہونگے اس کا اندازہ کیا کئی منزلیں یعنی اسے منزلوں والا بنایا اور منزلوں سے مراد اس کا بڑھنا گھٹنا ہے ؎

اس ظاہری نظام کو جس پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے بیان کرنا اس غرض سے ہے کہ عالم جسمانی سے عالم روحانی کے نظام کی طرف توجہ دلائی جائے جیسا اگلی آیت سے ظاہر ہے۔ اور بتایا جائے کہ وہ خدا جس نے انسان کی حیوانی زندگی کے لئے یہ سامان پیدا کئے ہیں اسی نے روحانی زندگی کے سامان بھی پیدا کئے ہیں ؎

کھانا پینا مقصد زندگی نہیں

۱۳۷۵ دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اسی حیوانی زندگی کو ہی اصل زندگی قرار دیا جائے اور کھانے

۹ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ان کا ٹھکانا آگ ہے اس کے عوض جو وہ کماتے تھے ۱۳۷۵ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں

۱۰ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ○ دَعْوَاهُمْ

ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں منزل مقصود پر پہنچائیگا نعمتوں والے باغوں میں انکے نیچے نہریں بہتی ہونگی ۱۳۷۶ وہ ان میں

فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ

پکارینگے اے اللہ تو پاک ہے اور ان میں ان کی آپس کی دعا سلامتی ہوگی اور ان کی آخری پکار ہوگی کہ سب تعریف اللہ کیلئے ہے

۱۱ الْعَالَمِينَ ○ ع وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ

جو جہانوں کا رب ہے ۱۳۷۷ اور اگر اللہ لوگوں کیلئے مصیبت بھیجنے میں جلدی کرتا جس طرح وہ بھلائی کو جلد چاہتے ہیں تو انکی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا

وحی الٰہی کی تکذیب اور عذاب۔

فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ○

سو ہم انہیں جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے ان کی سرکشی میں حیران پھرتے چھوڑ دیتے ہیں ۱۳۷۸

پینے اور آسایش جسمانی کو ہی مقصد زندگی سمجھ لیا جائے ایسے لوگ حقیقی راحت کو کبھی نہیں پاتے جب اس دنیا میں بھی نہیں پاتے تو آخرت میں کہاں پائیں گے ۔

نجات کیلئے ایمان صحیح کی ضرورت

۱۳۷۶ ہدایت کے معنی کے لئے دیکھو ۵۔ بایمانہم یعنی وہ ایمان ہی ان کیلئے اس منزل مقصود تک پہنچنے کا موجب ہو جاتا ہے گویا بغیر ایمان کے انسان منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا یہی ایمان انسان کے لئے نور بن جاتا ہے اس دنیا میں بھی جیسا کہ فرمایا یخرجہم من الظلمات الی النور (البقرۃ ۲۔۲۵۷) اور آخرت میں بھی یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعیٰ نورھم بین ایدیہم (الحدید ۵۷۔۱۲) مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمل صالح کوئی چیز نہیں بلکہ عمل صالح کی توفیق ایمان سے ملتی ہے۔ ایمان ایک روشنی ہے صرف روشنی فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ انسان اس میں چلے نہیں ۔

بہشت کا نقشہ

۱۳۷۷ مومن کے مُنہ سے تو اس زندگی میں بھی یہی کلمات نکلتے ہیں سبحانک اللّٰہم ۔ الحمد للہ رب العلمین پانچ وقت کی نماز میں یہی بار بار کہتا ہے مسلمان مسلمان سے ملتا ہے تو اسے سلامتی کی دعا دیتا ہے اور عملاً بھی اس کی سلامتی کا خواہاں ہوتا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں پس مومن کا بہشت اسی دنیا کی زندگی سے شروع ہوتا ہے اور جنات نعیم کا نقشہ یہاں کیا لطیف کھینچا ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد اور ایک دوسرے پر سلامتی ۔

اَجَل

۱۳۷۸ اجل ۔ اصل میں تو کسی چیز کیلئے مدت معینہ کو کہا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد موت بھی لی جاتی ہے کیونکہ اس سے دنیا میں بقا کی مدت پوری ہو جاتی ہے (غ)، اور یہاں چونکہ قوم کا ذکر ہے اس لئے مراد قوم کی ہلاکت ہے ۔

بُرائی مانگنے کی ممانعت

جب کفار کو ان کی بدکرداریوں کے انجام سے ڈرایا جاتا تھا تو کہتے تھے وہ عذاب آتا کیوں نہیں اسی کیطرف اس سوال میں اشارہ ہے جو بار بار کرتے تھے متی ھذا الوعد ۔ متی ھذا الفتح اور ایک جگہ ہے اللّٰہم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم (الانفال ۸۔۳۲) اسی طرح وہ عذاب بار بار مانگتے تھے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ۱۲

اور جب انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہوا اپنے کروٹ پر ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا - پھر جب ہم اس کا دکھ دور

ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا

کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہو گویا کہ ہمیں کسی دکھ کیلئے جو اسے پہنچا ہو پکارا ہی نہ تھا اسی طرح خطا کاروں کو بھلا معلوم ہوتا ہو جو

يَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم ۱۳

کرتے ہیں ۱۳۷۹ اور یقیناً ہم نے تم سے پہلے کئی نسلوں کو ہلاک کر دیا جب وہ ظلم کرنے لگ گئے اور انکے رسول انکے پاس کھلی

بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ ۱۴

دلائل لیکر آئے اور نہ ہوا کہ وہ ایمان لاتے اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین

فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا ۱۵

میں حاکم بنایا تاکہ ہم دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات پڑھی

بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ

جاتی ہیں تو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسے بدل دو

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ

کہو میری کیا (طاقت) ہے کہ اپنی طرف سے اسے بدل دوں میں تو کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا سوائے اسکے جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے

إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بھاری وقت کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۱۳۸۰

دکھ اور تکلیف کو جلد نہیں بھیجتا گو انسان اپنی بیوقوفی سے اس کیلئے جلدی کرتا ہو جس طرح بھلائی کے لئے جلدی کرتا ہو۔ کفار تو عذاب کے لئے جلدی کرتے تھے مگر آج مسلمانوں کی یہ حالت ہو کہ ذرا ذرا باتوں پر اپنے ہی عزیزوں کیلئے عذاب مانگتے ہیں یہ کوئی اپنے بچے پر خفا ہوتا ہو تو اس کیلئے موت مانگتا ہو کسی کو اپنے بھائی سے ذرا اختلاف ہوتا ہو تو اس کیلئے بددعاؤں پر اتر آتا ہو۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی رحمت کو چاہیں اپنے لئے دکھ اور تکلیف نہ چاہیں +

۱۳۷۹ اس آیت میں بتایا کہ لوگ تو مانگتے ہیں لیکن دکھ پہنچتا ہو تو پھر خدا کو پکارتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ دکھ ہم اس لئے بھیجتے ہیں تاکہ انسان اپنی اصلاح کرے مگر انسان جلد بھول کر پھر خطا کاری کی طرف چلا جاتا ہو +

مصیبت کیوں آتی ہو

۱۳۸۰ نشأة ثانية یعنی دوسری زندگی جو ہر عمل کی جزا و سزا کو ضروری ٹھہراتی ہو اور جس کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو اپنے ہر عمل کے

کفار کا مطالبہ کہ تعلیم قرآن ان کے منشا کے مطابق ہو

۱۶ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا

کہو اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا اور نہ وہ تمہیں اس کا علم دیتا میں تو تم میں اس سے پہلے ایک عمر

۱۷ مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

رہا ہوں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۱۳۸۱ تو اس سے بڑھکر ظالم کون ہو جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا

نتیجہ پر پہلے غور کرنا چاہئے۔ دنیا پرست لوگوں کیلئے جو خواہشات حیوانی سے اوپر اٹھنا نہیں چاہتے نا قابل قبول چیز ہو۔ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن جو ایک دوسری زندگی پر اس قدر زور دیتا ہو اسے ہم قبول نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ان کے کاہن ان کے حسب منشا باتیں عالم بالا کی جان کر دیتے ہیں اسی طرح رسول اللہ صلعم کریں اور ان کے کھانے پینے شہوات محبت دنیا وغیرہ امور میں کوئی دخل نہ دیں۔ نہ ان کی بت پرستی کو برا کہیں۔ جواب کیا لطیف دیا ہو۔ میں تو خود صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ اگر یہ میری بنائی ہوئی بات ہوتی تو میں خود اس پر کیوں عمل کرتا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم تمام احکام قرآنی کی تعمیل کرتے تھے۔ اور سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اسلئے تفصیلات شریعت کے دینے میں بھی آپکے اتباع وحی الٰہی ہی کیا +

آنحضرت کا اتباع وحی الٰہی کرنا۔

۱۳۸۱ ادرٰکم۔ دَرَیْتُ کے معنی ہیں میں نے اس چیز کی معرفت حاصل کی اور اَدْرَیْتُہٗ کے معنی ہیں دوسرے کو اس کا علم دیا اَدْرٰہُ = اَعْلَمَہٗ (ل)۔ لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا (الطلاق ۶۵:۱) وان ادری لعلہ فتنۃ لکم (الانبیاء ۲۱:۱۱۱)، وما ادرٰک (المرسلٰت ۷۷:۱۴) وما یدریک (الاحزاب ۳۳:۶۳)۔ اسی مادہ سے مدارا ۃ ہو جس کے معنی حسن خلق اور نرمی ہیں +

درٰی۔ ادرٰی

آنحضرت کی صداقت وامانت کا اعتراف

مطلب یہ ہو کہ وہ تو اس کے ذریعہ سے تمہیں گمراہی سے نکال کر دین اور دنیا میں شرف دینا چاہتا ہو اسی لئے اسنے اسے اتارا۔ اور یہ جو فرمایا کہ میں نے تمہارے اندر ایک عمر بسر کی ہو تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے تو یہ ان کی اس بات کا جواب ہو کہ کوئی اور قرآن بنا لو یا اسے بدل دو مطلب یہ ہو کہ جھوٹ بنانا میرا کام نہیں میں نے تمہارے اندر چالیس سال کاٹے ہیں۔ کیا تم نے کبھی میری صداقت اور دیانت وامانت پر حرف رکھا جس شخص نے چالیس سال تک ایسی صداقت اور راستبازی کا نمونہ دکھایا کہ ملک عرب نے اسے الامین کے نام سے پکارا جس شخص نے اتنی مدت انسان پر جھوٹ نہیں بولا۔ کیا اب ہو سکتا ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ پر اتنا بڑا افترا کرے کہ شب و روز جھوٹ باتیں اس کی طرف منسوب کرے اور ایک دن نہیں دو دن نہیں بلکہ برابر سالہا سال تک جھوٹ پر جھوٹ بناتا چلا جائے۔ یہ دلیل ان عربوں کیلئے جو آپ کی چالیس سالہ اخلاق و عادات سے واقف تھے دلوں کو کھا جانیوالی تھی۔ صحیح بخاری میں ہو جب ابو سفیان سے ہرقل نے آنحضرت صلعم کے حالات دریافت کئے اور اس وقت ابو سفیان رسول اللہ صلعم کے سخت ترین دشمن تھے اور ان پر یہ سوال ہوا۔ ھل کنتم تتھمونہ بالکذب قبل ان یقول ما قال یعنی کیا اس دعوےٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے تو ابو سفیان نے اقرار کیا کہ ایسا نہ تھا۔ اور ہرقل نے اس سے استدلال کیا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص ایسا راستباز ہو کبھی لوگوں پر جھوٹ نہ بولے پھر اللہ پر جھوٹ بولے ایسا ہی نجاشی کے سامنے حضرت جعفر نے کفار قریش کے سامنے یہ شہادت دی جس کا وہ انکار نہیں کر سکے نعرف صدقہ ونسبہ وامانتہ ہم آپکے صدق اور عالی نسبی اور امانت کو پہچانتے ہیں بعض سعید فطرت لوگ آتے اور آپ کی وجہ مبارک کو دیکھکر پکار اٹھتے لیس بوجہ رجل کذاب یہ کذاب کا منہ نہیں۔ اس مضمون کو اگلی آیت میں صاف کر دیا ہو جہاں فرمایا فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا اللہ پر جھوٹ بنانا سب سے بڑا ظلم ہو جو انسان پر جھوٹ نہیں بناتا وہ اللہ پر جھوٹ بنانے کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہو یہاں قرآن کریم کے اعجاز کا ذکر نہیں +

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ○ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا ۱۸

یا اس کی آیات کو جھٹلایا مجرم کامیاب نہیں ہوتے [۱۳۸۲] اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ

نقصان پہنچاتا ہے اور نہ انہیں نفع دیتا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے حضور ہمارے شفیع ہیں کہو کیا تم اللہ کو ایسی بات

اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○

بتاتے ہو جو نہ آسمانوں میں اس کے علم میں ہے اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں [۱۳۸۳]

پیشگوئی کہ مفتری اور مکذب فلاح نہیں پا سکتے اور اس کا پورا ہونا۔

۱۳۸۲ یہ کی زمانہ ہے آنحضرت صلعم سخت مصائب میں ہیں۔ بات کوئی مانتا نہیں۔ چند ماننے والے یا تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یا تتر بتر ہو چکے ہیں مگر اپنی صداقت اور راستبازی پر اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ پر کتنا بڑا ایمان ہے کہ اس وقت فرماتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے یعنی ایک طرف آپ اور ایک طرف آپ کو جھوٹا کہنے والے ایک گروہ نہایت ہی ظالم ہے اور مجرم ہے اور مجرم کو کبھی فلاح نہیں مل سکتی۔ اگر میں نے اللہ پر جھوٹ بنایا ہے تو مجھ سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں اگر تم خدا کی باتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہو تو تم سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں۔ پھر اس بے کسی کے وقت کے لفظ جب مخالفت کا پورا زور صرف ہو جانے کے بعد اس قدر سچے ثابت ہوئے اور کوئی دنیوی طاقت حق اور صداقت کی رو کو نہ روک سکی بلکہ اس کی ہر ایک طاقت اس کے سامنے خود بہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہی عربوں کو ایک دوسرا نقشہ بھی دکھا دیا کہ جب آپ کی کامیابیوں کو دیکھ کر مسیلمہ اور اسود نے نبوت کے دعوے کئے تو افترا کرنے والوں کا انجام بد بھی اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا +

بتوں کی شفاعت کا عقیدہ اور بت پرستی۔

۱۳۸۳ عرب کے بت پرست بتوں کو اپنا شفیع سمجھتے تھے یعنی کہتے تھے ہم خدا تک نہیں پہنچ سکتے یہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا واسطہ ہیں بعینہٖ جس طرح آج کثرت سے مسلمان پیروں کو اپنا شفیع سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو سکیں یا اس سے کوئی دعا کر سکیں۔ ان کے پیران کے شفیع ہیں ہندوؤں کا عامی عقیدہ تو نہایت سطحی ہے۔ مگر ان کا فلسفیانہ عقیدہ اسی کے قریب قریب ہے وہ بتوں میں اللہ کا حلول مان کر ان پر اپنی توجہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں اصل غرض انکی عبادت نہیں خدا کی عبادت ہے مگر چونکہ ایک غیر جسم غیر مرئی چیز پر ہم اپنی توجہ نہیں لگا سکتے اس لئے ان کو توجہ کیلئے سامنے رکھتے ہیں یہ بعینہٖ اس کی مثال ہے جو عرب کے بت پرست کہتے تھے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی (الزمر [۳۹]-۳)۔ اللہ کو مان کر ایسی باتوں کو پیش کرنے پر فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم کو بعض ایسی باتیں بھی معلوم ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں اس نے یہ تعلیم آج تک کسی نبی کی معرفت نہیں دی کہ کسی اور کو شفیع بنا کر اس کی عبادت کیا کریں۔ بلکہ وحی الٰہی یہی راہ بتاتی ہے کہ ہر انسان خود ان راہوں پر چل کر جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں قرب الٰہی کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اور لا یضرھم ولا ینفعھم میں بتایا کہ جب دنیا میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور کیا نفع دینگے۔ عیسائیوں نے بھی حضرت مسیح کو بعینہٖ ایسا ہی شفیع مانا ہوا ہے +

۱۹ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ

اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ خلاف کرتے ہیں اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکی ہوتی

۲۰ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ

تو ان باتوں کے متعلق ان میں فیصلہ کر دیا جاتا جن میں وہ باہم اختلاف کرتے ہیں ۱۳۸۴ اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشان

۲۱ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ○ وَإِذَا

ع ۳/۱۰/۸

مصیبت کے وقت فطرت انسانی خدا کی طرف جھکتی ہے

کیوں نہ اُتارا گیا۔ کہو غیب صرف اللہ کیلئے ہے سو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۱۳۸۵ اور جب ہم

أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ

لوگوں کو تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچتی ہے رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں کے بارہ میں تدبیریں کرنے لگتے ہیں کہو اللہ

۲۲ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ○ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي

تدبیر کرنے میں زیادہ تیز ہے ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے جاتے ہیں جو تم تدبیریں کرتے ہو ۱۳۸۶ وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا

چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو۔ اور وہ انہیں اچھی ہوا کی مدد سے لیکر چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں

مخالفت کا قانون مستمرہ

۱۳۸۴ ما كان الناس الا امة واحدة پر دیکھو ۲۷۲ مراد یہ ہے کہ جیسے پہلے لوگ تھے ویسے ہی یہ تمہارے مخالف ہیں انہوں نے بھی حق کی مخالفت کی یہ بھی حق کی مخالفت کرتے ہیں اختلاف کے اس معنی کے لئے دیکھو ۲۱۴ كلمة سبقت من ربك سے مراد یہ ہے کہ ان کی سزا کا ایک وقت مقرر ہو چکا ہے وہ جلدی چاہتے ہیں مگر وہ اپنے وقت پر آئے گی۔ یہی مضمون اس رکوع کا ہے اور یوں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب سے آگے ہے سبقت رحمتی غضبی ◆

عذاب کب آئیگا

۱۳۸۵ آیة میں اشارہ اسی نشان ہلاکت کی طرف ہے۔ اور تنکیر عظمت کے لئے ہے اسی نے جواب دیا ہے کہ وہ نشان تو آکر رہیگا میں بھی انتظار کرتا ہوں تم بھی کرو۔ ہاں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کونسا دن اور کونسا وقت ہوگا کیونکہ غیب کی ساری تفصیلات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ◆

دکھوں میں راحت

۱۳۸۶ رحمت سے مراد وسعت آسائش صحت وغیرہ ہیں رحمت کے چکھانے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور دکھ کے متعلق کہا جو انہیں پہنچ جاتا ہے۔ دوسری جگہ ہے واذا مرضت فهو يشفين (الشعراء ۲۶-۸۰) اللہ تعالیٰ انسان کے لئے رحمت ہی رحمت چاہتا ہے تکلیف میں بھی راحت پنہاں ہے۔ مگر بجائے اس کے کہ فراخی اور آسایش کی قدر کریں شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف جھکیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مکر کے لئے دیکھو ۴۴۳ ◆

جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ

انہیں تند ہوا آلیتی ہے اور ہر طرف سے ان پر لہریں چڑھ آتی ہیں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ ہلاکت میں گھر گئے

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اللہ کو اسی کیلئے فرمانبرداری خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو یقیناً ہم

الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ۲۳

شکرگزاروں میں سے ہونگے [۱۳۲۸] پھر جب انہیں نجات دیتا ہو تو وہ ناحق زمین میں زیادتی کرتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری

اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا

زیادتی تمہاری اپنی ہی جانوں پر ہے۔ (یہ) اس دنیا کی زندگی کا سامان (ہے) پھر تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہے پھر ہم تمہیں بتا دینگے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ۲۴

جو کچھ تم کرتے تھے۔ دنیا کی زندگی کی مثال صرف پانی کی طرح ہے جسے ہم بادل سے اتارتے ہیں

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ

پھر اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی جس میں سے لوگ اور چارپائے کھاتے ہیں (بڑھکر) مل جل جاتی ہے

عصف — [۱۳۲۷] عاصف۔ نباتات کے تنہ پر جو پتے ہیں اور جو خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتے ہیں انہیں عصف کہتے ہیں اور والحب ذو العصف (الرحمٰن ۵۵۔۱۲) میں عصف سے مراد وہ چھلکا ہے جو کھانے میں نہیں آتا کعصف ماکول (الفیل ۱۰۵۔۵) (ل) اور

عاصف — ریح عاصف یا عاصفۃ وہ تند ہوا ہے جو چیزوں کو توڑ کر چورا کر دیتی ہو (غ)۔

حاط۔ حائط۔ احاطۃ — احیط بہم۔ حاط کے معنی ہیں حفاظت کی (ل)، اسی سے احتیاط ہے اور اسی سے حائط ہے جس کے معنی دیوار ہیں کیونکہ وہ ایک چیز کو گھیر کر اندر لے لیتی ہو۔ اور احاطۃ کے لئے دیکھو [۱۳۲۹] الا انہ بکل شئ محیط (حم السجدۃ ۴۱۔۵۴) یعنی سب جہات سے ہر چیز کی حفاظت کرتا ہو اور منع کے معنی میں بھی آتا ہو الا ان یحاط بکم (یوسف ۱۲۔۶۶) اور احاطت بہ خطیئتہ (البقرۃ ۲۔۸۱) بلیغ استعارہ ہو۔ کیونکہ انسان جب گناہ کرتا ہو اور بار بار کرتا ہو تو یہ اسے اس سے بڑے گناہ کی طرف کھینچ لے جاتا ہو۔ اور اس طرح گناہ سے نکلنا ناممکن ہو جاتا ہو۔ اور احیط بہم میں اور واخری لم تقدروا علیہا قد احاط اللہ بہا (الفتح ۴۸۔۲۱) میں اور عذاب یوم محیط (ھود ۱۱۔۸۴) میں احاط بالقدرۃ مراد ہے یعنی اپنی قدرت سے اس کا احاطہ کر لیا ہو (غ)، اور جب ایک شخص کو ہلاکت قریب آگئی ہو تو کہا جاتا ہو احیط بفلان جیسے احیط بثمرہ (الکہف ۱۸۔۴۲) ای اصابہ ما اھلکہ یعنی اسے ہلاکت نے آلیا (ل)، اور یہی مراد یہاں ہے یعنی مراد ہے ہلاکت میں گھر گئے۔

جو کچھ اوپر بیان فرمایا تھا اسی کی ایک مثال دی ہو کہ کس طرح مصیبت کے وقت انسان خدا کو پکارتا ہو گویا بتایا ہے کہ فطرتِ انسانی میں یہ بات مرکوز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا تلاش کرے مگر مصیبت سے نکل کر آسایش کی زندگی پھر دل پر غفلت کا پردہ ڈال دیتی ہے

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ

یہاں تک کہ جب زمین اپنا سنگھار کر لیتی ہے اور خوبصورت بن جاتی ہے اور اسکے مالک یقین کر لیتے ہیں کہ وہ اس پر

قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ

پوری طاقت رکھتے ہیں ہمارا حکم رات یا دن کے وقت اس پر آتا ہے تو ہم اسے کٹی ہوئی کھیتی (کیطرح) کر دیتے ہیں گویا

لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

کل وہ تھی ہی نہیں اسی طرح ہم باتوں کو ان لوگوں کے لئے کھولکر بیان کرتے ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔[۱۳۸۸]

اور ابتدا تو خطاب سے کی ہے کنتم مگر جوین میں غائب کی طرف التفات کلام کر دیا ہے غرض ان کے بعد کی طرف توجہ دلانا ہے جو آسایش کے وقت انسان کو ہو جاتا ہے اور یا چونکہ مثال میں وکھ تو بعض کا ہے اور مثال کی غرض سب کو سمجھانا ہے اس لئے مخاطب سے غائب کی طرف التفات کیا +

خَلْط — **۱۳۸۸** اختلط خَلْط دو یا زیادہ چیزوں کے اجزا کا جمع کرنا ہے خواہ وہ دونوں سیال ہوں یا دونوں جامد یا ایک سیال اور ایک جامد اور خَلِیط شریک ہمسایہ یا دوست کو کہتے ہیں وان کثیراً من الخلطاء (ص ۳۸-۲۴) اور اسی سے اختلاط ہے (غ) مگر ابن عباس نے یہاں مختلف سبزیوں کا اُگنا مراد لیا ہے گویا وہ ایک دوسرے سے مل جل گئیں (ج) اور ایک ہی چیز کا بہت بڑھ جانا بھی مراد ہو سکتا ہے گویا اس کے اجزا ایک دوسرے سے مختلط ہو گئے (ر) اس صورت میں با سببیہ کے لئے ہوگی یعنی بارش کے سبب سے سبزیوں میں بہت نشو و نما ہوا۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زمین کی نبات اس پانی کے ساتھ مل گئی۔ کیونکہ روئیدگی اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ پانی کے اجزا سبزیوں کے اجزا سے مل جل جاتے ہیں +

خلیط۔ اختلاط

زُخْرُف — زخرف۔ زُخْرُف۔ زینت کو اور کسی چیز کے حسن کے کمال کو کہتے ہیں (ا)۔ یہاں مراد زمین کی زینت ہے جو نبات سے اسے ملتی ہے یا اس زینت کا تام و کمال کو پہنچ جانا۔ اور زخرف سونے کو بھی کہتے ہیں اور زخرف القول (الانعام ۶-۱۱۳) ایسی باتیں جو خوب سجائی گئی ہوں (ل) +

حصد حصاد — حصید۔ حَصَد کھیتی کے کاٹنے پر بولا جاتا ہے اور یہی معنی حصاد کے ہیں وآتوا حقہ یوم حصادہ (الانعام ۶-۱۴۲)

حصید — اور یہاں حصید سے مراد کٹی ہوئی کھیتی ہے جو گویا تباہ کر دی گئی اسی معنی میں ہے منہا قائم و حصید (ھود ۱۱-۱۰۰) اور حب الحصید (قٓ ۵۰-۹) میں مراد وہ دانا ہے جو کاٹا جاتا ہے (غ) +

غنی — تغن۔ غنی کے معنی تو عدم حاجت ہیں اور غنی فی مکان کذا سے مراد ہے اس مکان میں مدت تک رہا گویا اپنے غیر سے مستغنی تھا (ل)، کان لم یغنوا فیہا (الاعراف ۷-۹۲) (غ)، اور یہاں لم تغن سے مراد ہے گویا کل اس کی نبات تھی ہی نہیں +

آرام میں انسان خدا کو بھول جاتا ہے — اس مثال میں بھی وہی بات سمجھائی ہے جو پہلی مثال میں تھی۔ زمین کی زینت کے سامان اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہی کرتا ہے۔ مگر جب لوگ اس آسایش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت سے غافل ہو کر اپنے آپ کو ہی قادر سمجھ لیتے ہیں۔ انہم قادرون علیہا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا دوسرا نظارہ بھی دکھا دیتا ہے تاکہ انسان سمجھے کہ اس کی طاقت سب طاقتوں سے اوپر نہیں بلکہ یہ کوئی اور عظیم الشان طاقت ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے +

۲۵ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے ۱۳۸۹ جو نیکی

اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

کرتے ہیں ان کیلئے نیک بدلہ ہے اور بڑھکر اور ان کے مُنہوں کو نہ سیاہ غبار ڈھانکے گا اور نہ ذلت یہی جنت والے

۲۷ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ

ہیں وہ اسی میں رہیں گے ۱۳۹۰ اور جو بدیاں کماتے ہیں (تو) بدی کا بدلہ اسی کی مثل ہے

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ

اور ان پر ذلت چھا جائے گی کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا گویا انکے منہوں پر اندھیری رات کے ٹکڑے

قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اُڑھا دیئے گئے ہیں یہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہینگے۔

سلامۃ۔ دار السلام

۱۳۸۹ دار السلام۔ سَلم اور سَلامۃ کے معنی آفات ظاہری و باطنی سے پاک ہونا ہیں۔ اور دار السلام سے مراد دار السلامۃ ہے۔ (اس لئے وہاں کا قول بھی سلاماً سلاماً ہے) لھم دار السلام عند ربھم (الانعام ۶-۱۲۸)، اور السلام اللہ تعالیٰ کا بھی اسم ہے السلام المؤمن المھیمن (الحشر ۵۹-۲۳) کیونکہ وہ ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے پاک ہے (غ)۔

دنیا کی نعمتوں کے مقابل جن میں دکھ اور تکلیفیں ملی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ایسے گھر کی طرف بلاتا ہے جو دکھوں اور تکالیف سے پاک ہے۔ انسان اگر سکھ کو چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی سکھ کی طرف بلاتا ہے۔ مگر انسان عارضی سکھ کو مدنظر رکھ کر خود اپنے لئے دکھ کا سامان کر لیتا ہے۔

حسنیٰ۔ حسن

۱۳۹۰ الحسنیٰ۔ حسن (دیکھو ۔۔۔)۔ اور حسنیٰ میں فرق یہ ہے کہ حسن کا استعمال عام ہے اور حسنیٰ کا صرف احداث پر (غ)، حسن اور حسنیٰ دونوں مصدر ہیں اور گو حسنیٰ کے معنی زیادہ تر جنت یا المنزلۃ الحسنیٰ کئے گئے ہیں۔ مگر لسان العرب میں ہے کہ اس سے اصل مراد المجازاۃ الحسنیٰ ہے اچھا بدلہ اور ابن جریر میں بھی اس کے مطابق اقوال موجود ہیں۔

زیادۃ

زیادۃ۔ تو اصل میں ایک چیز پر کچھ بڑھانے کا نام ہے مگر یہاں چونکہ نعمائے جنت میں اس کا ذکر ہے اس لئے مراد نظر الیٰ وجہ اللہ لی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیکھنا جو بہشت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ راغب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت کو زیادۃ ہی کہا گیا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس کا تصور بھی دنیا میں ممکن نہیں۔ ابن جریر میں کچھ اور اقوال بھی منقول ہیں مثلاً بڑھا ہوا اجر یا دس گنا اجر یا اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضوان۔ یا اس دنیا میں نعمتیں۔

رھق

یرھق۔ رَہِق کے معنی کسی امر نے غالب آکر اس کو ڈھانک لیا ہے سارھقہ صعودا (المدثر ۷۴-۱۷) (غ)۔

قتر

قتر۔ قَتَرَۃ اس غبار کو کہتے ہیں جس پر سیاہی غالب ہو جیسے دھواں (ل)، نیز دیکھو ۳۰۵۔

احسان یعنی اپنے نفس میں نیکی کرنے یا دوسروں سے نیکی کرنے کا انجام یہ ہے کہ بدلہ نیک ملتا ہے کچھ اور بھی ملتا ہے۔ اور

۲۸ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ

اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کرینگے پھر انہیں جنہوں نے شرک کیا تھا کہینگے تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرے رہو

۲۹ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ○ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ

پھر ہم ان میں جدائی ڈالدینگے اور ان کے شریک کہینگے تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے ۱۳۹۱ سو ہمارے اور تمہارے

۳۰ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ○ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ

درمیان اللہ گواہ بس ہو کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے وہاں ہر شخص اس کی خبر پالیگا

نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ النصف

جو آگے بھیجا تھا اور وہ اللہ اپنے مولیٰ کی طرف جو حق ہے لوٹائے جائینگے اور جو وہ افترا کرتے تھے ان سے جاتا رہیگا ۱۳۹۲

سیاہی چھانے کا مفہوم — چہرہ پر سیاہی چھا جانا جو ناکامی اور نامرادی کا لازمی نتیجہ ہو وہ پیدا نہیں ہوتی نہ انسان کو ذلیل ہونا پڑتا ہو ابن جریر نے ان الفاظ کی یوں تفسیر کی ہو لا یغشی وجوھھم کابۃ ولا کسوف حتی تصیر من الحزن کا نما علاھا قتر یعنی ان کے مونہوں کو رنج و ملال اور تاریکی نہیں ڈھانکے گی یہانتک کہ غم کے مارے وہ ایسے ہو جائیں کہ گویا ان پر دھواں چھا گیا ہے اس کے مقابل بدی کے انجام بد کا اگلی آیت میں ذکر کیا ہو +

۱۳۹۱ مکانکم ۔فعل محذوف ہو الزموا مکانکم یعنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو +

زال — زیلنا ۔ زال کے معنی ایک چیز اپنے طریق سے ہٹتی ہوئی علیحدہ ہو گئی ۔ اس سے زوال وغیرہ ہیں ۔ اور تزیلوا (الفتح۔ ۲۵[۴۸]) کے معنی تفرقوا الگ الگ ہو گئے ۔ باب تفعیل یہاں تکثیر کے لئے ہو (غ) پس زیلنا کے معنی ہیں فرقنا + زیّل

تین قسم کے معبود — شرکاءکم اور شرکاءھم سے مراد وہ ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے تھے ۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم (المائدۃ ۔ ۱۱۷[۵]) اور ملائکہ کے متعلق ہو اھؤلاء ایاکم کانوا یعبدون (السبا ۔ ۴۰[۳۴]) یہاں فرمایا کہ وہ ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے ۔ اور اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی عابد اور معبود کو الگ الگ کر دے گا اور دوسری جگہ ہو انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (الانبیاء ۔ ۹۸[۲۱]) لو کان ھؤلاء الھۃ ما وردوھا (الانبیاء ۔ ۹۹[۲۱]) تو معلوم ہوا کہ ان دونوں مقامات پر الگ الگ قسم کے معبودین کا ذکر ہو ایک تو اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں یا ملائکہ کو معبود بنا لیا گیا ہو یہ آیات ان کے متعلق ہیں اور جہاں معبودین کے دوزخ میں پڑنے کا ذکر ہو تو مراد وہ لوگ ہیں جو خود اپنے آپکو بڑا بنا کر دوسروں سے اپنے آپ کو خدا کی طرح منواتے ہیں اور پتھروں اور درختوں اور ہواؤں وغیرہ کو معبود بنا لیتے ہیں تو ان کا ذکر ان دونوں میں نہیں کیونکہ حشر صرف انسانوں کا ہو گا نہ جمادات اور نباتات کا +

۱۳۹۲ الحق ۔ اسمائے الٰہی میں سے ہو دیکھو ۶۵ تبلو بلی سے خبر پا لینے کے معنی ہیں دیکھو ۱۵۵ +

جب اعمال کی سزا کے بھگتنے کا وقت آتا ہو تو غلط سہارے سب گر جاتے ہیں اور اصل حقیقت انسان کے سامنے منکشف ہو جاتی ہو ۔ یہ تجربہ ہر انسان یہاں بھی کر سکتا ہے ۔ ہر ایک غلط کار کو اپنی غلطیوں کی سزا آخر خود بھگتنی پڑتی ہو اور جو اس کو ان غلطیوں میں ڈالتے ہیں نتیجہ بھگتنے کے وقت وہ الگ ہو جاتے ہیں ۔ رکوع کے پہلے حصہ میں بتایا تھا کہ مصیبتوں کے وقت

ہستی باری اور توحید پر دلائل

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ ۳۱

کہو کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یا کس کے اختیار میں کان اور آنکھیں ہیں اور کون زندہ کو

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون کاروبار (عالم) کی تدبیر کرتا ہے تو کہینگے اللہ بس کہو

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى ۳۲

پھر کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے[۱۲۹۳] تو یہ اللہ تمہارا رب حق ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے پھر تم

تُصْرَفُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَي الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۳۳

کس طرح پھر جاتے ہو اسی طرح تیرے رب کی بات ان پر صادق آئی جنہوں نے نافرمانی کی کہ وہ ایمان نہیں لاتے[۱۲۹۴]

فطرت انسانی صرف اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتی ہے اور معبودان باطل کو اس وقت انسان بھول جاتا ہے ان چھوٹی چھوٹی مصیبتوں کے مقابلہ میں آخری آیات میں اس مصیبت عظمیٰ کی طرف توجہ دلائی ہے جو بدکرداروں کے لئے نتائج اعمال کے رنگ میں ظہور پذیر ہوگی اس وقت انکشاف کامل ہوگا کہ غیر اللہ معبود کسی کام نہیں آسکتے بلکہ وہ معبود بھی انکار کریں گے کہ ان کی عبادت کی جاتی تھی ◆

۱۲۹۳ یملک السمع والبصر سے مراد ہے کہ کون ان قوتوں کو وجود میں لانے والا اور کون ان کی حفاظت کا متولی ہے (غ) ◆

مشرکین کا اقرار توحید

پچھلے رکوع میں یہ بتایا تھا کہ مصیبت کے وقت فطرت انسانی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے اور معبودان باطل کو بھول جاتی ہے اسی سے اس ہولناک وقت کی طرف توجہ دلائی تھی جو نتائج اعمال کے بھگتنے کا وقت ہوگا کہ خود وہ معبود بھی انکار کرینگے۔ اسی مضمون کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایک بت پرست کی فطرت بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دے اٹھتی ہے اور بعض باتوں میں تو مجبوراً اسے بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ چنانچہ آسمان اور زمین سے رزق کا دینا۔ آسمانی رزق سے مراد یا تو وحی کا نزول ہے اور زمینی رزق سے مراد جسمانی سامانوں کا عطا کرنا۔ اور یا آسمان کا رزق پانی ہے جو اوپر سے برستا ہے۔ اور زمین کا رزق اس پانی سے روئیدگی کا نکلنا ہے ایسا ہی سمع اور ابصار پر اختیار یعنی قوائے انسانی پر کیونکہ سمع اور بصر دو اعلیٰ ترین قوائے انسانی ہیں۔ پھر مردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مردوں کو نکالنا جسمانی رنگ میں ہو یا قوموں کی احیاء و اماتت ہو اور خلاصہ ان سب امور کا تدبیر امر میں آجاتا ہے جس سے مراد نظام عالم کا چلانا ہے مسیح کی پرستش کرنے والا یا شجر یا حجر کی پرستش کرنیوالا مانتا ہے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں اس لئے فرمایا پھر مستحق پرستش دوسرے کس طرح ہوگئے جیسا کہ اگلی آیت میں واضح کردیا ◆

عہد فطرت اور عہد بیعت

۱۲۹۴ فسق۔ یہاں عام معنی میں ہے یعنی عہد فطرت کی خلاف ورزی مراد ہے۔ کیونکہ اوپر عہد فطرت کی طرف اشارہ ہے جو اس عہد کی نافرمانی کرتے ہیں وہ اس دوسرے عہد یعنی شریعت یا وحی کو بھی قبول نہیں کرتے ◆

۳۴ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

کہو کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹاتا ہے کہو اللہ پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے

۳۵ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ

پھر اسے لوٹاتا ہے پھر کس طرح تم اُلٹے جا رہے ہو۔[۱۲۹۵] کہو کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے کہو اللہ ہی

يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ

حق کی طرف ہدایت کرتا ہے تو کیا وہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا سوائے اس کے

۳۶ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ

کہ اسے راہ دکھایا جائے۔[۱۲۹۶] تمہیں کیا ہو گیا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو اور ان میں سے اکثر سوائے ظن کے اور کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○

یقیناً ظن حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں دیتا بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔[۱۲۹۷]

۱۲۹۵ خلق کے لوٹانے سے مراد بعد موت زندگی بھی ہو سکتی ہے تو گو وہ اس کے قائل نہ تھے مگر مراد یہ ہو سکتی ہے کہ جب وہ پہلی بار بھی خلق نہیں کر سکتے تو دوسری زندگی جو اللہ تعالیٰ کے اور بھی عجائبات قدرت سے ہے اور ایک حقیقت ہے اس پر وہ کیونکر قادر ہو سکتے ہیں اور یا پہلی خلق سے مراد بار اول اشیاء کو وجود میں لانا اور اعادہ سے مراد ایک قانون کے ماتحت ان کو باربار پیدا کرتے رہنا ہے جیسے انسان اول کو پیدا کیا یہ بدء ہے پھر اس سے آگے ایک قانون کے ماتحت نسل چلائی یہ اعادہ ہے اس صورت میں معنی ظاہر ہیں ۔ *(حاشیہ: بدء خلق اور عود)*

۱۲۹۶ لَا يَهِدِّيْ ۔ اصل میں يَهْتَدِيْ ہے اور اهتداء کے معنی ہدایت پانا ہیں اور هَدٰى کے معنی لے جانا بھی ہیں۔ جیسے هَدَيْتُهٗ الی الطریق یا للطریق یا هديت العروس الى زوجها اور یہاں هدى اور اهتدى کے معنی محض انتقال مکان کے کئے گئے ہیں لا يقدر ان ينتقل عن مكانه الا ان ينقلوه (ل)، یعنی اس بات پر قادر نہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ خود جا سکے سوائے اس کے کہ دوسرے اسے لے جائیں۔ اور قرآن شریف میں ہے اواجد على النار هدى (طٰهٰ ۲۰ - ۱۰) جہاں هدى سے مراد صرف رستہ ہے (ل) اور دوسری جگہ ہے فاهدوهم الى صراط الجحيم (والصّٰفّٰت ۳۷ - ۲۳) اور ایک ہدایت اعطٰى كل شئ خلقه ثم هدى (طٰهٰ ۲۰ - ۵۰) والی ہے جس سے مراد اپنے دائرہ استعداد میں ترقی ہے دیکھو ... *(حاشیہ: هدى - اهتدى)*

تیسری بات جس کی طرف توجہ دلائی (پہلی تدبیر امر ہے آیت ۳۱ ۔ دوسری خلق آیت ۳۴) وہ ہدایت کا دینا ہے یہ بھی کوئی بت یا کوئی معبود باطل نہیں دیتا صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور معبودان باطل کے متعلق جو فرمایا کہ لا يهدى الا ان يهدى تو یا جیسا امثالکم (الاعراف ۷ - ۱۹۴) مراد ہیں کہ وہ خود محتاج ہدایت ہیں اور یا هدى سے مراد ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا ہے یعنی وہ خود چلنے کے قابل بھی نہیں اور یا ہدایت عامہ مراد ہے جو جاندار و بیجان اور ذی عقل اور غیر ذی عقل سب کو دیجاتی ہے کہ اس کا دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے ۔ *(حاشیہ: معبودان غیر اللہ کا عجز)*

۱۲۹۷ غیر اللہ کی پرستش اس لحاظ سے ظنی ہے کہ ان کے پرستار کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس سے کوئی نفع پہنچے یا کسی نقصان سے *(حاشیہ: قرآن میں ظنی باتیں نہیں)*

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ ۳۷

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ بنایا جا سکے بلکہ یہ اس کی تصدیق ہو جو اس سے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ ۳۸

پہلے ہو اور کتاب کی تفصیل ہو اس میں کچھ شک نہیں جہانوں کے رب کی طرف سے ہو ۱۳۹۸ کیا کہتے ہیں کہ اسے

افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

از خود جھوٹ بنا لیا ہو۔ کہہ ایک سورت اس کی مثل لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جسے بلا سکو بلا لو اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۳۹

تم سچے ہو بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکتے اور ابھی اس کا انجام ان تک نہیں آیا

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے تو دیکھ لو ظالموں کا انجام کیا ہوا ۱۳۹۹

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۴۰

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور تیرا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے

بچ جائے اس کے مقابل حق یعنی ایک ثابت شدہ حقیقت ہو معلوم ہوا قرآن شریف ظنی باتوں کے اتباع سے روکتا ہو اور ان باتوں کی طرف بلاتا ہو جو ثابت شدہ حقایق ہیں +

وہ دلیلیں کہ قرآن افترا نہیں ہو سکتا

۱۳۹۸ یہاں دو باتیں بالخصوص بتائیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ قرآن افترا نہیں۔ ایک پہلی کتابوں کا مصدق ہونا یعنی ان پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالا ہو جو اس کے آنے سے ہزار ہا برس پہلے موجود ہیں ان پیشگوئیوں کو محمد رسول اللہ نے نہیں بنایا اور دوسرا یہ تفصیل کتاب ہے یعنی وہ باتیں جو پہلی کتابوں میں مجمل اور مبہم رہ گئی ہیں ان کی تفصیل یہ قرآن شریف فرماتا ہو جیسے مسئلہ معاد یا مسئلہ صفات الٰہی کہ پہلی کتابیں اس بارہ میں بہت ہی اجمالی تعلیم دیتی ہیں ایسا ہی ان کتابوں میں دلائل کا نام و نشان نہیں۔ اگلی آیت میں امر دوم کو اور مضبوط کیا کہ اگر تم پھر بھی اسے افترا سمجھتے ہو تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اس کے لئے دیکھو ۳۲ اور قرآن کا ذکر یہاں اس لحاظ سے کیا کہ اس میں دلائل توحید الٰہی ہیں +

احاطۃ بالعلم

۱۳۹۹ یحیطوا بعلمہ کسی چیز کا احاطہ اندر وئے علم کامل طور پر صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہو دیکھو ۳۲۹ لیکن انسان بھی اس میں سے جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے حاصل کرتے رہتے ہیں ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء (البقرۃ ۔ ۲۵۵) یہاں ان کے احاطہ بالعلم نہ کرنے سے مراد ان کا تدبر نہ کرنا ہو کیونکہ انسان کو جو علم ملتا ہے تدبر سے ملتا ہو +

تاویل کے معنی کیلئے دیکھو ۳۷۶ اصل حقیقت یا انجام دونوں معنی ہو سکتے ہیں یہاں انجام مراد ہے +

علوم قرآنی اور تکذیب کرنیوالوں کا غور نہ کرنا

مثل لانے کی تحدی کے بعد اس کتاب کے علوم کی طرف توجہ دلائی ہے جھوٹ تو کہہ دیا مگر اس کے علوم کی خبر تک نہیں۔ اس کے

ع — تکذیب پر عذاب

۴۱ وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ

اور اگر تجھے جھٹلائیں تو کہو میرے لئے میرا عمل ہو اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم اس سے بری ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں

۴۲ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا

جو تم عمل کرتے ہو منہ ۱۴۰۰ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے گو وہ عقل

۴۳ يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ۝

سے کام نہ لیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تیری طرف نظر اٹھاتے ہیں تو کیا تو اندھوں کو رستہ دکھا سکتا ہے گو وہ بصیرت سے کام نہ لیں

۴۴ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ آپ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں منہ ۱۴۰۱

۴۵ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ

اور جس دن ان کو اکٹھا کرے گا تو گویا وہ دن میں سے ایک گھڑی بھی نہ رہے تھے ایک دوسرے کو

بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

پہچانیں گے وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے منہ ۱۴۰۲

مضامین عالیہ پر کبھی غور نہیں کیا اگر غور کرتے تو خود وہ باتیں ہی ان کے دلوں کو کھینچ لیتیں تو یہ کس قدر جرأت ہے کہ بغیر ایک چیز کا علم حاصل کرنے کے اس کی تکذیب شروع کر دی چونکہ حقیقت معنی کا ذکر احاطہ بالعلم میں آچکا ہے اسلئے تاویل سے مراد تاویل فعلی یا انجام ہے اور اسی انجام تکذیب کی طرف آیت کے آخری الفاظ میں توجہ دلائی کیف کان عاقبۃ الظلمین پس مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے علوم پر غور کرتے تو اس کی تکذیب نہ کرتے اور جو تکذیب کی ہے تو اب اس کا انجام وہی ہوگا جو ان کو پہلے سے بتا دیا گیا ہے +

منہ ۱۴۰۰ پچھلے رکوع کے آخر پر توحید کے ذکر میں قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تکذیب میں انہوں نے جلدی کی ہے اس کا انجام آکر رہیگا اس رکوع میں اسی عذاب کا ذکر ہے جو تکذیب پر آتا ہے اور پہلے بطور تمہید بیان فرمایا کہ ہر ایک کی ذمہ واری اپنے اپنے اعمال کی ہے اس لئے جو حق کی مخالفت کرتا ہے اور اس کا استیصال چاہتا ہے وہ لازماً سزا پاتا ہے +

بصیرت سے کام نہ لینے والے

منہ ۱۴۰۱ جب اعمال کی ذمہ واری کا ذکر کیا تو بتایا کہ بعض لوگ بظاہر کان لگاتے ہیں یعنی آواز تو ان کے کان میں پڑتی ہے مگر عقل سے کام نہیں لیتے اس لئے سن کر فائدہ نہیں اٹھاتے اور آنکھوں سے دیکھتے تو معلوم ہوتے ہیں مگر چونکہ بصیرت سے کام نہیں لیتے اس لئے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے اور یہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سزا بطور ظلم نہیں دیتا +

آرام و مصیبت کا وقت

منہ ۱۴۰۲ دنیا میں جو مدت رہے ہیں وہ ایک گھڑی بھر سے بھی کم معلوم ہوگی انسان کتنی بھی عمر آسایش اور آرام میں گزارے جب مصیبت آتی ہے تو وہ سب ایک گھڑی ہی معلوم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچاننے سے بھی یہی مطلب ہے کہ گو یا علیحدہ ہوئے کوئی عرصہ نہیں گزرا +

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ ۴۶

اور اگر ہم ان میں سے بعض (عذاب) جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں تجھے دکھا دیں یا تجھے وفات دیں تو ہماری طرف ہی ان کا لوٹنا ہے پھر اللہ

شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ○ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم ۴۷

اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں ۱۴۰۳ اور ہر ایک قوم کیلئے ایک رسول ہے سو جب ان کا رسول آجاتا ہے ان کے درمیان انصاف سے

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ ۴۸

فیصلہ کردیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ۱۴۰۴ اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو۔

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ ۴۹

کہو میں اپنی جان کیلئے نہ کسی نقصان اور نہ نفع کا اختیار رکھتا ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے ہر ایک قوم کے لئے ایک مقرر

أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○

وقت ہے جب ان کا وقت مقرر آجاتا ہے تو ایک گھڑی پیچھے نہیں رہ سکتے اور نہ (اس سے) پہلے لا سکتے ہیں ۱۴۰۵

آنحضرت کے مخالفین پر قیامت تک سزا کا آنا

۱۴۰۳ مطلب یہ ہے کہ سزا کے سارے وعدوں کا آپ کی زندگی میں پورا ہونا ضروری نہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دامن جب قیامت تک ممتد ہے اور قرآن کریم میں سب ہی مکذبین اور مخالفین کا ذکر ہے تو ان کی سزائیں سب کی سب آنحضرت کی زندگی میں کس طرح وارد ہو سکتی تھیں اور بعض کا آپ کو دکھایا جانا تاریخ سے ثابت ہے اور یہ جو فرمایا کہ اللہ اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جس جس کو وہ جس سزا کے لائق سمجھے گا دیتا رہے گا۔

ہر قوم کیلئے رسول

۱۴۰۴ ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے۔ یہ وہ عظیم الشان صداقت ہے جو اسلام سے پہلے کسی نے نہیں سکھائی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ کل دنیا کی طرف ہوئی اس لئے سب عالم ایک ہی اُمت کے حکم میں ہو گیا۔ رسول کا اب کسی قوم کے پاس آنا ان کو تبلیغ ہونا ہے جس قوم پر آپ کی تعلیم کی تبلیغ ہو گئی۔ اسی کے متعلق اس آیت کا مضمون صادق آگیا اور بینہم سے مراد رسول اور اس کے مخالف ہیں کہ ان کے درمیان فیصلہ ہو جاتا ہے یعنی مخالفین پر سزا وارد ہوتی ہے اسی کے متعلق اگلی آیت میں سوال ہے کہ وہ سزا کب آئے گی اور قرآن کریم میں متی هٰذا الوعد۔ متی هٰذا الفتح اکثر دنیوی عذاب کے متعلق ہی ہے۔

حق کی قبولیت دنیوی نفع نقصان کے خیال سے پاک ہو۔

۱۴۰۵ جب یہ سوال ہوا کہ وہ سزا ہم پر کب آئے گی تو فرمایا کہ جواب میں کہدو کہ تمہیں سزا پہنچانے کا اختیار مجھے کہاں ہے میں تو اپنی جان کے لئے بھی کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس قسم کے الفاظ جو قرآن کریم میں بار بار آتے ہیں نہ صرف آپ کے پیروؤں کو غلو سے روکتے ہیں بلکہ دوسری طرف یہ بھی بتاتے ہیں کہ حق کے قبول کرنے میں کسی نفع نقصان کا لالچ نہ دیں بلکہ حق کی خاطر حق کو قبول کرنے کے لئے بلائیں۔

قوموں کی زندگی اور موت

اور یہ جو فرمایا کہ ہر قوم کے لئے ایک میعاد مقرر ہے تو اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ جس طرح انسان پیدا ہوتے اور مرتے ہیں اسی طرح قومیں بھی پیدا ہوتی اور مرتی ہیں۔ اور ہر ایک قوم کے لئے علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہوتا ہے جب وہ صفحہ پلیٹ دی جاتی ہے پس کسی قوم کو اپنی طاقت پر فخر نہیں کرنا چاہیے جس طرح کسی انسان کو اپنی قوت پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

۵۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ○

کہو تو بتاؤ اگر اس کا عذاب رات یا دن کو تم پر آجائے (وہ کیا ہے) جس کے لئے مجرم جلدی کر رہے ہیں ۱۴۰۶

۵۱ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ ثُمَّ

اور کیا پھر جب وہ آہی جائے گا پھر ایمان لاؤ گے؟ اب (ایمان لاتے ہو) اور (پہلے) اسکے لئے جلدی مچاتے تھے پھر انہیں

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ

جنہوں نے ظلم کیا تھا کہا جائے گا دیر پا عذاب چکھو تمہیں بدلہ نہیں دیا جاتا مگر وہی جو تم

۵۳ تَكْسِبُوْنَ ○ وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ

کماتے تھے اور تجھ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ سچ ہے کہو ہاں میرے رب کی قسم یہ یقیناً حق ہے ۱۴۰۷ اور تم (اللہ کو)

۵۴ بِمُعْجِزِيْنَ ○ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

عاجز نہیں کر سکتے ۱۴۰۷ اور اگر ہر شخص کیلئے جس نے ظلم کیا وہ (سب کچھ) ہو جو زمین میں ہے تو اسکے ساتھ فدیہ دینا چاہیگا اور جب عذاب کو

۵۵ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے ۱۴۰۸ اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائیگا دیکھو اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وقف النبی علیہ السلام

ع ۶ ۱۱

قرآن سے کیا ملتا ہے

تعیش اور غفلت سے عذاب آتا ہے

۱۴۰۶ رات کے وقت غافل لوگ عیش و عشرت میں مصروف ہوتے ہیں اور خدا کو بھول جاتے ہیں۔ دن کے وقت اپنے کاروبار کی مصروفیت میں خدا سے دور پڑ جاتے ہیں۔ یہی اشارہ دن اور رات کے وقت عذاب کے آنے میں ہے۔ فرمایا جب عذاب خود ہی آنے والا ہے پھر جلدی مانگنے سے کیا حاصل ہے +

اِی

۱۴۰۷ اِی۔ حرف جواب اور تصدیق ہے جس کے معنی نَعَم ہیں یعنی ہاں اور اس کا استعمال اس طرح پر قسم کیساتھ خاص ہے پھر اسی عذاب کے متعلق سوال ہے کہ کیا ایسا سچ ہوگا۔ جب ایک قوم طاقت کے نشہ میں ہوتی ہے تو اسے کبھی خیال نہیں آتا کہ اس کے لئے بھی کوئی وقت آنے والا ہے جب اس کی طاقت نابود کر دی جائے گی۔ یہ بار بار کے سوال اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں

سِرّ۔ اسرار

۱۴۰۸ اسرّوا۔ سِرّ اور اسرار (خلاف اعلان ہے سرًا و علانیۃ (البقرۃ ۲۷۴) اور سِرّ وہ بات ہے جو دل کے اندر چھپی ہوئی ہو اور اسرّوا کے معنی انہوں نے چھپایا۔ مگر بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں ظاہر کیا۔ کیونکہ دوسری جگہ ان کا قول منقول ہے یٰلیتنا نرد ولا نکذب بآیات ربنا (الانعام ۲۷) مگر وہ ندامت صرف اسی قدر نہیں جس کا یہاں اشارۃً ذکر ہے اسرار جب دوسرے کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس پر ظاہر کرنا اور اس کے غیر سے چھپانا واذ اسرّ النبی الی بعض ازواجہ حدیثا (التحریم ۳) واسررت لھم اسرارا (نوح ۹) گویا ایک رنگ میں اظہار اور ایک رنگ میں اخفا (غ)، اور بعض اہل لغت نے اسرار کو اضداد میں سے قرار دیا ہے یعنی اس کے معنی ظاہر کرنا بھی ہیں اور چھپانا بھی (ت) +

عذاب پر ندامت

ندامت کو چھپانے سے مراد یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنے متبعین سے ندامت کو چھپائیں گے۔ تکذیب پر جس عذاب کا وعدہ تھا

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْہِ ۵۶

دیکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہی اور اسی کی طرف تم

تُرْجَعُوْنَ ○ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی ۵۷

لوٹائے جاؤگے اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے نصیحت آگئی ہی اور اس کے لئے جو سینوں میں ہے

الصُّدُوْرِ ۙ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ ۵۸

شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت (آئی ہے)[۱۴۰۹] کہو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر ہاں اسی پر چاہیے

فَلْیَفْرَحُوْا ؕ ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ۵۹

کہ خوش ہوں وہ اس (دولت) سے بہتر ہی جو وہ جمع کرتے ہیں[۱۴۱۰] کہو کیا دیکھتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے رزق سے اتارا ہے

فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ ○

پھر تم اس سے حرام اور حلال ٹھراتے ہو کہو کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہو یا تم اللہ پر افترا کرتے ہو[۱۴۱۱]

اسی کا یہاں ذکر ہی۔ وہ دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتا ہی گو کامل طور پر قیامت میں ظہور پذیر ہوگا +

صدور اور قلب **۱۴۰۹** صدور۔ صدر سینہ کو کہتے ہیں اور راغب نے بعض حکماء کا قول نقل کیا ہی کہ جہاں قلب کا ذکر ہو تو اشارہ عقل اور علم کی طرف ہی جیسے ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب (ق ۵۰-۳۷) اور جہاں صدر کا ذکر ہو تو اس کی طرف اور تمام قویٰ مثلاً شہوت ہوا، غضب وغیرہ کی طرف ہو (غ) پس شفاء لما فی الصدور سے مراد ہوئی کہ سب قویٰ کی اصلاح ہو +

قرآن سے کیا ملتا ہی تکذیب کے انجام بد سے ڈرا کر اور پچھلی آیات میں یہ بتا کر کہ واقعی طاقت اور قدرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی اور جو بر سر طاقت ہیں وہ خوب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہی اب اس طرف توجہ دلائی ہی کہ تم تکذیب میں کیوں جلدی کرتے ہو قرآن تو تمہارے رب کی طرف سے ایک وعظ ہی اور وعظ روکتا ہی اس طرح کہ بدی کے بد انجام سے ڈرایا جائے دوسری بات فرمائی کہ انسان کو جو کچھ قویٰ دیئے گئے ہیں ان کیلئے یہ دوا ہی یعنی ان کی اصلاح کرتا ہی تیسری بات ہدایت ہی کہ ان کو صحیح راہ پر لگاتا ہی۔ اور چوتھی رحمت کہ اس سے اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں یعنی اخلاق فاضلہ کی بلند ترین منازل پر یہ پہنچاتا ہی جو دنیا کیلئے موجب رحمت ہیں +

اخلاق اور مال **۱۴۱۰** یہاں اسی بات کو واضح کر کے بیان کیا ہی کہ اللہ کی طرف سے یہ فضل اور رحمت ہی جو تم کو بلند مقامات پر پہنچاتا ہی اور اس مال و دولت سے جس کے جمع کرنے کی فکر میں تم اس کی تکذیب کرتے ہو وہ بہت بہتر ہے گویا سمجھایا ہی کہ اخلاق فاضلہ دولت سے اچھی چیز ہی۔ قرآن کریم تم میں وہ اخلاق فاضلہ پیدا کرتا ہی تم دولت کے جمع کرنے کیلئے بڑی کوشش کرتے ہو لیکن ان اخلاق کے لینے کیلئے کیوں متوجہ نہیں ہوتے۔ دولت سے انسان عزت اور راحت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہی۔ مگر دولت سے یہ چیزیں کبھی نہیں ملتیں اور جو عزت اور راحت ہمیشہ کیلئے اخلاق فاضلہ سے ملتی ہی وہ دولت سے عارضی طور پر بھی نہیں مل سکتی +

رزق **۱۴۱۱** رزق۔ عطائے جاری کو کہتے ہیں دنیوی ہو یا اخروی۔ اور مال اور جاہ اور علم سب رزق میں داخل ہیں (غ) + ایک معنی تو ظاہر ہیں کہ مشرک بعض قسم کی چیزوں کو حرام قرار دے لیتے تھے ھذہ انعام و حرث حجر (الانعام ۶-۱۳۹) مگر یہاں

۶۰ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

اور جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں ان کا قیامت کے دن کی نسبت کیا خیال ہے یقیناً اللہ لوگوں پر

۶۱ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا

فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے اور تو جس حال میں بھی ہو اور جو کچھ اس کے

مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ

متعلق قرآن سے پڑھے اور جو کچھ بھی تم عمل کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں

فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ

معروف ہوتے ہو اور تیرے رب سے ذرہ کے وزن کے برابر بھی کوئی چیز نہ زمین میں چھپی رہتی ہے اور نہ آسمان میں

وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے ۱۴۱۲ •

ع ۱۰ / ۱۲ — مومنین کے مقامات عالیہ

وسباق کے لحاظ سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اخلاق سے بھی رزق دیا ہے اور قیام جسم کے لئے بھی پھر تم اس رزق سے جو اخلاق سے تعلق رکھتا ہے اپنے آپ کو بکلی محروم رکھکر اسے گویا حرام ٹھہرا رہے ہو۔ ھو خیر مما یجمعون سے یہی معلوم ہوتا ہے اگلی آیت بھی اس معنی کی موید ہے کیونکہ فرمایا کہ یہاں تو اس رزق سے تم دن کاٹ لوگے مگر قیامت کے دن کی نسبت جہاں یہ رزق ساتھ نہیں ہوگا۔ تمہارا کیا خیال ہے یعنی اس کے لئے کیوں کچھ بھی تیاری نہیں کرتے +

شأن — ۱۴۱۱ شان۔ حال اور معاملہ کو کہتے ہیں جو واقع ہوا ور جو سنوارنے والا ہو۔ اور یہ لفظ صرف بڑے اہم احوال اور امور پر بولا جاتا ہے (غ)،

افاض فی الحدیث — تفیضون ۔ افاض فی الحدیث کے معنی ہیں بات کو پھیلایا یا اس میں کثرت سے لگ گئے (ل)، دیکھو ۳۲۵ اور یہ خوض کے ہم معنی بھی ہے (غ)، جس کا اکثر استعمال مذمت کے مقام پر ہے

عزب — یعزب۔ عازب وہ شخص ہے جو چارہ کی تلاش میں اپنے اہل سے دور نکل جائے (غ)، اس لئے عزب بمعنی غاب یا بَعُدَ ہے یعنی غائب ہوا یا دور ہوا +

کتاب — کتاب۔ کتاب سے مراد ہمیشہ لکھے ہوئے اوراق نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض وقت اس سے مراد ہوتی ہے وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اندازہ کیا ہے اور بعض وقت مراد اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کا ایجاب اور اس کا حکم ہوتا ہے (غ)، اور یہاں کتاب مبین سے مراد علم الٰہی ہے اور مبین اس کو اس لحاظ سے کہا کہ نتائج اعمال ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں +

کوئی اچھا عمل ضائع نہیں ہوتا — جب کفار کو یہ توجہ دلائی کہ وہ بجائے تکذیب کے قرآن کریم سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ اس میں شفا اور ہدایت ہے تو اب یہ بتایا کہ یہ قرآن اپنی پیروی کرنے والوں کو کن مقامات عالیہ پر پہنچاتا ہے۔ اور اس پہلی آیت میں تلاوت قرآن کا ذکر کیا خواہ خطاب خاص نبی صلعم سے لیا جائے یا عام۔ اور آپ کے یا آپ کے سچے متبعین کی ساری شانیں ہی اچھی ہیں مگر تلاوت قرآن کا بالخصوص ذکر کیا۔ منہ میں ضمیر اسی شان کی طرف ہے اور یا اللہ کی طرف یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ قرآن کی تلاوت کرتے ہو یا قبل الذکر ضمیر

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۶۲

سن لو کہ اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے ۱۴۱۳ جو ایمان لائے

وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا ۶۴

اور تقویٰ اختیار کرتے تھے ان کیلئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہو اللہ

تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝ وَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۶۵ وقف لازم

کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے ۱۴۱۴ اور ان کی گفتگو تجھے غمگین نہ کرے

قرآن کی طرف ہو اور خطاب واحد کے بعد خطاب کو جمع کرکے بتا دیا کہ اصل خطاب سب سے ہی ہو اور ما تعملون من عمل میں سب مومن مراد ہیں جو کسی کام میں لگے ہوں، تو ان کو خوشخبری دی ہو کہ تمہارا کوئی نیک عمل ضائع نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہو اور افاضۃ کے اصل معنی چونکہ کثرت یا زور سے کسی بات یا کام میں لگنا ہیں اس لئے یہ معنی بھی درست ہیں اور بعض نے اذ تفیضون فیہ میں مراد مخالفین کو لیا ہو کہ قرآن کے بارے میں جھوٹ کو شائع کرتے ہو مگر پہلے معنی ہی قابل ترجیح ہیں (ج)، اور اگلی آیت میں صفائی سے اولیاء اللہ کا ذکر کرکے بتا بھی دیا کہ یہاں مراد وہی لوگ ہیں جو نبی صلعم کے اتباع میں اعمال صالح میں لگے رہتے ہیں +

اولیاء اللہ

۱۴۱۳ اولیاء اللہ - ولی کے معنی کے لئے دیکھو ۱۳۳۲ اولیاء اللہ کہنے سے یہ منشا ہو کہ وہ اللہ کے دین کی نصرت کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ہوتا ہو +

قرآن کس مقام بلند پر پہنچاتا ہو

تکذیب کرنے والوں کے مقابلہ پر یہاں انصار اللہ کا ذکر کیا جن کو یہاں اولیاء اللہ کے نام سے پکارا ہو اور اگلی آیت میں بتا دیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں پس اس کے بعد جو نصرت دین کرتے ہیں وہی اولیاء اللہ ہیں - ان کا اس مقام بلند پر پہنچ جانا یقینی بیان کیا ہو جو نجات کامل کا مفہوم ہو کہ نہ ان پر خوف ہو نہ وہ غمگین ہونگے اور یہ بلند سے بلند مقام ہو جس پر انسان اس دنیا میں پہنچ سکتا ہو اور حقیقی راحت انسان کو اسی وقت میسر آتی ہو اور یہی وہ مقام ہو جس پر پہنچ کر انسان یہیں جنت کو پا لیتا ہو +

بشریٰ

۱۴۱۴ البشریٰ - بشارۃ اور بشریٰ - اس خبر کو کہا جاتا ہو جو خوش کرنے والی ہو - ولما جاءت رسلنا ابراھیم بالبشریٰ (العنکبوت [29] - ۳۱) یٰبشریٰ ھٰذا غلام (یوسف [12] - ۱۹) اور بشیر وہ ہے جو ایسی خبر دیتا ہو فلما ان جاء البشیر (یوسف [12] - ۹۶)

بشیر

مبشر

اور ہواؤں کو بھی مبشر کہا ہو یرسل الریاح مبشرات (الروم [30] - ۴۶) اور آنحضرت صلعم نے فرمایا انقطع الوحی ولم یبق الا المبشرات اور وہ رویائے صالحہ ہیں جو مومن دیکھتا ہو یا جو اس کے لئے دکھائی جاتی ہیں (غ) +

اولیاء اللہ کو مبشرات دی جاتی ہیں

اولیاء اللہ کو اگر ایک طرف یہ خوشخبری دی تھی کہ ان کے لئے خوف و حزن باقی نہ رہے گا تو اب دوسری طرف یہ بھی بتایا کہ صرف یہی نہیں بلکہ ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بشارتیں ہوں گی - اور یہی وہ بلند ترین مقام ہو جس کو قرآن کریم نے فوز عظیم کے نام سے موسوم کیا ہے - حدیث صحیح میں اس کی تصریح موجود ہے جہاں فرمایا لم یبق من النبوۃ الا المبشرات یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان جو سفارت کا کام انبیا کرتے تھے اس میں سے اب صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں جو مومنوں کو ملتی رہیں گی - نبوۃ یا سفارۃ تو کئی ایک چیزوں کے مجموعہ کا نام تھا - مثلاً مبشرات کے علاوہ کتاب کا ملنا جیسا کہ وانزل معھم الکتاب (البقرۃ [2] - ۲۱۳) سے ظاہر ہو یا کسی نمونہ کا ظاہر کرنا وغیرہ - اس سفارت میں ایک حصہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

عزت سب اللہ کے لئے ہو وہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۴۱۵ؐ

تائیدات اور نصرتوں کی خوشخبری اس کے بندوں کو پہنچائی جائے سو وہ حصہ باقی رہ گیا یعنی کل میں سے ایک جزو اور بلحاظ اس اصل پیغام کے جو اللہ تعالیٰ کی راہوں کا بتانا اس کے اوامر و نواہی کا پہنچانا وغیرہ ہیں اسے نبوت کا صرف چالیسواں اور چھیالیسواں یا ساٹھواں حصہ قرار دیا ہو اور مبشرات کی تشریح حدیث میں رویائے صالحہ سے کی ہو اور اس میں الہام بھی داخل ہو اور اس کی وجہ یہ ہو کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو جو بذریعہ رویا یا کشف یا الہام انسان تک پہنچایا جاتا ہو من وراء حجاب میں داخل کیا ہو۔ اور حدیث نے بلحاظ کثرت کے جو رویا کو حاصل ہو اسی کو اصل قرار دیا ہو پس یہ آیت بھی جس کی تفسیر یہ حدیث کرتی ہو ختم نبوت پر دلیل ہو کیونکہ اس کی رو سے صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں اور متعدد حدیثوں میں ہو کہ رسول اللہ صلعم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ اس سے مراد رویائے صالحہ ہو دیکھو ابن جریر اور ابن کثیر +

مبشرات چالیسواں جزو نبوت ہیں

یہاں آیت کے آخر پر یہ لفظ لاکر ذٰلک ھو الفوز العظیم یہی بڑی بھاری کامیابی ہو اس طرف اشارہ کیا ہو کہ یہ بلند سے بلند مقام ہو جس پر انسان پہنچ سکتا ہو اس سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اب نبوت نہیں تو کچھ بھی نہیں یا اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا دروازہ بند ہوگیا۔ حدیث میں ہو کہ جب نبی کریم صلعم نے فرمایا ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی قال فشق ذٰلک علی الناس فقال ولکن المبشرات۔ یعنی رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی اور میرے بعد کوئی رسول نہیں اور نہ کوئی نبی ہو تو یہ بات لوگوں پر شاق گزری تو آپنے فرمایا لیکن مبشرات باقی ہیں جس میں یہی ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ و مخاطبہ جو اصل نعمت ہو وہ باقی ہو۔ کیونکہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہو اور اسی طرف اشارہ ہو دجا یکلّمون من غیران یکونوا انبیآء میں ہاں نبوت کی اصل غرض چونکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کا ظاہر کرنا تھا اور تکمیل دین کے بعد اس کی ضرورت نہ رہی اس لئے اب نبوت نہیں مگر مقامات عالیہ تک پہنچنے کی سب راہیں موجود ہیں بلکہ پہلے سے بھی بڑھکر چنانچہ احمد اور ابن ابی حاتم اور بیہقی نے روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ان للہ تعالیٰ عبادًا لیسوا بانبیاء ولا شھداء یغبطھم النبیون والشھداء علی مجالسھم وقربھم من اللہ (د) یعنی اللہ تعالےٰ کے کچھ بندے ہیں جو نبی اور شہید نہیں لیکن نبی اور شہید ان کے مرتبہ اور ان کے اللہ تعالیٰ کے قرب پر رشک کرینگے اور ابوہریرہ سے اسی کی مثل روایت ہو ان من عباد اللہ عبادًا یغبطھم الانبیاء والشھداء اور جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں تو آپنے ان کے متعلق کچھ باتیں بیان کرکے یہی آیت پڑھی الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون (یونس ۱۰: ۶۲) (ج) اور ایسی ہی روایت ابوداؤد میں ہے (ش)، اور ان روایات کا ماحصل یہی ہے کہ قرب الٰہی کے مراتب اسی طرح لوگوں کو ملتے رہیں گے۔ اور انقطاع نبوت سے مقامات عالیہ سے محروم نہیں کئے جائینگے +

انقطاع نبوت سے انقطاع مقامات عالیہ نہیں ہوا

۱۴۱۵ مومنین کے ان مدارج عالیہ کو کفار کیا سمجھ سکتے تھے جن کی نظریں دنیا تک محدود تھیں اور جنہیں مال و دولت دنیوی اور حکومت ظاہری پر ناز تھا۔ اس لئے تسلی کے طور پر فرمایا کہ ان باتوں سے غمگین مت ہو۔ عزت و ذلت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہو۔ مومن اگر اس وقت دنیوی طور پر بیکسی کی حالت میں ہیں تو یہ بھی کوئی غم کی بات نہیں اصل عزت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ ان کو بھی دے دیگا سمیع علیم میں ان کے اعمال حسنہ کے نتائج کی طرف اشارہ کیا ہ

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ۶۶

سنو اللہ کیلئے ہی ہے جو کوئی آسمانوں میں ہو اور جو کوئی زمین میں ہو اور وہ کس چیز کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۞

(دوسرے) شریکوں کو پکارتے ہیں وہ صرف ظن کے پیچھے چلتے ہیں اور نرا جھوٹ بولتے ہیں ۱۴۱۶

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ إِنَّ فِىْ ذٰلِكَ ۶۷

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشنی دینے والا بنایا یقیناً اس میں ان لوگوں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۞ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۗ هُوَ الْغَنِىُّ ۗ لَهٗ ۶۸

کے لئے نشان ہیں جو سنتے ہیں ۱۴۱۷ کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنایا وہ اس سے پاک ہے وہ بے نیاز ہے اسی کا ہے

مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ ۗ إِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۢ بِهٰذَا ۗ أَتَقُوْلُوْنَ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں کیا تم اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ قُلْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۞ ۶۹

(جھوٹ) کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ۱۴۱۸ کہو وہ جو اللہ پر جھوٹ بناتے ہیں کامیاب نہیں ہونگے

الثلثة

مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۞ ۷۰

دنیا کا سامان ہے پھر ہماری طرف انہیں لوٹ کر آنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائینگے اسلئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

۱۴۱۶ پہلی آیت کے مضمون کو اور واضح کیا ہے کہ حکومت اور بادشاہت سب اللہ کی ہے اور کسی کو خدا کا شریک سمجھ کر پکارنا اس خیال سے کہ اس سے کچھ نفع پہنچے گا بے سود ہے اس لئے کہ یہ صرف جھوٹ اور وہم کی پیروی ہے حقیقت میں وہ کوئی شے ہی نہیں جس کی وہ پیروی کرتے ہیں ما یتبع الذین یعنی ای شیء یتبع یہ کس چیز کی پیروی کرتے ہیں گویا وہ کچھ بھی نہیں خرص کے معنی کیلئے دیکھو ۱۰۲۲

۱۴۱۷ رات کا آرام انسان کو کام کے قابل بناتا ہے اور دن کی روشنی میں وہ کام کرتا ہے یہ دن اور رات اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں پس نفع نقصان کا مالک وہی ہے جو سامانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یا یہ اشارہ ہے کہ جس طرح رات جسمانی سکون کا موجب ہے اسی طرح روحانی سکون کا موجب بھی ہے کیونکہ رات کی عبادت سے خصوصیت سے تسکین قلب حاصل ہوتی ہے اور ایسا ہی دن جس طرح جسمانی طور پر روشنی دیتا ہے ایسا ہی روحانی طور پر بھی۔

شرک اتخاذ ولد

۱۴۱۸ جب شرک کا ذکر کیا تو اس سب سے بڑے شرک کا بھی ذکر کیا جو دنیا میں پھیل جانے والا تھا اور یہ بھی بتایا کہ اس شرک کی بھی کوئی دلیل انکے ہاتھ میں نہیں اور آیت ۷۰ میں ان کی ظاہری حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کی زندگی کے سامان اگر انہیں میسر آتے ہیں تو یہ عارضی اور چند روزہ بات ہے حقیقی راحت کے سامانوں سے وہ محروم ہیں اس لئے انجام دکھ ہی دکھ ہے۔

سیپارہ ۱۱ ع ۱۳ — نوح اور موسیٰ کی مثالیں

۷۱ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي

اور ان پر نوح کی خبر پڑھ جب اس نے اپنی قوم کو کہا اے میری قوم اگر تمہیں میرا ٹھہرنا

وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

اور میرا اللہ کی آیات سے نصیحت کرنا برا معلوم ہوتا ہے اور میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے تو اپنے معاملہ کو اپنے شریکوں کے ساتھ پختہ کر لو پھر تمہارا معاملہ

۷۲ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ

تم پر مشکوک نہ رہے پھر میرے ساتھ (وہ بات) کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو [۱۲۱۹] پھر اگر تم پھر جاؤ تو میں تم سے کوئی اجر

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

نہیں مانگتا میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ۔

مقام — **۱۲۱۹** مقام مصدر بھی ہو سکتا ہے اور قیام سے اسم مکان اور اسم زمان بھی ۔ اور یہاں مصدر بھی ہو سکتا ہے یعنی مراد یہ ہو کہ میرا تمہارے درمیان ٹھہرنا تمہیں برا معلوم ہوتا ہے اور یا اسم مکان لیکر اس سے ایماء اپنے نفس کی طرف ہو سکتا ہے ۔

اجمع — اجمعوا امرکم۔ اجمعت کذا اکثر اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جہاں جمع سے کسی امر کی طرف اجتماع فکر سے پہنچنا مراد ہو۔ فاجمعوا کیدکم (طٰہٰ ۲۰ ـ ۶۴) اور اجمع المسلمون علی کذا سے مراد ہے کہ مسلمانوں کی رائیں اس امر پر مجتمع ہو گئیں ۔ اور ان

امر جامع — الناس قد جمعوا لکم (آل عمران ۳ ـ ۱۷۳) میں رائوں کا اجتماع بھی مراد ہو سکتا ہے اور لشکروں کا بھی ۔ اور اَمْرٌ جَامِعٌ اس

جمع امرہٗ ۔ اجمعہ — عظیم الشان امر کو کہتے ہیں جس کے لئے لوگ اکٹھے ہو جائیں واذا کانوا معہ علیٰ امر جامع (النور ۲۴ ـ ۶۲) (رغ) اور جَمَعَ اَمْرَهٗ اور اَجْمَعَهٗ کے معنی ہیں عزم علیہ یعنی اس پر عزم کر لیا اور اجمعوا امرکم وشرکاءکم میں و بمعنی مع ہے یعنی اجمعوا امرکم مع شرکاءکم اور بعض نے وادعوا شرکاءکم مراد لیا ہے ۔

غمّۃ — غمّۃ ۔ غمّ ۔ کے اصل معنی ڈھانکنا ہیں ۔ اور اَمْرٌ غُمَّةٌ اس امر کو کہتے ہیں جو مبہم اور مشکوک ہو (ل)

قضاء — اقضوا الیّ ۔ قضاء ۔ کسی امر کا فیصلہ کر دینا ہے قول سے ہو یا فعل سے اور یہاں قضاء فعل سے ہے یعنی اس اپنے فیصلہ کو میرے متعلق عمل میں لے آؤ فاذا قضیتم مناسککم (البقرۃ ۲ ـ ۲۰۰) اور ایما الاجلین قضیت (القصص ۲۸ ـ ۲۸) میں بھی قضائے فعلی ہی ہے ۔

انحضرت صلعم کو چیلنج — رسول اللہ صلعم کی تکذیب کا ذکر تھا ۔ اسی میں قرآن کریم کے مومنوں کو مقامات عالیہ پر پہنچانے کا ذکر آیا ۔ اب پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے اور مثال کے رنگ میں پہلے انبیاء کی تکذیب اور اس کے نتائج کو پیش کیا ہے مگر اصل ذکر آنحضرت کا مقصود ہے اور آپ کے ہی مخالفوں کو ان الفاظ میں خطاب ہے کہ تم جو کچھ طاقت رکھتے ہو میرے خلاف کر گزرو ۔ میری ہلاکت کا عزم کر لو ۔ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے مہلت بھی نہ دو اور جو کرنا چاہتے ہو فوراً کر گزرو ۔ اس شدید مخالفت کے اندر اور کفار کے اس جوش کے اندر جو ان میں پہلے ہی پھیلا ہوا تھا ان الفاظ میں دشمنوں کو یہ کہنا کہ تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے میری مخالفت پر زور لگا لو اور میری تباہی کے سامان کر لو انسان کا کام نہ ہو سکتا تھا چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں چند بے بس دوست ہیں وہ گھروں سے نکل چکے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر کس قدر ایمان ہے کہ یہ پیغام پورے زور کے ساتھ دشمنوں کو پہنچاتے ہیں ۔

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَٰهُ وَمَن مَّعَهُۥ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَعَلْنَٰهُمْ خَلَٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا ٱلَّذِينَ ۷۳

پر انہوں نے اسے جھٹلایا سو ہم نے اسے اور انہیں جو اسکے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور انہیں جانشین بنایا اور انہیں غرق کر دیا

كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُنذَرِينَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِۦ ۷۴

جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ تو دیکھ لو کہ جو ڈرائے گئے تھے ان کا انجام کیسا ہوا پھر ہم نے اس کے بعد اپنی (اپنی)

رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَآءُوهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَمَا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوا۟ بِمَا كَذَّبُوا۟ بِهِۦ مِن

قوم کیطرف رسول بھیجے، اور وہ انکے پاس کھلی دلائل لائے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ اس پر ایمان لاتے جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح

قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ ٱلْمُعْتَدِينَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَ ۷۵

ہم حد سے گزر جانیوالوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ۱۴۲۰ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور

هَٰرُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِي۟هِۦ بِـَٔايَٰتِنَا فَٱسْتَكْبَرُوا۟ وَكَانُوا۟ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝

ہارون کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا پر انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوٓا۟ إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ قَالَ مُوسَىٰٓ أَتَقُولُونَ ۷۶ ۷۷

سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا انہوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ ٱلسَّٰحِرُونَ ۝ قَالُوٓا۟ أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا ۷۸

(یہ) کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتے انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے

وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا ٱلْكِبْرِيَآءُ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ۝

۱۴۲۱ کہ ہمیں اس (راہ) سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا اور تم دونوں کیلئے ملک میں بڑائی ہو اور ہم تم دونوں پر ایمان لانیوالے نہیں

ہر رسول ایک قوم کی طرف آیا

۱۴۲۰ الیٰ قومہم میں بتایا کہ ہر ایک رسول کو ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا۔ ان رسولوں کا ذکر چھوڑ دیا ہے حضرت نوح کی بعثت بھی عام نہ تھی جیسا کہ انا ارسلنا نوحا الیٰ قومہ (نوح ۷۱ - ۱) سے ظاہر ہے اور اس کا سارا خطاب اپنی قوم سے ہی پایا جاتا ہے۔ اور جو فرمایا کہ جس بات کو پہلے جھٹلایا اس پر ایمان نہ لائے تو مطلب یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یکساں سلوک کیا یعنی پہلے ہی بغیر سوچے سمجھے جھٹلا دیا پھر مخالفت اور تکذیب پر اڑ گئے کیونکہ دلوں میں نفرت اور بغض بیٹھ گیا ۔

لفت ۔ التفات

۱۴۲۱ لتلفت ۔ لفت کے معنی صرف ہیں یعنی پھیر دیا۔ اسی سے التفات ہے ایک طرف سے ہٹکر دوسری طرف متوجہ ہونا

ان آیات میں سحر اور ساحر دھوکہ اور دھوکہ باز کے معنی میں ہی ہے ۔

۷۹ ۸۰ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ○ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا

اور فرعون نے کہا ہر ایک علم والے ساحر کو میرے پاس لے آؤ سو جب ساحر آگئے موسیٰ نے انہیں کہا ڈالو

۸۱ مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ○ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ

جو تم ڈالنے والے ہو تو جب ڈال چکے موسیٰ نے کہا جو تم لائے ہو یہ دھوکا ہے اللہ اسکو ابھی باطل کر دکھائیگا کیونکہ

۸۲ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ○ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ○ ع

اللہ فساد کرنے والوں کے کام کو بننے نہیں دیتا اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھائیگا گو مجرم برا منائیں ۱۴۲۲

ع ۱۰ / ۹ — فرعون کی تباہی

۸۳ فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّن فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ

تاہم موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم کے کچھ لوگ (ذریہ) فرعون اور ان کے سرداروں کے خوف سے (ڈرتے تھے) کہ انہیں دکھ دیگا

۸۴ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ○ وَقَالَ مُوسَىٰ

اور فرعون یقیناً ملک میں سرکش تھا اور وہ یقیناً خطا کاروں میں سے تھا ۱۴۲۳ اور موسیٰ نے کہا

يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ

اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو

موسیٰ کا غلبہ بذریعہ کلمات

۱۴۲۲ یہ آخری الفاظ بتاتے ہیں کہ احقاق حق بذریعہ ان کلمات کے ہوا جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو سکھائے تھے اور یہی بات حضرت موسیٰ کے آخری غلبہ کا موجب ہوئی۔

ذریۃ

۱۴۲۳ ذریۃ۔ دیکھو ۱۸۶ اور اس میں باپ بیٹے اولاد عورتیں سب شامل ہیں انا حملنا ذریتهم فی الفلك المشحون (یٰس ۳۶: ۴۱) (ل) اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے کسی جنگ میں ایک عورت کو قتل ہوا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ جنگ کرنا نہ چاہئے تھا۔ اور پھر آپ نے خالد کے پاس آدمی بھیجا اور حکم دیا لا تقتل ذریة ولا عسیفا۔ جہاں ذریۃ کی تشریح میں ابن اثیر لکھتے ہیں یجمع نسل الانسان من ذکر وانثیٰ (ن) یعنی ذریۃ سے مراد نسل انسان ہے مرد اور عورتیں دونوں اس میں شامل ہیں۔

موسیٰ پر پہلے ایمان لانے والے

ذریۃ من قومہ میں مراد بعض نے قوم بنی اسرائیل اور بعض نے قوم فرعون لی ہے مگر ترجیح قول اول کو ہے (ح) سیاق عبارت بھی یہی چاہتا ہے۔ کیونکہ آگے ذکر موسیٰ کی قوم کا ہی چلتا ہے اور ذریۃ سے مراد یہاں ابن عباس کے نزدیک قلیل ہے یعنی تھوڑے لوگ اور بعض نے اولاد مراد لی ہے یعنی ان کے باپ مدت گزر جانے سے مر چکے تھے اور ملائهم میں ضمیر ذریۃ کی طرف بلحاظ

بنی اسرائیل کے بڑے لوگ اور قوم کی بیخ کنی

معنی جاتی ہے یا قوم کی طرف یا تو فرعون کی قوم کے سرداروں کو بنی اسرائیل کے سردار کہا ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل محکوم تھے اور یا ملائهم سے مراد واقعی بنی اسرائیل کے بڑے لوگ ہیں کیونکہ فرعون انہی لوگوں کے ذریعہ سے بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا جیسا کہ دوسری جگہ قارون کا ذکر صاف الفاظ میں ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ خود غرض لوگ اپنے ذاتی رسوخ اور مالی فائدہ کے لئے اپنی ہی قوم کی جڑیں کاٹنے کیلئے مستعد رہتے ہیں جیسے آج کل بھی بہتیرے مسلمانوں کی یہ حالت ہے

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا ۸۵

تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو تو انہوں نے کہا اللہ پر ہی ہم بھروسہ کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى ۸۶ ۸۷

ظالم لوگوں کے ظلم کا تختۂ مشق نہ بنا ۱۴۲۴ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے

وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ

بھائی کیطرف وحی کی کہ اپنی قوم کیلئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو مسجدیں بناؤ اور نماز کو قایم کرو اور مومنوں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۸۸

خوشخبری دو ۱۴۲۵ اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اسکے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آسایش کا سامان اور بہت مال دیا ہے

کہ کوئی عہدہ ان کو حکومت میں ملتا ہو یا کسی عزت کی خواہش ہوتی ہو تو اپنی ہی قوم کی بیخکنی کو اس کا ذریعہ بناتے ہیں۔ پس مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے بھی بہت سے لوگ فرعون اور اپنے نمبرداروں کے خوف سے حضرت موسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ ابتدا کا ذکر ہے اور یہاں قوم فرعون کا ذکر نہیں۔ گو ان میں سے بھی چند ایک لوگ جیسے خود ساحر اور رجل مومن مذکورہ سورت المومن حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے +

فتنۃ

۱۴۲۴ فتنۃ کے اصل معنی دکھ اور عذاب ہیں اور یہاں مراد فتنہ کا محل ہو گویا اس عذاب اور تکلیف سے نجات مانگی ہے جو فرعون کی طرف سے ان کو پہنچتا تھا +

۱۴۲۵ قبلۃ سے مراد یہاں مجازاً نماز کی جگہ یا مسجد ہے جیسے دوسری جگہ مصلّٰی یا نماز کی جگہ سے مراد قبلہ ہے دیکھو ۱۵۸

بنی اسرائیل کی نجات کا سامان

بنی اسرائیل مصر میں تو رہتے ہی تھے اس لئے حضرت موسیٰ کو یہ وحی کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنی قوم کو فرعون کے پنجہ سے چھڑاؤ چنانچہ حضرت موسیٰ کا پہلا مطالبہ فرعون سے یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو فارسل معی بنی اسرائیل (الاعراف۔ ۱۰۵) لیکن فرعون نے اس کی اجازت نہ دی اور اپنے شدائد اور مظالم کو بنی اسرائیل پر اور سخت کیا اور چونکہ خود بنی اسرائیل بھی عرصہ دراز تک محکومیت کی حالت میں رہنے سے ان اخلاق فاضلہ سے عاری ہو چکے تھے جن سے قوم کو بادشاہت مل سکتی ہے اس لئے حکم ہوا کہ ابھی کچھ مدت ملک مصر میں رہنا ہوگا مگر یہ تمہارا رہنا بیکار نہ ہو بلکہ اپنی گھروں کو مسجدیں بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعا میں لگ جاؤ اور نماز کو قایم کرو تاکہ تمہارے اندر اخلاق فاضلہ پیدا ہوں جیسا کہ دوسری جگہ بھی فرمایا استعینوا باللہ (الاعراف۔ ۱۲۸) یہی ان کی مشکلات کا علاج تھا۔ قوموں کے اندر جب ان کی حالت

حکومت اصل نصب العین نہیں

گر چکی ہو اخلاق فاضلہ کا پیدا کرنا آسان امر نہیں ہوتا ایک عرصہ دراز کو چاہتا ہے۔ آج مسلمان اس صحیح تعلیم قرآن کی پروا تک نہیں کرتے اور حکومت اور بادشاہت کو اپنا پہلا اور آخری نصب العین بنا کر راہ صواب سے ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور اپنی قوم کی اصلاح اس طریق سے کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جس طریق سے ایسے ہی حالات کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنی قوم کی اصلاح کا حکم دیا تھا +

ہارون کو وحی

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کو ہوتی تھی۔ اور یہاں ذکر بھی دو

رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا

اے ہمارے رب نتیجہ یہ ہو کہ وہ تیرے رستہ سے بہکاتے ہیں اے ہمارے رب انکے مالوں کو برباد کر دے اور انکے دلوں پر حملہ کر سو وہ ایمان

۸۹ يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا

نہ لائیں یہانتک کہ دردناک عذاب دیکھیں ۱۴۲۶ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان

۹۰ تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

لوگوں کے رستہ کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کر دیا پھر فرعون اور اسکے لشکر نے

وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ

زیادتی اور ظلم کے لئے انکا پیچھا کیا یہانتک کہ جب اسے غرق ہونے نے آ لیا. کہا میں ایمان لایا کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل

۹۱ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝

ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۱۴۲۷ کیا اب (ایمان لاتا ہے) اور پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔

باتوں کا ہی ایک مصر میں اقامت کرنے کا دوسرا نماز کا اور نماز کی امامت کا کام حضرت ہارون کے سپرد تھا۔

۱۴۲۶ لیضلوا میں لام عاقبت کا ہے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مال اس لئے دیا تھا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں بلکہ مال دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا۔

شدد

اشدد۔ شدّ کے معنی مضبوط باندھنا ہیں وشددنا اسرھم (الدھر ۷۶-۲۸) فشدوا الوثاق (محمد ۴۷-۴) (رغ) اور شدّ علیہ کے معنی ہیں حمل علیہ اس پر حملہ کیا (ت)۔

حضرت موسیٰ کی دعا فرعون کی تباہی کیلئے

حضرت موسیٰ کی یہ دعا اس وقت کی ہے جب فرعون کے سامنے ہر قسم کے نشان اور دلائل دیئے جا چکے ہیں اور بار بار نشان دیکھ کر اور ایمان لانے کا وعدہ کر کے وہ اس سے انحراف کر چکا ہے اور بنی اسرائیل پر سختی کو اور بڑھا دیا ہے لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک (الاعراف ۷-۱۳۴) جب چھوٹی چھوٹی تکالیف سے انسان اپنی اصلاح نہیں کرتا تو پھر بڑی تکالیف اس پر آتی ہیں۔ اسی کی طرف آیت کے آخری الفاظ میں اشارہ ہے فرعون کو جس چیز نے حق سے روکا وہ مال ہے اس لئے اس کی تباہی کی دعا کی گویا جس مال نے حق سے روکا تھا وہ بھی باقی نہ رہے اشدد علی قلوبھم کے معنی عموماً مفسرین نے یوں کئے ہیں کہ انکے دلوں پر مہر کر دے یا ان کے دلوں کو سخت کر دے مگر شدد کا صلہ علی ہو تو اس کے معنی حملہ کرنے کے لغت میں آتے ہیں اور دلوں پر حملہ کرنے سے مراد دلوں کی محبوب چیزوں کو الگ کر دینا ہے گویا وہ چیزیں جن کی محبت نے انہیں حق سے پھیرا ہے ان سے چھین لی جائیں اور اگر دلوں کو سخت کرنے کے معنی ہی لئے جائیں تو یہ دعا چونکہ ان کی سزا کے لئے ہے اس لئے ایسے اعدائے حق کیلئے ایسی دعا بھی قابل اعتراض نہیں گو اس میں سختی کا پہلو غالب ہے۔

فرعون کا ایمان موت کے وقت

۱۴۲۷ فرعون کی توبہ یا مرتے وقت ایمان لانے کا ذکر بائیبل میں نہیں مگر قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کو ایک دوسرے امر کے ساتھ وابستہ کیا ہے یعنی اس کی لاش کے باہر پھینکے جانے سے دیکھو اگلی آیت اس کا ذکر بھی کسی تاریخ میں نہیں

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ ۹۲

سو آج ہم تیری لاش کو باہر نکال دینگے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان ہو اور یقیناً بہت سے لوگ ہمارے

اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۹۳

نشانوں سے بےخبر ہیں ۱۲۲۸ اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو اعلیٰ مقام میں جگہ دی اور ان کو ستھری چیزوں سے رزق دیا

ع ۹

تکذیب سے رک جانے پر عذاب ٹل سکتا ہے

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

تو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہانتک کہ انکے پاس علم آیا۔ تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریگا جن میں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ ۹۴

وہ اختلاف کرتے تھے ۱۲۲۹ (اے سننے والے) اگر تجھے اس کے متعلق شک ہو جو ہم نے تیری طرف اُتارا تو ان لوگوں سے پوچھ

مگر آج واقعات نے اس کو صحیح ثابت کر کے اس دوسرے امر کی صداقت پر بھی مہر لگا دی اور یوں بتا دیا کہ قرآن کریم بائبل سے نہیں لیتا اور عجیب بات یہ ہے کہ گو بائبل میں یہ ذکر نہیں مگر طالمود میں خروج ۹ : ۱۶ کی تفسیر کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ فرعون نے توبہ کی تھی +

فرعون کی لاش اور قرآن کریم کا معجزہ

۱۲۲۸ ننجیك ببدنك۔ نجات کے ساتھ بدن کے لفظ کو اس لئے بڑھایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ لاش بلا روح تھی (ج) قرآن کریم کی صداقت کے عظیم الشان نشانوں میں سے یہ ایک نشان ہے کہ اس بات کا پتہ دیا جس کا اس زمانہ میں کسی کو علم تک بھی نہ تھا لیکن آج واقعات اسے صحیح ثابت کرتے ہیں بلکہ اس کی صحت کا ایسا پختہ ثبوت ملتا ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا نہ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو باہر پھینکنے کا ذکر ہے۔ مگر قرآن کریم نے یہ ذکر ایسے کھلے الفاظ میں کیا ہے کہ ان الفاظ کے یہی معنی تمام مفسرین کرتے آئے ہیں کہ فرعون کی لاش کو اللہ تعالیٰ نے سمندر سے باہر نکال پھینکا تھا حضرت موسیٰ کے مقابل میں جو فرعون تھا اسکا نام تاریخ سے رعمیس ثانی ثابت ہے اور انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں مضمون ممی کے نیچے لکھا ہے کہ رعمیس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے جو مصالح وغیرہ کے ذریعہ سے رکھی جاتی ہیں آج ان الفاظ لتکون لمن خلفك اٰیة کی شوکت کے سامنے دنیا کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کلام صرف خدائے عالم الغیب کا ہو سکتا تھا۔ آج سے تیرہ سو سال پیشتر ایک عرب کے اُمّی کی زبان سے ایک بات کا اظہار کرایا جاتا ہے جس سے دنیا بے خبر تھی اور آج واقعات اسے صحیح ثابت کرتے ہیں بہت سے لوگوں کے آیات اللہ سے بے خبر ہونے میں بھی اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ تک بے خبر رہنے کے بعد دنیا کو یہ پتہ لگے گا۔ دنیا کی کوئی مذہبی کتاب اس قسم کا بیّن ثبوت خدائے عالم الغیب کی طرف سے ہونے کا پیش نہیں کر سکتی +

مبوّأ صدق

۱۲۲۹ مبوّأ صدق۔ مبوّأ۔ بواء سے مکان کے معنی میں ہے اور صدق کے مقام سے مراد اچھا مقام ہے دیکھو ۱۲۷۱ اور خلیل کا قول ہے کہ ہر کامل چیز کو صدق کہا جاتا ہے اور مبوأ صدق کے معنی تھے ہیں منزل صالح (ت) یعنی ایسا مقام جو ہر طرح کی صلاحیت رکھتا ہے +

بنی اسرائیل پر نعمت الٰہی ان کی حالت

آیت کے پہلے حصہ میں یہ ذکر ہے کہ فرعون کے ہاتھ سے نجات دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مقام صدق عطا فرمایا

يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں یقیناً تیرے پاس تیرے رب کیطرف سے حق آیا ہو پس تو جھگڑا کرنیوالوں میں سے نہ ہو ۱۲۳۰

اور مقام یا جگہ کا کمال یہ ہو کہ اس میں رہنے والوں کو ہر طرح کے فوائد حاصل ہوں اور وہ اچھی سے اچھی جگہ اور اعلےٰ مقام ہو اور یہاں اشارہ ارض مقدس کی طرف ہو جہاں نہ صرف وہ دوسری قوم کی غلامی سے آزاد تھے بلکہ ان کو عمدہ سے عمدہ چیزیں بھی وہاں میسر تھیں اور طیبات کے رزق میں بادشاہت بھی شامل ہو اور علوم بھی جو بذریعہ انبیاء ان کو دیئے گئے اور دوسری جگہ اس کی تصریح یوں فرمائی ہو اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا و اٰتٰکم ما لم یؤت احدا من العٰلمین (المائدۃ ۲۰) کیونکہ رزق کا لفظ وسیع ہے یہ تو ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ دوسرے حصہ آیت میں ان کی موجودہ حالت کا ذکر کیا جب باوجود علم کے انہوں نے اختلاف کیا اور اختلاف سے مراد رسول اللہ صلعم کے معاملہ میں اختلاف یا آپکی مخالفت ہو دیکھو ۲۱۶

شک

۱۲۳۰ شک کسی شخص کے نزدیک دو امور کا جو ایک دوسرے کے نقیض ہیں یکساں اور مساوی ہونا شک ہو اور یہ یا اس لئے ہوتا ہو کہ اس شخص کے نزدیک دونوں میں یکساں نشانات پائے جاتے ہیں یا دونوں میں یکساں نشان نہیں پائے جاتے اور شک کبھی تو کسی شے کے متعلق ہوتا ہو کہ وہ موجود ہے یا نہیں اور کبھی اس کی جنس کے متعلق ہوتا ہو کہ یہ کس جنس میں سے ہو اور کبھی اس کی بعض صفات میں ہوتا ہو اور کبھی اس غرض میں ہوتا ہو جس کے لئے وہ چیز وجود میں لائی گئی ہو اور شک ایک قسم کی جہالت ہو مگر جہالت عام ہو اور یہ خاص اور ہر ایک شک جہالت ہو گو ہر جہالت شک نہیں (غ)۔

آنحضرت صلعم کو قرآن کریم کے متعلق کبھی شک نہ تھا نہ ہو سکتا تھا۔

یہاں خطاب کس سے ہو؟ یہ ایک ایسا بین امر ہو کہ جس پر چنداں بحث کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم میں بسا اوقات خطاب عام ہوتا ہو گو مخاطب واحد ہو اور ہر مخاطب واحد نبی صلعم نہیں۔ بلکہ بعض جگہ نبی کے نام سے بھی خطاب ہو تو مراد عالم ہوتی ہو یا یہا النبی اذا طلقتم النساء (الطلاق ۶۵-۱) یہاں ایسے مخاطب کا ذکر ہو جس کو قرآن کے بارہ میں شک ہو اور شک کے معنی اوپر بیان ہو چکے کہ دو نقیض باتوں میں مساوات اور اعتدال مثلاً شک اس شخص کو ہوگا جو فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو یا افترا ہو۔ اب ظاہر ہو کہ نبی صلعم کو ایسا خیال ہونا قطعی طور پر ناممکن ہو یہاں تک کہ بڑے بڑے مخالفین نے اس بات کا اعتراف کیا ہو کہ رسول اللہ صلعم اپنے آپ کو سچائی پر یقین کرتے تھے اور مکی زمانہ کے متعلق جب کی یہ سورت ہو بالخصوص یہ اعتراف اکثر عیسائیوں کو ہو۔ پھر قرآن کے بارہ میں آپ کو شک ہونا بالکل بے معنی بات ہو۔ اگر نعوذ باللہ من ذلک آپ افترا کر رہے تھے تو بھی آپ کو علم تھا کہ میں افترا کر رہا ہوں۔ اور اگر افترا نہیں کر رہے تھے تو بھی علم تھا کہ میں افترا نہیں کر رہا۔ قرآن کے متعلق کسی دوسرے کو شک ہو سکتا ہو خود رسول اللہ صلعم کو دونوں صورتوں میں شک نہیں ہو سکتا یعنی خواہ دشمن سچے ہوں یا جھوٹے آپ کو شک کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ شک جہالت کا نام ہو اور آپ کو علم ہو کہ یہ کیا ہو شک کا لفظ انہی لوگوں کے متعلق ہو سکتا ہے جو ایک درمیانی اور تذبذب کی حالت میں ہیں۔ نہیں جانتے کہ اسے سچا کہیں نہ یہ کہ اسے جھوٹا کہیں کبھی ایک بات کہتے ہیں کبھی دوسری پھر جس شخص کے اندر اس قدر قوت یقین بھری ہوئی ہو کہ سینکڑوں دلوں کے اندر ایسا یقین پیدا کر دے کہ وہ موت کے منہ میں جانا قبول کریں مگر قرآن کو نہ چھوڑیں کیا اس کے متعلق کہا جا سکتا ہو کہ اس کو شک ہو اور اس سے اگلی آیت نے یہ بالکل واضح کر دیا کیونکہ وہاں فرمایا کہ تو جھٹلانے والوں میں سے نہ ہو۔ یہاں بھی خطاب واحد ہو اگر شک کرنے والے نعوذ باللہ نبی صلعم ہیں تو جھٹلانے والے بھی وہی ہونگے جو ایک ایسی بدیہی باطل بات ہو کہ اس کے لئے کوئی دلیل بکار نہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ صفائی سے آیت ۱۰۴ میں فرمایا یا یہا الناس ان کنتم فی شک من دینی اے لوگو اگر تمہیں میرے دین کے متعلق کچھ شک ہو جس سے معلوم ہوا کہ وہی لوگ جن کو یہاں بصیغہ واحد خطاب کیا ہو وہاں بصیغہ جمع خطاب کر کے بات کو صاف

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ۹۵

اور تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ورنہ تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ۹۶ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا ۹۷

وہ لوگ جن پر تیرے رب کی بات پوری ہوگئی ایمان نہیں لائیں گے اور گو ان کے پاس ہر ایک نشان آجائے یہاں تک کہ

الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا ۹۸

دردناک عذاب کو دیکھیں [۱۲۳۱] تو کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا ہاں یونس کی قوم (تھی)، جب وہ

آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝

ایمان لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ان کو ایک وقت تک سامان دیا [۱۲۳۲]

کر دیا ہو کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے اور اسی آیت کے آخر پر ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہو کہ میں مومنوں میں سے ہوں پس آپ ہی شک کرنے والے کس طرح ہو سکتے ہیں اور ما انزلنا الیک اس کے خلاف نہیں کیونکہ قرآن شریف میں بار بار قرآن کریم کی طرف نزول کا ذکر ہے یایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا (النساء ۴ ـ ۱۷۵) اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں +

عبداللہ بن سلام

بعض مفسرین نے غلطی سے فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک میں عبداللہ بن سلام کا ذکر کر دیا ہو حالانکہ وہ مدینہ میں ایمان لائے اور یہ سورت مکی ہو اور وہ رسول اللہ صلعم کی صداقت پر ایمان لائے تھے نہ کہ رسول اللہ صلعم ان سے دریافت کر کے اپنی صداقت پر ایمان لائے تھے۔ اور یہ غلطی خود اس سے ظاہر ہے کہ ابن جریر میں کئی روایتیں موجود ہیں کہ نبی کریم صلعم نے نہ کبھی شک کیا اور نہ سوال کیا بلکہ بعض روایتوں میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا اشک ولا اسئل نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ سوال کرتا ہوں جس میں صاف طور پر یہ سمجھا دیا کہ میرے متعلق یہ آیت نہیں بلکہ اس میں خطاب دوسرے لوگوں سے ہو۔ اور یہ امر واقعات تاریخی میں سے ہو کہ نبی کریم صلعم نے کبھی کسی اہل کتاب سے کسی امر کے متعلق اس غرض سے سوال نہیں کیا کہ وہ کسی حقیقت کو آپ پر منکشف کر دے +

۱۲۳۱ اللہ تعالے کا وہ کونسا کلام تھا جو ایسے لوگوں کے حق میں پورا ہوا سو ظاہر ہے کہ وہ وہی سزائے تکذیب ہے جس کا ذکر چل رہا ہو اور پچھلی آیت میں اس تکذیب کا ذکر پھر بھی کر دیا ہو +

یونس

۱۲۳۲ یونس۔ بائبل میں یہ نام یوناہ ہو اور ان کی ایک مختصر سی کتاب بائبل کے مجموعہ کتب انبیاء میں موجود ہے۔ ان کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یونس کا ذکر علاوہ اس مقام کے الانعام ۶ ـ ۸۷ ـ الانبیاء ۲۱ ـ ۸۷ ـ الصّٰفّٰت ۳۷ ـ ۱۳۹ تا ۱۴۸ ـ القلم ۶۸ ـ ۴۸ تا ۵۰ میں ہو ان کا پیغام اہل نینوہ کی طرف تھا اور نینوہ اس زمانہ میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کا دار الخلافہ تھا جو دنیا کے بڑے حصہ پر محیط تھی +

اہل نینوی اور عذاب

جہاں انبیاء کے مکذبین کی ہلاکت اور تباہی کا ذکر کیا ایک ایسے نبی کا بھی ذکر کر دیا جس کے مخالفین باوجود نہ ماننے کے آخر توبہ کر کے عذاب الٰہی سے بچ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی طرف حضرت یونس کو بھیجا گیا۔ ابن کثیر میں ہے کہ حضرت یونس نے

۹۹ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی

اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سبکے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا یہانتک

۱۰۰ یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ

کہ وہ ایمان لے آئیں ۱۴۳۳ اور کسی شخص کو یہ حاصل نہیں کہ سوائے اللہ کے اذن کے ایمان لائے اور وہ پلیدی کو انہی

۱۰۱ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ

پر ڈالتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱۴۳۴ کہو دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور

۱۰۲ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ

نشان اور ڈرانے والے ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو ایمان نہیں لاتے تو یہ صرف ایسے ہی دنوں کا انتظار

اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝

۱۴۳۵ کرتے ہیں جیسے ان پر آئے جو ان سے پہلے گزر چکے کہو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں ہوں

اہل نینوی کو عذاب سے ڈرایا مگر انہوں نے نہ مانا تب یونس ان کے درمیان سے چلے گئے (تاکہ عذاب کے مقام سے الگ ہو جائیں) تب ان لوگوں نے۔ . . . . اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب دور کر دیا پھر دو گروہ ہیں ایک کہتے ہیں کہ ان سے صرف عذاب دنیا دور کیا گیا اور عذاب اُخروی نہیں (گویا وہ فی الواقع ایمان نہ لائے تھے صرف عذاب کے خوف سے کچھ رجوع کیا) اور دوسرے کہتے ہیں کہ عذاب اُخروی بھی ان سے دور کیا گیا اور وہ ایمان لے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ایک نبی کی زبان سے وہ ظاہر بھی کر دی گئی ہوں اور گو رجوع کامل ہو جس میں ایمان صحیح ہو یا ناقص ہو کہ صرف عذاب کے خوف سے رجوع کیا جائے +

انذاری پیشگوئیوں کا ٹل جانا

حضرت یونس کے اس ذکر میں جو خصوصیت سے مکذبین کے انجام میں لایا گیا ہے یہ اشارہ ہے کہ آپکے مخالفین بھی آخر رجوع کرینگے اور وہ تباہ نہ کئے جائینگے اسی مخالفین پر رحم کیا جانے کی طرف ہی اشارہ اس حدیث میں معلوم ہوتا ہے جو نبی کریم نے فرمایا لاتفضلونی علی یونس مجھے یونس پر فضیلت مت دو +

۱۴۳۳ یہ تو کی زمانہ ہے اس لئے یہ شک پیدا نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلعم تلوار سے لوگوں کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ ایمان کا معاملہ تو خوشی کا ہے اس لئے جو ایمان لاتے ہیں لائیں +

اذن اللہ

۱۴۳۴ اذن اللہ سے کیا مراد ہے دیکھو ۱۲۳ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے اذن سے ہی ہوتا ہے وما کان لنفس ان تموت الا باذن (آل عمران۔ ۱۴۴) مگر فرمایا کہ کفر کی پلیدی اور ناپاکی انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ باقی رکھتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ سو جب ایک انسان عقل سے کام نہ لیگا تو اللہ کا اذن بھی اس کے متعلق نہ ہوگا +

۱۴۳۵ ایام کے لئے دیکھو ۵۲۴ مراد واقعات ہیں جو پہلوں پر گزرے یعنی جیسے مصائب ان پر آئے یہاں فرمایا کہ یہ ایام بھی آئینگے انتظار کرو اگلی آیت میں رسول اور مومنوں کے نجات پا جانے کو پھر بطور پیشگوئی واضح الفاظ میں بیان فرمایا +

ع ۱۰
آلہی فیصلہ

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ١٠٣ قُلْ يَا أَيُّهَا

پھر ہم اپنے رسولوں کو اور انہیں جو ایمان لائے نجات دیتے ہیں اسیطرح ہم پر حق ہے ہم مومنوں کو نجات دینگے ۱۴۳۶ کہو اے

النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن

لوگو اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر

دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ

عبادت کرتے ہو لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ ١٠٥

میں سے رہوں ۱۴۳۷ اور کہ تو اپنی توجہ کو راست روی کرتا ہوا دین کیلئے مضبوط رکھ اور مشرکوں میں سے نہ ہو ۱۴۳۸

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ ١٠٦

اور اللہ کو چھوڑ کر اسے نہ پکار جو نہ تجھے نفع دیتا ہے اور نہ نقصان دیتا ہے سو اگر تو کرے

اعدائے دین کے ظلم سے نجات

۱۴۳۶ جب پچھلی آیت میں عذاب کے انتظار کے لئے کہا تو اب بتایا کہ جب عذاب آتا ہے تو رسول اور ان کے ساتھ مومن نجات پا جاتے ہیں یعنی دشمنوں کے ظلم سے رہائی حاصل کر لیتے ہیں تو اس میں رسول اللہ صلعم اور آپکے ساتھیوں کو تسلی دی۔ اور دوبارہ فرمایا اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دینگے یعنی اعدائے دین کے ظلم سے چھڑانا صرف رسول سے مخصوص نہیں بلکہ جب کبھی مومنوں پر مصائب آئیں گی تو اسی طرح ہم ان کو بھی نجات دیتے رہیں گے۔ بلکہ درمیان میں حقا علینا لا کر اسے اور بھی موکد کیا ہے۔ اس قدر تاکید کے باوجود آج کس طرح مسلمان ملکوں کے ملک اور قوموں کی قومیں مصائب میں گرفتار ہیں۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ مومن نہیں بنتے۔ اگر مسلمان سچے دل سے مومن بن جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مصائب کو خود دور فرما دے +

۱۴۳۷ اللہ تعالیٰ کی توحید کے مضمون کو قرآن شریف نے بار بار دہرایا ہے اس صراحت کے ہوتے ہوئے کسی کو آپکے دین میں کیا شک ہو سکتا تھا با ایں ہمہ وضاحت کر دی جن کی تم عبادت کرتے ہو اسکی میں عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اُس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اس خاص صفت کے اختیار کرنے میں ایک تو یہ اشارہ ہے کہ جن انسانوں کو تم نے خدا یا خدا کی طرح سمجھا ہوا ہے وہ بھی آخر مرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ تمہارا کوئی معبود تمہیں موت سے نہیں بچا سکتا +

۱۴۳۸ اس آیت میں خطاب پھر بدل گیا ہے اوپر کی آیت میں تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہوں اور یہاں ہے کہ تو اپنی توجہ کو دین کے لئے مضبوط رکھ اور مشرکوں میں سے نہ ہو جس سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرا مخاطب مراد ہے اگلی آیت اور بھی اس کی وضاحت کرتی ہے۔ ۱۰۷ آیت تک یہی عام خطاب ہے اسی لئے آیت ۱۰۸ میں پھر دوبارہ فرمایا قل +

١٠٧ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ

تو اس وقت تو ظالموں میں سے ہوگا اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کے دور کرنیوالا کوئی نہیں

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ

اور اگر وہ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اسکے فضل کو رد کرنیوالا کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے پہنچاتا ہے

١٠٨ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

اور وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے کہو اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ

سو جو کوئی ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کیلئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے اسکی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور

١٠٩ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ⑪

میں تم پر داروغہ نہیں ہوں اور اسکی پیروی کر جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے

ع ۱۴۳۹ اس رکوع میں مومنوں اور کافروں کو الگ کرکے آخر پر فرمایا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی پیروی کئے جاؤ مشکلات سے اللہ تعالیٰ خود باہر نکالے گا اور دونوں گروہوں میں فیصلہ کرکے دکھاوے گا کہ حق پر کون ہے۔ ایسی صحیح آیات کا جن میں حق کی آخری کامیابی کو روز روشن کی طرح ظاہر کیا گیا ہے یہ اثر تھا کہ جب کفار کی مخالفت فتح مکہ کے ساتھ ٹوٹ گئی تو گروہوں کے گروہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے ۔

سورۃ ہود مکیۃ وھی مائۃ وثلث وعشرون ایۃ وعشرۃ رکوعات

ع ١

حق اور اس کے مخالف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ○ ١

میں اللہ دیکھتا ہوں۔ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں پر حکمت بنائی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں حکمت والے خبر والے (خدا) کی طرف سے ہو نوٹ ١٢٤٤

نام اس سورۃ کا نام ھود ہے اور اس میں دس رکوع اور ایک سو تیئس آیتیں ہیں گو اس میں حضرت نوح اور دیگر انبیاء کا بھی ذکر ہے مگر اس کا نام ہود اس خصوصیت کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ حضرت ہود پہلے نبی ہیں جو عرب میں ہوئے +

خلاصہ مضمون خلاصہ مضمون یہ سورت پچھلی سورت سے ملتا جلتا ہے اور یہ دونوں ایک ہی مضمون کی تکمیل کرتی ہیں مگر یہاں زیادہ تر مثالوں سے مطلب کو واضح کیا ہے پہلے رکوع میں حق اور اس کے مخالفین کا ذکر ہے دوسرے میں بتایا کہ بعض لوگ صرف دنیا کی طلب میں لگ جاتے ہیں۔ اور ان کے مقابل پر طالبان حق کا ذکر کیا تیسرے اور چوتھے رکوع میں حضرت نوح کا ذکر ہے پانچویں میں حضرت ہود کا چھٹے میں حضرت صالح کا ساتویں میں حضرت ابراہیم اور لوط کا۔ آٹھویں میں حضرت شعیب کا۔ نویں میں شقی اور سعید دونوں گروہوں کا الگ الگ ذکر کیا اور ان کا انجام بتایا اور دسویں میں نبی کریم صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو عظیم الشان مصائب میں تسلی دی +

تعلق یہ سات سورتیں یعنی یونس سے لے کر النحل تک قریباً ایک ہی مضمون پر ہیں یعنی صداقت وحی پر پچھلی سورت میں زیادہ تر علمی بحث تھی اس میں گزشتہ انبیاء اور ان کے مخالفین کی مثالیں دے کر سمجھایا ہے +

زمانہ نزول زمانہ نزول اس سورت کا وہی ہے جو سورت یونس کا ہے۔ اس بات سے کہ یہاں دس سورتوں کے مقابل میں لانے کی تحدی ہے اور سورۂ یونس میں ایک سورت کی۔ جو اس میں تحقیق ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ ہود بلحاظ نزول سورۂ یونس سے پہلے کی ہے +

احکم نوٹ ١٢٤٤ احکمت۔ اَحْكَمَ۔ اور حَكَمَ کے ایک معنی آتے ہیں مَنَعَهٗ عن الفساد یعنی اسے بگڑنے سے محفوظ کیا۔ اور اس کے یہاں ایک معنی کئے گئے ہیں باطل سے اسے محفوظ کیا۔ اور اَحْكَمَ الامر کے معنی ہیں اَتْقَنَهٗ یعنی اسے مضبوط کیا۔ اور اَحْكَمَتْهُ التجارب کے معنی ہیں تجربوں نے اسے حکیم یعنی صاحب حکمت بنا دیا (ل) اسی آخری معنی میں لفظ اُحْكِمَ کا استعمال یہاں معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ احکمت اٰیاتہ کے مقابلہ پر اللہ تعالیٰ کا اسم حکیم اور فصلت کے مقابلہ پر خبیر لایا گیا ہے +

قرآن میں اصول و فروع کا ضروری علم پچھلی سورت میں صرف الکتاب الحکیم فرمایا تھا یہاں تفصیل آیات شاید اس اشارہ کے لئے بڑھایا ہو کہ اس سورۃ میں اسی مضمون کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہو اور احکام سے اصل مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف سارا پر حکمت کلام ہے اور اس کی بنیاد علم پر ہے اور دوسری طرف اس میں تمام تفصیلات ضروری موجود ہیں۔ ضروریات انسانی کا کوئی پہلو نہیں جس پر اس میں بحث نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا تبیانا لکل شیٔ (النحل ١٦: ٨٩) گویا اس کے اصول بھی کامل ہیں اور فروع بھی +

٣ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ۝ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ

کہ اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نکرو یقیناً میں اسکی طرف سے تمہارے لئے ڈرانیوالا اور خوشخبری دینیوالا ہوں اور کہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر

تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ

اسکی طرف لوٹ آؤ وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک اچھے سامان سے فائدہ پہنچائیگا اور ہر ایک بزرگی والے پر اپنا

٤ فَضْلَهُ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ

فضل کرے گا اور اگر تم پھر جاؤ تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کے آنے کا ڈر ہے ١۴۴١ اللہ کی طرف ہی

٥ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا

تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سنو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ اس سے چھپے

مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ

رہیں سنو جب یہ اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں وہ جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں

٦ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

عشر ١٢ الجزو الثانی

کیونکہ وہ سینوں کی باتونکو جاننے والا ہے ١۴۴٢ع اور زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اللہ کے ذمہ ہی اس کا رزق ہے۔

ع١۴۴١ پہلے حصہ میں بیان فرمایا کہ اگر تم گناہوں سے استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرو تو اس سے تمہاری دنیا بگڑ نہیں جاتی بلکہ اس زندگی میں بھی اچھا سامان ملتا ہے۔ اور دوسرے حصہ میں ذی فضل سے مراد عمل صالح میں زیادتی والا ہے اور فضلہ میں ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل عظیم سے اسے دیتا ہے اور یا ضمیر اسی ذی فضل کی طرف ہے اور مراد اسکے فضل یعنی عمل صالح کی جزا ہے +

ثنی — **ع١۴۴٢** یثنون۔ ثنَیَ الشئَ کے معنی ہیں اس کے ایک حصہ کو دوسرے پر لوٹا یا یا تہ کیا۔ اور مروڑا بھی اسکے معنی آتے ہیں۔ اور

یثنون صدورہم — یثنون صدورھم کے معنی ہیں کہ محبت ظاہر کرتے ہیں اور سینوں میں بغض چھپاتے ہیں (ل) اور مجاہد نے مراد شک اور امترا لیا ہے (ج) اور یا اس سے مراد حق سے اعراض ہے کیونکہ جو شخص ایک چیز کو لیتا ہے اس کا سینہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اور جو اعراض کرتا ہے وہ اس پر پیٹھ پھیر لیتا ہے (ر) +

لیستخفوا منہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اپنی اس عداوت کو جو حق سے رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے چھپانا چاہتے ہیں

یستغشون ثیابہم — یستغشون ثیابہم کے معنی ہیں کپڑوں کو لپیٹتے ہیں اور مراد اس سے یا تو یہ ہے کہ اپنے کانوں پر لپیٹ لیتے ہیں گویا سننے سے اعراض کرتے ہیں اور یا یہ دوڑ جانے سے کنایہ ہے جس طرح شَمَّرَ ذَیْلاً اور اَلقیٰ ثَوْبَہٗ دوڑنے سے کنایہ ہے (غ)، و انی کلما دعوتہم لتغفر لہم جعلوا اصابعہم فی اٰذانہم واستغشوا ثیابہم (نوح ۷-٧١) میں یہی دو معنی مراد ہو سکتے ہیں اور یہ جو اس سے مراد لی گئی ہے کہ سونیکے وقت کپڑے اوڑھ لیتے ہیں (ر) تو یہ معنی اس موقعہ پر چسپاں نہیں اور یا مراد صرف چھپنا ہے

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ ۷

اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اسکے سونپا جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب ایک کھلی کتاب میں ہیں ۱۴۴۳ اور وہی ہے جس نے آسمانوں

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ

اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر ہے تاکہ تمہیں آزمائے کون تم میں سے

أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِن قُلْتَ إِنَّكُم مَّبْعُوثُونَ مِن بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اچھے عمل کرنیوالا ہے اور اگر تو کہے کہ تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں کہینگے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ ۸

یہ تو صریح جادو ہے ۱۴۴۴ اور اگر ہم ان سے عذاب کو ایک مقرر مدت تک پیچھے ڈال دیں

۱۴۴۳ دابۃ کے معنی کے لئے دیکھو ۲۰۲ اور مستقر اور مستودع کے لئے ۹۸۹۔

اللہ تعالیٰ کا رزق پہنچانا کس طرح پر ہے

تمام جانداروں کا رزق اللہ کے ذمہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے سب سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ انسان کو معاش یا رزق کی فکر نہیں کرنی چاہئے بلکہ آیت ۳ کے مضمون کی طرح اس کا مضمون ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے انسان سے دنیا کے سامان چھین نہیں جاتے بلکہ رزق تو ہر حال میں پہنچ سکتا ہے نیکی کے اختیار کرنے سے رزق نہیں رک جاتا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کفار طرح طرح کی اذیتیں مسلمانوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے قبل شعب ابی طالب میں محصور کر کے سامان خوراک وغیرہ بھی ان تک پہنچنا بند کر دیا تھا پس جب پچھلی آیت میں کفار کی عداوت کا ذکر کیا تو یہاں مسلمانوں کو تسلی دی کہ وہ رزق کے سامان کو تم سے نہیں چھین سکتے۔ اس کے یہ معنی لینا کہ گھر بیٹھے رہو وہیں رزق پہنچ جائے گا درست نہیں ہر ایک جانور اپنے رزق کی تلاش میں نکلتا ہے۔ چڑیا اور چیونٹی بھی رزق کی تلاش میں نکلتی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے سامان ان کیلئے بھی پیدا کر رکھے ہیں انسان کے لئے بھی اور یہاں پر دابۃ یعنی جاندار کا ذکر ہے اور جاندار اور بیجان میں جیسے نباتات وغیرہ امتیاز یہ ہے کہ جانداروں کو اپنا رزق اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے سامانوں سے تلاش کرنا پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قابل بنایا ہے کہ وہ چلیں اور پھریں اور نباتات وغیرہ اپنا رزق اسی حالت میں پالیتی ہیں جس حالت میں وہ ہوتی ہیں اور یہ جو فرمایا کہ اس کا مستقر اور مستودع جانتا ہے۔ تو اس میں دونوں زندگیوں کی طرف اشارہ ہے جس کی تصریح اگلی آیت میں فرمائی۔

۱۴۴۴ چھ یوم میں آسمان اور زمین کی پیدایش کے لئے دیکھو ۱۰۹۴۔ ابن جریر نے ضحاک اور کعب سے روایت کی ہے کہ یہ یوم ہزار سال کا تھا۔ مگر اصل حقیقت وہی ہے جو وہاں بیان ہوئی ہے کہ مراد چھ ایام سے چھ حالتیں ہیں اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ ہر حالت میں کتنا وقت لگا۔

کان عرشہ علی الماء سے مراد

کان عرشہ علی الماء۔ عرش کے لئے دیکھو ۱۰۹۵ مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ خلق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اور مسلم میں ہے کان اللہ تعالیٰ ولم یکن معہ شیٔ وکان عرشہ علی الماء جس کی تشریح میں ابن الکمال لکھتے ہیں کہ اس کے عرش سے مراد اس کی قیومیت ہے اور ماء میں اشارہ صفت حیات کی طرف ہے (د) جہاں تک عرش کا سوال ہے ۱۰۹۵ میں دلائل قطعیہ سے دکھایا جا چکا ہے کہ جس طرح کرسی سے مراد علم ہے۔ عرش سے مراد قدرت ہے پس عرش کے یا نفاذ قدرت کے پانی پر

لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ

تو کہینگے اسے کس چیز نے روک رکھا ہے سنو جس دن ان پر آئیگا پھر اُن سے ٹلیگا نہیں اور وہ چیز ان کو گھیرے گی جس پر یہ

۹ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ

ع ۲ / ۱۲ — طالبان حق اور طالبان دنیا

ہنسی کرتے تھے ۱۴۴۵ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھائیں پھر اسے اس سے لے لیں تو وہ

۱۰ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ

مایوس ناشکرگزار ہوجاتا ہے اور اگر ہم اسے دکھ کے بعد جو اسے پہنچا ہو سکھ چکھائیں تو کہتا ہے سب تکلیفیں

۱۱ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

مجھ سے جاتی رہیں یقیناً وہ اترانے والا ۱۴۴۶ شیخی خورا ہے سوائے انکے جو صبر کرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں

ہونے سے کیا مراد ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے جعلنا من الماء کل شیء حی (الانبیاء ۲۱-۳۰) ہر ایک زندہ چیز کو پانی سے بنایا اور یہاں اس سے پہلی آیت میں دابۃ یعنی جانداروں کا ذکر ہے پس قرینہ چاہتا ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر کیا تو جانداروں کی پیدائش کا بھی ذکر کیا اور اس سے انسان کی زندگی کی طرف اشارہ کرکے آگے فرمایا لیبلوکم ایکم احسن عملا جس کی تقدیر بعض مفسرین نے بھی یوں نکالی ہے وخلقکم لیبلوکم یعنی تمہارے پیدا کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس بات کو انجام کار ظاہر کرے کہ اچھے عمل کون کرتا ہے پس عرشہ علی الماء میں انسان کی زندگی کی ابتدا کی طرف اشارہ ہے اور یہ حقیقت آج تمام سائنس دانوں کے نزدیک مسلم ہے کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی۔ اور اصل غرض یہ بتانا ہے کہ جو پہلی زندگی کو اس قدر باریک راہوں سے وجود میں لایا اس کے اس ارشاد پر کہ موت کے بعد بعث ہوگا اور ایک دوسری زندگی ہوگی کیوں اس قدر تعجب کرتے ہو کہ اسے سحر مبین کہتے ہو۔ اور یہاں سحر مبین کسی معجزہ کو نہیں کہا۔ بلکہ اس بیان کو کہ موت کے بعد بعث ہوگا سحر مبین کہا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ محض دھوکہ ہے ایسا کہاں ہو سکتا ہے ✦

سحر مبین

۱۴۴۵ اُمّۃ کے لئے دیکھو ۱۶۳ مگر علاوہ اس معنی کے اور بھی بہت سے معنوں میں یہ لفظ آتا ہے اس کے ایک معنی وقت بھی ہیں (ل) گویا وہ ایک اُمت یا جماعت کے رہنے کا زمانہ ہے (ج) یہی معنی یہاں ہیں اور بعض نے اُمّۃ معدودۃ سے مراد لوگوں کی جماعت ہی لی ہے یعنی اس جماعت سے پیچھے ہٹا کر دوسری جماعت تک اسے ملتوی کر دیں مگر معاندین کو چھوڑ کر دوسروں پر لانا یہ سنت اللہ نہیں عذاب سے یہاں صریحاً عذاب دنیا ہی مراد ہے بعض نے اسے جنگ بدر کا عذاب کہا ہے مگر آخر تک جو کچھ کفار کی حالت ہوئی وہ سب ہی مراد ہے ✦

اُمّۃ

۱۴۴۶ فرح۔ فَرَح وہ خوشی ہے جو لذت عاجلہ کی وجہ سے ہو یعنی جلد آنے جانے والی سے اس لئے اس کا اکثر استعمال لذات بدنی میں ہے ولا تفرحوا بما اٰتاکم (الحدید ۵۷-۲۳) وفرحوا بالحیوۃ الدنیا (الرعد ۱۳-۲۶) فرحوا بما عندهم من العلم (المومن ۴۰-۸۳) اور فَرِح کے معنی اس طرح خوش ہونے والا اور صرف دو جگہ پر فرح کی رخصت دی گئی ہے فبذلک فلیفرحوا (یونس ۱۰-۵۸) ویومئذ یفرح المؤمنون (الروم ۳۰-۴) (غ) اور فَرِح بمعنی بَطِر یعنی حد سے زیادہ خوش ہوا اور تکبر کیا یا اَشِر یعنی ڈینگ ماری بھی آتا ہے (ل) فخور کے لئے دیکھو ۶۰۵ ✦

فرح

أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ ۱۲

یہی ہیں جن کے لئے حفاظت اور بڑا اجر ہے — تو کیا تو اس کا کچھ حصہ جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے چھوڑ دیگا اور تیرا سینہ اس پر

صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ ۚ

تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اس پر خزانہ کیوں نہیں اُتارا گیا یا اسکے ساتھ فرشتہ (کیوں نہیں) آیا — تو صرف ڈرانے والا ہے

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ ۱۳

اور اللہ ہر چیز کا کارساز ہے — ۱۴۴۷ یا کیا کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بنایا ہے؟ کہو پھر اس جیسی دس سورتیں بنائی

مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکتے ہو بلا لو — اگر تم سچے ہو ۱۴۴۸

جسمانی دکھ اور سکھ — دنیا طلب انسان کی تھڑدلی کا ذکر کیا ہے پہلی آیت میں یہ کہ ذرا سکھ کے بعد دکھ آتا ہے تو پھر چاروں طرف سے ناامید ہو بیٹھتا ہے اور پہلی نعمت کی بھی ناشکری کرتا ہے اور اس میں یہ کہ دکھ کے بعد سکھ ملتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا اور اس پر اتراتا ہے اور دوسروں پر فخر کرتا ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ دنیا کے دکھوں اور تکلیفوں کے آنے پر نہ تو خدا کے فضل اور رحمت سے ناامید ہونا چاہئے اور نہ ان کے چلے جانے پر اترانا چاہئے گویا دنیا کے مال اور آرام کو عارضی چیزیں سمجھے۔ یہ زندگی کی غرض نہیں اگلی آیت میں بتایا کہ اخلاق انسانی میں اصل چیز صبر ہے اور زندگی کی غرض اعمال صالحہ سے پوری ہوتی ہے۔ اور دنیا طلب کے مقابلہ پر اعمال صالحہ کرنے والوں کا ذکر کیا +

لعلّ — ۱۴۴۷ لعلک تارک۔ لعلّ یہاں ترجی کے لئے نہیں بلکہ تبعید کے لئے ہے یعنی یہ امر بعید ہے کہ تو ایسا کرے بالفاظ دیگر تو ایسا نہیں کر سکتا اور یا استفہام انکاری ہے اور بعض نے ترجی مراد لیکر یعنی شاید معنی لیکر یہ کہا ہے کہ یہ ترجی دوسرے لوگوں کی طرف سے ہے جو مخاطب ہیں یعنی کافر چاہتے ہیں یا ایسی آرزو رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم تبلیغ کا کچھ حصہ چھوڑ دیں (ر) +

ضیق۔صدر — ضائق بہ صدرك دیکھو ۱۳۵۵ مراد یہاں مغموم ہونا ہے کیونکہ غم سے بھی سینہ میں تنگی پیدا ہوتی ہے +

کنز — کنز۔ مال کو جوڑتے چلے جانا اور اس کی حفاظت کرنا کنز ہے والذین یکنزون الذھب والفضة (التوبة ۹-۳۴) اور اسم کے معنی مال عظیم یا خزانہ ہیں (غ)

دنیاداروں کے مطالبات — دنیا داروں کے خیالات دنیوی زندگی تک ہی محدود ہوتے ہیں اس لئے کہتے ہیں نبی یا مصلح اخلاق آئے تو وہ بھی خزانہ ساتھ لائے۔ حالانکہ اس کے آنے کی غرض یہ ہے کہ مال دنیا کو اپنا محبوب نہ بنائیں پس مال دنیا کی محبت کو وہ کم کرنے آتا ہے مسلمان بھی آج ایسا ہی مصلح چاہتے ہیں جو ان کو بہت سا دنیا کا مال دیدے۔ دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ فرشتہ ساتھ ہو گویا روحانیات کو بھی مادی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں فرشتے تو نبی کریم صلعم پر نازل ہوتے تھے۔ مگر ان کے دیکھنے کے لئے دوسری آنکھیں چاہئیں۔ ایسے ایسے اعتراض سنکر نبی کریم صلعم کے دل پر کیا کیا غم نہ گزرتا ہوگا تو فرمایا کہ ان باتوں پر غم مت کرو کوئی ان باتوں کی وجہ سے تم نے وحی کو تو ترک کرنا ہی نہیں +

قرآن افترائے انسانی نہیں — ۱۴۴۸ یہاں دس سورتوں کے مقابلہ میں لانے کی تحدی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت سورۂ یونس سے پہلے کی نازل شدہ ہے کیونکہ سورۂ یونس میں ایک سورت کے لانے کا مطالبہ ہے اس سے بھی پہلے کل قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے +

۱۴ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ

پھر اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے اُتارا گیا ہے اور کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو کیا

۱۵ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ

تم فرمانبردار ہوتے ہو ؟ ۱۴۴۹ جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہی چاہتا ہے ہم انہیں ان کے عمل اسی (زندگی)

۱۶ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ

میں پورے دیدیتے ہیں اس میں انکے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی یہی وہ لوگ ہیں جنکے لئے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں

۱۷ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

اور جو کچھ انہوں نے اس (زندگی) میں کیا تھا کسی کام نہ آئیگا اور جو کچھ وہ کرتے تھے باطل ہے ۱۴۵۰ تو کیا وہ شخص جو اپنے رب سے کھلی دلیل رکھتا

رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ

ہے اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ

یہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی فرقوں میں سے اس کا انکار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

سو تو اس کے بارہ میں کسی شک میں نہ رہ۔ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے ۱۴۵۱

اسکے مضامین علمی

۱۴۴۹ یعنی اگر وہ لوگ جنہیں تم مدد کے لئے بلاؤ وہ تمہاری بات کو قبول نہ کریں یا اس کا جواب نہ دیں یعنی دس سورتیں قرآن شریف کی مثل نہ لاسکیں تو سمجھ لو کہ یہ بشر کی طاقت سے بالاتر بات ہے انزل بعلم اللہ میں صاف بتا دیا کہ اس کے اندر مضامین ایسے کامل اور ایسی علم کی باتیں ہیں جو بشر کے علم میں نہیں آسکتیں تو اصل مطالبہ محض فصاحت لفظی کا نہیں بلکہ یہ کہ ایسی سورتیں بنالاؤ جن میں ایسا علم ہو +

دنیا طلبی کے اعمال

۱۴۵۰ اللہ تعالیٰ کا قانون ایسا ہے کہ جو شخص جس راہ پر اپنے آپ کو ڈالتا ہے اسی میں کچھ نہ کچھ حاصل کرلیتا ہے۔ اسلئے جو لوگ دنیا کی زندگی کو غرض بنالیتے ہیں انہیں دنیا کی زندگی میں بہتیرا کچھ مل جاتا ہے مگر آخرت میں اور انجام کار یہ باتیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں

حبط اعمال

حرص دنیا کو بڑھانے کا انجام آگ ہے۔ یہاں کے عمل وہاں حبط ہیں یعنی بے نتیجہ اس سے حبط اعمال کے مفہوم کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اس حیوانی زندگی میں آسایش کیلئے جو کچھ کیا تھا وہ وہاں کچھ کام نہیں دے گا یہ ان اعمال کا حبط ہے +

تلی

۱۴۵۱ یتلوہ۔ تلی کے معنی پیروی کی یا عمل کیا دیکھو ۶۷ و ۱۵۲ یہاں یہی معنی مراد ہیں یقتدی بہ ویعمل (دغ) اس کی پیروی کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اور یتلوہ میں ضمیر بلحاظ معنی بینة کی طرف جاتی ہے کیونکہ بینة سے مراد قرآن شریف ہے +

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَ ۱۸

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو جو اللہ پر جھوٹ بنائے یہی لوگ اپنے رب کے سامنے لائے جائینگے اور

يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ

گواہ کہینگے یہی ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا سنو اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے ۱۴۵۲

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۱۹

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسکے لئے کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت سے بھی منکر ہیں

حزب — احزاب ۔ حِزْب کی جمع ہو اور وہ اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں شدت ہو (غ) حزب الشیطان (المجادلۃ ۱۹ - ۵۸) حزب اللہ (المجادلۃ ۵۸ - ۲۲) ای الحزبین احصی لما لبثوا امدا (الکھف ۱۸ - ۱۲) لما رأ المؤمنون الاحزاب (الاحزاب ۳۳ - ۲۲) ✦

بینۃ قرآن ہے — دنیا اور اس کی زینت کے طالب کے مقابل پر یہاں ایک دوسرے فریق کا ذکر کیا ہو جن کا مقصد زندگی بہت بلند ہو افمن کان علیٰ بینۃ من ربہ عام ہے جس سے مراد مومن ہو اور بینۃ من ربہ قرآن کریم ہے جس کو دوسری جگہ بینات من الھدیٰ فرمایا ہو (البقرۃ ۲ - ۱۸۵) اور ایک جگہ بینۃ کہا ہو حتیٰ تاتیھم البینۃ (البینۃ ۹۸ - ۱) جس سے مراد رسول اللہ صلعم بھی ہو سکتے ہیں

شاہد نبی ہے — اور قرآن کریم بھی اور ہر نبی کے حق میں اس کی وحی بینۃ ہو جیساکہ آگے حضرت نوح صالح وغیرہ کے ذکر میں آتا ہو اور شاھد منہ یا اللہ کی طرف سے گواہ رسول اللہ صلعم ہیں جو اس قرآن کو پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرکے دکھاتے ہیں اور شاھد اور شھید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی ہی ہوتے ہیں اور یتلوہ کے معنی دونوں طرح پر ہو سکتے ہیں اس قرآن کو پڑھتا ہو یا اس قرآن پر عمل کرتا ہو ۔ اور دوسرے معنی قابل ترجیح ہیں کیونکہ یہاں یہ بتانا مقصود ہو کہ مومن کے ہاتھ میں صرف ایک

رسول کا اسوہ — بینۃ یعنی کتاب یا روشنی ہی نہیں بلکہ اس کے لئے ایک کامل نمونہ بھی موجود ہو جو اس بینۃ پر عمل کرکے اس کے رستہ کو بالکل صاف کر دیتا اور اس میں بھی اس کتاب پر عمل کرنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہو ۔ تو کہاں وہ دنیا طلب انسان جس کی ہمت کی غایت دنیا کا مال اور اس کی زینت ہو اور کہاں یہ حق پرست انسان ۔ یہی مقابلہ کو ظاہر کرنے کے لئے رکوع کی آخری آیت میں فرمایا مثل الفریقین کالاعمیٰ والاصم والبصیر والسمیع ✦

موسیٰ کی کتاب — اور یہ جو فرمایا ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ یعنی اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب کی پیروی کی جاتی تھی اور وہ رحمت تھی تو اس میں یہ بتانا مقصود ہو کہ اسی طرح پر کتابوں کو نازل کرنا اور انبیاء کو ان کتابوں کی تعلیم عملی کا نمونہ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے سنت رہی ہو تاکہ لوگ دنیا کو اپنی زندگی کی غرض و غایت نہ بنائیں یہی وجہ ہے کہ آگے جن انبیاء کا

ہر نبی کی وحی بینۃ ہو — ذکر آتا ہے وہ سب اپنی اُمتوں سے یہی خطاب کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ایک بینۃ پر ہیں اور رحمت کے پر تو ہیں کیونکہ ہر نبی کی وحی اس کے حق میں بینۃ ہی ہو ۔ مگر اس میں ایک دوسری غرض یہ بھی ہو کہ یہ بینۃ یعنی قرآن ایسی صاف ہو کہ اس کی شہادت حضرت موسیٰ کی کتاب اور پہلی کتابوں میں بھی ہو ✦

۱۴۵۲ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے اعدائے حق ہوتے ہیں اشہاد سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید (النساء ۴ - ۴۱) اور ان کا افترا دو طرح پر ہے ایک افترا کرکے لوگوں کو راہ حق سے روکتے ہیں دوسرے دین حق میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں جیساکہ اگلی آیت میں صراحت کر دی ✦

۲۰ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ (وقف لازم)

یہ زمین میں (خدا سے) بھاگ نہیں سکتے اور نہ ان کیلئے سوائے اللہ کے کوئی مددگار ہونگے

يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝

ان کیلئے عذاب دوچند کیا جائیگا وہ نہ سننے کی تاب لاتے تھے اور نہ بصیرت سے کام لیتے تھے [1453]

۲۱ ۲۲ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا اور جو وہ افترا کرتے تھے ان سے جاتا رہا ضرور ہے کہ وہ آخرت

۲۳ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا

میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور اپنے رب کے

۲۴ إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ

آگے عاجزی کرتے ہیں وہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہینگے [1454] ان دونوں

الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ

گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسا اندھا اور بہرا اور دیکھنے والا اور سننے والا کیا دونوں کی حالت یکساں

۲۵ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ (ع ۳ / ۱۱ — نوح اور اس کی قوم کے مخالف)

ہے! تو کیا پھر تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ [1455] اور یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ڈرانے

۲۶ مُّبِينٌ ۝ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝

والا ہوں کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب (کے آنے) سے ڈرتا ہوں

1453 | ما کانوا یستطیعون السمع۔ حضرت ابن عباس سے اس کے یہ معنی مروی ہیں کہ وہ حق کو نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے ایسے طریق سے جس سے ان کو فائدہ ہوتا اور ہدایت پاتے اس لئے کہ وہ کفر میں مشغول رہتے تھے (ج) اور ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دن رات ایک بات کی مخالفت میں لگا رہے تو اس میں حق بات کے سننے کی بھی تاب باقی نہیں رہتی اور یہی یہاں مراد ہے +

1454 | اخبتوا۔ خَبْت پست زمین کو کہتے ہیں اس سے اِخبات کے معنی نرمی اور تواضع اختیار کرنا ہیں اور مُخبِت نرمی اختیار کرنے والا یا جھک جانے والا ہے وبشر المخبتین (الحج ۳۴) (غ) + (خبت۔ اِخبات)

1455 | یہاں دنیا طلب دنیوی زندگی کو اپنی غرض بنالینے والا اور اس شخص کا جو زندگی کی اصل غرض و غایت کو سمجھ چکا ہو کھلے لفظوں میں مقابلہ کیا ہے۔ ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی ہے کیونکہ وہ اصل غرض زندگی سے اندھا ہے اور دوسرے کی مثال بصیر و سمیع کی ہے + (دنیا طلب اور حق طلب کا مقابلہ)

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰکَ اتَّبَعَکَ ۲۷

تو اس کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا کہا کہ ہم تجھے اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی

اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ

سوائے ان لوگوں کے کسی نے کی ہو جو ہم میں سے رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹے یقین کرتے ہیں[۱۲۵۶]

رذیل۔ اَرذَل

۱۲۵۶ اراذل۔ اَرْذَل کی جمع ہے اور رَذْل اور رَذِیل اور ارذل کمینہ اور خسیس شخص کو کہتے ہیں اور ہر چیز میں سے جو ردی ہو اس پر بھی بولا جاتا ہے (ل) ومنکم من یرد الی ارذل العمر (النحل ۱۶-۷۰) واتبعک الارذلون (الشعراء ۲۶-۱۱۱)+

بادی الرائے

بادی الرائے۔ بَدَا کے معنی ظاہر ہوا اور بَدَاءَ کے معنی شروع کیا۔ اور بادی دونوں سے ہو سکتا ہے کیونکہ ہمزہ یا سے بدل جاتا ہے۔ صورت اول میں بادی الرائے کے معنی ہونگے سرسری نظر سے۔ صورت ثانی میں پہلی نظر میں ماحصل ایک ہے مطلب یہ ہے کہ تیرا اتباع جن لوگوں نے کیا ہے انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا+

نبی کے بشر ہونے پر اعتراض

سب سے پہلا اعتراض انبیاء پر یہی ہوتا ہے کہ یہ ہماری طرح بشر ہیں۔ کھانے پینے اور حوائج بشری کے محتاج ہیں حالانکہ بشر ہی بشر کیلئے رہنما اور ہادی کا کام دے سکتا ہے۔ جو شخص حوائج بشری کا محتاج نہیں وہ بشر کے لئے نمونہ کا کام کیونکر دے سکتا ہے۔ اگر خالی تعلیم انسانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہوتی اور کسی نمونہ کی ضرورت نہ ہوتی تو بلاشبہ ہو سکتا تھا کہ یہ تعلیم بذریعہ ملک یا کسی اور ذریعہ سے بغیر وسیلہ بشر کے انسانوں کو پہنچا دی جاتی۔ مگر چونکہ جس طرح تعلیم کی ضرورت ہے اسی طرح نمونہ کی ضرورت ہے اور بغیر نمونہ کے تعلیم عبث ہے اور نمونہ بشر کے لئے بشر ہی ہو سکتا ہے اسلئے یہ اعتراض کم فہمی سے پیدا ہوتا ہے۔

انبیاء کے پیروؤں کی غربت

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی کے پیرو شروع میں غریب لوگ ہوتے ہیں امراء جو نشۂ دولت اور حکومت میں مست ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کہاں رجوع کرتے ہیں۔ انہی کو یہاں اراذل کہا ہے گویا دولت و مرتبہ دنیوی کو وہ لوگ شرف اور بزرگی کا معیار قرار دیتے ہیں اور مزدوری کر کے کمانے اور کھانے والے ان کو رذیل نظر آتے ہیں۔ حجام ہو یا دھوبی یا مزدور۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

محنت شرف انسانیت ہے

مزدوری اور محنت ہی شرف انسانیت ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ لوگ جو حضرت نوح کے ساتھ تھے حجام اور موچی تھے۔ حضرت مسیح خود بلحاظ پیشہ بڑھئی تھے۔ آپ کے حواری ماہی گیر اور دھوبی تھے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ چھوٹوں کو نبی کی تعلیم سے بلند مقامات پر پہنچاتا ہے اور سرکشوں متکبروں کو جو حق کی مخالفت کرتے ہیں نیچا دکھاتا ہے۔ دنیا نے محنت اور مزدوری کی قدر کو نہیں سمجھا۔

آنحضرت اور محنت

قرآن کریم نے اس پر بہت زور دیا ہے اور نبی کریم صلعم نے قرآن کریم کی اس تعلیم کا عملی نمونہ یوں بن کر دکھایا کہ ہر قسم کے کام یہاں تک کہ ٹوکری اٹھا لینا۔ پھاوڑا چلا لینا۔ بکریوں کو دوہ لینا۔ اپنے کپڑے جوتی وغیرہ کی مرمت کر لینا سب کام اپنے ہاتھ سے کئے تا دنیا کو یہ معلوم ہو کہ ہر قسم کی محنت و مزدوری قابل عزت شے ہے جن لوگوں نے اس پاک اصول سے روگردانی کی ہے ان کے لئے بولشوزم کی صورت میں سزا پیدا کر دی گئی ہے۔

فضیلت کا معیار

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ تم کو یعنی نبی اور اس کے متبعین کو ہم کوئی فضیلت نہیں۔ اس سے بھی مراد دنیوی طور پر فضیلت اور مرتبہ ہے۔ حالانکہ اصل فضیلت وہ ہے جو اخلاق اور روحانیت سے پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے دنیا کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ وہ تہذیب کے مدعی جو آج ایشیا کے باشندوں کو اراذل کی طرح سمجھتے ہیں اپنی گردنیں ایک ایشیائی (بلحاظ پیشہ) نجار کے سامنے جھکاتے ہیں یہاں تک کہ اسے خدا بناتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اصل حکومت دنیا میں اخلاق اور روحانیت کی ہے+

۲۸ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب سے ایک کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی جناب سے مجھے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم پر

۲۹ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا

مشتبہ رہ گئی ہو! کیا ہم اسے تمہارے گلے باندھ سکتے ہیں حالانکہ تم اسے ناپسند کرنیوالے ہو۱۴۵۵ اور اے میری قوم میں اسکے بدلے تم سے مال نہیں مانگتا

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

میرا اجر صرف اللہ پر ہو اور میں انہیں نکال نہیں سکتا جو ایمان لائے ہیں وہ یقیناً اپنے رب سے ملنے والے ہیں

۳۰ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ

لیکن میں تمہیں ایسی قوم دیکھتا ہوں جو جاہل ہو اور اے میری قوم کون اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کر سکتا ہو اگر میں نہیں نکال دوں

۳۱ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے اور میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں

۱۴۵۷ عمیت عمی بصر یعنی آنکھ اور بصیرت یعنی رائے کی روشنی کا جاتے رہنا ہو اور دونوں معنی میں قرآن شریف میں بکثرت اس کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے جاءہ الاعمیٰ (عبس ۳۰ - ۲) پہلے معنی میں ہے صم بکم عمی (البقرۃ ۲ - ۱۸) فعموا وصموا (المائدۃ ۵ - ۷۱) دوسرے معنی میں ہے اور دونوں معنوں کو لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب (الحج ۲۲ - ۴۶) میں اکٹھا کر دیا ہے اور عمی علیہ کے معنی ہیں اس پر وہ بات مشتبہ ہوگئی گویا اس کی نسبت وہ اعمیٰ کے حکم میں ہو اسی معنی میں یہاں ہو اور عماء بادل اور جہالت کو بھی کہتے ہیں۔ اور حدیث میں جو آتا ہو کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا تو آپ نے فرمایا فی عماءٍ تحتہ عماءٌ و فوقہ عماءٌ تو یہ اشارہ ہو ایسی حالت کی طرف جو انسان کی سمجھ سے باہر ہو اور وہ اس پر واقف نہیں ہو سکتا (غ)+

عماء — اشتغالی کا علاوہ میں ہونا

لزوم — نلزم۔ لزوم کسی چیز کا بہت لمبے زمانہ تک ٹھہرنا ہو گویا وہ دوسری چیز سے لگ گئی، فسوف یکون لزاما (الفرقان ۲۵ - ۷۷) یعنی لازم ہو جائے گا یا ساتھ لگ جائیگا۔ والزمہم کلمۃ التقوی (الفتح ۴۸ - ۲۶) (غ) +

دنیا پرست اور دلائل حقہ — شروع سورت میں طالب دنیا اور طالب حق کا مقابلہ جس رنگ میں دکھایا تھا کہ ایک دنیا کی زندگی اور اس کے سامان کو ہی اپنا مقصد بنا لیتا ہو۔ اور دوسرا اپنے رب سے بینہ پر ہوتا ہے اسی کی مثال اب سب انبیاء میں دی ہو اور بتایا ہو کہ وہی بات جو نبی اور اس کے پیروؤں کے لئے روشن دلیل ہو ان کے منکرین کو تاریک اور مشتبہ معلوم ہوتی ہو اس لئے کہ ان کے دلوں پر طرح طرح کے پردے مال دنیا کی محبت کے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ دلوں پر زنگ کی وجہ سے اس روشنی کو نہیں دیکھ سکتے جو ایک صاف دل انسان کو نظر آتی ہو ان کی فطرت کے آئینہ پر زنگ لگ چکا ہوتا ہو اور مومن کی فطرت کا آئینہ صاف ہوتا ہو +

انبیاء کی بے نفسی — **۱۴۵۸** تمام انبیائے عالم کی ایک ہی شان نظر آتی ہے کہ دنیا کے مال کی ان کے دلوں میں کچھ عظمت نہیں ہوتی اور نہ ہی جو محنت اور خدمت قوم کی یا نسل انسانی کی وہ کرتے ہیں اس کا کوئی معاوضہ لیتے ہیں۔ ایک نمایاں شان ان کی یہ ہوتی

وَلَآ أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَآ أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِيٓ أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ ٱللَّهُ

اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان کی نسبت جنہیں تمہاری نظریں حقیر دیکھتی ہیں کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی

خَيْرًا ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِيٓ أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّيٓ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ ۳۲ قَالُوا۟ يَٰنُوحُ قَدْ

نہیں دیگا اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہو اس صورت میں بیشک میں ظالموں میں سے ہوں گا ۱۴۵۹ انہوں نے کہا اے نوح تو نے

جَٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَٰلَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝

ہم سے جھگڑا کیا اور ہم سے بہتیرا جھگڑا کر چکا تو جس کا تو وعدہ دیتا ہے وہ لے آ اگر تو سچوں میں سے ہو

قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ ٱللَّهُ إِن شَآءَ وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝ ۳۳ وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِيٓ إِنْ أَرَدتُّ ۳۴

اس نے کہا اس (عذاب) کو اللہ ہی لے آئیگا جب وہ چاہیگا اور تم (اسے) عاجز نہیں کر سکتے اور تمہیں میری نصیحت نفع نہیں دے سکتی اگر میں چاہوں

أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ ٱللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

کہ تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ کا ارادہ ہو چکا ہو کہ وہ تمہیں ہلاک کرے ۱۴۶۰ وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

کہ وہ ایثار اور بے نفسی کا کامل ترین نمونہ انسانوں کے لئے ہوتے ہیں جو کچھ مال ان کے ہاتھ میں ہو وہ بھی مخلوق خدا کی خدمت میں صرف کر دیتے ہیں اور مال کمانے کی ان کو قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی یہ نمونہ بھی اپنے کمال میں محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے اور درحقیقت تمام انبیاء کے تذکرہ میں اصل غرض محمد رسول اللہ صلعم کے مقام بلند کی طرف توجہ دلانا ہی جس سے مخاطب روشنی حاصل کر سکتے تھے ہاں سبھی انبیاء کا نمونہ یہی ہوتا ہو کہ وہ مال نہیں چاہتے اور نہ دنیا داروں اور صاحبان مال و دولت سے انہیں کچھ اُنس ہوتا ہو بلکہ ان کے تعلقات انہی لوگوں سے ہوتے ہیں جو اخلاق اور روحانیت کو مدنظر رکھتے ہوں اس لئے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب سے ملنے والے ہیں یعنی مال دنیا کی جگہ اللہ تعالےٰ کے لقا کو اپنی زندگیوں کا مقصد اور منتہا ٹھہراتے ہیں وہی اس بات کے اہل ہیں کہ نبی کے پاس رہیں دنیا داروں کی خاطر ان لوگوں کو نبی کس طرح جواب دے سکتا ہو ✦

زری ۔ ازدراء

۱۴۵۹ تزدری ۔ اس کا اصل زری ہے اور زَرَیْتُ عَلَیْہِ کے معنی ہیں میں نے اس پر عیب لگایا ۔ اور اِزْدِرَاء اس سے باب افتعال ہو جس کی تا دال سے بدل گئی ہو ۔ اور تزدری اعینکم کے معنی ہیں تمہاری آنکھیں ان پر عیب لگاتی یا انہیں حقیر قرار دیتی ہیں ۔ یا وہ تمہیں حقیر معلوم ہوتے ہیں ✦

[illegible] انبیاء کا دنیوی وجاہت کے لحاظ سے بلند ہونا ✦

یہ باتیں اس لئے کہی جاتی ہیں کہ کسی قسم کے دنیوی لالچ کو مدنظر رکھ کر کوئی شخص اس تعلیم کو قبول نہ کرے رسول کے قبضے میں مال و خزانے نہیں ہوتے کہ اپنے متبعین کو مالا مال کر دے نہ وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہو کہ اپنے ساتھیوں کو غیب دانی سے تکلیف سے بچالے نہ وہ خود ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہو کہ آپ ہی حوائج بشری سے پاک ہو ۔ ہاں جنہیں دنیا کے لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس بہت مال نہیں یا وہ بڑے مرتبہ پر نہیں ۔ انکے متعلق وہ بھلائی کا اُمیدوار ہوتا ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انکے دلوں کو دیکھ کر اسکے مطابق انکو اجر دیتا ہو ✦

۱۴۶۰ یغویکم اس کے لئے دیکھو ۱۰۵۵ انسان کی خیر خواہی دوسرے کے کام نہیں آسکتی جب وہ خود غلط راہ پر قدم مارتا ہوا اتنی دور نکل جائے کہ اللہ تعالیٰ اس پر گمراہ ہونے کا یا ہلاکت کا حکم لگا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم اُسی وقت لگاتا ہو جب وہ یہ دیکھتا ہو

حضرت نوحؑ کے مخالفین کی ہلاکت

۳۶ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ۧ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ

کیا کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ بنا لیا ہے۔ کہو اگر میں نے یہ جھوٹ بنایا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہے اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کرتے ہو[۱۴۶۱] اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی

۳۷ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ

کہ تیری قوم سے کوئی ایمان نہیں لائیگا مگر وہی جو ایمان لا چکا سو تو اس کے سبب سے غم نہ کر جو وہ کرتے ہیں[۱۴۶۲] اور ہماری حفاظت

۳۸ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ

میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور ان کے بارہ میں کچھ نہ کہنا جو ظالم ہیں کیونکہ وہ غرق کئے جائینگے[۱۴۶۳] اور وہ کشتی بنانے لگا۔

کہ ایک شخص اپنی اصلاح کسی صورت میں نہیں کرتا +

جَرْم ۱۴۶۱ اجرام۔ جَرْم کے معنی قَطْع یعنی کاٹ دینا ہیں درخت کے کاٹنے پر بولا جاتا ہے اور شجرۃ جریمۃ کٹے ہوئے درخت کو

اَجْرَمَ کہتے ہیں اور اَجْرَمَ کے معنی ہیں حانَ جِرامُه یعنی اس کے کاٹنے کا وقت آگیا۔ اور جُرْم گناہ کو کہتے ہیں (ل) اور مادہ کے معنی

کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جُرم وہ گناہ ہے جو قطع کر دیتا ہے یعنی ایسا سخت گناہ جو اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کر دیتا ہے

مجرم اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں اجرام اور مجرم سخت گناہوں پر بولا گیا ہے۔ اس جگہ اجرامی سے مراد اللہ تعالیٰ پر افترا کرنیکا

گناہ اور تجرمون سے مراد مخالفین حق کے وہ گناہ ہیں جو وہ حق کو نیست و نابود کرنے کے لئے کرتے ہیں +

اس آیت میں خطاب کو بدل دیا ہے اور ذکر آنحضرت صلعم کے مخالفین کا ہے +

ابتئاس ۱۴۶۲ تبتئس۔ اس کا اصل بؤس یا بأس ہے جس کے معنی شدت و مکروہ ہیں اور اس کے معنی ہیں لا تَلْتَزِمِ البؤس و

لا تحزن بؤس کو لازم نہ کر اور غم نہ کر (غ)

حضرت نوحؑ کو قوم کی سخت دلی دیکھکر سخت غم ہوتا تھا اور یہی انبیاء کو ہوتا ہے آنحضرت صلعم کے متعلق ہے لعلک باخع نفسک

الا یکونوا مومنین (الشعراء ۲۶ - ۳) ان حالات میں اطلاع دی ہے کہ یہ قوم اب ہلاکت کے قابل ہی ہے۔ حضرت نوحؑ کی دعا رب لا تذر

علی الارض من الکافرین دیارا (نوح ۷۱ - ۲۶) اس وحی کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے +

عین۔ باعیننا ۱۴۶۳ باعیننا۔ عَیْن آنکھ ہے لیکن جو شخص کسی کی حفاظت کرے اسے بھی عین کہدیا جاتا ہے اور فلانٌ بِعَیْنِیْ کے معنی ہیں میں

اس کی حفاظت اور نگہداشت کرتا ہوں اور عین اللہ علیك کے معنی ہیں تم اللہ کی حفاظت اور اس کی حمایت میں رہو۔ اسی سے

یہ محاورہ ہے۔ دوسری جگہ ہے تجری باعیننا (القمر ۵۴ - ۱۴) یعنی کشتی ہماری حفاظت میں چلتی تھی اور حضرت موسیٰ کے متعلق ہے و

لتصنع علی عینی (طٰہٰ ۲۰ - ۳۹) یعنی میری حفاظت میں پرورش پائے (غ) +

خَطب۔ مخاطبۃ تخاطبنی۔ خَطْب اور مُخَاطَبَۃ بات کا ایک دوسرے کی طرف لوٹانا ہے (غ) اور اللہ تعالیٰ سے مخاطبت یہ ہے کہ اس کا حکم

سن لینے کے بعد کہ ایک قوم ہلاک کی جائے گی پھر اس کی سفارش کی جائے +

چونکہ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے سیلاب سے تباہ کرنا تھا اس لئے حضرت نوحؑ کو پہلے سے کشتی بنانے کا حکم دیا۔ پس یہ کشتی وحی

الٰہی کے مطابق بنی اور اپنی حفاظت کا ذکر اس لئے فرمایا کہ دشمن بہت تھے پر تسلی دی کہ وہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے +

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ

اور جب کبھی اس کی قوم کے سردار اس پر گذرتے اس پر ہنستے کہا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی تم پر ہنستے ہیں

كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ ۳۹

جیسے تم ہم پر ہنستے ہو[۱۲۶۴] سو تم جان لوگے کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور کس پر قایم رہنے والا

عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ ۴۰

عذاب اُترتا ہے یہانتک کہ جب ہمارا حکم آیا اور زمین (پر پانی) نے جوش مارا ہم نے کہا اس میں ہر (ضرورت کی) شے کے

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

دو مادہ دو دو سوار کرلو اور اپنے اہل کو سوائے اس کے جسکے متعلق پہلے حکم ہو چکا اور انکو بھی جو ایمان لائے اور اسکے ساتھ تھوڑے ہی ایمان لائے تھے[۱۲۶۵]

مومنوں کی کفار پر ہنسی سے مراد

۱۲۶۴ انا نسخر منکم۔ حضرت نوح یا مومنوں کا واقعی ہنسی کرنا مراد نہیں اس لئے کہ استہزا مومن کی شان نہیں۔ یہ محض ان کے فعل کے مقابل پر ذکر ہے جیسے جزاء سیئة سیئة مثلہا ہیں اور کشاف نے اس کے معنی استجہال لئے ہیں کیونکہ استہزا کا اصل سبب جہالت ہے تو سخریہ سے مراد اس کا سبب لیا ہے گویا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی جہالت کی وجہ سے ہم پر ہنستے ہو مگر ہم تمہیں جاہل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اصل حقیقت کی تمہیں خبر نہیں ✦

فور **فوارة**

۱۲۶۵ فار کے معنی ہیں جاش یعنی جوش میں آیا۔ ہانڈی کے اُبال پر، آدمی کے غضب میں آنے پر۔ مشک کے پھیل جانے پر فار بولا جاتا ہے۔ اور پانی جب پھوٹ کر چشمہ سے نکلے تو اس پر بھی فار بولا جاتا ہے فار الماء من العین اور فوارة وہ جگہ ہے جہاں سے پانی پھوٹ کر نکلے منبع الماء اور پانی کے حوض کو بھی فوّارة کہا جاتا ہے (ت)، ✦

تنور

تنّور۔ کو بعض نے فارسی سے معرب کہا ہے اور بعض نے اس کا مادہ نور یا نار قرار دیا ہے۔ اور تنور کے ایک معنی تو مشہور ہیں جس میں ہماری زبان میں بھی یہ استعمال ہوتا ہے یعنی جہاں روٹی پکائی جاتی ہے اس کے دوسرے معنی جو تاج العروس میں دیتے ہیں وجه الارض یعنی سطح زمین ہیں اور یہ معنی حضرت علی اور ابن عباس سے مروی ہیں اور پھر لکھا ہے کل مفجر ماء تنور یعنی ہر ایک پانی پھوٹ نکلنے کی جگہ کو تنور کہا جاتا ہے محفل ماء الوادی یعنی وادی کے پانی کے اکٹھا ہونے کی جگہ کو بھی تنور کہتے ہیں اور قتادہ سے ہے کہ بلند اور اشرف زمین کو تنور کہا جاتا ہے۔ اور حضرت علی سے ایک یہ معنی بھی مروی ہیں کہ فار التنور سے مراد یہاں صبح کا پھوٹ نکلنا ہے۔ اور زہری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ایک پانی کا مشہور چشمہ ہے (ت)، ✦

طوفان نوح

یہاں اس سیلاب کے آنے کا ذکر ہے جو طوفان نوح کے نام سے مشہور ہے۔ عام طور پر یہ خیال ہے کہ اس کی ابتدا یوں ہوئی تھی کہ ایک تنور سے پانی پھوٹ نکلا تھا۔ لیکن قرآن شریف نے خود دوسری جگہ یوں فرمایا ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر (القمر ۵۴-۱۱) یعنی اوپر سے بہت پانی برسایا۔ اور خود یہاں جب طوفان کو ٹھہرانے کا وقت آتا ہے تو حکم ہوتا ہے یا سماء اقلعی (۴۴) اے بادل تھم جا جس سے معلوم ہوا کہ بادلوں سے پانی برسنا شروع ہوا تھا۔ اور یہ جو زمین کے اسی آیت میں پانی جذب کر لینے کا حکم ہے تو ظاہر ہے کہ پانی زمین میں ہی جذب ہو کر اوپر سے خشک ہوتا ہے۔ تنور کے لفظ سے یہ غلط استدلال کیا گیا ہے کہ پہلے تنور سے

فار التنور سے مراد

۴۱ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا ط

اور اس نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا لنگر ڈالنا ہو

پانی پھوٹ کر نکلا۔ تنور کے معنی بروئے لغت اوپر بیان ہو چکے ہیں ابن جریر نے جو اقوال بیان کئے ہیں ان میں اول حضرت ابن عباس کا قول ہو کہ تنور کے معنی وجہ الارض ہیں۔ اور حضرت نوح کو حکم ہوا تھا اذا رایت الماء علی وجہ الارض فارکب اور ابن عباس کہتے ہیں العرب تسمی وجہ الارض تنور الارض دوسرا قول حضرت علی کا منقول ہو کہ اس سے مراد تنویر الصبح یعنی صبح کی روشنی ہو تیسرا قول قتادہ کا منقول ہو کہ اس سے مراد بلند اور اشرف زمین ہو۔ اور چوتھا قول روٹی کے تنور سے پانی نکلنے کا ہو ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آیا تو پے در پے بارش شروع ہوئی نہ آسمان کھلتا تھا نہ بارش بند ہوتی تھی۔ اور اسکی تائید میں انہوں نے آیت ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر نقل کی ہو۔ اور پھر فار التنور کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کر کے لکھا ہو ای صارت الارض عیونا تفور حتی فار الماء من التنانیر یعنی ساری زمین پر پانی ہی پانی بہ نکلا یہاں تک کہ تنوروں سے بھی پانی بہ نکلا پس قرآن کریم سے جو کچھ معلوم ہوتا ہو وہ یہی ہے کہ کثرت بارش سے اتنا بڑا سیلاب آیا جس میں قوم نوح کی ساری بستیاں بہ گئیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ ان بستیوں کے اوپر پہاڑ بھی تھے جیسا کہ ساٰوی الی جبل سے ظاہر ہو اور پہاڑوں کی بارش سے وادی میں پانی کا زور اور بھی زیادہ ہو گیا۔

حضرت نوح نے کشتی میں کیا کیا لیا۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہر شے کے زوجین لے لو تو ہر شے سے مراد یہ نہیں کہ تمام روئے زمین پر پھر کر جانوروں کو اکٹھا کرو۔ ایسا کام ایک نبی کے سپرد کرنا بے معنی بات ہو کہ وہ ساری زمین پر پھر کر ہر قسم کے جانداروں کے نر و مادہ لیتا پھرے اور پھر اللہ تعالےٰ کی مخلوق پر انسان حاوی کہاں ہو سکتا ہو۔ اور یہ فرض کر لینا کہ ایک ایک جوڑے کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کر دی کہ وہ زمین کے تمام گوشوں سے بھاگ کر حضرت نوح کے پاس جمع ہو گئے اور باقی اسی نوع کے جانوروں کو وحی نہ کی تو طوفان کے آنے سے پہلے اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر وہ چرند پرند درخت سب حضرت نوح کے پاس جمع ہوئے تھے لوگ کیوں ایمان نہ لے آتے یہ تمام بے ضرورت اور بے سند باتیں ہیں جو ایک غلطی سے تراشی ہوئی ہیں۔ کل سے مراد یہاں ہر اپنی ضرورت کی شے ہو جیسا جب توریت کو تفصیل کل شئی (یوسف ۱۲-۱۱۱) کہا تو مراد اس سے اس وقت کی ضرورت ہو یا ایک ملکہ کے متعلق کہا او تیت من کل شئی (النمل ۲۷-۲۳) تو مراد تمام عالم کی اشیاء نہیں بلکہ اس کی اپنی ضرورت کی اشیاء ہیں اسی طرح یہاں ہے اور زوج چونکہ جوڑے کے ہر فرد کو کہا جاتا ہو اس لئے زوجین سے مراد ایک نر اور ایک مادہ ہے اور اثنین میں اسی کی تفصیل ہو۔ اور بعض نے لفظ کل کو وسیع کر کے اور پھر اس خیال کے نیچے کہ یہ طوفان کل روئے زمین پر محیط تھا نہ صرف درند و پرند کا ساتھ لینا بیان کیا ہے۔ بلکہ درختوں کے مختلف اقسام کا ساتھ لینا بھی فرض کر لیا ہے اور پھر اس پر عجیب عجیب قسم کی کہانیاں بنائی ہیں مثلاً یہ کہ چوہوں نے جب کشتی کے رسوں کو کاٹنا شروع کیا تو حضرت نوح نے دعا کی تو شیر کی چھینک سے بلیاں پیدا ہو گئیں۔ اور ایسا ہی جب غلاظت بڑھ گئی تو ہاتھی کے چھینکنے سے سؤر پیدا ہو گئے۔ اور شیر سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیر کو تپ چڑھا دیا۔ ایسے ہی اور بہت سے فضول قصے جمع کر دیئے گئے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں مثلاً یہ کہ شیطان بھی گدھے کی دم پکڑ کر چڑھ گیا تھا۔ قرآن و حدیث ان تمام لغویات سے پاک ہیں یہ ساری مصیبتیں اس لئے پیش آئیں کہ بائبل کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ فرض کر لیا گیا کہ طوفان کل روئے زمین پر آیا تھا۔

طوفان نوح کل روئے زمین پر نہ تھا

حالانکہ قرآن شریف صاف الفاظ میں فرماتا ہو کہ قوم نوح کے لئے آیا تھا۔ قرآن شریف نے کہیں نہیں فرمایا کہ حضرت نوح کو کل دنیا کی طرف بھیجا گیا تھا۔ بلکہ بار بار یہی کہا کہ ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا اور پھر یہی فرمایا کہ مکذبوں کو غرق کیا گیا۔ اور ابھی اوپر آ چکا ہے انہ لن یؤمن من قومک الا من قد اٰمن یہاں صرف حضرت نوح

إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ ۴۲

یقیناً میرا رب حفاظت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہی۱۴۶۶ اور وہ انہیں پہاڑ جیسی (بلند) لہروں میں لئے چلی جا رہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا

وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ ۴۳

اور وہ الگ رہا تھا اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو۱۴۶۷ اس نے کہا میں کسی پہاڑ پر

جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ وَ

پناہ لیلونگا جو مجھے پانی سے بچالے۔ کہا آج اللہ کی سزا سے کوئی بچانے والا نہیں مگر (وہی بچیگا) جس پر وہ رحم کرے اور

حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ۝ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ ۴۴

ایک لہر انکے درمیان حائل ہوئی اور وہ ان میں سے ہو گیا جو ڈوب گئے اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی جذب کرلے اور اے بادل

الربع

أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۖ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

تھم جا اور پانی خشک ہو گیا اور معاملہ کا فیصلہ ہو گیا اور (کشتی) جودی پر ٹھہر گئی اور کہا گیا ظالم قوم کے لئے دوری ہی۱۴۶۸

کی قوم کا ذکر ہو نہ کل عالم کا، اور الارض کا لفظ عام ہی کسی حصہ ارض پر یا کسی ملک پر بھی بولا جاتا ہی حضرت نوح کی قوم کل دنیا پر آباد نہ تھی بلکہ خاص قطعہ زمین میں تھی نہ ایک اکیلا آدمی کل روئے زمین پر پھر سکتا تھا۔ ہمارے نبی کریم صلعم کو جب اللہ تعالیٰ نے کل عالم کی طرف مبعوث کیا تو آپ کی تبلیغ بھی بذریعہ آپکے متبعین کے آہستہ آہستہ دنیا میں پہنچنی مقدر ہوئی اگر یہ ممکن ہوتا کہ کل روئے زمین پر ایک ہی شخص ایک دفعہ پھر نکلے اور اس کی تکذیب پر فوراً ساری دنیا ہلاک ہو جائے تو یہ آنحضرت صلعم کے لئے ہونا چاہئے تھا نہ حضرت نوح کے لئے جو صرف ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ بھی ان مقامات میں سے ایک ہی جہاں قرآن کریم نے بائبل کی غلطی کی اصلاح کی ہی +

جَرٰی۔ مجریٰ — ۱۴۶۶ مجریٰ۔ یہاں یا مجہول کی آواز سے پڑھا جاتا ہی یعنی مجرے۔ اور اس کا اصل جَرْیٌ ہی جس کے معنی ہیں تیزی سے گزرنا جیسے پانی۔ جنات تجری من تحتہا الانہار۔ فیہا عین جاریۃ (الغاشیۃ ۱۲) اور کشتی کے چلنے پر بھی بولا جاتا ہی (غ) کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہی یعنی اس کی اعانت یا اس کی قدرت یا اس کے امر اور اذن سے +

عزل۔ — ۱۴۶۷ معزل۔ عَزْل کے معنی علیحدہ ہونا۔ اور کان فی معزل سے مراد یہ ہی کہ حضرت نوح سے علیحدہ تھا یعنی مومنوں میں سے نہ تھا۔ حضرت نوح نے چاہا کہ اب بھی ایمان لے آئے۔ یا مراد یہ ہی کہ کشتی سے دور تھا +

بلع — ۱۴۶۸ ابلعی۔ بَلِعَ کے معنی ہیں جَرَعَ یعنی گھونٹ گھونٹ کرکے یا تھوڑا تھوڑا کرکے نگل لیا (ل)، اور یہاں اس لفظ کو اس لئے استعمال کیا کہ زمین بھی پانی کو آہستہ آہستہ جذب کرتی چلی جاتی ہی +

قلع — اقلعی۔ قَلَعَ کے معنی ہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکا اور اَقْلَعَ کے معنی کسی چیز سے رک گیا اور اَقْلَعَ السحاب کے معنی ہیں بادل برسنے سے رک گیا (ل)

غاض — غیض۔ غاض کے معنی ہیں نَقَصَ ایک چیز کم ہو گئی یا دوسرے نے اسے کم کر دیا۔ ما تغیض الارحام (الرعد ۱۳ - ۸) یعنی رحم اسے خراب کر دیتے ہیں یا ان کی حالت ایسی کر دیتے ہیں جیسے زمین پانی کو نگل جاتی ہی +

٤٥ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے اہل سے ہو اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو

٤٦ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا

سب فیصلہ کرنیوالوں سے بہتر ہو کہا اے نوح وہ تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ بدعمل ہو سو مجھ سے

٤٧ تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ

ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو ناواقفوں میں سے نہ ہو ۱۴۶۹ کہا

رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن

اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو میری حفاظت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں

٤٨ مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ

نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہونگا کہا گیا اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر پڑو (جو) تجھ پر اور ان جماعتوں پر (ہونگی) جو تیرے ساتھ والوں میں سے ہیں

جودی — جودی۔ قیل ھو اسم جبلٍ بین الموصلِ والجزیرۃِ و ھو فی الاصل منسوب الی الجود (غ)، یعنی کہا گیا ہو کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو موصل اور جزیرہ کے درمیان ہو اور وہ اصل میں جود یعنی بخشش کی طرف منسوب ہو +

جب وہ بستیاں ہلاک ہوچکیں تو مینہ تھم گیا اور زمین نے پانی کو جذب کر لیا اور کشتی جودی پر ٹھہر گئی۔ ابن جریر میں بعض روایات میں ہو شمخت الجبال و تواضع جس کے معنی یہ سمجھے گئے ہیں کہ دوسرے پہاڑوں نے تکبر کیا اور جودی نے تواضع اختیار کی مگر شمخ کے اصل معنی بلند ہونا ہیں اور وضع کے معنی پست ہونا۔ اور مراد صاف یہ معلوم ہوتی ہو کہ دوسرے پہاڑ بلند تھے جو غرق نہیں ہوئے اور جودی پست تھا یعنی کوئی چھوٹا ٹیلا تھا جس پر کشتی آلگی +

عمل غیر صالح — ۱۴۶۹ انہ عمل غیر صالح۔ میں ضمیر سوال کی طرف نہیں بلکہ اس بیٹے کی طرف ہے اور مراد ہو ذو عمل یعنی وہ غیر صالح یا بُرے کام کرنیوالا ہو جیسا ولکن البر من اٰمن میں مراد راستبازی نہیں بلکہ راستباز ہو۔ دیکھو ۲۱۵ +

نوح کے بیٹے کا اہل سے نہ ہونا — ان آیات میں ظاہر الفاظ کے لحاظ سے بعض نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ حضرت نوح کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ حضرت نوح کی بیوی کا کسی پہلے خاوند سے بیٹا تھا۔ یہ فی الواقع صحیح ہو یا نہ ہو۔ یہاں یہ مراد نہیں بلکہ اصل مطلب یہ ہو کہ حضرت نوح کے اہل کو جو بچانے کا وعدہ تھا تو حضرت نوح نے ظاہر الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض کیا کہ اہل میں تو وہ داخل تھا یعنی بلحاظ نسب اس لئے وہ کیوں مطابق وعدہ نہ بچایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صالحین کے اہل صرف بلحاظ نسب نہیں ہوتے بلکہ بلحاظ عمل بھی۔ چونکہ وہ بدعمل ہے بُرے کام کرتا ہو اس لئے وہ تمہارے اہل میں داخل نہیں +

کیسی دعا نہ کرنی چاہئے — اور یہ جو فرمایا کہ ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ تو مطلب یہ ہو کہ دعا ایسے امور کے لئے کرنی چاہئے جن کے متعلق یہ علم ہو کہ ان کا حصول درست اور حکمت الٰہی کے مطابق ہو۔ ایک عورت یہ دعا کرے کہ میں مرد بن جاؤں تو یہ عبث ہو کفار کے ایمان کے بارہ میں یا ان کی مغفرت کیلئے دعا اس وقت تک کی جاسکتی ہو جبتک کہ ان کے ایمان لانے کا موقع باقی ہو۔ جب وہ شخص حالت

وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا ۴۹

اور ایسی) اُمتیں (بھی ہونگی) جنہیں ہم کچھ سامان دینگے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچیگا[۱۴۷۰] یہ غیب کی خبروں سے ہیں جو ہم تیری طرف وحی

إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ

کرتے ہیں تو انہیں اس سے پہلے نہ جانتا تھا (نہ) تو اور نہ تیری قوم سو صبر کر کیونکہ انجام متقیوں

لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۵۰

کے لئے ہے[۱۴۷۱] اور عاد کی طرف انکے بھائی ہود کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوا کوئی معبود نہیں

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي ۵۱

تم صرف جھوٹ بنانیوالے ہو اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر صرف اس پر ہے جس نے مجھے

فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ ۵۲

پیدا کیا تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور اے میری قوم اپنے رب کی بخشش مانگو پھر اس کیطرف لوٹ آؤ وہ تم پر زور سے

عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝ قَالُوا يَا هُودُ ۵۳

برسنے والا بادل بھیجے گا اور تمہاری طاقت کو بڑھا کر اور زیادہ طاقتور کریگا اور مجرم ہو کر نہ پھر جاؤ[۱۴۷۲] انہوں نے کہا اے ہود

مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝

تو ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل نہیں لایا اور ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانیوالے ہیں

مع

ع ۱

حضرت ہود اور قوم

کفر میں غرق ہو گیا تو اس کے متعلق دعا بے سود تھی اس لئے اس سے روک دیا +

۱۴۷۰ امم ممن معك یعنی ایسی امتیں جو تیرے ساتھیوں میں سے بن جائینگی جس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ حضرت نوح کے ساتھ تھے ان میں سے بھی آگے قومیں بنیں۔ اور امم سنمتعہم میں بظاہر دوسری قوموں کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت دنیا میں موجود تھیں۔ یا انہی کی نسل میں سے پیچھے آنے والی اُمتیں مراد ہیں +

۱۴۷۱ پچھلے رکوع کے آخر پر بھی انتقال مضمون آنحضرت صلعم کے اعدا کی طرف کیا تھا یہاں بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ نوح اور اسکے مخالفوں کا قصہ رسول اللہ صلعم اور آپ کے مخالفوں کے لئے بطور پیشگوئی ہے اور یہی انباء الغیب ہیں جن کا یہاں ذکر ہے جیسا کہ آخری الفاظ فاصبر ان العاقبة للمتقين سے ظاہر ہے +

نوح کا ذکر انباء الغیب کس معنی میں ہے

۱۴۷۲ مدرارا برسانے سے مراد اللہ تعالیٰ کے افضال ہیں اگر ایک قوم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ظلم اور زیادتی سے رُک جائے تو اللہ تعالیٰ کے افضال اس پر اور بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی قوت بجائے گھٹنے کے بڑھتی ہے +

٥٤ إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي

ہم صرف یہی کہینگے کہ ہمارے کسی معبود نے تجھ پر مصیبت ڈال دی ہو اس نے کہا میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں

٥٥ ٥٦ بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ○ مِنْ دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ ○ إِنِّي تَوَكَّلْتُ

اس سے بری ہوں جو تم اس کے سوائے شرک کرتے ہو ١٤٧٣ سو تم سب میرے لئے تدبیر کرلو پھر مجھے مہلت نہ دو میرا بھروسہ

عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ

اللہ پر ہی جو میرا رب اور تمہارا رب ہی۔ کوئی جاندار نہیں مگر وہ اسکی پیشانی کے بال پکڑے ہوئے ہی بیشک میرا رب سیدھے رستہ

٥٧ مُسْتَقِيمٍ ○ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا

پر ہی ١٤٧٤ سو اگر تم پھر جاؤ تو میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہی جو مجھے دیکر تمہاری طرف بھیجا گیا ہی اور میرا رب تمہارے سوائے دوسرے لوگوں کو

٥٨ غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ○ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا

حاکم بنا دیگا اور تم اسکا کچھ بھی نہ بگاڑ سکوگے میرا رب تمام چیزوں کا محافظ ہی ١٤٧٥ اور جب ہمارا حکم آگیا

نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ○

ہم نے ہود کو اور انہیں جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات دی

عری۔ عراء / اعتری

١٤٧٣ اعتری۔ عری کے معنی ننگا ہوا۔ اور عریان ننگے کو کہتے ہیں الّا تجوع فیہا ولا تعری (طٰہٰ ٢٠ - ١١٨) اور عراء میدان ہے یعنی جس کو کسی پردہ وغیرہ نے نہ ڈھانکا ہوا ہو لنبذ بالعراء (القلم ٦٨ - ٤٩) اور عراۃ اور اعتراہ کے معنی ہیں قصد عراۃ (غ) اس کی جانب کا قصد کیا یا اس سے کچھ لینے کا قصد کیا اور یہاں مراد مصیبت کا وارد کرنا ہی مطلب ان کا یہ تھا کہ ہمارے کسی معبود نے تم کو مجنون بنا دیا ہے ✦

ناصیۃ۔ اخذ بناصیتہا

١٤٧٤ اخذ بناصیتہا۔ ناصیۃ پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں۔ اور عرب اخذ ناصیتہ کا استعمال انتہائے ذلت اور عاجزی کے موقعہ پر کرتے تھے انکا مطلب اس سے ہوتا تھا کہ دوسرا شخص اسے جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے اور یہ بھی ان میں دستور تھا کہ ایک قیدی کو جب چھوڑنا ہوتا تو نشان کے طور پر اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیتے تھے مطلب یہ ہی کہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے کامل تصرف میں ہیں اور رب کے صراط مستقیم پر ہونے سے یہ مراد ہی کہ وہ سب سے عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے اچھے سے اچھا بُرے سے بُرا ✦

١٤٧٥ تولوا اصل میں تتولوا ہی یہاں بعض نے خطاب کا انتقال کفار قریش کی طرف سمجھا ہی اور یہی درست بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ہود کے ذکر میں سمجھانا تو انہی لوگوں کو اصل مقصود تھا ✦

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَأُتْبِعُوا ۵۹، ۶۰

۶۰۔ یہ عاد ہیں انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اسکے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش دشمن (حق) کے حکم کی پیروی کی ۱۴۷۶ اور اس دنیا

فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۝

میں لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت میں بھی سنو! عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو! عاد قوم ہود کے لئے دوری ہو ۱۴۷۷

ع ۵ ق ۶ حضرت صالح اور قوم ثمود

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۶۱

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا)، اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ۝ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا ۶۲

اور اس میں تمہیں آباد کیا سو اسکی بخشش مانگو اور اسکی طرف پھر آؤ میرا رب نزدیک (اور) قبول کرنیوالا ہے انہوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے ہم میں تجھ سے طرح طرح کی

قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ ۱۴۷۸

امیدیں رکھی جاتی تھیں کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ اسکی عبادت کریں جسکی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور یقیناً ہم اسکے متعلق سخت شک میں ہیں جسکی طرف تو ہمیں بلاتا ہے

عند۔ عناد۔ عنید

۱۴۷۶ عنید۔ عَنَدَ کے معنی حد اور اندازہ سے نکل گیا اور عَنَدَ عن الحق حق سے پھر گیا اور معاندۃ اور عِناد یہ ہے کہ ایک چیز کو پہچانے پھر اس کا انکار کردے پس عنید وہ حق سے پھرنے والا باغی ہے جو باوجود علم کے حق کو رد کرتا ہے (ل)،
تلک میں اشارہ یا تو ذہنی ہے اور اشارہ بعید تحقیر کے لئے یا ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہے یا ان کی ویران شدہ سرزمین کی طرف اشارہ ہے +

بعد۔ بَعِد

۱۴۷۷ بُعد۔ بُعْد۔ قُرب کی ضد ہے۔ اور محسوس اور معقول میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اور بَعِدَ کے معنی ہیں مر گیا اس لئے اس کا استعمال ہلاکت میں ہوتا ہے بعدت ثمود (ھود۔ ۹۵) اور بُعْدًا اور بَعَدَ ہلاکت کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوری کے لئے بھی فبعدا للقوم الظالمین (المومنون ۲۳۔ ۴۱) (غ)، اور یہاں چونکہ قوم ہلاک تو ہو چکی ہے اس لئے مراد رحمت الٰہی سے دوری ہے یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عاد ہلاک ہوئے ایسی اور قومیں بھی ہلاک ہونگی جو وہی راہ اختیار کریں +

رجاء۔ مرجوا

۱۴۷۸ مرجو۔ رَجاء ایسا ظن ہے جس کا اقتضا خوش کرنے والی بات کا حصول ہو یعنی کسی بہتری کی امید (غ)، پس مرجو شخص ہے جس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہوں +

راب۔ مریب

مریب۔ راب اور اراب کے معنی ہیں رَیب میں ڈالا۔ اور رَیب یہ ہے کہ کسی چیز کے متعلق کسی امر کا وہم کیا جائے پھر وہ چیز اس وہم سے صاف ہو جائے (غ) +

مخلوق خدا کی خدمت فطرت انبیاء ہے

حضرت صالح کے متعلق ان کی قوم کا یہ اعتراف کہ آپ سے اس سے پہلے ہماری بہت امیدیں وابستہ تھیں بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شروع سے ہی قوموں کی امید گاہ ہوتے ہیں۔ ان کا دل اور دماغ اور ان کی قوت عملی ایسی زبردست ہوتی ہے کہ قوم میں وہ اس دعوے سے پہلے ایک نمایاں امتیاز حاصل کر لیتے ہیں تاریخی رنگ میں اس کا بہترین نظارہ ہمارے نبی صلعم

۶۳ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ

اسؑ نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب سے کھلی دلیل پر قایم ہوں اور اسؑ نے مجھے جناب سے رحمت عطا فرمائی ہو تو کون اللہ کے خلاف میری مدد کریگا

۶۴ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

اگر میں اسکی نافرمانی کروں ۔ تو تم سوائے گھاٹے میں پڑنے کے مجھے کچھ نہیں بڑھاتے اور اے میری قوم یہ تمہارے لئے اللہ کی اونٹنی ہو (جو) (ن) (ہے) ایک نشان

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝

سواسے چھوڑو و اللہ کی زمین میں چرے اور اسے کوئی دکھ نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں نزدیک ہی عذاب آپکڑے گا

۶۵ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِىْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝

مگرانہوں نے اسے مارڈالا تو اسؑ نے کہا اپنے گھر میں تین دن فائدہ اُٹھالو یہ وعدہ ہے جو کبھی جھوٹ نہ ہوگا

۶۶ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْىِ يَوْمِئِذٍ ۭ

سو جب ہماری سزا آگئی تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو اور انکو جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے (اس سے) نجات دی اور اسؑ دن کی رسوائی سے (بھی)

۶۷ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِىُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ

بیشک تیرا رب طاقتور غالب ہے اور جو ظالم تھے انہیں ہولناک آواز نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے

۶۸ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ع

رہ گئے [۱۴۷۹] گویا کہ ان میں بسے ہی نہ تھے سنو ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا سنو! ثمود کے لئے دوری ہو

کی زندگی میں نظر آتا ہے کہ ہر قسم کے باطل سے متنفر کھیل کود سے الگ ہر وقت خدمت قومی میں لگے ہوئے ہیں بعثت سے پہلے ثمال الیتامی عصمۃ للارامل ہیں غریبوں اور بیکسوں کے ملجا اور ماوی ہیں۔ دن رات مخلوق خدا کی فکر ہی لگی اور رہنما ایسی مسلم کہ کوئی شخص آخر تک حرف نہیں رکھ سکا۔ درحقیقت قرآن کریم نے جو مختلف نقشے انبیاء کے کھینچے ہیں وہ آنحضرت صلعم کے متعلق ہی توجہ دلانے کے لئے ہیں۔ مگر جب یہ لوگ ان ساری باتوں کے باوجود قوم کے اندر سے بدی کی جڑ کاٹنا چاہتے ہیں تو شیاطین کا گروہ ان کا دشمن ہو جاتا ہے ✦

صیحة **۱۴۷۹** صیحة آواز بلند کرنے کا نام ہے (غ) جس کو یہاں صیحۃ کہا اسی کو الاعراف ۔ ۷۸ میں رجفۃ یا زلزلہ کہا جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی عذاب کی مختلف حالتوں کے یہ نام ہیں۔ زلزلہ سے پہلے بھی خطرناک آوازیں آتی ہیں یہاں قریبًا قریبًا انہی الفاظ میں اونٹنی اور اس کے مارا جانے اور عذاب آنے کا ذکر ہے جیسے سورۃ اعراف میں ۔ دیکھو الاعراف۔ رکوع ۱۰ ✦

رکوع ۷ — حضرت لوطؑ اور انکی قوم

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ ۶۹

اور ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لیکر آئے کہا سلامتی ہو اسنے کہا سلامتی اور نہ ٹھہرا کہ

اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ ۷۰

بھنا ہوا بچھڑا لے آیا ۱۲۸۰ مگر جب دیکھا کہ انکے ہاتھ اسکی طرف نہیں اٹھتے اس نے انہیں اجنبی سمجھا

حنیذ

۱۲۸۰ حنیذ ۔ وہ (گرم) پتھروں کے درمیان رکھکر کباب کیا ہوا ہو اور یہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے رطوبت نکل جائے۔

ابراہیم کو بشارت اور قوم لوط کے عذاب کا تعلق

حضرت ابراہیم کا ذکر یہاں اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود حضرت لوط کا ذکر ہی ہے لیکن چونکہ جو رسول لوط کی قوم پر عذاب کی خبر لائے تھے ۔ وہی حضرت ابراہیم کے لئے بھی بشارت لائے تھے ۔ اس لئے قرآن کریم نے یہاں اور کئی اور موقعوں پر جہاں قوم لوط کے عذاب کا ذکر کیا ہے اسے حضرت ابراہیم کے ہاں فرزند کی بشارت سے شروع کیا ہے ۔ اس اکٹھے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی تباہی نہیں چاہتا بلکہ ان پر بڑے بڑے انعام کرتا رہتا ہے ہاں جب ایک قوم بدی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو نسل انسانی کو بچانے کے لئے اس کی تباہی ضروری ہو جاتی ہے ۔ اور حضرت ابراہیم کو قوم لوط کے عذاب سے پہلے اپنی ایک عظیم الشان رحمت کی خبر دی اور بتایا کہ اگر ایک قوم تباہ ہوتی ہے تو تمہاری ہی نسل سے ایک دوسری قوم کھڑی کی جاتی ہے۔

یہ رسول فرشتے تھے یا انسان

یہ رسول کون تھے ؟ ان کے آنے کی غرض بتائی انا ارسلنا الی قوم لوط (۷۰) کون تھے روایات میں ہے کہ وہ فرشتے تھے اور ان کی تعداد بارہ سے لیکر تین تک بیان کی جاتی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل میکائیل اور عزرائیل تھے بائبل میں پیدائش ۱۸ باب میں بھی یہی ذکر ہے اور وہاں بھی ان کو آدمیوں کی شکل میں فرشتے ہی قرار دیا ہے اور ان کی تعداد بھی تین ہی لکھی ہے ۔ مگر تمام واقعات جن کا ذکر ہے انہیں انسان ٹھہراتے ہیں مثلاً ابراہیمؑ کا ان کی مہمانی کرنا اور ان کا کھانا کھانا پھر حضرت ابراہیم کا ان کے ساتھ چلنا وغیرہ اور وہیں حضرت ابراہیم کو ان کا بیٹے کی بشارت دینا اور پھر سدوم یعنی حضرت لوط کی بستی کی طرف جانا مذکور ہے ۔ قرآن کریم میں صراحت سے یہ ذکر کہیں نہیں کہ یہ فرشتے تھے البتہ یہ ذکر ہے کہ جب حضرت ابراہیم ان کے سامنے کھانا لائے تو انہوں نے کھایا نہیں ۔ مگر ان کے دوسرے سارے حالات انسانوں سے ملتے ہیں اور کھانا نہ کھانے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں ممکن ہے اس وقت انہیں بھوک ہی نہ ہو یا روزہ سے ہوں اور آنحضرت صلعم کی کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ فرشتے تھے ۔ رہا یہ کہ انہوں نے حضرت ابراہیم کو بیٹے کی بشارت دی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اس زمانہ میں کوئی ایسے صالح لوگ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی ہو اور انہوں نے اس کا ذکر حضرت ابراہیم سے کیا حالانکہ حضرت ابراہیم کو اس سے پہلے خود بھی اولاد کی خوشخبری دی تھی مگر چونکہ حضرت اسمٰعیل کی پیدائش سے وہ پیشگوئی پوری بھی ہو چکی تھی اس لئے ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کا خیال یہ ہو کہ اب اور اولاد ان کے ہاں نہ ہوگی تب اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے ذریعہ سے ان کو یہ خبر پہنچائی کہ سارہ کے بطن سے بھی ان کے ہاں اولاد ہوگی ۔ اور اصل میں یہ حضرت لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جو ایک بدکار قوم تھی اور خلاف وضع فطرت انسانی افعال شنیعہ کا ارتکاب کرتی تھی اور ان کو وہاں بھیجنے کا منشا اس قوم پر اتمام حجت کے رنگ میں معلوم ہوتا ہے یعنی آپس میں تو ایسے افعال کرتے تھے مگر جب مہمانوں پر دست درازی کریں جو نہ صرف ان افعال بد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ جن کی تکریم لازم تھی تو اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر بھڑک اٹھے ۔ اگر یہ فرشتے ہوتے جن کی وساطت سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام انسانوں کو پہنچاتا ہے تو پھر اس کی صورت وہی ہونی چاہئے تھی جو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (الشوریٰ ۵۱)

۷۰ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ

اور انکی طرف سے دل میں خوف کیا انہوں نے کہا نہ ڈر ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ۱۴۸۱ اور اسکی بی بی

قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝

کھڑی تھی سو وہ خوش ہوئی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق سے آگے (ایک پوتے) یعقوب کی خوشخبری دی ۱۴۸۲

یعنی ملک رسول کو بھیجتا ہے تو وحی کرتا ہے اور کلام وحی اور اس ملک کا آنا اس رنگ میں نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک دوسرے عالم میں آتا ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم پر جب جبرئیل وحی لیکر آتا تو کوئی دوسرا شخص اُسے نہ دیکھ سکتا نہ اس کے کلام کو سن سکتا۔ حالانکہ سب سے زیادہ پرزور اور پرشوکت وحی رسول اللہ صلعم کو ہی ہوئی پس حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کو وحی اس رنگ میں ہی ہو سکتی تھی جس طرح ہمارے نبی کریم صلعم کو ہوئی۔ اور ان واقعات میں چونکہ وہ رنگ نہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ کوئی صالح انسان تھے۔ جن کو بطور ایک نشان کے قوم لوط کی طرف بھیجا گیا۔ اور اسی لحاظ سے ان کو رسول کہا گیا جیسا کہ ایک جگہ حضرت صالح کی اونٹنی کے متعلق بھی فرمایا کہ ہم نے اس اونٹنی کو بھیجا انا مرسلوا الناقة فتنة لهم (القمر ۵۴ - ۲۷) +

خُلق مہمان نوازی — حضرت ابراہیم کا فوراً بھنا ہوا بچھڑا لے آنا بتاتا ہے کہ کس قسم کی مہمان نوازی اخلاق انسانی کو کمال تک پہنچانے کے لئے بکار ہے حضرت ابراہیم ان سے سوال نہیں کرتے کہ تم کھانا کھاؤ گے یا نہیں بلکہ فوراً بہتر سے بہتر غذا جو ان کی مقدرت میں ہے لا حاضر کرتے ہیں گویا اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ مہمان سے دریافت کرنا بھی مہمان نوازی میں ایک قسم کا نقص ہے حضرت ابراہیم بقدر تکلیف کرتے ہیں حالانکہ وہ مہمان کھانا کھاتے بھی نہیں۔ اور اس واقعہ کا ذکر اس غرض کے لئے کیا ہے کہ ہر نبی کی زندگی میں جس خاص خُلق کا ذکر کیا ہے وہ بدرجہ اتم ہمارے نبی کریم صلعم میں موجود تھا۔ اور خاص خاص اخلاق کی طرف توجہ دلانے کی غرض بھی ہے۔

صلحاء کا سلام — سلام کا لفظ اختیار کر کے بتایا ہے کہ صلحاء کا سلام ایک دوسرے کو ہمیشہ یہی رہا ہے یہاں تک کہ وہ قوم جس کو آج سوائے گڈمارننگ اور گڈایوننگ کے اور کچھ آتا ہی نہیں ان کی کتاب مقدس میں خود حضرت مسیح کا سلام جو انہوں نے حواریوں کو کیا یہی لکھا ہے "یسوع انہیں ملا اور کہا سلام" (متی ۲۸ : ۹) +

نَكِرَهُمْ — ۱۴۸۱ نکر۔ اَنْکَرْتُ اور نَکِرْتُ ایک معنی میں ہیں اور انکار عرفان یعنی پہچاننے کی ضد ہے اور نَکِرَھُمْ اسی معنی میں ہے (غ) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کے ہاں مہمان آتا اور وہ کھانا نہ کھاتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کسی بد ارادہ سے آیا ہے (ج) +

وَجَسَ، اَوْجَسَ — اَوْجَسَ۔ وَجْس صوت خفی یعنی ایسی آواز کو کہتے ہیں جو سنی نہ جائے اور ایجاس ایسی آواز کا اندر پانا ہے (غ) + حضرت ابراہیم نے ان کے نہ کھانے کو دستور ملک کے مطابق اس بات پر محمول کیا کہ ان کا ارادہ اچھا نہیں۔ اس لئے آپ نے دل میں ان سے خوف محسوس کیا جس کا جواب انہوں نے دیا کہ تمہارے لئے تو خوشخبری ہے۔ ہاں اگر ہم بُرائی کی خبر لائے ہیں تو وہ قوم لوط کے لئے ہے +

ضِحْك — ۱۴۸۲ ضحکت۔ ضِحْك چہرہ کا انبساط ہے اور دانتوں کا ظاہر ہونا ہے جو دل میں خوشی پیدا ہونے سے ہو اور استعارةً استہزا یا تمسخر پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے وكنتم منهم تضحكون (المؤمنون ۲۳ - ۱۱۰) اور اذا هم منها يضحكون (الزخرف ۴۳ - ۴۷) اور صرف خوش ہونے پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے مسفرة ضاحكة (عبس ۸۰ - ۳۸ - ۳۹) فليضحكوا قليلا (التوبة ۹ - ۸۲) اور مجرد تعجب پر بھی اس کا استعمال ہے (غ) +

ضاحكة

وراء — وراء۔ اس کا مادہ وری ہے اور اس کے معنی دونوں طرح آتے ہیں۔ پیچھے اور آگے گویا وہ وہ چیز ہے جو تم سے

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا ۷۳

اس نے کہا مجھ پر تعجب ہیں جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے یقیناً بڑی عجیب بات ہے ۱۴۸۳ انہوں نے کہا

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ

کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب آتا ہے اے اہل بیت اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں تم پر ہیں وہ تعریف کیا گیا ہے

مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۷۴

بزرگ ہے سو جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اسے خوشخبری پہنچی لوط کی قوم کی نسبت ہم سے جھگڑنے لگا ۱۴۸۴

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۷۵

یقیناً ابراہیم بردبار نرم دل (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا تھا ۱۴۸۵ اے ابراہیم اس سے اعراض کر کیونکہ تیرے رب کا حکم آچکا ہے

پیچھے ہوئی ہو آگے ہو یا پیچھے (ت) پس من وراء اسحاق کے معنی ہوئے اسحاق سے آگے یعنی اگلی نسل میں یا اسحاق کی اولاد گویا صرف بیٹے کی خوشخبری نہیں بلکہ ایک قوم کے پیدا ہونے کی خوشخبری ہے اس لئے بتایا کہ اس بیٹے کے بھی بیٹا ہوگا۔ اور تاج العروس میں ہی ہے الوراء ایضاً ولد الولد یعنی بیٹے کے بیٹے کو بھی وراء کہا جاتا ہے یہی معنی حضرت ابن عباس سے مروی ہیں۔

اما تہ قائمۃ میں بتایا کہ حضرت ابراہیم کی بی بی بھی مہمانوں کی خدمت میں مشغول تھیں۔ اور ان کے ضحکت سے مراد اگر ہنسنا یا خوش ہونا لیا جائے تو اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کو اطمینان ہوگیا کہ یہ لوگ ہمارے متعلق کوئی بری خبر نہیں لائے بلکہ قوم لوط کے لئے لائے ہیں اور اسحاق کی خبر پر یہ خوشی نہیں کیونکہ وہ خبر ابھی بعد میں ملتی ہے اور یا ضحکت بمعنی تعجب محض ہے اور تعجب انہیں اس بات پر ہوا کہ حالانکہ دونوں میاں بی بی ان کی خدمت میں مشغول رہے مگر انہوں نے کھانا نہ کھایا +

یویلتی ۱۴۸۳ یویلتی۔ وَیْل کے اصل معنی برائی ہیں۔ مگر یہ کلمہ یا ویلتا اہل عرب تعجب کے وقت بھی بولتے ہیں (ج) +

رُوع۔ رَوع ۱۴۸۴ الروع۔ رُوْع دل کو کہتے ہیں حدیث میں ہے اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ روح القدس نے میرے دل میں ڈالا۔ اور رَوْع وہ چیز ہے جو دل کو پہنچے اور خوف کو جو دل میں ڈالا جائے رَوْع کہا جاتا ہے (غ)، اور حدیث میں ہے اللّٰھم آمن رَوْعَاتِی اور رَوْعات رَوْعۃ کی جمع ہے یعنی ایک مرتبہ خوف (ل) +

یجادلنا فی قوم لوط یعنی لوط کی قوم پر جو عذاب کی خبر انہیں ملی تو اس کے ٹل جانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اسے مجادلہ اس لئے کہا کہ ارادۂ الٰہی ظاہر ہو چکا تھا +

نوب۔ نائبۃ۔ انابۃ ۱۴۸۵ منیب۔ نَوْب کے معنی ایک چیز کا بار بار لوٹ کر آنا اور نائبۃ حادثہ کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ لوٹ لوٹ کر آتا ہے اور انابۃ یہ ہے کہ توبہ اور اخلاص عمل سے بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے خرَّ راکعاً و اناب (ص ۳۸۔ ۲۵) وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ (الزمر ۳۹۔ ۵۴) منیبین الیہ (الروم ۳۰۔ ۳۱) +

۷۷ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ○ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ

اور ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح رد نہیں کیا جاسکتا اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے تو انکی وجہ سے مغموم ہوا اور

۷۸ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ○ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ

انکے معاملہ میں ہاتھ کو تنگ پایا اور کہا یہ دن بڑا سخت ہے ۱۴۸۶ اور اسکے پاس اسکی قوم دوڑتی آئی اور وہ پہلے سے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا

برے کام کرتے تھے اس نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے سب سے بڑھکر پاک ہیں سو اللہ کا

۷۹ اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ○ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ

تقوےٰ کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں سے کوئی بھلا آدمی نہیں ۱۴۸۷ انہوں نے کہا تو جانتا ہے

سوء

۱۴۸۶ سِیْٓءَ بِهِمْ ۔ سُوْءٌ وہ چیز ہے جو انسان کو غم میں ڈالے (غ) اس لئے سِیْٓءَ بِهِمْ کے معنی ہیں ان کی وجہ سے مغموم ہوا

ذراع

ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ذِرَاعٌ ہاتھ ہے یعنی کہنی سے لیکر درمیانی انگلی کے آخر تک ہے ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا (الحاقۃ ۶۹-۳۲)

ضاق بالامر ذرعا

اور ذَرْعٌ کے معنی طاقت بھی آتے ہیں جس طرح ید کے معنی طاقت ہیں اور ضَاقَ بِالْاَمْرِ ذَرْعُهٗ کے معنی ہیں اس کی طاقت اس معاملہ میں کمزور ہوئی (ل) +

عصب ۔ عصیب

عصیب ۔ عَصَبٌ پٹھے کو کہتے ہیں اور عَصَبٌ کا استعمال سختی اور مضبوطی پر ہے اور عصیب کے معنی سخت ہیں (غ) جب اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے حضرت لوط کے پاس آتے ہیں تو ان کو اپنی قوم کی بدکاری کی وجہ سے یا اس لئے کہ ان کی قوم اس بات کو پسند نہ کرتی تھی کہ اجنبی لوگ ان کے پاس آکر ٹھہریں جیسا کہ اولم ننهك عن العالمين (الحجر ۱۵-۰۰) سے ظاہر ہے ۔ ان کی حفاظت کی فکر ہوئی اور ان کو خوف ہوا کہ وہ ان مہمانوں کی حفاظت نہ کرسکیں گے اسلئے وہ مغموم ہوئے

ھرع ۔ اھرع

۱۴۸۷ یُهْرَعُوْنَ ۔ هَرِعَ اور اُهْرِعَ کے معنی ہیں اس کو سختی سے اور ڈرا کر خوب چلایا (غ) اور ابن جریر نے یُهْرَعُوْنَ کے معنی میں یہ شعر نقل کیا ہے فجاؤا يهرعون وهم اسارى ◆ نقودهم على رغم الانوف جس سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قیدیوں کو سختی کے ساتھ اور ڈرا کر چلایا جاتا ہے اور دیتے ہیں کہ جب انسان سردی یا غضب یا بخار سے کانپتا ہو تو اس کی بھی اُهْرِعَ کا استعمال ہوتا ہے اور یہاں ان کے تیز چلنے کو طلب فاحشہ سے منسوب کیا گیا ہے (ج) +

ضیف

ضیف ۔ ضَیْفٌ کے اصل معنی مَیْل یعنی مائل ہونا ہیں پس ضَیْف وہ ہے جو تمہارے پاس ٹھہرتا ہوا تمہاری طرف مائل ہو یعنی مہمان اور چونکہ اس کا اصل مصدر ہے اس لئے واحد جمع میں یکساں استعمال ہوتا ہے اور اسی سے ضیافۃ ہے اور اِضَافَةٌ کا استعمال جو نحو میں ہوتا ہے وہ بھی اسی سے ہے (غ) +

اضافۃ

حضرت لوط کی قوم کے متعلق یُهْرَعُوْنَ کا لفظ بتاتا ہے کہ وہ کسی خوف کے مارے دوڑے آئے اور ممکن ہے کہ وہ اسی خوف سے آئے ہوں کہ حضرت لوط اجنبیوں کو اپنے پاس جمع کر رہے ہیں گو اگلے الفاظ اس معنی کی تائید نہیں کرتے جہاں ان کی پہلی بدکاریوں کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی وہ اسی ارادہ سے آئے تھے ۔ اور اس قوم کی بےحیائی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ علی الاعلان اور مہمانوں کے ساتھ بھی بےحیائی کے ارتکاب کی خواہش سے اندھے ہوگئے ۔ اور کسی قسم کا لحاظ انکو باقی نہ رہا

مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ ۸۰

ہمارا تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں اور تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں ۱۴۸۸ اس نے کہا کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی

اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْکَ ۸۱

میں ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں ۱۴۸۹ انہوں نے کہا اے لوط ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ تجھ تک نہ پہنچ سکینگے

حضرت لوط کی بیٹیاں

ھٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ ھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ اس کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لئے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں تم ان سے نکاح کرلو۔ کیونکہ وہ لوگ پہلے حضرت لوط سے انکی بیٹیاں نکاح میں مانگتے تھے تو آپ انکار کرتے تھے سو اپنے مہمانوں کی حفاظت کے لئے آپ نے اس بات کو بھی قبول کیا کہ وہ اپنی لڑکیاں ان کو نکاح میں دے دیں اور بعض کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے صرف ان کو شرم دلانا مقصود تھا حقیقت میں نکاح میں دینا مقصود نہ تھا۔ اور مجاہد اور قتادہ ابن جریج وغیرہم روایت ہے کہ ھٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ میں اشارہ عورتوں کی طرف تھا کہ قضائے شہوت کے لئے تمہاری بیویاں موجود ہیں اور وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں پس تمام حرام اور فاحش طریقوں کو چھوڑ دو اور عام عورتوں کو بَنَاتِیْ اس لحاظ سے کہا کہ نبی اپنی اُمت کے لئے باپ کے حکم میں ہوتا ہے (ج) یہ آخری تاویل کسی قدر کمزور ہے اس لئے کہ نبی کا باپ ہونا مومنوں کے حق میں ہوتا ہے نہ کفار کے مگر پھر بھی مجازًا بَنَاتِیْ سے مراد عام عورتیں لی جاسکتی ہیں اور یہی معنی قابل ترجیح ہیں کہ آپ نے مرد اور عورت کے قدرتی اور پاکیزہ تعلق کی طرف توجہ دلائی۔

بائبل کا فحش قصہ لوط کی بیٹیوں کے متعلق

بائبل میں ایک نہایت فحش قصہ حضرت لوط کی بیٹیوں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو شراب پلا کر اس سے زنا کیا۔ انبیاء کے متعلق ایسے ناپاک قصے بیان کرکے بھی یہ کتاب مقدس کہلاتی ہے اور عیسائی اسے فخر سے دنیا میں پھیلا رہے ہیں کچھ تھوڑی سی حیا ہوتی تو اس قسم کے فحش قصوں کو ہی اس کتاب سے نکال دیتے +

۱۴۸۸ اس جواب میں کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تم دوسری قوم سے ہو اس لئے ہم تمہاری بیٹیوں سے نکاح نہیں کرسکتے یا یہ کہ تم ان کے متعلق پہلے انکار کرچکے ہو +

رُکن
رَکَنَ

۱۴۸۹ رُکن۔ ایک چیز کا رُکن اس کی وہ جانب ہے جس سے وہ سکون پکڑتی ہے اس لئے استعارۃً اس کے معنی قوت ہیں یعنی سہارا اور اسی سے رَکَنَ کے معنی ہیں ایک جانب مائل ہوا لَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (ھود-۱۱۳) اور عبادت کے ارکان وہ باتیں ہیں جن پر اس کی بنا ہے اور جن کے ترک کرنے سے وہ باطل ہو جاتی ہے (غ) +

رکن شدید سے مراد

پہلے اپنی کمزوری کا اعتراف ہے کاش مجھ میں یہ طاقت ہوتی کہ میں تمہارا مقابلہ کرکے اپنے مہمانوں کو تم سے بچا سکتا لیکن چونکہ مجھ میں یہ طاقت نہیں اس لئے پھر فرمایا اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ بلکہ میں ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں اور گو اس مضبوط سہارے سے بعض مفسرین نے مراد کنبہ لیا ہے مگر حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا سہارا ہے چنانچہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں رَحِمَ اللّٰہُ لُوْطًا فَاِنَّہٗ کَانَ یَاْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ (خ) اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط پر رحم کیا کیونکہ وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی +

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

تو کچھ رات سے اپنے اہل کو لے کر چلے جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے مگر تیری بی بی کہ اس پر

مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ فَلَمَّا ۸۲

وہی مصیبت آنیوالی ہو جو ان پر آرہی ہو ان کا مقرر وقت صبح ہو کیا صبح قریب نہیں؟ ۱۴۹۰ سو جب

جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝

ہمارا حکم آگیا ہم نے اسے تہ و بالا کر دیا اور ہم نے اس پر سخت پتھر پے درپے برسائے ۱۴۹۱

سَرَیٰ ۔ اَسْرَیٰ

۱۴۹۰ اسر ۔ سَرَیٰ اور اَسْرَیٰ کے معنی ہیں رات کے وقت چلا قطع من اللیل رات کا کچھ حصہ ہے +

التفات

یلتفت ۔ التفات کے لئے دیکھو ۱۴۲۱ حضرت ابن عباس سے یہاں لا یَتَخَلَّفْ معنی مروی ہیں یعنی پیچھے نہ رہو (د) اور بعض نے پھر کر دیکھنا مراد لیا ہو +

وہ لوگ اس وقت کس طرح اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکے اس کی تفصیل قرآن کریم نے نہیں دی بعض آثار میں ہے کہ وہ اندھے کر دیے گئے +

عالی ۔ سافل

۱۴۹۱ عالی ۔ سافل ۔ سُفْل ۔ عُلُوّ کی ضد ہو اور اَسْفَل ۔ اَعْلٰی کی (غ) والرکب اسفل منکم (الانفال ۸ ۔ ۴۲) میں مراد نیچی طرف ہو جو بوجہ ساحل سمندر کے قریب ہونے کے مدینہ سے نیچی تھی یعنی سطح سمندر سے اس کی بلندی کم تھی اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم (الاحزاب ۳۳ ۔ ۱۰) میں بھی پست زمین مراد ہو وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ (التوبۃ ۹ ۔ ۴۰) میں مغلوبیت مراد ہو ثم رددناہ اسفل سافلین (التین ۹۵ ۔ ۵) میں ذلیل حالت مراد ہو +

سِجِّیل ۔ سجل ۔ مُسْجَل

سجیل ۔ کو سنگ گل (یعنی مٹی کا پتھر) سے معرب خیال کیا گیا ہو لیکن اس لفظ کا مادہ سجل زبان عربی میں موجود ہے اور اس کے مشتقات بکثرت زبان عربی میں استعمال ہوتے ہیں اس لئے سِجّیل کو معرب خیال کرنا صریح غلطی ہو سَجْل بڑے ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور حدیث میں ہو الحرب بیننا سِجَال یعنی کبھی ایک طرف کو غلبہ ہوتا ہو کبھی دوسری طرف کو اور ایک حدیث میں سورت کی قرأت کے متعلق ہو فَسَجَلَهَا یعنی اس کو ملی ہوئی قرأت کے ساتھ پڑھا کیونکہ سجل کے معنی صب یعنی گرانا بھی آتے ہیں اور اَسْجَلَ کے معنی اَرْسَلَ یا اَطْلَقَ آتے ہیں یعنی بھیجا اور چھوڑ دیا یا آزاد کیا ۔ اور سِجِلّ کتاب عہد کو کہتے ہیں ۔ اور ابو عبیدہ کہتے ہیں من سجیل کے معنی ہیں کثیرۃ شدیدۃ یعنی بہت اور سخت اور بعض کے نزدیک سجیل

اَسْجَل ۔ سِجِلّ

اَسْجَلَ بمعنی اَرْسَلَ سے ہو یعنی چھوڑ دیا گویا وہ پتھر ان پر بھیجے گئے یا چھوڑے گئے ۔ اور یا سجیل سے مراد سِجِلّ ہو یعنی لکھے ہوئے گویا وہ ان کے لئے مقدر ہو چکے تھے اور سِجّیل اور سِجّین کے ایک ہی معنی ہیں اور سِجّین بمعنی کتاب مرقوم قرآن شریف میں ہے وما ادرٰک ما سجین کتاب مرقوم (التطفیف ۸۳ ۔ ۸و۹) (ل) اور ابن جریر نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہو کہ سجیل سے مراد سخت ہو +

نَضَدَ ۔ منضود

منضود ۔ نَضَدَ سامان کے ایک دوسرے کے اوپر رکھنے پر بولا جاتا ہو (غ) اور منضود کے معنی ہیں یَتْبَعُ بعضُهٗ بعضًا (ج) ایک دوسرے کے پیچھے آتے تھے بالفاظ دیگر پے در پے برس رہے تھے اور قرآن کریم میں ہو طلح منضود (الواقعۃ ۵۶ ۔ ۲۹) اور ایسا ہی طلع نضید (قٓ ۵۰ ۔ ۱۰) یعنی تہ بتہ +

رکوع ۸ — حضرت شعیب اور اہل مدین

مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ ۸۳ ۸۴

تیرے رب کے ہاں نشان لگائے ہوئے اور وہ ظالموں سے دور نہیں ۱۴۹۲ اور مدین کی طرف انکے بھائی

شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ

شعیب کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ

وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ وَيَا قَوْمِ ۸۵

کیا کرو میں تمہیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں تم پر (چاروں طرف سے) گھیر لینے والے دن کے عذاب کے آنے سے ڈرتا ہوں ۱۴۹۳ اور اے میری قوم

أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ

ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور فساد پھیلاتے ہوئے زمین میں حد سے

مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝ ۸۶

نہ بڑھو جو اللہ کے پاس باقی رہتا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں ۱۴۹۴

لوط کی بستیاں کس طرح تباہ ہوئیں

جعلنا عالیہا سافلہا کی تفسیر میں مفسرین نے بعض آثار کی بنیاد پر لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل نے زمین کے اس ٹکڑے کو اٹھا کر اتنا اونچا کیا کہ آسمان والوں نے مرغوں کی آواز اور کتوں کا بھونکنا سنا اور پھر اسے وہاں سے پھینکا مگر کسی حدیث میں نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہوتی تو پھر ساتھ پتھر برسانے کا ذکر بے معنی ہے کیونکہ جب زمین کے نیچے کا حصہ اوپر آگیا اور اوپر والا نیچے چلا گیا تو پتھر کہاں برسے گویا قرآن کریم نے پتھر برسانے کا ذکر کرکے خود بتا دیا کہ عالی کو سافل بنانے سے مراد تہ و بالا کرنا ہے اور دوسری جگہ اس قوم کے عذاب کو کہیں صرف امطرنا علیہم مطرا (النمل ۲۷-۵۸) کہا ہے اور کہیں انا ارسلنا علیہم حاصبا (القمر ۵۴-۳۴) گویا صرف پتھروں کی بارش کا ذکر کیا ہے پس یہی اصل عذاب تھا اور اسی کے ذریعہ سے وہ زمین تہ و بالا کر دی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ پتھروں کی بارش آتش فشاں پہاڑوں سے ہوتی ہے اور پے در پے بھیجنے سے بھی یہی نشان ہے

۱۴۹۲ پتھروں کو مسومۃ یا نشان لگائے ہوئے اس لئے کہا کہ گویا وہ ان کے لئے مقدر ہو چکے تھے۔ اور ما ھی من الظالمین ببعید میں یہ بتایا کہ وہ جگہ ان ظالموں سے جو اس وقت حق کی مخالفت کر رہے ہیں دور نہیں یعنی اسے دیکھتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ہے کہ اس پر تم گزرتے ہو اور یا مراد یہ ہے کہ ایسا ہی عذاب ان ظالموں کیلئے تیار ہے +

خیر

۱۴۹۳ اخیر وہ چیز ہے جس میں سب رغبت کریں۔ اور اس کی ضد شر ہے اور ایک چیز کو دوسری کے مقابلہ میں بھی خیر کہا جاتا ہے جیسے مال کثیر کو خیر کہا جاتا ہے اور یہاں مراد دنیوی نعمتیں یا آسایش کی حالت ہے باقی کیلئے دیکھو ن ۱۱۲۰ +

بقاء

۱۴۹۴ بقیۃ اللہ۔ بقاء کسی چیز کا پہلی حالت پر ثابت رہنا ہے۔ اور اپنے نفس میں باقی رہنے والی صرف ذات باری ہے۔ باقی سب کا بقا اسی کی ذات سے ہے ایسا ہی بقا اہل جنت کا ہے۔ اور الباقیات الصالحات (الکھف ۱۸-۴۶) وہ

بقیۃ اللہ

اعمال ہیں جن کا ثواب انسان کے لئے باقی رہتا ہے اور بقیۃ اللہ سے مراد بھی یہی ہے اور اس کی اضافت اللہ کی طرف ہے (غ)، اور اس کے معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا اللہ تعالیٰ کا رزق بھی کئے ہیں (ج) +

۸۷ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا

انہوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں

۸۸ مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

(نہ) کریں تو بیشک بڑا بردبار سیدھی راہ پر چلنے والا ہے ۱۴۹۵ اس نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب سے ایک کھلی دلیل پر ہوں اور اپنے

رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ

مجھے اپنی جناب سے اچھا رزق دیا ہو اور میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کرکے وہ کام کروں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

میں سوائے اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا جہاں تک میری طاقت ہے اور مجھے توفیق ملنا اللہ کی مدد سے ہی ہے اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں

۸۹ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ

اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۴۹۶ اور اے میری قوم میری دشمنی تمہیں مجرم نہ بنا دے کہ تم پر ایسی ہی مصیبت آپڑے جیسی

اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ○

مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر پڑی اور لوط کی قوم بھی تم سے دور نہیں ۱۴۹۷

۱۴۹۵ بظاہر ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز پڑھتے ہو تو پڑھو ہماری باتوں میں دخل کیوں دیتے ہو۔ ہم اپنے پرانے طریق پر عبادت کرتے ہیں جس طرح ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ رہے مال سو وہ ہماری چیز ہے جس طرح پر چاہیں کریں کم دیں یا زیادہ دیں۔ اور یہ جو کہا کہ تم حلیم رشید ہو تو بعض نے اسے بطور تہکم مراد لیا ہے یعنی تم اپنے زعم میں حلیم و رشید ہو۔ مگر قرین قیاس یہ ہے کہ وہ حضرت شعیب کی حلیمی اور رشد کے قائل تھے +

رزق حسن

۱۴۹۶ رزق حسن سے مراد یہاں نبوت و حکمت ہے (د) کیونکہ یہی وہ رزق ہے جو انبیاء کو خصوصیت سے ملتا ہے اور ان کی اس بات کا کہ ہماری باتوں میں دخل نہ دو یہ جواب دیا ہے کہ میں تمہاری اصلاح چاہتا ہوں اور یہ کہ میں خود اسے اچھا سمجھتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ میں خود بھی اس پر عامل ہوں +

طوفان نوح کل دنیا پر تھا۔

۱۴۹۷ یہاں کیسی صفائی سے بتا دیا کہ جس طرح ہود اور صالح اور لوط کی قوم پر عذاب آیا اسی طرح حضرت نوح کی بھی قوم پر عذاب آیا جس سے معلوم ہوا کہ طوفان نوح کا عذاب صرف قوم نوح کے لئے تھا نہ کل عالم کے لئے سارے قرآن شریف میں جہاں جہاں حضرت نوح کا ذکر آتا ہے ان کی قوم کا اسی طرح ذکر ہے جس طرح دوسرے انبیاء کی قوموں کا +

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ ۹۰

اور اپنے رب کی بخشش مانگو پھر اس کی طرف پھر آؤ۔ میرا رب رحم کرنے والا محبت کرنیوالا ہو[۱۴۹۷] انہوں نے کہا اے شعیب ہمیں بہت سی

كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ

وہ باتیں سمجھ نہیں آتیں جو تو کہتا ہو اور ہم تجھے اپنے اندر کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تیری برادری کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے اور تو

عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ۹۲

ہمارے مقابلہ میں غالب نہیں ہے[۱۴۹۸] اس نے کہا اے میری قوم کیا میری برادری کے لوگ تمہارے نزدیک اللہ کی نسبت زیادہ عزت والے ہیں اور تم نے اسے پیچھے

ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ ۹۳

پیچھے ڈال رکھا ہو۔ میرا رب اس کا احاطہ کئے ہوئے ہو جو تم کرتے ہو[۱۴۹۹] اور اے میری قوم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو میں بھی عمل کرنیوالا ہوں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا

تم جان لوگے کون وہ ہو جس پر وہ عذاب آتا ہو جو اسے رسوا کرے اور کون جھوٹا ہے اور دیکھتے رہو

اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۹۴

میں بھی تمہارے ساتھ دیکھ رہا ہوں اور جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیب کو اور انہیں جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی

وُدّ۔ ودود — **۱۴۹۷** ودود۔ وُدّ کے لئے دیکھو **۱۱۳۷** اس میں محبت سے بڑھکر ایک چیز کے ہونے کی تمنی بھی ہو اور ودود وہ ہے جو بندوں سے مودت رکھتا ہو یعنی بندوں کے لئے مراعاۃ یا ان کی حفاظت بھی اس میں شامل ہو۔ اور یا ودود کے معنی میں یہ داخل ہو کہ اللہ ایکایسی قوم کو لاتا رہتا ہو جو اس سے محبت کرے اور جن سے وہ محبت کرے (غ) +

رھط — **۱۴۹۸** ارھط کسی شخص کا رَھط اس کی قوم یا قبیلہ ہے۔ اور تین یا سات سے دس تک کے عدد کو ظاہر کرتا ہو (ل)

شعیب کی نابینائی کی روایت — انبیاء کی تعلیم ایسی سادہ ہوتی ہو کہ عام انسان اس کو سمجھ سکتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم سمجھتے نہیں گویا اس بات کے قایم مقام ہے کہ ہم پروا نہیں کرتے کیونکہ تم ہم میں کوئی طاقتور آدمی نہیں ہو کہ تمہاری بات کی ہم پروا کریں ضعیف سے یہی مراد ہو اور یہ جو حضرت ابن عباس سے ضعیف کے معنی اندھا مروی ہیں تو یہ درست نہیں اس لئے کہ انبیاء ایسے عیوب سے پاک ہوتے ہیں اور یہاں لفظ ہیں کہ ہم تم کو اپنے اندر ضعیف پاتے ہیں جس سے مراد یہ ہو کہ ہمارے مقابلہ میں تم کمزور ہو اور اگر ضعیف سے اندھا مراد لیا جائے جس پر لغت کی بھی شہادت نہیں تو معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ اپنے اندر اندھا پانا بے معنی ہو +

ظہری — **۱۴۹۹** ظِہْری۔ ظَہْر کے معنی پیٹھ ہیں اور ظِہْرِی اسے بھی کہتے ہیں جسے سواری کے لئے تیار کیا جائے اور اسے بھی جسے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا جائے (غ) یہی دوسرے معنی یہاں ہیں +

۹۵ وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿۹۴﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا

اور انہیں جنہوں نے ظلم کیا سخت آواز نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے ہی رہ گئے گو یا کہ ان میں ابسے ہی

۹۶ فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ

نہ تھے۔ سنو مدین کے لئے دوری ہو جیسے ثمود دور ہوئے اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی مضبوط دلائل کے ساتھ

ع ۹ ۱۴ شقی او رسعید

۹۷ ۹۸ مُّبِينٍ ﴿۹۶﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ

بھیجا فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا وہ قیامت

۹۹ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿۹۸﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ

کے دن اپنی قوم کے آگے ہوگا سو انکو آگ پر پہنچا دے گا اور کیا ہی برے لوگ ہیں جو پہنچائے گئے ۱۵۰۰ اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے

۱۰۰ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿۹۹﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ

پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی برا عطیہ ہے جو دیا جائے گا ۱۵۰۱ یہ بستیوں کے حالات میں سے ہے جو ہم تجھے بیان کرتے ہیں

۱۰۱ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ۖ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ

ان میں سے کچھ آباد اور کچھ اُجڑی ہوئی ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا سو جب تیرے رب کا حکم آگیا

آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ

تو ان کے وہ معبود ان کے کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں وہ اللہ کے سوائے پکارتے تھے

وَرُود — ۱۵۰۰ ورد۔ وُرُود پانی کا قصد کرنا ہے پھر اس کے غیر میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں اور دوسرے مقامات پر آگ پر استعمال ہوا ہے گویا پانی کی جگہ آگ پائیں گے (غ)۔ اور وَرَدَ کا استعمال صرف پہنچنے پر ہے جب ابھی اس میں داخل نہ ہوا ہو جیسے ولما ورد ماء مدین (القصص ۲۸ - ۲۳) اور جب ایک شخص کسی شہر تک پہنچ جائے مگر اس میں ابھی داخل نہ ہوا ہو تو کہا جاتا ہے وَرَدَ بَلَدَ کذا اور بعض کے نزدیک داخل ہو جائے یا نہ ہو دونوں حالتوں میں وَرَدَ کا استعمال ہوتا ہے۔ اور جوہری کا قول ہے کہ ورود بالاجماع پہنچنے پر استعمال ہوتا ہے جب اس میں

وِرْد — داخل نہ ہوا ہو (ل)، اور وِرْد وہ لوگ ہیں جو پانی پر پہنچتے ہیں یا اونٹ وغیرہ اور پانی کی جگہ کو بھی وِرْد کہا جاتا ہے

وَارِد — اور وِرْد قرآن کریم کے اس حصہ کو بھی کہا جاتا ہے جو مقرر طور پر پڑھا جائے (ل)، اور وَارِد کے معنی ہیں آگے چلنے والا جو پانی لاتا ہے فارسلوا واردھم (یوسف ۱۲ - ۱۹) (غ)۔

رفد — ۱۵۰۱ رفد۔ رِفْد عطیہ کو کہتے ہیں اور رَفَدَ عطیہ دیا (غ)۔

وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ○ وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۱۰۲

اور انکے گھاٹے میں پڑا رہنے کو ہی بڑھایا ۱۵۰۲ اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوا کرتی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے درانحالیکہ وہ ظالم ہوں

إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ○ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۱۰۳

ان اس کی گرفت دردناک سخت ہوتی ہے یقیناً اس میں اسکے لئے نشان ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَجْمُوعٌ لَهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَشْهُودٌ ○ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَعْدُودٍ ○ ۱۰۴

یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھے کئے جائینگے اور یہ وہ دن ہے جو آکر رہے گا ۱۵۰۳ اور ہم اسے ایک مقرر وقت کیلئے ہی پیچھے ڈال رہے ہیں

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ○ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا ۱۰۵ ۱۰۶

جس دن وہ آجائیگا کوئی شخص سوائے اسکے اذن کے بات نہیں کریگا پھر ان میں سے بدقسمت اور خوش قسمت ہونگے ۱۵۰۴ سو جو بدقسمت ہیں وہ

فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ○ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ ۱۰۷

آگ میں ہونگے انکے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگا ۱۵۰۵ اسی میں رہینگے جبتک آسمان اور زمین ہیں

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ○ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ ۱۰۸

سوائے اسکے جو تیرا رب چاہے کیونکہ تیرا رب جو چاہے کر گزرے اور وہ جو خوش قسمت ہیں وہ جنت میں ہونگے

تب ۔ تباب — ۱۵۰۲ تتبیب ۔ تَبّ اور تباب خسران یعنی گھاٹے میں پڑے رہنا ہے تبت یدا ابی لہب (اللھب ۱۱۱-۱) وما کید فرعون الا فی تباب (المؤمن ۴۰-۳۷) +

مشہود — ۱۵۰۳ مشہود ۔ شہود کے معنی حاضر ہونا اور مشہود یہاں بمعنی شاھد ہے یعنی جس کا مشاہدہ ضرور ہوگا مطلب یہ کہ آکر رہے گا (غ) +

شقی ۔ سعید — ۱۵۰۴ شقی ۔ سعید ۔ شَقَاوَۃ ۔ سَعَادَۃ کی ضد ہے اور سَعْد اور سَعَادَۃ انسان کیلئے بھلائی کے پانے پر امور الٰہیہ کی اعانت ہے اور شَقَاوَۃ اور سَعَادَۃ دنیوی بھی ہے اور اُخروی بھی اور سب سے بڑی سعادت جنت ہے (غ) ، یا سَعْد ۔ یُمن یعنی برکت ہے +

یہاں شقی اور سعید کی تقسیم اس لحاظ سے ہے کہ جو لوگ جنت میں داخل ہونگے وہ سعید ہونگے اور جو آگ میں وہ شقی ہونگے

زفیر ۔ شہیق — ۱۵۰۵ زفیر ۔ شہیق زفیر سانس کا اندر کو کھینچنا یہانتک کہ پسلیاں اس سے پھول جائیں ۔ اور شہیق . . . . سانس کا لوٹانا اور زفیر اس کا مدیا اندر کھینچنا ہے اور جَبَلٌ شَاهِقٌ بڑے بلند پہاڑ کو کہتے ہیں اور اسی سے شہیق ہے (غ) دوزخ کے متعلق دونوں لفظ آتے ہیں سمعوا لھا شھیقا (الملک ۶۷-۷) سمعوا لھا تغیظا و زفیرا (الفرقان ۲۵-۱۲) اور لسان العرب میں ہے گدھے کی آواز کا پہلا حصہ زفیر ہے پچھلا شہیق کیونکہ زفیر سانس کا اندر لیجانا ہے اور شہیق اس کا باہر نکالنا ۔ اور یہی میں ہے کہ زفیر یہ ہے کہ انسان کا سینہ غم سے بھرا ہوا ہو پھر وہ اسے نکالے +

خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ

اسی میں رہینگے جبتک آسمان اور زمین ہیں سوائے اس کے جو تیرا رب چاہے یہ بخشش ہو جو کبھی منقطع

مَجْذُوْذٍ ۝ فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّمَّا یَعْبُدُ ھٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا ۱۰۹

نہیں ہو گی ۱۵۰۶ سو ان کے متعلق کچھ بھی شک نہ کر جنکی یہ عبادت کرتے ہیں۔ وہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جیسے

یَعْبُدُ اٰبَآؤُھُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ ع

پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم ان کو انکا حصہ بغیر کم کئے پورا پورا دینے والے ہیں

جذّ ۔ مجذوذ

۱۵۰۶ مجذوذ ۔ جذّ کے معنی ہیں کسی چیز کا توڑنا اور اس کا فنا کر دینا فجعلھم جذاذا (الانبیاء ۲۱ ۔ ۵۸) اور غیر مجذوذ کے معنی ہیں غیر مقطوع عنھم یعنی جو ان سے کبھی قطع نہ کی جائے گی (غ) ۔

جنت اور دوزخ کے خلود میں استثنا

یہاں جنت اور دوزخ کے ذکر میں کہ ان کے اندر ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا ایک بیّن فرق نظر آتا ہے یعنی دونوں میں الا ماشاء ربک فرما کر دوزخ کی صورت میں پیچھے یہ لفظ لائے گئے ہیں کہ تیرا رب جو چاہے کر گزرے یعنی چاہے تو انہیں دوزخ سے نکال دے اور بہشت کی صورت میں یہ کہ یہ عطا کبھی منقطع نہ ہوگی یعنی بہشت سے کبھی کوئی شخص باہر نہ نکالا جائیگا یہ کھلا فرق جو صاف بتا رہا ہے کہ دوزخ کے لئے وہ ہمیشگی نہیں جو جنت کے لئے ہے ہماری توجہ کو اس طرف پھیرتا ہے کہ آیا کبھی دوزخی دوزخ سے باہر بھی نکالے جائیں گے۔

اس کی چار توجیہیں

ابن جریر نے چار مختلف توجیہات پہلی آیت کی تفسیر میں روایت کی ہیں اول یہ کہ الا ماشاء ربک میں جو استثنا ہے وہ اہل توحید کے لئے ہے یعنی سب دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے سوائے اہل توحید کے کہ جو ایسے لوگ گنہگار ہونگے ان کے لئے ہمیشگی نہیں ہوگی دوم یہ کہ الا ماشاء ربک میں جو استثنا ہے وہ گنہگار اہل توحید کے دخول کے متعلق ہے یعنی سب گنہگار داخل نار ہونگے مگر اہل توحید نہیں۔ تیسرا یہ کہ یہ سب لوگوں کی متعلق ہے یعنی سب دوزخیوں کو آخر کار دوزخ سے نکال دیا جائیگا چوتھا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل نار کے متعلق اپنی مشیت کی خبر نہیں دی چاہے اللہ تعالیٰ ان کی سزا میں زیادتی کر دے اور چاہے کمی کر دے ان چاروں توجیہات میں سے دوسری صریحاً غلط ہے اس لئے کہ فساق اہل ایمان کا نار میں جانا صحیح آیات قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے اور چوتھی میں جو یہ حصہ ہے کہ استثنا سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چاہے تو دوزخ والوں کا عذاب بڑھا دے یہ بھی بالبداہت باطل ہے کیونکہ استثنا خلود سے ہے اس میں گھٹانے بڑھانے کا سوال نہیں خلود کا استثنا یہی ہو سکتا ہے کہ انہیں باہر نکال دے۔ اس لئے پہلی اور تیسری توجیہ باقی رہ جاتی ہے اول ہم پہلی توجیہ کو لیتے ہیں ۔

عصاۃ مؤمنین اور کفار کے خلود عذاب میں قرآن کریم نے کوئی فرق نہیں رکھا ۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل ایمان میں سے نافرمان لوگ دوزخ سے نکالے جائینگے مگر معتزلہ اس کے قائل نہیں انکے نزدیک جو دوزخ میں پڑینگے وہ ہمیشہ دوزخ میں ہی رہینگے اور خوارج بھی اس کے قائل نہیں۔ جمہور کے مذہب کی بنا ان احادیث پر ہے جن میں شفاعت کا ذکر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا قرآن شریف نے نافرمانوں اور کافروں کی سزا میں کوئی ایسا امتیاز رکھا ہے اس کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہر شخص جس نے قرآن شریف کو پڑھا ہے وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ایسا کوئی فرق نہیں رکھا بلکہ دونوں کے لئے یکساں خلود رکھا ہے اور نہ صرف ہر ایک بدکار کیلئے دوزخ جگہ بتائی ہے بغیر اس امتیاز کو ظاہر کرنے کے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرکے بدکاری کرتا ہے یا علی الاعلان کافر ہے بلکہ صاف طور پر

ع ۱۰ عظیم الشان معاملہ میں تشکیک

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ ۱۱۰

اور ہم نے ہی موسے کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔

حکم الٰہی کے نافرمانوں کا ذکر کرکے جن سے مراد صریحاً اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہیں ان کے خلود فی النار کا ذکر کرتا ہو مثال کے طور پر اس آیت کو لو جو احکام وراثت کے بعد آتی ہو اور جس میں صریحاً مسلمانوں کا ذکر ہے جو ان احکام وراثت کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اور اس میں یہ لفظ ہیں ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا ولہ عذاب مھین (النسآء۔۱۴) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی قایم کردہ حدود سے تجاوز کرے اسے آگ میں داخل کرے گا اسی میں وہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہو۔ اور جگہ پر بھی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی سزا ایسے ہی الفاظ میں بیان فرمائی ہو بلکہ ابدا کا لفظ بھی ساتھ بڑھایا ہو ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیہا ابدا (الجن۔۲۳) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کیلئے دوزخ کی آگ ہو ابدتک اسی میں رہیگا۔ ان نافرمانی کرنے والوں میں سے مسلمان کہلاکر نافرمانی کرنے والوں کو باہر رکھنا صریح الفاظ قرآنی کے خلاف ہو پس جہاں تک خلود اور ابد کا سوال ہو وہ فساق اہل توحید اور کفار پر یکساں حاوی ہو پس اگر ایک کے لئے کوئی استثنا ہو تو دوسرے کے لئے بھی استثنا ہو۔ اگر کوئی صحیح حدیث نبی کریم صلعم کی ہوتی جس میں آپنے فرمایا ہوتا کہ الا ما شاء ربک میں جو استثنا ہے وہ صرف اہل توحید کے لئے ہو تو بیشک وہ حجت تھی مگر کسی تابعی یا تبع تابعی کا یہ خیال اسے حجت نہیں بنا سکتا۔ بلکہ قرآن کریم نے دوسری جگہ صرف کفار کا ذکر کرکے جو اسلام کو قبول نہیں کرتے یوں فرمایا قال النار مثوٰکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ (الانعام۔۱۲۹) یہاں یہی استثنا صرف کفار کیلئے موجود ہو یعنی خلود سے نکل بھی سکتے ہیں۔ ہاں احادیث شفاعت سو ان پر آگے بحث آتی ہو۔

جہنم پر فنا آنے کی شہادت

پس اب صرف ایک ہی توجیہ باقی رہ جاتی ہو اور اس کی تائید میں نہ صرف صحابہ کے اقوال موجود ہیں بلکہ احادیث شفاعت بھی اسی کی موید ہیں۔ اقوال صحابہ میں سے حضرت ابن عباس کا قول ہو کہ اہل نار کو آگ کھا جائے گی اور ابن مسعود کا قول ہو لیاتین علی جھنم زمان تخفق ابوابھا لیس فیھا احد وذلک بعد ما یلبثون فیھا احقابا یعنی دوزخ پر ایک ایسا وقت آئیگا کہ اس کے دروازے کھٹکھٹائینگے اس میں کوئی نہیں ہوگا اور یہ اس کے بعد ہوگا جو اس میں احقاب تک رہ چکے ہونگے یہ دونوں قول ابن جریر میں منقول ہیں۔ اور وہیں شعبی کا قول ہو جھنم اسرع الدارین عمرانا واسرعھما خرابا یعنی دوزخ دونوں گھروں میں بسنے میں بھی جلدی بنتا ہو اور ویران ہونے میں بھی سب سے جلدی ویران ہوگا۔ اور تفسیر فتح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں مناوی الکبیر کی عبارت نقل کی ہو جس کا خلاصہ یہ ہو کہ کفار کا عذاب جہنم میں ہمیشہ کے لئے ہوگا اور اس کے سوائے جس قدر اقوال ہیں ان کی تاویل واجب ہو مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی کا قول کہ دوزخیوں کو ایک وقت تک عذاب ہوگا پھر ان کی طبیعت ہی اس کے موافق ہو جائے گی اور اس وجہ سے وہ اس سے بھی لذت حاصل کرینگے اور کہ وعدہ کو سچا کرنا قابل تعریف امر ہو نہ وعید یعنی سزا کے وعدہ کو بلکہ اس سے تجاوز کرنا قابل تعریف امر ہو اور آگے لکھا ہو کہ ایک جماعت اس بات کی قایل ہو کہ دوزخ فنا کر دیا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے ایک وقت لکھا ہو جس پر پہنچکر وہ ختم ہو جانے گا اور پھر لکھا ہو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے اقوال نقل کئے ہیں کہ دوزخ فنا ہو جانے گا اور ابن قیم نے اس کی تائید کی ہو مگر یہ مذہب متروک ہو اور جمہور نے اس کی یہ تاویل کی ہو کہ عصاۃ مومنین ہی دوزخ سے نکالے جائینگے نہ کفار۔ اس کلام کو نقل کرکے فتح البیان میں ان

فنائے جہنم کے متعلق اقوال صحابہ

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط

اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو انکے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا

اقوال کو لکھا ہو مثلاً حضرت عمرؓ کا قول لو لبث اھل النار فی النار کقدر رمل عالج لکان لھم علی ذالک یوم یخرجون فیہ یعنی اگر اہل دوزخ دوزخ میں اتنی مدت بھی رہیں جیسے ریت کے انبار پر انبار تو بھی ایک دن ان پر آئے گا جس میں وہ نکالے جائینگے اور اس روایت کے رجال کو ثقات قرار دیا ہو۔ اور ایک قول حضرت ابو ہریرہؓ کا ہو سیاتی علی جھنم زمان لا یبقی فیھا احدٌ جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ اور ابن مسعود کا قول جو اوپر نقل ہو چکا اور ابن عمرو اور ابن العاص کا قول لیاتین علی جھنم یوم تصفق فیھا ابوابھا لیس فیھا احدٌ جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کے دروازے بند ہو جائینگے اس میں کوئی نہیں رہے گا۔ اور پھر لکھا ہو کہ جس طرح کے اقوال حضرت عمرؓ اور ابو ہریرہ اور ابن مسعود کے بیان ہوئے ہیں اس قسم کے اور اقوال سلف کے صحابہ سے روایت کئے ہیں مثلاً ابن عباس ابن عمر۔ جابر۔ ابی سعید سے اور ایسے ہی اقوال تابعین کے بھی ہیں۔ اور پھر لکھا ہو کہ اس سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہو جو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے کہا ہو اور ابن حجر اور مناوی نے جو کچھ اس کے کہا ہو اس کا بودا پن ثابت ہوتا ہو۔ اور یہی حق بھی ہو اس لئے کہ ان صحیح اقوال کی یہ تاویل کہ عصاۃ مومن نکلیں گے اور کفار دوزخ میں ہی بھرے رہیں گے کسی طرح بھی درست نہیں جہنم کے دروازے بند ہو جانا۔ اس میں کسی کا نہ رہنا سب کا ایک دن نکل آنا یہ صاف بتاتا ہے کہ جہنم سے آخر کار سب نکال دیئے جائیں گے ✦

حدیث شفاعت سے استدلال کہ کفار بھی جہنم سے نکالے جائیں گے

اور حدیث شفاعت بھی اسی کی موید ہے صحیح حدیث میں ہو شفعت الملائکۃ وشفع النبیون وشفع المومنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منھا قوما لم یعملوا خیرا قط یعنی اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ فرشتے بھی شفاعت کر چکے اور نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومن بھی شفاعت کر چکے اور اب سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا باقی رہ گیا پس ایک مٹھی دوزخ سے بھرے گا اور اس سے ان لوگوں کو باہر نکال دے گا جنھوں نے کبھی کوئی بھلائی نہ کی تھی۔ اب اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہو کہ پہلے تین قسم کی شفاعت ہو مومنوں کی نبیوں کی فرشتوں کی۔ ظاہر ہے کہ مومنوں کی شفاعت بہت محدود ہو صرف اپنے سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اس سے بڑھکر انبیاء کی شفاعت ہو اور وہ اپنی اُمتوں کے لئے۔ اس کے بعد فرشتوں کی شفاعت ہو اس کا دائرہ اس سے بھی وسیع ہے کیونکہ وہ تمام نیکی کرنے والوں کے لئے ہو۔ اور ارحم الراحمین ایک ایسی قوم کو نکالے گا جس کا تعلق نہ کسی مومن سے تھا نہ کسی نبی سے نہ نیکی کے محرک فرشتوں سے اور اس لئے انہوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اور خدا کی مٹھی سے باہر کون رہ جائیگا۔ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیامۃ والسموٰت مطویٰت بیمینہ (الزمر ۳۹-۶۷) ✦

اَبَد

اور اس کے بالمقابل خلود اور ابد کی بحث بے سود ہو اس لئے کہ جو خلود اور ابدا عصاۃ مسلمین کے لئے ہو وہی کفار کے لئے ہو۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جو بات ایک کو مستثنےٰ کر سکتی ہو وہی دوسرے کو۔ اور اصل بات یہ ہو کہ خلود کے لئے دیکھو ع۱۳۹ ہمیشگی لازم نہیں بلکہ یہ بقائے طویل کا نام ہو۔ رہا لفظ ابد۔ سو مفردات میں تأبّد الشئُ کے معنی میں لکھا ہو ویُعتبر بہ عمّا یبقی مدّۃً طویلۃً یعنی اس سے مراد وہ چیز لی جاتی ہو جو مدت طویل تک باقی رہے اور پھر ابد کی جمع آباد زبان عربی میں آتی ہو حالانکہ اگر اس کے معنی ہمیشگی ہوتے تو جمع نہ ہو سکتی تھی۔ اور اسی طرح اس کی تاکید بھی آتی ہو اَبَدٌ اَبِیدٌ وابید حالانکہ اگر غیر محدود زمانہ اور ہمیشگی لازماً اس کے معنی میں ہوتی تو تاکید بھی نہ آسکتی تھی اور امام راغب لکھتے ہیں کہ حق یہ تھا کہ ابد کی جمع کوئی نہ آتی کیونکہ یہ تصور میں نہیں آسکتا کہ ایک ابد کے ساتھ دوسرا ابد ملایا جاسکے لیکن آباد کہا جاتا ہو اور یہ اسلئے ہو کہ اس کو اس کے ایک حصہ کے لئے خاص کر لیا گیا ہو جو اس میں شامل ہو جیسا کہ اسم جنس کو اس کے بعض سے خاص کر لیا جاتا ہو گو غیر محدود

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۱۱۱

اور وہ اس کے بارہ میں سخت شک میں ہیں ۵۰۷ اور یقیناً تیرا رب سب کے سب کو ان کے عمل پورے پورے دیگا کیونکہ یہ جو کچھ کرتے ہیں

خَبِيْرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۱۱۲

اس سے خبردار ہے ۵۰۸ سو سیدھی راہ پر چلتے رہو جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جو توبہ کرکے تیرے ساتھ ہوا اور حد سے نہ بڑھو جو کچھ تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے ۵۰۹

زمانہ کا حصہ کوئی نہیں کہلا سکتا تاہم اس توجیہ کا بھی صاف مطلب یہ ہے کہ ابد کے لفظ کا استعمال محدود لمبے زمانہ پر بھی ہو سکتا ہے اور غیر محدود زمانہ پر بھی۔ اگر غیر محدود زمانہ بھی اس سے مراد لیا جائے تو بھی الا ما شاء ربك کے استثناء نے دوزخیوں کو اس سے باہر نکال دیا ورنہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف نے دوسری جگہ لٰبثين فيها احقابا (النبأ ۷۸-۲۳) کہکر یہ صاف بتا دیا کہ دوزخ کا ابد بھی ایک محدود زمانہ ہے برخلاف بہشت کے ابد کے کہ اس کے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو محدود زمانہ پر بھی بولا جا سکتا ہو جیسا کہ احقاب ہے جو حقبۃ کی جمع ہے۔ اور دوسرے بہشت کی ابدیت کو عطاء غير مجذوذ قرار دے کر بھی واضح کر دیا کہ یہ نعماء ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں +

۵۰۷ حضرت موسیٰ کا ذکر پچھلی سورت میں ہو چکا ہے اس لئے یہاں صرف اسی قدر پر اکتفا کیا ہے غرض وہی ہے جو دوسرے انبیاء کے ذکر میں ہے یعنی آنحضرت صلعم کو تسلی دینا۔ اختلاف فی الکتاب کیلئے دیکھو ۲۱۴ اور وہ بات جو پہلے ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سزا میں بوجہ اپنے رحم عظیم کے تاخیر کرتا رہتا ہے جیسا کہ آیت ۱۱۹ میں وضاحت کر دی ہے +

۵۰۸ کلا میں تنوین مضاف الیہ کے قائم مقام ہے یعنی سب اختلاف کرنے والے یا سب کے سب مومن ہوں یا کافر +

لَمّا — لمّا کا استعمال کلام عرب میں کئی طرح پر ہے حین یعنی وقت کے معنی میں جیسے ولما ورد ماء مدين (القصص ۲۸-۲۳) فلما بلغ معه السعي (الصّٰفّٰت ۳۷-۱۰۲) یعنی جب ایسا ہوا۔ اور لمْ جازمہ کے معنی میں یعنی صرف نفی کیلئے جیسے بل لما يذوقوا عذاب (صٓ ۳۸-۸) ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم (التوبۃ ۹-۱۶) اور الّا کے معنی میں وان كل نفس لما عليها حافظ (الطارق ۸۶-۴) جس کے معنی ہیں کوئی نفس نہیں مگر اس پر حافظ ہے یا وان كل لما جميع لدينا محضرون (یٰسٓ ۳۶-۳۲) یعنی ما كل الا جميع کوئی نہیں مگر سب کے سب ہمارے حضور حاضر کئے جائیں گے گو یا یہ لمْ اور مَا سے مرکب ہے، جیسے اِلّا اِن اور لا سے یا دو نفیوں کا اجتماع ہے جو دونوں ملکر اور ایک لفظ ہو کر نفی کی حد سے نکل گئے۔ اور اس کے معنی اِلّا ہونے پر بطور شہادت یہ آیت قرآنی بھی پیش کی گئی ہے ان كل الا كذب الرسل (صٓ ۳۸-۱۴) اور کبھی کسی چیز کے انتظار کے لئے آتا ہے جسکے ہونے کی توقع کی جاتی ہے (دل)

یہاں اگر اِنْ کلا ہوتا جو نافیہ ہے تو لمّا کے معنی اِلّا لیکر ترکیب درست ہو جاتی مگر یہاں اِنَّ کلاً ہے۔ تو بعض نے اس صورت میں بھی معنی اِلّا ہی لئے ہیں اور بعض نے لَمَن مَا اس کا اصل قرار دیا ہے یعنی کوئی بھی ہو جس میں نون کو میم سے تبدیل کرکے تین میموں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے ایک حذف کیا گیا اور باقی دو میں سے ایک دوسرے میں مدغم ہو گیا (ل)، اور بعض نے یوں توجیہ کی ہے کہ لمّا یہاں بغیر تنوین وہی معنی رکھتا ہے جو لمّاً تنوین کے ساتھ یعنی تنوین صرف قرأت میں حذف ہو گئی ہے۔ اور مراد لمّاً ہے اور لمّاً کے معنی ہیں جمع کر کے جیسے وتاكلون التراث اكلا لما (الفجر ۸۹-۱۹) جس کا مادہ لَمّ ہے جس کے معنی ہیں الجمع الكثير الشديد یعنی کثرت اور شدت سے جمع کرنا (ل)، تو یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ سب کو جمع کرکے ان کے اعمال کا اجر انہیں پورا پورا دیا جائے گا اور یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ سب کے سب یہ مضبوط بات اور حق ہے کہ ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا انہیں ملے گا +

لَمّاً

اِستقامۃ — ۵۰۹ استقم۔ انسان کی اِستِقامۃ یہ ہے کہ مستقیم یعنی سیدھی راہ پر لگا رہے (غ)، یعنی کسی حال میں اس سے اِدھر اُدھر

۱۱۳ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ

اور ان کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں ورنہ تمہیں آگ چھو جائے گی اور اللہ کے سوائے تمہارے کوئی ولی نہ ہونگے

۱۱۴ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ

پھر تمہیں مدد بھی نہیں ملے گی عـــ۱۵ اور دن کے دونوں حصوں میں اور پہلی رات نماز کو قایم رکھ

صحابہ کی استقامت

اس آیت میں نہ صرف نبی کریم صلعم کو حکم ہے کہ آپ کسی صورت میں صراط مستقیم سے ادھر اُدھر نہ ہوں بلکہ یہ بھی ساتھ ہی حکم ہو کہ آپکے ساتھی بھی جادۂ مستقیم سے ذرہ بھر انحراف نکریں۔ بغیر اس استقامت کے وہ کامیابیاں جن کا وعدہ دیا گیا ہے میسر نہیں آسکتیں ؟ نبی اپنی ذات میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کر کے دکھاتا ہو بلکہ کتاب کی تعلیم کو عمل کے رنگ میں لا کر دکھاتا ہو لیکن ساتھیوں کا بھی اس استقامت کی راہ پر چلنا بہت ہی دشوار امر ہو چنانچہ حدیث میں ہو کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شَیَّبَتْنِیْ ھُوْد یعنی سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ساتھیوں کو اس راہ پر قایم کرنا یہ ایک نہایت ہی دشوار امر تھا کتنے انبیاء ہیں کہ ان کے ساتھیوں نے ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا حضرت موسیٰ کے ساتھی کہتے ہیں فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون (المآئدۃ۔ ۲۴) حضرت عیسیٰ نے جب اپنے حواریوں کو کہا کہ آج کی رات میرے ساتھ مل کر دعا ہی کرو تو وہ اس سے بھی عہدہ برا نہ ہوسکے مگر یہ فخر سرور دو عالم کے حصہ میں ہی آیا کہ آپکے صحابہ نے صراط مستقیم پر ایسا لزوم اختیار کیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی وہ اپنے ہر عمل میں صرف قرآن شریف کو ہی اپنا ہادی بناتے تھے اور اس کی تعلیم سے ایک بال بھر انحراف کو بھی آگ میں گرنے کے برابر سمجھتے تھے۔ علاء بن عبد اللہ کا قول ہو کہ لا تطغوا میں جو خطاب ہو اس سے مراد اصحاب نبی صلعم نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو انکے بعد آنے والے تھے (فتح البیان)

صحابہ کی معیت آنحضرت سے

ومن تاب معك ۔ یہاں جس بات میں معیت کا ذکر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یا اس کے اوامر و نواہی پر استقامت ہو۔ اور تاب سے مراد ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور یوں رجوع کر کے رسول اللہ صلعم کی معیت اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو قبول کیا جس طرح خود مامور یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول کیا تھا پس یہاں نہ صرف رسول اللہ صلعم کی معیت ہو بلکہ وہ معیت بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی پر استقامت میں ہو یا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہو اس سے صحابہ کے مقام بلند پر شہادت ملتی ہو کہ طاعۃ اللہ میں وہ رسول اللہ صلعم کی معیت میں تھے جو نادان نبیوں کی معیت (النسآء۔ ۶۹) سے مراد نبی ہونا لیتے ہیں وہ ان الفاظ پر غور کریں کہ یہاں خود سرور دو عالم کی معیت آپکے برگزیدہ صحابہ کو حاصل ہو یہ مطلب نہیں کہ وہ سب خاتم النبیین بن گئے تھے ۔

میلان ظلم

عـــ۱۵ الذین ظلموا سے مراد شرک اور رکن یا میلان سے مراد ان سے محبت قلبی یا ان کے افعال پر راضی ہو جانا بیان کیا گیا ہو یہ کہنا چاہیے کہ یہ باتیں بھی اس کے اندر آجاتی ہیں۔ اور الفاظ قرآنی میں عمومیت اور وسعت ہو جب پہلی آیت میں طاعۃ اللہ پر استقامت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم یا طغیان سے روکا تو یہاں اور بھی ترقی کی یعنی نہ صرف انسان ہر قسم کے ظلم سے بچے بلکہ ظالم کی طرف میلان سے بھی بچے ۔ چونکہ ان سورتوں کے نزول کا زمانہ اسلام اور مسلمانوں پر سخت

ماسوی اللہ کا سہارا

ترین مصائب کا زمانہ تھا اور مصائب میں انسان ہر قسم کا سہارا تلاش کرتا ہو اس لئے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ ان تکالیف میں تم کفار کی طرف جھک کر ان مصائب سے نکلنے کا خیال کرو پھر اللہ تعالیٰ کی ولایت تمہارے لئے نہ ہوگی ۔ آج بھی مسلمانوں کو اس ہدایت کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہو۔ وہ بجائے طاعۃ اللہ پر استقامت کے دوسرے لوگوں کے سہارے تلاش

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا ۱۱۵

کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت قبول کرنیوالوں کیلئے نصیحت ہے ۱۵۱۲ اور صبر کر کیونکہ اللہ

يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ ۱۱۶

نیکی کرنیوالوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا پھر کیوں تم سے پہلی بستیوں میں اچھے عملوں والے لوگ نہ ہوئے جو ملک میں فساد سے روکتے

کرتے ہیں اور یہ سہارے ایک ایک کرکے گرتے چلے جاتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا سہارا نہیں بناتے اس لئے ناکامی پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے ✦

طرفی نہار ۔ اوقات نماز

۱۵۱۱ طرفی النہار طرف ایک جانب کو کہتے ہیں وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے یا اور رنگ میں (غ) اور نہار عرف شریعت میں طلوع فجر یعنی پو پھٹنے سے لیکر غروب آفتاب تک کا وقت ہے (غ) پس اس کی طرفین یا دو طرفیں طلوع آفتاب سے پہلے اور زوال آفتاب کے بعد کے اوقات ہوئے جیسا کہ خود اس کی تشریح دوسری جگہ فرما دی ہے۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقراٰن الفجر (بنی اسرائیل ۱۷ - ۷۸) یعنی فجر کو ایک جانب اور آفتاب کے ڈھلنے کو دوسری جانب قرار دیا ہے پس طرفی النہار میں نماز فجر ۔ ظہر اور عصر آئینگی ✦

زلف ۔ زُلفیٰ

زلفا ۔ زلف اور زُلفیٰ اور زُلفۃ کے معنی قریب ہونا در مرتبہ ہیں وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ (السبا ۳۴ - ۳۷) وازلفت الجنۃ للمتقین (الشعراء ۲۶ - ۹۰) وازلفنا ثم الاٰخرین (الشعراء ۲۶ - ۶۴) فلما راوہ زلفۃ (الملک ۶۷ - ۲۷)

مزدلفۃ ۔ زُلفۃ

اور مزدلفۃ جو مکہ معظمہ میں ایک مقام کا نام ہے وہ بھی قرب کے معنی کے لحاظ سے ہی ہے کیونکہ عرفات سے نکلنے کے بعد اس مقام پر پہنچ کر منی سے حاجی قریب ہو جاتے ہیں اور زُلَف زُلفۃ کی جمع ہے اور رات کی پہلی گھڑیوں پر جو دن سے قریب ہیں یہ لفظ بولا جاتا ہے اور زلفا من الیل (ھود ۱۱ - ۱۱۴) مغرب اور عشا کی نمازوں کے اوقات ہیں (ل) ✦

نماز مصائب سے نجات کا ذریعہ ہے

جب ظالموں کی طرف جھکنے سے روکا تو ساتھ ہی بتایا کہ اللہ کی طرف جھکو اور نماز اس کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے مصائب میں نماز سے استعانت کا بار بار ذکر کیا ہے بظاہر خیال ہو سکتا ہے کہ نماز کو مصائب سے نجات سے کیا تعلق ہے مگر اس کی حقیقت کو ایک موحد ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح جب انسان تمام سہاروں کو چھوڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کو اپنا سہارا بناتا اور اس کے آگے گرتا ہے۔ تو وہ جو تمام طاقتوروں سے بڑھکر طاقتور ہے اس کا ہو جاتا ہے اگلی آیت میں صبر کا حکم اسی حقیقت کی مزید وضاحت کرتا ہے یہاں پانچوں نمازوں کا بھی ذکر کر دیا ہے ان الحسنات یذھبن السیئات کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بھلائی کے اختیار کرنے سے انسان دکھوں اور تکلیفوں سے نجات پا جاتا ہے اور نماز حسنات کا رستہ کھولتی ہے اور ان الفاظ

بدی کا کفارہ نیکی ہے

میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا قانون بھی بیان فرمایا ہے کہ بدی کا کفارہ نیکی ہے جب انسان نیکی کو اختیار کرتا ہے تو اس کی بدیاں دور ہو جاتی ہیں۔ بدی کو دبانے والی نیکی کی طاقت ہے اسلئے کہ نیکی اور بدی ایک ہی قوٰی کے اچھے اور برے استعمال کا نام ہے جب انسان ان قوٰی کو صحیح موقعہ پر لگانا سیکھ لیگا تو بدی خود ہی دور ہو جائے گی یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کی قوت اس قدر زبردست ہے کہ بدی کی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ✦

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

ہاں تھوڑے سے ان میں سے جنہیں ہم نے نجات دی دیدیے تھی اور جو ظالم تھے وہ ان آسایشوں کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دی گئی تھیں اور وہ مجرم تھے [۱۵۱۲]

۱۱۷ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ

اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کردے اور انکے رہنے والے نیکوکار ہوں [۱۵۱۳] اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب

۱۱۸ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ

لوگوں کو ایک ہی گروہ کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہینگے۔ سوائے اسکے جس پر تیرا رب رحم کرے اور اسی کیلئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

اور تیرے رب کی بات پوری ہو گئی میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا [۱۵۱۴]

اتراف۔ مترف

۱۵۱۲ اترفوا۔ ترف کے معنی تنعم یا آسودگی ہیں اور مُتْرَف وہ ہے جسے فراخی اور آسودگی متکبر کر دے (دل) جیسا کہ فرمایا ما اترفتم فیہ (الانبیاء ۲۱-۱۳) اخذنا مترفیھم بالعذاب (المؤمنون ۲۳-۶۴) امرنا مترفیھا (بنی اسرآئیل ۱۷-۱۶) +

عذاب فساد پر آتا ہے

گویا اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ ایسے عقلمند ان میں کیوں نہ ہوئے کہ وہ لوگوں کو فساد سے روکتے جس سے معلوم ہوا کہ تباہی زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے آتی ہے ظالم لوگ آسایش دنیوی کے پیچھے پڑ کر ظلم میں یہانتک ترقی کرتے ہیں کہ آخر مجرم کی سزا کی نوبت آجاتی ہے +

۱۵۱۳ اس کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو محض ان کے شرک کی وجہ سے ہلاک نہیں کرتا اگر وہ ملک میں فساد پھیلانے والے نہ ہوں۔ گویا کسی قوم کو ہلاک اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ زمین میں شرارت اور فساد اور ظلم میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے محض عقاید باطلہ کی وجہ سے نہیں +

پیدا کرنے کی غرض رحم کرنا

۱۵۱۴ اس سے پہلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ بنا دیتا یعنی ان میں کوئی اختلافات نہ ہوتے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انسان کو کچھ قوٰی دے کر ان کے استعمال کا اسے اختیار دیا ہے اس لئے وہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے یعنی احکام الٰہی کے بارہ میں اختلاف کریں گے جس سے مراد ان کی مخالفت ہے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ وہ لوگ مخالفت نہیں کرتے جن پر تیرے رب نے رحم کیا ہے یعنی مومن یا اہل حق اور اس سے آگے جو لفظ آتے ہیں ولذلک خلقھم اسی کے لئے انہیں پیدا کیا تو گو ابن جریر نے دونوں قسم کی روایتیں جمع کی ہیں یعنی بعض اقوال کی رو سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اختلاف کے لئے پیدا کیا اور بعض کی رو سے یہ کہ انہیں رحم کے لئے پیدا کیا مگر پہلے معنی کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے نہیں ہوتی یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کی غرض یہ ہے کہ وہ اختلاف کرتے رہیں دوسری جگہ فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذٰریٰت ۵۱-۵۶) تو حقیقی غرض تو یہی ہے کہ وہ عبادت کریں۔ اور یہ اس کے ہم معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کرنے کی غرض یہ ہے کہ وہ اس کی نافرمانی کریں۔ اور پھر صاف الفاظ میں فرمایا ورحمتی وسعت کل شیء (الاعراف ۷-۱۵۶) پس جب رحمت ہر چیز پر ہے تو معلوم ہوا اسی کے لئے پیدا کیا ہے۔ ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا قول منقول ہے للرحمۃ خلقھم

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ ۱۲۰

اور سب کچھ جو ہم رسولوں کے حالات سے تجھ پر بیان کرتے ہیں اس سے ہم تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور اس میں تیرے پاس حق آگیا

وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا ۱۲۱

اور وہ مومنوں کے لئے وعظ اور نصیحت ہے ۱۵۱۵ اور جو ایمان نہیں لاتے انہیں کہدو اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو ہم بھی عمل

عَامِلُونَ ۝ وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ ۱۲۲ ۱۲۳

کرنیوالے ہیں ۱۵۱۶ اور انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنیوالے ہیں اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ کیلئے ہی ہے اور اسی کیطرف

يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

ہی سب معاملے لوٹائے جاتے ہیں سو اس کی عبادت کر اور اسپر بھروسہ کر اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو

ولذٰلک خلقھم للعذاب یعنی رحمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ عذاب کے لئے پیدا نہیں کیا۔ اور حدیث میں ہے میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی پس جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رحم کے لئے ہی پیدا کیا ہے تو آخر کار سب پر رحم ہی ہوگا اور یہ اس کے مطابق ہے جو نوٹ ۱۵۰۵ میں دکھایا گیا کہ دوزخ پر آخر فنا آئے گی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوزخ بھی اللہ تعالیٰ کے رحم کا ایک رنگ اپنے اندر رکھتا ہے جس طرح یہاں مصائب میں پڑ کر انسان آرام پاتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو یہاں آسایش جسمانی کے درپے رہتے ہیں ان کے لئے ایک اور قسم کے دکھوں میں سے گزر کر اللہ تعالیٰ کا رحم حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے ایک پھوڑے کا چیرنا پھاڑنا بیمار کو عذاب کے رنگ میں نظر آتا ہے مگر طبیب جانتا ہے کہ ایسی حالت میں یہی رحم ہے یہی حالت عذاب نار کی ہے اسی لئے یہ فرما کر کہ اللہ تعالیٰ نے رحم کے لئے انسانوں کو پیدا کیا ہے اس کے بعد فرمایا کہ دوزخ کو بھی جنوں اور انسانوں سے بھرا جائے گا تو اس کی غرض بھی وہی ہے ۔

عذاب دوزخ بھی رحم ہے

۱۵۱۵ یہاں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے قصص کی غرض نبی کریم صلعم کو تسلی دینا ہے گویا ان انبیاء کے حالات میں اور ان کے مخالفین کی ہلاکت میں نبی کریم کے حالات اور آپ کے مخالفین کی ہلاکت کو بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے فی ھٰذہ سے مراد یہ سورت ہے یا ان حالات کا بیان ۔

ذکر انبیاء میں آنحضرت کا ذکر

۱۵۱۶ نرے عقاید نرے لفظ نرے دعاوی سے کچھ نہیں ہوتا اعملوا علی مکانتکم انا عاملون اسی میں کامیابی اور ناکامی کا راز ہے۔ عمل سے ہی انسان بنتا ہے عمل سے ہی قوم زندہ ہوتی ہے۔ آج عمل کو چھوڑ کے ہی مسلمان موت کی حالت تک پہنچے ہیں اگر زندہ ہونگے تو پھر عمل سے ہی زندہ ہونگے ۔

عمل اور زندگی

سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

نام اس سورت کا نام یوسف ہو اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیتیں ہیں اس کا نام یوسف حضرت یوسف کے تذکرہ سے لیا گیا ہو جو اس کا واحد مضمون ہو +

خلاصہ مضمون اس سورت کا مضمون ایک ہی ہو یعنی حضرت یوسف کا ذکر سوائے اس کے کہ ابتدا میں یہ بتا دیا ہو اس ذکر کی اصل غرض کیا ہو اور آخر میں بالوضاحت آنحضرت صلعم کے مخالفین کو توجہ دلائی ہو پہلے رکوع میں حضرت یوسف کے رویا کا ذکر ہو کہ اسے ایک عظیم الشان انسان بنایا جائیگا اور اس میں گویا آنحضرت صلعم کی ظاہری اور باطنی عظمت کی طرف اشارہ ہو دوسرے رکوع میں حضرت یوسف کے بھائیوں کے یوسف سے سلوک کا ذکر ہو اس سے بہت بڑھکر برا سلوک اور بہت زیادہ خطرناک منصوبے آنحضرت کے خلاف تیسرے میں ذکر ہو کہ کس طرح طرح طرح کی ترغیبات کے اندر حضرت یوسف نے استقامت دکھائی اور اس میں آنحضرت صلعم کی استقامت کا ذکر ہو کیونکہ اسی قسم کی ترغیبات آنحضرت کے سامنے بھی پیش کی گئی تھیں۔ چوتھے رکوع میں یوسف کے قید میں پڑنے کا ذکر ہو اور گو آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا مگر شعب ابی طالب میں یہ مشابہت بھی پوری ہوگئی۔ پانچویں رکوع میں ذکر ہے کہ حضرت یوسف نے حالت قید میں بھی جب موقعہ ملا تو وعظ و نصیحت کو نہیں چھوڑا آنحضرت صلعم نے شعب میں محصور ہونے کے زمانہ میں بنو ہاشم میں اپنے سلسلہ وعظ و نصیحت کو جاری رکھا اور انہی ایام میں ان لوگوں میں سے بہتوں کے دلوں میں اسلام گھر کر گیا چھٹے رکوع میں شاہ مصر کی خواب کا ذکر ہے جس میں سات سال کے قحط کا ذکر ہے اور اس کی تفسیر میں خود بخاری میں اس سات سال کے قحط کا حوالہ دیا گیا ہو جو مکہ میں ہوا۔ ساتواں رکوع حضرت یوسف کی بریت اور عزت کو ظاہر کرتا ہو اسی طرح نبی کریم صلعم کی بریت ہوئی اور مدینہ میں سب قوموں نے آپ کو اپنا حکم قرار دیا۔ آٹھویں اور نویں رکوع میں حضرت یوسف اور آپکے بھائیوں کے باہمی معاملات کا ذکر ہو۔ عرب میں قحط کے وقت جب ابوسفیان نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپکے بھائی بند ہلاک ہو رہے ہیں تو آپنے بھی دعا کی اور آپ کی دعا سے قحط دور ہوا۔ دسویں رکوع میں بھائیوں کا اعتراف اور حضرت یوسف کی معافی کا ذکر ہو اور نبی کریم صلعم نے فتح مکہ کے وقت وہی لفظ لا تثریب علیکم الیوم دوہرا کر بتایا کہ حضرت یوسف کے ذکر میں آپ کا ہی نقشہ کھینچا گیا تھا گیارھویں رکوع میں یہ ذکر ہو کہ کس طرح وہی بھائی آخر مصر میں آکر حضرت یوسف کی حکومت میں شریک ہوئے اور یہ اشارہ تھا کہ عرب کے لوگ بھی آخر اس عظیم الشان حکومت کے وارث ہونگے جو نبی کریم صلعم کی طفیل انکو ملیگی۔ بارھویں رکوع میں مضمون کو عام کرکے آپکے مخالفین کو توجہ دلائی۔

تعلق الرا کے مجموعہ میں یہ تیسری سورت ہو جبکہ پچھلی دو سورتوں میں پہلے علمی بحث سے اور پھر انبیائے سابق کے مخالفین کے انجام کا ذکر کرکے آنحضرت صلعم کے مخالفین کو سمجھایا تو اب یہاں بالخصوص ایک ایسے نبی کا ذکر کیا جس کے حالات کے ساتھ آنحضرت صلعم اور آپکے مخالفین کے حالات کی کھلی کھلی مشابہت پیش آنیوالی تھی اور پچھلی سورت کے آخر میں بتایا تھا کہ ذکر انبیاء میں آنحضرت کا ہی ذکر ہو

زمانہ نزول سورت کی آخری سے پہلی آیت بالصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ اس سورت کا نزول اس زمانہ کا ہو جب قریش کی مخالفت انتہا کو پہنچ گئی اور لوگوں نے آپکے وعظ و نصیحت کی طرف بالکل توجہ چھوڑ دی جس کے بعد حضرت آلہی کا اس رنگ میں ظہور ہوا کہ آپکے لئے مدینہ میں ایک مضبوط جماعت کھڑی ہوگئی +

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؁

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ / ۱۱

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ ۲

یوسف کا رویا

میں اللہ دیکھتا ہوں۔ یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں ہم نے یہ قرآن عربی اُتارا ہے تاکہ تم سمجھو ۱۵۱۶ ک

عرب۔ عربی۔ اعراب

ک ۱۵۱۶ عربیا۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کو عَرَب کہا جاتا ہے۔ اور عَرَبِیٌّ کے معنی مُفْصِحٌ یعنی فصاحت سے بیان کرنے والا ہیں۔ اور اِعْرَاب کے معنی بیان ہیں اور حدیث میں ہے اَلثَّيِّبُ تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِهَا یعنی بیوہ خوبیات کو کھول کر بیان کردے یعنی رضامندی نکاح کے معاملہ میں۔ اور عَرَبِیٌّ فصیح واضح کلام کو کہا جاتا ہے جیسے یہاں۔ یا بلسان عربی مبین (الشعراء ۲۶-۱۹۵) یا حکما عربیا (الرعد ۱۳-۳۷) جہاں معنی کئے گئے ہیں۔ فصاحت سے بیان کرنے والا جو حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اور بعض نے اس کے معنی شریف کریم کئے ہیں جیسے دوسری جگہ کتاب کریم (النمل ۲۷-۲۹) فرمایا اور یا عَرَبِیٌّ کے معنی ہیں نبی عربی کی طرف منسوب (غ) اور عَرَب عَجَم کے خلاف ہے اور اَعْجَم وہ شخص ہے جس کی زبان میں عُجْمَۃ یعنی ابہام ہو خواہ وہ عربی ہو یا غیر عربی اسی معنی میں ہے ولو جعلناہ قرآنا اعجمیا (حٰم السجدۃ ۴۱-۴۴) (غ)

عربی ام الالسنۃ ہے

حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی تھی (د) اس صورت میں عربی ام الالسنۃ یعنی سب زبانوں کی ماں قرار پائے گی اور اسی کے موافق بعض کا مذہب ہے کہ عربی سب سے پہلی لغات ہے اور دوسری سب زبانیں اس کے بعد پیدا ہوئیں (د) اور ایک حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔ پس اگر قرآن عربی سے مراد عرب کی زبان میں نازل ہونا لیا جائے تو لعلکم تعقلون میں یہ اشارہ ہے کہ یہ زبان جو ام الالسنۃ ہے اسی میں اللہ تعالےٰ کا آخری کلام نازل ہوا اور یہ عجیب بات ہے کہ کم از کم گزشتہ تیرہ چودہ سو سال کی زبان عربی جو علمی رنگ میں استعمال ہوتی تھی اس میں آج تک کچھ بھی فرق نہیں آیا اور آج تیرہ سو سال بعد وہی زبان علمی ہے جو اس وقت عرب میں تھی۔ حالانکہ دوسری زبانیں اس سے نصف وقت بھی اس طرح تغیر سے پاک نہیں رہیں جس سے اس بات پر شہادت ملتی ہے کہ یہ زبان ابتدا سے اسی حالت میں رہی ہے عربی کے ام الالسنۃ ہونے پر مفصل بحث کے لئے دیکھو کتاب ام الالسنۃ جو خواجہ کمال الدین صاحب کی تصنیف ہے اور اس کی طرف اس زمانہ میں توجہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دلائی ہے ؏

قرآن عربی سے مراد

زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں قرآن عربی سے مراد وہ کتاب ہے جو اپنے مضامین کو کھول کر اور فصاحت سے بیان کرتی ہے۔ تاکہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ جو کوئی شخص چاہے قرآن کریم کا مقابلہ دوسری مذہبی کتابوں سے کرکے دیکھ لے کہ جس طرح کھول کر یعنی مدلل طور پر اور باایں فصاحت سے قرآن کریم نے مضامین کو بیان کیا ہے اس سے دوسری کتابوں کو نسبت ہی نہیں ؏

۳ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ

ہم تجھ پر بہترین بیان اس کے ذریعہ سے جو ہم نے تیری طرف اس قرآن کی وحی کی بیان کرتے ہیں گو تو اس سے

۴ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

پہلے بے خبروں میں سے تھا ۱۵۱۶ب جب یوسف نے اپنے باپ کو کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج

۵ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ

اور چاند کو دیکھا ہے میں نے انہیں اپنے آپکو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے ۱۵۱۶ج اس نے کہا اے میرے بیٹے اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا

قَصَص ۔ قِصَّة

۱۵۱۶ب قصص کیلئے دیکھو ۱۲۵۴ قصص کے معنی بیان ہیں ۔ یا وہ خبر جو بیان کی جائے اور قِصّۃ کی جمع قِصَص ہے اور احسن القصص کے معنی احسن البیان ہیں یعنی نہایت اچھا بیان (ل) ۔

غفلۃ

الغافلین غَفْلَة بھول جانا ہے جو یادداشت یا احتیاط کی کمی سے انسان کے لازم حال ہوتا ہے (غ) ، یا اس چیز کا احساس نہ ہونا جس کا احساس ہونا چاہیے ۔ یا کسی چیز سے ذہول (ت) ۔

احسن القصص

اس ذکر کو جو اس سورت میں ہے نہایت عمدہ بیان کہا ہے ۔ اسلئے کہ گو یہ محض ایک انسان کی زندگی کے تھوڑے سے حالات کا بیان ہے مگر اول سے لیکر آخر تک اعلیٰ درجہ کے اخلاقی سبقوں سے بھرا پڑا ہے ۔ اور علاوہ ازیں یہ گویا نبی کریم صلعم اور آپ کی قوم کے تعلقات کا مرقع ہے ۔ اور اسی کی طرف وان کنت من قبلہ لمن الغافلین میں اشارہ ہے ۔ گو یہ الفاظ ظاہر معنی میں بھی درست ہیں کہ آنحضرت صلعم نے نہ ان ذکروں کو کہیں سے سنا تھا اور نہ ان کتابوں کو پڑھا تھا اور صرف وحی کے ذریعہ سے آپ پر ان حالات کا انکشاف ہوا مگر قرآن کے لئے ظہر و بطن دونوں ہیں اور اس ظاہری معنی کے ساتھ اس حقیقت

یوسف کے ذکر میں آنحضرت کی تاریخ

کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے کہ ابھی تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری قوم تمہارے ساتھ کیا کیا سلوک کرے گی اور اس طرح تم کو گھر سے نکالا جائیگا اور کسی دوسرے مقام پر پہنچ کر تمہیں وہ عزت کا مقام ملیگا جس کے سامنے تمہاری قوم کو آخر اسی طرح سر جھکانا پڑے گا جس طرح یوسف کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے جھکایا ۔ ان حالات کا آنحضرت صلعم کے حالات سے مطابق ہونا اور آپ کی زندگی کا نقشہ اس سورت میں کھینچا جانا خود نبی کریم صلعم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے جو آپ نے اپنی قوم کے آخر کار اظہار عاجزی پر فرمائے لا تثریب علیکم الیوم جو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو کہے تھے ۔ اور اس آیت کے اندر جو الفاظ بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں بما اوحینا الیک هذا القرآن یعنی اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سے قرآن کی غرض یہ ہے کہ یہ قصہ نہیں کیونکہ قرآن شریف قصوں سے پاک ہے ۔ بلکہ اس کی غرض اخلاق کی تعلیم ہے اور جس رنگ میں یہ تذکرہ بائبل میں مذکور ہے اگر اس کے ساتھ ہی اس کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں اول سے آخر تک اس تذکرہ سے ایسے اخلاق سکھائے گئے ہیں جو بائبل میں نہیں پائے جاتے اور اسی لئے بائبل کے ساتھ کہیں کہیں اختلاف بھی ہے ۔ گویا بتا دیا ہے کہ اگر یہ وحی الٰہی کے ذریعہ نہ سکھایا گیا ہو تو محض بائبل کی نقل ہوتی ۔

أَبَتِ

۱۵۱۶ج أبت ۔ اصل میں ابی ہے میرے باپ اور یا کو تائے تانیث سے بدلا گیا ہے ۔

رُؤْيَا ۔ رُؤْيَة

رایت کے معنی یہاں ہیں خواب میں دیکھا ۔ ماضی دونوں معنی میں آتی ہے خواب میں دیکھنا معنی ہوں تو مصدر رُؤْیا آتا ہے ویسے دیکھنے کے معنی میں رُؤْیَة مصدر ہے ۔

فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ ۶

ورنہ وہ تیرے لئے کوئی مخفی تدبیر کریں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح تیرا رب تجھے

رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اٰلِ يَعْقُوْبَ

چن لیگا اور تجھے باتوں کے معنی سکھائے گا اور اپنی نعمت کو تجھ پر اور یعقوب کی اولاد پر پورا کریگا

كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓي اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

جس طرح اس نے پہلے تیرے دادا اور باپ ابراہیم اور اسحاق پر اسے پورا کیا تیرا رب جاننے والا حکمت والا ہے ۱۵۱۶ الف

کوکب — کوکب نجم یعنی ستارہ کو کہتے ہیں اور نور کو اس کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے بھی کوکب کہہ دیا جاتا ہے اور سردار قوم کو بھی کوکب کہا جاتا ہے +

سچے خواب — حضرت یوسف کے رویا سے آپ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو بھی قبل از نبوت سچے خواب آتے تھے۔ اور آپ کے خواب فلق الصبح کی طرح سچے ہوتے تھے۔

سورج چاند کا سجدہ — گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کا سجدہ کرنا کسی تعلق کے رنگ میں ہوگا کیونکہ سجدہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ماتھا زمین پر رکھا جائے سو یہ چیزیں اپنی اصل حیثیت میں ایک انسان کی رویت میں اس مفہوم کو پورا نہیں کرسکتیں پس یا تو ان چیزوں نے انسان کا تمثل اختیار کرکے حضرت یوسف کو سجدہ کیا اور یا یہ سجدہ کسی رنگ کا اظہار فرمانبرداری تھا جس کی کوئی تصریح یہاں موجود نہیں۔ اس خواب کی تعبیر کیا تھی اس کا ذکر اگلی آیت میں اور پھر سورت کے آخر میں آتا ہے اور گیارہ ستاروں کے نام جو ایک حدیث میں دیئے ہیں تو ابن جوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے +

حدوث تحدیث — ۱۵۱۶ الف احادیث۔ حدیث حدث سے ہے اور حدوث کے معنی ہیں کسی چیز کا ہونا بعد اس کے کہ وہ نہ تھی۔ اور تحدیث ہر ایک کلام کو کہتے ہیں جو سماعت سے یا وحی سے انسان کو پہنچے بیداری کی حالت میں ہو یا خواب میں۔ اسی لئے خود قرآن کریم کو بھی حدیث کہا ہے افمن ھذا الحدیث تعجبون (النجم ۵۳-۵۹) ومن اصدق من اللہ حدیثا (النساء ۴-۸۷) (غ)

بائبل اور قرآن میں فرق — بائبل میں ہے کہ یوسف نے یہ خواب حضرت یعقوب کے سامنے بیان کیا تو اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور اس سے کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کے تجھے سجدہ کرینگے" (پیدایش ۳۷ : ۱۰) یہ کلام ایک نبی کی شان کے مطابق نہیں۔ کیونکہ وہ گویا اس خواب کو بے معنی یا جھوٹا قرار دیتا ہے قرآن کریم میں اس کے خلاف اسکو سچا قرار دیا ہے۔ اور اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ یوسف ایک عظیم الشان انسان ہوگا اور یہ ان واقعات کے بھی مطابق ہے جو کتاب پیدائش میں موجود ہیں +

ستاروں سورج چاند کے سجدہ سے مراد — سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ سورج کی تعبیر بادشاہ اور سونا اور زوجہ جمیلہ ہے اور قمر کی تعبیر امیر اور کواکب کی رؤسا۔ تو اس صورت میں سورج اور چاند اور ستاروں کے سجدہ سے مراد کسی بادشاہ اور امیر اور رؤسا کا آپ کی اطاعت کرنا ہوگا۔ اور مصر میں آپ واقعی ایسے بلند مرتبہ پر پہنچے کہ شاہ مصر اور اسکے رؤسا سب آپکے سامنے جھک گئے اور سب پر آپکو فوقیت ملی اور کواکب کی تعداد دیا تو اس لحاظ سے ہوگی کہ وہاں کے بڑے بڑے رؤسا یا وزراء کی تعداد گیارہ ہو اور بعض نے یہ بھی کہا کہ طور پر گو مفسرین زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ گیارہ ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی اور شمس اور قمر سے مراد والد اور والدہ ہیں۔ مگر محض بھائیوں یا ماں باپ پر کسی شخص کی فوقیت اس قدر بلند مرتبہ کا پتہ نہیں دیتی جیسا بادشاہ یا وزراء پر فوقیت کا

۸ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ○ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَ

بیشک یوسف اور اسکے بھائیوں (کے معاملہ) میں پوچھنے والوں کیلئے نشان ہیں ۱۵۱۷ جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور

أَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ ۱۵۱۸

اس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے ۱۵۱۸

رکوع ۲ بھائیوں کا یوسف ۱۲ سے سلوک

حاصل ہونا۔ بلکہ حضرت یعقوبؑ نے جو تعبیر کی ہے وہ دین و دنیا میں بلند مراتب پر پہنچنا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے +

حضرت یعقوب کی تعبیر

حضرت یعقوبؑ نے تین باتوں کی خبر دی ہے اول اجتباء جس کے معنی کے لئے دیکھو ۵۷۵ مفسرین میں سے بعض نے کہا نبوت کے لئے چن لینا مراد ہے بعض نے کہا سجود کے لئے بعض نے اور توجیہات کی ہیں (۱) مگر اجتباء کے اصل معنی کے لحاظ سے مراد اچھی صفات کا آپ میں جمع کر دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اجتباء نبیوں اور صدیقوں اور شہداء کیلئے ہوتا ہے دوسری بات تاویل احادیث کا علم دینا ہے اور اس سے مراد بعض نے تعبیر رویا کو لیا ہے اور بعض نے عواقب امور کو اور بعض نے احادیث انبیاء اور کتب سابقہ کو مگر جس طرح احادیث کا لفظ وسیع ہے اور اس میں رؤیا اور وحی آجاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی معنی میں توسیع مراد ہے یعنی ہر ایک بات کی تہ تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کے فہم کا ملنا۔ اسی اعلیٰ درجہ کے علم میں تعبیر رویا بھی شامل ہے جو محض اس کا ایک حصہ ہے اور تیسری بات اتمام نعمت ہے اور اس سے مراد دنیا اور آخرت کی نعمت کامل جانا یا اکٹھا ہو جانا ہے جیسے نبوت کے ساتھ بادشاہت یا دوسروں کی غلامی سے آزادی روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی نعمتیں مل جانا یہی اتمام نعمت ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے یہ سب کچھ بظاہر اس خواب سے ہی سمجھا ہے اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بھی اطلاع دی ہو کہ یوسف ان بلند مراتب پر پہنچنے والا ہے مگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سورج چونکہ اصل سرچشمہ نور ہے اس لئے اس کے سجدہ سے مراد کمال دینی ہے کیونکہ انسان کے اصل فضائل دینی ہیں اور قمر چونکہ سورج سے نور مستعار لیتا ہے اسلئے مراد کمال دنیوی ہے اور حضرت یوسف کو کمال دینی کی طفیل حاصل ہوتا ہے اور آپکی راستبازی اور علم ہی آپکو حکومت تک پہنچاتے ہیں اور کواکب سے چونکہ علم حاصل کیا جاتا ہے وبالنجم ھم یھتدون (النحل ۱۶-۱۶) اس لئے کواکب کے سجدہ سے مراد علم کا حاصل ہونا ہے +

سائلین سے مراد

۱۵۱۷ پوچھنے والوں سے مراد یہاں نبی کریم صلعم کے حالات کو دریافت کرنے والے لوگ ہیں۔ ان کیلئے یوسف اور اس کے بھائیوں کے معاملہ میں نشان ہیں یعنی جو معاملہ یوسف کے ساتھ ہوا وہی آنحضرت صلعم کے ساتھ ہوگا آپ کو قتل کرنے یا ملک سے نکالنے کی تجویز ہوگی اور بالآخر جس طرح یوسف کے بھائی عاجزانہ حالت میں یوسف کے سامنے حاضر ہوئے اسی طرح آپ کے مخالف بھی عاجز اور مغلوب ہو کر آپ سے معافی مانگینگے +

عصب۔ عُصبة۔ عصابة

۱۵۱۸ عصبة۔ عَصَب پٹھوں کو کہتے ہیں اور عَصْب کے معنی باندھنا ہیں اور عُصْبَةٌ اور عِصَابَةٌ جماعت کو کہا جاتا ہے دس سے چالیس تک جس کا واحد کوئی نہیں مفردات میں ہے جماعة مُتَعَصِّبَة مُتَعَاضِدَة یعنی ایسی جماعت جو ایک دوسرے کی مدد کرنیوالے ہوں اور عَصَبَة ایک شخص کے بیٹوں اور باپ کیطرف سے قریبیوں کو کہا جاتا ہے اور اسی مادہ سے مشہور لفظ تعصب ہے جس کے اصل معنی جمع ہو جانے کے ہیں۔ پھر کسی دوسرے فریق کے خلاف جمع ہو جانا ظالم یا مظلوم ہو کر اور عَصَبِيَّة یہ ہے کہ ایک شخص کو عَصَبَة کی مدد کیلئے بلائے اور حدیث میں ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَىٰ عَصَبِيَّة او قَاتَلَ عَصَبِيَّة جو شخص عصبیت کی طرف بلاتا ہے یا عصبیت کیلئے جنگ کرتا ہے (یعنی محض اپنے قریبیوں کی حمایت کیلئے اور یہ نہیں دیکھتا کہ حق کس طرف ہے) وہ ہم میں سے نہیں +

عَصَبَة۔ تعصّب

عَصَبِيَّة

ضلال

ضلال کے معنی یہاں خطائی الرائے ہیں (۱) یعنی غلطی +

نِۨ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا ۹

یوسف کو قتل کردو یا کسی اور ملک میں ڈال دو تو تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہی ہوگی اور اسکے بعد تم

صٰلِحِينَ ○ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ ۱۰

صالح لوگ بن جاؤ ۱۵۱۹ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو کوئی قافلہ اسکو نکال

السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِينَ ○ قَالُوا يٰأَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلٰى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ ۱۱

لے جائیگا اگر تمہے کچھ کرنا ہی ہے (تو یہ کرو) ۱۵۲۰ انہوں نے کہا اے ہمارے باپ کیا وجہ ہے کہ تو یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتا حالانکہ ہم

لَنٰصِحُونَ ○ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ○ قَالَ إِنِّي ۱۲ ۱۳

اسکے خیر خواہ ہیں۔ کل اسے ہمارے ساتھ بھیجئے کہ وہ کھائے پیئے، اور کھیلے کودے، اور ہم اسکے نگہبان ہونگے ۱۵۲۱ اس نے کہا مجھے

لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ○

اس بات سے غم ہوتا ہے کہ تم اسے لیجاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس کی طرف سے بے خبر رہو ۱۵۲۲

بن یامین یوسف کے بھائی سے مراد یہاں ان کا حقیقی بھائی ہے جس کا نام بن یامین تھا یہ دونوں ایک والدہ سے تھے۔ محض اس لئے کہ باپ کو ایک بیٹے سے زیادہ پیار ہے ان کے سینوں میں حسد کی آگ جلی انہیں یہ شکایت نہیں کہ ہمارا باپ ہم سے محبت نہیں کرتا بلکہ یہ ہے کہ یوسف سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ یہ کوشش نہیں کرتے کہ باپ کی محبت ان سے کس طرح بڑھے یہ کوشش کرتے ہیں کہ یوسف کی محبت درمیان سے اٹھ جائے یہی حسد ہے جس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا +

طرح ۱۵۱۹ اطرحوا طرح ۔ کسی چیز کا پھینکنا اور اس کا دور کردینا ہے (غ)، +

تکونوا من بعدہ قوماً صالحین سے مراد یہ ہے کہ اس گناہ سے توبہ کرکے پھر تم صالح بن سکتے ہو اور یا مطلب یہ ہے کہ یوسف کے درمیان سے نکل جانے سے تم اپنے امور دنیا میں سنوار والے ہو جاؤ گے کیونکہ باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہوگی +

غیابة ۱۵۲۰ غیٰبت ۔ اس کا اصل غَیب سے ہے اور غیَابَة زمین کی پستی یا گہرائی کو کہتے ہیں (غ)، +

جب جُبّ ۔ جَبّ کے معنی کسی چیز کا جڑ سے کاٹ دینا ہیں اور جُبّ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی اینٹوں سے منڈیر نہ بنائی گئی ہو (غ)، جس کی دیوار بنائی گئی ہو وہ بئر ہے اور بعض کے نزدیک جُبّ ایسا کنواں ہے جس کی گہرائی بہت زیادہ ہو (ل)، +

لقط۔التقاط یلتقط ۔ لَقْط ۔ اور اِلتِقاط کسی چیز کا زمین سے لے لینا ہے یعنی زمین پر پڑی ہوئی چیز کا اٹھا لینا اور لُقطَة گری ہوئی چیز کو اور لَقِیط پھینکے ہوئے بچے کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص پالے (ل)، +

سیارة سَیّارة ۔ سَیر کے معنی چلنا اور سَیّارَة چلنے والی جماعت کو کہتے ہیں (غ)، +

پیدایش ۳۷ : ۲۲ میں ہے کہ ایسا کہنے والا رُوبن تھا +

رتع ۱۵۲۱ یرتع ۔ رَتْع کا استعمال اصل میں حیوانات پر ہے یعنی چرنا۔ استعارةً انسان پر بولا جاتا ہے (غ)، یا بافراغت کھانا پینا (ل)

۱۵۲۲ اس کے لیجانے سے غم ہوتا ہے گویا ان کا دل اندر سے بول رہا تھا کہ وہ محض شرارت کیلئے یوسف کو لے جارہے ہیں +

۱۴، ۱۵ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ

انہوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں تو اس صورت میں ہم بے شک گھاٹے میں رہنے والے ہونگے سو جب اسے لے گئے

وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا

اور اتفاق کرلیا کہ اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو انہیں انکے اس معاملہ کی خبر دیگا

۱۶، ۱۷ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ○ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ

اور وہ نہیں جانتے ہونگے، ۱۵۲۳ اور رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے کہا اے ہمارے باپ ہم ایک

اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ

دوسرے سے آگے نکلتے ہوئے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو بھیڑیا اسے کھا گیا اور تو

۱۸ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ○ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ

ہماری بات کو ماننے کا نہیں اگر ہم سچے بھی ہوں ۱۵۲۴ اور اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔

الثلثۃ

بائبل اور قرآن کے بیان میں فرق

۱۵۲۳ بائبل میں حضرت یوسف کی طرف اس وحی کا ذکر نہیں اور اتنی بات سے دونوں تذکروں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے بائبل میں یہ محض ایک کہانی کا رنگ رکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب کا بیٹا گم ہو گیا اور پھر مل گیا۔ قرآن کریم میں یہ طرح طرح کے روحانی اور اخلاقی سبقوں سے بھرا ہوا ہے مثلاً یہی واقعہ کہ عین اس وقت جب بھائی اپنی طرف سے یوسف کا کام تمام کر چکے تھے اور کوئی امید کی جھلک باقی نہ رہی تھی اور زندگی کا خاتمہ سامنے نظر آتا تھا ایک غیبی آواز آتی ہے کہ تم پر وہ زمانہ آئیگا کہ تم انہی بھائیوں کو ان کی اس حرکت کی خبر دو گے اور تمہارا مقام اس قدر بلند ہوگا کہ ان کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا کہ تم اس مقام پر پہنچے ہوئے ہو یہ آواز نہ صرف یوسف کے اندر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل پیدا کرتی ہے اور اس کو آیندہ زندگی میں مصائب کی برداشت کے قابل بناتی ہے اور بڑے بڑے ابتلاؤں میں نیکی پر قائم رہنے کی قوت دیتی ہے بلکہ اس ذکر کے پڑھنے والے کے اندر بھی یہی تمام باتیں پیدا کرتی ہے۔ ایک اتنے ذکر کو چھوڑ دینے سے بائبل میں یہ ذکر محض ایک قصہ رہ جاتا ہے اور قرآن کریم میں یہ ایک اعلیٰ درجہ کا اخلاقی سبق بن جاتا ہے +

وحی قبل از نبوت

اس وحی کے ہونے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ حضرت یوسف اس وقت نبی بھی ہو گئے تھے۔ آیت ۲۲ میں بتایا ہے کہ حکم اور علم روحانی بلوغ کو پہنچنے پر ملا تھا اور وہ اس واقعہ کے بہت بعد تھا۔ وحی غیر نبی کو بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی ماں اور حواریوں کو وحی ہونے کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے پس حضرت یوسف کی یہ وحی بھی قبل از نبوت ہے جس طرح ان کا رؤیا قبل از نبوت تھا اور اس میں محض ایک آیندہ کی خبر ہے اور آیندہ کی اخبار غیر نبی پر بھی ظاہر کی جاتی ہیں جیسے کہ اس اُمت میں محدثین پر جن کے متعلق احادیث میں آتا ہے رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء یہ خیال کر کے کہ وحی سوائے نبی کے نہیں ہو سکتی بعض نے اوحینا الیہ میں مراد حضرت یعقوب کو لیا ہے کیونکہ حضرت یوسف کی عمر اس وقت ۱۷ سال کی تھی۔ مگر اس سے بھی اس ذکر کی اصل عظمت مفقود ہو جاتی ہے وھم لا یشعرون سے مراد یہ ہے کہ ایسی حالت میں تم انکو یہ خبر دو گے کہ تمہارا اس مقام کی وجہ سے وہ یہ نہ جانتے ہونگے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انکو معلوم نہیں جو یہ خوشخبری دی ہے تو تمہارے بھائیوں کو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں

۱۵۲۴ ولو کنا صادقین۔ سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم آپ کے نزدیک صادق القول بھی ہوتے تو بھی اس معاملہ میں آپ ہماری بات کا یقین

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ○ ۱۵۲۵

اسؑ نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لئے ایک دُبری، بات کو اچھا کر دکھایا تو صبر ہی بہتر ہے اور اسی اللہ کی ہی مدد طلب کیجاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو

نہ کرتے اور جب آپ پہلے بھی ہمارے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تو ہماری بات کو آپ مانینگے تو نہیں ✦

تسویل — **۱۵۲۵** سولت۔ تَسْوِیل کے معنی ہیں جس چیز کی خواہش ہو اسے نفس کا اچھا کر دکھانا اور اس کے بُرے پہلو کو بھی اچھے رنگ میں دکھانا۔ الشیطان سول لہم (محمد ۴۷-۲۵) اور **سُوْل** رسُوْل ۲ اُمْنِیَّۃ کے قریب قریب ہے فرق یہ ہے کہ اُمنیۃ یا آرزو وہ ہے جس کا انسان اپنے نفس میں اندازہ کرتا ہے اور سُوْل وہ ہے جس کو وہ طلب کرتا ہے گویا یہ اُمنیۃ کے بعد کا مرتبہ ہے اور اس کا اصل **سُؤل** ہے لقد اوتیت سؤلك یا موسیٰ (طٰہٰ ۲۰-۳۶) اور سُؤل وہ حاجت نفس ہے جس کا پورا ہونا انسان چاہتا ہے (غ)

بائبل اور قرآن کے بیان میں فرق — یہاں پھر بائبل کے ذکر میں اور قرآن شریف میں ایک بیّن فرق نظر آتا ہے۔ بائبل میں ہے کہ جب یہ خبر حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کو پہچان لیا اور کہا "یوسف بیشک پھاڑا گیا تب یعقوبؑ نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنے کولے پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا" (پیدایش ۳۷: ۳۳ و ۳۴) یہ بات شان نبوت سے بعید ہے قرآن کریم نے اسکو

مصائب میں صبر کا سبق — بجائے کیسے پاک لفظ فرمائے ہیں فصبر جمیل اتنے بڑے عظیم الشان صدمے پر بھی نہ صرف صبر کیا بلکہ صبر کو جمیل فرمایا یعنی خوبی کی بات یہی ہے۔ اس میں دوسروں کے لئے بھی سبق ہے کہ وہ سخت سے سخت مصائب کے وقت واویلا اور جزع فزع نہ کریں اور صبر کا طریق اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر راضی ہوں صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ پر بہتان باندھا گیا تو اس صدمۂ عظیم میں انہوں نے یہی فرمایا کہ میں وہی کہتی ہوں جو یعقوبؑ نے کہا فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون

ایک اور بڑا فرق جو قرآن شریف اور بائبل میں ہے یہ ہے کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کو یقین تھا کہ حضرت یوسف مارے نہیں گئے بلکہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ آخر ان باتوں کو پورا کرے گا جو رؤیا میں ان کو دکھائی گئیں جس طرح بائبل کے اس بیان کی بجائے کہ حضرت یعقوبؑ نے یوسف کا رؤیا سنکر اسے ڈانٹا قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ یوسف کو دینی اور دنیوی عظمت ملے گی۔ اسی طرح اس پر پورا ایمان رکھتے ہوئے اپنے بیٹوں کو صاف کہدیا کہ جو کچھ تم کہتے ہو یہ سب غلط ہے اور واللہ المستعان میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو پورا کرے گا جو اس نے دکھائی ہیں ✦

قمیص کا ذکر تین دفعہ — حضرت یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی یہ لوگ لگا لائے تھے۔ بائبل میں ہے کہ یہ ایک "بوقلمون قبا" تھی جو حضرت یعقوبؑ نے یوسف کو بنوا کر دی تھی لیکن جیسی بھی ہو ان کی غرض تو اپنی بات کی تائید تھی کہ بھیڑیا یوسف کو کھا گیا اور اسکی قمیص باقی رہ گئی اور اس پر خون کے نشان بھی ہیں۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یوسف کے ذکر میں تین مرتبہ قمیص کا ذکر آتا ہے۔ جس قمیص کو یوسف کے بھائیوں نے بطور شہادت پیش کیا اسی سے حضرت یعقوب معلوم کرتے ہیں کہ جھوٹ موٹ کے نشان ہیں گویا یوسف کے زندہ ہونے کی وہ شہادت بنی دوسرے موقعہ پر ایک قمیص سے ہی یوسف کی بریت کی شہادت ملی۔ اور تیسرے موقعہ پر اپنی قمیص کو ہی حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ کے پاس بھیجا گویا وہ یوسف کی شان و شوکت کی شہادت بنی۔ بالفاظ دیگر یوسف کی زندگی یوسف کی عصمت اور یوسف کی شان و شوکت کی گواہی قمیص سے ہی ملتی ہے۔

قمیص کی تعبیر علم ہے — اور رؤیا میں قمیص کی تعبیر علم ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ پر میں نے لمبی قمیص دیکھی اور اس کی تعبیر علم کی۔ اور یہاں اس سورت میں بھی جس طرح قمیص کا ذکر تین دفعہ آتا ہے تین ہی دفعہ حضرت یوسف کے تاویل احادیث کے علم کا ذکر بالخصوص آتا ہے یعنی آیت ۶ میں اور ۲۱ میں اور ۱۰۱ میں ✦

۱۹ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا

اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے اپنا پانی بھرنے والا بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ کہا خوشخبری ہو یہ لڑکا

۲۰ غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ

ہے اور اسے مال تجارت قرار دے کر چھپا رکھا اور اللہ جانتا تھا جو وہ کرتے تھے ۱۵۲۶ اور اسے تھوڑی سی قیمت

۲۱ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ

چند درہموں پر بیچ ڈالا اور وہ اس کے بارے میں بے رغبت تھے ۱۵۲۷ اور جس نے اسے مصر میں خریدا

ع ۳ / ۱۳ — یوسف کی استقامت اور بریت

مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ

تھا اس نے اپنی عورت سے کہا اسے عزت کی جگہ دو شاید وہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور اس طرح

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ

ہم نے یوسف کو ملک میں معزز بنایا اور تا ہم اسے باتوں کے معنی سکھائیں اور اللہ

غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اپنے امر پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۱۵۲۸

بضاعۃ ۔ بضع

۱۵۲۶ بضاعۃ ۔ مال کا وافر حصہ جو تجارت کے لئے رکھا جائے هٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا (۶۵) اور اس کا اصل بضع ہے جس کے معنی ہیں گوشت کا ٹکڑا جو کاٹا جائے اور حدیث میں ہے فاطمة بَضْعَةٌ مِنّي یعنی فاطمہ گویا میرے جسم کا ٹکڑا ہے

بِضع

اور بِضع وہ ہے جو دس سے کاٹا جائے یعنی تین سے ۹ تک پر بولا جاتا ہے (غ)+

ذاھد

۱۵۲۷ زاھدین ۔ زہید بہت تھوڑی سی چیز کو کہتے ہیں اور الزاھد فی الشیء کے معنی ہیں اس کی طرف سے بے رغبتی دکھانے والا گویا اس کی طرف سے نہایت تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتا ہے (غ) یہی معنی یہاں ہیں اور زُھد دین سے خاص ہے جو دنیا کی رغبت اور حرص کی ضد ہے (ل)۔ بائبل میں ہے کہ پہلے یوسف کے بھائیوں نے یوسف کو مدیانیوں (قافلہ والوں) کے ہاتھ بیچا پھر مدیانیوں نے اسے مصر میں جا بیچا۔ قرآن شریف سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ والے اسے چھپا کر لے گئے اور مصر میں جا بیچا اور ان لوگوں کو اس کے بارہ میں کچھ زیادہ رغبت نہ تھی +

تمکین ۔ مکانۃ

۱۵۲۸ مکنا ۔ تمکین کے معنی ہیں مضبوطی اور قوت دینا اور اسباب تصرف دینا دیکھو ۹۰۶ مگر مکانۃ منزلت اور مرتبہ کو کہتے ہیں (ت)

علاوہ ازیں اسباب تصرف دینے سے مراد بھی معزز بنانا ہی ہے +

کہا گیا ہے کہ یہ خریداری وہ نہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہے یہ اس صورت میں ہوگا جب پچھلی آیت میں فروخت کنندہ حضرت یوسف کے بھائی سمجھے جائیں یہاں حضرت یوسف کو ایک معزز عہدہ پانے کے لئے مقام عزت ملتا ہے اور یہ ان کے استحکام اور علم کی زیادتی کا موجب بن جاتا ہے اور اللہ کا اپنے امر پر غالب آنا یہی ہے کہ وہ جس طرح یہ چاہتا ہے کوئی اس کے امر کو روک نہیں سکتا اور یہ اشارہ ہے کہ یوسف کو مقام عزت ملنے کے بعد فسک اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں ...

[illegible]

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ ۲۲

اور جب وہ اپنی بلوغت کو پہنچا ہم نے اسے فہم و علم دیا اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں ۵۲۹ اور اس نے جس

الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ

کے گھر میں وہ تھا اسے اپنے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور دروازے بند کر لئے اور کہا ادھر آؤ

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اس نے کہا اللہ کی پناہ (مانگتا ہوں) میرے رب نے میرے مقام کو بہت اچھا بنایا یقیناً ظالم کامیاب نہیں ہوتے ۵۳۰

بلوغ سے مراد — ۵۲۹ اَشُدّ جسمانی مضبوطی اور روحانی مضبوطی دونوں پر بولا جاتا ہے مگر چونکہ سترہ سال کی عمر کے حضرت یوسف اس وقت تھے جب کنعان سے نکلے اس لئے جسمانی مضبوطی وہ اسی وقت حاصل کر چکے تھے اور یہاں جس اشد کا ذکر ہے وہ روحانی مضبوطی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اب انہیں حکم اور علم عطا ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں روحانی بلوغ سے تعلق رکھتی ہیں اور آگے ذکر بھی ہے کہ اسی طرح احسان کرنے والوں کو ہم بدلہ دیتے ہیں حکم سے مراد یہاں بعض نے نبوت کو لیا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت تک انہیں تبلیغ کا ہی کوئی موقعہ نہ ملا تھا +

رَوْد۔ ارادۃ — ۵۳۰ راودتہ رَوْد کے معنی ہیں کسی چیز کی طلب میں نرمی سے تردد کرنا اور اِرَادَۃ اصل میں وہ قوت ہے جو شہوت اور حاجت اور امل سے مرکب ہو یعنی جس میں خواہش اور حاجت اور اُمید یا آرزو پائی جائے اور ارادہ کی ابتدا نفس کا کسی چیز کی طرف کھچنا ہے اور اس کی انتہا یہ ہے کہ حکم لگایا جائے کہ ایسا ہو یا ایسا نہ ہو۔

ارادہ الٰہی — اور جب اللہ تعالیٰ کے متعلق ارادہ کا لفظ بولا جائے تو مراد اس سے منتہا ہوتا ہے یعنی ایک بات میں حکم لگانا جیسے ان اراد بکم سوءا او اراد بکم رحمۃ (الاحزاب ۳۳-۱۷) یا اذا اراد اللہ بقوم سوءا فلا مرد لہ (الرعد ۱۳-۱۱) اور انسان میں ارادہ عموماً نفس کا کسی چیز کی طرف کھچنا ہے اور کبھی اس سے مراد قصد یا طلب کرنا ہوتا ہے جیسے لا یریدون علوا فی الارض (القصص ۲۸-۸۳) اور ارادہ جس طرح قوت اختیاری سے ہوتا ہے کبھی قوت تسخیری اور حسی سے ہوتا ہے یعنی بے جان چیزوں پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے جدارا یرید ان ینقض (الکہف ۱۸-۷۷) اور حیوانات پر بھی بولا جاتا ہے

مُراودۃ — اور مُرَاوَدَۃ (جس سے یہاں فعل ماضی آیا ہے) یہ ہے کہ تم اپنے غیر سے ارادہ میں جھگڑا کرو اور جو وہ ارادہ کرتا ہے اسکے خلاف ارادہ کرو یا جس چیز کو وہ طلب کرتا ہے اسکے خلاف طلب کرو اور راودتہ عن نفسہ کے معنی ہیں صَرَفَتْهُ عن رأیہ یعنی اسکو اپنی رائے سے یا ارادہ سے پھیرنا چاہا (مفردات)

غلق۔ تغلیق — غلقت۔ غَلْق کے معنی بند کرنا اور اِغلاق یا تَغْلِیْق (جس سے یہاں فعل ہے) کثرت سے بند کرنا یعنی بہت دروازوں کا بند کرنا یا بار بار بند کرنا (غ) +

ھیت — ھیت اور ھَلُمَّ کے معنی قریب ہیں یعنی آؤ (غ)، ھَیْتَ لَکَ۔ اَقْبِلْ یعنی آگے آؤ (ل) بعض نے اسے عبرانی سریانی وغیرہ کہا ہے مگر مجاہد کہتے ہیں کہ یہ عربی ہے (ل) +

عصمت یوسف — قرآن کریم نے جو لفظ اختیار کئے ہیں ان سے حضرت یوسف کے ارادہ عصمت کی مضبوطی پر کافی شہادت ملتی ہے کیونکہ راودت میں یہ بتایا کہ اس عورت کا ارادہ یوسف کے ارادہ کے خلاف تھا اور عن نفسہ میں اور بھی اس کو موکد کیا ہے حضرت یوسف نے اس عورت کی تمام کارروائیوں اور ارادوں کا ایک ہی جواب دیا ہے معاذ اللہ معلوم ہوا کہ آپکے ارادہ عصمت میں ادنیٰ جنبش بھی نہیں آئی انہ ربی سے مراد بعض نے اس عورت کا خاوند لیا ہے مگر ایک متقی آدمی کے منہ میں ربی سے مراد اللہ تعالیٰ ہی لینا

۲۴ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ

اور اس عورت نے اس کا قصد کیا اور وہ بھی اس کا قصد کرتا اگر وہ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل نہ دیکھ چکا ہوتا یوں ہوا تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو

۲۵ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ

پھیر دیں ۔ بیشک وہ ہمارے خالص کئے گئے بندوں میں سے تھا ۱۵۳۱ اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت

قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا

نے اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اسکے خاوند کو دروازہ پر پایا عورت بولی اس کی کیا سزا ہے جو تیری عورت سے برا ارادہ کرے

بہتر ہے ۔ اور اچھی جگہ دینا بھی حضرت یوسف عزیز کی طرف منسوب نہیں کر سکتے کیونکہ وہ محض ایک واسطہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو حقیقی سبب ہے کیونکہ عزیز کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ہی یوسف کی عزت کی طرف پھیرا کس قدر کامل ایمان ہے کہ فرماتے ہیں اگر میں ایسا کام کروں تو یہ ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں ہوتا ۔ ایسے موقعہ پر جہاں تنہائی ہو ۔ ایک عورت جو مالکہ ہے اپنے غلام کو اپنی طرف بلائے دروازے بند ہیں حضرت یوسف کا عصمت کے بلند مقام پر کھڑا ہونا اس ذکر کے پڑھنے والوں کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا روحانی سبق ہے اور حقیقت میں اگر عزیز مصر کی عورت نے حضرت یوسف کو مقام عصمت سے پھیرنے کی کوشش کی تو قریش مکہ نے بھی آنحضرت صلعم کو جن کو وہ امین جانتے اور کہتے تھے ۔ مقام عصمت سے ہٹانے کیلئے خوبصورت سے خوبصورت عورت دینے کا لالچ دیا جس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ دنیا کی حکومت اور دولت اور خوبصورتی کیا حقیقت رکھتی ہیں اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تو بھی میں اپنے مقام کو نہ چھوڑوں ۔

عصمت آنحضرتؐ

۱۵۳۱ وھم بہا لولا ان راٰ برھان ربہ ۔ لسان العرب میں ابو عبیدہ کا قول منقول ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر ہے یعنی مطلب یہ ہے لولا ان راٰ برھان ربہ لھم بہا اگر یوسف اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ چکا ہوتا تو اس کا قصد کرتا ۔ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ حضرت یوسف معصیت کا خیال دل میں لائے تھے ۔ اور حضرت ابن عباس سے بھی کچھ ایسے اقوال منقول ہیں ۔ مگر یہ درست نہیں ۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی پہلی آیت اس کے خلاف ہے اور جو کچھ وہاں فرمایا ہے ۔ اسی کی مزید تشریح یہاں ہے وہاں مراودۃ کا ذکر تھا یعنی اس عورت کا یوسف کو اپنے ارادہ اور رائے سے پھیرنے کی کوشش کرنا اسی کوشش کا ذکر ولقد ھمت بہ میں ہے ۔ مگر اس مراودۃ یا اس عورت کی کوشش کا نتیجہ وہاں بتایا تھا قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای انہ لا یفلح الظالمون یہاں فرمایا وھم بہا لولا ان راٰ برھان ربہ اگر حضرت یوسف کے دل میں کوئی خیال معصیت کا آتا تو قرآن کریم آپ کی طرف الفاظ معاذ اللہ منسوب نہ کرتا ۔ اور پھر دوسری جگہ خود اس عورت کی شہادت حضرت یوسف کی عصمت پر موجود ہے ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم (۳۲) میں نے اس کو اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہا مگر وہ مضبوط رہا اور عصمت اختیار کی یہاں صرف مراودۃ اور اس کے محفوظ رہنے کا ذکر ہے اگر کوئی اور واقعہ بھی ہوا ہوتا جیسا کہ ان مفسرین نے خیال کر لیا ہے جنہوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جلس منہا مجلس الرجل من امراتہ تو وہ عورت یوسف کے معصوم ہونے کی شہادت نہ دیتی جہاں کہیں اس واقعہ کا ذکر ہے وہی باتوں کا بیان ہے عورت کی کوشش اور یوسف کا بچا رہنا ۔ جب دوسری عورتوں نے یوں شہادت دی حاش للہ ما علمنا علیہ من سوء تو اس عورت نے بھی یہی کہا الئٰن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین (۵۱) نہ دوسری عورتیں یوسف میں کسی ادنیٰ بدی کے خیال کی شہادت دیتی ہیں نہ عزیز

یوسف کے دل میں بدی کا خیال بھی نہیں گزرا

اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ ۲۶

سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا (اور) دردناک عذاب ہو۔ یوسفؑ نے کہا اس نے مجھے میرے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور اسکے لوگوں میں سے

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○

ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے [۱۵۳۲]

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَلَمَّا ۲۷ ۲۸

اور اگر اسکی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے سو جب

رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○

اس نے اسکی قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہا یہ تم عورتوں کی چال ہے بلاشبہ تمہاری چال بڑی بھاری ہے

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ○ ع ۲۹

یوسف! اس سے درگزر کر اور (اے عورت) اپنے قصور کی معافی مانگ کیونکہ تو خطاکاروں میں سے ہے۔

کی عورت نے وہی صدق جو پہلے قرائن سے ظاہر ہو چکا اب خود عزیز کی عورت اس کا کھلا اعتراف کرتی ہے غرض یہ خیال کہ حضرت یوسف نے اس عورت سے ارادۂ بد کیا تھا بالکل باطل اور قرآن کریم کے مخالف ہے حل سہا ویل تک نوبت پہنچنے سے پہلے بہت سے مبادی ہوتے ہیں جو انسان ان میں مبتلا ہو جائے وہ معصوم نہیں کہلا سکتا۔ نہ ہی جب وہ اپنی بریت کا اظہار کرے تو اسے صادق کہا جا سکتا ہے اور خود اس آیت میں ہے کذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء جہاں ظاہر ہے کہ فحشاء بیحیائی کے فعل کا ارتکاب ہے خواہ وہ زنا ہو یا مبادی زنا اور سوء بیحیائی کا خیال دل میں لانا ہے پس اللہ تعالیٰ حضرت یوسف سے نہ صرف زنا اور ہر قسم کے مبادی زنا کی نفی کرتا ہے بلکہ ان گندے خیالات کے آپکے پاک دل میں آنے کی بھی نفی کرتا ہے۔ اور ہم بہا لولا ان رّا برهان ربه کی جس طرح ترکیب ہے ایسے ہی دوسری جگہ ہے ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علیٰ قلبہا (القصص ۲۸-۱۰) یعنی حضرت موسیٰ کی والدہ اسبات کو ظاہر کر دیتی اگر ہم نے اس کا دل مضبوط نہ کر دیا ہوتا اور روح المعانی میں ہے کہ جواب کا شرط پر مقدم ہونا ممتنع نہیں تاہم اسکی ترکیب ایسی ہے جیسے عرب کہتے ہیں انت ظالم ان فعلت کذا جہاں ظلم کا اثبات نہیں بلکہ نفی ہے اسی طرح یہاں حضرت یوسف کے ہمّ کی نفی ہے اور تفسیر بحر المحیط میں ہے کہ بعض لوگوں نے یوسف کیطرف وہ بات منسوب کی ہے جو ایک فاسق کیطرف بھی منسوب نہیں کیجا سکتی حالانکہ حضرت یوسف سے ہم کے واقع ہونے کیا نہیں بلکہ اسکی نفی ہے

برهان ربه کو کسی نے حضرت یعقوب کا بطور تمثل نظر آنا اور نصیحت کرنا کہا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس عورت نے اپنے بت پر پردہ ڈالا تو حضرت یوسفؑ نے کہا کہ اگر تجھے ان پتھر سے شرم آتی ہے جو نہ سنتا ہے نہ عقل رکھتا ہے تو میں اپنے خدا سے شرم نہ کروں جو ہر وقت اور ہر حال میں دیکھتا ہے۔ اور بعض نے کہا کوئی تحریر سامنے آگئی یا جبریلؑ نے آ کر روک دیا مگر قرآن شریف نے خود اس دلیل کا ذکر پہلی آیت میں کیا ہے انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظالمون اور یہی وہ برہان رب تھی جس نے حضرت یوسف کو بچا لیا یعنی ان کا کامل ایمان اللہ تعالیٰ پر اور اس کی ربوبیت پر۔ اور اس بات پر کہ ظالم کو فلاح نہیں ملتی۔

برهان ربه سے مراد

۱۵۳۲ یہ شاہد بعض کے نزدیک ایک چھوٹا بچہ تھا اور بعض کے نزدیک دانا عمر رسیدہ آدمی دونوں قسم کے اقوال ابن کثیر میں

شاہد کون تھا

ع ۴ — یوسف کا قید میں پڑنا

۳۰ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ

اور شہر میں عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہتی ہے اس کی محبت اسکے دل میں گھس گئی ہے

۳۱ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ

ہم اسے کھلی گمراہی میں پاتی ہیں ۱۵۳۳ جب اس نے ان کی چال سنی انکو بلوا بھیجا اور ان کیلئے کھانا تیار کیا

مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَ

اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دی اور (یوسف کو) کہا ان کے سامنے باہر آؤ۔ سو جب انہوں نے اسے دیکھا اسے بہت بڑا سمجھا اور

قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝

اپنے ہاتھ کاٹے اور کہا اللہ عیب سے پاک ہے یہ انسان نہیں یہ تو ایک بزرگ فرشتہ ہے ۱۵۳۴

قرائن کی شہادت — اور ابن جریر میں موجود ہیں اس کی گواہی اسی قدر تھی کہ اس نے ایک مضبوط قرینہ کی طرف توجہ دلائی یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرائن کی شہادت بھی مقدمات کے فیصلہ کیلئے کافی ہو جاتی ہے ✦

قرآن کریم اور بائبل میں فرق — قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے حضرت یوسف کی بریت یہاں بھی کی ہے اور آگے چل کر بھی مگر بائبل میں صرف اس قدر ذکر کر کے کہ جب عزیز کی عورت نے اسے بلایا تو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا" (پیدائش ۳۹-۱۲) بریت کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اسی جرم کی بنا پر اسے قید کیا جاتا ہے۔ اور پیراہن چھوڑ کر بھاگنے کا واقعہ اس جرم میں تائیدی شہادت بن جاتا ہے اور اس الزام سے حضرت یوسف کی قطعاً کوئی صفائی نہیں ہوتی۔ یہ کتاب کیونکر اخلاق فاضلہ سکھا سکتی ہے جس میں ایک پاک انسان پر تہمت کا ذکر کر کے اسے اس تہمت سے بری نہیں کیا جاتا اور اس سے پہلے باب میں اسی کتاب پیدائش میں حضرت یوسف کے ایک بھائی یہوداہ کے متعلق ایک نہایت گندے اور فحش قصہ کا ذکر کیا ہے جو اگر کسی ناول میں بھی ہوتا تو اسے پڑھنے کے ناقابل قرار دیا جاتا مگر بائبل باوجود ان گندے قصوں کے کتاب مقدس کہلاتی ہے اور قرآن کریم کو باوجود اس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کے رد کیا جاتا ہے ✦

مدینۃ — ۱۵۳۳ مدینۃ۔ مَدَنَ بالمکان کے معنی ہیں مکان میں ٹھہرا اور اسی سے مَدِیْنَۃٌ جس کے معنی شہر ہیں اور مدینۃ اس قلعہ کو بھی کہتے ہیں جو کسی زمین کے وسط میں بنایا جائے اور اس زمین کو بھی جس میں ایسا قلعہ بنایا جائے اور بالخصوص یہ لفظ نبی کریم صلعم کے شہر پر بولا جاتا ہے اور جب اسکی طرف کسی چیز کو منسوب کیا جائے تو مَدَنِی کہا جاتا ہے اور عام معنی میں مدینۃ کیطرف منسوب ہو تو مَدِیْنِی

مَدَنِی

العزیز — العزیز۔ عزیز۔ غالب کو کہتے ہیں اور بادشاہ کو اور مصر کے بادشاہوں کا یہ خطاب تھا (ت)، مگر یہاں بادشاہ مراد نہیں اسلئے کہ اس کا ذکر لفظ ملِک میں الگ آتا ہے بلکہ اسکے عظیم الشان امرا میں سے ایک مراد ہے جس کے سپرد کل کاروبار سلطنت کا انصرام معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب یہی حیثیت حضرت یوسف کو ملتی ہے تو پھر اسے اسی خطاب العزیز سے پکارا جاتا ہے۔ بائبل میں اس کا نام فوطیفار لکھا ہے جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا ✦

شغف — شغف۔ شَغَاف۔ غلاف القلب یا دل کے پردے کا نام ہے۔ اور شغفہا حبا کے معنی ہیں کہ اس کی محبت اسکے دل کے پردے کے نیچے داخل ہو گئی یا اسکے دل پر غالب آ گئی (ل) ✦

مکر — ۱۵۳۴ بمکرھن۔ مکر باریک تدبیر کو کہتے ہیں عورتوں کی گفتگو کو جو انہوں نے عزیز کی عورت کے متعلق کی مکر اس لئے کہا کہ

۳۲ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ

(عزیز کی عورت نے) کہا یہ وہی ہے جس کے بارہ میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں

کہ انہوں نے اسے یوسف کے دیکھنے کا حیلہ بنایا اور یا ان کی غیبت اور بُری باتوں کے ذکر کو مکر اس لئے کہا کہ اخفا میں وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ مکر سے مراد یہ ہو کہ انہوں نے کہلا بھیجا ہو کہ ہم ایک تجویز کرتی ہیں جس سے یوسف کو قابو میں لایا جا سکتا ہے اور اسی غرض کیلئے انہیں بلایا گیا ہو اس صورت میں پچھلی آیت کے آخر پر ضلال مبین یا صریح غلطی سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے ٹھیک طریق اس غرض کے حصول کا اختیار نہیں کیا۔ مثلاً یہ کہ اسے چاہئے تھا کہ پہلے یوسف کو کسی اور کی معرفت اس بات پر راضی کر لیتی۔

توکأ **متکأ** متکأ توکّا اور اِتّکأ (مادہ وکأ ہے) کے معنی ہیں ٹیک لگائی ھی عصای اتوکّؤا علیہا (طٰہٰ ۲۰-۱۸) علی الارائک متکئون (یٰسٓ ۳۶-۵۶) اور متکأ تکیہ وغیرہ کو بھی کہتے ہیں اور طعام یا کھانے کو بھی کہتے ہیں اس لئے کہ کھانے کیلئے ٹیک لگائی جاتی تھی اور اس اُمت کو ٹیک لگا کر کھانے سے منع کیا گیا ہے اور بعض نے متکأ کے معنی مجلس بھی کئے ہیں (ل)، اور ترنج بھی اس کے معنی ہیں (غ)، اور ان سب کے مطابق ابن جریر میں روایات بھی موجود ہیں۔

سکین سکین۔ سکن سے ہے چھری کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اس چیز کو جسے اس سے ذبح کیا جائے حالت سکون میں کر دیتی ہے (ل)۔

اکبرن اکبرن۔ اَکْبَرْتُ الشَّیْئَ کے معنی ہیں رَأَیْتُهٗ کَبِیْرًا اسے بڑا دیکھا (غ)۔

حاش للہ حاش للہ کے معنی بُعْدًا مِنْهُ اور تنزیہ کے طور پر اس کا استعمال ہوتا ہے یعنی ہر ایک عیب اللہ سے دور ہے۔

عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا واقعہ عورتوں کا یوسف کو یکایک دیکھ کر جب وہ کھانے میں مصروف تھیں اور اس غرض کیلئے ان کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں حیرت زدہ ہو جانا اور اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا کوئی ایسا تعجب انگیز واقعہ نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ ہاں ہاتھوں کے کاٹنے سے مراد یہاں یہ نہیں کہ ہاتھ کٹ کر الگ ہو گئے تھے بلکہ چھری سے ان پر زخم ہو جانا مراد ہے اور گو یہ مجاز ہے مگر مفسرین نے بھی عموماً اسی معنی کو ترجیح دی ہے یہاں تک کہ عکرمہ سے ایک معنی مروی ہیں کہ ہاتھوں کو نہیں بلکہ آستینوں کو کاٹ لیا تھا۔ اور مجاز کے رنگ میں ہی یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حیرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا۔ جیسا غضب کے وقت انگلیوں کے کاٹنے کا محاورہ ہے عضوا علیکم الانامل من الغیظ (آل عمران ۳-۱۱۸) اور ان کا یہ کہنا کہ یہ بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے صرف حسن صورت کے لحاظ سے نہیں بلکہ عصمت پر مضبوطی کے لحاظ سے یہ لفظ زیادہ موزوں ہیں اور قرین قیاس ہے کہ حضرت یوسف نے اس حسن و زینت کے مجمع کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا جس پر انہیں اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ ایک دوسری توجیہ ان الفاظ کی وہ بھی ہو سکتی ہے جس کی طرف لفظ

عورتوں کی چالبازی مکر کی تشریح میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی عزیز کی عورت نے ان کو ایک چال کرنے کیلئے بلایا تھا اور وہ تجویز انہوں نے اسے پہلے بتا دی تھی اس لئے دعوت کا سامان تیار کر کے چھریاں وغیرہ ان کے ہاتھ میں دے دیں اور یوسف کے نکلنے پر ان سب نے یا بعض نے چھریوں کو عمداً ہاتھوں پر لگا لیا اور پھر یوسف پر زور ڈالا کہ یہ واقعہ تمہارے خلاف بطور شہادت ہو جائے گا ورنہ تم عزیز کی عورت کی بات مان لو۔ اور پھر بھی جب حضرت یوسف نے انکار ہی کیا تو وہ بول اُٹھیں کہ یہ بشر نہیں جو کسی بات کی پروا بھی نہیں کرتا بلکہ فرشتہ ہے اس صورت میں اگلی آیت میں لمتننی فیہ سے مراد ہو گی کہ تم مجھے ملامت کرتی تھیں کہ میں اسے راضی نہیں کر سکی اب تم نے بھی زور لگا کر دیکھ لیا مزید تشریح کیلئے دیکھو ۱۰۳۶۔

ان واقعات کا ذکر بھی بائبل میں نہیں مگر جس مقام عصمت کو حضرت یوسف کے بیان میں ظاہر کرنا مقصود ہے اسکی اصل غرض حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ یہ نہ دکھایا جائے کہ ایک ہی عورت نہیں بلکہ کل شہر کے اعلیٰ سے اعلیٰ خاندانوں کی حسین عورتیں حضرت یوسف کو اپنے مقام عصمت سے ایک بال برابر اِدھر اُدھر نہیں کر سکیں۔ اسی بلند مقام پر ہر مسلم کو پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ سبق بائبل کے قصے سے نہیں ملتا

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا

اور میں نے اسے اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہا مگر یہ بچا رہا[۱۵۳۵] اور اگر جو میں حکم دوں اسے نہ کیا تو اسے ضرور قید کر دیا جائیگا اور وہ

۳۳ مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا

ذلیل لوگوں میں سے ہوگا ۔ (یوسف نے) کہا میرے رب قید مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جسکی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو

تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

انکی چال کو مجھ سے نہ پھیرے تو میں انکی طرف مائل ہو جاؤنگا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا[۱۵۳۶]

استعصام

۱۵۳۵ استعصم یعنی اس چیز کو طلب کیا جو اسے بچائے رکھے (غ) یا حالت عصمت میں رکھے +

عزیز کی عورت نے حضرت یوسف کو ان سب کے سامنے دھمکی دی کہ اگر وہ اس کی ناجائز خواہش کو پورا نہ کرے گا تو ذلیل کر دیا جائیگا اور قید کر دیا جائیگا۔ اور یہ کہکر کہ اس کے بارہ میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں ان کی ہمدردی کو اپنی طرف مائل کیا ہے +

صبا

۱۵۳۶ اصب صَبَا کے معنی ہیں نَزَعَ واشْتَاقَ وفَعَلَ فِعْلَ الصِّبْيَان یعنی ایک چیز کی طرف کھچا چلا گیا اور مشتاق ہوا اور لڑکوں کا سا کام کیا کیونکہ صَبِی لڑکے کو کہا جاتا ہے +

عورتوں کا یوسف پر دباؤ ڈالنا

یہاں ان عورتوں کے سارے مشوروں کا ذکر نہیں جو اس وقت انہوں نے کئے یا جو کچھ حضرت یوسف کو کہا مگر ما یدعوننی الیہ اور کیدھن سے صاف ظاہر ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف کو کسی بات کیلئے کہا ہے اور کوئی چال چلی ہے جس سے حضرت یوسف کو سخت فکر ہوا ہے اب بلانے والی ایک نہیں اور نہ چال چلنے والی اکیلی عزیز کی عورت ہے بلکہ یہ عورتیں بھی اس چال میں شامل ہوگئی ہیں اور وہ بھی کسی رنگ میں حضرت یوسف کو اسی بات کی طرف بلاتی ہیں جس کی طرف عزیز کی عورت نے بلایا تھا۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ عورتیں عزیز کی عورت کے منشا کو پورا کرنے میں معاون ہوگئیں اور انہوں نے ہاتھوں کے کاٹنے کو اسبات کی طرف منسوب کیا ہے کہ حضرت یوسف نے ان کی عفت پر حملہ کیا ہے اور ان کے ہاتھوں وغیرہ پر اس وجہ سے زخم آگئے ہیں۔ اس لئے باوجود اسبات کے کہ عزیز اپنی بیوی کے معاملہ میں مطمئن ہو چکا تھا کہ قصور عورت کا ہے حضرت یوسف کو قید کیا جاتا ہے دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کو جب قید خانہ سے رہائی کا حکم جاتا ہے تو وہ اپنی برّیت سے پیشتر اس سے نکلنا پسند نہیں کرتے اور اس بریت کیلئے عزیز کی عورت کی طرف سے بریت نہیں چاہتے بلکہ یوں کہتے ہیں ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن ان ربی بکیدھن علیم (۵۰) ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے میرا رب ان کی چال سے خوب واقف ہے جس سے ظاہر ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا واقعہ یا تو فی الواقع کوئی چال تھی یا اسے بطور ایک چال کے استعمال کیا گیا۔ اور ان عورتوں کا جواب ما علمنا علیہ من سوء (۵۱) ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں پائی یوسف کی بریت کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کی طرف سے کسی برائی کا الزام پہلے دیا گیا تھا۔ قرآن کریم کی یہ صراحت صاف بتاتی ہے کہ اس موقعہ پر ان عورتوں نے یا تو عمداً ہاتھ کاٹے تھے۔ اور یا اگر استعجاب میں ہاتھ کٹ گئے تھے تو اسی واقعہ کو یوسف کے خلاف ایک نئے الزام کی صورت میں کھڑا کیا گیا۔ اور اس موقعہ پر حضرت یوسف کو بتایا گیا کہ عزیز کی عورت کی خواہش کو

معصیت پر قید کو ترجیح

پورا کرو ورنہ جیلخانہ میں جانا ہوگا۔ اسی پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ یعنی قیدخانہ کو اختیار کرنا آسان ہے۔ اور معصیت میں پڑنا مشکل ہے۔ اسی ایمان پر اللہ تعالیٰ ہر مسلم کو قائم کرنا چاہتا ہے کہ معصیت اسے قید سے اور ہلاکت سے بھی بڑی مصیبت معلوم ہو

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۞ ثُمَّ بَدَا لَهُم ۳۵

سو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور انکی چال کو اس سے پھیر دیا بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے پھر اس کے بعد کہ وہ

مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ۞ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۳۶

ع ۵ / ۷

یوسف ۱۵ کا حالت قید میں وعظ کرنا

نشان دیکھ چکے تھے ان کا خیال یہی ہوا کہ اسے ایک وقت تک قید کردیں [1537] اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان (اور) داخل ہوئے

قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي

ان میں سے ایک نے کہا میں نے اپنے آپکو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے

خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۞ قَالَ ۳۷

ہوئے ہوں جن میں سے پرند کھا رہے ہیں ہمیں اس کی تعبیر بتا کیونکہ ہم تجھے نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں [1538] اس نے کہا

لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا

جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے تمہارے پاس آتا نہیں پائیگا کہ میں اسکی تعبیر تمہیں بتادونگا قبل اسکے کہ وہ (کھانا) تمہارے پاس آئے۔ یہ اس سے ہے

مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۞

جو میرے رب نے مجھے سکھایا کیونکہ میں نے اس قوم کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں [1539]

۱۵۳۷ آیات یا نشانوں سے مراد حضرت یوسف کی بریت کے نشان ہیں۔ باوجود اس کے کہ قرائن کی شہادت سب حضرت یوسف کے حق میں تھی مگر چونکہ معاملہ قومی تھا اس لئے حضرت یوسف کو قید کردیا ۔

۱۵۳۸ دونوں قیدی جب حضرت یوسف کے پاس رہ کر نیکی کو دیکھتے ہیں تو اپنی خوابیں آپ کے پاس بیان کرتے ہیں ۔

بائبل اور قرآن

۱۵۳۹ چونکہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں اس لئے حضرت یوسف نے اول ان کو نصیحت شروع کی کہ شاید وہ بھی اصلاح کی راہ پر آجائیں۔ بائبل میں یہ حصہ پھر مفقود ہوا اور صرف خوابوں اور خوابوں کی تعبیر کا ذکر ہے ایک ایک قدم پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے کس طرح حضرت یوسف کے ذکر کو مفید نصائح سے بھر دیا ہے حالانکہ بائبل میں یہ ایک خشک کہانی ہے اور یوں بتا دیا ہے کہ زندان کے پتھر کی دیواریں بھی انسان کو نیکی سے نہیں روک سکتیں جو اس کی زندگی کی اصل غرض ہے۔ اور یہ جو شروع میں کھانے کا ذکر کیا ہے تو مراد یہ نہیں کہ کھانے کی کیفیت بتادوں گا بلکہ تاویلہ سے مراد خواب کی تعبیر ہی ہے جو انہوں نے دریافت کی ہے۔ مگر چونکہ آپ ان کو کچھ وعظ کرنا چاہتے تھے اور دنیادار وعظ سے جلد اکتا جاتے ہیں اس لئے فرمایا کہ تمہارا بڑا کام تو اب کھانے سے پیٹ بھرنا ہے سو اس سے پہلے پہلے میں تمہیں تعبیر بھی بتا دوں گا اور نصیحت کو بھی ختم کردوں گا ۔

۳۸ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ

اور میں اپنے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب کا پیرو ہوں ہمیں مناسب نہیں کہ کسی چیز کو بھی اللہ کے ساتھ شریک

شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

بنائیں یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۱۵۴۰

۳۹ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا

اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ خداوند اچھے ہیں یا اللہ (جو) اکیلا سب پر غالب (ہے)، ۱۵۴۱ اسے

تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ

چھوڑ کر تم صرف ناموں کی پوجا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل

سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ

نہیں اتاری حکم اللہ کے سوا اور کسی کا نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نکرو یہ سیدھا دین ہے لیکن

۴۱ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ

اکثر لوگ نہیں جانتے ۱۵۴۲ اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائیگا

وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ

اور دوسرا صلیب دیا جائے گا تو پرندے اسکے سر سے (نوچ کر) کھائیں گے اس بات کا فیصلہ ہو چکا جس کے متعلق تم

۴۲ تَسْتَفْتِيَانِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ

دریافت کرتے ہو اور اسے جس کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہائی پا جائیگا کہا میرا ذکر اپنے آقا کے پاس کرنا

ف۱۵۴۰ یہاں صرف اصل اصول مذہب کا ذکر ہے یعنی توحید باری جو سب مذاہب میں یکساں ہے پس مراد یہ ہے کہ جو اصول ان کے مذہب کے ہیں وہی میرے مذہب کے اصول ہیں۔

ف۱۵۴۱ گویا شرک کرنے والا مختلف آقاؤں کی غلامی اختیار کرتا ہے اور مختلف آقاؤں کا غلام کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا اللہ سب پر غالب ہے پس جو اس کی غلامی اختیار کرتا ہے اسکو اور کسی کی احتیاج نہیں رہتی۔ — مشرک کی حالت

ف۱۵۴۲ اسماء سے مراد یہاں صرف الفاظ ہیں جن کے نیچے حقیقت کوئی نہیں ان الحکم الا للہ میں بتایا کہ وہی حکم درست ہے جو اللہ دے اور اللہ نے آج تک اپنے کسی نبی کے ذریعہ سے یہ حکم نہیں دیا کہ خدا کے سوا اوروں کی بھی پرستش کرو بلکہ وہ ہمیشہ یہی حکم دیتا رہا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

ع ۶

شاہ مصر کا خواب اور اس کی تعبیر

فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِى السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۞ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ ۴۳

مگر شیطان نے اسے اپنے آقا کے پاس ذکر کرنا بھلا دیا سو (یوسفؑ) کئی سال قید خانہ میں پڑا رہا ۱۵۴۳ اور بادشاہ نے کہا میں نے

اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ

سات موٹی گائیں دیکھی ہیں انہیں سات دبلی (گائیں) کھا گئی ہیں اور سات سبز خوشے اور (سات)

يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِىْ فِىْ رُءْيَاىَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۞ قَالُوْٓا ۴۴

اور خشک اے اہل دربار میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر کر سکتے ہو ۱۵۴۴ انہوں نے کہا

اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۞

پریشان خواب ہیں اور ہم (ایسے) خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں ۱۵۴۵

۱۵۴۳ ذکر ربہ میں اضافت ادنیٰ ملابست ہے اور مراد ہے ذکر یوسف عند ربہ یہ درخواست استعانت غیر اللہ میں داخل نہیں بلکہ چونکہ انہوں نے آپ کی نیکی کو دیکھ کر خود اعتراف کیا تھا اس لئے آپ نے یہی چاہا کہ یہی شہادت حقہ وہ بادشاہ کے دربار میں بھی ادا کر دے تا اسے معلوم ہو جائے کہ یوسف پر ناحق الزام لگایا گیا ہے ✦

سمین، اسمن — ۱۵۴۴ سمان۔ سمین کی جمع ہے اور سِمَن ھُزال کی ضد ہے یعنی فربہی اور لاغری۔ اور اَسْمَنَ کے معنی اسے موٹا کر دیا لا یسمن ولا یغنی من جوع (الغاشیۃ ۸۸-۷) اور سَمْن گھی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ موٹا کرتا ہے (غ)

اعجف — عجاف۔ اَعْجَف اور عَجْفاء کی جمع ہے۔ جو ہُزال سے بہت پتلا ہو گیا ہو ✦

یابس اخضر — خضر۔ اَخْضَر کی جمع ہے۔ سبز۔ یابس۔ یَبْس سے ہے جس کی رطوبت جاتی رہی ہو (غ) ✦

عبر عبور — تعبرون۔ عَبْر کے معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز پھر پانی پر سے گزرنے سے عُبُور مخصوص ہے

تعبیر — اور تَعْبِیر رویا سے خاص ہے اور رویا کے لئے تاویل کا لفظ بھی بولا جاتا ہے مگر یہ عام لفظ ہے دوسری جگہ بھی بولا جاتا ہے گویا رویا کے ظاہر سے باطن کی طرف گزرنا ہے عبرۃ وغیرہ کے لئے دیکھو ع۳۸۴ ✦

ضغث — ۱۵۴۵ اضغاث۔ ضِغْث کی جمع ہے۔ اور ضَغْث ایک چیز کے ایک حصہ کو دوسرے حصے سے ملا دینا ہے اور ضَغَثَ الحدیث کے معنی ہیں بات کو خلط ملط کر دیا اس لئے ایسی خوابیں جو بوجہ پریشانی کے ایک دوسرے سے مل گئی ہوں ان کو اضغاث کہا جاتا ہے جن کی اختلاط کی وجہ سے تعبیر نہیں ہو سکتی (ل) ✦

حلم — احلام حِلْم کے معنی ہیں غضب کے ہیجان سے نفس اور طبیعت کا ضبط میں رکھنا اور اس کی جمع بھی اَحْلَام آتی ہے

حلم — ام تامرھم احلامھم بھذا (الطور ۵۲-۳۲) جہاں مراد عقل ہے گو حِلْم کے اصل معنی عقل نہیں اور حُلْم اور حُلُم کی جمع بھی اَحْلَام ہے جس کے معنی خواب ہیں اور حُلُم بلوغت کو بھی کہتے ہیں واذا بلغ الاطفال منکم الحلم (النور ۲۴-۵۹) اور حُلْم بمعنی خواب اور

حلم و رویا میں فرق — رویا میں فرق یہ ہے کہ ابتداً زبان عرب میں دونوں خواب پر بولے جاتے تھے مگر شارع علیہ السلام نے رویا کو اچھے خواب سے اور حلم کو برے خواب سے مخصوص قرار دیا جیسا کہ فرمایا الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان رویا اللہ کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے اسی سے احتلام ہے (ل)، یہی فرق قرآن کریم نے بھی رکھا ہے کیونکہ بادشاہ اپنے خواب کو رؤیا کہتا ہے اور اہل دربار اسے احلام قرار دیتے ہیں ✦

۴۵ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝

اور اس نے جو ان دونوں (قیدیوں) میں سے رہا ہوا تھا کہا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا میں تمہیں اسکی تعبیر بتاؤنگا مجھے جانے دو [۱۵۴۶]

۴۶ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

یوسف اے صدیق ہمیں سات موٹی گائیوں کی تعبیر بتاؤ جنہیں سات دُبلی (گائیں) کھا گئی ہیں

وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

اور سات سبز خوشے ہیں اور (دوسرے سات) اور خشک تاکہ میں لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں تاکہ وہ جان لیں

۴۷ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ

(یوسف نے) کہا تم حسب معمول سات سال کھیتی کروگے تو جو کچھ کاٹو اسے اپنے خوشہ میں ہی رہنے دو

۴۸ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ

سوائے تھوڑے کے جس سے تم کھاؤ [۱۵۴۷] پھر اس کے بعد سات سخت (سال) آئینگے وہ سب کچھ

یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝

کھا جائینگے جو تم نے ان کیلئے پہلے سے جمع کیا ہو سوائے تھوڑے کے جو تم محفوظ کر لو [۱۵۴۸]

اِدَّکَر **۱۵۴۶** ادّکر۔ اصل میں اِذْتکر ہے یعنی ذِکر سے باب افتعال تا دال سے بدل گئی اور ذال اس میں مدغم ہوگئی +

دَأب **۱۵۴۷** دأبا دیکھو [۳۸۱] مفردات میں ہے کہ دَأَب کے معنی اِدَامَةُ السَّیْرِ ہیں یعنی ہمیشہ چلتے رہنا۔ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین (ابرھیم ۱۴۔ ۳۳) پس دَأْب سے مراد عادت مستمرہ ہو (غ)

حضرت یوسف تعبیر کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ اسلئے جب سات موٹی گائیوں اور سات سبز خوشوں کی تعبیر ان الفاظ سے کی کہ سات سال حسب معمول کھیتی کروگے یعنی فصلیں اچھی لگینگی تو ساتھ ہی بتا دیا کہ جتنا کھانے کی ضرورت ہو اسے نکال کر باقی کو خوشوں میں چھوڑ دو اسکی غرض یہ تھی کہ تا کیڑے سے محفوظ رہے اور خراب نہ ہو جائے۔

۱۵۴۸ یہ سات دُبلی گائیوں کی تعبیر ہے جو موٹی گائیوں کو کھا گئیں اور سات خشک خوشوں کی۔ اور قلیل جو محفوظ رکھا ہے وہ بیج وغیرہ کے لئے ہے +

مکہ میں سات سال کا قحط — بخاری میں سورۂ یوسف کی تفسیر میں اس موقعہ پر وہ حدیث لکھی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی کریم صلعم کی دعا سے قریش پر سات سال قحط کے آئے قال اللّٰھم اکفنیھم بسبع کسبع یوسف یعنی نبی کریم صلعم نے دعا کی کہ اے اللہ ان پر سات سال کا قحط بھیجکر جیسے یوسف کے وقت میں سات سال کا قحط پڑا تھا مجھے ان کی شرارتوں سے بچا چنانچہ اس دعا کا اثر یہ لکھا ہے فاصابتھم سنۃ حصّت کل شیءٍ حتی اکلوا العظام حتی جعل الرجل ینظر الی السماء فیری بینہ وبینھا مثل الدخان یعنی ان پر ایسا قحط پڑا جس نے سب چیزوں کو برباد کر دیا یہاں تک کہ لوگوں نے ہڈیاں کھا کر گزارہ کیا اور ایک شخص آسمان کیطرف دیکھتا

ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝ ۴۹

پھر اس کے بعد ایک سال آئیگا جس میں لوگوں پر مینہ برسایا جائے گا اور اس میں وہ (انگور بھی) نچوڑینگے ۱۵۴۹

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ ۵۰

اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ سو جب قاصد اسکے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ

مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝

کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا پروردگار ان کی چال سے خوب واقف ہے ۱۵۵۰

یوسف کا آخری تہمت سے برأت (ع)

تو اپنے اور اس کے درمیان دھواں سا دیکھتا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی قرآن شریف میں دوسری جگہ موجود ہے فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (الدخان ۴۴ : ۱۰)۔ اس حدیث کو سورۂ یوسف کی تفسیر میں لانے کا صاف منشا یہ ہے کہ سورۂ یوسف میں بھی آنحضرت صلعم کا ہی ذکر ہے۔ اور یہی منشا۔ ان الفاظ کا ہے آیات للسائلین جو شروع سورت میں ہیں +

عام سنۃ میں فرق

۱۵۴۹ عام کے معنی سال ہیں جس طرح سَنَۃ کے معنی سال ہیں لیکن سَنَۃ کا استعمال زیادہ تر ایسے سال پر ہے جس میں خشکی اور شدت ہو اور عام کا اس پر جس میں بارش اور ارزانی ہو (غ) +

غاث اغاث

یغاث۔ دیکھو ۱۲۰۵ غوث مدد ہے اور غَیث بارش اور مدد دینے پر اَغاث کہا جاتا ہے اور بارش برسانے پر غَاثَ (غ)۔

آنحضرت کی دعا سے قحط کا دور ہونا

یہ محض خوشخبری کے طور پر ہے کہ قحط کے سات سال ختم ہو کر پھر بارش ہوگی اور حدیث میں ہے کہ جب سات سال قحط کے قریش پر گزرے تو ابوسفیان آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کی قوم کے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں تب نبی کریم صلعم نے دعا کی اور بارش ہوئی اسی کی طرف اشارہ کرنے کو یہاں آخر پر بارش کے سال کا ذکر کیا +

بال

۱۵۵۰ بال۔ شان یا وہ حال ہے جس کی پروا کی جائے حدیث میں کل امر ذی بال اہم امور یا معاملات کو کہا گیا ہے۔ اس لفظ کو اختیار کرنے میں یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہ معاملہ ایسا تھا کہ جس کے صاف کرنے کو حضرت یوسف اہمیت دیتے تھے +

بائبل حضرت یوسف کی الزام سے پاک نہیں کرتی

بائبل میں یہ ذکر بھی موجود نہیں۔ بلکہ صرف اس قدر ہے کہ جب فرعون نے یوسف کو خواب کی تعبیر کے لئے بلوایا تو حضرت یوسف فوراً حاضر ہوئے اور دربار شاہی میں آگئے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف اس حصہ کا ذکر کر کے یہ بتاتا ہے کہ خدا پرستوں کی نگاہ میں دنیوی وجاہت کچھ وقعت نہیں رکھتی حضرت یوسف جانتے تھے کہ ان کے خواب کی تعبیر کی وجہ سے بادشاہ ان کی عزت کریگا مگر وہ قیدخانہ سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتے جبتک کہ اس الزام سے تمام لوگوں کی نظر میں پاک نہ ہو جائیں جو الزام لگا کر انہیں قیدخانہ میں ڈالا گیا تھا حضرت یوسف کا ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کے معاملہ کو اس قدر وقعت دینا بتاتا ہے کہ یہی انکے خلاف بڑی بھاری گواہی تھی +

آنحضرت صلعم کا فرمانا لاجبت الداعی

بخاری میں اس موقعہ پر تفسیر میں ہے و لو لبثت فی السجن ما لبث یوسف لاجبت الداعی یعنی اگر میں قیدخانہ میں اس طرح رہتا جس طرح یوسف رہا تو میں بلانے والے کی بات کو مان لیتا۔ اس کا مطلب صرف حضرت یوسف کے اس فعل کی عزت ہے کہ کس قدر اپنی عفت کے معاملہ کو انہوں نے صاف کرنا چاہا اور قیدخانہ کو الزام سے ملوث رہنے پر ترجیح دی۔ رہا یہ کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں ہوتا تو قیدخانہ میں نہ رہتا۔ تو وہ دوسرے نقطۂ خیال سے ہے اسلئے کہ آپ کا کام حضرت یوسف کے کام کے مقابل میں اتنا بڑا تھا کہ آپ کو ان باتوں کی پروا نہ تھی کہ لوگ کیا کہتے ہیں آپکے مدنظر صرف دوسروں کی اصلاح کا عظیم الشان

۵۱ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوٓءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْـَٔانَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ○

(بادشاہ نے) کہا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اپنے ارادہ سے پھیرنا چاہا۔ انہوں نے کہا اللہ سب عیبوں سے پاک ہے ہم نے اس میں کوئی بدی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی عورت نے کہا اب حق کھل گیا میں نے ہی اسے اسکے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور یقیناً وہ سچوں میں سے ہے ۱۵۵۱

۵۲ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ○

(یوسف نے کہا) یہ اسلئے ہے کہ وہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور کہ اللہ خیانت کرنیوالوں کی چال کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ۱۵۵۲

تہمت کے موقع سے بچو

کام تھا۔ اگر تنا شا کام حضرت یوسف کے سپرد ہوتا تو وہ بھی الزام کی پرواہ کرتے۔ ہاں یہ مرتبہ اس سے بھی بلند تر ہے۔ رہا تہمت سے بچنے کا معاملہ سو آنحضرت صلعم کی یہی تعلیم ہے کہ تہمت کے موقعوں سے بچو اور خود آپ جب اپنی بی بی کے ساتھ کسی موقعہ پر کھڑے تھے اور پاس سے ایک صحابی کا گزر ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے اور فرمایا کہ شیطان انسان کے دل میں طرح طرح کے وساوس ڈالتا رہتا ہے (متفق علیہ)

خَطْب

۱۵۵۱ خطب دیکھو ۱۲۶۳ اور خَطْب امر عظیم کو کہتے ہیں جس میں ایک دوسرے سے بہت خطاب ہو (غ) ✦

حِصّۃ، حَصْحَصَ

حَصْحَصَ۔ حَصّ کے معنی قطع کرنا ہیں چنانچہ حِصّۃ وہ ہے جو کل سے کاٹ دیا جائے اور حَصّ اور حَصْحَصَ کے معنی ہیں ایک امر بالکل کھل گیا اور جس چیز نے اسے مغلوب کیا ہوا تھا وہ دور ہو گئی (غ) ✦

عورتوں کا شاہ یوسف کے خلاف سازش تھی

بادشاہ نے ان عورتوں سے یہ یوں خطاب کیوں کیا کہ کیا بات تھی جب تم نے یوسف کو ورغلانا چاہا؟ اس کی وجہ دو معلوم ہوتی ہیں اول حضرت یوسف کی راستبازی کا اثر جو ان پر اپنے مصاحب کے بیان سے ہوا اور خود اس خواب کی تعبیر میں جس علم کا اظہار ہوا اس نے بھی سب لوگوں کی گردنیں یوسف کے سامنے جھکا دیں۔ دوسرے حضرت یوسف نے قید خانہ سے بادشاہ کو جو کچھ کہلا بھیجا اس میں یہ بھی لفظ تھے کہ ان عورتوں کا ہاتھ کاٹنا ان کا کید یا چال تھی جو میرے خلاف انہوں نے کی اور گو لوگوں کی نظروں سے وہ مخفی رہیں مگر اللہ تعالیٰ تو اسے خوب جانتا تھا۔ یوسف کے یوں کہلا بھیجنے سے بھی بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ سب یوسف کے خلاف ایک سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ عورتوں نے اس بات کو محسوس کرکے کہ یوسف کی راستبازی اب کھل چکی ہے اور یہ بھید بھی چھپا نہیں رہ سکتا صاف اقرار کیا کہ یوسف نے ہرگز ان کے متعلق کسی قسم کا برا ارادہ نہیں کیا۔ تب عزیز کی عورت بھی بول اٹھی کہ سچائی پر جتنے پردے ڈالے گئے تھے وہ اب دور ہو گئے جس سے معلوم ہوا کہ قطع ید کے ذریعہ سے یوسف کی سچائی پر پردہ ڈالا گیا تھا ✦

۱۵۵۲ بظاہر یہ کلام عزیز کی عورت کے کلام کے سلسلہ میں ہے۔ اور اس سے اگلی آیت کا مضمون بھی۔ مگر اس پر یہ صادق نہیں آتا۔ اور مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ کلام حضرت یوسف کا ہے اور عموماً مفسرین اسی طرف گئے ہیں عزیز کی عورت یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی۔ خیانت کرکے تو اس نے اسے قید خانہ میں ڈلوایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیقات میں تو آخر ایک وقت لگنا تھا۔ تو لوگوں نے حضرت یوسف کو کہا ہوگا کہ تم خواہ مخواہ کیوں قید خانہ میں پڑے ہوئے ہو جس پر انہوں نے یہ فرمایا کہ تا بادشاہ کو علم ہو جائے کہ میں نے اس کی یعنی عزیز کی خیانت نہیں کی اور یا اخفہ میں ضمیر بادشاہ کی طرف ہی لی جائے تو بادشاہ کی خیانت سے بھی مراد عزیز کی خیانت ہی ہوگی کیونکہ اتنے بڑے عہدیدار شاہی کی خیانت بادشاہ کی ہی خیانت تھی۔ اور ہدایت سے مراد یہاں منزل مقصود پر پہنچانا ہے دیکھو ۔ ✦

الجزء الثالث عشر

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۵۳

اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں ٹھہراتا کیونکہ (انسان کا) نفس یقیناً (اسے) بدی کا حکم دیتا رہتا ہو سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب حفاظت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہو[۱۵۵۳]

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۝ ۵۴

اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ میں اسے اپنے لئے چنتا ہوں پس جب اس سے گفتگو کی کہا تو آج ہمارے ہاں عزت والا امین ہے[۱۵۵۴]

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝ ۵۵

(یوسف نے) کہا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کرو یقیناً میں حفاظت کرنیوالا واقف کار ہوں[۱۵۵۵]

راستبازوں کا طریق

۱۵۵۳ یہ آیت بھی یہی ظاہر کرتی ہو کہ یہ عزیز کی عورت کا کلام نہیں حضرت یوسف نے جب اس قدر اپنی بریت پر زور دیا تو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ اپنی بریت کو اس طرح قایم کرنے میں گویا اپنے لئے اس مرتبہ کا دعویٰ کرتے ہیں جو کبھی کسی راستباز نے نہیں کیا کہ میرا نفس ایسا پاک ہو کہ اس سے نافرمانی ہو سکتی ہی نہیں۔ اس لئے آپنے ساتھ ہی اس طرف توجہ دلائی کہ یہ محض اللہ کے فضل سے ہو کہ اس نے مجھے اس قدر بدی سے دور رہنے کی توفیق دی یہ کوئی میرے نفس کی خوبی نہیں۔ کیونکہ

نفس امارہ

نفس انسانی تو سب انسانوں کا یکساں ہی ہو اور اس کی پہلی حالت یہی ہوتی ہو کہ وہ بدی کا حکم کرتا رہتا ہو۔ ہاں جن پر اللہ کا رحم ہوتا ہو ان کا نفس یا پہلے سے ہی سدھرا ہوا ہوتا ہو جیسے انبیاء کی حالت میں کہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور بعض اولیاء کی حالت میں کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں اور یا بعد میں اصلاح پر آجاتا ہو انسان کی پہلی یعنی حیوانی حالت کا نام یہاں نفس امارہ رکھا ہے

نفس لوامہ

گویا ابھی حیوانیت اس پر غالب ہو۔ دوسری حالت کا نام نفس لوامہ ہو یعنی اس حالت میں اگر کبھی ارتکاب معصیت کا ہو جائے تو نفس ملامت کرتا ہو اور معصیت پر راضی نہیں ہوتا اور تیسری کا نام نفس مطمئنہ اور یہ کامل اصلاح کی حالت ہو جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلتا ہے

نفس مطمئنہ

استخلاص خلص

۱۵۵۴ استخلص ۔ اِسْتَخْلَصَ اور اَخْلَصَ ایک معنی میں آتے ہیں۔ اَخْلَصَهٗ اختَارَهٗ یعنی اسے اختیار کر لیا یا چن لیا اور خلصوا نجیا (۸۰) میں خَلَصُوا کے معنی ہیں انفردوا خالصین عن غیرھم (غ) یعنی الگ ہوگئے ایسی حالت میں کہ دوسرا کوئی ان سے ملا ہوا نہ تھا +

مکین

مَکِین کے معنی ہیں بیّن المکانۃ یعنی جس کا مرتبہ اور عزت واضح ہو (ل) اور ذی قوۃ عند ذی العرش مکین (التکویر ۲۰: ۸۱) میں مکین کے معنی کئے ہیں مُتَمَکِّنٍ ذِی قَدْرٍ و مَنْزِلَۃٍ (غ) یعنی قدر و مرتبہ والا +

حضرت یوسف کا مصر پر مالی تصرف

۱۵۵۵ حضرت یوسف کی جب بادشاہ نے خود عزت افزائی کی تو انہوں نے ملک کے خزانوں یعنی مالی حالت کا انتظام اپنے لئے طلب کیا اس لئے کہ آنے والے قحط کے مقابلہ پر اس کی ضرورت تھی کہ مالی انتظام امین اور سمجھ دار ہاتھوں میں ہوتا اسی کی طرف حفیظ اور علیم میں توجہ دلائی ہو دینداری اور راستبازی اس کا نام نہیں کہ تسبیح لیکر دنیا سے الگ ہو کر بیٹھ رہے بلکہ دنیا کے کاروبار کو اور خدمات ملکی کو امانت کے ساتھ سرانجام دینا بھی اعلیٰ درجہ کی راستبازی ہو۔ بائبل میں اس موقعہ پر ہو کہ بادشاہ نے حضرت یوسف کو کل اختیارات حکومت دیدیئے تھے قرآن شریف نے اجعلنی علی خزائن الارض فرمایا ہو یہ اس طرف اشارہ ہو کہ مالی تصرف ہی اصل حکومت ہو آج یورپ کی طاقتیں جب کسی سلطنت کو دبانا چاہتی ہیں تو پہلے اس کے مالی معاملات میں دخل دینا شروع کرتی ہیں جس کی ابتدا قرضہ دینے سے ہوتی ہو +

۵۶ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ

اور یوں ہم نے یوسف کو ملک میں طاقتور بنا دیا — وہ اس میں جہاں چاہتا اختیار رکھتا تھا — ہم اپنی رحمت

۵۷ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

جسے چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں اور ہم احسان کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے — اور بلاشبہ آخرت کا اجر ان کیلئے بہتر ہے جو ایمان

۵۸ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ

لاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں — اور یوسف کے بھائی آئے — پھر اس کے پاس گئے تو اس نے ان کو پہچان لیا

یوسف کا بھائیوں کی مہمان نوازی اور ان سے حسن سلوک کرنا

۵۹ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِىْ بِاَخٍ لَّكُمْ

اور وہ اسے نہ پہچان سکے [1556] — اور جب انہیں ان کا سامان [1557] تیار کر دیا — کہا اپنے اس بھائی کو بھی میرے پاس لاؤ

۶۰ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّىْٓ اُوْفِى الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ

جو تمہارا باپ کی طرف سے ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ماپ بھی پورا دیتا ہوں اور سب سے بہتر مہمان نواز بھی ہوں [1557] — لیکن اگر تم

۶۱ لَّمْ تَاْتُوْنِىْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِىْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ

اسے میرے پاس نہ لائے تو تمہیں میرے پاس سے نہ غلہ کا ماپ ملیگا اور نہ تم میرے قریب آ سکو گے — انہوں نے کہا ہم اس کے باپ کے

عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝

ارادہ کو پھیر ینگے اور ہم یہ کر کے ہی رہینگے

[1556] بہت سے درمیانی واقعات کو چھوڑ دیا ہے فراخی کے سات سال گزر جاتے ہیں اور قحط شروع ہوتا ہے غلہ کی تلاش میں یوسف کے بھائی بھی مصر میں آتے ہیں اور حضرت یوسف کے سامنے لائے جاتے ہیں مگر چونکہ آپ کمسن بچے تھے جب ان سے جدا ہوئے اور حالات میں بہت تغیر آ چکا تھا اس لئے وہ آپ کو نہ پہچان سکے ۔

[1557] جھز۔ جھاز۔ جَہاز وہ سامان وغیرہ ہے جو تیار کیا جائے اور تجہیز اس کا اٹھانا یا بھیجنا ہے ۔

کَیل ۔ غلہ کے ماپ سے مخصوص ہے دیکھو ۱۲ اس لئے غلہ کیلئے بھی اس کا استعمال ہوا ہے ۔

نزل ۔ نُزول کے معنی حلول یا اترنا ہیں اور نزیل مہمان ۔ نُزل ضیافت یا مہمانی کا سامان ہے اسی لحاظ سے انزال مہمان نوازی کرنا ہے اور منزل جو مہمان نوازی کرتا ہے ۔

جھز جھاز
کیل
نزیل ۔ نُزل
اِنزال

حضرت یوسف نے بات چیت کر کے سب حالات ان سے دریافت کئے اس لئے بھائی کو ساتھ لانے کا حکم دیا اور ماپ پورا دینا اور مہمان نوازی کا ذکر بطور احسان جتانے کے نہیں بلکہ اظہار واقعات کیلئے ہے تا کہ وہ دوبارہ آئیں مہمان نوازی عرب کی خاص صفت رہی ہے ۔ اسلئے مصر میں حضرت یوسف کی مہمان نوازی کی برابری کوئی نہ کر سکتا تھا ۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى ۶۲

اور اس نے اپنے نوکروں سے کہا ان کا سرمایہ انکی بوریوں میں رکھ دو کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اسے

اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ ۶۳

پہچان لیں تاکہ پھر لوٹ کر آئیں ۱۵۵۸ پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹکر گئے کہا اے ہمارے باپ ہم سے روک دیا گیا ناپ کر (غلہ دینا)

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا ۶۴

اسلئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے کہ ہم غلہ لائیں اور ہم اسکی حفاظت کرینگے ۱۵۵۹ اس نے کہا میں اسکے متعلق تمہارا اعتبار نہیں کرتا سوائے

كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ۱۵۶۰

اسکے کہ جس طرح پہلے اسکے بھائی کے بارہ میں تمہارا اعتبار کیا تھا (اسی طرح ہو) سو اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا ۶۵

اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا اپنے سرمایہ کو اپنی طرف لوٹایا ہوا پایا کہا اے ہمارے باپ ہم (اور) کیا

نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا

خواہش کرسکتے ہیں یہ ہمارا سرمایہ ہمیں واپس کیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل کیلئے غلہ لائینگے اور اپنے بھائی کی حفاظت کرینگے

وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝

اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لائینگے یہ غلہ تھوڑا ہے ۱۵۶۱

رَحْل، رِحلة — ۱۵۵۸ رحال۔ رَحْل کی جمع ہے۔ وہ چیز جو سواری کے لئے اونٹ پر رکھی جائے اور کبھی اس سے اونٹ بھی مراد لیا جاتا ہے اور کبھی وہ چیز جس پر منزل میں بیٹھا جائے اور رِحْلَة کے معنی اِرتِحَال یا کوچ کرنا ہیں رحلة الشتاء والصيف (القریش ۲)۔
غلہ کی قیمت واپس کرنے کی غرض یہ تھی کہ وہ لوٹ کر آئیں یہ مراد ہوسکتی ہے کہ اتنے بڑے احسان کو دیکھکر وہ پھر غلہ کے لئے اسی طرف رخ کرینگے اور یہ بھی کہ شاید اس روپے کو واپس کرنے کیلئے آئیں۔

اکتیال — ۱۵۵۹ نکتل۔ اصل نکتیل ہے یعنی باب افتعال ہے یا الف سے بدل گئی جو بوجہ التقائے ساکنین گرا دیا گیا۔

۱۵۶۰ مطلب یہ کہ تم پر اعتبار کروں تو ویسا ہی اعتبار ہوگا جیسا یوسف کے معاملہ میں کیا تھا حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یہی راستبازوں کا طریق ہے یوں ان سے سخت اقرار بھی لیا مگر پھر بھی بھروسہ ان پر نہیں بلکہ اللہ پر ہے اسباب سے بھی کام لیتے ہیں مگر ان اسباب کو کامیابی کا مدار نہیں سمجھتے۔ حل کے لئے دیکھو ۲۶۹۔

مار، میرة — ۱۵۶۱ نمیر۔ مِیرۃ طعام کو کہتے ہیں اور مارَ یَمِیرُ غلہ لایا۔

یسیر — یسیر۔ یُسْر ضد عُسر ہے اور یسیر سہل کو کہتے ہیں مگر تھوڑی چیز کو بھی یسیر کہا جاتا ہے (غ)، یہاں یہی مراد ہے لیجو

۶۶ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ

اسنے کہا میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجونگا یہانتک کہ اللہ کو درمیان میں رکھ کر میرے ساتھ اقرار کرو کہ تم اسے ضرور میرے پاس لے آؤ گے سوائے اسکے

۶۷ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا

کہ تم سب ہی گھیرے جاؤ پس جب انہوں نے اپنا عہد دیدیا اسنے کہا جو ہم کہتے ہیں اللہ ہی اس پر نگہبان ہے [۱۵۶۲] اور اسنے کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے

مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن

سے داخل نہ ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور اللہ کی (سزا کے) مقابل پر میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں

۶۸ شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ وَلَمَّا

آسکتا حکم صرف اللہ کا ہی ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر چاہئے کہ سب بھروسہ کرنیوالے بھروسہ کریں [۱۵۶۳] اور جب وہ

دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ

داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا۔ وہ اللہ کی (سزا کے) مقابل پر انکے کچھ بھی کام نہ آسکتا تھا ہاں یعقوب کے دل میں ایک حاجت

يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ع

تھی جسے اسنے پورا کیا اور بلاشبہ وہ علم والا تھا اسلئے کہ ہم نے اسے علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

غلہ ہم پہلے لائے ہیں وہ تھوڑا ہے یا قحط کے ایام کے لئے وہ مکتفی نہیں ہوسکتا ۔

وکیل

۱۵۶۲ باوجود عہد موکد لے لینے کے آخر پر پھر معاملہ کو سپرد خدا ہی کیا ہے۔ وکیل اصل میں تو وہ ہے جس کے سپرد کوئی معاملہ کیا جائے اور چونکہ جس کے سپرد کوئی معاملہ کیا جاتا ہے وہ اس پر نگہبان بھی ہوتا ہے اسلئے نگہبان معنی کئے گئے ہیں یوں بھی ترجمہ ہوسکتا ہے کہ اللہ ہی ہے جس کے سپرد یہ معاملہ کیا جاتا ہے یحاط بکم سے مراد گھیرے جانا بھی ہوسکتا ہے اور ہلاک ہونا بھی کیونکہ جسے دشمن گھیرے وہ ہلاک بھی ہوجاتا ہے ۔

احاطہ

الگ الگ دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت کی غرض

۱۵۶۳ مفسرین کا زیادہ رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت یعقوب نے ان کو نظر لگنے کے خوف سے یہ کہا تھا بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب وہ گئے تو یوسف نے ان سے سختی کی اور کہا تھا کہ تم جاسوس ہو (پیدایش ۴۲ : ۹) حضرت یعقوب نے خیال کیا ہو کہ اکٹھے داخل ہوں تو پھر حکومت مصر کو شبہات نہ گزریں اور مبادا ایسا نہ ہو کہ بادشاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس شبہ میں گرفتار ہو جائیں اور یوں بادشاہ کی مہربانی بھی کچھ کام نہ آسکے اس لئے انہوں نے داخلہ کے وقت احتیاط کا پہلو اختیار کرنے کی تاکید کی اور اس کی تائید دو اور باتوں سے ہوتی ہے اول یہ کہ جب ان سے اقرار لیا تو وہاں بھی ایک استثنا کیا تھا یعنی فرمایا تھا۔ الا ان یحاط بکم سوائے اس کے کہ تم سب گرفتار ہو جاؤ۔ اور دوسرے اس سے کہ ساتھ ہی فرمایا ما اغنی عنکم من اللہ من شئ اگر اللہ کی طرف سے ضرور کوئی مصیبت تم پر آنے والی ہے تو اس کا علاج تو میں کر نہیں سکتا اور اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کر کے فرمایا انہ لذو علم لما علمناہ یعنی اسے کچھ علم بھی تھا جو ہم نے دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کو کسی وحی یا

ع ۹ / ۳

یوسف کا اپنے چھوٹے بھائی کو

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ ۶۹

اور جب وہ یوسف کے پاس آئے اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی۔ کہا میں تیرا بھائی ہوں سو اس پر افسوس نہ کر

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ ۷۰

جو یہ کرتے رہے ہیں ۱۵۶۴ پھر جب ان کو ان کا سامان دے کر تیار کر دیا (ایک) پانی پینے کا کٹورا اس کے بھائی

رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○

کی بوری میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو تم تو چور ہو ۱۵۶۵

حضرت یعقوب پر آنے والی مصیبت کا علم

رویا کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان پر اس دفعہ کچھ مصیبت آنے والی ہے لیکن چونکہ پیشگوئی میں تفصیلات سے اطلاع نہیں دی جاتی عموماً اجمالی رنگ میں ایک واقعہ دکھایا جاتا ہے۔ اسلئے آپ کا خیال اس طرف گیا کہ پہلی مرتبہ جو ان پر جاسوسی کا شک ہوا شاید اسی وجہ سے بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مگر چونکہ یہ خیال محض اجتہاد پر مبنی تھا اس لئے ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے جو مصیبت آنے والی ہے اسے تو میں دور نہیں کر سکتا چنانچہ اگلی آیت میں پھر جب ان کے داخلہ کا ذکر کیا کہ وہ مختلف دروازوں سے شہر میں تو داخل ہو گئے تو ساتھ ہی پھر بڑھایا کہ جو مصیبت آنے والی تھی وہ اس طرح پر دور نہ ہو سکی کیونکہ وہ مصیبت جیسا آگے ذکر آتا ہے اور راہ سے آنے والی تھی۔ حضرت یوسف کے معاملہ میں بھی مصیبت کا کچھ نقشہ حضرت یعقوب کو دکھا دیا گیا تھا اسلئے انہوں نے فرمایا تھا واخاف ان یاکلہ الذئب (۱۳) پیشگوئیوں میں عموماً تعین واقعات کا نہیں ہوتا۔

رہا نظر کا لگنا سو خوبصورتی کی وجہ سے جیسے نظر ایک کو لگ سکتی ہے ویسے ہی بہتوں کو بھی لگ سکتی ہے علاوہ ازیں اگر نظر کی احتیاط کی وجہ سے ہوتا تو پہلی مرتبہ کیوں ایسی ہدایت نہ کرتے دس اور گیارہ میں تو ایسا فرق نہیں ہو جاتا واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ پہلی مرتبہ انہیں ان پر کسی تکلیف کا آنا نہیں دکھایا گیا دوسری مرتبہ دکھایا گیا اس لئے جو کچھ ان کی سمجھ میں آیا اسکے مطابق نصیحت کر دی مگر پھر بھی صادق راستبازوں کی طرح اس احتیاط پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ بھروسہ تو اللہ پر ہی ہے

اسباب اور توکل

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلحا توکل کے یہ معنی نہیں سمجھتے کہ اسباب سے کام نہ لیا جائے۔ یہ بھی یہاں بڑھا دینا ضروری ہے کہ نظر کے لگنے کا ذکر احادیث میں ہے اور نظر لگنا حق ہے بلکہ آج تو جن لوگوں نے مسمریزم کے ادنے کرشموں کو دیکھا ہے وہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ نظر بھی کیا کیا عجائبات دکھا سکتی ہے اور کس طرح پر نظر کے ذریعہ سے معمول پر اس قدر اثر ڈالا جا سکتا ہے کہ وہ عامل کے ہاتھ میں مردہ کی طرح ہو جاتا ہے یہ رسول اللہ صلعم کی صداقت پر دلیل ہے کہ کس طرح ہر قسم کے توہمات کو دور کرتے ہوئے ایک بات کو جس کی اصل انسان میں موجود تھی بلا خوف لومۃ لائم بیان کر دیا۔

نظر کا لگنا

۱۵۶۴ یعنی اپنے بھائی کو خصوصیت سے اپنے پاس جگہ دی اور اسے علیحدگی میں بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اسلئے جو کچھ انہوں نے کیا اس پر غم نہ کر یعنی جو معاملہ میرے ساتھ کیا۔ اس پر اب کوئی افسوس نہ کر۔

سَقٰی۔ اَسْقٰی

۱۵۶۵ سقایۃ۔ سَقٰی اور اَسْقٰی کے معنی ہیں پینے کو دیا اور اسقاء سقی سے زیادہ بلیغ ہے یعنی اسقاء یہ ہے کہ اسکے لئے پینے کی چیز ٹھہرا دے یہاں تک کہ وہ اسے خود لیکر جس طرح چاہے پیئے سقاھم ربھم شرابا طھورا (الدھر ۷۶-۲۱) واسقینا کم ماء فراتا (المرسلات ۷۷-۲۷) نسقیکم مما فی بطونھا (المؤمنون ۲۳-۲۱) اور سِقَایَۃ وہ برتن جس میں پینے کی چیز ڈالی جائے

سقایۃ

یعنی گلاس یا پیالہ جس میں پانی پیا جاتا ہے اور آگے اسی کو صُوَاع کہا ہے اور صاع ماپنے کا پیالہ ہوتا ہے پس اسی کو صواع اس لحاظ

صُوَاع۔ صاع

۷۱ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ○

انہوں نے کہا اور وہ انکی طرف متوجہ ہوئے تمہارا کیا گم ہوا ہے ۱۵۶۶

سے کہا ہو کہ یہی ماپ کا بھی پیمانہ تھا) +

عیر — عِیر۔ اس جماعت کو کہا جاتا ہی جن کے ساتھ غلہ کے بوجھ ہوں یعنی آدمیوں پر اور اونٹوں پر جن پر بوجھ لدے ہوئے ہوں یہ لفظ بولا جاتا ہی گو اس کا استعمال الگ الگ دونوں پر بھی ہوتا ہی +

بن یامین کی بوری میں پیالہ رکھنے والا حضرت یوسف نہ تھے — جَعَلَ السِّقَايَةَ میں ضمیر کس طرف جاتی ہی؟ مفسرین کا خیال یوسف کی طرف ہی۔ گویا حضرت یوسف نے خود بوری کے اندر پیالہ رکھا۔ مگر اس پر قرآن شریف کے الفاظ کئی قسم کی مشکلات وارد کرتے ہیں خود ایسی کارروائی کرکے پھر سب لوگوں میں یہ اعلان کرانا کہ یہ قافلہ والے چور ہیں اَیَّتُهَا الْعِيرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ ایک نبی کے کس طرح شایان شان ہوسکتا ہی یہ تو ایک معمولی آدمی بھی کرے تو قابل گرفت ہے قرآن شریف میں ہی وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (النسآء ۴-۱۱۲) ایک شخص خود ایک گناہ کرے پھر اس کا الزام دوسرے پر لگائے تو وہ ارتکاب بہتان کرتا ہی مفسرین اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ انکو سارق اس لئے کہا کہ انہوں نے خود یوسف کو اپنے باپ سے چرایا تھا مگر سوال یہ ہی کہ جو الزام اہل مصر کے سامنے اعلان ہوا وہ تو یہ تھا کہ تم نے پیالہ چرایا ہی اور اسکے وہ مرتکب نہ تھے۔ اور آخرکار انہی میں سے ایک کی بوری سے اسے نکال کر اہل مصر کی نظر میں انہیں چور ٹھہرا بھی دیا پس قرآن کریم کا منشا ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت یوسف نے خود وہ پیالہ بوری میں رکھا یا رکھوایا۔ اس سے پہلے جب روپیہ انکو واپس کیا گیا تو یہ لفظ ہیں کہ اپنے نوکروں کو کہا ان کا روپیہ انکی بوریوں میں رکھدو کیونکہ ظاہر ہی کہ بوریوں کا بھرنا بھرانا حضرت یوسف کا اپنا کام نہ تھا۔ اور نہ وہ کام آپکے سامنے ہوتا تھا اسلئے اگر پیالہ حضرت یوسف نے رکھوانا ہوتا تو اسی طرح اپنے نوکروں کو حکم دیتے جس طرح روپیہ رکھنے کیلئے دیا تھا اسلئے اس کا رکھنے والا کوئی اور تھا قرآن شریف سے یہی معلوم ہوتا ہی کہ جس طرح حضرت یوسف کے ساتھ انکے بھائیوں نے ایک بھاری شرارت کی تھی اسی طرح بن یامین کے ساتھ بھی کی چنانچہ جب حضرت یوسف اپنے آپکو ان پر ظاہر کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ (۸۹) اب ظاہر ہی کہ اور کوئی واقعہ بن یامین کے ساتھ ایسا نہیں ہوا جس میں ان کے ساتھ قریبًا قریبًا ویسا ہی سلوک ہوا ہو جیسا یوسف کے ساتھ ہوا تھا صرف یہی ایک واقعہ ہے اور انکی شرارت کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہی کہ انہوں نے چوری کا جھوٹا الزام یوسف پر بھی لگایا قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (۷۷) اگر اس نے چوری کی ہی تو اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی حالانکہ یہ دونوں جھوٹ تھے گویا بجائے صفائی کی شہادت پیش کرنے کے اُلٹا چوری کے الزام کی تائید کا مطلب یہ کہ یہ دونوں بھائی چور ہیں۔ اور حضرت یعقوب سے جب انہوں نے جاکر یہ ذکر کیا کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہی تو انہوں نے اس کا الزام انہی پر دیا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا (۸۳) جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ تمہاری ہی کوئی شرارت ہی بس اصل واقعہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ ان بھائیوں میں سے کسی نے محض شرارت کے طور پر پیالہ اٹھا کر بن یامین کی بوری میں رکھ دیا تاکہ یوسف کی طرح وہ بھی حضرت یعقوب کی نظروں سے دور ہو جائے اس میں شک نہیں کہ بائبل میں یہی ذکر ہی کہ حضرت یوسف نے اپنے نوکروں کو پیالہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر بائبل نے قبیح — بائبل میں یہ بیان — ترین افعال انبیاء کی طرف منسوب کئے ہیں حضرت لوط کی طرف زنا وہ بھی بیٹیوں کے ساتھ حضرت ہارون کی طرف شرک حضرت سلیمان کی طرف بت پرستی۔ حضرت داؤد کی طرف زنا۔ اور قرآن کریم نے ایسے تمام ناپاک الزامات سے انبیاء علیہم السلام کی بریت کی ہی اور عصمت انبیاء کا اصول سکھایا ہی اس لئے حضرت یوسف کی طرف ایسا فعل اگر بائبل منسوب کردے تو اس کی معمولی تحریفات میں سے ایک ہے مگر قرآن کریم ایسا نہیں کرسکتا +

اقبال — ۱۵۶۶ اقبلوا۔ اِقبال کے معنی متوجہ ہونا ہیں فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (الصّٰفّٰت ۳۷-۵۰) +

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝ قَالُوْا ۷۲

انہوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو شخص اسے لائے اسکے لئے ایک اونٹ کا بوجھ (انعام) ہوگا اور میں اسکا ذمہ دار ہوں ۱۵۶۷ انہوں نے کہا

تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ ۷۳

اللہ کی قسم تم جانتے ہو ہم اسلئے نہیں آئے کہ ملک میں فساد کریں اور ہم چور نہیں ہیں ۱۵۶۸ انہوں نے کہا پھر اسکی کیا سزا ہے

اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى ۷۴

اگر تم جھوٹے نکلے انہوں نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کی بوری میں وہ نکلے وہ خود اسکا بدلہ ہوگا ہم اسی طرح ظالموں کو

الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ ۷۵

سزا دیتے ہیں ۱۵۶۹ تب اس نے اسکے بھائی کے شلیتے سے پہلے ان کے شلیتوں سے شروع کیا تب اسکے بھائی کے شلیتے سے اسے نکالا

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ

اسی طرح ہم نے یوسف کیلئے ارادہ کیا وہ اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون کے مطابق لے نہ سکتا تھا سوائے اسکے

يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ ۷۶

جو اللہ چاہے ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر ایک علم والے سے اوپر سب چیزوں کا جاننے والا ہے ۱۵۷۱

زعامۃ۔ زعیم — ۱۵۶۷ زعیم۔ زعم کے لئے دیکھو ۶۷۹ ضمانت جو قول سے ہو اور ریاست کو زعامۃ کہا جاتا ہے اور ضامن اور رئیس کو زعیم کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان دونوں کے قول میں جھوٹ کا ظن ہوتا ہے (غ)

صواع الملک کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ جو چیز گم ہوئی وہ یوسف کا پیالہ نہ تھا بلکہ شاہی پیالہ تھا۔ اسلئے بھی اس کا تعلق حضرت یوسف سے نہیں قرین قیاس ہے کہ یہ سونے کا ہو اسلئے اس پر اتنی تحقیقات بھی ہوئی +

تاللہ — ۱۵۶۸ تاللہ۔ تا کلمہ کے شروع میں قسم کے لئے آتی ہے (غ)، اور اکثر نحویوں کے نزدیک یہ واؤ کا بدل ہے۔ مگر سوائے اللہ کے لفظ کے دوسرے پر نہیں آتی (ل)

۱۵۶۹ جزاؤہ میں ضمیر فعل کی طرف ہے جیسا پچھلی آیت میں یعنی چوری کی سزا یہ ہے فھو جزاؤہ یعنی وہ خود اس کے عوض گرفتار کیا جائے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ پہلے یہ دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا گم کیا ہوا ہے تو جب یہ علم ہو جاتا ہے کہ یہ پیالہ کے لئے ہی آئے ہیں تب سزا یہ بتاتے ہیں کہ جس کی بوری میں ہو وہ پکڑا جائے کیونکہ جانتے تھے کہ بن یامین کی بوری میں ہے +

وعی۔ اوعی — ۱۵۷۰ اوعیۃ۔ وِعاء کی جمع ہے۔ اور وعی کے معنی ہیں کسی بات کا یاد رکھنا وتعیھا اذن واعیۃ (الحاقۃ۔ ۱۲) اور ایعاء

وِعاء — کے معنی ہیں سامان کا وعاء میں محفوظ کر لینا جمع فاوعی (المعارج۔ ۱۸) (غ) اور وعاء وہ برتن ہے جس میں کوئی چیز محفوظ کی جائے

کاد — کِدنا۔ کاد بمعنی اراد کے لئے دیکھو ۹ یہاں یہی معنی ہیں

دین — دین۔ کے معنی شریعت دیکھو ۳ اسی لحاظ سے یہاں قانون کے معنی میں استعمال ہوا ہے قتادہ سے حکم اور قضا معنی مروی ہیں +

۷۷ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَ

انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو پہلے اسکے بھائی نے بھی چوری کی تھی سو یوسف نے اسے اپنے دل میں

۷۸ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ○ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

چھپایا اور اسے انکے لئے ظاہر نہ ہونے دیا۔ کہا تم بری حالت کے لوگ ہو اور اللہ بہتر جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ۱۵۱ انہوں نے کہا اے عزیز اسکا باپ

اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

بہت بوڑھا آدمی ہے تو ہم میں سے ایک کو اسکی جگہ لے لو ہم تجھے نیکوکاروں میں سے دیکھتے ہیں

بن یامین کا حضرت یوسف کے پاس جانا

جن واقعات کا ذکر ہے ان سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ سب کچھ حضرت یوسف کی موجودگی میں ہو رہا ہے بلکہ بظاہر وہی شخص جو تحقیقات کیلئے آیا ہے سب کچھ یہ خود ہی کر رہا ہے اور بن یامین کی بوری کو پیچھے رکھنا اگر عمداً تھا تو شاید اس لئے ہو کہ بن یامین کی خصوصیت سے یوسف کے ہاں عزت ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا ارادہ یوسف کے لئے ایسا ہی ہوا کہ ان کا بھائی ان کے پاس رہ جائے۔ کِدْنَا بمعنی اردنا ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ آگے آتا ہے اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ایسا ہوا۔ اور اگر کدنا بمعنی تدبیر بھی لیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تدبیر ہم نے یوسف کیلئے کی یہ نہیں فرمایا کہ یوسف نے یہ تدبیر کی اور اس صورت میں کدنا کے لفظ میں یہ اشارہ ہوگا کہ ان کے بھائیوں کی تدبیر تو یہ تھی کہ بن یامین کسی طرح واپس حضرت یعقوب کے پاس نہ جائے اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو یوسف کے حق میں کر دیا کہ بھائی بھائی کے پاس رہ گیا۔ وہ خود بغیر افشائے راز کے اسے رکھ نہ سکتے تھے اور اس حقیقت کو وہ بھی ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے مشیت الٰہی سے یہ ایک سامان پیدا ہو گیا کہ بن یامین حضرت یوسف کے پاس رہ گئے۔ گو وہ ذی علم تھے مگر یہ سامان اس خدا کی طرف سے ہو گیا جو ان سے بڑھکر علیم تھا اگر یوسف نے خود یہ کام کیا ہوتا تو یہاں نرفع درجات من نشاء کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ کیونکہ بہرحال یہ ایک چالبازی تھی اور چالبازی کے موقعہ پر رفع درجات موزون نہیں ہاں خود بخود اس سامان کا پیدا ہو جانا رفع درجات پر گواہ ہے یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فائدہ کے سامان خود بخود پیدا کر دیتا ہے +

دیگر دین کے بادشاہ کے قانون پر عمل

اس آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے مذہب کے بادشاہ کے ماتحت ہے تو اسی کے قانون پر عمل بھی کرنا پڑتا ہے حضرت یوسف ایک ایسے بادشاہ کے ماتحت تھے جو ان کے دین پر نہ تھا بایں اس کے قانون پر ہی عمل کرتے تھے اس چھوٹے سے واقعہ کے اظہار سے ایک عظیم الشان اصول قائم کر دیا ہے +

حضرت یوسف پر چوری کا الزام

ف ۱۵۱ حضرت یوسف پر جو چوری کا الزام انہوں نے لگایا ہے تو مفسرین اس کو صحیح ثابت کرنے کیلئے یا تو بائبل کے بعض بیانات میں ادل بدل کرتے ہیں یا خود کوئی کہانی تجویز کر لیتے ہیں لیکن یہ الزام دینے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک بے گناہ کی جان تک لینے سے دریغ نہ کیا اور پھر حضرت یعقوب کے سامنے جا کر جھوٹ بولا۔ اس لئے اگر اس دوسرے موقعہ پر بھی انہوں نے جھوٹ سے کام لیا تو یہ کونسا امر مستبعد ہے بات تو صاف ہے وہ اپنے آپ کو تو الگ کرتے ہیں اور یوسف کے بھائی پر چوری کا الزام ثابت کرنے کیلئے تائیدی شہادت یہ دیتے ہیں کہ اس کا بھائی بھی چور تھا کیونکہ ان کی غرض تو یہی تھی کہ کسی طرح بن یامین بھی حضرت یعقوب کی آنکھوں سے دور ہو جائے گویا ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو نیک لوگ ہیں یوسف اور اس کا بھائی دونوں چور ہیں۔ یوسف نے اپنے دل میں کس بات کو چھپایا؟ اس تہمت کے جواب کو۔ ان پر ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے ورنہ یوں جواب دیتے کہ تم میرے منہ پر مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے ہو +

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ ۷۹

اس نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم کسی اور کو پکڑیں سوائے اسکے جسکے پاس ہم نے اپنا سامان پایا اس صورت میں ہم ظالم ہونگے ۱۵۷۲

فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ ۸۰

جب اس سے مایوس ہوگئے تو خفیہ مشورہ کرنے کیلئے الگ ہوگئے۔ سب سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کو

عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ

درمیان رکھ کر عہد لیا تھا اور اس سے پہلے جو یوسف کے معاملہ میں تم نے قصور کیا ہو سو میں تو ہرگز اس ملک کو نہیں چھوڑونگا

حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا ۸۱

یہاں تک کہ میرا باپ مجھے اجازت دے یا اللہ میرے لئے فیصلہ کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہی ۱۵۷۳ اپنے باپ کیطرف لوٹ چلو۔ اور کہو

یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ۝

اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں جو ہمیں معلوم ہوئی اور ہم غیب کی حفاظت نہ کر سکتے تھے ۱۵۷۴

حضرت یوسف کا بھائیوں پر اظہار

۱۵۷۲۔ ان بھائیوں میں بعض اچھے دل کے بھی تھے ان میں سے ہی وہ بھی تھا جس نے پہلے موقعہ پر کہا تھا لا تقتلوا یوسف اب بھی ان میں سے کوئی حضرت یوسف کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ بن یامین کی جگہ کسی دوسرے کو قید کر لیا جائے جس کو حضرت یوسف رد کرتے ہیں +

استیأس
نجی

۱۵۷۳۔ استیئسوا۔ استیئس اور یئس کے ایک ہی معنی ہیں امید منقطع ہوگئی نا امیدی ہوگئی یعنی حضرت یوسف نے انکار کر دیا +

نجیا۔ نجوی کے لئے دیکھو نمبر ۷۳۱ نجی کے معنی ہیں مناجی یعنی خفیہ مشورہ کرنے والا اور واحد اور جمع دونوں پر استعمال ہوتا ہے وقربناہ نجیا (مریم ۱۹ - ۵۲) +

ابرح۔ برح کے معنی زوال آنے ہیں لن نبرح علیه عاکفین (طٰہٰ ۲۰ - ۹۱) لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین (الکہف ۱۸ - ۶۰) اور برح الارض کے معنی ہیں اس زمین سے الگ ہوگیا (ل)

یہ مشورہ کرنے کے لئے الگ ہوئے کہ اب حضرت یعقوب سے جا کر کیا کہیں۔ اس مشورہ کی ضرورت بھی نہ ہوتی اگر ان کے دل صاف ہوتے اب چاہتے تھے کہ کوئی بات بنائیں جس پر حضرت یعقوب کو اطمینان ہو جائے ان میں سب سے بڑا بوجہ اس عہد کے جو حضرت یعقوب سے کیا تھا جانے سے ہی انکار کرتا ہے جبتک کہ باپ کی طرف سے اجازت نہ ملے یا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے یعنی کوئی ایسے اسباب پیدا ہو جائیں کہ عہد کی ذمہ واری اس پر نہ رہے +

۱۵۷۴۔ یہ کلام اسی بڑے بھائی کا سمجھا گیا ہے مگر بعض نے کہا کہ یہ یوسف کا کلام ہے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں کے مشورے کا آخری نتیجہ ہے۔ یعنی آخر کار سب اس رائے پر پہنچے کہ یوں ہی کہا جائے کہ بن یامین نے چوری کی۔ اور غیب کے حافظ نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ جو کام ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوا یعنی بن یامین کا چوری کرنا اس کی ہم حفاظت کیونکر کر سکتے تھے۔ یا مراد یہ ہے کہ جب عہد کیا تھا تو اس وقت اس غیب کی بات کا ہمیں علم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا +

۸۲ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ ۸۳ قَالَ بَلْ

اور اس بستی سے دریافت کر جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں ۔ اس نے کہا بلکہ

سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ

تمہارے دلوں نے ایک (بری) بات کو اچھا کر دکھایا سو صبر ہی بہتر ہو امید ہو کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے بیشک وہ

الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ ۸۴ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝

علم والا حکمت والا ہی [۱۵۵۵] اور ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے افسوس یوسف کیوجہ سے۔ اور اسکی آنکھیں غم سے ڈبڈبا آئیں [۱۵۵۶] اپنے درد غم کو دباتے تھے [۱۵۵۷]

بن یامین پر چوری کا الزام بھائیوں کا منصوبہ تھا

[۱۵۵۵] درمیانی واقعات کو چھوڑ کر اب بتایا ہو کہ جب اسی کے مطابق انہوں نے حضرت یعقوب سے کہا تو انہوں نے جواب میں وہی لفظ کہے جو حضرت یوسف کے ماجرا کے وقت کہے تھے بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل جس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب نے اس بات کو ان کی طرف منسوب کیا ہو کہ یہ بھی تم نے ایک منصوبہ بنایا ہو جس طرح یوسف کے معاملہ میں بنایا تھا اور ظاہر ہو کہ حضرت یعقوب سولت لکم انفسکم کہکر کہ تم نے اب بھی کوئی برا کام کیا ہو جو تمہیں اچھا معلوم ہوا کوئی جھوٹا الزام ان پر نہ دے سکتے تھے بلکہ یہ بات ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوگئی تھی جس طرح یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دونوں واپس مل بھی جائیںگے +

ابیض ۔ ابیض

[۱۵۵۶] ابیضت ۔ بیاض کے معنی سفیدی ہیں اور اَبْيَض سفید بَيَّضَ الشَّيْءَ فَابْيَضَّ یعنی بَيَّضَ کے معنی سفید کر دیا اور ابیض کے معنی وہ سفید ہوگئی اور بَيَّضْتُ السِّقَاءَ کے معنی ہیں مشکیزہ کو پانی سے بھر دیا (ل)، اسی لحاظ سے ابیض کے معنی ہونگے وہ پانی سے بھر گیا۔ اور پانی اور دودھ کو یا پانی اور روٹی کو یا پانی اور گیہوں کو اَبْيَضَان کہا جاتا ہو یعنی دو سفید چیزیں +

ابیضان

حضرت یعقوب کا فرضی رونا کہ اندھا ہو جانا خلاف قرآن ہو

ابیضت عیناہ من الحزن کے معنی مفسرین نے عموماً یوں کئے ہیں کہ غم کی وجہ سے حضرت یعقوب روتے رہتے تھے اور رونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں یعنی وہ اندھے ہوگئے گویا ابیضاض اندھا ہو جانے سے کنایہ ہو لیکن یہ کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہو کہ ایک خدا کا نبی بیٹے کے جاتے رہنے سے تبلیغ و اصلاح کے کام کو چھوڑ کر جو اس کی بعثت کی اصل غرض ہو رونے لگ جائے اور یہاں تک روئے کہ روایات میں ہو کہ اسّی سال تک آپ یوسف سے جدا رہے اور اس سارے عرصہ میں ایک لحظہ بھی نہیں گزرا کہ آپکے دل میں غم نہ ہو اور رخساروں پر آنسو نہ ہوں اور اسی حالت میں آپ روتے روتے اندھے ہوگئے مخلوق کی اصلاح تو ایک طرف رہی ایسا شخص تو خدا تعالیٰ کی بھی عبادت نہیں کرسکتا اگر ایک عامی آدمی اپنے کسی عزیز کی وفات پر ایک ماہ بھی اس طرح روئے تو وہ ملامت کے قابل ہوگا چہ جائیکہ خدا کا نبی اسّی سال تک اس حال میں رہے پھر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہو فصبر جمیل پھر اللہ تعالیٰ نے اسے یقین بھی دلا دیا ہو کہ وہ بیٹا زندہ ہو۔ یہ بات کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ دلیل یہ دی جاتی ہو کہ آنحضرت صلعم بھی اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر روئے تھے اور فرمایا تھا القلب یحزن والعین تدمع دل میں غم ہو اور آنکھوں میں آنسو ہیں مگر یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ آنحضرت صلعم ایک دو سال روتے رہے تھے یا ایک دو ماہ ہی روتے رہے تھے۔ بلاشبہ عزیزوں کی جدائی پر آنکھوں میں آنسو بھر آنا تقاضائے فطرت ہو اور اگر حضرت یعقوب میں اسی حد تک مانا جائے تو یہ بتقاضائے محبت پدری ہو لیکن اسّی سال تک دن رات روتے چلے جانا یہانتک کہ انسان اندھا ہو جائے اسکے برابر اہل دنیا کی بھی کوئی جزع فزع نہیں اور اس سے بڑھکر بے صبری کوئی نہیں اور نبوت کا کام تو پھر گویا یوسف کی پرستش ہوئی نعوذ باللہ من ذلک ابیضاض عین کے معنی لغت میں اندھا ہونا کہیں نہیں لکھے ہاں یہ مراد بھی گئی ہو مگر اس سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہو کہ آنکھوں میں آنسو بھر کر آنکھیں سفید ہوگئیں جس کو ہماری

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ ۸۵

انہوں نے کہا اللہ کی قسم تو یوسف کا ذکر کرتا ہی رہیگا یہاں تک کہ تو مرنے کے قریب ہو جائے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائے ۱۵۷۷

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۶

کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۱۵۷۸

زبان میں ڈبڈبانا کہتے ہیں۔ اور یہ وہ امر ہے جو ایک نبی کی شان کے لائق ہے کہ جب آپ کو یہ خبر پہنچتی ہے کہ بن یامین پکڑے گئے تو حضرت یوسف کا صدمہ تازہ ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں مگر باایں وہ اپنے رنج اور غم کو دباتے ہیں جیسا کہ لفظ کظیم لا کر ظاہر کیا گیا ہے جس کے معنی غصہ یا غم وغیرہ دبانے کے ہیں کہ وہ ظاہر نہ ہونے پائے دیکھو ۱۵۱ جسکی آنکھوں سے اسّی سال تک آنسو خشک نہ ہوں اسے کظیم کس زبان سے کہا جائیگا؟

یہ معنی حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے انہ لما قال یا اسفی علی یوسف غلبہ البکاء وعند غلبة البکاء یکثر الماء فی العین فتصیر العین کانہا ابیضت من بیاض ذلک الماء ...... فلو حملنا الابیضاض علی غلبة البکاء کان ھذا التعلیل حسنا ولو حملناہ علی العمی لم یحسن ھذا التعلیل فکان ما ذکرناہ اولی وھذا التفسیر مع الدلیل رواہ الواحدی فی البسیط عن ابن عباسؓ یعنی جب آپ نے یوسف پر اس وجہ سے افسوس کیا تو بکاء (رونا) آپ پر غالب آ گیا اور رونے کے غلبہ کے وقت آنکھ میں پانی بہت ہو جاتا ہے گویا اس پانی کی سفیدی سے وہ سفید ہو جاتی ہے ... پس اگر ہم سفید ہو جانے کو غلبۂ بکاء پر حمل کریں تو یہ وجہ اچھی ہے اور اگر اسے اندھاپن پر حمل کریں تو یہ وجہ اچھی نہیں اس لئے جو ہم نے بیان کیا ہے وہ اولیٰ ہے اور یہ تفسیر مع دلیل کے واحدی نے بسیط میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔

ما فتئ

۱۵۷۷ تفتؤا۔ لا تفتؤا مراد ہے اور ما فَتِئْتُ کے معنی وہی ہیں جو ما زلت کے معنی ہیں اور لا کے محذوف ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قسم کا جواب اگر مثبت ہو تو اس پر علامت اثبات ضرور داخل ہوتی ہے اور وہ علامت اثبات ل اور نون تاکید ہے۔

یوسف کی اس یاد کو بھائیوں نے برا منایا کیونکہ ان کے دل انہیں ملزم کرتے تھے اس لئے وہ پسند نہ کرتے تھے کہ حضرت یعقوب اس کا نام بھی لیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب آپ بوڑھے ہو کر موت کے قریب ہو گئے ہیں تاہم یوسف کے ذکر کو نہیں چھوڑتے اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یعقوب ہر وقت یوسف کا ذکر کرتے رہتے تھے بلکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مدت بعد یہ ذکر کیا جس کی وجہ سے بھائیوں کو یہ بات کہنے کی ضرورت پیش آئی۔

مصیبت کے چھپانے کا حکم

۱۵۷۸ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے رنج و مصائب کو دوسروں پر ظاہر کرنے سے حتی الوسع بچنا چاہئے۔ اور صرف اپنے مولیٰ کے سامنے ظاہر کرنا چاہئے کیونکہ وہی غم و رنج کو دور بھی کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے مِن كُنُوزِ الْبِرِّ اخفاء الصدقة وكِتْمَانُ المصائب صدقہ کا اخفا اور مصائب کا چھپانا نیکی کے خزانے ہیں۔ حضرت یعقوب کا روتے رہنا اس آیت کے بھی خلاف ہے۔

۸۷ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا

اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت

۸۸ يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا

سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا ۱۵۷۹ پھر جب اس کے پاس آئے کہا

يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا

اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لیکر آئے ہیں سو ہمیں (غلہ کا) پورا

الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ○

ماپ دو اور ہمیں خیرات دو اللہ خیرات دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے ۱۵۸۰

تحسّس

۱۵۷۹ تحسّسوا۔ حِسّ سے باب تفعّل ہے حاسہ سے کسی چیز کا پالینا۔ اور مراد اس سے اس کے احوال کا دریافت کرنا ہے

روح

رَوح وسعت پر بولا جاتا ہے اور یہاں مراد اس سے کشایش اور رحمت ہے (غ)، اسی مادہ سے ریح اور رُوح ہیں +

قرآن کا بائبل سے اختلاف اور اسباب مایوسی کا انتہا تک پہنچنا پھر بھی مایوس نہ ہو

حضرت یوسف کی تاریخ کا یہ حصہ کہ بھائی دوبارہ حضرت یعقوبؑ کے پاس گئے اور بن یامین کی گرفتاری کا قصہ سنایا بائبل میں مذکور نہیں بلکہ حضرت یوسف اپنے آپ کو اسی وقت ظاہر کر دیتے ہیں جب بن یامین کو پکڑا جاتا ہے اور بھائی حیران ہیں کہ اب کیا کریں قرآن کریم نے اس حصہ کو بیان کر کے اور بائبل سے اس موقعہ پر اختلاف کر کے یہ دکھایا ہے کہ باوجود اسباب مایوسی کے انتہا کو پہنچ جانے کے باوجود ایک صدمہ کے ساتھ دوسرا صدمہ اور مل جانے کے مایوسی حضرت یعقوبؑ کے قریب بھی نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان تکالیف کے دور کرنے پر آپ کا ایمان بڑھتا ہی چلا گیا اور یہ وہ عظیم الشان سبق ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نیک لوگوں کی زندگیاں بیان کر کے سکھانا چاہتا ہے کہ وہ کس طرح پر مایوسی کے اسباب کے کمال کو پہنچ جانے کے باوجود ایک لحہ کیلئے بھی مایوسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔ بلکہ جس قدر تاریکی بڑھتی ہے اسی قدر ان کا ایمان بڑھتا ہے کہ روشنی ضرور نمودار ہو گی چنانچہ اس مضمون کو خود قرآن شریف نے سورت کی آخری آیات میں کھول دیا ہے دیکھو آیت ۱۱۰۔ افسوس ہے کہ بائبل میں تو اسباب مایوسی انتہا کو پہنچے ہیں اور نہ ہی حضرت یعقوب کی زندگی میں وہ دلوں کو ابھارنے والا نظارہ نظر آتا ہے جو یہاں ان الفاظ میں قرآن کریم نے دکھایا ہے لا تایئسوا من روح اللہ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون یہ وہ ایک اور عظیم الشان سبق ہے جو اس سورت سے ہمیں ملتا ہے مگر بائبل کے قصہ سے نہیں ملتا۔ بائبل میں یہ ایک کہانی ہے مگر قرآن کریم میں قدم قدم پر اس کے اندر وہ اخلاقی سبق بھر دیئے ہیں جن سے انسان

مسلمانوں کے مایوس دلوں کیلئے مرہم

فائدہ اٹھائے تو اس کی زندگی اس دنیا میں جنت کی زندگی بن جاتی ہے۔ اور ایک مسلمان کے دل میں اس ذکر کو پڑھکر یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ اگر چہ ہر طرف مغلوبیت حق کا نظارہ ہی نظر آتا ہو اور کفر اپنی ترقی کی انتہا کو پہنچ گیا ہو اور نیکوں کو پاؤں تلے روندا جاتا ہو اور مکار اور فریبی دنیا میں مالک نظر آتے ہوں اور سب چیزیں ان کے قبضہ قدرت میں معلوم ہوتی ہوں تو بھی وہ مایوس نہیں ہوتے اور اللہ کی رحمت کے آفتاب کے طلوع پر یقین رکھتے ہیں اس سے کہ حق کا غلبہ یقینی ہے تعجب ان مسلمانوں پر ہے جو قرآن کریم میں ایسی آیات کے ہوتے ہوتے ہوئے پھر کفار کی نقل کرتے اور ذرا ذرا مشکلات پیش آنے پر گھبراہی نہیں اٹھتے بلکہ مایوس ہو جاتے ہیں آج جب اسلام ہر طرف مغلوب نظر آتا ہے اس ایمان کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے جب مسلمانوں میں یہ ایمان پیدا ہو جائیگا تو وہی اسلام کی شان و شوکت بھی وہ دوبارہ دیکھ لینگے جس کی تڑپ ان کے دلوں میں ہے +

زجی

۱۵۸۰ مزجاۃ۔ تزجیۃ (زجا) کسی چیز کا دھکیلنا ہے تاکہ وہ آگے چلے جیسے ہوا کا بادل کو چلانا یزجی سحابا (النور ۲۴: ۴۳)، یزجی لکم (الفلک)

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ۝ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنْتَ ۸۹ ۹۰

اس نے کہا کیا تم جانتے ہو تم نے یوسف اور اسکے بھائی سے کیا معاملہ کیا جب تم جاہل تھے ۱۵۸۱ انہوں نے کہا کیا تو ہی یوسف

يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ

ہے۔ اس نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے ہاں جو کوئی تقویٰ اور صبر کرتا ہے تو اللہ

اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ ۝ ۹۱

بھی نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۱۵۸۲ انہوں نے کہا اللہ کی قسم اللہ نے تجھے ہم پر فوقیت دی ہے اور یقیناً ہم خطا کار ہیں ۱۵۸۳

مزجٰۃ — (بنی اسرائیل - ۶۶) پس جو چیز قلیل ہو گویا کسی شمار میں نہیں اور رد کی جائے اسے مزجاۃ کہا جاتا ہے (غ)

اس دفعہ بموجب ارشاد حضرت یعقوب وہ یوسف کی تلاش میں آئے ہیں اور اپنی مفلسی اور عزبت کی طرف توجہ دلانا اسلئے تھا کہ اگر یہی یوسف ہیں تو ان کا دل پگھلے اور وہ اصلیت کا اظہار کر دیں چنانچہ یہی اثر اس کا ہوا +

بن یامین سے بھائیوں کا سلوک — ۱۵۸۱ یہی ایک موقعہ ہے جس پر حضرت یوسف نے ان بھائیوں کا سلوک یاد دلایا ہے وہ بھی ملامت کیلئے نہیں بلکہ اس بات کے ظاہر کرنے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ گو تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کر کے پھر میرے بھائی سے بھی اس قسم کا سلوک کیا تاہم آج تم پر ان باتوں کیلئے کوئی ملامت نہیں لا تثریب علیکم الیوم (۹۲) یہی وجہ ہے کہ یہ نہیں بتایا کہ وہ معاملہ کیا تھا صرف اتنا کہکر چھوڑ دیا کہ تم نے کچھ معاملہ ہم دونوں سے کیا اسے تم جانتے ہو اس سے یہ یقینی طور پر معلوم ہوا کہ بن یامین کے ساتھ کوئی شرارت اسی رنگ کی ان بھائیوں کی طرف سے ہوئی تھی جیسے یوسف کے ساتھ اور قرآن کریم میں ایک ہی ایسے واقعہ کا ذکر ہے یعنی پیالہ کی چوری بائبل میں بھی اور کوئی واقعہ مذکور نہیں جس سے معلوم ہو کہ بن یامین کے ساتھ کوئی اس قسم کا سلوک ہوا تھا جس کا الزام یہاں ان پر دیا گیا ہے +

دکھ سے سکھ آتا ہے — ۱۵۸۲ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا قد من اللہ علینا یعنی ان تمام واقعات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب پر احسان کیا اور دکھ سے راحت پیدا کر دی اس بات سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس کے فضل کی طرف کہ بظاہر انسان پر دکھ بھی آتے ہیں تو کس طرح وہ اپنے فضل سے انہیں راحت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہر ایک راحت دکھ سے ہی پیدا ہوتی ہے جبتک انسان تکلیفوں میں مبتلا نہ ہو کبھی حقیقی راحت کو نہیں پا سکتا اس لئے مصائب کو خوش دلی سے برداشت کرنا چاہیے اسلئے کہ ان میں بھی انسان کی بہتری ہے۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا جو کوئی بھی تقویٰ اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا یعنی مصائب میں رعایت حقوق کو اور صبر کو ہاتھ سے نہ دے اور ان الفاظ میں عام قانون کے بیان کرنے کا یہی منشا ہے کہ یہ یوسف سے خاص معاملہ نہیں بلکہ جو انسان مصائب کی کٹھالی میں پڑتا اور صبر کرتا ہے اور تقویٰ کو ہاتھ سے نہیں دیتا وہی سونا بنا کر نکالا جاتا ہے +

آثر۔ اثار — ۱۵۸۳ اثر۔ اثر کسی چیز کا اسباب کا حصول ہے جو اس کے وجود پر دلالت کرے اور اس کی جمع آثار ہے ثم قفینا علی آثارھم برسلنا (الحدید - ۲۷) و آثاراً فی الارض (المؤمن - ۲۱) فانظر الی آثار رحمۃ اللہ (الروم - ۵۰) اور اسلئے آثار پہلے لوگوں کے نقش قدم کو بھی کہتے ہیں یعنی ایسا رستہ جو ان لوگوں کی طرف لیجاتا ہے جو پہلے گزر چکے فھم علیٰ آثارھم یھرعون (الصّٰفّٰت - ۷۰) ھم اولاء علیٰ اثری (طٰہٰ - ۸۴) اور اَثَرْتُ الْعِلْمَ کے معنی ہیں میں نے علم کی روایت کی اثارۃ من علم (الاحقاف - ۴) گویا یہ وہ چیز ہے جو لکھی جائے یا روایت کی جائے تو اس کا اثر باقی رہ جائے۔ اور استعارۃً آثر کے معنی بزرگی کے لئے جاتے ہیں اور اسی سے ایثار

ایثار

۹۲ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ اذْهَبُوا

کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے ۱۵۵۴ یہ میری

۹۳ بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے سامنے ڈال دو وہ یقین کرنے والا ہو جائیگا اور اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ ۱۵۵۵

جس کے معنی فضیلت دینا ہیں جیسے یہاں اور یؤثرون علی انفسھم (الحشر ۵۹ - ۹) بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا (الاعلیٰ ۸۷ - ۱۶) (غ)

یعنی ترجیح دیتے ہو +

تثریب۔ یثرب

۱۵۵۴ تثریب ۔ ثَرَّبَ علیہ کے معنی ہیں اسے ملامت کی اور اس کے قصور پر اسے عیب لگایا اور اسے وہ یاد دلایا ۔ اور یثرب مدینہ طیبہ کا پہلا نام ہے اور نبی کریم صلعم نے یثرب کی بجائے اس کا نام طَیْبَۃ رکھا کیونکہ تثریب کلام عرب میں فساد کو کہتے ہیں (ل) قرآن شریف میں ایک موقعہ پر صرف دوسروں کا قول نقل کرتے ہوئے اسے یثرب کے نام سے پکارا ہے یا اھل یثرب لا مقام لکم (الاحزاب ۳۳ - ۱۳)

عفو یوسف اور عفو خاتم النبیین

کتنا بڑا دل ہے اور کتنا بڑا عفو ہے کہ وہ لوگ جو جان لینے کے درپے تھے انہیں یہ کہا کہ آج تم پر اس کی وجہ سے کوئی ملامت بھی نہیں مگر اس مقام سے کس قدر بلند وہ مقام ہے جس کی طرف یوسف علیہ السلام کے ذکر میں اشارہ ہے یعنی آنحضرت صلعم کا مقام جن کی جان لینے کی ایک دفعہ نہیں متعدد مرتبہ کوشش کی گئی ۔ اور آپ کو تیرہ سال کے عرصہ میں مکہ میں بڑے بڑے دکھ پہنچائے گئے اور نہ صرف آپکو بلکہ ہر اس شخص کو جو آپ کا دم بھرتا حد درجے کے دکھ دیئے جاتے بعض کو جان سے مارا گیا ۔ اور یہ دکھ اس قدر شدت میں بڑھے کہ ان لوگوں نے اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر خود جلاوطنی اختیار کی پھر یہ تیرہ سال کے مسلسل دکھ بھی مکہ کو چھوڑنے پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اب تلوار لیکر مدینہ پر چڑھائی کی جاتی ہے اور مٹھی بھر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ باایں ان سب جرموں کے مرتکب جب مغلوب ہو کر آپ کے سامنے آتے ہیں تو یہی لفظ آپ کی زبان مبارک سے نکلتے ہیں لا تثریب علیکم الیوم اور سید البشر کے عفو عظیم کا یہ نمونہ دنیا میں ہمیشہ کیلئے اپنی نظیر آپ ہی رہتا ہے ۔ اخلاق یوسفی میں اگر لا تثریب ایک عظیم الشان مقام ہے جس کا اثر دس بھائیوں تک محدود تھا ۔ تو اخلاق محمدی کے علو شان کو کون پہنچ سکتا ہے جو ایک مجرم قوم کی قوم کو جنکے جرم انتہا کو پہنچ چکے تھے اسی لا تثریب کے ماتحت ایسا بخشتا ہے کہ ایک حرف ملامت زبان پر نہیں لاتا +

بصیر

۱۵۵۵ بصیر ۔ بَصَر قوت مدرکہ اور دیکھنے کی قوت دونوں کو کہا جاتا ہے ۱۲۱ اور رَجُلٌ بَصِیْرٌ کے معنی ہیں مُبْصِر اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد آنکھوں سے دیکھنے والا ہے (ل) اور راغب یہ کہکر کہ ضریر یعنی اندھے کے عکس کے طور پر بصیر کہا جاتا ہے لکھتے ہیں کہ قابل ترجیح یہ ہے کہ یہ اسے کہا جائے جس کے لئے بصیرت قلب کی قوت ہو (غ) بہرحال بصیر کا لفظ اپنے اصل معنی کے لحاظ سے دو کو معنی دیتا ہے آنکھ سے دیکھنے والا ۔ اور دل کی قوت مدرکہ سے ایک بات کو پا لینے والا +

قمیص سے حکومت کیطرف اشارہ

یہاں اس سورت میں قمیص کا ذکر تیسری دفعہ آیا ہے دیکھو ۱۵۲۵ پہلی دفعہ قمیص حضرت یوسف کی زندگی کا نشان ٹھہری دوسری مرتبہ آپ کی پاکدامنی کا نشان ہوئی اور یہ قمیص آپ کی حکومت کا نشان ہوئی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ سَیُقَمِّصُکَ قَمِیْصًا وَاِنَّکَ تُسْتَلَامُ عَلٰی خَلْعِہٖ فَاِیَّاکَ وَخَلْعَہٗ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائیگا اور تمہیں اس قمیص کے اتارنے کو کہا جائیگا مگر خبردار اس قمیص کو نہ اتارنا ۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد خلافت ہے پس ہو سکتا ہے کہ وہ قمیص اصلی ہی تھی اور صرف بطور نشان حکومت بھیجی گئی تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو عطا فرمائی تھی یعنی تا کہ حضرت یعقوب کو یقین آجائے کہ جو کچھ ان کے بھائیوں نے حضرت یوسف کی حکومت اور اختیارات کے متعلق کہا ہے وہ سچ ہے اور ہو سکتا ہے کہ قمیص

ع ۱۱ — حضرت یعقوب کا معجزہ

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ۞ ۹۴

اور جب قافلہ (مصر سے) چلا انکے باپ نے کہا میں یوسف کی (عظمت کی) خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو [۱۵۸۶]

الریح

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۞ فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ ۹۵ ۹۶

انہوں نے کہا اللہ کی قسم تو اپنی پرانی غلطی میں ہے پھر جب خوشخبری دینے والا آپہنچا (اور) اسے اسکے سامنے

وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۞

پیش کیا تو وہ یقین کرنے والا ہوا کہا کیا میں تمہیں نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۞ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ ۹۷ ۹۸

انہوں نے کہا اے ہمارے باپ ہمارے لئے ہمارے قصوروں کی معافی مانگو بیشک ہم قصوروار تھے کہا میں اپنے رب سے تمہارے لئے

لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۞ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ ۹۹

بخشش مانگونگا بیشک وہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے پھر جب وہ یوسف کے پاس آئے اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس

أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۞

جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اگر خدا چاہے تو امن سے رہنے والے ہوگے

مراد یہاں واقعی حکومت ہی ہے اور قمیص کو لے جانے کے معنی یہ ہوں کہ یہ خبر لے جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکومت عطا فرمائی ہے۔ بائبل میں یہ ذکر نہیں کہ قمیص بھیجی گئی تھی صرف اسی قدر ذکر ہے کہ ان کو کہا تھا میرے باپ کو خبر سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں حکومت دی ہے اور وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ جب بھائیوں نے یہ باتیں حضرت یعقوب کو سنائیں تو یعقوب کا دل سنسنا گیا کیونکہ اس نے انکا یقین نہ کیا۔ شاید اسی کے ازالہ کیلئے یہ آیات بصیرا اور فارتد بصیرا (۹۶) فرمایا یعنی اسے یقین ہو گیا۔ مفسرین نے ایک توجیہ یہ قبول کی ہے کہ جب حضرت یعقوب کو یہ خبر پہنچے گی تو اس سے اسکے دل کو قوت ملے گی اور قویٰ میں جو ضعف آگیا ہے وہ دور ہو جائیگا اور بصارت کی کمی بھی دور ہو جائے گی (د) گویا اس صورت میں بھی انہوں نے اندھاپن سے اچھا ہونا مراد نہیں لیا اور نہ یعقوب کو اندھا مانا ہے بلکہ غم سے بصارت میں کچھ کمی مراد لی ہے جو اس خبر سے دور ہو جائے گی۔ اور یقین کے معنی اس لئے بھی درست ہیں کہ گویا وحی الٰہی کے اشارات سے حضرت یعقوب کو یہ علم تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور واقعات کی شہادت سے وہ بات اب یقین کامل کی حد تک پہنچ گئی۔

[۱۵۸۶] ریح ۔ کے مشہور معنی ہوا ہیں اور خوشبو اور بدبو کو بھی ریح یا رائحۃ کہا جاتا ہے وقد یکون الریح بمعنی الغلبۃ والقوۃ (غ) یعنی ریح کے معنی غلبہ اور قوت بھی آتے ہیں۔

ریح

فند۔ تفنید

تفندون ۔ فند رائے کی کمزوری ہے اور تفنید دوسرے کی طرف اس کا منسوب کرنا (غ)

یوسف کی ریح سے مراد یا تو یہ ہے کہ مجھے خوشبو آرہی ہے کہ یوسف زندہ ہے اور یا مراد یہ ہے کہ اس کی قوت و شوکت کی خوشبو آرہی ہے۔ ادھر حضرت یوسف اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں ادھر بمصداق مضمون دل را بدل رہیست حضرت یعقوب کو علم ہو جاتا ہے۔

۱۰۰ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ اسکی خاطر سجدہ میں گر گئے اور اس نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے کے خواب کی

مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ

تعبیر ہے میرے رب نے اسے سچ کر دیا اور اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانہ سے نکالا اور

جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ

تمہیں بادیہ سے لے آیا اسکے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا بیشک

رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○

میرا رب جس پر چاہے لطف کرتا ہے وہ علم والا حکمت والا ہے ۱۵۸۷

عرش ۱۵۸۷ العرش ۔ بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ کو بوجہ اس کے علو کے عرش کہا جاتا ہے جیسے یہاں ایکم یاتینی بعرشھا (النمل ۲۷ ۔ ۳۸)

خرّ ۔ خریر خرّوا له سجدا خرّ کے معنی ہیں اس طرح گرا کہ اس سے خریر سنی گئی اور خریر پانی یا ہوا وغیرہ کی آواز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے گرے فکانما خرّ من السماء (الحج ۲۲ ۔ ۳۱) فخرّ علیھم السقف (النحل ۱۶ ۔ ۲۶) دوسری جگہ ہے خرّوا سجدا وسبحوا بحمد ربھم (السجدۃ ۳۲ ۔ ۱۵)

لفظ خرّ میں تسبیح پر دلیل امام راغب لکھتے ہیں کہ خرّ کا استعمال دو باتوں پر دلالت کرتا ہے ایک گرنا اور دوسرے تسبیح کی آواز اور آگے سبحوا بحمد ربھم اسلئے بڑھایا کہ معلوم ہو کہ خریر تسبیح کی آواز کو کہا ہے نہ کسی اور شے کو۔ یہاں بھی یہی لفظ خرّوا له سجدا اختیار کرکے یہ توجہ دلائی ہے کہ سجدہ میں تسبیح و تحمید الٰہی کی آواز نکلتی تھی پس معلوم ہوا یہ سجدہ یوسف کو نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے تھا جس کی تسبیح اور تحمید وہ کر رہے تھے اور له کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ یوسف کی اس عزت و مرتبت کی وجہ سے جس پر اب وہ سب شریک ہو گئے تھے سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا ۔

بَدْو بدو ۔ بَدَاءَ کے معنی ظاہر ہوا اور بَدْو حضر یعنی شہر کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہر چیز جو درمیان میں آئے ظاہر ہو جاتی ہے

باد پس بَدْو بادیہ ہوا اور بادیہ میں رہنے والے کو بَاد کہا جاتا ہے ۔ سواء العاکف فیه والباد (الحج ۲۲ ۔ ۲۵) لو انھم بادون فی الاعراب (الاحزاب ۳۳ ۔ ۲۰) ۔

سجدہ یوسف کو نہ تھا ماں باپ اور ماں یا باپ اور خالہ کو تخت پر بٹھانا انکی عزت کے لئے تھا ۔ اس پر سب سجدہ میں گرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرتے ہیں جیسا کہ خرّوا کے استعمال سے ظاہر ہے یہ سراسر غلط خیال ہے کہ یہ سجدہ یوسف کو تھا تو پھر حمد و تسبیح کس کی تھی؟ اور ظاہر ہے کہ جس کی حمد و تسبیح تھی اسی کو سجدہ تھا ۔ اور یہ کہنا کہ پہلی شرائع میں غیر اللہ کو سجدہ جائز تھا ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہدے کہ پہلی شرائع میں شرک جائز تھا ۔ شرک یا غیر اللہ کو سجدہ سب شرائع میں ناجائز تھا اور اصول دین ہمیشہ سے ایک ہی رہے ہیں ۔

یوسف کی تعلیم پانے پر سجدہ شکر تھا اور حضرت یوسف کا یہ فرمانا کہ یہ میرے رویا کی تعبیر ہے تو اس سے سجدہ مراد لینا دوسری غلطی ہے ۔ بلکہ اس رویا میں اسی یوسف کی عظمت و شوکت کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ سے سب نے سجدۂ شکر کیا ۔ اور خود حضرت یوسف اگلی آیت میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ تو نے مجھے حکومت اور علم دیئے ہیں یہی مراد سورج اور چاند اور ستاروں کے سجدہ کرنے سے تھی ورنہ یہ کونسی بڑی بات ہے کہ کسی شخص کو اپنے بھائیوں میں اس قدر عظمت حاصل ہو جائے کہ اس کی عظمت کا اعتراف کریں ۔ نوٹ ۱۵۱۶ میں اس رویا کی تعبیر کے متعلق مفصل لکھا جا چکا ہے ۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ ۱۰۱

میرے رب تونے مجھے حکومت سے حصہ دیا اور مجھے باتوں کے معنی سکھائے اے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○

اور زمین کے پیدا کرنیوالے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے مجھ کو فرمانبرداری کی حالت میں وفات دیجیو اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دیجیو ۱۵۸۸

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ○ وَمَآ ۱۰۲ ۱۰۳

یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو انکے پاس نہیں تھا جب انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کر لیا اور وہ باریک تدبیر کر رہے تھے ۱۵۸۹ اور

اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا تَسْـَٔــلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ۱۰۴

اکثر لوگ گو تم کتنا ہی چاہو ایمان لانیوالے نہیں ہونگے اور تو ان سے اسپر کوئی اجر نہیں مانگتا وہ صرف تمام قوموں کیلئے نصیحت ہے

حضرت یوسف نے کیسے لطیف پیرائے میں بھائیوں کا ذکر کیا ہے یہ نہیں کہا کہ میرے بھائیوں نے شیطان کے ورغلانے سے مجھ سے بُرا سلوک کیا بلکہ یہ کہا کہ شیطان نے مجھ میں اور ان میں فساد ڈلوایا گویا ان کا خاص قصور نہ تھا +

راستبازوں کی خواہش

۱۵۸۸ راستبازوں کی خواہش کیا پاک ہوتی ہے حکومت بھی ملی علم بھی ملا اور علم بھی علم دین ۔ مگر دل میں ایک ہی تڑپ ہے اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری میں جئیں اور مریں ۔ اور صلحا کے زمرہ میں ہوں ۔ یہی زندگی کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو سبق دیا تھا مگر کون آج قوم کی طرف توجہ کرتا ہے راستبازی کا پھل حکومت بھی ہے مگر جو حکومت کو پہلے چاہتے ہیں اور کہتے ہیں راستباز بعد میں بنیں گے ۔ وہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ پر نہیں چلتے ۔ وہاں اس میں محمد رسول اللہ صلعم اور آپکے ساتھیوں کو یہ بھی وعدہ ہے کہ جس طرح یوسف آخر کار بادشاہ بنے اور بھائیوں کو ان کے سامنے اعتراف عجز کرنا پڑا ۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی مخالفت کرنے والے بھی آخرکار مغلوب ہونگے اور مسلمانوں کو بادشاہت ملے گی ۔ اور چونکہ یہاں بھائیوں کے قائم مقام عرب کے لوگ نہیں اس لئے جس بادشاہت کا وعدہ دیا جاتا ہے ۔ وہ صرف عرب کی بادشاہت نہیں بلکہ اتنی بڑی بادشاہت ہے کہ جس سے عرب کے لوگ بھی فائدہ اُٹھائیں جس طرح یوسف کی بادشاہت سے بھائیوں نے فائدہ اُٹھایا پس اس میں صاف اشارہ عرب سے باہر کسی عظیم الشان بادشاہت کا ہے چنانچہ صحیح حدیث میں جو مسلم ترمذی ابوداؤد میں ہے ذیل کے لفظ آتے ہیں اِنَّ رَبِّیْ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ مُلْكَ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مَا زُوِیَ لِیْ مِنْهَا میرے رب نے زمین کو میرے لئے سکیڑ دیا یعنی اس کا نقشہ میرے سامنے پیش کیا اور مجھے اس کے مشرقی اور مغربی ممالک دکھلائے گئے اور میری اُمت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جو مجھے نقشہ میں دکھایا گیا +

مسلمانوں کو حکومت ملے گی اور اس سے باہر بادشاہت ملنے کی خبر

آنحضرت کی مخالفت اور اس کا انجام

۱۵۸۹ حضرت یوسف کے تذکرہ کو توفنی مسلما والحقنی بالصالحین پر ختم کر کے انتقال مضمون آنحضرت صلعم اور آپکے خلاف تدابیر کرنے والوں کی طرف کیا ہے چنانچہ اس آیت میں الفاظ وھم یمکرون وہ باریک تدابیر کر رہے ہیں صاف اس پر شاہد ہیں اور اگلی آیات کا مضمون بھی صاف یہی ظاہر کرتا ہے پس انباء الغیب سے مراد بھی وہ خبریں ہیں جو بطور پیشگوئی حضرت یوسف کے تذکرہ میں ہیں یعنی مخالفین کی سازشیں اور کوششیں اور سات سال کا قحط اور بالآخر ان کی ناکامی اور مغلوب ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آنا اور آنحضرت صلعم کا ان کو معاف کرنا اور آپ کو وسیع حکومت کا ملنا اور ان کا اس میں حصہ دار ہونا ۔ اور اگر حضرت یوسف کے تذکرہ کی طرف بھی ذٰلك من انباء الغیب میں اشارہ لیا جائے تو اس معنی سے بالکل بجا ہے کہ کتنی وہ باتیں قرآن شریف نے بیان کی ہیں

ع ۱۲ — سابقہ تذکرہ سے عبرت

۱۰۵ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝

اور آسمانوں اور زمین میں کتنے نشان ہیں جن پر لوگ گزرتے رہتے ہیں ۱۵۹۰ اور وہ ان سے منہ پھیرے ہوتے ہیں

۱۰۶ ۱۰۷ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ

اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک (بھی) ہیں ۱۵۹۱ تو کیا وہ اس بات سے نڈر ہو گئے

غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب کی بھاری مصیبت آ پڑے یا ناگہاں وہ گھڑی ان پر آ جائے اور وہ محسوس نہیں کرتے

جن سے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں حالانکہ بائبل میں وہ باتیں موجود نہیں اور وہاں یہ قصہ اس سے بڑھکر وقعت نہیں رکھتا جو کسی نے کہا ہے پیرے بود پسرے داشت گم کرد باز یافت +

اَیّ — **اَیُّہا۔ اَیَّتُہا** — **کَاَیِّن**

۱۵۹۰ کاین۔ اَیّ حرف استفہام ہے۔ ایہم یکفل مریم (آل عمران ۳-۴۳) ایہم اشد علی الرحمٰن عتیا (مریم ۱۹-۶۹) ایا ما تدعوا (بنی اسرائیل ۱۷-۱۱۰) اور ندا میں جب منادیٰ پر ال داخل ہو تو مذکر اور مؤنث میں اَیُّہا اور مؤنث میں اَیَّتُہا یا کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے جیسے یاایہا الناس یاایہا الذین اٰمنوا۔ یا الناس یا یا الرجل نہیں کہا جائیگا ایتہا العیر (۷۰) اور کَاَیِّن میں کَ حرف تشبیہ ہے اور اَیّ حرف استفہام اور ن تنوین کی جگہ ہے۔ اور یہ سب بمنزلہ ایک لفظ کے ہے جس کے معنی ہیں رُبَّ یعنی بہت (ل) +

آنکھوں سے کام لینے کی ضرورت

چونکہ اس رکوع میں عبرت دلانا مقصود ہے اس لئے بطور تمہید عام لوگوں کی حالت غفلت اور لاپرواہی کا ذکر کرتا ہے کہ کتنے نشانوں پر گزر جاتے ہیں مگر ان پر غور نہیں کرتے بلکہ آنکھیں بند کرکے گزر جاتے ہیں۔ ایک ہی چیز کو دو آدمی دیکھتے ہیں ایک کے نزدیک اس کی کچھ وقعت نہیں ہوتی دوسرا اس سے بڑے بڑے قیمتی سبق حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اپنی عادت ایسی بناؤ کہ ہر نشان سے عبرت حاصل کرو ہر تذکرہ سے فائدہ اٹھاؤ +

توحید کے ساتھ شرک

۱۵۹۱ ایک حالت تو کفار کی ہے کہ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شریک بھی ساتھ ٹھہراتے ہیں۔ کوئی مشرک قوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بھی ساتھ ساتھ اقرار کرتی ہے۔ عرب کے لوگ باوجود پتھروں اور درختوں اور بتوں کی پرستش کے ہندو باوجود اپنے کروڑہا دیوتاؤں اور دیویوں اور بتوں کے خدا کو ایک مانتے ہیں۔ سب سے بڑھکر عیسائی ہیں کہ تین خدا کہتے ہوئے خدا کو ایک بھی کہتے ہیں اور تین ایک اور ایک تین کے عقدۂ لاینحل کو قبول کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر فطرت انسانی کی شہادت ہے اور کوئی قوم اس فطری گواہی کا انکار نہیں کرسکتی گو اس فطرت کی شہادت کے ساتھ خواہشات نفسانی کو ملا کر اور بھی ہزارہا رب بنا لئے ہیں۔ مگر سب سے بڑھکر قابل افسوس مسلمانوں کی حالت ہے کہ جنہیں ہر قسم کے شرک سے پاک کرکے ایک توحید پر کھڑا کیا گیا تھا۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے ہوئے ہزارہا قسم کے شرک ساتھ ملا لئے ہیں من اتخذ الٰہہ ھوٰہ کا شرک تو خفی ہے مگر موٹے شرک جیسے قبر پرستی پیر پرستی انہوں نے مسلمان قوم کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اس موقعہ پر شرک کا ذکر اس لئے کیا کہ جو لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ اپنی آنکھوں سے اور اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اوپر ذکر آیات اللہ کی طرف توجہ نہ کرنے کا ہی تھا مسلمان بھی پیر پرستی میں پڑ کر اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ چکے ہیں اسلئے ان مصائب سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے جو خود ان پر وارد ہو رہی ہیں +

توحید پر فطرت کی شہادت

مسلمانوں میں شرک

وقف النبی علیہ السلام

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۱۰۸

کہو یہ میرا رستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو میری پیروی کرتے ہیں یقین پر قائم ہیں

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا ۱۰۹

اور اللہ سب نقصوں سے پاک ہے اور میں شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں ۱۵۹۲ اور ہم نے تجھ سے پہلے بھی بستیوں کے

رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

رہنے والوں میں سے مردوں کو ہی بھیجا تھا جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے تو کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر ان

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ ۱۱۰

لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے یہاں تک کہ جب رسول (لوگوں کی طرف سے) ناامید ہوگئے

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ

اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ انکے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہماری مدد انکے پاس آپہنچی سو جسے ہم نے چاہا بچ گیا

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے پھرا

الْمُجْرِمِيْنَ ۝

نہیں کرتا ۱۵۹۳

دعوت اسلام توحید خالص ہے

آنحضرت کی پیروی سے بصیرت حاصل ہوتی ہے

۱۵۹۲ جب یہ ذکر کیا کہ یہ تمام لوگ توحید کیساتھ شرک کو ملا رہے ہیں تو اپنے رستہ کا بھی ذکر کیا کہ وہ توحید خالص ہے جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ پھر ایک زبردست بات جو یہاں بیان فرمائی یہ ہے کہ میں جس بات پر قایم ہوں علی بصیرت ہوں میں ہی نہیں میرے پیرو بھی گویا اچھی طرح اس راہ کے حق ہونے کو دیکھ رہے ہیں اور یقین کامل سے اس پر قایم ہیں پس محمد رسول اللہ صلعم کی پیروی انسان کو علی بصیرت ایمان پر قائم کرنیوالی چیز ہے۔ افسوس کہ کتنے مسلمان ہیں جو آج آپکی پیروی کی برکت سے اس علی بصیرت مقام پر ہونے کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ انہیں اپنے دین کی صداقت کی دلائل کا کچھ علم ہی نہیں رہا اس سے زیادہ دوسرے لوگوں کو علم ہے حالانکہ ہر ایک مسلمان پر یہ حق تھا کہ وہ اپنے دین کی صداقت کی دلائل سے پورا واقف ہوتا تاکہ علی بصیرت اپنے مذہب پر ہو کر دوسروں کو بھی دعوت دے سکتا۔

رسولوں کی مشکلات

۱۵۹۳ یہاں بہت لوگوں کو ضمیروں کی غلط فہمی ہوئی ہے ظنوا میں مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف رسول بھیجے گئے یعنی انکو

۱۱۱ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن

بیشک ان کے ذکر میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں جو بنائی گئی ہو لیکن

تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

اسکی تصدیق ہو جو اس سے پہلے ہو اور ہر چیز کی تفصیل ہو اور ہدایت ہو اور ان لوگوں کیلئے رحمت ہو جو ایمان لاتے ہیں ۱۵۹۴

اس قدر مہلت دی جاتی ہو کہ وہ سمجھتے ہیں کہ رسولوں نے جو عذاب کے وعدے ہمارے ساتھ کئے تھے وہ سب انہوں نے جھوٹ ہی کہا تھا چنانچہ مفردات میں ہو اے ظنّ الْمُرْسَلُ الیہم ان الرُّسُلَ قد کَذَبُوْهُمْ فیما اَخْبرو هُمْ به انّهم اِنْ لم یُؤمنوا بِهِم نَزَلَ بہم العذابُ وانّما ظنّوا ذٰلك مِن اِمهالِ الله تعالیٰ اِیّاهم واِملائه لهم یعنی وہ لوگ جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے انہوں نے ظن کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ جو یہ خبر دی تھی کہ اگر تم ہم پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب اتریگا اور یہ ظن انہوں نے اس لئے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی اور لنبا وقفہ دیا اور رسولوں کے مایوس ہونے سے مراد صرف یہ ہو کہ جب ان کی تبلیغ کی طرف لوگوں نے توجہ ہی چھوڑ دی تو انہوں نے سمجھا کہ اب یہ قطعاً ایمان نہ لائینگے تو ایسے اوقات میں نصرت الٰہی آتی ہو اور فی الواقع نصرت الٰہی ہی کا نام رکھا جاتا ہو جب اسباب کوئی باقی نہ رہیں اور چاروں طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہو۔

نصرت الٰہی

قرآن تفصیل کل شیٔ ہے سے مراد

۱۵۹۴ ما کان یعنی ماکان القرآن یہ قرآن کوئی افترا کی بات نہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ پہلی وحی کی مصدق ہو دوسرے ان تمام اصول دین کی اس نے تفصیل کر دی ہو جو پہلی کتابوں نے مجمل چھوڑ دیئے تھے جیسے مسئلہ توحید نبوت معاد جنت و نار تقدیر وغیرہ۔ کیونکہ جس قدر قرآن کریم نے ان مسائل پر روشنی ڈالی ہو اور کسی کتاب نے نہیں ڈالی بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ڈالی اور قرآن کریم نے نہ صرف ان تمام باتوں کو بالتفصیل بیان کر دیا جو پہلے بیان نہ کی گئی تھیں بلکہ اس تفصیل میں دلائل بھی شامل ہیں یعنی جو دعویٰ کیا اس کی دلائل بھی دیئے۔ پھر اصول باطلہ کی تردید بھی کی ہیں فروع سو ان کا دروازہ قیامت تک کھلا ہی نبی کریم صلعم نے بھی بہت کچھ انہیں بیان کر دیا اور آئندہ وقتاً فوقتاً بھی ضرورتیں پیش آتی رہیں گی۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ یہ لوگوں کو راہ دکھاتی ہے اور سب ہی کو دکھاتی ہے اور چوتھی یہ کہ جو اسے مان لیتے ہیں ان کے لئے رحمت ہو جاتی ہو +

سورۃ الرعد مکیۃ وہی ثلث واربعون آیۃ وستۃ رکوعات

نام — اس سورت کا نام الرعد ہو اور اس میں چھ رکوع اور تینتالیس آیتیں ہیں۔ یہ نام اس لحاظ سے رکھا گیا ہو کہ وحی الٰہی کو قرآن شریف نے بار بار بارش سے تشبیہ دی ہو اور اس سورت میں بالخصوص یہ ذکر ہو کہ وحی الٰہی سے ہی مردہ دل زندہ ہوتے ہیں جس طرح بارش سے مردہ زمین میں جان پڑجاتی ہو اور بارش میں کڑک کو ان حملوں سے بھی تشبیہ دی ہو جو دشمن حق کے نیست ونابود کرنے کیلئے کرتے تھے اور اس سے مراد وہ مصائب بھی ہیں جو مخالفین حق پر آتی ہیں اور درحقیقت یہ مصائب اس تصادم کا نتیجہ ہوتی ہیں جو حق اور باطل کے درمیان ہوتا ہو جس طرح کڑک بھی بادل میں ایک تصادم کا نتیجہ ہو اس لئے دونوں پر اس کا اطلاق ہو تو اس سورت میں جہاں اسلام کی آخری کامیابی اور غلبہ کا ذکر ہو وہاں ان چھوٹی چھوٹی مصائب کا آنا اس آخری کامیابی کیلئے بطور نشان قرار دیا ہو اور اسی مناسبت سے اس کا نام الرعد رکھا ہو۔

خلاصہ مضمون — سب سے پہلے اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہو کہ وحی الٰہی سے انسان کیونکر فائدہ اٹھاتا ہو اور مثالیں دیکر سمجھایا ہو کہ زمین اور آسمانوں میں تمام نظم کا انحصار زوجیت پر ہو یعنی ایک چیز اثر ڈالنے والی موجود ہو تو دوسری اس کے بالمقابل اثر قبول کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح قلب انسانی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو اور بدون اس تعلق کے جو انسان اور خدا کے درمیان وحی الٰہی سے پیدا ہوتا ہو قلب انسانی اپنے کمال کو حاصل نہیں کرسکتا۔ پہلے رکوع میں یہ بیان کرکے دوسرے میں بتایا کہ تعلق باللہ کے نتائج اور درحقیقت کل اعمال کے نتائج عورت کے حمل سے مشابہت رکھتے ہیں یعنی اس عالم میں ظاہر کوئی نتیجہ کھلے طور پر نظر نہیں آتا مگر اندر ہی اندر وہ نتائج تیار ہوتے رہتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان نتائج کو قبول کرنیوالے دل مراتب میں فرق رکھتے ہیں اور ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہو۔ تیسرے رکوع میں ان لوگوں کے جو وحی الٰہی کو قبول کرتے ہیں اور ان کے جو اسے رد کردیتے ہیں انجام کا مقابلہ کیا چوتھے میں بتایا کہ قرآن کریم ایک طرف قلوب انسانی کے اندر اور دوسری طرف ظاہر میں بھی ایک انقلاب عظیم پیدا کرکے دکھائے گا۔ پانچویں رکوع میں بتایا کہ پیروان حق اور مخالفین حق میں ایک کھلا فیصلہ کرونگے اور چھٹے میں ان نشانوں کی طرف توجہ دلائی جو حق کی آخری کامیابی پر اس وقت بھی نظر آرہے تھے جب بظاہر اسلام چاروں طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا تھا اور بتایا کہ دشمنوں کے دلوں کو فتح کرتے چلے جانا اس کی آخری کامیابی کا بیّن نشان ہو۔

تعلق — الٓرا کے مجموعہ میں یہ چوتھی سورت ہو۔ اس سے پہلی سورت میں جب حضرت یوسفؑ کے ذکر میں سمجھایا کہ آخر کار محمد رسول اللہ صلعم کے سامنے آپکے دشمن اور آپ کے خلاف منصوبے کرنے والے کس طرح مغلوب ہونگے تو اس میں اسی حق کی آخری کامیابی اور اس کی وجوہات کو کھول کر بیان فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ اس آخری غلبہ کے نشان کس طرح اب بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔

زمانہ نزول — زمانہ نزول وہی ہے جو باقی اس مجموعہ کی سورتوں کا ہے۔ اس سورت میں جو دشمنوں کے مکر یعنی آنحضرت صلعم کے خلاف منصوبوں کا ذکر ہے وہ بتاتا ہے کہ یہ سورت ہجرت سے کچھ پہلے کی ہو۔ جب آپ کے خلاف منصوبے ترقی پر تھے۔ اور زمین کے گھٹانے کا ذکر جو آیت ۴۱ میں ہے بتاتا ہے کہ اسلام کی کامیابی اب دور دور ہونے لگی تھی اور غالباً مدینہ میں اسلام کے پھیل جانے کی طرف بھی اس میں اشارہ ہو۔ جس سے اس مجموعہ سور کے زمانہ نزول پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ یہ گیارھویں بارھویں سال ہجرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ — وحی الٰہی سے انسان کیونکر فائدہ اٹھاتا ہے

۱ الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

میں اللہ خوب جانتا اور دیکھتا ہوں یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ جو تیرے رب سے تیری طرف اُتارا گیا ہے حق ہے لیکن اکثر

۲ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى

لوگ نہیں مانتے ۱۵۹۵ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے بلند کیا جنہیں تم دیکھتے ہو پھر وہ عرش پر

عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

غالب ہے اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا ہر ایک ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے وہ کار و بار کی تدبیر کرتا ہے باتیں کھول کر بیان کرتا ہے

۳ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ

تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو ۱۵۹۶ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا

المرٰ

۱۵۹۴ المرٰ۔ کے معنی حضرت ابن عباس سے مروی ہیں انا اللہ اعلم و اریٰ (در) گویا الم میں جو ان سورتوں کے شروع میں آتا ہے مرٰ بڑھا دیا ہے جو اعلم کا قایم مقام ہے۔ اور اس میں حق کو تباہ کرنے والوں کی سزا کے ساتھ علمی رنگ میں ان کی آخری ناکامی اور نامرادی کی دلائل دیئے ہیں۔ اسی لئے یہاں علم اور رویت دونوں صفات کو جمع کیا ہے +

حقانیت قرآن

اٰیات الکتاب عموماً جہاں اس طرح کی ترکیب آئی ہے کہیں فرمایا تلک اٰیات الکتاب الحکیم جیسے سورۂ یونس کے شروع میں کہیں تلک اٰیات الکتاب المبین جیسے سورۂ یوسف کے شروع میں۔ دونوں جگہ وصف نے بتا دیا کہ قرآن شریف مراد ہے یہاں لفظ کو عام رکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جنس کتاب مراد ہے یعنی یہ وحی الٰہی کی آیات ہیں اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ جو تیری طرف نازل ہوا ہے حق ہے۔ اور اسی کی حقانیت پر اس سورت میں دلائل علمی بھی دیئے ہیں +

عمد تعمّد

۱۵۹۵ عمد۔ عَمْد کے معنی ہیں کسی چیز کا قصد کرنا اور اس سے سہارا لینا پس عَمْد اور تَعَمُّد خلاف سہو ہے یعنی ارادۃً ایک کام کرنا

عمود

ومن یقتل مومناً متعمداً (النساء ۴۔ ۹۳) ولکن ما تعمدت قلوبکم (الاحزاب ۳۳۔ ۵) اور عَمُود خیمہ کی چوب کو کہتے ہیں جس پر خیمہ کا سہارا ہوتا ہے اور ہر چیز جس پر انسان سہارا لے لوہے کی ہو یا لکڑی کی یا ستون اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اس کی جمع

عمد

عُمُد اور عَمَد آتی ہے فی عمد ممددۃ (الھمزۃ ۱۰۴۔ ۹) (غ) +

آسمانوں کے غیر مرئی ستون

رفع السمٰوات بغیر عمد ترونھا۔ ابن عباس اور مجاہد سے یہ معنی مروی ہیں اور الفاظ بھی خود اسی معنی کو چاہتے ہیں کہ آسمانوں کو بلند رکھا ہوا ہے بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھتے ہو گویا آسمانوں اور زمین کے درمیان کوئی ایسے ستون ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے یعنی ان کا باہم کوئی تعلق تو ہے مگر وہ ان آنکھوں سے نظر آنے کے قابل نہیں۔ اور چونکہ یہاں ساری بحث ہی بعض تعلقات پر ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے جیسے سورج اور چاند کا تعلق یا جیسے زمین اور آسمان کا تعلق۔ یا جیسے پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق رات اور دن کا تعلق وغیرہ اس لئے یہی معنی درست ہیں اور آج سائنس بھی اس بات پر شہادت دیتا ہے کہ ہر ایک نظام کے اندر وہ تعلقات

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ

اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے۔ اور ہر قسم کے پھلوں سے اس میں دو دو زوج

اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

بنائے وہ دن پر رات کا پردہ ڈالتا ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں ۱۵۹۷

موجود ہیں جو اس کو قایم رکھے ہوئے ہیں۔ بغیر ان تعلقات کے جیسے کشش ثقل وغیرہ یہ نظام قایم نہیں رہ سکتا۔ سو یہی وہ ستون ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے +

نظام سماوی میں تعلقات اور ما فوقیت

قرآن کریم کے حق ہونے کے دعوی کے بعد فوراً یہ مضمون شروع ہو جاتا ہو کہ آسمان ایسے بنائے اور سورج اور چاند سے یہ کام لیا اور اس کا نتیجہ بھی بتایا کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ ان باتوں کا باہم کیا تعلق ہو۔ قرآن شریف نے بڑی کثرت سے ظاہر امور کو امور باطنی کے لئے بطور شہادت پیش کیا ہو اور صحیفۂ قدرت کے نظاروں سے عالم روحانیت کے نظاروں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لقاء اللہ یا اللہ کی ملاقات یہ چاہتی ہو کہ انسان اور اس کے رب کے درمیان کوئی تعلق ہو جسے حاصل کئے بغیر نہ صرف انسان کمال کو ہی نہیں پہنچ سکتا بلکہ وہ سارا نظم ہی تباہ ہو جاتا ہو۔ اور مذہب کی اصل غرض اسی تعلق کی طرف توجہ دلانا ہو اس لئے فرمایا کہ مخلوق پر غور کرو وہاں تم بڑے سے بڑے اجرام میں بھی ایک تعلق کو موجود پاؤ گے جس تعلق سے ہی وہ اپنے وجود کی غرض کو پورا کر رہے ہیں اور جس کے قیام بغیر نظام عالم تباہ ہو جائے۔ مثلاً یہی نظام شمسی لے لو جو ہماری زمین کیلئے بمنزلہ ایک سماء کے ہے یہ سب نظام کواکب اور سورج کے ایک دوسرے سے تعلقات پر مبنی ہو اسی طرح پر اس نظام کا تعلق کسی اور نظام سے ہو جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے ثابت کیا ہو پھر سورج اور چاند کے لفظ لا کر توجہ دلائی کہ کس طرح سورج کے نور کا اثر چاند قبول کرتا ہے حالانکہ چاند بالذات روشن نہیں اور یدبر الامر کہکر توجہ دلائی کہ اس عالم کا سارا نظام کا مدار کل تدبیر اسی ایک اصول پر ہے کہ ایک چیز اثر ڈالتی ہو اور دوسری اثر قبول کرتی ہو یفصل الآیات یوں ہم کھولکر باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو یقین آجائے کہ لقاء اللہ بھی ایک حقیقت ہو یعنی اسی طرح انسان کا بھی ذات باری سے ایک تعلق ہو جو گو آنکھوں سے نظر نہیں آتا مگر ان اولیاء کی زندگیوں میں نظر آتا ہو جو اس تعلق کو کمال کو پہنچاتے ہیں کہ کس طرح وہ عام انسانوں سے ممیز ہو جاتے ہیں اسی مضمون کو اگلی آیت میں اور واضح کیا ہو اور دوسری جگہ صراحت سے بیان فرمایا ہو والسماء بنینٰھا بایید وانا لموسعون والارض فرشنٰھا فنعم الماھدون ومن کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون ففروا الی اللہ (الذٰریٰت ۵۱ - ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰) اے انسان غور کر کہ آسمان کو ہم نے کس طرح وسعت دی ہو اور زمین کو کیا اچھا بچھایا ہو دبا ہیں ان دونوں میں کیا تعلق رکھا ہو کہ ایک میں اثر ڈالنے کا مادہ ہو تو دوسرے میں اثر قبول کرنے کا اگر ایک بھی ان دونوں میں سے اپنا کام چھوڑ دے تو کس طرح یہ نظام بگڑ جاتا ہو۔ پھر ان دو پر کیا انحصار ہو، ہم نے ہر چیز کے ہی جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں د ساری مخلوق میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک چیز کے اثر ڈالنے اور دوسری کے اثر قبول کرنے سے ہی سلسلۂ نظام عالم چلتا ہو پس اے انسان تو بھی اللہ کی طرف بھاگ کیونکہ اس کے بغیر وہ نظام روحانی قایم نہیں رہ سکتا جو انسان کی زندگی کی علت غائی ہو +

انسان کا تعلق خدا سے

ہر چیز کے اندر زوج

۱۵۹۷ رفع سماوات کے مقابل یہاں مد الارض سے شروع کیا اور یوں آسمان اور زمین کے تعلق زوجیت کی طرف توجہ دلائی ہو۔ پھر جس طرح وہاں سورج اور چاند ہیں۔ یہاں پہاڑوں اور دریاؤں کا کیا عجیب تعلق ہو کہ پہاڑ بادلوں کو کھینچتے ہیں اور جہاں پانی برستا ہے تو اس سے دریا بنتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ تمام قسم کے پھلوں میں بھی جوڑے ہیں یہ بھی ایک حقیقت

۴ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ

اور زمین میں پاس پاس قطعے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتی اور کھجوریں ایک ہی جڑ سے کئی کئی نکلی ہوتی ہیں

وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ

اور الگ الگ جڑوں سے نکلی ہوئی ہر ایک کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم انہیں بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں

۵ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَأٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ○ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَءِذَا

یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۱۵۹۸ اور اگر تو تعجب کرے تو ان کا یہ کہنا عجب ہے کہ کیا جب ہم

كُنَّا تُرٰبًا أَءِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ

مٹی ہو جائینگے تو پھر ایک نئی پیدائش میں آئیں گے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں اور یہی ہیں

الْأَغْلٰلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ○

جن کی گردنوں میں زنجیریں ہیں اور یہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہینگے ۱۵۹۹

جبتک آج ہی دنیا کو علم ہوا زمانہ نزول قرآن کیوقت دنیا اس سے بیخبر تھی۔ پھر اور ترقی کر کے فرمایا رات کی تاریکی کا پردہ دن پر ڈالتا ہے گویا رات اور دن میں بھی ایک تعلق زوجیت ہے۔ ورنہ رات دن کو ثمرات سے کیا تعلق۔ فرمایا نشان تو اس میں ہیں مگر فکر کرنے بغیر ان کا علم نہیں ہوتا +

۱۵۹۸ قطع قطعۃ کی جمع ہے ایک ٹکڑا قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ (یونس ۔ ۲۷) اور قِطْعٌ اور قِطْعَۃٌ کے ایک ہی معنی ہیں فاسر باھلک بقطع من اللیل (ھود ۔ ۸۱) — قِطْعٌ ۔ قِطْعَۃٌ

متجاورات جار کے معنی ہیں ہمسایہ اور پھر محض قرب پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ اور جاوَرَ تجاوَرَ کے معنی ہیں ایک دوسرے کے پاس ہونے لا یجاورونک فیہا الا قلیلا (الاحزاب ۔ ۶۰) (غ) اور مُتَجَاوِرٌ ایک دوسرے کے پاس + — جاوَرَ ۔ تجاوَرَ ۔ متجاور

صنوان ۔ صِنو شاخ جو درخت کی جڑ سے نکلے اور صِنْوَانِ اس کا تثنیہ اور صِنْوَانٌ جمع ہے (غ) + — صِنو

جب یہ بیان کیا کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے زوج کا ہے باوجود اس تعلق کے اختلاف مراتب کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ اختلاف خود اس استعداد سے بھی پیدا ہوتا ہے جو قبولیت کے لئے چیزوں میں ہے چنانچہ زمین تو ایک ہی ہے مگر اس کے مختلف قطعات کو دیکھو کہ پاس پاس قطعات ہوتے ہیں پھر ان میں سے بعض ایک قسم کے پھل کو اچھا اگاتے ہیں بعض دوسری قسم کے پھر باوجود اسکے کہ ایک ہی پھل ہو اور ایک ہی پانی ملتا ہو انکے ذائقوں میں اختلاف ہوتا ہے اسی لحاظ سے یہاں اُکُل اختیار کیا ہے کہ پھل اور ذائقہ دونوں پر آسکے اس کے معنی کیلئے دیکھو ۱۰۲۲ اس میں مسئلہ تناسخ کی بھی تردید کر دی ہے کہ اگر انسانوں میں اختلاف مراتب ہے تو یہ اختلاف تقاضائے قدرت سے ہے بدون اس اختلاف کے دنیا رہ ہی نہیں سکتی بیشک کہ زمین کے مختلف قطعات میں بھی اختلاف ہے پس جن لوگوں نے محض اختلاف مراتب استعداد انسانی کو دیکھ کر یہ خیال کر لیا ہے کہ یہ کسی پہلی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے انہوں نے عقل سے کام نہیں لیا ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ اختلاف تمام عالم میں موجود ہے اور موجودات اس اختلاف کے بغیر رہ ہی نہ سکتی تھیں۔ اختلاف مخلوق کا ہاں اس اختلاف میں جو وحدت نظر آتی ہے وہ اسبات کی شہادت ہے کہ ایک ہی خالق کے ہاتھ سے یہ نکلی ہوئی چیزیں ہیں + — اختلاف مراتب انسانی ۔ تردید تناسخ

۱۵۹۹ اغلال ۔ غَلَّ کے معنی درمیان میں ہونا ہیں۔ اور غُلّ وہ چیز ہے جس سے انسان قید کیا جائے یعنی اسکے اعضا اکٹھے باندھ کر — غُلّ ۔ اغلال

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۗ

اور بھلائی سے پہلے تجھ سے دکھ کی جلدی کر رہے ہیں اور ان سے پہلے عبرتناک مثالیں گزر چکی ہیں

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اور یقیناً تیرا رب لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کرتا رہتا ہے اور یقیناً تیرا رب بدی کی سزا دینے میں سخت بھی ہے ۱۶۰۰

اغلال سے مراد

درمیان میں کر دیئے جائیں اس کی جمع اَغلال ہے۔ اور انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا (یٰسٓ ۳۶-۸) سے مراد ہے منعنھم فعل الخیر یعنی انہیں نیکی کے کاموں سے روک دیا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا دلوں پر مہر وغیرہ کا لگانا (غ)، اور والاغلال التی کانت علیھم میں زجاج کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی وہ رسوم ہیں جن میں جکڑے ہوئے تھے یا ایسی باتیں جو ان میں روک کے طور پر تھیں جیسا مثال کے طور پر کہتے ہیں ھٰذا طوق فی عنقك حالانکہ طوق فی الحقیقت مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ تم پر لازم کر دیا گیا ہے اور اذ الاغلٰل فی اعناقھم (المؤمن ۴۰-۷۱) میں مراد ایسے اعمال ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں (ل)، اور تفاسیر میں بھی یہاں یہ معنی جائز قرار دیتے ہیں کہ مراد یا ان سے رکنا وغیرہ ہے (د) یا ان کے بُرے رسوم و رواج جو زنجیروں کی طرح ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں (ح)

بعث بعد الموت اور مومن کا انکار

قوائے روحانی کا نشوونما

تعلق باللہ کا کمال چونکہ زندگی بعد الموت میں حاصل ہوتا ہے اس لئے اب مضمون کا انتقال اس طرف کیا ہے اور اس زندگی بعد الموت کو خلق جدید یا ایک نئی پیدایش قرار دیا ہے وہ یہ زندگی نہیں اور دوسری جگہ صفائی سے فرمایا و ننشئکم فی ما لا تعلمون (الواقعۃ ۵۶-۶۱) یعنی ایسی زندگی تمہیں دینگے جس کو تم نہیں جانتے۔ اس خلق جدید کے انکار کو انکار رب قرار دیا ہے۔ اولئك الذین کفروا بربھم۔ اس لئے کہ گو ایسے لوگ خدا کو مانتے ہوں مگر اس کی صفت ربوبیت کا وہ انکار کرتے ہیں کیونکہ اس کی صفت ربوبیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کو اس کے کمال روحانی تک پہنچائے۔ اور وہ کمال زندگی بعد الموت میں حاصل ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہیں یعنی جو لوگ لقاء اللہ کے منکر ہوتے ہیں ان کے قوائے روحانی نشوونما پانے سے رک جاتے ہیں جس طرح وہ شخص جس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے جائیں کاروبار سے رک جاتا ہے اور یہ سچ ہے کہ لقاء اللہ سے انکار کر کے قوائے روحانی کا نشوونما رک جاتا ہے اور اس طرح رک جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اصحاب النار ہیں گویا قوائے روحانی کے نشوونما سے جنت پیدا ہوتی ہے اور ان کے نشوونما کے رک جانے سے آگ پیدا ہوتی ہے اور یہی انسان کا دوزخ ہے ومن کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی (بنی اسرائیل ۱۷-۷۲)۔

مَثُلَٰة

مرک
۱۶۰۱ مثلٰت۔ مَثُلَۃ کی جمع ہے۔ اور وہ وہ سزا ہے جو انسان پر آئے سو اس کو ایک مثال بنا دے جس سے دوسرے ڈر جائیں (غ)، بخاری میں ہے کہ یہ مَثَلَۃ کی جمع ہے جس کے معنی اشباہ و امثال ہیں۔

دکھ کو بھلائی سے پہلے چاہتے ہیں اور اس کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر حق کو قبول کریں اس پر عمل کریں تو ان کے لئے بھلائی ہے اگر اسے رد کریں تو ان کے لئے دکھ ہے پس رد کرنے میں جلدی کرنا گویا دکھ کے لئے جلدی کرنا ہے۔ اپنے فائدہ کی بات کو چھوڑ کر دکھ کو قبول کرتے ہیں اور یہ بھی غور نہیں کرتے کہ پہلے لوگوں نے یہی راہ اختیار کر کے کیسی سزا پائی۔

۷ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ

اور جو کافر ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس پر اپنے رب کی طرف سے (ہلاکت کا) نشان کیوں نہیں اُتارا جاتا۔ تو صرف ڈرانیوالا ہے

ع ۲ / ۱۱

تعلق باللہ کے نتائج

۸ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ۝

اور ہر قوم کیلئے راہ دکھانیوالا ہے ۱۶۰۱ اللہ جانتا ہے جو ہر ایک مادہ حمل میں لیتی ہے اور جسے رحم تکمیل کو نہیں پہنچاتے اور جسے وہ بڑھاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز اسکے ہاں اندازہ سے ہے ۱۶۰۲

مطالبۂ نشان ہلاکت اور اس کا جواب

ع ۱۶۰۱ آیۃ سے مراد یہاں وہی نشان ہلاکت ہے جس کی طرف پچھلی آیت میں بھی اشارہ ہے یستعجلونک بالسیئۃ یعنی حق کی مخالفت کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کی وجہ سے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا تو کہتے ہیں وہ نشان ہلاکت کیوں نہیں آتا جس سے ڈرایا گیا تھا۔ اس کا جواب دیا ہے کہ نبی صرف منذر ہے یعنی بدی کے بد انجام سے ڈرا دینا اس کا کام ہے اس انجام کو لانا اس کے اختیار میں نہیں یہ نشان کا انکار نہیں بلکہ بتایا ہے کہ جب ڈرایا جاتا ہے تو وہ عذاب بھی آکر ہی رہے گا۔ اور یہ جو بڑھایا ولکل قوم ھاد تو مطلب یہ ہے کہ چونکہ آپ کو ہر قوم کا ہادی بنا کر بھیجا گیا ہے اس لئے وہ باتیں جن سے آپ ڈراتے ہیں وہ بھی ہر قوم کے لئے ہیں پس جو کوئی قوم بھی آپ کی مخالفت کرے گی اسی کے لئے یہ انذار بھی ہے۔ یہ آیت علاوہ اس کے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت عامہ کا ذکر کرتی ہے ختم نبوت پر بھی دلیل ہے اس لئے کہ کل اقوام عالم کی ہدایت اور انذار ہمیشہ کیلئے آپکے سپرد کیا گیا۔ عذاب انذار کا نتیجہ ہے جب انذار آپ کی طرف سے ہوا تو عذاب بھی جو آئے گا وہ آپکے انکار کی وجہ سے آئیگا اور یہ انذار اگر آپ کے پیرو کریں تو بھی آپ کی طرف سے ہی ہوگا کیونکہ اس حق کے بعد جو نبی صلعم لائے دوسرا کوئی حق آنیوالا نہیں بعض نے ولکل قوم ھاد کے معنی یوں بھی کئے ہیں کہ ہر قوم میں ایک ہادی ہو گزرا مگر یہ معنی یہاں موزون نہیں +

حَمَلَ یَحْمِلُ

اِحْتَمَلَ

ع ۱۶۰۲ حمل یحمل۔ ظاہری بوجھ پر اور حَمل باطنی بوجھ پر بولا جاتا ہے جیسے پیٹ میں بچہ اور بادل میں پانی اور درخت میں پھل وان تدع مثقلۃ الی حملھا (فاطر ۳۵۔۱۸) اور اِحْتَمَلَ اور حَمَلَ کے ایک ہی معنی ہیں (غ) +

نتائج اعمال کی تشبیہ حمل سے

پیچھے بھی اعمال کی جزا و سزا کا ذکر ہے اور آگے بھی اور درمیان میں یہ ایک آیت ہے پس اس سے مراد صرف اس قدر لینا کہ اللہ کو یہ علم ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا یا لڑکی ہے اور مدت حمل آٹھ یا نو یا دس مہینے ہے درست نہیں۔ بلکہ جس طرح پچھلے رکوع میں آسمان اور زمین کی اور پھر ہر شے میں ایک اثر ڈالنے والے اور ایک اثر قبول کرنے والے کی مثالیں دی تھیں اسی طرح یہاں عورت کے حمل کو بطور ایک مثال کے بیان کیا ہے۔ گویا عمل کرنے والا بمنزلہ ایک مادہ کے ہے اور جو عمل وہ کرتا ہے وہ بطور حمل کے ہے جس طرح عورت کے پیٹ میں وہ چیز نظروں سے مخفی ہوتی ہے جو اندر ہی اندر تیار ہو رہی ہے اسی طرح اعمال کے نتائج نظروں سے مخفی ہوتے ہیں لیکن ایک صورت وہ اندر ہی اندر تیار کرتے جاتے ہیں۔ گویا وحی الٰہی اثر ڈالنے والی چیز ہے انسان اثر قبول کرنے والا ہے۔ اعمال جو اس اثر سے پیدا ہوتے ہیں وہ بمنزلہ حمل کے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ بعض کو رحم تکمیل تک نہیں پہنچاتے اور بعض کو بڑھاتے ہیں تو یہی حالت اعمال میں ہے بعض وقت ایک انسان اچھے عمل کرتا ہے جنسے اچھے نتائج کی توقع ہونی چاہئے مگر یک مرتبہ کوئی ایسی آفت آجاتی ہے کہ وہ نتیجہ تکمیل پذیر ہونے سے رہ جاتا ہے جس طرح حمل بعض وقت پوری پرورش نہ پانے کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور بعض پوری قوت پاکر کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور آخر پر کل شیء عندہ

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ ۱۰

وہ غائب اور حاضر کا جاننے والا۔ بڑا بہت بلند ہے ۱۶۰۳ (اسکے نزدیک سب) برابر ہیں جو تم میں سے بات کو چھپائے اور جو اسے

جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ○ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ ۱۱

پکار کر کہے اور جو رات کو چھپ جاتے اور جو دن کو چل رہا ہو ۱۶۰۴ اس کیلئے اس کے آگے اور پیچھے

بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

(اعمال کو) پیچھا کرنیوالے ہیں جو اسے اللہ کے حکم سے محفوظ کر لیتے ہیں یقیناً اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○

جانوں کی حالت کو (نہ) بدلیں اور جب اللہ کسی قوم کیلئے تکلیف کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کسی طرح رد نہیں ہو سکتی اور ان کیلئے اسکے سوا کوئی مددگار نہیں ۱۶۰۵

بعقد ادکھکر انہی نتائج اعمال کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی ہر چیز کا (اور یہاں ذکر بالخصوص اعمال کا ہے) اسی پر قیاس کرو۔ چنانچہ اگلا سارا مضمون اس معنی کی تائید کرتا ہے یہانتک کہ آیت ۱۱ میں صاف فرمایا کہ ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کے محفوظ کرنیوالے فرشتے محفوظ کرتے رہتے ہیں گویا وہ ایک نتیجہ پیدا کرتا رہتا ہے +

کبر- الکبیر- المتکبر ۱۶۰۳ الکبیر- کبر کیلئے دیکھو ۳۳ اور کِبَر کے معنی رفعت اور شرف بھی ہیں یا شرف میں رفعت۔ اور الکبیر اور المتکبر

کِبْرِیاء اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اسی معنی میں ہیں یعنی عظمت و کبریاء والا۔ اور کبریاء کمال ذات اور کمال وجوب پر دلالت کرتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کے وصف میں نہیں آتا (ت)۔ اور چونکہ کبیر اور صغیر نسبتی اسماء ہیں اور کبیر کا اطلاق بمعنی

اکبر رئیس وغیرہ بھی ہو جاتا ہے جیسے انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر (طٰہٰ ۲۔۷۱)، اس لئے اللہ اکبر میں یہ بتانا مراد ہے کہ وہ سب سے بڑا ہے۔ جیسے الاعلیٰ میں دوسروں پر اس کا علو مراد ہے +

عُلُوّ- عَلاءٌ المتعال- عُلُوّ پستی کی ضد ہے اور علا یعلو اسے مصدر عُلُوّ اور عَلِیَ یَعْلیٰ سے علاءٌ ہے اور ان میں سے پہلا اچھے اور برے دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دوسرا صرف اچھے معنی میں اور پہلے کی مثالیں قرآن شریف میں بہت ہیں ان فرعون

علا علا فی الارض (القصص ۲۸۔۴)، وکانوا قوماً عالین (المؤمنون ۲۳۔۴۶) لایریدون علوا فی الارض (القصص ۲۸۔۸۳)

عَلِیَ- تعالیٰ ولتعلن علوا کبیرا (بنی اسرائیل ۱۷۔۴) اور دوسرے یعنی عَلِیَ سے عَلِیٌّ ہے جس کے معنی رفیع القدر ہیں اور مراد یہ ہے کہ وہ اس سے بلند ہے کہ وصف کرنے والوں کا وصف یا عارفوں کا علم اس کا احاطہ کرسکے۔ اور تعالیٰ سے بھی یہی مراد ہے اور باب تفاعل

متعال اس صورت میں مبالغہ کے لئے ہے (غ)، اسی سے متعال ہے +

استخفاء ۱۶۰۴ مستخف خَفِیَ کے معنی چھپ گیا اور اِخفاء چھپانا اِستخفاء طلب اخفاء یعنی چھپانے کی کوشش کرنا لیستخفوا منہ (ھود ۱۱۔۵) (غ)، اسی سے مُستخفی اسم فاعل ہے +

سَرَب سارب۔ سَرَب کے معنی نشیب کی طرف جانا ہیں فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا (الکہف ۱۸۔۶۱) اور سارب کے معنی چلنے والے کے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں ان خفیہ منصوبوں اور کھلی شرارتوں کی طرف بھی اشارہ ہو جو نبی کریم صلعم کے خلاف کی جاتی تھیں +

تعقیب- معقب ۱۶۰۵ معقبات۔ عَقِب سے ہے اور تعقیب کے معنی ایک چیز کو دوسری کے پیچھے لانا ہیں لامعقب لحکمہ (الرعد ۱۳۔۴۱) یعنی جب کا

۱۲ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ

وہی ہے جو تمہیں ڈراتا ہوا اور امید دلاتا ہوا (بجلی کی) چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے ۱۶۰۶

معقبات

حکم جانے تو پھر اسکے پیچھے کوئی دوسرا حکم لانیوالا نہیں مطلب یہ کہ آخری حکم اسی کا ہے اس کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔ اور معقبات کے معنی کئے گئے ہیں وہ فرشتے جو انسان کی حفاظت کرتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں (غ) اور جو شخص ایک کام کرے پھر اس کی طرف عود کرے تو یہ تعقیب ہے اسی لئے اس شخص کو مُعَقِّب کہا جاتا ہے جو نماز کے بعد نماز پڑھتا ہے یا غزوہ کے بعد غزوہ کرتا ہے (ل) اور یا ملائکہ کو معقبات اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ وہ انسان کے اقوال اور افعال کا پیچھا کرتے ہیں یعنی سب لکھکر محفوظ کرتے چلے جاتے ہیں (ر) اور معقبۃ میں تا مبالغہ کے لئے ہے یا معقبۃ معقب کی جمع ہے اور معقبات جمع الجمع ہے۔

معقبات سے مراد کراماً کاتبین ہیں۔

معقبات کون ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مصائب وغیرہ کے پہنچنے سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر یہ معنی نہ تو لفظ معقبات کے لحاظ سے چسپاں ہیں اور نہ ہی سیاق وسباق کے لحاظ سے۔ معقبات کے ایک معنی کے لحاظ سے یہ وہ فرشتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور یہ فرشتے وہی ہیں جو انسان کی حسنات اور سیئات کو لکھنے والے ہیں اور یہی ملائکۃ اللیل اور ملائکۃ النہار کہلاتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے تو بالکل صاف ہے انہم یعقبون اقوال الشخص و افعالہ ای یتبعونہا ویحفظونہا بالکتابۃ پس یہ وہی ملائکہ ہیں جن کو دوسری جگہ کراماً کاتبین کہا ہے اور سیاق اور سباق کے لحاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہاں ذکر انسان کی بلاؤں سے حفاظت کا نہیں ہے بلکہ اس کے اعمال کی حفاظت کا ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت سے اور اگلے الفاظ لا یغیر ما بقوم سے ظاہر ہے۔ اور خود قرآن کریم کی شہادت بھی بالصراحت موجود ہے کہ انہیں ملائکہ کو حافظ اور نگہبان کہا گیا ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (قٓ-۱۸) کوئی بات منہ سے نہیں نکلتی مگر اس کے پاس ایک حفاظت کرنیوالا تیار رہتا ہے۔ اور دوسری جگہ ہے وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون (الانفطار-۱۱و۱۲) تم پر حفاظت کرنے والے ہیں کراماً کاتبین وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو اور یہی مراد یحفظونہ من امر اللہ سے ظاہر ہے اور یحفظونہ میں ضمیر یا اس عمل کیطرف ہے جو انسان کرتا ہے۔ اور یا خود کرنے والے انسان کیطرف ہے کہ اس کی حفاظت سے مراد اس کے اعمال کی ہی حفاظت ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو حفاظت کے قابل ہے اور اس کتاب کے متعلق ہی دوسری جگہ فرمایا وعندنا کتٰب حفیظ (قٓ-۴)۔

اعمال کی ذمہ واری کا احساس کامل اسلام نے پیدا کیا

اعمال کی ذمہ واری کے احساس میں ہی شرف انسانیت ہے جس قدر انسان ترقی کرتا چلا جاتا ہے اسی قدر اس میں اپنے اعمال کی ذمہ واری کا احساس زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور اس احساس ذمہ واری کو مذہب نے اور بالخصوص اسلام نے کمال تک پہنچا دیا جب یہ قانون بتا دیا کہ کسی حال میں ہو ہر ایک عمل لکھ لیا جاتا ہے یعنی محفوظ کر لیا جاتا ہے اس لئے کوئی عمل بھی انسان کا بلا نتیجہ نہیں رہتا اس اصول کے تسلیم کرنے میں نسل انسانی کی حقیقی بہتری ہے اس لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کوئی قوم اپنی بہتری چاہتی ہے تو اسکے

قوم کی حالت کیونکر بدل سکتی ہے

افراد اپنی حالت کو تبدیل کریں بدوں اس کے قوم کی حالت بہتر نہیں ہو سکتی آج مسلمان اس اصول کو فراموش کر کے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں اور اپنے نفسوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو وہ ٹلتا نہیں تو مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تو انسان کے اعمال پر ہے۔ جب ایک قوم کے اعمال کا یہ تقاضا ہو جاتا ہے کہ اس پر مصیبت آئے تو پھر وہ ویلاے معدوم نہیں ہوتا ہاں پھر بھی اصلاح کریں تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر دیتا ہے۔

برق - رعد

۱۶۰۶ برق۔ وہ چمک اور رَعْد وہ گرج ہے جو بادل سے پیدا ہوتی ہے۔

ثقال

السحاب الثقال۔ ثقال۔ ثقیلۃ کی جمع ہے بھاری سحاب چونکہ اسم جنس ہے اس لئے اس کی صفت جمع لائی گئی۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ ۱۳

اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا رہتا ہے پھر جس پر

بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ لَهٗ دَعْوَةُ ۱۴

چاہتا ہے انہیں گراتا ہے اور وہ اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہیں اور وہ بڑی قوت والا ہے ۱۶۰۷ سچی دعا اسی کے

الْحَقِّ ۚ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ

لئے ہے اور وہ جنہیں وہ اس کے سوائے پکارتے ہیں وہ انہیں کوئی بھی جواب نہیں دیتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں

كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

ہاتھ پانی کی طرف پھیلاتا ہے تاکہ وہ اس کے منہ تک آ پہنچے اور وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی دعا ضائع ہی ہوگی ۱۶۰۸

محال

۱۶۰۷ محال۔ کا اصل مَحْلٌ سے ہے اور اس کے معنی عقوبت کا وارد کرنا ہیں اور بعض کے نزدیک مِحَال کا اصل حَوْلٌ بمعنی قوت ہے (ر)۔

وحی کی مثال بارش سے

چونکہ اس رکوع کا مضمون بھی صداقت وحی ہے اور قرآن کریم میں وحی کی مثال بارش سے دی ہے او کصیب من السمآء فیہ ظلمات ورعد وبرق (البقرۃ۔۱۹) اسی مناسبت سے یہاں بارش اور بادل اور رعد اور برق کا ذکر کیا ہے اور آگے آیت ۱۷ میں اس کی اور وضاحت کر دی ہے وحی الٰہی کو نزول باران سے یہ مشابہت ہے کہ جس طرح بارش سے زمین کی مخفی طاقتیں کام کرنے لگ جاتی ہیں وحی الٰہی سے بھی انسانوں کی مخفی طاقتیں کام کرنے لگ جاتی ہیں اور ایک مردہ قوم میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی کچھ مشکلات بھی ہوتی ہیں اور صاعقہ کے بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس باران رحمت سے فائدہ اٹھائیں الٹا جھگڑا کر کے اس کے تباہ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر کچھ عذاب بھی آتا ہے مگر آخری نتیجہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ہے دکھ اور تکلیف کی بھی یہی غرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح ہو۔

تعلق باللہ سے ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے مِن دون اللہ سے نہیں

۱۶۰۸ له دعوة الحق۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی جاتی ہے وہ برمحل ہے اور قبول ہوتی ہے یا اس کا فائدہ پہنچتا ہے اور اس دعوت یا دعا سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے مضمون یہاں بھی وہی ہے جو پیچھے چلا آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر یہاں اسے توحید کی طرف منتقل کر کے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے جو اور بتوں وغیرہ سے تعلق پیدا کیا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ دی ہے کہ ایک پیاسا آدمی ہاتھ پھیلا کر پانی سے آرزو کرتا ہے کہ وہ خود چل کر اس کے منہ تک پہنچ جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ قوتیں دی ہیں کہ وہ ان سب چیزوں کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے اور وہ اس کی خادم ہیں مگر غلط کار انسان انہیں اپنا مخدوم بنا لیتا ہے اور اپنی پیدائش اور ان چیزوں کی پیدائش کی علت غائی کو بھی باطل کرتا ہے

کافر کی دعا

دعاء الکافرین سے مراد یہاں وہی دعا ہے جو وہ اپنے بتوں وغیرہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور کافر جو بعض وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ مشرکوں کے ذکر میں آتا ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو بھی سن لیتا ہے دعوا اللہ مخلصین له الدین لئن انجیتنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین فلما انجٰھم (یونس ۔ ۲۲ و ۲۳)۔

السجدة

۱۵ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں چار و نا چار اللہ کو ہی سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح اور شام سجدہ کرتے ہیں[۱۶۰۹]

طوعًا و کرہًا سجدہ

۱۶۰۹ طوعًا و کرھًا ـ طَوعٌ انقیاد یعنی فرمانبرداری ہے اور کرہ اس کی ضد ہے۔ اور طوعًا و کرہًا سے مراد ہے کہ بہر حال اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں جو برضا و رغبت فرمانبرداری نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کرتے وہ اس کا نتیجہ کسی اور رنگ میں بھگتتے ہیں اور اسی کو کرھا فرمانبرداری کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں جکڑے ہوئے ہیں اگر قانون کو نہ مانیں اور اس کو توڑیں تو پھر آخر اس کی سزا اٹھانی پڑتی ہے۔ یہ بھی آخر کار سجدہ ہی ہے گو نقصان کے رنگ میں ہے۔ اور من فی السموات والارض سے مراد یا ملائکہ اور جن و انس ہیں اور یا سب مخلوق اس میں شامل ہے +

ظلال کا سجدہ

ظلال یا سایوں کے سجدے سے کیا مراد ہے۔ اس کی تصریح خود قرآن شریف نے دوسری جگہ کر دی ہے اولم یروا الی ما خلق اللہ من شیٔ یتفیؤا ظلٰلہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ وھم داخرون (النحل ۱۶: ۴۸) مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت چلتے ہیں تو انسان اس قانون سے باہر کیونکر نکل سکتا ہے جب اس کا سایہ تک بھی قانون میں جکڑا ہوا ہے

ظل کے معنی میں وسعت

مگر آیا ظل یا سایہ سے مراد صرف انسان کا وہ سایہ ہے جو سورج کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ظلّ عربی زبان میں بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کے معنی پردہ اور سواد اور کسی چیز کا اپنا وجود بھی مراد لیا جاتا ہے حضرت ابن عباس کی حدیث میں آتا ہے ان الکافر یسجد لغیر اللہ وظلّہ یسجد للہ جہاں ظلّ کے معنی اس کا جسم لئے گئے ہیں جس سے سایہ پیدا ہوتا ہے (ل) اور ظلال البحر سے مراد اس کی موجیں لی گئی ہیں (ل) اور ظلّ کے معنی خیال بھی آئے ہیں (ل) اور ظل کے معنی حالت بھی ہیں انتقلت عن ظلی یعنی میں اپنی حالت سے الگ ہو گیا (ت) +

ظل اللہ سے مراد

اور ظلّ کا لفظ دو حدیثوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے ایک میں ہے سبعۃ یظلّھم اللہ فی ظلّہ جہاں اللہ کے ظل سے مراد اس کی رحمت لیگئی ہے اور السلطان ظلّ اللہ فی الارض جہاں ظل اللہ کے معنی ستر اللہ یا خاصۃ اللہ لئے گئے ہیں (ل ت) اور دونوں حدیثوں سے ظاہر ہے کہ ظلّ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا ظہور لیا گیا ہے جس طرح سایہ کسی شخص کا ظہور ہوتا ہے

ظلال کے سجدہ میں لطیف اشارہ

پس ظلال کے ظاہر معنی لیتے ہوئے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان خود تو اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری چار و نا چار اختیار کرتا ہی ہے مگر اس کی صفات کا جو ظہور اعمال کے رنگ میں ہوتا ہے جسے انسان کا ظل کہنا چاہئے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانین کے ماتحت اور اس کا فرمانبردار ہے یعنی انسان جیسا بھی چاہے عمل کرے وہ گو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرے مگر جو وہ عمل کرتا ہے چونکہ اس پر نتیجہ پھر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مترتب ہوتا ہے اس لئے وہ اس کا ظل یا عمل یا اس کی صفات کا ظہور اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتا ہے اور ظل بمعنی حالت اوپر بیان ہو چکا یہ معنی اس کے مطابق ہیں اور میرے نزدیک حضرت ابن عباس کی اس حدیث کے جو اوپر نقل ہو چکی الکافر یسجد لغیر اللہ وظلہ یسجد للہ کے یہی معنی ہیں اور یہی معنی ظلال کے الجنۃ تحت ظلال السیوف میں ہیں یعنی تلوار سے جو جہاد فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے اس سے جنت حاصل ہوتی ہے +

ظلی نبوت

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ صوفی جسے ظلی نبوت کہتے ہیں وہ فی الواقع نبوت نہیں بلکہ نبوت کی بعض صفات کی جھلک ہے جو ایک سچے پیروی کرنے والے میں پیدا ہو جاتی ہے جس طرح ظل اللہ اللہ نہیں اسی طرح ظل نبی نبی نہیں اور نہ ظلی نبوت نبوت ہے اللہ اور نبی کے ظل ایسے ہی ہیں جیسے صاف پانی یا آئینہ میں آفتاب کا عکس کہ وہ آفتاب کی شکل پر نظر آتا ہے مگر فی الحقیقۃ آفتاب نہیں +

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ ۱۶

کہو کون آسمانوں اور زمین کا رب ہے کہو اللہ کہو تو کیا تم اسکے سوائے ولی بناتے ہو جو اپنے آپکیلئے بھی کسی

لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي

نفع کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں یا کیا اندھیرا اور

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ

روشنی برابر ہیں یا کیا انہوں نے اللہ کے کوئی ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اسکی سی مخلوق پیدا کی ہو پس ساری مخلوق انکو یکساں نظر آتی ہو کہو

اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ ۱۷

اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے ۱۶۱۰ وہ بادل سے پانی اتارتا ہے پھر نالے اپنے اپنے اندازے کے

بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ

مطابق بہ نکلتے ہیں پس سیلاب اوپر آنے ہوئے جھاگ کو بہا لیجاتا ہے اور اس میں جسے آگ میں تپاتے ہیں زیور یا اور

مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ

سامان بنانے کیلئے اسی طرح جھاگ ہوتا ہے اسیطرح اللہ حق اور باطل کی مثال دیتا ہے سو جھاگ تو رائگان جاتا ہے

جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝

اور وہ پانی جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے زمین میں ٹھہرا رہتا ہے اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے ۱۶۱۱

غیر اللہ سے تعلق بیہودہ ہے

۱۶۱۰ توحید کے مضمون کو جاری رکھا ہے تاکہ لوگ صرف ایک اللہ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں جس سے انسان کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کیونکہ ایک انسان کو خدا سمجھکر یا خدائی کا مرتبہ دیکر یا کسی اور چیز کو اپنا معبود بنا کر اور اس سے تعلق پیدا کرکے انسان کو حقیقتاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اسلئے کہ یہ چیزیں تو خود اپنی ذات کیلئے بھی نفع نقصان کی مالک نہیں اعمی وہ جاہل ہے جو غیر اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے اور بصیر مومن ہے ظلمات سے مراد کفر اور ضلالت ہیں اور نور سے ایمان۔ آیت کے آخری حصہ میں خلق کو دلیل عبادت قرار دیکر جیسا کہ بار ہا پہلے بھی بیان ہو چکا ہے یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم (البقرۃ ۲-۲) فرمایا کہ جن کو معبود بناتے ہو کیا ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اس نے کچھ پیدا کیا ہو خلقوا کخلقہ کی شرط اسلئے لگائی کہ انسان بھی تو دن رات چیزیں بناتے رہتے ہیں اور خلق بمعنی اندازہ بھی کرتے رہتے ہیں مگر کیا اللہ تعالی کی مخلوق جیسی بھی وہ کوئی چیز پیدا کرسکتے ہیں۔ ایک چیونٹی کیا ایک چیونٹی کا پاؤں بھی نہیں بنا سکتے مسیح کو بھی اللہ تعالی کا شریک بنایا گیا ہے جو مسلمان یہ مانتا ہے کہ آپ چمگادڑ بنانے تھے جو خدا کی مخلوق جیسی مخلوق ہے یا کوئی اور پرند بنانے تھے جو خدا کی مخلوق سے مل جل گئے ہیں وہ عیسائیوں کے ہاتھ میں مسیح کی خدائی کی ایک دلیل دیتا ہے ●

خلق دلیل عبادت اور الوہیت ہے

زبدا۔ رابیا

۱۶۱۱ زبدا رابیا۔ زبد کے معنی جھاگ ہیں۔ رابیا۔ ربا سے ہے جس کے معنی ہیں بڑھا اور اوپر آگیا اور یہاں زبدا رابیا سے مراد ہے جھاگ جو

وقف النبی علیہ السلام

۱۸ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ

ان لوگوں کیلئے جو اپنے رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں بہتری ہو اور جو اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے اگر انکے لئے وہ سب کچھ بھی ہو جو زمین میں

جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ

ہے اور اسکے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو وہ اسے فدیہ دینا چاہینگے ان کیلئے برا حساب ہو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

ع ۹ ۱۷

مومن اور کافر کا انجام

۱۹ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۞ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ

اور وہ بری جگہ ہے ۱۲۱۲ بھلا کیا وہ جو جانتا ہو کہ جو کچھ تیرے رب کیطرف سے تیری طرف اتارا گیا ہے سچ ہو اس جیسا ہو جو اندھا ہے

۲۰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۞ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ

عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ۱۲۱۳ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے

۲۱ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ

اور جو اسے ملاتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہو کہ ملایا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب

۲۲ سُوءَ الْحِسَابِ ۞ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

کا خوف رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں

اوپر آجاتا ہے اور اخذۃ رابیۃ (الحاقۃ ۶۹-۱۰) کے معنی ہیں شدت میں بڑھی ہوئی گرفت ◆

حِلیة حُلِیّ — حلیۃ - زیور اَمن ینشؤا فی الحلیۃ (الزخرف ۴۳-۱۸) جمع حُلِیّ ہے من حلیھم عجلا (الاعراف ۷-۱۴۸) ◆

جُفاء — جفاء - اَجْفَأَتِ القِدْرُ کے معنی ہیں ہانڈی نے (جھاگ کو) باہر پھینک دیا اور جُفاء وہ چیز ہو جو وادی باہر پھینک دیتی ہو یعنی ردی چیز (غ) ◆

اس مثال کو اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا کہ یہ حق اور باطل کی مثال ہو۔ باطل ایک وقت اوپر نظر آتا ہو مگر وہ جھاگ کی طرح ہوتا ہو اور حق اس پانی کی طرح ہے جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ بقدرھا میں یہ بتا دیا کہ جس طرح وادی اپنے قدر کے مطابق بارش کے پانی کو لیتی ہو اسی طرح ہر انسان اپنی استعداد کے مطابق وحی الٰہی سے فائدہ اٹھاتا ہو آج بھی باطل جھاگ کی طرح اوپر آیا ہوا ہے یہ جھاگ جاتا رہے گا اور حق رہ جائے گا ◆

۱۲۱۲ آخری آیت میں پھر تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی کہ اس کا نتیجہ بہتری ہے اور وہ بہتری جو اس ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے وہ دنیا کے سارے مال و دولت سے حاصل نہیں ہو سکتی دنیا کا سارا مال بھی اکٹھا کیا جائے تو اخلاق فاضلہ کو پیدا نہیں کر سکتا ◆

۱۲۱۳ جب پہلے دو رکوعوں میں یہ بیان کر دیا کہ وحی الٰہی انسان کے اخلاق پر اور اس کی روحانیت پر کیا اثر پیدا کرتی ہے تو اب مومن اور کافر کا اور ان کے انجام کا مقابلہ کیا ہو ◆

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا ہے چھپکر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ ۲۳

یہی ہیں جن کیلئے (اس) گھر کا اچھا انجام ہے[۱۶۱۴] ہمیشگی کے باغ جن میں وہ داخل ہونگے اور (وہ بھی) جو انکے ماں باپ

اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝

اور ان کی بیبیوں اور اولاد میں سے اچھے ہوں اور فرشتے ان پر ہر دروازہ سے داخل ہونگے[۱۶۱۵]

عِقاب
عُقبیٰ۔ عاقبۃ

۱۶۱۴ عقبی الدار۔ عُقُوبَۃ۔ اور مُعَاقَبَۃ اور عِقَاب تینوں لفظ عذاب یا سزا سے مختص ہیں گو اصل تینوں کے معنی میں انجام یا پیچھے لانا ہے اور عُقب اور عُقبیٰ اور عَاقِبَۃ یہ تینوں لفظ ثواب سے خاص ہیں یعنی جہاں اچھا بدلہ یا اچھا انجام بتانا مراد ہو وہاں ان لفظوں کا استعمال ہوتا ہے خیر ثوابا وخیر عقبا (الکہف ۱۸: ۴۴) والعاقبۃ للمتقین (القصص ۲۸: ۸۳) وغیرہ میں عُقبیٰ سے مراد ثواب یا اچھا انجام ہے اور تلک عقبی الذین اتقوا وعقبی الکافرین النار (۳۵) میں کافروں کے لئے عقبیٰ کا لفظ صرف مقابلہ کے طور پر اعتبار کیا ہے اور شاید اس لئے بھی کہ پھر آگ سے ہی ان کی اصلاح ہوگی اور الدار سے مراد یہ دار دنیا ہے یعنی جو دنیا میں رہکر یہ کام کرتے ہیں ان کیلئے اس گھر کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے اس کی تصریح اگلی آیت میں ہے اس گھر کے انجام کو جنات عدن کہنے میں اشارہ ہے کہ وہ اس دنیا میں ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں +

بدی کو نیکی سے دور کرنے کی تعلیم

ان تین آیتوں میں مومنوں کے اوصاف بیان کئے سب سے آخر میں فرمایا کہ وہ برائی کو بھلائی سے دور کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو برائی کرتا ہے ضرور اس سے بھلائی کرتے ہیں کیونکہ بعض وقت برائی کی سزا دینی پڑتی ہے اور برائی کرنے والے کو تکلیف پہنچانی ضرور ہوتی ہے۔ یہ ناقص تعلیم انجیل کی مشہور پہاڑی وعظ میں ہے جو ایک وقتی تعلیم تھی۔ مگر جس پر دنیا ہمیشہ کے لیے کبھی بھی عامل نہیں ہو سکتی ہر طمانچہ مارنے والا ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے آگے دوسری گال کر دی جائے۔ اس لئے اس کامل تعلیم میں یہ ہدایت فرمائی کہ بدی کو دور کرنا اصل غرض ہونی چاہئے۔ ہاں اسے بھلائی سے دور کرو۔ اس میں یہ بات بھی آگئی کہ تم سے کوئی برائی کرے تو تم اس سے نیکی کرو اور یہ بھی کہ بدی کا دور کرنا اصل غرض سمجھو پس جہاں نیکی کرنے سے برائی دور نہیں ہوتی تو اچھے طریق سے اسے دور کرو۔ اور یہ بھی اس میں آجاتا ہے کہ اپنی طاقتوں کو نیکی پر لگا کر اپنی برائیوں کو دور کر دیتے ہیں +

عزیزوں کا جنت میں انسان کے ساتھ ہونا

۱۶۱۵ ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد کا ذکر اس لئے کیا کہ ان سے ہی انسان کی راحت کمال کو پہنچتی ہے۔ اور گو وہ اس کمال کو نہ پہنچے ہوں مگر انہی جنات میں وہ بھی ہونگے یعنی ان کے ساتھ ہوں گے۔ ہاں من صلح کی شرط لگا دی ہے کہ صلاحیت ان میں ہو اور اس لئے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ جو لوگ ان اوصاف والے ہوتے ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ان کا نیک اثر انکے ماں باپ بی بی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور فرشتوں کا ہر دروازہ سے داخل ہونا یہ ہے کہ جتنے اسباب نیکی کے ہوتے ہیں وہ ان سب سے بہرہ ور ہوتے ہیں دیکھو ۲۴ اس لئے ملائکہ بھی ہر باب جنت سے ان پر داخل ہوتے ہیں +

۲۴ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ

تم پر سلامتی ہو اسلئے کہ تم نے صبر کیا سو کیا ہی اچھا (اس) گھر کا انجام ہوا[1616] اور وہ جو اللہ کے عہد کو

اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور اسے توڑتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہو کہ ملایا جائے اور زمین میں

۲۵ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

فساد کرتے ہیں یہی ہیں جن کیلئے لعنت ہو اور جن کیلئے (اس) گھر کا برا انجام ہے[1617] اللہ جس کیلئے چاہتا ہو رزق

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ

فراخ کرتا ہو (اور جس کیلئے چاہتا ہو) تنگ کرتا ہو اور لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہوجاتے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں صرف

۲۶ اِلَّا مَتَاعٌ ○ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

ع ۵ — قرآن سے نیا انقلاب ہوگا

عارضی سامان ہو[1618] اور جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشان کیوں نہیں اُتار دیا جاتا۔

۲۷ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ○ اَلَّذِيْنَ

کہو اللہ جسے چاہتا ہو گمراہی میں چھوڑتا ہو اور اسے اپنی طرف رستہ دکھاتا ہو جو (اسکی طرف) رجوع کرتا ہو[1619] جو

اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○

ایمان لاتے ہیں اور انکے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں سُن رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہو[1620]

[1616] ابن جریر میں ہو کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر شہداء کی قبور پر جاتے تو یہ لفظ دُہراتے تھے ✦

[1617] یعنی اس دنیا کی زندگی میں رہ کر انہوں نے اپنے لئے بُری کمائی کی اسلئے اس گھر کا انجام بھی ان کیلئے بُرا ہو ✦

[1618] یہاں بتایا کہ رزق کی فراخی اور تنگی پر نہ جانا چاہئے یہ دنیا کے عارضی سامان ہیں۔ دونوں حالتوں میں رہ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہئے ✦

[1619] اسی نشان ہلاکت کا مطالبہ پھر ہو جس کا مطالبہ آیت ۷ میں تھا۔ انہیں مثالیں دیکر سمجھایا جاتا ہو کہ وحی الٰہی سے وہ اسی طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جس طرح زمین بارش سے فائدہ اُٹھاتی ہو مگر ان کا مطالبہ وہی ہو اس کا جواب اسی رکوع کی آخری آیت میں ہو کہ پہلے ان پر چھوٹی چھوٹی مصائب آتی رہیں گی یہانتک کہ وہ نشان ہلاکت آجائے ✦

ہدایت اور گمراہی کا قانون

آیت کے پچھلے حصہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع کرتا ہو اسے وہ ضرور اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہو اور جو رجوع نہیں کرتا خود قدم نہیں اُٹھاتا اللہ تعالیٰ اسے پکڑ کر نہیں لاتا بلکہ جس طرح وہ خود گمراہی میں رہنا چاہتا ہو اللہ تعالیٰ بھی اسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے ✦

ذکر اللہ سے اطمینان قلب

[1620] اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان قلبی میسر آتا ہو یہ ایک حقیقت ہو جسے تمام پاک لوگوں کی زندگیاں روشن کرتی ہیں کہ کس طرح

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ ۲۹، ۳۰

جو ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کیلئے انجام کار خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے ۱۶۲۱ اسیطرح ہم نے تجھے ایک امت میں

فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ

بھیجا ہے جس سے پہلے اُمتیں گزر چکی ہیں تاکہ تو ان پر وہ پڑھے جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور وہ

يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ

رحمٰن کا انکار کرتے ہیں کہہ وہ میرا رب ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے توکل کیا اور

اِلَيْهِ مَتَابِ ۝ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ ۳۱

اسکی طرف میرا رجوع ہے ۱۶۲۲ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے کہ جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں یا اس سے زمین کاٹ دی جائے

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ

یا اسکے ذریعہ سے مردوں سے باتیں کیجائیں (تو یہی ہے) بلکہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں ۱۶۲۳

مصائب کے اندر مشکلات کے اندر ناکامیوں کے اندر قید میں پڑ کر ان کے دلوں میں راحت ہوتی ہے اور اللہ کے ذکر کے سوائے اطمینان قلبی میسر نہیں آتا یہ بھی ایک حقیقت ہے جسے تمام طالبان دنیا کی زندگیاں اظہر من الشمس کرتی ہیں کہ کس طرح جب ملک پر ملک فتح ہوتا چلا جاتا ہے تو دل میں اور آگ بھڑکتی ہے اور جب خزانہ پر خزانہ حاصل ہوتا جاتا ہے تو ہوس دنیا کی آگ اور تیز ہوتی جاتی ہے۔ نہ فتوحات نے اور نہ مال دنیا نے کسی شخص کے دل میں کبھی اطمینان پیدا کیا ہے۔ اور چونکہ قلب انسانی کو جبتک اطمینان میسر نہیں آتا اس وقت تک وہ ترقی کے قابل بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کے وہ جوہر نشو و نما پاتے ہیں جن کے لئے یہ پیدا کیا گیا ہے اسلئے یہ بتا کر کہ صرف اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان قلب میسر آتا ہے توجہ دلائی ہے کہ قلب انسانی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر کے ایک انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے ◆

طوبیٰ — ۱۶۲۱ طوبیٰ۔ طاب سے مصدر ہے اور اس کے معنی میں مختلف روایات ہیں۔ خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ خیر کثیر کرامت وغیرہ (لسا)۔ مفردات میں ہے کہ طوبیٰ کہا گیا ہے کہ جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔ اور ترجیح اس کو دی ہے کہ وہ جنت کی ہر ایک نعمت ہے جیسے بقا جس کے ساتھ فنا نہیں۔ عزت جس میں زوال نہیں۔ غنا جس میں فقر نہیں ◆

متاب — ۱۶۲۲ متاب۔ اصل میں متابی ہے۔ میرا متاب اور متاب کے معنی کامل توبہ ہیں یعنی ہر ایک قبیح بات کا ترک کرنا اور ہر ایک جمیل کا اختیار کرنا (غ) ◆

وہی رحمانیت ہے — ان دونوں باتوں کا کہ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جس طرح پہلے بھیجتے رہے اور یہ لوگ رحمان کا انکار کرتے ہیں یہ تعلق ہے کہ نزول وحی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے ہے جس طرح اس نے انسانوں کے لئے دوسرے سامان اپنی قدرت کاملہ سے مہیا کئے ہیں اسی طرح ابدی زندگی کے حصول کے لئے وحی کا سامان رکھا ہے الرحمٰن علم القرآن (الرحمٰن۔ ۱ و ۲) جو لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں وہ اس ابدی زندگی کو حاصل کرینگے ◆

اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

تو کیا جو ایمان لائے ہیں انہوں نے جان نہیں لیا کہ اگر اللہ چاہے　　تو سب ہی لوگوں کو ہدایت دے دے ۱۶۲۴

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا

اور جنہوں نے کفر کیا انہیں اس کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب

مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِىَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۟

اُترے گی　　یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے　　بیشک اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا ۱۶۲۵

جَبَل

۱۶۲۳ جبال جَبَل کی جمع ہو یعنی پہاڑ مگر یہ لفظ عظیم الشان انسانوں پر بھی بولا جاتا ہو بعض وقت ثبات کے معنی کے لحاظ سے جو اس میں پایا جاتے (غ) اور فراء کا قول ہے الجَبَلُ سَيِّدُ القوم و عالِمُهم (ل) یعنی قوم کے سردار اور ان کے عالم کو جَبَل کہا جاتا ہو اور طاقتور آدمی کیلئے کہا جاتا ہو فلان جَبَلٌ من الجبال (ل)، وہ شخص پہاڑوں میں سے پہاڑ ہو +

قرآن کے کمالات

لَوْ کی جزا محذوف ہو ایسی صورتوں میں جواب اسلئے چھوڑ دیا جاتا ہو کہ سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہو اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہو تو یہی ہو لکان ھذا القرآن (ر) اور دوسری جگہ صفائی سے فرمایا لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ (الحشر ۵۹ - ۲۱) بلکہ للہ الامر جمیعا کہکر صاف بھی کر دیا کہ یہ سب باتیں اسی قرآن سے ہو جائیں گی۔ پہاڑوں کے دور کرنے یا اپنی جگہ سے ہٹا دینے سے مراد ان عظیم الشان آدمیوں کا دور کر دینا ہو جو اس کی راہ میں روک ہو رہے تھے جیسا کہ لفظ جبل کی لغوی تشریح سے ظاہر ہو۔ زمین کے کاٹنے سے مراد اس میں نہروں اور چشموں کا چلانا ہو (ر-ج) اور مجازا مراد علوم روحانی کی نہریں اور چشمے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں وادیوں کے بقدر استعداد پانی کے لینے سے یہی مراد ہو ۱۶۱۱ اور مردوں کے کلام سے مراد روحانی مُردوں کا زندہ ہونا ہو جیسا کہ خود دوسری جگہ قرآن شریف نے فرمایا ومن کان میتا فاحیینا ہ (الانعام ۶ - ۱۲۳) اور اذا دعاکم لما یحییکم اور بل کا یہاں لانا اسی لئے ہو کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ایسا کہاں ہو سکتا ہو تو یاد رکھو کہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور ہو کر رہیں گی - گویا پہلے آیت ۲۸ میں یہ بتایا کہ اس قرآن کے ذریعہ سے قلوب انسانی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گا تو اس کے بعد اب بتایا کہ یہ انقلاب دلوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ظاہر میں بھی اور کھلے رنگ میں یہ ایک انقلاب عظیم پیدا کر کے دکھائیگا

یایئس بمعنی علم

۱۶۲۴ یایئس کے معنی یہاں یَعْلَم کئے گئے ہیں بعض نے کہا یہ معنی لغت ہوازن میں ہیں (ر) اور بعض کے نزدیک یہ مجاز ہو کیونکہ مایوس ہونے والے کو یہ علم ہوتا ہو کہ یہ بات نہیں ہو گی (ر) اور مفردات میں ہو کہ مومنوں کی اس سے یاس اس بات کی مقتضی تھی کہ اسکے نہ ہونے کے علم کے بعد حاصل ہو۔ اس لئے ان کی یاس کا قایم ہونا ان کے حصول علم کے قیام کا مقتضی ہوا +

یہاں بھی اسی کے مطابق خوشخبری ہو جو پہلے حصہ آیت میں تھی کہ یہ سب رکاوٹیں دور ہو کر مردے بولنے لگینگے کیونکہ یہاں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دیدے +

قَرَعَ - قارعۃ

۱۶۲۵ قارعۃ - قَرَعَ کے معنی ایک چیز کا دوسری پر مارنا ہیں اور قارِعَۃ مصیبت کو کہا جاتا ہو یا سخت مصیبت کو اور یہاں قارِعۃ کی تفسیر میں کہا گیا ہو کہ اس سے مراد رسول اللہ صلعم کا کوئی سریّہ ہو (ل) اور قیامت کو بھی القارعۃ کہا ہو +

قارعہ سے مراد

یہ کفار کے مطالبہ نشان کا جواب ہو جو دو دفعہ آچکا ہو اور اس لئے اس کی تفسیر میں یہی قول صحیح ہے کہ یہاں کفار سے مراد قریش اور عرب ہیں اور قارعۃ سے مراد جنگیں ہیں اور وعد اللہ سے مراد اسلام کا آخری غلبہ اور اس کی حکومت ہو جو فتح مکہ

ع ۵
کلا فیلبلد

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۳۲

اور تجھ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ہنسی کی جاتی رہی سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر انہیں پکڑا

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ ۳۳

تو میرا دانہیں، سزا دینا کیسا تھا ۱۶۲۶ پھر کیا وہ جو ہر شخص کیلئے اس بات کی حفاظت کرنیوالا ہو جو وہ کماتا ہو اور انہوں نے اللہ کے

شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ

شریک بنا رکھے ہیں کہو انکے وصف بتاؤ کیا تم اسے اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا کہ ظاہری بات کی، بلکہ

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ

جو کافر ہیں انہیں اپنی چال بھی معلوم ہوتی ہو اور وہ رستہ سے رک گئے اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے ۱۶۲۷ اسے کوئی راہ دکھانیوالا نہیں

لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ۳۴

ان کیلئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہو اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہو اور کوئی انہیں اللہ کی سزا سے بچانیوالا نہیں

سے قایم ہوئی اور قریبًا من دارهم میں یہ اشارہ ہو کہ وہ مصائب خواہ خود ان مخالفین اسلام پر نازل ہوتی رہیں یا انکے آس پاس نازل ہو کر ان کی تنبیہ کا موجب ہوتی رہیں اور تحل میں خطاب رسول اللہ صلعم کی طرف بھی ہو سکتا ہو یعنی تو ان کے گھر کے قریب نازل ہو جیسے حدیبیہ میں ہوا +

کفار کے استہزا کی وجہ — ۱۶۲۶ یہاں کافروں کے استہزا کا ذکر اس لئے کیا کہ جب انہیں عذاب کا وعدہ دیا جاتا تھا تو وہ ہنسی کرتے تھے کہ یہ شخص جو کوئی طاقت نہیں رکھتا کوئی اس کی بات نہیں سنتا اس کے سامنے ہم ذلیل اور مغلوب ہونگے !

قائم — ۱۶۲۷ من هو قائم۔ قائم کے معنی یہاں حافظ ہیں کیونکہ قیام بمعنی مراعاۃ بھی آتا ہو (غ)، مراد ایسا شاہد یا دیکھنے والا ہے جو اس عمل کو محفوظ بھی رکھتا ہو یعنی اس پر جزا و سزا مترتب کرتا ہو مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کو جو کچھ وہ کرتا ہو اسکی جزا

شرک کا ابطال — یا سزا دیتا ہو کوئی عمل ضائع نہیں ہونے دیتا یہ تو اللہ کی شان ہو اور انہوں نے اس کے شریک بنا رکھے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ غور کرو کیا وہ شریک بھی کچھ لوگوں کے اعمال کی جزا و سزا دیتے ہیں کیا ان کو بھی تھوڑی بہت قدرت ہو کہ لوگوں کے اعمال کو دیکھیں پھر ان پر جزا و سزا مترتب کریں بعض مفسرین نے اسے مبتدا قرار دیکر کمن لیس کذٰلك کو محذوف قرار دیا ہو یعنی کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو ایسا نہیں۔ اور قائم علی کل نفس میں یہ بھی اشارہ ہو کہ تم جو تدبیریں ہمارے رسول کے خلاف کر رہے ہو ہم انہیں بھی محفوظ کر رہے ہیں اسی کی وضاحت آیت کے آخر میں مکرهم میں موجود ہو +

تسمیۃ۔ اسم — سموهم۔ سمّاہ کے معنی ہیں اس کے لئے اسم یا علم قرار دیا (ت) سمیتها مريم (آل عمران ۳۔ ۳۵) میں مریم علم ہے اور اسم وہ ہے جس سے مسمی کا ذکر بلند ہوتا ہو اور وہ اس سے پہچانا جاتا ہو اسلئے ایک چیز کے وصف پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہو لیسمون الملائكة تسمية الانثى (النجم ۵۳۔ ۲۷) میں مراد یہ نہیں کہ ملائکہ کے لئے کوئی علم تجویز کرتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہو کہ ملائکہ کو اللہ

سمی — کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں یعنی ان کی صفت عورت ہونا بیان کرتے ہیں هل تعلم له سميا (مریم ۱۹۔ ۶۵) میں سمی یا ہمنام سے مراد

۳۵ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ

جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں کو دیا گیا ہے (یہ ہے) اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اسکے پھل ہمیشہ رہینگے اور اسکی آسایش (بھی)

۳۶ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا ۖ وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ○ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ

یہ ان کا اچھا انجام ہے جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور کافروں کا انجام آگ ہے ۱۶۲۸ اور وہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے

يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ۖ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ ۚ قُلْ

وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو تیری طرف اُتارا گیا اور کچھ فرقے اس کی بعض (باتوں) کا انکار کرتے ہیں کہو

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ ○

۱۶۲۹

مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اسکے ساتھ شریک نکروں اسکی طرف میں بلاتا ہوں اور اسکی طرف میرا رجوع ہے

اس کی نظیر ہو یعنی ایسا موصوف جس پر اسکی صفات صادق آسکیں اور ان صفات کا وہ مستحق ہو اور محض نام مراد نہیں کیونکہ نام تو اوروں کے بھی اللہ کے ناموں پر رکھ لئے جاتے تھے۔ ایسا ہی سموھم میں یہ مراد نہیں کہ ان کے نام کیا ہیں وہ بتاؤ مثلاً لات یا عزی۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جنکو تم خدا کہتے ہو انکے متعلق حق امر کو ظاہر کرو اور بتاؤ کہ ان اسماء کے معانی بھی ان میں پائے جاتے ہیں (غ)، اور بعض نے یوں معنی کئے ہیں کہ وہ تو ذکر کے قابل ہی چیزیں نہیں ہیں (ر) +

معبودان باطل

ام تنبؤنه بما لا یعلم فی الارض ام بظاهر من القول یعنی اللہ تعالی کے علم میں تو ایسے کوئی شرکا نہیں تو تم شریک قرار دیکر اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اس کے علم میں نہیں اور ایسی چیز فی الحقیقت موجود نہیں ہو سکتی۔ اور ظاهر من القول سے مراد باطل لیا گیا ہے گویا ایسی بات جسکے نیچے حقیقت کوئی نہیں اور ایک معنی اس کے یہ بھی لئے گئے ہیں کہ کوئی کتاب اللہ تعالی نے نازل کی ہو جس میں کھلے طور پر ان چیزوں کا نام خدا رکھا ہو (د)، اور بلحاظ سیاق یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالی تو خود ہر عمل پر قایم یعنی اس کا شاہد ہے تو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کر گویا اسے کچھ ایسی باتوں کی ان شریکوں کے ذریعہ سے خبر پہنچاتے ہو جنکو وہ نہیں جانتا یا کسی ظاہر بات کی خبر پہنچاتے ہو یعنی تمہارا یہ خیال ہے کہ کچھ ایسے مخفی امور ہیں جنکا علم اللہ کو نہیں ان شریکوں کے ذریعہ سے وہ علم اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ یا یہ خیال ہے کہ ظاہر اور کھلی کھلی باتوں کی اللہ تعالی کو خبر نہیں ہوتی یہ باتیں ان شریکوں کے ذریعہ سے اس تک پہنچائی جاتی ہیں +

مثل

۱۶۲۸ مثل۔ مَثَل اور مِثْل سے مراد بعض کے نزدیک کسی چیز کا وصف بھی ہوتا ہے (ا)۔ یہ اسکی مثال دی ہے (غ)، اور اکثر مفسرین نے یہاں مراد الصفة الغرابية لی ہے یعنی نادر صفت مگر جب خود قرآن کریم اور حدیث صحیح نے بیان کر دیا کہ جنت کی نعما ایسی چیزیں ہیں جنہیں آنکھوں نے نہیں دیکھا اور کانوں نے نہیں سنا اور دل میں نہیں گزریں تو لازماً ان کا ذکر اس دنیا کی چیزوں کے رنگ میں بطور مثال سمجھانے کیلئے ہے اور اسی لئے قرآن شریف نے انکے لئے یہاں اور سورۃ محمد ۱۵ میں مَثَل کا لفظ استعمال کیا ہے جو اپنے اصل معنی پر ہے اور اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ لازمی بات ہے کہ یہ نعما کسی نہ کسی رنگ میں اس عالم میں بھی ان لوگوں کو ملیں جنہوں نے حق کو قبول کیا ہے مگر وہ نتایج عملی رنگ اختیار نہیں کرتے جبتک کہ قبولیت حق عمل میں نہ آئے۔ ظل کے معنی آسائش اس لحاظ سے کئے گئے ہیں۔ کہ جنت کی شان ہے لا یرون فیها شمسا (الدھر ۱۳)، ظل کے اس معنی کیلئے دیکھو ۶۷۶

جنت کی نعما کا ذکر بطور مثال ہے +

۱۶۲۹ الذین آتیناهم الکتاب سے مراد اصحاب نبی یا مومن ہیں اور احزاب سے مراد یہود و نصاریٰ (ج)، اور یہی سیاق چاہتا ہے +

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۳۷

اور اسی طرح ہم نے یہ کھلا فیصلہ اتارا ہے اور اگر تو ان کی خواہشوں کی پیروی کرے اسکے بعد جو تیرے پاس علم آگیا

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا ۳۸

ع ۶ / ۱۲

حق اور اسکے پیروؤں کا آخری غلبہ

تو تیرے لئے اللہ کے مقابلہ پر کوئی ولی نہ ہوگا اور نہ کوئی بچانیوالا ہوگا ۱۶۳۰ اور ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے اور انہیں

لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ

بیبیاں اور اولاد بھی دی ۔ اور کسی رسول کی طاقت میں نہ تھا کہ وہ سوائے اللہ کے اذن کے نشان لاتا ہر

اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ ۳۹ ۴۰

میعاد کیلئے ایک حکم معین ہے اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قایم کرتا ہے اور اسکے پاس کتاب کا اصل ہے ۱۶۳۱ اور اگر ہم تجھے بعض وہ باتیں دکھادیں

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝

جو ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دیدیں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے

عربی

۱۶۳۰ عربی سے مراد یہاں واضح لیا گیا ہے جس کے لئے دیکھو ۱۵۱۶ الخ

کتاب

۱۶۳۱ کتاب۔ راغب کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد کبھی وجود میں لانا اور فنا کرنا بھی ہوتا ہے۔ اور یہی اس کی مثال دی ہے۔ اور لکل اجل کتاب کے معنی کئے ہیں کہ ہر وقت کیلئے اقتضائے حکمت سے کوئی چیز وجود میں لائی جاتی ہے اور کوئی فنا کی جاتی ہے اور یہی مطلب عندہ ام الکتاب کا ہے۔ اور یہ اس کے مطابق ہے جو فرمایا کل یوم ھو فی شان (الرحمٰن - ۲۹) (غ)+

ایک قوم کا جانا اور دوسری کا آنا

پہلے کفار کے استہزا کا جواب دیا ہے کہ بیوی بچے ہونا خلاف رسالت کوئی امر نہیں۔ پہلے بھی رسولوں کی بیبیاں اور اولاد تھی اس کے بعد اس نشان کا ذکر کیا ہے جس کا وہ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ پہلے رسول بھی اپنے اختیار سے اپنے مخالفوں کو ہلاک نہ کر دیتے تھے۔ یہ اللہ تعالےٰ کے اختیار کی بات ہے جب چاہے اور جس طرح چاہے کرے۔ اور پھر اپنا عام قانون بیان کیا کہ ایک قوم کی جو اجل ہوتی ہے اس کے لئے بھی ایک مقرر وقت ہوتا ہے کہ کب انسے مٹایا جائے اور کب اس کی جگہ دوسری قوم کو کھڑا کیا جائے اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ کو بھی لیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا علم جس میں سب احکام اصل میں موجود ہوتے ہیں اور روح المعانی میں ایک روایت کی ذیل میں بیان کیا ہے کہ ام الکتاب سے مراد اصولی احکام ہیں جن میں کبھی نسخ نہیں ہوتا اور قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے آیات محکمات ھن ام الکتاب (آل عمران - ۶) +

قضا و قدر ٹل سکتی ہے

یمحو اللہ ما یشاء و یثبت سے اسبات پر بھی شہادت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی قضا و قدر کو بھی ٹال دے اور یہی حق ہے واللہ غالب علی امرہ (یوسف ۱۲ - ۲۱) میں اس طرف اشارہ ہے چنانچہ اگلی آیت میں یہ صاف فرما بھی دیا کہ بعض عذاب جن کا وعدہ دیا جاتا ہے ہم چاہیں تو وہ بھی کر دیں اور عذاب کا وعدہ کرکے اس کا نہ لانا اللہ تعالیٰ کے وسیع عفو و کرم کا نتیجہ ہے جو انسان کے حیطۂ خیال سے باہر ہے وہ کسی حالت میں بھی انسان کو مایوس نہیں ہونے دیتا +

۴۱ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۚ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اسکے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے کوئی اسکے فیصلہ کو

۴۲ لِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ

رد کرنیوالا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ۱۶۳۲ اور ان لوگوں نے بھی (حق کے خلاف) تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے مگر سب تدبیر

جَمِيْعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝

اللہ کی ہی ہے وہ جانتا ہے جو ہر شخص کماتا ہے اور کافر جان لینگے کہ اس گھر کا اچھا انجام کس کیلئے ہے ۱۶۳۳

طَرَف

۱۶۳۲ اطراف۔ طَرَف کی جمع ہے جس کے لئے دیکھو ۵۱۳ اور طَرَفُ الْقَوْمِ کے معنی ہیں ان کا رئیس اور اطراف کے معنی رؤسا اسلئے یہاں اطراف کے گھٹانے سے مراد علماء کی موت یا اس کے اہل کی موت اور پھلوں کی کمی لی گئی ہے اور اَطْرَافُ الرِّجَالِ سے مراد اشراف بھی ہیں (ل)، اور مجاہد نے یہاں یہی معنی زمین کی اطراف کے گھٹانے کیلئے ہیں (ق)۔

حق کے آخری غلبہ کا کھلا نشان اس کی قبولیت ہے

جب نشان ہلاکت کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس کا لانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور پھر اس سے پچھلی آیت میں فرمایا کہ اگر محمد رسول اللہ صلعم وفات بھی پا جائیں تو بھی حساب لینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے تو اب انہیں یوں توجہ دلاتا ہے کہ وہ اگر غور کریں تو ان کی آخری مغلوبیت کے نشان تو ابھی سے ظاہر ہو رہے ہیں کہ ہم زمین کے کناروں کو گھٹاتے چلے آتے ہیں یعنی ان کے بڑے بڑے آدمیوں کو کم کرتے چلے آتے ہیں اور دور دور اطراف عرب میں اسلام کا چرچا شروع ہو گیا ہے اور یہ کم کرنا صرف ان کی موت سے نہ تھا بلکہ ان کے مسلمان ہو جانے سے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ اور حمزہؓ جیسے انسان اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور بعض مخالف مرتے بھی جاتے تھے مگر عظیم ترین کامیابی اسلام کی جو اس زمانہ سے خاص تعلق رکھتی ہے مدینہ میں اسلام کا پھیل جانا اور بعض اور جوانب میں اس کی قبولیت کے آثار کا ظاہر ہونا ہے اور یہی ظاہر طور پر زمین کی اطراف کا گھٹتا چلا آنا تھا اور یہ اسلام کا اعجاز تھا کہ جس قدر اس کی مخالفت بڑھتی چلی جا رہی تھی اسی قدر دلوں پر اس کا اثر زیادہ ہوتا چلا جاتا تھا اور اسی قدر وہ اسباب پیدا ہوتے چلے جاتے تھے جن سے اس کا چرچا دور دور پھیلتا چلا جاتا تھا اور اگر مکہ میں اس کی ترقی رکی معلوم ہوتی تھی تو عرب کے اور اطراف میں اس کا قدم آگے بڑھ رہا تھا اور دوسری جگہ فرمایا افلا یرون انا ناتی الارض ننقصہا من اطرافہا افہم الغالبون (الانبیاء ۲۱-۴۴) یعنی یہ زمین میں اسلام کی قبولیت کا پھیلتے جانا کفر کے غلبہ کا نشان نہیں بلکہ اس کی مغلوبیت کا نشان ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں بھی کفر کی آخری مغلوبیت کی طرف ہی توجہ دلائی ہے تو سمجھایا کہ تمہیں آخری مغلوبیت تو اسی سے نظر آ جانی چاہیے کہ تمہارے بڑے بڑے آدمیوں کے دلوں پر اسلام تسلط کرتا چلا جا رہا ہے۔ درحقیقت حق کے آخری غلبہ کی اس سے بڑھکر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ دشمنوں کے دلوں پر وہ اثر پیدا کر دیتا ہے کاش آج بھی مسلمان دیکھتے کہ کس طرح اسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت یورپ کے دلوں کو کھاتی جا رہی ہے اور اس نشان سے سبق حاصل کر کے اپنا زور ان لوگوں کو مسلمان بنانے پر لگاتے اور مایوسی کو اپنے پاس نہ آنے دیتے۔ آخری الفاظ میں توجہ دلائی ہے کہ مخالفت کی ناکامی کا فیصلہ اللہ کے ہاں سے ہو چکا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے یعنی ان کی بدکاریوں اور شرارتوں کا اسی دنیا میں حساب لے لیگا۔

مخالفانہ منصوبے

۱۶۳۳ اس آیت میں کیسی صفائی سے بتایا کہ ان کی تدابیر اور منصوبے جو اسلام اور رسول اللہ صلعم کے خلاف کر رہے ہیں ناکام ہونگے للہ المکر جمیعا یعنی ان کی تدابیر کا کارگر یا ناکام ہونا اللہ کے اختیار میں ہے مگر یعلم ما تکسب کل نفس

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۴۳
بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝

اور جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں تو بھیجا ہوا نہیں کہو میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے ١٦٣٤

میں اپنا قانون بتایا کہ ایک کی ہلاکت اور دوسری قوم کا قیام ان کے اعمال کی وجہ سے ہے کافر جان لینگے کہ کامیاب کون ہوتا ہے اس قسم کے الفاظ کو پڑھتے ہوئے ان حالات کو مدنظر رکھنا چاہئے جن میں یہ کہے گئے وہ وقت آنحضرت صلعم اور مسلمانوں پر سخت ترین مصائب کا تھا۔ اور ہر طرف سے ناکامی ان کو گھیرے ہوئے معلوم ہوتی تھی۔ مکو کے لفظ میں یہ صاف اشارہ ہو کہ اس وقت آپ کے خلاف دشمنوں کے منصوبے ترقی پر تھے اور یہ ہجرت سے پہلے کا زمانہ ہو +

١٦٣٤ اللہ کی گواہی عملی رنگ میں ظاہر ہوتی ہو۔ یہی پیشگوئیاں جو اس قدر صفائی سے ان کو سنائی جاتی تھیں جب اپنے وقت پر آکر پوری ہوئیں تو سب عرب کی گردنیں اسلام کے سامنے جھک گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت آنحضرت صلعم کی سچائی پر تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی شہادت انہی پیشگوئیوں میں مذکور تھی اس لئے ساتھ ان لوگوں کا نام بھی بڑھا دیا جن کے پاس کتاب یعنی قرآن کریم اور اس کی ان پیشگوئیوں کا علم تھا۔ من عندہٗ علم الکتاب سے یہی مراد ہے ای علم القرآن (د) اور بعض نے پہلی کتابوں اور ان کی پیشگوئیوں کا علم بھی مراد لیا ہو +

اہل عرب نے کیونکر بالآخر اسلام کو قبول کیا



سورۃ ابرھیم مکیۃ وھی اثنتان وخمسون آیۃ و سبع رکوعات

نام

اس سورت کا نام ابراہیم ہے اور اس میں سات رکوع اور ۵۲ آیات ہیں اس سورت میں اعدائے رسل کے رسولوں کو دکھ دینے اور گھروں سے نکالنے اور رسولوں کی آخری کامیابی کا عام ذکر ہے مگر اس کے چھٹے رکوع میں حضرت ابراہیم کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے مکہ اور اہل مکہ کے لئے کی تھی۔ اور جس دعا میں یہ ذکر ہے کہ حضرت اسمٰعیل کو ایک خاص غرض کے لئے خانہ کعبہ کے قریب ایک وادی غیر ذی زرع میں چھوڑا گیا۔ اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان کا اس طرح چھوڑا جانا سلسلہ نبوت میں ایک پرحکمت فعل تھا۔ کیونکہ آخر اسی دور افتادہ شاخ سے اور اسی بے آب وگیاہ میدان سے توحید کا وہ چشمہ پھوٹنا تھا جس نے ساری دنیا کو سیراب کرنا تھا اس لحاظ سے اس سورت کا نام ابراہیم رکھا گیا اور اس دعائے ابراہیمی کا یہ اثر تھا کہ آنحضرت صلعم کے اعدا کو ہلاک نہیں کیا گیا +

خلاصہ مضمون

اس سورت میں سب سے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت تمام دنیا کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانے کے لئے ہے اور پہلے ہی رکوع میں حضرت موسیٰ کے ساتھ مماثلت کا اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ حضرت موسیٰ کا پیغام صرف اپنی قوم تک محدود تھا رسول عربی کا پیغام محدود نہیں۔ دوسرے رکوع میں مخالفین رسل کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح رسولوں کے پیغام کو نہ صرف پس پشت ڈالتے ہیں بلکہ اس کی مخالفت پر سارا زور لگاتے ہیں۔ تیسرے میں بتایا ہے کہ جب ان کی مخالفت حد کو پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس سرزمین سے بھی رسولوں کو نکال دیتے ہیں یا نکال دینے کا عزم کر لیتے ہیں تو آخر خدائی فیصلہ ہوتا ہے اور حق کامیاب اور باطل ناکام ہوتا ہے۔ چوتھے رکوع میں حق و باطل کا مقابلہ کر کے دکھایا ہے اور سمجھایا ہے کہ حق اس لئے کامیاب ہوتا ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہوتی ہے اور اس کے اصول و فروع ایک علم کی طرح ہوتے ہیں اسے کوئی چیز نابود نہیں کر سکتی۔ پانچویں رکوع میں بتایا کہ یہ حق جو وحی الٰہی کی صورت میں آسمان سے آتا ہے اس سے فائدہ نہ اٹھانا خود اپنے آپ کو ایک عظیم الشان نعمت الٰہی سے محروم کرنا ہے۔ چھٹے رکوع میں دعائے ابراہیم ہے اور بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم کا حضرت اسمٰعیل کو مکہ میں چھوڑنا خاص ارادۂ الٰہی کے ماتحت تھا تاکہ سلسلہ نبوت اپنے کمال کو پہنچے۔ اور ساتویں رکوع میں رسول اللہ صلعم کے مخالفین کی آخری مغلوبیت کا نقشہ کھینچا ہے +

تعلق

الرا کے مجموعہ میں یہ پانچویں سورت ہے اور اس میں ایک عمومیت کے رنگ میں رسولوں اور ان کے اعدا کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے سمجھایا ہے کہ حق ایک ایسی چیز ہے کہ وہ نابود ہو سکتی ہی نہیں وہ ایک درخت ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہوتی ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں پھیل کر چاروں طرف سے اپنی خوراک حاصل کرتی ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے تباہ نہیں کر سکتی اور باطل کی چونکہ جڑ کوئی نہیں ہوتی اس لئے دنیا کی کوئی طاقت اسے قائم نہیں رکھ سکتی اس لئے رسول جو حق کو ساتھ لاتے ہیں انجام کار غالب ہی ہوتے ہیں +

زمانہ نزول

اس سورت میں بھی کئی ایک صریح اشارات موجود ہیں کہ یہ مجموعہ مکہ کے آخری زمانہ کا ہے یہاں نہایت صفائی سے لنخرجنکم من ارضنا میں بتا دیا کہ کفار اب اپنی آخری تدبیر پر عزم کر رہے تھے اور ان کی اس عظیم الشان تدبیر کا ذکر یہاں ان الفاظ میں ہے وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال یہ وہی ان کی آخری چال تھی جس میں رسول اللہ صلعم کا کام تمام کرنے کا فیصلہ وہ کرنے والے تھے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

ع ۱۳ — آنحضرت اور موسیٰ کی بعثت

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ۙ بِاِذْنِ ۱

میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ (یہ) کتاب (ہے) جو ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ تو لوگوں کو انکے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکالکر روشنی کی طرف

رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ○ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي ۲

یعنی اسکے رستہ کیطرف جو غالب تعریف کیا گیا ہے[۱۶۳۵] اللہ (کی طرف) جس کیلئے سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین

الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ○ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۳

میں ہے اور کافروں پر سخت عذاب کی وجہ سے افسوس ہے جو اس دنیا کی زندگی سے آخرت سے بڑھکر

عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ○

محبت رکھتے ہیں[۱۶۳۶] اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس کیلئے ٹیڑھا پن چاہتے ہیں یہی لوگ پرے درجے کی گمراہی میں ہیں

ظلمت اور نور

۱۶۳۵ ظلمات۔ ظُلْمَۃ اور ظُلُمٰات کیلئے دیکھو ۳۰۰ اور اس سے مراد جہالت شرک فسق کو لیا جاتا ہے جیسا کہ نور سے مراد انہی باتوں کی ضد ہوتی ہے (غ) پس ظلمات سے نور کی طرف لے جانے سے مراد ہے کہ ہر قسم کی جہالت توہمات اور فاسد اعتقادات سے نکالکر صحیح علم اور صحیح خیالات کی طرف لے جانے یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ مذہب فی الحقیقت ایک علم ہے اور محض چند باتوں کے فرض کر لینے کا نام نہیں۔

نزول قرآن کی غرض

قرآن شریف کے نازل کرنے کی غرض لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانا ہے بالفاظ دیگر توہم پرستی اور جہالت کو دور کرکے علم صحیح اور خیالات صحیحہ کا دنیا میں پھیلانا اور یہاں الناس کا لفظ لاکر اور آیت ۵ میں حضرت موسیٰ کی وحی کی یہی غرض قرار دیکر قوم کا لفظ لاکر دونوں نبیوں کی مماثلت کو ظاہر کرتے ہوئے فرق بھی بتا دیا ہے کہ ایک کی غرض صرف اپنی قوم تک محدود تھی اور دوسرے کا پیغام تمام لوگوں کیلئے ہے۔ اور یہاں اس راہ کو عزیز وحمید کی راہ قرار دیکر بتا دیا کہ یہی صفات اسکے بندوں میں بھی پیدا ہو جائینگی

استحباب

۱۶۳۶ یستحبون۔ حُبّ کے لئے دیکھو ۲۰۳ اِسْتِحْبَاب یہ ہے کہ انسان کسی چیز کا قصد کرے کہ اس سے محبت کرے اور اس کا صلہ علیٰ لانے سے اس میں ایثار کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں (غ) یعنی ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دینا یا ایک سے بڑھکر دوسری سے محبت کرنا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا یا اس سے آخرت سے بڑھکر محبت رکھنا کافروں کا کام ہے اور اس کا نتیجہ وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسلمانوں میں ایثار کی کمی

آج مسلمانوں کی سب سے بڑی بیماری یہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے۔ یعنی فوائد دنیوی کی فوائد دینی سے بڑھکر پروا کرنا اور فوائد دنیوی کی خاطر فوائد دینی کو قربان کر دینا۔ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ فوائد دینی کی خاطر فوائد دنیوی کو قربان کر دیا جاتا مگر آج سب قومیں قومی فوائد کے لئے ایثار کرتی ہیں اور مسلمان سب سے پیچھے ہیں اس لئے نفع بھی دوسری قومیں ہی اٹھاتی ہیں جبتک مسلمانوں میں قربانی کی روح پیدا نہیں کی جائیگی اس وقت تک ان میں زندگی کے آثار کبھی پیدا نہیں ہو سکتے ۔

۴ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان میں ہی تاکہ انہیں کھولکر بتا دے پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ رہنے دیتا ہے اور جسے

۵ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ

چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۱۶۳۷ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیرے

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

سے روشنی کی طرف نکال لا اور انکو اللہ (کی نعمتوں) کے دن یاد دلا یقیناً اس میں ہر ایک صبر کرنیوالے شکر

۶ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

کرنیوالے کیلئے نشان ہیں اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا اللہ کی نعمت کو یاد کرو (جو) تم پر (ہوئی ہے)

اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

جب اس نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے چھڑایا جو تمہیں سخت عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے

۷ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَّنَ

ع ۲ / ۱۴

رسول اور انکے مخالف

اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی اور جب تمہارے رب نے

رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ

بتا دیا کہ اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دونگا اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۱۶۳۸

آنحضرت کی بعثت عام ہے ایک اعتراض اور اس کا جواب

۱۶۳۷ عیسائی معترضین کہتے ہیں کہ یہاں جو اصول بیان کیا گیا ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلعم صرف عرب کی طرف مبعوث ہوئے تھے کیونکہ آپ کی زبان عربی تھی۔ اور اسے قطعی نتیجہ کہا جاتا ہے یہاں یہ فرمایا ہے کہ ہر ایک نبی اپنی قوم کی زبان میں ہی بھیجا جاتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ ہر ایک نبی صرف اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہے اور یہ دو بالکل جدا باتیں ہیں آنحضرت صلعم کی قوم عرب تھی مگر آپ کی بعثت عرب اور عجم دونوں کی طرف تھی جیسا کہ قرآن کریم نے بار بار فرمایا ہے کہ آپ کو کافۃ للناس ...... بھیجا گیا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپکی بعثت اسود اور احمر سب کی طرف تھی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ پہلے تمام انبیاء ایک ایک قوم کی طرف ہی بھیجے گئے جیسا کہ ہر نبی کا ذکر کرکے فرمایا کہ وہ الی قومہ بھیجا گیا یعنی اپنی قوم کی طرف یہاں تک کہ حضرت عیسٰی کے متعلق فرمایا و رسولا الی بنی اسرائیل مگر آنحضرت صلعم کی نسبت کہیں نہیں فرمایا کہ آپ کو عرب کی طرف یا صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا بلکہ سب سے پہلی آیت میں ہی یہ فرق ظاہر کر دیا ہے دیکھو ۱۶۳۲ اور یہ بھی صحیح ہے کہ نبی صلعم نے اپنی قوم کو تیار کیا کہ وہ آپکا پیغام تمام دنیا میں پہنچائے۔

شکر نعمت سے مراد

۱۶۳۸ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک عام قانون بیان فرمایا ہے کہ جب نعمت کیلئے انسان شکر کرتا ہے تو وہ اور زیادہ ملتی ہے۔

وَقَالَ مُوسَىٰٓ إِن تَكْفُرُوٓا۟ أَنتُمْ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ ٱللَّهَ لَغَنِىٌّ ۸

اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور جو زمین میں ہیں سب کے سب کفر کرو تو اللہ یقیناً بے نیاز

حَمِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا۟ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَ

تعریف کیا گیا ہو ۱۶۳۹ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی اور

ٱلَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا ٱللَّهُ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِٱلْبَيِّنَـٰتِ فَرَدُّوٓا۟ أَيْدِيَهُمْ

ان کی جو ان کے پیچھے ہوئے انہیں اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا ان کے رسول کھلی دلائل لیکر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ

فِىٓ أَفْوَٰهِهِمْ وَقَالُوٓا۟ إِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ أُرْسِلْتُم بِهِۦ وَإِنَّا لَفِى شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَآ إِلَيْهِ

انکے مُنہوں میں ڈالے اور کہا ہم اس کا انکار کرتے ہیں جو تمہیں دیکر بھیجا گیا ہو اور یقیناً ہمیں اسکے بارہ میں سخت شک ہے جسکی طرف

مُرِيبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِى ٱللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم ۱۰

تم ہمیں بلاتے ہو ۱۶۴۰ انکے رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے قصور بخشے

مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوٓا۟ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

اور تمہیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا تم بھی ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔

منزل ۳ (حاشیہ)

الثلثة

اور نا شکری کا نتیجہ دکھ ہو شکر کے معنی کیلئے دیکھو ۱۷۱ اور شکر نعمت عملی رنگ میں یہ ہو کہ حصول نعمت کے لئے جو اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں ان سے فائدہ اُٹھائے یہ قانون جسمانی اور روحانی دونوں نعمتوں پر یکساں حاوی ہو۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے طاقت رکھی ہو کہ وہ بیج کو نشوونما دے اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ زمین میں بیج ڈالا جائے قلب انسانی میں طاقت رکھی ہو کہ وحی الٰہی کے اثر سے اسکی مخفی قوتیں بڑھیں اس نعمت کا شکر اس وحی کی قبولیت ہو جو اس طرح پر قدر کرتا ہو وہ فائدہ اُٹھاتا ہو جو نہیں کرتا اسکا انجام محرومی و دکھ ہے ۔

۱۶۳۹ مطلب یہ ہو کہ کفر (انکار یا ناشکری) سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا کسی کے شکر کرنے سے یا ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کو فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ ناشکری یا کفر سے اسکا کچھ بگڑتا ہو اسلئے کہ وہ غنی ہو یعنی اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ اور اسکی حمد میں بھی اس سے فرق نہیں آتا۔

۱۶۴۰ ردوا ایدیہم فی افواھہم اسکے معنی تین طرح پر ہو سکتے ہیں منکروں نے اپنے ہاتھ اپنے مُنہوں میں ڈالے گویا غیظ و غضب سے اپنے ہاتھ کاٹے جیسا کہ دوسری جگہ ہو عضوا علیکم الانامل من الغیظ (آل عمران ۳ - ۱۱۸) یا اپنے ہاتھ اپنے منہوں پر رکھے گویا خاموشی کیطرف اشارہ ہے یا اپنے ہاتھ نبیوں کے مُنہوں میں ڈالے گویا انہیں خاموش کرا دیا۔ اور ردّ کا استعمال یہ ظاہر کرنے کو ہو کہ وہ بار بار ایسا کرتے رہے (غ) ۔

ردوا ایدیہم

یہاں بیان کو حضرت موسیٰ کے ذکر سے لوٹا کر عام کر دیا ہو اور پھر فرمایا کہ اتنی قومیں ہوئی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا گویا ان کی تاریخ بھی محفوظ نہیں رہی۔ انہیں الفاظ کی بنا پر حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ نسابین یعنی وہ لوگ جو سلسلہ نسب حضرت آدم تک پہنچا کر بس کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ مگر ہمارے تاریخ نویسوں نے بعض حالات میں نسابوں کے بھی کان کتر دیئے ہیں ۔

۱۱ تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَتْ

تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روک دو جس کی ہمارے بڑے عبادت کرتے تھے تو ہمارے سامنے کوئی کھلی غلبہ کی بات لاؤ ۱۶۴۱ انکے

لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

رسولوں نے انہیں کہا کہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہو احسان کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

اور یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس سوائے اللہ کے حکم کے کوئی غلبہ کی بات لائیں اور چاہئے کہ مومن اللہ پر ہی بھروسہ کریں

۱۲ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ

اور کیونکر ہو سکتا ہو کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں اور اسی نے ہمیں ہمارے رستوں کی ہدایت کی ہو اور ضرور ہم اس پر صبر کرینگے جو تم ہمیں ایذا دیتے ہو

ع ۳ ۱۵ انجام مخالفت

۱۳ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم

اور چاہئے کہ بھروسہ کرنیوالے اللہ پر ہی بھروسہ کریں ۱۶۴۲ اور جو کافر تھے انہوں نے اپنے رسولوں کو کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے

مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝

نکال دینگے یا تمہیں ہمارے مذہب میں آجانا ہوگا سو ان کے رب نے انکی طرف وحی کی کہ ہم یقیناً ظالموں کو ہلاک کر دینگے

۱۴ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝

اور یقیناً ہم انکے بعد تمہیں زمین میں آباد کرینگے یہ اس کے لئے ہو جو میرے مقام سے اور میرے (عذاب کے) وعدہ سے ڈرتا ہو ۱۶۴۳

۱۶۴۱ سلطان کے معنی کیلئے دیکھو ۱۵۳۔ پہلی آیت میں رسولوں کا بینات یعنی کھلی دلائل کے ساتھ آنا بیان کیا تھا یہاں وہ سلطان کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ حق کے غالب ہو جانے کا مطالبہ کرتے ہیں جیسا کہ انہیں کہا جاتا تھا۔

۱۶۴۲ جو کچھ یہاں عام رسولوں کے متعلق بیان کیا گیا ہو اس سب میں ذکر آنحضرت صلعم کا ہی اصل مقصود ہو۔

مقام

۱۶۴۳ مقامی - میرا مقام۔ اور مقام مصدر یعنی قیام بھی ہو سکتا ہے اور اسم مکان یا زمان بھی یعنی کھڑا ہونے کی جگہ یا وقت (غ)۔ پس یہاں مقامی کے معنی میرا قیام یعنی میرا حفظ اعمال کے ساتھ قائم ہونا بھی ہو سکتے ہیں یا میرا عدل و انصاف پر قائم ہونا۔ اور اس کے معنی میرا موقف یعنی میرے حضور سب انسانوں کے کھڑا ہونے کی جگہ بھی ہو سکتے ہیں۔

انجام رسل اعدا کی آخری کامیابی

سب رسولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قانون ایک ہی رہا ہے۔ آخری کامیابی سب کو ملتی ہے۔ مگر اس زمانہ میں سے بھی سب کو گزرنا پڑتا ہو جب باطل کی فوجیں پورے زور پر ہوتی ہیں اس وقت رسولوں کو وعدہ دیا جاتا ہو کہ حق کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہو مگر وہ ضرور غالب آئیگا اور باطل کو نیست و نابود کر دیا جائیگا آیت ۱۳ میں ارضنا سے مراد خاص وہ ملک ہو جہاں مخالفین کا غلبہ ہے مگر آیت ۱۴ میں الارض وسیع ہو حق کو قائم کر دیا جائیگا خواہ کہیں ہو اسی جگہ پر واپس لانے کا وعدہ اللہ رسول

وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ مِّن وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ ۱۵، ۱۶

اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر ایک سرکش باغی نامراد ہوا ۱۶۴۴ اس کے سامنے دوزخ ہے اور اسے کھولتا ہوا

صَدِيدٍ ۝ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ ۱۷

پانی پلایا جائیگا ۱۶۴۵ وہ اسے گھونٹ گھونٹ پئے گا اور اسے گلے سے نہیں اُتار سکے گا اور ہر طرف سے اسے موت آرہی ہوگی

وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝ مَّثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۱۸

اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے سامنے سخت عذاب ہوگا ۱۶۴۶ ان لوگوں کی مثال جو اپنے رب کا انکار

بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ

کرتے ہیں (یہ ہو کہ) انکے عمل راکھ کی طرح ہیں جس پر آندھی کے دن ہوا زور سے چلے

لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ

جو کچھ انہوں نے کمایا تھا اس میں سے کوئی چیز انکے ہاتھ نہ آئیگی

صلعم سے خاص تھا لرادك الی معاد (القصص ۲۸-۸۵) اور لتعودن فی ملتنا کے لئے دیکھو ۱۱۳۲ ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جب آنحضرت صلعم کے اخراج کی تجویزیں ہو رہی تھیں +

فتح — ۱۶۴۴ استفتحوا ۔ اِسْتِفْتَاح فَتْحٌ سے ہے جس کے معنی زنجیروں بیڑیوں کا دور کرنا ہیں یعنی کھولنا اور یہ جسمانیات پر بھی بولا جاتا ہے یعنی جو چیزیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور علوم وغیرہ پر بھی یعنی جو بصیرت سے تعلق رکھتی ہیں اور فتح القضیۃ فتاحًا کے معنی ہیں مقدمہ کا فیصلہ کر دیا گویا اس کی زنجیروں یا مشکلات وغیرہ کو دور کر دیا ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین (الاعراف ۸-۸۹) اور

استفتاح — فتح بمعنی ظفر و نصرت بھی آتا ہے اور اِسْتِفْتَاح کے معنی طَلَبُ الْفَتْح بھی ہو سکتے ہیں اور طَلَبُ الفتاح بھی یعنی فتح چاہنا یا فیصلہ چاہنا (غ)۔ استفتاح انبیاء بھی کرتے ہیں جیسے ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق (الاعراف ۸۹) سے ظاہر ہے اور انکے مخالف بھی جیسے ربنا عجل لنا قطنا (ص ۲۳-۱۶)، فاتنا بما تعدنا (الاعراف ۷۰)، اور جنگ بدر کیلئے جب قریش نکلے ہیں تو اس وقت ابوجہل نے بھی دعا کی تھی دیکھو ۱۰۱۲

صدید — ۱۶۴۵ صدید ۔ صَدٌّ اور صُدُودٌ کسی چیز سے روکنا یا رکنا ہے اور صَدِیدٌ پیپ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو چمڑے اور گوشت کے درمیان حائل ہو اور یہ دوزخیوں کے طعام کیلئے بطور مثال بیان کیا گیا ہے (غ)، اور صدید اس گرم پانی کو بھی کہا جاتا ہے جو ابالا گیا ہو۔ یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے اور تلچھٹ کو بھی (ل) +

جُرْعَۃ۔ تجرّع — ۱۶۴۶ یتجرع ۔ جَرَعَ اور تَجَرَّعَ پانی کے نگلنے پر بولا جاتا ہے۔ اور جُرْعَۃ اور جَرْعَۃ ایک گھونٹ اور ایک مرتبہ پینے کو کہتے ہیں (ل) اور نہایہ میں ہے کہ تجرّع کے معنی ہیں جلدی سے پانی پی جانا اور بعض کے نزدیک گھونٹ گھونٹ پینا معنے ہیں +

ساغ — یسیغ ۔ سَاغَ ۔ کھانے یا پانی پر بولا جاتا ہے جو گلے سے آسانی سے اُتر جائے سائغا للشاربین (النحل ۱۶-۶۶) +

جب استفتاح کا نتیجہ یہ فرمایا کہ حق کو نابود کرنے کی کوشش کرنے والے نامراد ہو جاتے ہیں تو اس عذاب دنیا کے بعد عذاب جہنم کا ذکر کیا۔ موت کے معنی کے لئے دیکھو ۹۵ اور یہاں مراد وہ دکھ اور مصائب ہیں جو موت تک پہنچا دیتے ہیں مگر چونکہ موت نہ

۱۹ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

یہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے ۱۶۴۷ کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ

۲۰ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَّمَا ذٰلِكَ

پیدا کیا اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ۱۶۴۸ اور یہ اللہ پر

۲۱ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ

کچھ بھی مشکل نہیں اور سب اللہ کے سامنے نکل کھڑے ہونگے تب کمزور انہیں جو تکبر کرتے

اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا

کہینگے ہم تمہارے پیرو تھے تو کیا آج تم کچھ اللہ کا عذاب ہم سے دور کر سکتے ہو؟ وہ کہینگے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝

اگر اللہ ہمیں راہ دکھاتا تو ہم تمہیں راہ دکھاتے۔ ہمارے لئے برابر ہو کہ ہم واویلا کریں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی گریز کی جگہ نہیں ۱۶۴۹

نہیں ہی اسلئے وہ مرتا نہیں لا یموت فیها ولا یحیٰی (طٰہٰ - ۷۴) +

من ورائه کے معنی آگے اور پیچھے دونوں ہو سکتے ہیں اسلئے من ورائه عذاب غلیظ میں عذاب دنیا کیطرف اشارہ ہو سکتا ہے

۱۶۴۷ یوم عاصف۔ عاصف اصل میں ہوا کی صفت ہی دیکھو ۱۳۵۵ یوم کی طرف اس کا اسناد بطور مجاز ہو +

کافروں کے اعمال کو راکھ سے مثال دی ہو جو ایک تیز ہوا کے سامنے اڑجاتی ہے اس لئے کہ ان کی ساری دوڑ خواہشات حیوانی تک تھی۔ اس کے خاتمہ کے ساتھ ہی وہ عمل بھی برباد ہو گئے اور آخرت میں کچھ کام نہ دینگے +

۱۶۴۸ آیت کے دونوں حصوں میں کیا تعلق ہو؟ حق کے ساتھ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر فعل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہو اس لئے انسانوں کے افعال بھی بلا نتیجہ نہیں رہ سکتے اور ایک قوم کے اعمال و افعال ہی اس کے زوال کا موجب ہوتے ہیں +

۱۶۴۹ تبعاً۔ تابع کی جمع ہو +

لو ھدٰنا اللّٰہ لھدینٰکم۔ یہاں راہ دکھانے سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہو کہ راہ حق دکھاتے مگر سیاق یہ چاہتا ہو کہ اس سے مراد عذاب سے مخلصی کی راہ ہو۔ کیونکہ ان کا سوال یہ ہو کہ کیا تم کچھ عذاب ہم سے دور کر سکتے ہو +

جزع جزعنا جَزَعٌ کے اصل معنی رسہ کو درمیان سے کاٹ دینا ہیں اور جَزَعٌ اس حزن یا غم کو کہتے ہیں جو انسان کو اپنے سامنے کی چیز سے پھیر دے اور اسے اس سے کاٹ دے (غ) اور یہ صبر کے مقابل پر ہے حزن اور صبر جمع ہو سکتے ہیں مگر جَزَع اور صبر جمع نہیں ہو سکتے +

حیص محیص محیص۔ حَیص کے معنی ہیں ایک چیز سے الگ ہو جانا اور محیص مَهْرَب یعنی بھاگنے کی جگہ (ل) اور حَیْصَ بَیْصَ کے معنی شدت ہیں +

ع ۴ — حق و باطل کا مقابلہ

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ ۲۲

اور جب بات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا اللہ نے تمہیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے بھی وعدہ کیا

فَاَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ

تو تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا ہاں میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میری بات فوراً مان لی

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۖ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ اِنِّيْ كَفَرْتُ

سو مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو میں تو پہلے سے ہی

بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۗ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ ۲۳

اسکا انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا بیشک ظالموں کیلئے دردناک دکھ ہے ۱۶۵۱ اور وہ لوگ جو ایمان

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۗ

لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے باغوں میں داخل کئے جائینگے جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں اپنے رب کے حکم سے انہیں میں رہینگے۔

صرخۃ

۱۶۵۰ مصارخ۔ صرخۃ۔ اس زور کی آواز کو کہتے ہیں جو مصیبت کے وقت دوسرے کو مدد کو بلانے کیلئے بلند کی جاتی ہے۔ اور صارِخ فریاد کرنے والا اور مُصْرِخ وہ جو فریاد سنکر مدد کو آئے اور صَارِخ دونوں پر بولا جاتا ہے فلا صَرِیخَ لھم (یٰسٓ ۳۶-۴۳)۔

صارخ۔ مُصْرِخ

شیطان کا انکار شرک

انی کفرت بما اشرکتمون من قبل کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ترجمہ میں اختیار کئے گئے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ خدا کا شریک ہونے کا میں پہلے ہی منکر تھا یا میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں خدا کا شریک ہوں یا تم مجھے خدائی طاقتوں میں اس کا شریک مانو اور یہ معنی بالکل سیاق کے مطابق ہیں کیونکہ اوپر وہ صاف کہتا ہے کہ اللہ کے وعدے تو سچے ہوتے تھے اور میرے وعدے جھوٹے پس اسی سے تم سمجھ سکتے تھے کہ اگر مجھ میں بھی کوئی خدائی طاقت ہو تو میں بھی اپنے وعدوں کو پورا کروں۔ اور اب جو تم مجھ سے مدد مانگتے ہو تو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں کیونکہ میں کوئی خدا کا شریک تو ہوں نہیں۔ دوسرے معنی یوں ہو سکتے ہیں کہ میں نے جو خدا کا انکار کیا اس کی وجہ خود تمہارا شرک ہے اگر تم مجھے خدا کا شریک نہ بناتے تو میں بھی اس کا کافر نہ ہوتا اور اس صورت میں شیطان سے مراد وہی سردار ہوگا جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہے انا کنا لکم تبعاً۔ گویا جب کمزوروں نے بڑوں سے درخواست کی کہ ہم تمہاری باتیں مان کر تمہارے پیچھے چلا کرتے تھے تو وہ بڑے یہ جواب دیتے ہیں کہ تمہارے پیچھے چلنے نے ہی تو ہمیں کافر بنایا اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں جو اپنے لئے خدا کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں اپنے پیرووں سے منواتے ہیں تو اس کی وجہ عوام الناس کی حماقت ہوتی ہے جب لوگ ایک شخص کو بڑا بنانا شروع کریں تو وہ کیوں بڑا نہ بنے گویا جب عوام نے یہ کہا کہ ہم تمہاری پیروی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی بڑا بنانے سے کافر ہوئے اور کفر میں بڑھتے گئے گویا تم ہماری ہلاکت کا موجب ہوئے اور ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ میں اس بات کا انکار کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں شریک بنایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا اور میں برے کاموں کی طرف بلاتا تھا۔

چھوٹوں کی غلطی سے بڑے گمراہ ہوتے ہیں

وعدۂ شیطانی

اس آیت میں یہ دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے تھے اور شیطان کے وعدے جھوٹے

۲۴ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً

ان میں انکی دعائے ملاقات سلام ہوگی ۔ کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی ہو (جو) ایک پاکیزہ

طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ۝

درخت کی طرح ہے اسکی جڑ مضبوط ہو اور اسکی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں ۱۶۵۱

نیکی اور بدی پر وعدے

اور اس کا نظارہ ہم اس دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ نیکی پر خوشی کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے ہمیشہ سچا ثابت ہوتا ہے اور بدی پر خوشی کا وعدہ جو شیطان دیتا ہے ہمیشہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ بد صحبت میں بیٹھکر تباہ ہوتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ جس جس شیطان نے جو جو کمکران کو بدی کی طرف مائل کیا تھا وہ آخر کار سب جھوٹ نکلا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیطان کا نیکوں پر تو کیا بدوں پر بھی کوئی تسلط نہیں۔ وہ صرف ایک تحریک ہوتی ہے جو انسان اپنی بدبختی سے جھٹ پٹ قبول کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر شیطان کو مسلط نہیں کیا بلکہ لوگ خود اس کا اتباع اختیار کرتے ہیں ✦

شیطان کا تسلط نہ نیکوں پر ہے نہ بدوں پر

اصل

۱۶۵۱ اصل کسی چیز کا اَصْل اس کا سب سے نیچے کا حصہ ہے (ل)، یا وہ چیز جو اس کے لئے بطور بنیاد ہے کہ اگر اس کو اٹھایا جائے تو ساری شے ساتھ اٹھ جائے (غ)

فرع

فَرْع کے معنی شاخ ہیں اور اس کی جمع فُرُوع ہے اور یہ دو لحاظ سے ہو ایک طول یعنی بلندی کے لحاظ سے کیونکہ فَرَعَ کے معنی طَال ہیں اور دوسرا لحاظ عرض جیسے تَفَرَّعَ کے معنی پھیل گیا ✦

کلمہ حق کی مضبوطی

اس آیت میں کلمہ طیبہ اور آیت ۲۶ میں کلمہ خبیثہ کی مثال دی ہو جس سے مراد حق اور باطل ہیں کلمہ طیبہ سے کسی نے لا اله الا الله کسی نے قرآن کسی نے دعوت الی الاسلام مراد لی ہو۔ مگر کلمہ حق میں یہ سب کچھ داخل ہو ایسا ہی کلمہ خبیثہ سے مراد کفر، کذب وغیرہ لیا گیا ہو جو سب کچھ باطل میں داخل ہو یہاں بتایا ہو کہ حق بات کی مثال اس درخت کی ہو جس کی جڑ زمین میں مضبوط لگی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں یعنی بلند بھی ہوں اور ویسے بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ مثال صرف سمجھانے کے لئے ہو یا مراد اس سے کھجور کا درخت ہو؟ صحیح حدیث میں مسلم کی مثال کھجور کے درخت سے دی ہو کیونکہ اس کی کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ مگر یہاں مسلم کی مثال نہیں بلکہ حق بات کی مثال ہو اور اس میں سمجھایا ہے کہ جس طرح ایک درخت جس کی جڑ زمین میں لگی ہوئی ہو اس کی شاخیں آسمان میں پھیل جاتی ہیں اسی طرح کلمہ حق ہوتا ہے کہ اس کا اصل مضبوط ہوتا ہو اور اس کی فروع سب اس اصل سے تعلق رکھتی ہیں گو کتنی بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہوں پس وہ فروع سب ایک اصل کے ماتحت ہوتی ہیں اور اصل اور فروع کا تعلق اسی طرح دلائل عقلی سے روشن ہوتا ہو جس طرح درخت کی جڑ اور شاخوں کا تعلق ظاہر ہوتا ہو۔ اور اس مثال میں یہ بھی سمجھایا ہو کہ جس طرح درخت کی جڑ پانی کے ذریعہ سے غذا حاصل کرتی ہو اور اس کی آسمان میں پھیلی ہوئی شاخیں ہوا اور دھوپ وغیرہ سے بھی ساتھ ساتھ اپنی غذا حاصل کرتی چلی جاتی ہیں اسی طرح حق کے اصل اصول تو وحی الٰہی سے قایم ہوتے ہیں جو بمنزلہ پانی کے ہو مگر اس کی فروع کو علاوہ اس غذا کے حالات پیش آمدہ سے بھی جو ان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہوتے ہیں غذا ملتی رہتی ہو یہ اجتہاد کے ذریعہ سے ان فروع کا نشوونما پانا ہو ✦

حق کے اصول و فروع

اشجار بہشت اعمال صالحہ سے پیدا ہوتے ہیں

یہاں بہشت کے ذکر کے بعد فوراً اس مثال کو بیان کیا ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس مثال کا تعلق بہشت سے بھی ہے بہشت کا نقشہ عموماً ان الفاظ میں کھینچا ہو کہ وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہاں کلمہ حق کو درخت سے مثال دے کر بتا دیا کہ بہشت کے درخت اور ثمرات اسی کلمہ حق کا ہی نتیجہ ہیں جس کو قبول کر کے انسان اس کے مطابق عمل کرتا ہو۔ گویا ہر کلمہ حق بمنزلہ ایک

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۲۵
وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ ۲۶
تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت کی طرح ہو جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ

الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ۲۷
پھینکا جائے اسکو کچھ بھی قرار نہیں ۱۶۵۲ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یقینی بات کے ساتھ مضبوط کرتا ہے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَ
دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو ہلاک کرتا ہے اور

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۝
اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۱۶۵۳

بیج کے ہے جس سے ایک ایسا درخت بن جاتا ہے جو ہمیشہ اپنا پھل دیتا رہتا ہے (آیت ۲۵) یعنی دنیا کے درختوں کی طرح نہیں کہ سال میں ایک آدھ دفعہ پھل دے دیا بلکہ اس کا پھل ہر وقت موجود رہتا ہے یہی انسان کے اعمال ہی آخر کار باغوں اور پھلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہاں اس عالم میں وہ زیادہ تر نظروں سے مخفی رہتے ہیں عالم آخرت میں کھلے کھلے نظر آجاتے ہیں گویا ہر شخص کے اعمال کے مطابق ہی اس کے لئے بہشت تیار ہوتا ہے ✦

جُثّة۔ اجتثاث

۱۶۵۲ اجتثت کسی چیز کا جُثّة اس کا وہ وجود ہے جو نظر آرہا ہو۔ اور اِجْتِثَاث اس کے جُثّہ کا نکال پھینکنا ہے ✦

باطل کی بے بنیادی

جس طرح حق بات کی مثال ایک مضبوط جڑ والے درخت سے دی ہو باطل کی مثال اس درخت سے دی ہو جس کی جڑ زمین کے اندر مضبوط نہیں بلکہ ذرا سے مقابلہ پر وہ سارے کا سارا اُکھڑ جاتا ہے۔ اور یہی باطل کا قاعدہ ہے کہ اسے قیام کچھ نہیں ہوتا۔ ایک دلیل سے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ان دو مثالوں کو لا کر یہ بتایا کہ قرآن کی حقانیت ایسی زبردست ہے کہ کوئی دلائل اسے توڑ نہیں سکتیں بلکہ جوں جوں عقلی دلائل ترقی کرینگی توں توں اس کی مضبوطی اور اس کی شاخوں کی بلندی ظاہر ہوتی جائے گی اور باطل کو کبھی بھی قرار نہیں ہوگا یہی حال تمام ان عقاید کا ہے جو اسلام کے خلاف ہیں کہ وہ کسی اصل کے ماتحت نہیں اس لئے فوراً گر جاتے ہیں ✦

۱۶۵۳ اس آخری آیت میں بتا دیا کہ اصول حقہ کا یہ اثر مومن کی زندگی میں بھی نظر آتا ہو یہاں بھی اور آخرت میں بس جس شخص کو ایسی مضبوطی حاصل نہیں۔ اس کا ایمان بھی ناقص ہو ✦

یضل اللہ الظلمین میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے تو لوگوں کو مضبوط ہی کرتا ہے مگر جو لوگ خود ظلم کا طریق اختیار کرتے ہیں انہیں ان کی گمراہی کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہو ✦

ع ۵ — وحی آلٰہی سے فائدہ نہ اٹھانے کا نتیجہ

۲۸ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کی جگہ کفر لے لیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں

۲۹، ۳۰ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا

اُتارا ۱۶۵۴ (یعنی) دوزخ اس میں وہ داخل ہونگے اور وہ بری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور وہ اللہ کے شریک بناتے ہیں

۳۱ لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ۝ قُلْ

تاکہ اس کے رستہ سے گمراہ کریں کہہ (دنیا میں) فائدہ اُٹھالو آخر کار تمہیں دوزخ کی طرف ہی جانا ہے میرے

لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا

بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہدو کہ وہ نماز کو قایم کریں اور اس سے جو ہم نے انکو دیا ہے چھپ کر اور

۳۲ وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي

ظاہر خرچ کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ لین دین ہوگا اور نہ دوستی کام آئیگی ۱۶۵۵ اللہ وہ ہے جس نے

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی اُتارا پھر اسکے ساتھ تمہارے لئے

الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ

پھلوں سے رزق نکالا اور کشتیوں کو تمہاری خدمت میں لگایا تاکہ وہ سمندر میں اسکے حکم سے چلیں اور دریاؤں

۳۳ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝

کو تمہاری خدمت میں لگایا اور سورج اور چاند کو جو ایک قانون پر چل رہے ہیں تمہاری خدمت میں لگایا اور رات اور دن کو بھی تمہاری خدمت میں لگایا

بَارَ بوار

۱۶۵۴ بوار۔ کساد یا سرد بازاری کا بہت ہو جانا ہے اس لئے اس کے معنی ہلاکت ہو گئے ہیں تِجَارَةً لَّن تَبُورَ (فاطر ۳۵-۲۹) وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ (فاطر ۳۵-۱۰) وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا (الفتح ۴۸-۱۲) +

نعمت سے مراد وحی آلٰہی یا قرآن ہے اور اس کے تبدیل کرنے سے مراد اس کا قبول نہ کرنا اور اس کی جگہ کفر کا لینا ہے گویا اس نعمت کو دیکر کفر لیا یہ اہل مکہ کی طرف اشارہ ہے جو بجائے نعمت آلٰہی کی قبولیت کی جگہ رسول اللہ صلعم کو جو اس نعمت کے لانے والے تھے گھر سے نکال رہے تھے جس کا نتیجہ ان کی قوم پر ہلاکت کا آنا ہوا +

۱۶۵۵ نماز کا قایم کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ان مشکلات کا علاج بتایا جو کفار کی طرف سے اس وقت پیش آ رہی تھیں بیع اور خُلت کے نہ ہونے پر دیکھو ۳۲۸ +

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۳۴

اور جو کچھ تم مانگو اس میں سے تمہیں دیتا ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں گن نہ سکوگے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا ۳۵

ع ۱۸ — دعائے ابراہیم

یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بڑا ناشکرگزار ہے ۱۶۵۶ اور جب ابراہیم نے کہا میرے رب اس شہر کو امن والا

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝

بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پرستش کریں ۱۶۵۷

حصی — ۱۶۵۶ تحصوا۔ حصی کنکری کو کہتے ہیں اور چونکہ پہلے کنکریوں سے گنتی کی جاتی تھی (یا چونکہ کنکریوں سے گنتی سکھائی جاتی ہے) اسلئے احصاء — اِحْصَاء کے معنی گنتی کے ذریعہ سے کسی چیز کا حاصل کرلینا یا اس کا احاطہ کرلینا ہیں واحصی کل شیء عددا (الجن ۷۲-۲۸) علم ان لن تحصوہ (المزمل ۷۳-۲۰)۔

ظلوم کفار — ظَلُوم اور کَفَّار — ظالم اور کافر سے مبالغہ کے صیغے ہیں بڑا ظالم بڑا ناشکرگزار۔

سورج چاند وغیرہ کا تسخیر — اوپر کی دونوں آیتوں میں جب یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں اور دریاؤں کو۔ سورج اور چاند کو۔ رات اور دن کو انسان کے لئے مسخر کر رکھا ہے اور اس کے کام میں لگا دیا ہے تو یہاں اس کو عام کرکے بیان فرمایا کہ یہ کیا ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم اس سے فائدہ اُٹھاتے ہو۔ ہاں ان چیزوں سے پھر تم اس قدر فائدہ اُٹھاتے ہو جس قدر مانگو اور وہ مانگنا اپنے عمل سے ہے۔ ہوائیں بادل بجلیاں آگ پانی یہ سب چیزیں انسان کی خدمت میں لگائی ہیں۔ کیونکہ انسان ان سے منفعت حاصل کرتا ہے مگر پھر جس قدر زیادہ ان سے وہ خود کام لے اسی قدر زیادہ نفع اُٹھائے گا پس جس طرح دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی روحانی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاؤ ان کو کیوں ظلم اور ناشکری سے پھینکتے ہو۔ وحی الٰہی اسی طرح تمہیں روحانی طور پر فائدہ پہنچانے والی چیز ہے جس طرح جسمانی رنگ میں یہ نعمتیں اس لئے جب تم اسے رد کرتے ہو تو اس کے فائدہ سے محروم ہو کر اسی طرح دکھ اُٹھاتے ہو جس طرح جسمانی نعمتوں سے محروم ہو کر بھی نتیجہ دکھ ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اس میں یہ بھی سمجھایا ہے کہ جن چیزوں کو تم اپنا معبود بناتے ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔

سلسلہ نبوت کا نظم — ۱۶۵۷ اس سارے رکوع میں صرف اس دعا کا ذکر ہے جو حضرت ابراہیم نے مکہ اور اہل مکہ کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کی اور اس سے پہلے اور پیچھے دونوں طرف مخالفت حق اور اس کے انجام کا ذکر ہے یہ مضمون بے تعلق نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نبوت اور وحی الٰہی کا سلسلہ سب ایک نظم میں منسلک ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو اپنے اسی ارادہ کے مطابق دنیا میں مبعوث فرمایا ہے جو وہ مدتوں پیشتر انبیاء پر ظاہر فرما چکا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم گویا ایک جڑ کی طرح ہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کے لئے بطور جد کے ہیں اور یوں گویا یہ بھی ایک تشریح ہے اس اصول کی جو آیت ۲۴ میں بیان فرمایا کہ حق ایک درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین میں قایم ہے اور شاخیں چاروں طرف آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں اور حضرت ابراہیم کے مذہب کا اصل الاصول بھی وہی توحید الٰہی تھا جو سب مذاہب کے لئے بطور ایک جڑ کے ہے۔ کوئی مذہب نہیں جس نے ایک خدا کے ساتھ تعلق قایم کرنے کو بطور اصل اور جڑ نہ ٹھہرایا ہو۔ اسی لئے حضرت ابراہیم کی دعا میں بھی سب سے پہلے ذکر توحید الٰہی کا کیا اور اس توحید کے ذکر کے ساتھ یہ بھی دعا ہے کہ مکہ امن والا شہر ہو سو اس لئے کہ اس میں خانہ کعبہ تھا جو وہ بھی توحید کے لئے بطور نشان

۳۶ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ

میرے رب انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جو میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے اور جو میری

۳۷ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ

نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ۱۶۵۸ ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس ایسی

زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ

میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہمارے رب تاکہ وہ نماز قایم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف

تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ وہ شکر کریں ۱۶۵۹

ابتدائے عالم سے قایم کیا گیا اور ایک خدا کی پرستش کا سب سے پہلا معبد دنیا میں یہی ہوا۔

عصمت انبیاء کا راز اور ہمارے لئے اس میں نمونہ

حضرت ابراہیم کی یہ دعا عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔ اس لئے کہ وہ عصمت حاصل ہی اس سے ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے اور اس سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں اسی لئے حفاظت الٰہی ان کے شامل حال رہتی ہے عصمت انبیاء کا اگر یہ مطلب ہوتا کہ وہ کوئی علیحدہ قویٰ کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں تو انبیاء کی عصمت ہمارے لئے کچھ مفید نہ ہو سکتی تھی ان کی عصمت کا راز ہی یہ ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں حفاظت الٰہی طلب کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرتے اور ان کی عصمت کے اس راز کو سمجھ کر ہی ہم بھی گناہوں سے بچ سکتے ہیں کہ ان کی طرح اپنے نفسوں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ ہر حال میں حفاظت الٰہی کے طالب ہوں لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین نبی کریم صلعم کی دعا ہمارے لئے کیسی اچھی تعلیم ہے۔

انبیاء میں محبت کا جوش

۱۶۵۸ آیت کے پہلے حصہ میں بتوں کو لوگوں کے گمراہ کرنے والے ٹھہرایا ہے اور یہ اسناد بطور مجاز ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرستی سے لوگ گمراہ ہو گئے ورنہ بت تو بے جان ہیں وہ گمراہ نہیں کرتے پچھلے حصہ میں انبیاء کی وسعت قلبی اور ہمدردی کا نقشہ ہے۔ وہ نافرمانوں کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کی صفت غفر اور رحم کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی اس دعا میں آپ کے اس فرزند کی حالت قلبی کا بھی نقشہ کھینچا ہے جو رحمۃ للعالمین کر کے بھیجا گیا۔ اس لئے اس کے دشمن یوں تباہ نہ ہوئے جیسے انبیائے سابق کے مخالفوں کی ہلاکت کا نقشہ قرآن شریف نے کھینچا ہے بلکہ زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کے غفر اور رحم کی صفات کے نیچے آ کر ہدایت پا گیا۔ اور چونکہ جو نقشہ حق کے مخالفین کی ہلاکت کا اس سورت میں کھینچا ہے اس میں خاص مقصود تو نبی کریم صلعم کے ہی دشمن ہیں اسلئے حضرت ابراہیم کی اس دعا میں یہ بتایا ہے کہ کچھ ہلاک ہو کر بہت غفر اور رحم کے نیچے آ جائینگے۔

ھوی

۱۶۵۹ ھوی۔ ھَوَیٰ کے ایک معنی **۹۶۴** میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور گو یہ لفظ مطلق عموماً مذموم ہوتا ہے یعنی ادنیٰ یا گری ہوئی خواہشات پر بولا جاتا ہے مگر اچھے معنی میں بھی اس کا استعمال ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے متعلق تقرب الی اللہ بھواہ اچھی ہوای یعنی محبت سے اللہ کا قرب حاصل کیا۔ اور اچھے کاموں کی محبت کے متعلق ہی اس کا استعمال رسول اللہ صلعم کے لئے بھی ہوا ہے۔ جیسے حضرت عایشہ کی حدیث میں یسارع ربک فی ھواک یعنی جن اچھی باتوں کی طرف آپ کا میلان ہے ان میں آپ کا رب آپ کو بہت جلد عطا فرماتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ھوی کے معنی کسی چیز کی محبت اور اسکا دل پر غالب آ جانا ہیں (ل)، حدیث میں ہے

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ ؕ وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا ۳۸

ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ پر کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہتی (نہ) زمین میں اور نہ

فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ ۳۹

آسمان میں ۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسمٰعیل اور اسحاق دیئے۔ یقیناً میرا رب

لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ ۴۰

دعا کا سننے والا ہے ۔ میرے رب مجھے نماز کا قایم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی، ہمارے رب اور میری دعا کو قبول فرما۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ۴۱

ہمارے رب میری مغفرت فرما اور میرے ماں باپ کی اور مومنوں کی (بھی) جس دن حساب قایم ہو۔ ۱۶۶۰

یاخُذُ کلُّ واحدٍ مِنَ الْبَیْعِ ما ھَوِیَ جس کے معنی ہیں ما اَحَبَّ یعنی جس چیز سے محبت کرتا ہو (ت)، اور ھَوَی یَھْوِی ھَوِیًّا اور ھُوِیًّا معنی گرا ہی۔ اور ھَوِیّ کے معنی نیچے کی طرف آنا ہیں اور ھُوِیّ کے معنی اوپر کی طرف جانا یا اسکے خلاف اور ھَوَی یَھْوِی کے معنی چلنے میں تیزی بھی ہیں اور تھوی الیھم میں معنی ان کی طرف مائل ہونے کے بھی کئے گئے ہیں اور بلند ہونے کے بھی اور احسان کا ارادہ کرنے کے بھی اور اسکی طرف جلدی کرنے کے بھی (ل)، اور ھَوَاء وہ ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور آیت ۴۳ میں افئدتھم ھواء اسی لحاظ سے ہے یعنی جیسے خلا میں ہوا ہوتی ہے (غ) گویا وہ خالی ہیں یعنی عقل سے خالی یا خوف کی وجہ سے کسی چیز کو محفوظ نہ رکھ سکیں گے (ل)۔

ھواء

یہ حضرت اسمٰعیل کے خانہ کعبہ کے پاس چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے یہاں لفظ اسکنت لا کر بتا دیا ہے کہ یہ چھوڑنا محض اخراج کے طور پر نہ تھا بلکہ مصلحت الٰہی کا تقاضا تھا کہ حضرت ابراہیم کی اولاد کا ایک حصہ یہاں آباد ہو اور حدیث میں بھی ہے کہ یہ چھوڑنا حکم الٰہی سے تھا۔ اور وادٍ غیر ذی زرع اسے کہا اس لئے کہ وہ پتھریلی زمین ہے جہاں سبزی وغیرہ نہیں ہوتی اور بارش بھی بہت کم ہوتی ہے اسلئے وہ زراعت کیلئے موزون نہ تھی۔ اس لفظ کے لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انہیں محض رضائے الٰہی کے ماتحت یہاں چھوڑا ہے کسی غرض دنیوی کیلئے نہیں اسی کی تائید کیلئے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا لیقیموا الصلوٰۃ یعنی غرض یہ ہے کہ قیام صلوٰۃ ہو جس میں حصول رضائے الٰہی مدنظر ہے نہ کوئی دنیوی غرض۔ اور عند بیتک المحرم کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ وہاں موجود تھا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم کے بنانے کا جو ذکر ہے اس میں حضرت اسمٰعیل کی شمولیت موجود ہے واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل (البقرۃ ۲-۱۲۷) لیکن جب اسمٰعیل کو وہاں چھوڑا تو انکی عمر چھوٹی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں مکہ کے رہنے والوں کیلئے محبت کا پیدا کرنا خود خانہ کعبہ کی محبت کے قایمقام ہے یہ دعا بھی کیا عجیب ہے اس مقام کیلئے جذب اور کشش پیدا ہونے کی دعا ہے جہاں کوئی بھی ظاہری سامان کشش کا نہیں یہاں تک کہ وہ جگہ زراعت سے بھی خالی ہے۔ یہ اسلئے ہوا کہ تا ایک اللہ کے نام کے سوائے یہاں کوئی دوسری کشش نہ ہو اور صرف دینی فوائد کیلئے ہی یہ جگہ مخصوص رہے ہاں یہ بھی دعا ہے کہ کھانے کو بھی انہیں ملتا رہے گو وہ اشیائے خوردنی وہاں باہر سے ہی جائیں! اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ نیت اور ارادہ کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے ہماری نیتوں میں کوئی دنیا کی ملونی نہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو ایسا بابرکت کیا کہ ساری دنیا کے دل اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل کا خانہ کعبہ کے پاس چھوڑا جانا کس غرض سے تھا

خانہ کعبہ میں کشش

۱۶۶۰ یہ ضروری نہیں کہ یہ ساری دعا ایک ہی موقعہ کی ہو۔ اس کا آخری حصہ جو آیت ۳۹ سے شروع ہوتا ہے بڑھاپے کے زمانہ کا ہے

ابراہیم کے آباء کیے والدین مشرک کی بلکہ کوئی اور بزرگ تھے

ع ۱۹ — ظالموں کی آخری مغلوبیت کا نقشہ

۴۲ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۥ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ

اور اللہ کو اس سے بے خبر نہ سمجھو جو ظالم کرتے ہیں وہ صرف ان (کے معاملہ) کو اس دن پیچھے ڈال رہا ہے جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی ۱۶۶۱

۴۳ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۞ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ

بھاگے جا رہے ہونگے اپنے سر اٹھائے ہوئے انکی نگاہ انکی طرف نہ لوٹ سکے گی اور انکے دل خالی ہونگے ۱۶۶۲ اور اس دن سے لوگوں کو ڈرا

يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ

جب ان پر عذاب آ جائیگا تو جو ظالم ہیں کہینگے ہمارے رب ہمیں ایک قریب مدت تک تاخیر دے ہم تیری دعوت کو قبول کرینگے اور رسولوں کی پیروی کرینگے

جب حضرت اسمٰعیل اور اسحاق دونوں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور اس وقت ماں اور باپ کیلئے دعائے استغفار کرنا صاف بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے جس اَب کا ذکر دوسری جگہ ہے وہ کوئی اور بزرگ تھے کیونکہ ان سے بعد میں بیزاری کا اظہار بھی کیا تھا۔ فلما تبین له انه عدو لله تبرا منه (التوبة ۹۔۱۱۴)+

آخر — ۱۶۶۱ یؤخر۔ تاخیر ضد تقدیم ہے یعنی کسی معاملہ کا پیچھے لانا +

شخص — تشخص بشخص انسان کا سواد ہے جو دور سے نظر آتا ہے۔ اور ہر جسم جس کیلئے ارتفاع اور ظہور ہو۔ اس لئے شخص کے معنی ارتفع آتے ہیں یعنی ایک چیز بلند ہو گئی اور شَخَصَ البصرُ کے معنی ہیں آنکھ کھل گئی اس طرح کہ پھر جھپکی نہ جائے اور حدیث میں میت کے ذکر میں ہے شَخَصَ بصرُہٗ جس سے مراد ہے پلکیں اوپر اٹھ گئیں اور نظر محدود ہو گئی دل، فاذا هی شاخصة ابصار الذين كفروا (الانبیاء ۲۱-۹۷) +

عذاب کے وقت کا نقشہ — ظالم جو حق کو مٹانا چاہتے ہیں جب اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتے چلے جاتے ہیں تو اکثر دلوں میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ دیکھتا نہیں پھر انہیں پکڑتا کیوں نہیں جس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کے معاملہ میں تاخیر کرتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ وہ دن آ پہنچتا ہے جب آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں اور وہ موت کا وقت ہے۔ مراد اس سے یا تو واقعی مجرم کی موت ہو سکتی ہے اور یا عذاب کا دن جب اکثر دلوں پر وہ کیفیت وارد ہوتی ہے جس کا نظارہ موت کے وقت دیکھا جاتا ہے۔ اور اگلی آیت سے ظاہر ہے کہ یہ عذاب کا دن ہے جب عذاب کی سختی سے مجرموں کی کیفیت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو حالت نزع میں ہو +

ھطع اَھْطَعَ، مُھْطِع، مُقْنِع — ۱۶۶۲ مھطعین۔ ھَطَعَ اور اَھْطَعَ کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف آیا اپنی آنکھ اس پر لگائے ہوئے اور اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ خوف سے دوڑتا ہوا اور یہ صرف خوف کی حالت پر بولا جاتا ہے اور ایک قول میں مُھْطِع وہ ہے جو عاجزی اور ذلت کی حالت میں دیکھے اور مُقْنِع وہ جو سر اٹھائے ہوئے ذلت کی حالت میں دیکھے مھطعین الی الداع (القمر ۵۴-۸) +

قناعة قُنُوعًا، قِناع اَقْنَع — مقنعی۔ قناعة تھوڑی چیز پر راضی ہو جانا ہے اور قُنُوع سوال کرنا ہے جس سے قانع ہے واطعموا القانع والمعتر (الحج ۲۲-۳۶) مراد سائل ہے یا ایسا سائل جو تھوڑے پر راضی ہو جائے اور الحاح نہ کرے اور اَقْنَعَ رَاسَهٗ کے معنی ہیں اپنا سر اٹھایا۔ کیونکہ قِناع وہ ہے جس سے سر ڈھانکا جاتا ہے (ل)+

یہاں وہ نقشہ کھینچا ہے جب بڑے بڑے مغرور اور متکبر انسان آخر کار مغلوب ہوتے ہیں اور انہی لوگوں کے سامنے جن پر انہوں نے ظلم کیا تھا ذلت کی حالت میں آتے ہیں شرمندگی کے مارے سر نیچا بھی ہے اور دہشت کی وجہ سے اٹھا ہوا بھی ہے +

أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ۝ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ۴۵

اور کیا تم پہلے قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کہ تم پر زوال نہیں آنے کا ۱۶۶۳ اور تم ان لوگوں کی جگہوں میں آباد ہوئے جنہوں نے

ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ۝

اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمہارے لئے کھل چکا ہو کہ ہم نے ان سے کیا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان کیں ۱۶۶۴

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۚ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ ۴۶

اور انہوں نے اپنی چال چلی اور ان کی چال اللہ کے اختیار میں ہو اور گو ان کی چال ایسی ہی ہو کہ اس سے پہاڑ

الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ۴۷

ٹل جائیں ۱۶۶۵ سو اللہ کے متعلق یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے رسولوں سے اپنے وعدہ کا خلاف کریگا یقیناً اللہ غالب سزا دینے

ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۴۸

والا ہو ۱۶۶۶ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دیجائیگی اور آسمان بھی اور (یہ لوگ) اللہ اکیلے سب پر غالب کے سامنے نکل کھڑے ہونگے ۱۶۶۷

زال
زوال

۱۶۶۳ زوال۔ زال کے معنی ہیں ایک چیز اپنی حالت یا طریق سے الگ ہو گئی لتزول منه الجبال (۴۶) ان تزولا (فاطر ۳۵: ۴۱) ولئن زالتا (فاطر ۳۵: ۴۱) اور زوال صرف اس چیز کے متعلق کہا جاتا ہو جو پہلے ثابت یعنی مضبوط ہو اور پھر وہ حالت اس کی بدل جائے اور زوال آفتاب بھی اسی لحاظ سے ہو کہ وہ پہر کے وقت وہ ثابت معلوم ہوتا ہو (غ)۔ +

یہاں صاف اشارہ ہو کہ مخالفین کے اقتدار اور قوت کے ٹوٹنے کا وقت آجائیگا اس لئے ان کو وہ وقت یاد دلایا ہے جب اپنی طاقت کے نشہ میں سرشار وہ کہا کرتے تھے کہ ہماری قوت اور سلطنت کبھی زوال نہ دیکھے گی +

۱۶۶۴ اس سے مراد وہ قومیں ہیں جو پہلے عرب میں یا اس کے اردگرد حکمران تھیں جن کے تذکرے اور انجام قرآن شریف میں مذکور ہیں +

قریش کی تدابیر

۱۶۶۵ اس میں قریش کا ذکر ہے اور یہ ان کی چال وہی ہو جس کا ذکر دوسری جگہ فرمایا اذ یمکربك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك (الانفال ۸: ۳۰) اور یہ ان کی چال تو اس قدر مضبوط تھی کہ پہاڑوں کو بھی اُڑا دیتے مگر اللہ جو سب طاقتور ہے اس کے اختیار میں ہی ہر بات ہے اس لئے وہ ان کی چال کو سرسبز نہ ہونے دے گا۔ یہی معنی ہیں عند الله مکرهم کے۔

۱۶۶۶ اس پر اس قدر زور اس لئے دیا کہ ابھی بڑی بڑی مشکلات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آنے والی تھیں جہاں بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ دین اسلام کا خاتمہ ہو گیا اس لئے فرمایا کہ یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔ اللہ تعالےٰ کا وعدہ سچا ہو کر رہے گا +

وعدۂ عذاب دنیا کے لئے بھی ہے

۱۶۶۷ قرآن کریم میں جس قدر وعدے عذاب کے کفار کے ساتھ ہیں وہ آخرت پر بھی چسپاں ہو سکتے ہیں اور دنیا پر بھی یہی زمین و آسمان کا بدل جانا قیامت میں بھی درست ہو اور ایک معنی میں جب عرب اسلام کے سامنے جھک گئے اور چاروں طرف بت پرستی کی جگہ توحید کا نقارہ بج گیا بتوں کا نام و نشان [illegible] اور زنا مٹ گئے۔ حالت

۵۰ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۚ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ

اور تو اس دن مجرموں کو دیکھے گا کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونگے ۱۶۶۸ ان کے کرتے رال کے ہوں گے

۵۱ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۙ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

اور انکے منہوں کو آگ ڈھانک رہی ہوگی ۱۶۶۹ تا کہ اللہ ہر نفس کو وہ بدلہ دے جو اس نے کمایا۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

۵۲ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

یہ لوگوں کیلئے کھول کر پہنچا دینا ہے اور تا کہ وہ اسکے ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور تا کہ وہ جان لیں کہ وہ صرف ایک ہی معبود ہے اور تا کہ خالص عقل والے نصیحت پکڑیں ۱۶۷۰

کی جگہ علوم کی نہریں بہنے لگیں تو یہ بھی واقعی زمین و آسمان کے بدل جانے کا ہی نظارہ تھا اور اگلی آیت میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونے کا نظارہ بھی جنگوں میں دیکھ لیا گیا +

۱۶۶۸ مقرنین۔ قرن یا اقتران دو یا زیادہ چیزوں کے اجتماع کا نام ہے اور قَرَّنَ میں تکثیر پائی جاتی ہے۔ قَرِین ہمنشین۔ قَرْن نسل اسی معنی کے لحاظ سے ہیں او جاء معه الملائكة مقترنين (الزخرف ۴۳۔ ۵۳) +

اصفاد۔ صَفَد کی جمع ہے جس کے معنی زنجیر ہیں +

۱۶۶۹ سرابیل۔ سِربال کی جمع ہے۔ کرتہ کسی چیز کا بھی ہو سرابیل تقیکم الحر و سرابیل تقیکم بأسکم (النحل ۱۶۔ ۸۱) قطران۔ قُطْر کے معنی جانب ہیں جس کی جمع اَقْطَار ہے ان تنفذوا من اقطار السموات والارض (الرحمٰن ۵۵۔ ۳۳) ولو دخلت علیهم من اقطارها (الاحزاب ۳۳۔ ۱۴) اور قَطَرَ اور تَقَطَّرَ کے معنی ہیں اپنی جانب پر گرا جس سے مراد بارش کا گرنا ہے اور قطران وہ چیز ہے جو ہَنَاء یعنی رال سے گرتی ہے اور اٰتونی افرغ علیه قطرا (الکہف ۱۸۔ ۹۶) میں قِطْر پگھلا ہوا تانبا ہے +

۱۶۷۰ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو شناخت کریں۔ سو ایسا ہی ہوا کہ کل عرب نے توحید الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور جو نظارہ عرب میں پیش آیا اس کو دنیا بھی عنقریب کسی نہ کسی رنگ میں دیکھ لے گی +

قرن۔ قَرَّنَ
قرین۔ اقترن
صفد
سربال
قُطْر۔ اقطار
قَطَّرَ
قطران۔ قِطْر
نتیجۂ تبلیغ

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ — قرآن کی حفاظت ابدی

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ○

میں اللہ دیکھنے والا ہوں یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور قرآن کی جو کھول کر بیان کرنیوالا ہے ۱۶۷۱

نام — اس سورت کا نام الحجر ہے اور اس میں چھ رکوع اور ننانوے آیات ہیں۔ حجر کے معنی پتھر ہیں اور الحجر اس وادی کا نام ہے جس میں حضرت صالح کی قوم یعنی ثمود رہتے تھے۔ اس قوم کا مسکن نہ صرف اہل مکہ کے بالکل قریب تھا بلکہ اس رستہ پر تھا جو مکہ سے شام کو جاتا تھا اور جس پر ان کے قافلے آتے جاتے تھے۔ اور سخت دلی میں بھی معلوم ہوتا ہے یہ قوم اپنی نظیر آپ ہی تھی۔ جو کچھ انہوں نے حضرت صالح کے خلاف منصوبے اور سازشیں کیں وہ بعینہ ایسے تھے جیسے قریش نے ہمارے نبی کریم صلعم کے خلاف کئے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام الحجر ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سورت میں دو اور قوموں کا ذکر ہے یعنی حضرت شعیب کی قوم اور حضرت لوط کی جن کے مسکن اسی رستہ پہ تھے جس پر ثمود کا مسکن تھا۔ اور یہ تینوں قومیں ایک ہی عذاب یعنی زلزلہ سے تباہ ہوئیں +

خلاصہ مضمون — پہلے رکوع میں قرآن کریم کی حفاظت ابدی کا ذکر ہے۔ یعنی نہ صرف یہ حق جو قرآن لایا ہے دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہیگا بلکہ تحریف وغیرہ سے بھی یہ ہمیشہ کیلئے محفوظ ہوگا دوسرے رکوع میں بتایا کہ شیاطین اس حق کو نابود نہیں کرسکتے بلکہ وہ خود اس سے نابود ہو جائیں گے اور کہانت نجوم وغیرہ اس کی بدولت مٹ جائینگے۔ تیسرے میں بتایا کہ شیطان کے پیچھے لگ کر انسان حصول مقصد زندگی میں ناکام رہتا ہے اور چوتھے میں اس کے متعلق متقی کی کامیابی کا ذکر کیا پانچویں میں لوط اور شعیب کی قوموں کی تباہی کا اور چھٹے کے شروع میں قوم ثمود کی بربادی کا ذکر کرکے اعدائے اسلام کو انذار کیا +

تعلق — الٓرٰ مجموعہ کی یہ چھٹی سورت ہے۔ اس کے بعد جو ساتویں سورت اس مجموعہ میں آتی ہے وہ الٓرٰ سے شروع نہیں ہوتی۔ جب پچھلی سورت میں مثال سے سمجھایا کہ حق کو کوئی طاقت نابود نہیں کرسکتی تو اب یہاں نہایت صفائی سے قرآن کریم کی حفاظت ابدی کا ذکر کیا اور بتایا کہ باطل حق کو نابود نہیں کرسکے گا بلکہ خود حق کے سامنے نابود ہو جائے گا۔ اور حق کا مقابلہ کرنیوالوں میں سے وہ تین مثالیں پیش کیں جو اہل مکہ کی نظر کے سامنے شب و روز آتی تھیں۔ باقی تو عموماً تذکرے تھے جو وہ سنتے تھے مگر ان قوموں کا انجام اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے تھے +

زمانہ نزول — اس سورت میں بھی کئی اشارات موجود ہیں کہ یہ مکہ کے آخری زمانہ کی نازل شدہ سورت ہے۔ بالخصوص مقتسمین کے ذکر میں ان کا قسمیں کھا کر آپ کے خلاف آخری تدبیر اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے

قرآن پہلی کتابوں کے اجمال کو کھولتا ہے — ۱۶۷۱ یہاں قرآن مبین کا عطف الکتاب پر ہے۔ الکتاب سے مراد بھی قرآن شریف ہی ہے مگر چونکہ یہ لفظ جنس کتاب پر بھی بولا گیا ہے اور اس کے لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء پر کتابیں نازل ہوتی رہیں اسی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وحی ہے اس لئے قرآن کا لفظ ساتھ لا کر بتا دیا کہ آئندہ یہی کتاب دنیا میں پڑھی جائے گی اور ساتھ اسکی

۲ ۳ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ○ ذَرْهُمْ

جو کافر ہوئے بسا اوقات چاہینگے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے [۱۶۷۲] انہیں چھوڑ دو

۴ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ○ وَمَا

کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور آرزو دے دنیا انہیں غافل کئے رکھے عنقریب جان ہی لینگے اور ہم نے کسی

۵ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ○ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا

بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کیلئے ایک میعاد مقرر تھی کوئی جماعت اپنے وقت سے پہلے نہیں جا سکتی اور نہ وہ

۶ يَسْتَأْخِرُونَ ○ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ○

پیچھے رہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں اے شخص جس پر نصیحت اتاری گئی ہو یقیناً تو پاگل ہے

۷ ۸ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا

تو فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچوں میں سے ہے ہم فرشتوں کو سوائے اسکے نہیں اتارتے کہ

صفت بھی بیان کردی کہ یہ ان تمام باتوں کو کھول کر بیان کرنے والی ہو جو پہلی کتابوں میں اجمال کے طور پر بیان ہوئی ہیں اور قرآن کی تنکیر بمقابلہ الکتاب کے یہاں اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہو +

رب - ربما

۱۶۷۲ ربما۔ ربّ کے معنی تربیت ہیں اور اسی سے اَرَبَّتِ السَّحَابَۃُ کے معنی ہو گئے ہیں بادل ہمیشہ رہا کو یا لحاظ اسکی تربیت یعنی سبزیوں کو نشوونما دیتا رہی کے اس میں اقامت کے معنی آ گئے اس لئے رَبَّ میں استقلال کے معنی ہیں اور رُبَّ اور رُبَّمَا اس چیز پر بولا جاتا ہو جو بار بار ہوتی رہے (غ) +

کافروں کی مسلمان ہونے کی آرزو

کب ایسی آرزو کرینگے؟ قیامت کے دن تو ایسا کرنا ظاہر ہی ہو جب انکشاف حقیقت پورے طور پر ہو جائیگا اور ضحاک کا قول ہو کہ یہ موت کے وقت دنیا میں ہوگا۔ اور حضرت ابن مسعود کا قول ہو کہ یہ آیت کفار قریش کے بارہ میں ہو اور یہ ان کا آرزو کرنا بدر کے دن تھا جب اہل اسلام کا غلبہ دیکھا (د) ظاہر ہو کہ یہ پیشگوئی کا رنگ ہو اور رُبَمَا لا کر بتایا کہ یہ اکثر اوقات میں ہوگا پس یہ انکی آرزو ہر غلبہ کے وقت میں ہوگی جو اسلام کو حاصل ہوگا یہانتک کہ اسکے کامل غلبہ کا وقت آ جائیگا اور سیاق عبارت اسی کو چاہتا ہو کیونکہ ابھی پچھلی سورت کے آخری رکوع میں کفار کی مغلوبیت کا نقشہ کھینچا جا چکا ہو اسی کی طرف یہاں اشارہ ہو کہ جب یہ اپنی مغلوبیت کے نظارہ کو دیکھینگے تو پھر یہ بھی آرزو کرینگے کہ ہم مسلمان ہی ہوتے یہی مضمون اگلی آیت کا بھی ہو جہاں صاف فرمایا کہ ایک غلط آرزو نے انہیں حق کی طرف سے غافل کر رکھا ہو اور اس سے بعد کی آیتیں جہاں ملائکہ کے آنے کا ذکر ہو جو جنگوں میں ہوا سب اسی طرف اشارہ کر رہی ہیں کیونکہ اسلام میں ان کو برائی تو کوئی نظر نہ آتی تھی ہاں انکے دلوں میں یہ تکبر بھرا ہوا تھا جس طرح آج مخالفین اسلام کے دلوں میں بھرا ہوا ہو کہ ہم اسلام کو تباہ کر کے رہینگے سو ہر مغلوبیت کا نظارہ ان کے دلوں میں یہ آرزو پیدا کرنیوالا تھا کہ کاش ہم مسلمان ہی ہو گئے ہوتے یہانتک کہ کامل غلبۂ اسلام کے وقت جو فتح مکہ میں ہوا وہ آخر مسلمان ہو بھی گئے اس وقت بھی انکو افسوس ہوتا ہی ہوگا کہ ہم نے کیوں خواہ مخواہ ایسی صداقت کی مخالفت کی اور اتنی مدت تک اس سے اپنے آپکو محروم رکھا +

بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا إِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ۹

حکمت چاہتی ہو اور اس وقت انہیں مہلت بھی نہ دی جائے گی ۱۶۷۳ یقیناً ہم نے اس نصیحت کو اتارا ہو اور یقیناً ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں ۱۶۷۴

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْأَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ ۱۱

اور یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے بھی پہلے لوگوں کے گروہوں میں رسول بھیجے اور کوئی رسول انکے پاس نہیں آتا رہا

إِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۱۲

مگر اس سے وہ ہنسی کرتے تھے اسی طرح ہم اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کرتے ہیں ۱۶۷۵

فرشتوں کے آنے سے مراد

ف ۱۶۷۳ بالحق یا اقتضائے حکمت سے دیکھو ف ۶۵۔ فرشتوں کے اتارنے سے مراد یہ ہو کہ وہ تو تمہاری سزا کیلئے نازل ہونگے اس لئے آگے فرمایا کہ جب فرشتے آجائینگے تو پھر سزا بھی ساتھ ہی آجائے گی فرشتوں اور سزا کا آنا دو الگ الگ باتیں نہیں ان سب آیات میں ان کی مغلوبیت کی طرف اشارہ ہو۔ اور وہ جو مجنون کہتے ہیں (آیت ۶) تو مراد یہ ہو کہ یہ پاگلوں کی سی باتیں ہیں کہ ہم بھی کبھی مغلوب ہو جائینگے ✦

قرآن کی حفاظت ابدی

ف ۱۶۷۴ الذکر قرآن شریف کے ناموں میں سے ایک نام ہو دیکھو ف ۱۹۱ و ف ۷۵۱ اور یہاں یہی مراد ہو۔ جیسا کہ آیت ۶ میں نزل علیہ الذکر کہکر صاف کر دیا ہو اور خود سیاق عبارت بھی چاہتا ہو کہ یہاں ذکر حفاظت قرآن کا ہو اسلئے کہ کفار کو اپنے ظاہری غلبہ پر فخر تھا اور پچھلی سورت میں ان کی تدابیر کا ذکر ہو چکا کہ وہ حق کو کس طرح ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں تو اب صفائی سے بتا دیا کہ کفار کا کتنا ہی غلبہ ہو وہ اس حق کو جو قرآن شریف میں نازل ہوا اب دنیا سے مٹا نہیں سکتے۔ نہ صرف یہ کہ وہ مٹا نہیں سکتے بلکہ اس میں کسی قسم کی تحریف کمی بیشی بھی نہ ہو گی کیونکہ اس کی حفاظت کو ہم نے اپنے ذمہ لیا ہو برخلاف دیگر کتب سماوی کے جن کی حفاظت انکے پیروؤں کے سپرد کی گئی تھی جیسا کہ بما استحفظوا من کتاب اللہ (المائدۃ ۴۴) سے ظاہر ہو ✦

حفاظت قرآن سے مراد یہ ہو کہ اس میں کوئی کمی بیشی تغیر تبدل نہ ہو۔ یہ ایک دعویٰ ہو جس کی صداقت آج دشمنوں تک کو مسلم ہو۔ میور کہتا ہو "جہانتک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو" پھر وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہو "ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد صلعم کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں" اور واقعات خود بھی بتاتے ہیں اس لئے کہ وہ کتاب جسکے پہلے دن سے لکھے جا کر بکثرت نسخے ہر قوم اور ہر ملک میں شائع ہوئے اور آخر مشرق سے مغرب تک پھیل گئے ان ہزار در ہزار قدیم ترین نسخوں میں ایک بھی ایسا نسخہ نہیں ملتا جس میں ایک حرف کا یا ایک زیر و زبر کا فرق ہو اہل تشیع میں سے محقق اسکی حفاظت کے ہی قائل ہیں اور اگر نہ ہوں تو اس الزام کے نیچے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں قرآن کو کیوں مکمل نہ کیا یہ ایک وسیع مضمون ہو جس پر پوری تحقیقات میں نے اپنی کتاب جمع قرآن میں شائع کی ہے۔ اور یہاں اس کو دہرانے کی گنجایش نہیں ✦

سُلوک

ف ۱۶۷۵ اسلك ۔ سلوک کے معنے ہیں النفاذ فی الطریق ایک رستہ پر چلنا۔ فاسلکی سبل ربك (النحل ۶۹) لتسلکوا منها سبلا فجاجا (نوح ۲۰) اور دوسرے کو کسی رستہ پر چلانے پر بھی بولا جاتا ہو جیسے ما سلککم فی سقر (المدثر ۴۲) اور جیسے یہاں (غ) ✦

۱۳ لَا يُؤْمِنُونَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ

وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلوں کا بھی یہی طریق رہا ۱۶۷۶ اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول

۱۵ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ

دیں پھر وہ اس میں چڑھنے لگیں ۱۶۷۷ تو کہیں گے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے بلکہ ہم وہ لوگ ہیں

۱۶ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ○

جن پر جادو کر دیا گیا ہے ۱۶۷۸ اور یقیناً ہم نے آسمان میں ستارے بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کیلئے خوبصورت بنایا

ع ۲ / ۱۰ قرآن سے شیاطین ہلاک ہونگے

۱۸ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ○

اور انہیں ہر شیطان مردود سے محفوظ کیا ہاں جو چھپکر کچھ سن لے تو اسے روشن کرنیوالا انگارا آلیتا ہے ۱۶۷۹

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ وہ ہر رسول سے استہزا کرتے ہیں یہاں کذلک سے شروع کرکے بتایا کہ جس طرح وہ وحی الٰہی کے متعلق طریق استہزا اختیار کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان کو اسی رستہ پر چلاتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا انہیں ایک راہ پر چلانا ان کے اپنے فعل کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالےٰ صرف انہی لوگوں کو ایمان نہ لانے کی راہ پر چلاتا ہے جو استہزا کرتے ہیں اس لئے کہ استہزا کرنے والا کبھی غور کرتا ہی نہیں اور بغیر غور کرنے کے انسان صحیح نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتا۔

۱۶۷۶ سنۃ الاولین سے مراد اللہ تعالیٰ کی سنت اولین میں ہے یعنی جن لوگوں نے استہزا کو اپنا طریق رکھا وہ ہمیشہ حق سے محروم ہی رہے۔

۱۶۷۷ یعرجون میں عموماً مراد خود کفار کو لیا گیا ہے کہ وہ آسمان پر چڑھنے لگیں۔ مگر قتادہ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ مراد ملائکہ ہیں (دن) اور سیاق عبارت بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ فرشتوں کے متعلق ہی ان کا اقتراح تھا تو فرمایا کہ اگر آسمان کا دروازہ کھول دیں اور فرشتے نازل ہوں اور ان کو سزا دے کر پھر چڑھنے بھی لگیں تو پھر بھی یہ مانینگے نہیں اور صورت اول میں آسمان پر چڑھنے سے مراد سچ مچ اوپر چڑھنا نہیں بلکہ استعارہ کے رنگ میں یہ مراد ہوگی کہ بعض سماوی باتیں ان کو سمجھ بھی آنے لگیں پھر بھی ان کو یہ کہکر رد کر دینگے کہ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے اور یہ ذکر شدید ترین مخالفوں کا ہے۔

سَكْرٌ | ۱۶۷۸ سُکّرت۔ سَکْر کے معنی حَبْسُ الماءِ یعنی پانی کا روک دینا بھی ہیں اور حالت سکر وہ حالت ہے جو انسان

سُكِّرَ بَصَرُهٗ | اور اس کی عقل کے درمیان پردہ حائل کر دیتی ہے (غ)، اس لئے سُکِّرَ بَصَرُہٗ کے معنی ہیں اس پر پردہ ڈال دیا گیا اور یہاں یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ انہیں دیکھنے سے روک دیا گیا (ل)۔

مَسْحُور | مسحور۔ سحر کے لئے دیکھو ۱۲۹ مسحورون سے مراد ہے کہ ہمیں صحیح طور پر شناخت کرنے سے سحر کے ساتھ روک دیا گیا ہے (غ)۔

اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بتایا ہے کہ جب انسان لہو و لعب دنیا کو اور اس حیوانی زندگی کو ہی اپنا مقصد بنا لیتا ہے تو کتنے ہی کھلے نشان اسکے سامنے ظاہر ہوں پروا نہیں کرتا۔

بُرُوج | ۱۶۷۹ بروج۔ برج کی جمع ہے اور مراد ستارے ہیں دیکھو ۱۹۲۷ قرآن کریم نے خود اس معنی کو واضح کر دیا ہے جب دوسری جگہ بجائے بروج کے لفظ کواکب اختیار فرمایا انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب وحفظاً من کل شیطان مارد (الصٰفٰت ۳۷:۶)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا

۱۹

اور زمین کو ہم نے پھیلایا

تیسری جگہ انہی کواکب کو مصابیح کہا ہو ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنٰھا رجوماً للشیاطین (الملک ۶۷-۵)+

رجم — رجیم دیکھو ۲:۱۲۲ لسان العرب میں رَجْم کے معنی حسب ذیل دئے ہیں۔قتل۔پتھر مارنا۔طرد یعنی دور کرنا۔ظن بسب و شتم

رجیم — اور رجیم کے یہ معنی لینا کہ اسے سچ مچ پتھر مارے جاتے ہیں یا شہاب اس پر پھینکے جاتے ہیں اسلئے اسے رجیم کہا جاتا ہو درست نہیں بلکہ رجیم یعنی ملعون ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا گیا ہو اور یہ معنی لسان العرب میں قبول کئے ہیں اور قرآن کریم نے خود اسے صاف کیا ہو جہاں آیت ۳۴ میں شیطان کو بوجہ ایک اچھی حالت سے دور کیا جانے کے رجیم کہا ہو نہ اس لئے کہ اسے کسی نے پتھر مارے تھے اور یہ بھی قبول کیا ہو رجوماً للشیاطین (الملک ۶۷-۵) میں (اور ایسا ہی یہاں) شیاطین سے مراد انسان

شیطان کاہن یا منجم کو کہا ہے — شیطان ہیں یعنی کاہن وغیرہ جو اٹکل پچو باتیں اخبار غیبی کے متعلق کرتے رہتے ہیں۔اور یہ معنی ابن اثیر سے لئے ہیں +

استراق — استرق۔سَرِقَةٌ کسی چیز کا چھپکر لینا ہو جو لینے والے کی نہیں اور اِسْتَرَقَ السَّمْعَ چھپکر بات سننے کو کہتے ہیں (غ)

شہاب — شہاب روشن شعلہ کو کہتے ہیں جو جلتی ہوئی آگ سے لے لیا جاتے یا جو فضا میں نظر آتا ہو (غ) انی اٰنست نارا لعلی اٰتیکم منھا بقبس (طٰہٰ ۲۰-۱۰) +

شیاطین کا ملائکہ کی باتوں کو سننا — آیت ۱۶ میں یہ بیان فرمایا کہ آسمان میں بروج بنائے اور آیت ۱۷ میں یہ کہ ان ستاروں کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا ہے بعینہ یہی مضمون سورہ والصّٰفّٰت میں ہو جہاں بروج کی بجائے کواکب کا لفظ رکھکر بتا دیا کہ بروج سے مراد کواکب یا ستارے ہی ہیں پہلا سوال یہ ہو کہ آسمان یا ستاروں کو شیاطین سے حفاظت میں رکھنے سے کیا مراد ہو اور دوسرا یہ کہ استراق سمع کیا ہے یا چھپکر کس چیز کو شیاطین سنتے ہیں اور تیسرا یہ کہ شہاب ثاقب کے پیچھے آنے سے کیا مراد ہو۔وہ بات جسے مفسرین نے عام طور پر قبول کیا ہے اس کی بنیاد بخاری کی ذیل کی حدیث پر ہو جو اسی آیت کی تفسیر میں ہو۔ملخصاً اس کا ترجمہ حسب ذیل ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہو (اور اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی بھیجنے کے لئے کلام کرتا ہو) تو فرشتے اظہار عاجزی کرتے ہیں اور ایسی آواز سنتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر مارنے کی آواز ہوتی ہو جب ان کا ڈر جاتا رہتا ہو تو دوسرے فرشتے ان سے دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو وہ کہتے ہیں حق فرمایا اور وہ علی و کبیر ہے تو چھپکر سننے والے بھی اس میں سے کچھ سن لیتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے اوپر تہ بتہ ہوتے ہیں پھر شہاب یعنی انگارا کبھی تو اس سننے والے کو ہلاک کر دیتا ہے اور کبھی وہ انگارے سے ہلاک ہونے سے پیشتر اپنی بات دوسرے کو پہنچا دیتا ہو یہاں تک کہ وہ زمین تک اس بات کو پہنچا دیتے ہیں اور وہ ساحر (یا کاہن) کے منہ میں ڈالی جاتی ہو جو اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر اسے بیان کرتا ہو اور جب وہ ایک بات سچی نکل آتی ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو اس نے سچ بولا تھا۔اور طبرانی کی روایت میں یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی بھیجنے کے لئے کلام کرتا ہے تو آسمان کانپ اٹھتا ہو اور آسمان والے کلام سنتے ہی بیہوش ہو جاتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں سب سے پہلے جبرئیل سر اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہو انسے فرماتا ہو تب فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو وہ فرماتے ہیں الحق وھو العلی الکبیر ان احادیث سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوتا ہو کہ ملائکہ جب جبرائیل سے یا ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو جواب صرف اسی قدر ہوتا ہو الحق وھو العلی الکبیر اور دوسری طرف یہ کہ شیاطین اس کلام کو سن لیتے ہیں حالانکہ خود قرآن کریم صراحت سے اس عظیم الشان وحی کے متعلق جو قرآن کریم میں ہو فرماتا ہو کہ شیاطین اسے قطعاً نہیں سن سکتے وما تنزلت بہ الشیاطین وما ینبغی لھم وما یستطیعون انھم عن السمع لمعزولون (الشعراء ۲۶-۲۱۰ تا ۲۱۲) جہاں آخری الفاظ

وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ

اور ہم نے اس میں پہاڑ بنائے

میں فرمایا کہ وہ سُننے سے الگ کئے گئے ہیں اور انہیں اس بات کی طاقت ہی نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ قرآنی وحی کے متعلق نہیں بلکہ دوسرے امور کے متعلق ہو تو اس کی بھی قرآن کریم تردید فرماتا ہے ام لهم سلم يستمعون فيه فليات مستمعهم بسلطان مبين (الطور ٥٢-٣٨) یعنی ان کے قبضہ میں کوئی ایسے ذرائع ہیں جن سے وہ غیب کی باتیں سن لیتے ہیں تو ان کے سننے والے کوئی کھلی دلیل لائیں جس سے معلوم ہو کہ کوئی ذریعہ اخبار غیبی کے اس طرح پر سننے کا نہیں ہے اس لئے قرآن کریم کی صراحت کے مقابل پر حدیث کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے شیاطین کو آسمانوں میں جانے کی کوئی رکاوٹ نہ تھی جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو انہیں تین آسمانوں سے روک دیا گیا اور پھر آنحضرت صلعم کی ولادت پر سارے آسمانوں سے روک دیا گیا اور یہ بات حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے، مگر اس کی سند قرآن و حدیث میں قطعاً کوئی نہیں۔

آسمان کے شیاطین سے محفوظ ہونے سے کیا مراد ہے

اگر غور کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی ساری آیات میں شیاطین سے مراد کاہن اور منجم ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نجوم یعنی ستاروں سے کچھ علم حاصل کر کے آئندہ کی خبریں بتا سکتے ہیں۔ چنانچہ رجوماً للشیاطین میں ابن اثیر نے بھی اسی معنی کو قبول کیا ہے کہ رجوماً سے مراد ظنون اور شیاطین سے مراد منجم اور کاہن ہیں جیسا کہ لسان العرب کے حوالہ سے اوپر دکھایا جا چکا ہے اور خود الفاظ قرآنی پر غور کیا جائے تو یہی حق ثابت ہوتا ہے اسلئے کہ وہاں یعنی سورۂ ملک میں مصابیح یعنی ستاروں کو رجوماً للشیاطین کہا ہے پس اگر مطلب یہ ہوتا کہ ان ستاروں کو شیاطین پر پھینکا جاتا ہے تو آجتک یہ آسمان کے ستارے ختم ہو گئے ہوتے یا ان میں معتدبہ کمی نظر آتی اور واقعات بھی اس کو غلط ٹھہراتے ہیں یہانتک کہ مفسرین کو خود یہ کہنا پڑا ہے کہ مراد خود ستاروں کا پھینکنا نہیں بلکہ ستاروں میں سے شعلہ لیکر پھینکنا ہے۔ اس تاویل بعید کی نسبت یہ سیدھی تاویل کیوں قبول نہ کی جائے کہ رجوماً للشیاطین سے مراد منجموں کے ظنون فاسدہ لئے جائیں جیسا کہ رجماً بالغیب (الکہف ١٨-٢٢) میں رجم کا لفظ اور و اذا خلوا الی شیاطینهم (البقرۃ ٢-١٤) میں شیاطین کا لفظ انہی معنوں میں آئے ہیں۔ تو گویا ایک طرف یہ فرما کر کہ ہم نے ستاروں کو شیاطین سے محفوظ کیا ہے یہ بتایا کہ فی الواقع ان منجموں اور کاہنوں کو علم غیب میں کچھ دسترس نہیں جیسا کہ ام لهم سلم يستمعون فيه (الطور ٥٢-٣٨) سے اور ام عندهم الغيب فهم يكتبون (الطور ٥٢-٤١) سے بھی ظاہر ہے اور دوسری طرف رجوماً للشیاطین کہکر یہ بتایا کہ یہ محض ظنون اور اٹکلیں ہیں جو وہ دوڑاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ستاروں سے یہ علم حاصل کرتے ہیں حالانکہ یہ علم کوئی نہیں اور نہ ستاروں تک وہ پہنچ سکتے ہیں بلکہ محض اٹکل پچو باتیں ہیں۔

استراق سمع سے کیا مراد ہے

دوسرا سوال یہ ہے کہ استراق سمع سے کیا مراد ہے اور تیسرا یہ کہ شہاب کے پیچھے آنے سے کیا مراد ہے یہ دونوں سوال باہم ملے ہوئے ہیں۔ اگر استراق سمع سے یہ مراد لیجائے کہ واقعی شیاطین جن کچھ اللہ تعالیٰ کے رازوں کو بھی چھپکر سن لیتے ہیں تو اللہ کی قدرت کاملہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ شیاطین بھی چھپکر اسکے بھیدوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں گویا وہ اپنے بھیدوں کی اس قدر بھی حفاظت نہیں کر سکتا جس قدر ایک انسان کر سکتا ہے۔ دنیا کی حکومتوں تک تو اپنے اسرار پر دوسروں کو آگاہ ہونے نہیں دیتیں تو کیا اللہ تعالیٰ میں اتنی قدرت بھی نہیں۔ پھر خدا کے خبر دینے میں اور شیاطین کے اس طرح خبر حاصل کر لینے میں بھی مابہ الامتیاز اٹھ جاتا ہے کیونکہ یہ تو پھر محض شیاطین کا اختیار رہا کہ ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹی باتیں نہ ملائیں۔ علاوہ ازیں باوجود شہاب ثاقب کے پیچھے آنے کے بھی وہ خبر کے پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں گویا اول تو اللہ تعالیٰ اپنے رازوں کو شیطانوں سے نہیں بچا سکتا۔ پھر جب پتہ لگ بھی جاتا ہے اور راز کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ کوشش بھی ناکام ہوتی ہے۔ ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اسکی صفات کاملہ میں نقص قبول کرنا ہے

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ

اور اس میں ہم نے ہر ایک مناسب چیز اگائی

اور یہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور راستبازوں کو بھی ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے دکھ پہنچ جاتا ہے کیونکہ یہ عین اس کی صفات کا تقاضا ہے کہ بشر رسول سارے ان حالات کے ماتحت ہو جو دوسرے انسانوں کو پیش آتے ہیں۔ اور اس کی قدرت کاملہ کا اظہار یہی ہے کہ باوجود دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ جانے کے بھی وہ آخر کار اس کو بچا لیتا ہے مگر وہ راز جن کا علم اللہ تعالیٰ سوائے اپنے رسولوں یا برگزیدوں کے دوسروں کو نہیں دینا چاہتا شیاطین بھی اس علم کو حاصل کریں تو یہ اس کی صفات کاملہ میں نقص ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی درست نہیں کہ یہ سلسلہ شہاب کا حضرت عیسیٰ کے وقت سے شروع ہوا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے شیاطین ان رازوں سے اچھی طرح واقف ہو جایا کرتے تھے اور کوئی روک نہ تھی حضرت عیسیٰ کے وقت میں تین آسمانوں سے اور آنحضرت صلعم کے وقت میں سب آسمانوں سے انہیں روک دیا گیا کیونکہ سلسلہ شہب کا اس وقت سے ہے جب سے دنیا ہے۔ اور یہ بے معنی بات ہے کہ پہلے یہ سلسلہ شہب یوں ہی تھا حضرت عیسیٰ کے وقت سے شیاطین کی سزا کیلئے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون اس طرح تبدیل نہیں ہو جاتے سلسلہ شہب جس غرض کیلئے ہے وہ ہمیشہ سے ایک ہی ہونی چاہیئے۔ اور اس بحث میں عجیب تر وہ آیت قرآنی ہے جس میں فرمایا وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن یستمع الان یجد له شھابا رصدا (الجن ۷۲ - ۹) جس سے معلوم ہوا کہ پہلے وہ کہیں بیٹھ کر باتیں سن لیا کرتے تھے صرف رسول اللہ صلعم کے ظہور پر شہاب کا آنا شروع ہوا (یہ جن بھی انسان ہی ہیں جیسا کہ اپنے موقعہ پر دکھایا جائے گا) اس مشکل کو قرآن شریف دو لفظوں میں حل کر دیتا ہے جہاں یلقون السمع (الشعراء ۲۶ - ۲۲۳) میں القائے سمع شیاطین کی طرف ہے یعنی یہ منجم یا کاہن شیاطین سے کچھ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس طرح القائے سمع سے مراد فرشتوں کی باتیں سننا نہیں اسی طرح استراق سمع سے مراد چھپکر فرشتوں کی باتیں سننا نہیں اور جسے ایک جگہ استراق سمع کہا ہے اسے دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے الا من خطف الخطفة (والصفت ۳۷ - ۱۰) اور یہ ایک دفعہ کا اُچک لے جانا درحقیقت ایک آدھ بات میں کامیاب ہو جانا ہے۔ جب انسان اٹکل پچو باتیں کرتا ہے اور قیاس سے کام لے کر کچھ آیندہ کی خبر دیتا ہے تو بیس باتوں میں سے دو چار سچی بھی نکل آتی ہیں چونکہ جس طرح رسول کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے کاہنوں اور منجموں کا تعلق شیاطین سے ہوتا ہے اور یہ کاہن اور منجم ان باتوں کو مخفی طور پر حاصل کرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اسلئے ان باتوں کو القائے سمع اور استراق سمع فرمایا۔

شہاب کا شیطان کے پیچھے آنا۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ شہاب مبین یا شہاب ثاقب (والصّٰفّٰت ۳۷ - ۱۰) سے کیا مراد ہے شہاب کا لفظ بروئے لغت ہر شعلہ پر بھی صادق آتا ہے اور اس شعلہ پر بھی جو فضائے آسمان میں بعض وقت دکھائی دیتا ہے شہاب کا گرنا یا جس کو ہم ستارے کا ٹوٹنا کہتے ہیں۔ اصل میں کیا چیز ہے وہ بعض پتھر ہیں جو فضائے آسمان میں چکر لگاتے ہیں جس طرح بڑے بڑے سیارے چکر لگاتے ہیں جب ان میں سے کوئی ہمارے کرہ ہوائیہ میں داخل ہوتا ہے تو ہوا کی رگڑ سے بوجہ اپنی تیزیٔ حرکت کے جل اُٹھتا ہے اور شعلہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے پھر بعض وقت اس کا کچھ حصہ زمین پر بھی گر پڑتا ہے اگر ان پتھروں سے اللہ تعالیٰ کوئی اور کام بھی لیتا ہے تو اس کے رازہائے سربستہ سے کون آگاہ ہو سکتا ہے اگر شیاطین کی ہلاکت بھی ان کی ایک غرض ہو تو یہ کوئی بعید بات نہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم کے ظہور پر یہ شہب کثرت سے گرے اور ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں شاید اسی سے مفسرین نے یہ استدلال کیا ہو کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں شیاطین تین آسمانوں سے اور آنحضرت صلعم کے وقت میں سارے آسمانوں سے روک دیئے گئے (یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ کے جسم کے ساتھ آسمان پر پہنچ

۲۰ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ○ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ

اور تمہارے لئے اس میں روزی کا سامان بنایا اور اسکے لئے بھی، جسے تم رزق نہیں دیتے ۱۶۸۰ اور کوئی چیز نہیں

۲۱ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ○ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ

مگر اس کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں اور ہم اسے صرف ایک مناسب اندازہ سے اُتارتے رہتے ہیں ۱۶۸۱ اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں

جانے کے قائل ہیں وہ انہیں چڑھتے آسمان پر جگہ دیتے ہیں اور یہ آسمان بموجب اس خیال کے ابھی ایسا تھا جہاں شیاطین کا دخل تھا۔ سوال صرف یہ ہو کہ آیا یہاں شہاب سے مراد یہی ظاہری شہاب ہو اس پر آیت (انا کنا نقعد منہا مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد لہ شہابا رصدا (الجن ۷۲-۹) سے کھلی روشنی پڑتی ہو۔ یہ شہاب ظاہری پہلے بھی تھے مگر آیت کہتی ہو کہ پہلے ایسے نجومی آزادی سے اپنا کام کرتے تھے اب ان سے کچھ اور سلوک ہوتا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں شہاب سے مراد یہ شہاب ظاہری نہیں۔ بلکہ اس شہاب سے استعارۃً کوئی ایسی روشنی مراد ہو جو ان کاہنوں کے استراق سمع کے اثر کو زائل کر دیتی ہو یعنی کچھ ان کی اٹکل پچو باتیں جو سچی نکل آتی ہیں تو اس سے لوگوں پر ایک اثر ہوتا ہو پہلے اس اثر کو دور کرنے والی کوئی چیز نہ تھی اور اس لئے لوگ کہانت اور نجوم کے اثر کے قائل تھے۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی روشنی آگئی ہو جو اس اثر کو دور کر دیتی ہو۔ یہ شہاب پیغمبر کے آنے سے خاص ہو۔ شہاب ظاہری پیغمبر کے آنے سے خاص نہیں پس اس شہاب سے مراد پیغمبر کی وہ کھلی پیشگوئیاں ہیں جو نجومیوں کی دھندلی پیشگوئیوں کے اثر کو باطل کر دیتی ہیں۔ یہی چیز ہے جو پیغمبر سے خاص ہو سوائے اس کے اس آیت کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ اور شہاب کے لفظ کا یہ استعمال کچھ بھی بعید نہیں جب خود رسول اللہ صلعم کو بھی النجم الثاقب فرمایا ہو بلکہ والنجم اذا ھوی (النجم ۵۳-۱) اور فلا اقسم بمواقع النجوم (الواقعۃ ۵۶-۷۵) میں خود مفسرین کو یہ امر مسلم ہو کہ نجم سے مراد قرآن کریم کا ایک ٹکڑہ ہو پس یہی مراد شہاب سے بھی لی جائے گی جب ظاہری معنی کو واقعات غلط ٹھہراتے ہیں۔

کہانت اور نجوم کو قرآن کریم نے دور کیا

سیاق مضمون خود اس معنی کو چاہتا ہو اس لئے کہ پچھلے رکوع میں حفاظت قرآن شریف کا ذکر تھا اور چونکہ اس کے اعدا میں اگر ایک طرف سیاسی طاقت تھی تو دوسری طرف نجومیوں اور کاہنوں کی طاقت تھی جو لوگوں کو اپنے اثر باطل سے مرعوب کر رہے تھے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ بتایا جاتا کہ ان کا اثر بھی دور کیا جائیگا چنانچہ یہ ایک امر واقعہ ہو کہ نجوم اور کہانت جو ملک عرب میں بت پرستی کی طرح مروج تھے نبی کریم صلعم کے ظہور سے بالکل نابود ہو گئے۔ اور وہ سرزمین اس نجاست سے بھی پاک ہو گئی۔

۱۶۸۰ من لستم لہ برازقین سے مراد مجاہد کے نزدیک چارپائے وغیرہ ہیں۔ مطلب یہ کہ انسانوں کے لئے بھی اس میں سامان بنایا اور دوسری مخلوق کے لئے بھی جو گو تمہارے ماتحت ہے مگر رزق اسے تم نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔

الٰہی خزانے

۱۶۸۱ اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جن سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہو ان کے اصل خزانے اللہ کے پاس ہیں یعنی ان کا وجود میں لانا اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ایک معین اندازہ سے یعنی اپنے قانون کے مطابق وہ چیزیں انسانوں کو پہنچاتا ہو۔

تنزیل

اِنزال اور تنزیل کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ایک چیز کے اسباب مہیا کر دیتے جائیں یا اس کی طرف رہنمائی کر دی جائے (غ) گو وہ چیز زمین پر ہی موجود ہو۔

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ○

جو بادلوں کو پانی سے) بار دار کرتی ہیں تب ہم بادل سے پانی اتارتے ہیں پھر ہم وہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم اسے جمع کرکے رکھنے والے نہیں ہو ۱۶۸۲

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ○ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ ۲۳ ۲۴

اور یقیناً ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں ۱۶۸۳ ۔ اور ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو خوب جانتے

مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۵

ہیں اور ہم پیچھے رہنے والوں کو بھی خوب جانتے ہیں ۱۶۸۴ اور تیرا رب انہیں اکٹھا کرے گا وہ حکمت والا علم والا ہے

لقح ۔ لاقح

۱۶۸۲ لواقح ۔ لِقاح ماء الفحل کو کہتے ہیں اور لَقِحَت اصل میں اونٹنی کے حاملہ ہونے پر استعمال ہوتا ہے پھر عورت کے اور لواقح لاقح کی جمع ہے اور مراد اس سے حمل والی ہیں بلحاظ اس پانی کے جسے وہ اٹھائے ہوتے ہوتی ہیں کیونکہ اس پانی سے زندگی ملتی ہے اور اس کے مقابل پر الریح العقیم (الذٰریٰت ۴۱) یا بانجھ ہوا وہ ہے جس میں پانی نہیں یا جس سے فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ وہ عذاب کے رنگ میں ہے (ل) ۔

الریح العقیم

خزن ۔ خازن خزائن

خازنین ۔ خزن کے معنی ہیں ذخیرہ کے طور پر کسی چیز کی حفاظت کرنا پھر عام طور پر حفاظت کرنا اس کے معنی ہو گئے ہیں اور اس سے پہلی آیت میں جو عندنا خزآئنہ آیا ہے تو وہاں خزائن کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اپنی قدرت سے جس چیز کو چاہتا ہے وجود میں لاتا ہے اور ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ (الانعام ۵۰) میں خزائن سے مراد اس کی مقدورات ہیں یا اس کی جود اور اس کی قدرت اور یہاں خازن کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں یعنی شکر کے ساتھ اس کی حفاظت کرنے والے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اسے بادلوں میں محفوظ کرتا ہے جیسا دوسری جگہ ہے افرءیتم الماء الذی تشربون ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون (الواقعۃ ۶۸-۶۹) (غ) ۔

۱۶۸۳ جس طرح پانی مالی ہوائیں زندگی بخشتی ہیں اسی طرح وحی الٰہی بھی مردہ زمین کو زندہ کردے گی اور جس طرح شہاب کی روشنی تاریکی کو دور کردیتی ہے اسی طرح کہانت اور نجوم کی تاریکی قرآن شریف سے دور ہو جائے گی ۔ احیاء اور اماتت کی طرف یہاں اشارہ ہے ۔

مستقدم مستاخر

۱۶۸۴ المستقدمین ۔ المستاخرین سے پہلے گزرے ہوئے لوگ اور پیچھے آنے والے لوگ بھی مراد لئے گئے ہیں اور نیکی میں قدم آگے رکھنے والے یا معصیت کرکے پیچھے رہنے والے بھی (ج) اور سیاق عبارت پچھلے معنی کو صحیح ٹھہراتا ہے کیونکہ یہاں ذکر انہی لوگوں کا ہے جو خدا کی وحی سے زندگی حاصل کرکے قدم آگے رکھتے ہیں یا ظلمتوں اور تاریکیوں کی موت میں رہ کر زندگی کی اصل غرض کے حاصل کرنے میں پیچھے رہ جاتے ہیں ۔

۲۶ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝

اور ہم نے انسان کو سوکھی ہوئی مٹی سے سیاہ کیچڑ سے جو متغیر ہو چکا ہو پیدا کیا ۱۶۸۵

ع ۳ ۵ شیطان کے پیچھے لگ کر انسان حصول مقصد زندگی میں ناکام رہتا ہے

صلصال
۱۶۸۵ صلصال اصل میں آواز کے تردد کو کہتے ہیں جو خشک چیز سے پیدا ہو یعنی کھنکھنانا اور سوکھی ہوئی مٹی کو صلصال کہا

صَلَّ
جاتا ہے اور سڑی ہوئی مٹی کو بھی صلصال کہتے ہیں کیونکہ صَلَّ اللَّحْم کے معنی ہیں گوشت سڑ گیا یعنی بدبودار ہو گیا (غ) اور

مجاہد کہتے ہیں کہ صلصال سے مراد حمإ مسنون ہے یعنی سڑی ہوئی مٹی (ل)۔ مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے صلصال کالفخار (الرحمٰن ۵۵

فخار
۱۴) اسلئے پہلے معنی ہی درست ہیں کیونکہ فخار اسے کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو +

حمأ۔ حمئة
حمأ۔ حَمْأَةٌ اور حمأ سیاہ سڑی ہوئی مٹی کو کہا جاتا ہے۔ جیسے کنوئیں کا سیاہ کیچڑ اور عین حمئة (الکہف ۱۸۔ ۸۶) سے مراد

ذات حمأ یعنی سیاہ کیچڑ والا ہے اور حمأ حمأة کی جمع بھی ہے (غ)

سِنّ۔ سَنَّ
مسنون۔ سِنّ دانت کو کہتے ہیں السن بالسن (المائدة ۵۔ ۴۵) اور سَنَّ کے معنی صاف کیا اور صیقل کیا اور اسی سے

مَسْنُوْن
سُنَّةُ مُنہ کو اس کی صفائی کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور سَنَّ کے معنی ایک چیز کو شکل و صورت دینا ہیں اور مَسْنُون کے معنی مُصَوَّر

یعنی تصویر بنایا گیا ہیں اور یہاں مَسْنُوْن کے معنی مُصَوَّر۔ صورت دیا گیا۔ اور مُنْتِن بدبودار اور مُتَغَیَّر تبدیل شدہ کئے گئے

ہیں (ل)۔ اور مفردات میں صرف متغیر اس کے معنی دیئے ہیں اور لسان العرب میں اخفش کا قول منقول ہے کہ یہ تغیر اس وقت

واقع ہوتا ہے جب پانی جاری نہ ہو یعنی چلتے پانی میں یہ تغیر واقع نہیں ہوتا ٹھہرے ہوئے پانی میں ہوتا ہے +

ابتدائے پیدائش
اس رکوع میں اصل مضمون تو شیطان کی انسان سے دشمنی ہے جو اسے ایک غلط راہ کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے اعلے

قوٰی کی تکمیل میں روک ہوتا ہے اور اسے حصول مقصد زندگی میں ناکام رکھتا ہے مگر ابتدا ہر دو کی پیدائش سے کی ہے۔ اور سب سے

پہلے انسان کے اصل کی طرف توجہ دلائی ہے یا زندگی کی ابتدا کی طرف۔ کوئی سے بھی مدارج ہوں جن میں سے ہو کر انسان بنا اور

کتنی بھی مدت اس کے بننے میں یا بننے پر گزر گئی ہو۔ زندگی کی ابتدا کا جو کچھ پتہ آج سائنس سے ملتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر

یہاں دو تین لفظوں میں قرآن شریف نے کر دیا ہے یعنی سب سے پہلی حالت زمین کی جو انسانی زندگی کی معاون ہوئی وہ صلصال

تھی یا سوکھی ہوئی مٹی اور دوسری جگہ اسے صلصال کالفخار (الرحمٰن ۵۵۔ ۱۴) کہکر بتا دیا کہ گویا وہ آگ سے پک کر نکلی ہے اس

میں یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ زمین کی موجودہ سطح گویا آگ سے پک کر تیار ہوئی ہے اور اسی کی شہادت آج سائنس سے ملتی ہے

کہ ابتدا میں یہ زمین ایک آگ کا ٹکڑا تھا۔ تدریجاً ٹھنڈا ہوتے ہوتے اس کی اوپر کی سطح سخت ہو گئی۔ قرآن کریم نے اسے صلصال

کالفخار کہکر اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اگلی آیت میں اس کی ناری حالت کا ذکر بھی ان الفاظ میں کیا ہے کہ جنوں کو

اس سے پہلے نار سے پیدا کیا گویا اس سے پہلی حالت زمین کی نار کی تھی اور اس ناری صفت کے مطابق جو ہستیاں پیدا ہوئیں

وہ جن ہیں۔ اور یہاں من صلصال کہکر پھر جو فرمایا من حمأ مسنون۔ تو بتایا کہ صلصال کی حالت سے تبدیل ہو کر پھر حمأ

کی حالت ہوئی یعنی اس مٹی کے ساتھ پانی ملا۔ اور پھر اس میں تغیر آیا اور ابن عباس سے حمأ مسنون کے معنی طین رطب یعنی

گیلی مٹی مروی ہیں (ج)۔ اور ابتدائے زندگی کی تاریخ پر جو روشنی سائنس نے ڈالی ہے وہ یہی ہے کہ زندگی کی ابتدا ایسی مٹی سے

ہوتی ہے جس میں پانی ملکر اس میں ایک تغیر واقع ہو جائے۔ ایک اُمّی کے مُنہ سے آج سے تیرہ سو سال پیشتر یہ الفاظ کہلوا کر

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کامل کا ثبوت دیا ہے جس کے مقابل پر انسانی علوم ہیچ ہیں۔ اور صلصال میں چونکہ آواز کا خیال

پایا جاتا ہے اور مسنون میں شکل و صورت دینے کا اسلئے ان الفاظ کے اختیار کرنے میں ساتھ ہی انسان کی ان دو صفات

کیطرف بھی اشارہ ہے جو اسے دوسرے حیوانات سے تمیز کرتی ہیں یعنی ایک گویائی اور دوسرے خاص قسم کی شکل و صورت +

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ٢٨

اور جنوں کو ہم نے اس سے پہلے سخت تیز آگ سے پیدا کیا ۱۶۸۶ اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ ٢٩

کہ میں انسان کو سوکھی ہوئی مٹی سیاہ کیچڑ سے جو متغیر ہو چکا ہو پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اسے تکمیل کو پہنچاؤں اور

نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ ٣٠

اپنی روح سے اس میں پھونکوں تو تم اس کیلئے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر پڑنا ۱۶۸۷ پس کل فرشتوں نے سب کے سب نے فرمانبرداری کی

جانّ — **۱۶۸۶** جان جنّ کے لئے دیکھو ۱۰۱۵ اور جانّ کو بعض نے جنوں کا باپ کہا ہے جیسے آدم انسانوں کا باپ ہے اور بعض کے نزدیک جانّ جنّ ہی ہیں اور یہ اسم جمع ہے اور بعض نے جانّ کو جنوں کی ایک نوع قرار دیا ہے لم یطمثھن انس قبلھم ولا جانّ (الرحمٰن ۵۵-۵۶) اور جانّ سانپ کی بھی ایک قسم ہے جو پتلا ہلکا سا ہوتا ہے کانھا جانّ (النمل ۲۷ ... القصص ۲۸-۳۱) اور جانّ شیطان کو بھی کہتے ہیں (ل) +

سُمّ — سموم - سَمّ اور سُمّ ہر ایک تنگ سوراخ کو کہتے ہیں جیسے سوئی کا ناکہ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف ۷-۴۰) اور اسی سے سَمّ کے معنی داخل ہونا آتے ہیں اور سَمّ زہر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی باریک تاثیر سے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور

سموم — سَمُوم گرم ہوا کو کہتے ہیں کہ وہ بھی زہر کی طرح جسم پر اثر کرتی ہے فی سموم وحمیم (الواقعۃ ۵۶-۴۲) ووقٰنا عذاب السموم (الطور ۵۲-۲۷) (غ) اور سموم کے معنی ایسی گرم ہوا بھی کئے گئے ہیں جو قتل کر دے اور بعض نے اس کے معنی آگ کا شعلہ کئے ہیں اور یا اس کے معنی سخت تیز آگ کے ہیں (ق)

زمین کی ابتدائی حالت ناری مخلوق — اس میں زمین کی ابتدائی حالت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے یعنی نسل انسانی کی آبادی کے قابل ہونے سے پہلے اس میں ایسی مخلوق تھی جو آگ سے پیدا ہوئی تھی - اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ جس قسم کے حالات ہوں اسی قسم کی مخلوق ہو - انسان کا خود خاص حالات میں پیدا ہونا بتاتا ہے کہ مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف قسم کی مخلوق ہو سکتی ہے محض یہ بات کہ آج وہ ناری ہستیاں نظر نہیں آتیں ان کے وجود کے خلاف کوئی دلیل نہیں +

تسویة — **۱۶۸۷** سویت - سَوَّيْتُهٗ فاستوی - اور اِستوٰی کے معنی ہیں ایک چیز اپنے کمال کو پہنچ گئی پس سَوّٰی کے معنی ہیں اسکو کمال کو پہنچایا ثم سوّٰک رجلا (الکھف ۱۸-۳۷) الذی خلق فسوّٰی (الاعلیٰ ۸۷-۲) اور یہاں مراد جسمانی تسویہ ہے نیز دیکھو ۱۲۴

روح — روحی - ابن الانباری کا قول ہے کہ روح اور نفس ایک ہی ہیں سوائے اس کے کہ روح مذکر ہے اور نفس مؤنث (ت) اور نفس کے لئے دیکھو ۵۹۵ جہاں ایک معنی قوت ممیزہ بھی اسکے دیئے گئے ہیں اور روح کے معنی جان بھی آتے ہیں اور نفس بھی (یعنی نفس ناطقہ) اور وحی اور قرآن وغیرہ (ل)، اور روحی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف بسبیل تشریف ہے جیسے بیتی میں (غ) اور یہاں

ملکی روح کا انسان میں نفخ — روح سے مراد نفس ناطقہ یا وہ چیز ہے جس سے انسان تمیز کرتا ہے یہاں روح جان کے معنی میں اس لئے نہیں ہو سکتی کہ یہ روح انسان اور دوسرے حیوانات میں اشتراک رکھتی ہے اور سجدہ کا حکم کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے اگر جان کے ڈالے جانے کی وجہ سے یہ حکم ہوتا تو دوسرے جاندار بھی اس میں شامل ہوتے اور سورۂ بقرہ میں اول انسان کو علم دیا جاتا ہے تب ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہاں نفخ روح سے مراد اس قوت ممیزہ کا نفخ ہے جس سے انسان علم حاصل کرتا ہے یا روح

۳۱ ۳۲ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ○ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا

مگر ابلیس (نے نہ کی) اس نے انکار کیا کہ فرمانبرداری کرنیوالوں کے ساتھ ہو فرمایا اے ابلیس کیا وجہ ہے کہ تو

۳۳ تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ○ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ

فرمانبرداری کرنیوالوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اس نے کہا مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں ایک انسان کی فرمانبرداری کروں جسے تو نے سوکھی ہوئی

۳۴ ۳۵ مَّسْنُونٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ○ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ○

مٹی سے متغیر شدہ کیچڑ سے پیدا کیا ہے کہا تو اس (حالت) سے نکل جا کیونکہ تو دور کیا گیا ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہے

۳۶ ۳۷ ۳۸ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ○ إِلَىٰ

کہا میرے رب تو مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن وہ اٹھائے جائیں کہا تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی ایک معلوم

۳۹ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ○ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ

وقت کے دن تک ۱۶۸۸ کہا میرے رب جیسا تو نے مجھ پر جہالت کا حکم لگایا میں انہیں زمین میں (زندگی) خوبصورت بنا کر

۴۰ ۴۱ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ○ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ○ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ○

دکھاؤنگا اور ان سبکو (حصول مقصد میں) ناکام رکھونگا ۱۶۸۹ سوائے تیرے بندوں کے جو ان میں سے خالص کئے گئے ہیں فرمایا یہ سیدھا رستہ میری طرف ہے ۱۶۹۰

سے مراد وحی بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہ وہ روح ہے جو تمام انسانوں میں نفخ ہوتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مھین ثم سوّٰہ ونفخ فیہ من روحہ (السجدۃ ۳۲ - ۸و۹) +

شیطان کا آخر تک رہنا

۱۶۸۸ جب تک اس دنیا پر انسان ہے اس وقت تک شیطان کا رہنا بھی ضروری ہے مگر اس کی بھی ذریت ہے اور ہر انسان کے لئے ایک علیحدہ شیطان کا ہونا حدیث سے بھی ثابت ہے کان شیطان آدم کافرا وشیطانی مسلما۔ دیکھو سورۃ اعراف کا دوسرا رکوع +

دنیوی زندگی کو مقصد ٹھہرانا اصل حصول مقصد میں ناکامی ہے

غوی ۔ اغواء

۱۶۸۹ فی الارض میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زندگی انہیں اچھی کر کے دکھاؤں گا یہاں تک کہ وہ اس دنیوی زندگی کو ہی اپنا اصل مقصد بنا لیں۔ اسلئے آخر پر لاغوینہم کا لفظ استعمال کیا ہے اور غی کے معنی وہ جہالت ہیں جو اعتقاد فاسد سے پیدا ہو اور غوی کے معنی خاب یعنی ناکام ہوا اور اغواء کے معنی ناکام رکھنا ہیں دیکھو ۱۰۵۸ یعنی اصل مقصد زندگی کی طرف ان کی توجہ نہ ہونے دونگا اور یوں انہیں اس مقصد کے حصول میں ناکام رکھوں گا +

۱۶۹۰ یہاں علیّ بمعنی الیّ ہے (ج) یعنی مجھ تک پہنچانے والا یہ صراط مستقیم ہے اور یا علیّ کے معنی ہیں یہ اسے ضرور ملحوظ رکھوں گا +

مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝ ۵۶

ہیں سے نہ ہو۱۶۹۵۔ اس نے کہا اور سوائے گمراہوں کے اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہو سکتا ہے

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ ۵۸

کہا تو اے رسولو! تمہارا کام کیا ہے انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ۙ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ ۵۹ ۶۰

سوائے لوط کے لوگوں کے ۱۶۹۶ سب کو ضرور بچا لیں گے مگر اس کی بی بی ہم مقدر کر چکے ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والوں

الْغٰبِرِيْنَ ۝ۧ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ۙ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ ۶۱ ۶۲

ع ۴ لوط اور شعیب کی قوم

میں سے ہو۱۶۹۷ سو جب رسول لوط کی آل کے پاس آئے اس نے کہا تم اجنبی لوگ ہو

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۶۳ ۶۴

انہوں نے کہا بلکہ ہم وہ بات تیرے پاس لائے ہیں جس میں یہ جھگڑتے تھے اور ہم ضرورت حقہ کے ساتھ تیرے پاس آتے ہیں اور یقیناً ہم سچے۱۶۹۷ ہیں

یہی دو نقشے پیش کئے ہیں +

قنوط۔ قانط

۱۶۹۵ یقنط۔ قنوط کے معنی بھلائی سے مایوس ہو جانا ہیں۔ اور قانط (۵۵) اور قنوط (حم السجدہ ۴۱-۴۹) مایوس ہونیوالا ہے (غ)

ابراہیم کے مہمان انسان تھے

یہاں انہی واقعات کا ذکر ہے جو سورۂ ہود میں ۶۹-۷۳ میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں ان آنیوالوں کو مہمان کہا ہے اس سے بھی یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ انسان تھے اور حضرت ابراہیم کا یہ کہنا کہ تم کس ذریعہ سے مجھے خوشخبری دیتے ہو صاف بتاتا ہے کہ وہ انہیں ملائکہ نہ سمجھتے تھے اور یہ ناممکن ہے کہ فرشتہ نبی پر نازل ہو تو وہ اسے شناخت نہ کرے کہ یہ فرشتہ ہے اور انکا جواب کہ ہم تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دیتے ہیں اسی بات کا موید ہے گویا وہ بتاتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے آگاہ کیا ہے جو امر حق ہے +

۱۶۹۶ الا آل لوط میں الّا استثنائے منقطع ہے اور مطلب صرف اس قدر ہے کہ آل لوط اس مجرم قوم میں داخل نہیں اور اگلے رکوع کی پہلی آیت میں صاف فرمایا کہ رسول آل لوط کے پاس آئے۔ حضرت ابراہیم اور لوط کے اس واقعہ کو اکٹھا بیان کرنے پر دیکھو ع۱۴۸۰ قدرنا میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے کیونکہ قضاء و قدر نہ ملائکہ کے اختیار میں ہے نہ انسانوں کے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس میں بُعد کوئی نہیں کہ ان مرسلوں کے کلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہو گیا ہو۔ دوسری جگہ انہی مرسلوں کا کلام یوں نقل کیا ہے قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین۔ لنرسل علیہم حجارۃ من طین۔ مسومۃ عند ربک للمسرفین فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین وترکنا فیہا اٰیۃ للذین یخافون العذاب الالیم (الذاریٰت ۵۱-۳۲ تا ۳۷) جس میں لازماً کہیں نہ کہیں ضمیر کو بدل کر اللہ تعالیٰ کی طرف لانا پڑتا ہے۔ کیونکہ آخری الفاظ تو کسی طرح ان ملائکہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے اور اس موقعہ پر تفاسیر میں فاخرجنا سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایتاً قول مانا گیا ہے اسی طرح یہاں انا لمنجوھم سے کلام حکایتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے +

حضرت لوط نے بھی ان مرسلوں کو انسان سمجھا

جس طرح حضرت ابراہیم نے ان آنیوالوں کو ملائکہ نہیں سمجھا حضرت لوط نے بھی نہیں سمجھا۔ کیونکہ نبی ملائکہ کو منکر یا اجنبی

۶۵ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ

سو اپنے اہل کو کچھ رات رہے لیکر چلے جاؤ اور خود ان کے پیچھے چلو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑکر نہ دیکھے

۶۶ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ۝ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ

اور چلے جاؤ جہاں تمہیں حکم دیا گیا ہے ۱۶۹۸ اور ہم نے اس کی طرف اس بات کی قطعی وحی کردی کہ ان کی جڑ

۶۷ ۶۸ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ۝ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ

صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائیگی ۱۶۹۹ اور شہر کے لوگ خوش خوش آئے (لوط نے) کہا یہ میرے مہمان

۶۹ ۷۰ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ۝ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

ہیں تو تم مجھے رسوا نہ کرو ۱۷۰۰ اور اللہ کا تقویٰ کرو اور مجھے ذلیل نہ کرو انہوں نے کہا کیا ہم نے تمہیں سب لوگوں سے روکا نہیں ۱۷۰۱

لوگ نہیں کہہ سکتا اور ان کا حضرت لوط کو یقین دلانا کہ ہم بھیجے ہیں صاف بتاتا ہے کہ یہ انسان تھے۔ فرشتوں کو ایسا یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی اَتَیْنٰكَ بِالْحَقِّ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک حق بات ہم آپکے پاس لاتے ہیں یعنی عذاب الٰہی جس کا آنا حق ہے مگر یہ خطاب حضرت لوط کے لئے موزوں نہیں ان کی قوم کے لئے موزوں ہو سکتا ہے اس لئے میں نے دوسرے معنی اختیار کئے ہیں کہ ہم اقتضائے حکمت کے مطابق آپکے پاس آئے ہیں تاکہ اس قوم پر اتمام حجت ہو جائے اور یہ اپنی شرارت کو اس انتہا تک پہنچا دیں جس کے بعد قوم کو مہلت نہیں دی جاتی۔ یہاں جن واقعات کا ذکر ہے وہی سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں بیان ہو چکے ہیں دیکھو ۱۴۸۶ سے ۱۴۹۱ تک +

۱۶۹۸ خود ان کے پیچھے چلو۔ یہی انبیاء کی طرز ہے سب سے بڑھکر خطرے کے مقام میں خود رہتے ہیں نبی کریم صلعم نے بھی سب صحابہ کو رخصت کر کے سب سے آخر خود ہجرت کی تاکہ کمزور ناتوان وغیرہ پیچھے نہ رہ جائیں پیچھے مڑکر نہ دیکھنے کی تاکید اس لئے کی کہ وہ ایک خطرناک مقام تھا ایسا نہ ہو کہ نکل کر اس انتظار میں ٹھہر جائیں کہ اس قوم پر کیا سزا آتی ہے۔ اور جہاں حکم دیا جاتا ہے وہاں چلے جاؤ یہ حکم الٰہی حضرت لوط کو علیحدہ دیا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ سارا کلام فاسر باھلك سے لیکر حضرت لوط کی طرف وحی ہے جیسا کہ ابھی آیت میں اس وحی کا صاف ذکر بھی ہے +

قضاء

۱۶۹۹ قضینا۔ قضا کے معنی فصل امر یعنی ایک بات کا قطعی فیصلہ کر دینا ہیں اور جہاں وحی الٰہی سے ایک امر کا قطعی فیصلہ کر دیا جائے اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے یہاں اور وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب (بنی اسرائیل ۱۷-۴) میں بھی قضا مبالا علام مراد ہے یعنی ایک بات کا قطعی خبر سے علم دیدینا (غ)

اس سے معلوم ہوا کہ ان رسولوں کا آنا اور وحی الٰہی دو الگ الگ امر ہیں۔ اگر یہ رسول فرشتے ہوتے تو علیحدہ وحی الٰہی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ فرشتوں کا آنا ہی کافی تھا۔ مگر چونکہ رسول اپنی وحی پر ہی عمل کرتے ہیں اسلئے حضرت لوط کیطرف وحی بھی کی گئی

فضح

۱۷۰۰ تفضحون فضح کے معنی (جس سے فضیحت ہے) کسی برائی کی تشہیر ہے +

۱۷۰۱ پیدائش ۱۹:۹ میں ہے کہ یہ ایک مرد یہاں گزران کرنے آیا "مطلب یہ ہے کہ ہماری قوم میں سے نہیں معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے انہوں نے حضرت لوط کو اس بات سے روک دیا تھا کہ آپکے پاس کوئی مہمان آکر رہے یعنی کوئی غیر قوم کا آدمی آکر ٹھہرے۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ۷۱–۷۲

کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم (ان سے نکاح) کرنا چاہتے ہو — تیری زندگی کی قسم وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے ۱۷۰۲

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً ۷۳–۷۴

سو ایک خطرناک آواز نے انہیں سورج نکلتے آپکڑا ۱۷۰۳ — پس ہم نے اسے تہ و بالا کر دیا اور ہم نے ان پر سخت

مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ ۷۵–۷۶

پتھر برسائے — یقیناً اس میں فراست والوں کیلئے نشان ہیں ۱۷۰۴ — اور وہ شہر ایک دائمی رستے پر ہے ۱۷۰۵

یہی مطلب ان الفاظ کا ہے +

لعمرک — ۱۷۰۲ لعمرک۔ عَمْرٌ اور عُمْرٌ کے ایک ہی معنی ہیں دیکھو ۱۲۱ قسم میں عَمْرٌ کا لفظ آتا ہے۔ یہاں قسم کھانے والا کون ہے اور کس چیز کی قسم ہے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلعم کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور بعض کے نزدیک حضرت لوط کے مہمانوں نے لوط کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور گو اس میں قالوا محذوف ماننا پڑے گا مگر قرینہ اسی کو چاہتا ہے اور اس طرح پر حذف قرآن شریف میں کئی جگہ آتا ہے اور یہاں ذکر قوم لوط کا ہی ہے۔ پہلی صورت میں آنحضرت صلعم کی زندگی کی قسم کھانے سے کیا منشاء ہے۔ انسان جب خدا کی قسم کھاتا ہے تو اس کا منشاء عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ ٹھہراتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم میں مراد صرف اس قدر ہوگی کہ کسی چیز کو بطور گواہ پیش کیا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں نبی کریم صلعم کی زندگی کو بطور گواہ پیش کیا ہے اور یہ سچ ہے کہ ایک راستباز۔ ہاں تمام راستبازوں کے سردار کی زندگی ان لوگوں کے اندھا اور بدمست ہونے پر گواہ ہے جو بدی میں منہمک ہو جاتے ہیں اور لسان العرب میں ابن عباس کے اس قول کو نقل کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی کریم صلعم کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور آپ کے سوائے اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی اس کا انکار بھی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ دوسروں نے اس کے معنی کئے ہیں لَدِیْنُكَ الَّذِیْ تَعْمُرُ یعنی تیرے اس دین کی قسم جسے تو مروج کرتا ہے (ل) +

اللہ تعالیٰ کی قسم سے مراد

شرق۔ اشراق — ۱۷۰۳ مشرقین۔ شَرَقَتِ الشَّمْسُ کے معنی ہیں سورج طلوع ہوا۔ اور اَشْرَقَ کے معنی روشن کر دیا بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ (ص ۳۸ — ۱۸) اور مَشْرِق جدھر سے سورج طلوع ہوتا ہے مَكَانًا شَرْقِيًّا (مریم ۱۹ — ۱۶)

مشرق

سمة۔ سیما — ۱۷۰۴ متوسمین۔ وَسْم کے معنی نشان کرنا ہیں اور سِمَةٌ نشان ہے یہی معنی سِیْمَا کے ہیں سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ (الفتح ۴۸ — ۲۹) تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ (البقرۃ ۲ — ۲۷۳) (اور یہاں فا کی جگہ عین نے لی ہے) اور وَسَمَ یَسِمُ کے معنی ہیں کسی نشان لگانے والی چیز کے ساتھ نشان لگا یا سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ (القلم ۶۸ — ۱۶) اور تَوَسَّمَ کے معنی فراست یا فطنت ہیں اور مُتَوَسِّم وہ ہے جو عبرت حاصل کرے یا فراست سے کام لے (غ)

وسم — متوسم

اقامة — ۱۷۰۵ مقیم۔ اِقَامَة کے معنی دوام بھی آتے ہیں یعنی ہمیشہ رہنا جیسے عذاب مقیم (المائدۃ ۵ — ۳۷) (غ) یہاں مراد ایسی رستے سے مراد یہ ہے کہ لوط کی یہ بستیاں ایک ایسے رستہ پر ہیں جو ہمیشہ چلتا ہے اس لئے یہ تباہ شدہ بستیاں بھی نظروں کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ آج بھی یہ رستہ اسی طرح جاری ہے +

۷۷ — اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۷۸ — وَاِنْ کَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ لَظٰلِمِیْنَ ۝

یقیناً اس میں مومنوں کیلئے نشان ہے ۔ اور بن کے رہنے والے بھی ظالم تھے ۱۴۰۶

۷۹ — فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝ ۸۰ — وَلَقَدْ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

سو ہم نے انہیں سزا دی ۔ اور یہ دونوں شہر کھلے رستہ پر ہیں ۱۴۰۷ اور حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ۱۴۰۸

[Margin: رکوع ۶ — اصحاب الحجر اعدائے اسلام کو انذار]

۸۱ — وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَکَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝

اور ہم نے انہیں اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے منہ پھیر لینے والے ہوئے ۔

ایکة

۱۴۰۶ ایکة بہت سے درختوں کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے سے پھنسے ہوئے ہوں اور ایسی جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں اس طرح درخت ہوں یعنی بن کو (ل) ، اور اصحاب الایکة یا تو بن کے رہنے والے ہیں اور یا ایکة شہر کا نام ہے +

اصحاب الایکة کون تھے

اصحاب الایکة کون تھے ؟ ان کا ذکر یہاں اور صٓ ۳۸ - ۱۳ میں اور قٓ ۵۰ - ۱۴ میں قوم لوط کے ساتھ ملا ہوا مجملاً آیا ہے - اور الشعراء ۲۶ - ۱۷۶ تا ۱۹۱ میں قوم لوط کے بعد ان کا ذکر مفصل آیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ ان کے رسول حضرت شعیب تھے اور حضرت شعیب کا اہل مدین کی طرف مبعوث ہونا دوسری جگہ سے ظاہر ہے والی مدین اخاھم شعیبا (الاعراف ۷ - ۸۵) پس سوال یہ ہے کہ آیا یہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں یا دو الگ الگ قومیں ہیں اہل مدین کے عذاب کو ھود ۱۱ - ۹۴ میں صیحة کہا ہے اور اصحاب الایکة کے عذاب کو الشعراء ۲۶ - ۱۸۹ میں عذاب یوم الظلة کہا ہے اس سے اور ایک حدیث سے جو ابن عساکر میں مذکور ہے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یہ دو الگ الگ قومیں تھیں ۔ مگر علاوہ اس بات کے جس کا ذکر اوپر ہوا کہ دونوں قوموں کی بیماری ایک ہے قرآن شریف میں جہاں اہل مدین کا ذکر ہے وہاں اصحاب الایکہ کا نہیں اور جہاں اصحاب الایکہ کا ہے وہاں اہل مدین کا نہیں جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی قوم ہے اور عذاب کے دو نام آنے سے یہ قیاس کرنا کہ الگ الگ عذاب تھے بالکل غلط ہے صیحة زلزلہ کو کہا ہے اور زلزلہ جس میں آتش فشاں کی سنگباری ہو عذاب یوم الظلة کہلا سکتا ہے ۔ پس یا یہ ایک ہی قوم ہے اور یا ایک ہی قوم کے دو ٹکڑے ہیں

امام

۱۴۰۷ امام کے معنی کے لئے دیکھو ۱۴۰۷ چونکہ رستہ پر چلا جاتا ہے اس لئے اسے بھی امام کہہ دیا ہے +

دونوں سے مراد لوط اور شعیب کی بستیاں ہیں ۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی رستہ پر واقع ہیں +

الحجر

۱۴۰۸ الحجر قوم ثمود کے مسکن کا نام ہے (غ) ، اور یہ قطعہ مدینہ کے شمال میں ملک عرب کی حدود کے اندر واقع ہے +

قوم لوط ، قوم شعیب اور ثمود کا اکٹھا ذکر

یہاں قوم ثمود کا ذکر ہے اس سے پہلے قوم لوط اور پھر قوم شعیب کا ذکر کیا تھا ۔ ان تین کو یہاں ذکر سے کیوں مخصوص کیا ۔ اور پھر یہ ترتیب کیسی ہے کہ لوط کی قوم ثمود کے بعد ہوئی اور شعیب کا زمانہ لوط سے بعد ہے لیکن یہاں ذکر اول لوط کا پھر قوم شعیب کا پھر قوم ثمود کا ہے ۔ بات یہ ہے کہ ان تینوں قوموں کے مسکن اس رستہ پر ہیں ۔ جہاں سے اہل مکہ اپنی شام کی تجارت میں بار بار گزرتے تھے ۔ اسلئے انہی تین کو یہاں ذکر سے مخصوص کیا ۔ اور ترتیب اس لحاظ سے ہے کہ سب سے اوپر لوط کی بستیاں ہیں اس سے نیچے قوم شعیب کی اور اس سے نیچے وادی حجر ہے یعنی قوم ثمود کا مسکن ان کا ذکر اعدائے اسلام کی عبرت کیلئے کیا ۔ نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو فرمایا کہ ان تباہ شدہ مقاموں پر جاؤ تو روتے ہوئے جاؤ مطلب یہ ہے کہ عبرت حاصل کریں (بخاری) خود مدت بعد تبوک کو جاتے ہوئے صحابہ کو اسی طرح نصیحت فرمائی ۔ معلوم ہوتا ہے یہ قوم قبول حق میں بہت ہی سخت تھی شاید اسی موزونیت سے سورة کا نام الحجر ہے +

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝ ۸۲ ۸۳

اور وہ امن کیلئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے سو صبح ہوتے ہی انہیں سخت آواز نے آلیا

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۸۴ ۸۵

پس جو کچھ وہ کماتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ

وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۖ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ۝

ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور یقیناً (موعود) گھڑی آنے والی ہے سو خوبی سے درگزر کرتے رہو ۱۷۰۹

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ ۸۶ ۸۷

بیشک تیرا رب سب کا پیدا کرنیوالا جاننے والا ہے اور ہم نے تجھے سات بار بار دہرائی گئی (آیتیں) اور عظمت والا قرآن دیا ہے ۱۷۱۰

جمال — **۱۷۰۹** الجمیل۔ جَمال حسن کثیر کو کہتے ہیں اور یہ دو قسم ہے ایک وہ جو انسان سے مخصوص ہے اسکے نفس میں ہو یا بدن میں یا فعل میں۔ اور دوسرا وہ جو اس سے اس کے غیر کی طرف پہنچتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ

ان اللہ جمیل — اللہ جمیل ہے جمال سے محبت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ تمام خیرات یعنی بھلائیاں اس سے نکلتی ہیں پس وہ ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جو دوسروں سے نیکی کرے اور پھر اس سے کثرت معنی ہو گئے ہیں اس لئے جُملَۃ کے معنی کل ہیں لولا نزل علیہ

جُملۃ، جَمَل — القرآن جملۃ واحدۃ (الفرقان ۲۵۔۳۲) اور جس چیز کی تفصیل نہ ہو اسے مُجْمَل کہا جاتا ہے۔ اور جَمَل اونٹ کو کہتے ہیں جب

جمالۃ — اس کے سب دانت نکل آئیں حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف ۷۔۴۰) اور اس کی جمع جِمال اور جِمالَۃ آتی ہے کانہ جمالۃ صفر (المرسلٰت ۷۷۔۳۳)۔

ان تین قوموں کے ذکر میں یہ سمجھایا کہ اعمال کی جزا حق ہے۔ اس لئے اب عام کر کے سمجھایا کہ آسمان اور زمین میں جہاں تک بھی دیکھتے جاؤ یہی معلوم ہوگا کہ کوئی فعل بے نتیجہ نہیں پس اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ قوم جو اعمال بد میں بڑھتی چلی جاتی ہے آخر اس کی صف لپیٹ دی جاتی ہے اور الساعۃ سے مراد یہاں وہی قوم کی تباہی کا وقت ہے جیسے الساعۃ الوسطیٰ کہا جاتا ہے دیکھو ۱۰۰۲ اسی لئے اس کے بعد درگزر کا حکم دیا کیونکہ ان کی ساعۃ ان کی مغلوبیت تھی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (حٰم السجدۃ ۴۱۔۳۴) یا فرمایا عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ (الممتحنۃ ۶۰۔۷)۔

ثِنی — **۱۷۱۰** مثانی۔ اس کا اصل ثِنی ہے اور ثِنیٰ اور اِثنان گنتی کے اعتبار سے بھی بولا جاتا ہے اور دوبارہ لانے کے اعتبار سے بھی

ثناء۔ مثانی — اور دونوں کے اعتبار سے بھی۔ اور ثَنَاء حمد کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے اور مَثَانِی (مَثْنَاۃ کی جمع) قرآن کریم کی سورتوں کو کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ باربار دوہرائی جاتی ہیں یعنی ہمیشہ پڑھی جاتی ہیں اور دوسری جگہ قرآن کریم کو مثانی

قرآن کریم کو مثانی اس معنی سے کہا گیا ہے — کہا ہے اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی (الزمر ۳۹۔۲۳) اور یہ بھی درست ہے کہ قرآن شریف کو مثانی اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے فوائد بار بار اور از سر نو تازہ ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں اس کی صفت میں ہے کہ لا یخلق علی کثرۃ الرد و لا تنقضی عجائبہ یعنی جب کبھی اس میں کمی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ

۸۸ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ

تو اپنی آنکھوں کو اس طرف نہ لگا جو ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو چندروزہ سامان دیا ہے اور ان کے لئے غم نہ کھا

۸۹ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ

اور مومنوں کیلئے نرمی اختیار کر ۔ ‏۱۷۱ اور کہہ میں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں

اسے قائم کرنے کا سامان بھی کر دیگا۔ اور جب اس میں زیغ پیدا کیا جائیگا تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے گا اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہونگے اور اس لحاظ سے بھی مثانی کا لفظ اس پر صادق آتا ہے کہ اس میں سے ایسی باتیں ہمیشہ ظاہر ہوتی رہیں گی جن کی وجہ سے اس کی ثنا ہوتی رہیگی۔ اور اس کی بھی جا سے پڑھے اور سیکھے اور اس پر عمل کرے اور اسی معنی میں قرآن شریف کو کہیں بھی کہا ہے انہ لقرآن کریم (الواقعۃ ۵۶-۷۷) اور مجید بھی بل ھو قرآن مجید (البروج ۸۵-۲۱) ۔

سبع من المثانی سبع من المثانی سے کیا مراد ہے بخاری میں ابو ہریرہ اور ایک دوسرے صحابی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ یہ سورۃ فاتحہ ہے اور دونوں روایتوں میں اسی کو قرآن عظیم بھی فرمایا ہے ۔ یا ابن عباس سے اور مجاہد وغیرہا سے روایت ہے کہ اس سے مراد سات لمبی سورتیں ہیں یعنی پہلی ساتوں سورتیں (ج) لیکن یہ سورت مکی ہے اور سات لمبی سورتوں میں سے پانچ مدنی ہیں اسلئے یہ معنی قابل قبول نہیں۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہی ہے جو اس وقت نازل ہو چکی تھی اور نمازوں میں دوہرائی جاتی تھی اور وہ اس لحاظ سے بھی مثانی بالخصوص کہلائیگی کہ نماز میں یہی حصہ ہے جو بار بار دوہرایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی سورت یا حصہ اور پڑھا جاتا ہے اور ہر رکعت میں دوہرائی صرف یہی سورت جاتی ہے اور اس کی سات آیات بھی ہیں ۔ اور قرآن عظیم اس کو اس معنی سے کہا جیسے ام الکتاب اس لئے کہ اس میں ساری تعلیم قرآنی کا نچوڑ موجود ہے ۔ اور اس کا ذکر اس لئے کیا کہ اگر لوگوں کے پاس مال و دولت ہے دیکھو اگلی آیت جس کے بھروسہ پر وہ تمہاری مخالفت کرتے ہیں تو تمہارے پاس وہ حق موجود ہے جسکے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی اور وہی غالب آ کر رہے گا ۔

مدًّا ۔ مدّۃ ‏۱۷۱ تمدن ۔ مدّ کے معنی کھینچنا ہیں اور مُدّۃ وقت ممتد یعنی لمبے وقت کو کہتے ہیں اور عرف کی مدّ اس کا لمبا کرنا

مد البصر اور کسی چیز کی طرف مد بصر یا مد عین سے مراد ہوتی ہے اس کی حرص کرنا یا اس کا خواہشمند ہونا (ف) ۔

ازواج ازواجا ۔ اَزْوَاج ۔ زَوْج کی جمع ہے دیکھو ۱۳۹ و ۱۰۲۶ اور چونکہ ہر ایک قرین یا ہمنشین پر یہ لفظ بولا جاتا ہے اسلئے ازواج کے معنی یہاں اَشْبَاہ اور اقران ہیں (غ) یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ اور اَصْنَاف بھی اس کے معنی کئے ہیں یعنی قسم قسم کے لوگ اور بعض نے تعلف کر کے رجالا مع نسائہم بھی کہا ہے یعنی مرد اور ان کی عورتیں (ل) ۔

خفض الجناح اخفض جناحک خَفْض ۔ رفع کی ضد ہے خافضۃ رافعۃ (الواقعۃ ۵۶-۳) اور جَنَاح جانب کو کہتے ہیں اور مراد خفض الجناح یا پہلو کے نیچا یا نرم کرنے سے نرمی کا اختیار کرنا ہے جب اس عظیم الشان حق کا ذکر کیا جو نبی کریم صلعم کو دیا گیا تو اس کے بالمقابل جن چیزوں پر لوگ فخر کرتے ہیں ان کا ذکر بھی کیا یعنی دنیا کا مال اور اس کی نعمتیں اور آسائشیں بعض نے یہاں مراد امت کو لیا ہے کیونکہ نبی کریم صلعم ابتدائے زندگی سے ہی کبھی مال دنیا کی پروا نہ کرتے تھے لیکن دیکھو ۱۴۲ و ۲۷ ط٘ں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آئندہ زمانہ کی طرف اشارہ ہے جب سامان دنیوی کی افراط اس قدر دنیا میں ہونیوالی تھی تو یہ سمجھایا ہے کہ دنیا کے مال و متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو کیونکہ تمہارے پاس اس سے بہت بڑھکر دولت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص کو قرآن دیا گیا پھر اس نے یہ خیال کیا کہ دنیا میں اس سے بڑھکر بھی کوئی چیز کسی کو دی گئی ہے تو اس نے

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ ۹۰ ۹۱

جس طرح ہم نے قسمیں کھانے والوں پر اُتارا ۱۷۱۲ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۱۷۱۳

ایک عظیم الشان چیز کو حقیر جانا اور ایک حقیر چیز کو بڑا سمجھا۔ ولا تحزن علیہم دوسری جگہ عیسائیوں کے ذکر میں ہو فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا (الکہف ۱۸-۶) اور یا اس وجہ سے کہ وہ اپنے اموال کو حق کی مخالفت پر خرچ کرتے تھے تو مراد یہ ہو کہ ایسے لوگوں کا استیصال ضروری ہو ✦

قسم۔ اقتسم
قسمۃ
اقسم۔ تقاسم
مقتسمین

۱۷۱۲ مقتسمین قَسَمَ کے معنی تقسیم کیا اور تقاسما المال اور اِقْتَسَمَاہُ کے معنی ہیں ان دونوں نے باہم مال تقسیم کیا اور اسی سے قِسْمَۃ ہو واذا حضر القسمۃ (النساء ۴-۸) اور قسم ۱ مرۃ اور اِقْتَسَمَ کے معنی یوں بھی آتے ہیں کہ اس معاملہ میں سوچتا رہا کہ اسے کرے یا نہ کرے اور اَقْسَمَ کے معنی ہیں قسم کھائی اور تقاسم القوم سب لوگوں نے ایک دوسرے سے عہد کے طور پر قسم کھائی تقاسموا باللہ (النمل ۲۷-۴۹) (ل) یہاں مقتسمین سے مراد راغب نے وہ لوگ لئے ہیں جنہوں نے مکہ کی گھاٹیوں میں باہم قسمیں کھائی تھیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس آئیں انہیں روک دینگے یا نبی کریم صلعم کے خلاف تدابیر کرنے پر باہم قسمیں کھائی تھیں۔ اور بخاری نے بھی اس کے معنی الذین حلفوا ہی کئے ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں۔ اور بعض نے اقتسام سے مراد قرآن شریف کی تقسیم لی ہو یعنی ایسے لوگ جنہوں نے ایک حصہ کو حق کہا اور دوسرے کو باطل جیسا کہ اہل کتاب کرتے تھے یہی مضمون اگلی آیت میں بیان ہوا ہو

آیندہ زمانہ کے عذاب کی پیشگوئی

کما کو ولقد اٰتینٰک کے متعلق سمجھا گیا ہو مگر یہاں انزال وحی کا ذکر نہیں بلکہ انزال عذاب کا ذکر ہے جس کی طرف انا النذیر المبین میں اشارہ ہو جب عذاب سے ڈرایا تو فرمایا کہ ہم اسی طرح عذاب نازل کرینگے جس طرح قسمیں کھانے والوں پر اُتارا جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اب ظاہر ہو کہ یہ سورت مکی ہو اور ابھی نہ اہل کتاب پر عذاب اُترا تھا نہ اہل مکہ پر اسلئے بعض نے خیال کیا کہ مقتسمین سے مراد پہلے انبیاء کے مخالف ہیں اور اگلی آیت میں القراٰن سے بھی پہلی کتب منزلہ کو مراد لیا ہو مگر یہ بالبداہت غلط ہو۔ القراٰن کا لفظ ان پر صادق نہیں آسکتا پس مراد اس سے کسی آیندہ زمانہ کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ ۱۷۱۱ میں لکھا گیا جب دنیا کے سامان بہت ترقی کر جائیں تو فرمایا کہ ان پر بھی ہم اسی طرح پر عذاب نازل کرینگے جس طرح ان سے پہلے لوگوں پر کیا جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی مخالفت پر قسمیں کھائیں۔ اور اس صورت میں انزلنا کا استعمال بسبب تحقق وقوع درست ہو اس لئے کہ انہیں بار بار اس کی پیشگوئیاں سنا دی گئی تھیں ✦

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہو کہ اصحاب الحجر ہی (جن کے نام پر یہ سورت ہو) وہ لوگ تھے جن کے متعلق اپنے پیغمبر کے خلاف قسمیں کھانے کا ذکر ہو قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصٰدقون ۝ (النمل ۲۷-۴۹) اور بعینہ یہی معاملہ ہمارے نبی کریم صلعم کے خلاف ہوا ✦

عِضَۃ۔ عُضْو
تَعْضِیَۃ

۱۷۱۳ عضین۔ عِضُون۔ عِضَۃ کی جمع ہو اور اس کی اصل عِضْوَۃ ہے جس کے معنی جزو ہیں۔ اسی سے عُضْو اور عِضْو ہو کیونکہ عضو بھی جسم کا ایک جزو ہو اور تَعْضِیَۃ کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا آتے ہیں (ل) اور قرآن کو عضین بنانے سے یہ منشا ہو کہ کسی حصہ پر ایمان لاتے ہیں اور کسی کا انکار کرتے ہیں اور یا یہ کہ کبھی اسے سحر کہتے ہیں کبھی کہانت کبھی شعر وغیرہ بخاری میں ابن عباس سے پہلے معنی مروی ہیں اور یہود و نصاریٰ مراد لئے گئے ہیں ✦

الربع

۹۲ ۹۳ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

سو تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے باز پرس کرینگے اس کے متعلق جو وہ عمل کرتے تھے سو کھول کر کہدے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے

۹۵ ۹۶ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ

اور مشرکوں کا خیال نہ کر ۱۷۱۴ ہم تیری طرف سے ہنسی کرنے والوں (کی سزا) کیلئے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار

۹۷ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

دیتے ہیں سو عنقریب جان لینگے اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا دل اس سے تنگ پڑتا ہے جو یہ کہتے ہیں

۹۸ ۹۹ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

سو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور سجدہ کرنیوالوں میں رہ اور اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقیناً آنیوالی (موت) آجائے ۱۷۱۵

صَدع۔ صُداع
تصدیع

ع ۱۷۱۴ اصدع ۔ صَدْع ۔ سخت اجسام میں شق کرنے کو کہتے ہیں۔ اور صَدَعَ الْاَمْرَ کے معنی ہیں اس کو کھول دیا اور صُداع سخت سر درد کو کہتے ہیں گویا درد سے سر پھٹ رہا ہے۔ اسی لحاظ سے ہے لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا (الواقعۃ ۵۶ - ۱۹) اور تَصَدَّعَ الْقَوْمُ کے معنی ہیں تفرقوا پراگندہ ہو گئے۔ یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ (الروم ۳۰ - ۴۳)۔

بار بار انذار کی ضرورت

مشرکوں سے اعراض کے یہ معنی ہیں کہ ان کی مخالفت اور عداوت اور منصوبوں کی کچھ پروا نہ کرو اور کھول کھول کر بیان کرتے چلے جاؤ۔ یہ سورت مکہ کے آخری زمانہ کی ہے اور نبی کریم صلعم اس سے پہلے بھی کھول کر ہی بیان فرماتے تھے مگر اب چونکہ آپ کو مٹانے کیلئے کفار کی طرف سے سخت ترین منصوبے ہو رہے تھے اسلئے فرمایا کہ پروا نہ کرو۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اسلام کی اصل کامیابی اسی میں ہے کہ قرآن شریف کو کھول کھول کر بیان کر دیا جائے جس طرح سخت چیز میں شق کرنے کے لئے بار بار ضرب لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ان سخت دلوں پر جو دنیا کی آلایشوں میں ملوث ہیں صداقت تب ہی اثر کرتی ہے جب اسے بار بار پیش کیا جائے۔

یقین

ع ۱۷۱۵ الیقین ۔ یقین کے معنی یہاں موت ہیں دیکھو بخاری کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے اور بعض نے مراد نصرت لی ہے جو کفار کے خلاف آپ کو ملنے کا وعدہ تھا۔

عبادت کب تک ہے

الحاد پسند طبائع نے ان الفاظ کی تاویل یوں کر لی ہے کہ اسی وقت تک عبادت کرنے کا حکم ہے جب تک یقین آجائے اور وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمیں وہ یقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے اسلئے اب ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ضرورت نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ مراد اس سے ہوتی تو کیا نبی کریم صلعم کو ساری عمر یقین نہ آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں آپ کے قدم تک سوج جاتے تھے۔ یقین کے معنی یہاں موت ہیں لیکن اگر عام معنی بھی یہاں مراد لئے جائیں تو یہ مطلب نہیں کہ یقین آئے تو عبادت چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عبادت الٰہی سے یقین پیدا ہوتا ہے سو عبادت کرو تاکہ یقین کا مرتبہ حاصل ہو اور جب یقین کا مرتبہ حاصل ہو جائیگا پھر تو عبادت میں خود ایسی لذت پیدا ہو جائیگی کہ انسان عبادت کو نہ چھوڑ سکے گا۔

سورۃ النحل مکیۃ وھی مائۃ وثمان وعشرون آیۃ وستۃ عشر رکوعا

نام

اس سورت کا نام النحل ہے اور اس میں سولہ رکوع اور ۱۲۸ آیات ہیں نحل کے معنی شہد کی مکھی ہیں اور اس سورت میں جہاں یہ دکھایا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت حیوانات تک میں کام کرتی ہوئی انسان کیلئے اچھی سے اچھی چیزیں پیدا کردیتی ہے شہد کی مکھی کی نسبت لفظ وحی استعمال کرکے اشارہ کردیا ہے کہ ان مثالوں میں جہاں دودھ اور شہد کے حیوانات کے ذریعہ سے پیدا کرنیکا ذکر ہے اصل غرض وحی الٰہی کی طرف توجہ دلانا ہے۔ شہد کی نسبت بالخصوص لفظ بھی ایسے ہی استعمال فرمائے ہیں یعنی فیہ شفاء للناس جیسے خود قرآن شریف کے متعلق گو ایک میں جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے تو دوسرے میں روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے یوں تو حیوانات میں جس قدر ہدایت فطرتاً ملتی ہے وہ سب ان کیلئے وحی کا ہی حکم رکھتی ہے مگر شہد کی مکھی کا انتخاب بالخصوص وحی کے ذکر کے لئے اس لئے کیا کہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف پھولوں پر بیٹھ کر ان کی مٹھاس کو چوس کر ایک اعلیٰ درجہ کی شیریں اور شفا دینے والی چیز پیدا کردیتی ہے اسی طرح وحی الٰہی جو قرآن میں ہے اس نے تمام بہترین ہدایات عالم کو جو کبھی دی گئی ہوں اس پاک کتاب کے اندر جمع کردیا ہے جس طرح پھولوں سے مٹھاس کو انسان لیکر شہد کی صورت نہیں دے سکتا اسی طرح کسی انسان کا یہ کام نہ تھا کہ ان تمام بہترین ہدایات کو ایک جگہ جمع کرسکتا اور پھر ان کو ایسا رنگ دے سکتا کہ وہ روحانی بیماریوں کے لئے شفاء کا کام دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں شہد کی مکھی کی وحی کا ذکر ہے اس سے تین آیتیں پہلے قرآن کریم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ یہ کتاب تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے کیلئے نازل کی گئی ہے۔ اور تمام اختلافات مذاہب کا فیصلہ ہو نہ سکتا تھا جبتک کہ تمام کی بہترین ہدایات جو باقی رکھنے کے قابل تھیں ایک نئی اور بہترین شکل میں محفوظ نہ کردی جاتیں۔ پھول آج پیدا ہوتا ہے اور کل اپنی مٹھاس سمیت ختم ہوجاتا ہے مگر شہد جو اس سے ایک حیوان کی وحی فطرت نے پیدا کیا وہ کبھی نہیں بگڑتا ◆

خلاصہ مضمون

سورت کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے جو اس کا تعلق پچھلی سورت سے کھلے طور پر قایم کرتے ہیں کیونکہ اس کا خاتمہ اعدائے اسلام کے انذار پر کیا تھا اور اس کے پہلے لفظ ہی یہ ہیں اتیٰ امر اللہ فلا تستعجلوہ وہ اللہ کا امر آہی گیا سمجھو جو اللہ کی بھیجی ہوئی صداقت کی تکذیب پر آیا کرتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے اور رکوع کی آخری آیت میں فرمایا کہ قصد السبیل سوائے اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہیں مل سکتا۔ اور درمیان میں آسمانوں اور زمین اور انسان اور حیوانات کی ظاہری پیدایش کی طرف توجہ دلائی کہ جو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے یہ چیزیں پیدا کرتا ہے اس کے ہدایت انسان کیلئے وحی بھیجنے پر تعجب کیوں کرتے ہو۔ دوسرے رکوع میں توحید الٰہی پر صحیفۂ قدرت کی شہادت بیان فرمائی کیونکہ وحی الٰہی کا سب سے بڑا کام دنیا میں توحید الٰہی کا قایم کرنا ہے اور خلق کو توحید پر بطور دلیل پیش کیا جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں کرسکتا تیسرے رکوع میں بتایا کہ توحید کی طرف تو کم وبیش صحیفۂ قدرت بھی رہنمائی کردیتا ہے مگر بعد الموت زندگی جس کی طرف صرف وحی الٰہی رہنمائی کرتی ہے۔ اس پر ایمان کے بغیر توحید الٰہی پر ایمان بھی ناقص ہی ہوتا ہے اور آخرت کا منکر عملاً توحید کا بھی منکر ہے چوتھے رکوع میں اس حق کے خلاف جو وحی الٰہی لاتی ہے تدابیر کے انجام کا ذکر کیا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے اور اعلیٰ صفات سے محروم رہ جاتے ہیں پانچویں رکوع میں مشرکین کے باطل عذروں کا ذکر ہے جو انہیں آخرکار کچھ کام نہ دینگے چھٹے میں اعدائے حق کی سزا کا ذکر ہے اور یہاں صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ کس کس قسم کے عذاب ان پر آئینگے۔ ساتویں میں بتایا ہے کہ خود فطرت انسانی شرک کو قبول نہیں کرتی آٹھویں میں بتایا ہے کہ وحی الٰہی کی ضرورت دنیا سے ظلم کو دور کرنے کے لئے اور اختلافات مذاہب کو دور کرنے کے لئے تھی نویں میں وحی الٰہی کی ضرورت کو تمثیلات کے رنگ میں بیان کیا دسویں میں مہبط وحی صلعم کی فضیلت کا ذکر کیا گیارھویں میں مہبط وحی کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے　　بار بار　　رحم کرنے والے کے نام سے

۲ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اللہ کا حکم آگیا سو اس کیلئے جلدی مت کرو　وہ پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں عـ۱ـ۲ـ۱۶ وہ فرشتوں کو وحی

بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ

کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اُتارتا ہے کہ بتا دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں　سو میرا

۳ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

تقویٰ اختیار کرو عـ۳ـ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا　وہ اس سے بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں

ع ۷ — مادہ پرستی کیلئے وحی الٰہی کی ضرورت

انکار کا اور بارھویں میں اس انکار کی سزا کا ذکر ہے تیرھویں میں قرآن کریم کی تعلیم کامل کا ایک نمونہ بتایا اور اس پر قیام کی غور کو واضح کیا چودھویں میں وجوہات دیں کہ یہ وحی افترا نہیں پندرھویں میں بالخصوص مکہ والوں کو انذار کیا کہ ان کی حالت امن و اطمینان تبدیل کر دی جائے گی اور سولھویں میں حضرت ابراہیم کی مثال کا ذکر کر کے مومنوں کو نصیحت پر سورت کا خاتمہ کیا۔

تعلق — یہ سورت الٓرٰ کے مجموعہ کی ہی آخری سورت سمجھنی چاہئے گو یا الٓرٰ سے شروع نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام سورتوں میں عموماً گزشتہ واقعات کی طرف توجہ دلا کر مخالفین کی ناکامی کا ذکر کیا ہے اور اس میں ایسا کوئی ذکر نہیں بلکہ صحیفہ قدرت اور فطرت کی شہادت کو وحی الٰہی کی صداقت پر پیش کیا ہے۔ اور ضمناً اس صداقت کو رد کرنے والوں کا ذکر بھی آگیا ہے اور یوں یہ سورت انہی پہلی چھ سورتوں کے مضمون کی تکمیل کرتی ہے۔

زمانہ نزول — اس سورت کا نزول بھی نبی کریم صلعم کے مکی زمانہ کے آخری ایام کا ہے اس لئے کہ اس میں صاف طور پر ہجرت کا ذکر ہے جو مدینہ کی طرف شروع ہو چکی تھی۔ اور اس ہجرت کے ذکر سے جن لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ایسی آیات مدنی ہیں انہوں نے غلطی کھائی ہے کیونکہ نبی کریم صلعم کے مدینہ جانے سے بہت دن پیشتر صحابہ کی ہجرت شروع ہو چکی تھی۔ یوں بلحاظ زمانہ نزول بھی یہ سورت اسی الٓرٰ کے مجموعہ کی سورتوں میں شامل ہے اور بلحاظ مضمون بھی۔

امر اللہ — عـ۱ـ۲ـ۱۶ امر اللہ یا اللہ کے حکم کے آنے سے کیا مراد ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں وہ عذاب جس کا کفار کو وعدہ دیا جاتا تھا۔ اور سیاق بھی اسی معنی کو چاہتا ہے پچھلی سورت کے آخر پر بھی یہی ذکر تھا۔ مگر اس عذاب کو یا مخالفت کے استیصال کو امر اللہ صرف اس لئے نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے متعلق حکم ہو چکا تھا بلکہ اسلئے بھی کہ اس کے ساتھ "خدا کی بادشاہت" جس کی خوشخبری بار بار حضرت مسیح نے دی تھی زمین پر آنے والی تھی اور نبوت کے ساتھ اسلام کی بادشاہت قایم ہونے والی تھی۔ اور فلا تستعجلوہ اسلئے فرمایا کہ کفار اس عذاب کے لئے جلدی کرتے تھے ویستعجلونک بالعذاب (العنکبوت ۲۹: ۵۴) اور اس امر اللہ کے ساتھ شرک کی نفی میں یہ اشارہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید قایم ہوگی۔

روح بمعنی وحی الٰہی — عـ۲ـ روح کے معنی کے لئے دیکھو عـ۱۸۹ـ۱ اور یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہی ہے کیونکہ یہاں ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے روح نازل کرتا ہے اور روح جو حیات ہے یا جو نفس ناطقہ ہے وہ تو سب کو ملتی ہے۔ اور اسی

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا ۵

انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر دیکھو وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہو ۱۷۱۸ اور چار پایوں کو اسی نے پیدا کیا تمہارے لئے انہیں

دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ ۶

گرمی کا سامان اور کئی فائدے ہیں اور انہیں سے تم کھاتے ہو ۱۷۱۹ اور تمہارے لئے انہیں خوبصورتی کا سامان ہو جب تم شام کو انہیں واپس لاتے ہو ۱۷۲۰ اور جب صبح کو چرنے لیجاتے ہو ۱۷۲۱

روح کے نازل کرنے کا نتیجہ بھی انذار ہی پس یہ یقیناً وحی الٰہی ہو اور یہاں اشارہ قرآن کریم کے نزول کی طرف ہو۔ اور پہلی آیت سے تعلق یہ ہو کہ یہ غالب آ کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بیہودہ کام نہیں کرتا کیونکہ اس کی ساری خلق ہی بالحق ہو جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا تو حق کا نازل کرنا جس غرض کیلئے ہے ضرور ہو کہ وہ بھی پوری ہو کر رہے +

نطفة — ع ۱۷۱۸ نطفة۔ اصل میں الْمَاءُ الصَّافِی یعنی مصفے پانی کو کہتے ہیں (غ۔ ت۔ ل) خواہ قلیل ہو یا کثیر دونوں کی مثال حدیث میں موجود ہو ایک حدیث میں ہو کہ آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا وضو کیلئے پانی ہو فجاء رجلٌ بنطفة فی اداوة تو ایک شخص لوٹے میں تھوڑا سا پانی لایا جہاں تھوڑے پانی کیلئے نطفة کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور دوسری حدیث میں ہو قال لا یزالُ الْإِسْلَامُ یَزِیدُ واھلہ وینقص الشرک واھلہ حتی یَسِیرَ الراکب بین النطفتین لا یخشٰی إِلَّا جَوْرًا یعنی اسلام اور اس کے اہل بڑھتے رہینگے اور شرک اور اس کے اہل گھٹتے چلے جائینگے یہانتک کہ ایک سوار دونوں سمندروں کے درمیان چلا جائیگا اسے کوئی خوف نہ ہوگا سوائے اس کے کہ رستہ بھول جائے جہاں دو نطفوں سے مراد عرب کے دونوں طرف کے سمندر یا مغرب میں سمندر اور مشرق میں دریا فرات ہیں جو عرب کی حدود ہیں (ل) اور نطفة ماء الرجل کو بھی کہا جاتا ہو جو اسکے مشہور معنی ہیں لسان العرب میں ہو کہ یہ نام اس کی قلت کی وجہ سے ہو۔ مگر چونکہ قلت وکثرت کے دونوں مفہوم لفظ میں پائے جاتے ہیں اسلئے یہ زیادہ صحیح ہوگا کہ اسکے مصفے پن کی وجہ سے ہو گویا یہ ایک مصفے جوہر ہو کیونکہ زمین کا خلاصہ پھلوں سبزیوں اناج میں آتا ہو جس سے انسان کی غذا بنتی ہو غذا سے مصفی جوہر خون پیدا ہوتا ہو اور خون کا مصفی جوہر وہ پانی ہو جس سے انسان بنتا ہو +

آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے بعد انسان کا ذکر کیا اور اس کی ابتدا کی طرف اشارہ کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ذکر کیا کہ کس طرح پر مصفی خلاصہ در خلاصہ نکلتا چلا جاتا ہو یہانتک کہ انسان بنتا ہو۔ بایں ہمہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت میں جھگڑا کرتا ہو اور اسے اس موت کے بعد زندگی جس کے لئے وحی الٰہی انسان کو تیار کرتی ہو ایک بعید بات معلوم ہوتی ہو +

دِفْء — ع ۱۷۱۹ دِفْءٌ۔ بَرْد یعنی سردی (غ) یا حِدَّةُ الْبَرْد یعنی سردی کی تیزی (ل) کی نقیض ہو +

انسان سے نیچے اتر کر چار پایوں کا ذکر کیا جو جاندار ہونے میں انسان کے شریک ہیں۔ اور یہ بتا کر کہ ان میں انسانوں کیلئے فوائد ہیں یہ ظاہر کیا کہ انسان کی زندگی کی کوئی اور بلند غرض ہو +

إراحة — ع ۱۷۲۰ تریحون۔ اصل اس کا روح ہو اور رَوَاح زوال آفتاب کے بعد کا وقت ہو گویا کہ وہ راحت کا وقت ہو اور رَاحَ کے معنی زوال آفتاب کے بعد گیا جیسا کہ جمعہ کیلئے جانے پر بولا گیا ہو اور أَرَاحَ يُرِيحُ کی مصدر إِرَاحَة کے معنی ہیں اونٹ بکری کو چرانے کے بعد اس کے رات کو آرام کرنے کی جگہ واپس لانا (ل)

سَرْح — ع ۱۷۲۱ تسرحون۔ سَرْح ایک خاص درخت ہے اور اونٹ وغیرہ کو اس درخت کے چرانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہو اور پھر عام طور پر چرانے کیلئے لے جانے پر بولا گیا ہو (غ)، تریحون کو تسرحون سے پہلے رکھنے کی وجہ لفظ جمال کا استعمال ہو کیونکہ جانور جب چر کر آئے تو زیادہ خوبصورت ہوتا ہو +

۷ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ

اور وہ تمہارے بوجھ ایسے مقامات کیطرف اُٹھائے جاتے ہیں جہاں تم سوائے جانوں کو مشقت میں ڈالنے کے نہیں پہنچ سکتے تھے یقیناً تمہارا رب

۸ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا

مہربان رحم کرنیوالا ہے اور گھوڑے اور خچریں اور گدھے (پیدا کئے) تا تم ان پر سوار ہو اور زینت کا سامان ہوں اور وہ کچھ پیدا

۹ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ

کرتا رہتا ہے جو تم نہیں جانتے ۱۴۲۱ اور اللہ پر ہی سیدھی راہ پر چلانا ہے اور بعض راہیں ٹیڑھی ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو

ع ۱۲ / ۲ — توحید الٰہی پر صحیفۂ قدرت کی شہادت

۱۰ أَجْمَعِينَ ۝ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ

ہدایت کرتا ۱۴۲۲ وہی ہے جو تمہارے لئے بادل سے پانی اُتارتا ہے اس سے پینے کے کام آتا ہے اور اس سے درخت (پرورش پاتے) ہیں

۱۱ تُسِيمُونَ ۝ يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ

جنہیں تم چراتے ہو۔ اسی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل (پیدا کرتا ہے)

بغل۔ حمار

۱۴۲۱ اَلْخَیل کیلئے دیکھو ۳۲۵۔ بِغَال۔ بَغْل کی جمع ہے حُمُر۔ حَمِیر۔ حِمَار کی جمع ہے گدھا ان کا الگ ذکر کیا اسلئے کہ یہ سواری کا کام دیتے ہیں۔ اور اونٹ گائے بکری وغیرہ سے دوسری قسم کے فواید زیادہ ہیں اور جب ان پر سواری کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بڑھایا کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے اور کرے گا جنہیں تم جانتے نہیں اور اس میں بالخصوص سواری کی ان چیزوں کیطرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو ابھی ظاہر ہونیوالی تھیں اور دوسری جگہ فلک یعنی کشتی کا ذکر کرکے جس سے سواری کا کام لیا جاتا ہے فرمایا وخلقنا لہم من مثلہ ما یرکبون (یٰسٓ ۳۶-۴۲) یعنی کشتی کی شکل سواری کی اور چیزیں بھی ہم پیدا کرینگے۔ اور عام بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی مخلوق ہے جس کا انسان کو علم بھی نہیں ✦

قصد

۱۴۲۲ قصد۔ دیکھو ۵۴ء قَصْد کے معنی رستہ کی استقامت یا سیدھا ہونا ہیں اور یہاں مصدر بمعنی فاعل ہے یعنی استقامت والا رستہ یا سیدھا رستہ ✦

جَوْر۔ جائر

جائر اس کی اصل جَوْر بمعنی قُرب سے ہے اسلئے جَارَ عَنِ الطَّرِیقِ اصل میں بلحاظ قرب ہی بولا جاتا ہے پھر ہر ایک حق سے پھرنے کا نام ہو گیا جس سے جَوْر بمعنی ظلم ہے۔ اور جائر کے معنی سیدھے رستہ سے پھرنے والا ہیں (غ)

جسمانی سامانوں کے مقابل پر روحانی سامان

جب انسان پر اپنی جسمانی نعمتوں کا ذکر کیا کہ ہم نے کیا کیا سامان اس کے لئے بنا رکھے ہیں تو اب اس طرف توجہ دلائی کہ کیا ضروری نہ تھا کہ جس نے اس قدر سامان جسمانی آسایش کیلئے بنائے ہیں وہ اخلاق اور روحانیت کے لئے بھی کوئی رستہ دکھاتا۔ اس لئے فرمایا کہ سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام تھا۔ اور اسی غرض کے لئے وہ وحی بھیجتا ہے۔ ہاں لوگ خود بھی رستہ تراش لیتے ہیں مگر یہ سیدھی راہیں نہیں بلکہ طریق مستقیم سے ایک طرف پھیر دینے والی ہیں ✦

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۱۲

یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو فکر سے کام لیتے ہیں اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے

وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمَا ذَرَأَ ۱۳

اور ستارے بھی اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں اور جو کچھ اسنے

لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝

تمہارے لئے زمین میں پیدا کیا ہے اسکے مختلف رنگ ہیں یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ۱۷۲۳

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً ۱۴

اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے (موتی وغیرہ) زیور نکالو جنہیں تم

تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور تاکہ تم اسکے فضل سے طلب کرو اور تاکہ تم شکر کرو ۱۷۲۴

الوان ۱۷۲۳ الوان بلون کے معنی رنگ ہیں لیکن اَلْوَانٌ بعض وقت اجناس اور انواع بھی مراد ہوتی ہیں مثلاً اَتی بِاَلْوَانٍ مِن الاحادیث کے معنی ہیں طرح طرح کی باتیں کیں (غ) یہاں بھی نعمتوں کے مختلف انواع مراد ہیں۔ رنگوں کے اختلاف کی طرف دوسری جگہ توجہ دلائی ہے اختلاف السنتکم والوانکم ۔

حدبندیاں حدپردلالت کرتی ہیں۔ ان تمام نعمائے الٰہی کے ذکر میں ان کے پیدا کرنے والے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کس طرح زمین کے پھل اور آسمان کے ستارے یکساں انسان کیلئے فائدے کا موجب ہو رہے ہیں۔ یہ کام نہ عیسیٰ مسیح کا ہے جسے عیسائیوں نے خدا بنایا نہ راجہ رامچندر اور کرشن جی کا جن کو ہندوؤں نے خدائی کا مرتبہ دیا نہ کسی بت کا جسے بت پرست پوجتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی بتادیا کہ اس سورج اور چاند کو بھی کسی نے کام میں لگا رکھا اور قید میں جکڑ رکھا ہے۔ ان تمام چیزوں کی حدبندیاں بتاتی ہیں کہ کوئی حدبندی کرنیوالا بھی ہے اور یہ سارا نظم ظاہر کرتا ہے کہ کوئی اس نظام کو وجود میں لانے والا بھی ہے ۔

طری ۱۷۲۴ طری تازہ۔ اسی سے طراوت ہے۔ اور لحم طری سے مراد مچھلی کا گوشت ہے ۔

حلیۃ حلیۃ تلبسونہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف عورتوں اور مردوں کو یکساں مخاطب کرتا ہے زیورات تو عورتیں ہی پہنتی ہیں اومن ینشؤا فی الحلیۃ (الزخرف ۴۳: ۱۸) اور یہاں حلیۃ سے مراد موتی وغیرہ ہیں ۔

مخر مواخر۔ ماخرۃ کی جمع ہے اور مخرت السفینۃ کشتی کے پانی کو چیرنے پر بولا جاتا ہے ۔

سمندر کا مسخر ہونا یہ ہے کہ کشتیوں کے ذریعہ سے انسان اس پر حکمرانی کرتا ہے اور طرح طرح کے فوائد حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے تو چیزوں کو کام میں لگا رکھا ہے مگر انسان جدوجہد کے بغیر ان سے منافع حاصل نہیں کر سکتا ۔

۱۵ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اور اس نے زمین میں پہاڑ اور دریا ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ تمہیں کھانے کا سامان دیں اور رستے (بنا دیئے ہیں) تاکہ تم ہدایت پاؤ ۔[۱۷۲۵]

۱۶ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ ۱۷ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

اور بڑے بڑے نشان (بنا دیئے) ہیں اور ستاروں کے ذریعہ سے وہ رستہ معلوم کر لیتے ہیں تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اسکی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا سو کیوں تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ۔[۱۷۲۶]

۱۸ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۱۹ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ

اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں گن نہ سکو گے ۔ یقیناً اللہ حفاظت کرنیوالا رحم کرنے والا ہے[۱۷۲۷] اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو

۲۰ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝

اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور وہ جنہیں یہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں

۱۷۲۵ تمید ۔ ماد (تَمِیْدُ) کے لئے دیکھو ۵۹۰ اور مَیْدٌ کے معنی اِضْطِرَابُ الشَّیْءِ الْعَظِیْمِ بھی ہیں یعنی عظیم الشان چیز کا اضطراب جیسے زمین کا اضطراب (غ) اور مَادَ کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایک چیز ایک طرف ۔ مائل ہو گئی ۔ اور یہ بھی کہ کچھ دوسرے کو دیا ۔ اور ان تمید بکم کے معنی دونوں طرح ہو سکتے ہیں یعنی یہ کہ وہ تمہیں کھانے کا سامان دے اور یہ بھی کہ وہ اضطراب سے رک جائے اور پہلے معنی ترجمہ میں انہرا کی مناسبت سے اختیار کئے گئے ہیں کیونکہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو دریا بھی نہ ہوتے اور انسان کی روزی کے سامان کا انحصار پہاڑوں اور دریاؤں پر ہی ہے اور یہ امر کہ پہاڑ اور دریا دونوں یہاں ان تمید بکم کے حکم میں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ انہار کو سُبُل کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ دریا رستوں کا کام نہیں دیتے ۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِیْدُ فَاَرْسٰہَا بِالْجِبَالِ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اس میں بہت اضطراب تھا تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ قائم کئے سو یہ بالکل درست ہے اور سائنس بھی اس پر شاہد ہے کہ پہاڑوں کے بن جانے سے زمین کا اضطراب زلزلوں کے رنگ میں کم ہو گیا +

پہاڑوں سے اضطراب ارضی کا رک جانا۔

۱۷۲۶ انسان کیلئے ان بیشمار نعمتوں کے خلق کا ذکر کر کے اب فرماتا ہے کہ یہ سب نعمتیں پیدا کرنے والا اور وہ جو پیدا نہیں کرتا کیا یہ دونوں یکساں ہیں ۔ من یخلق صرف ذات باری ہے لہ الخلق خالق کل شیء ۔ اور لا یخلق کل معبودان باطل ہیں ۔ اور چونکہ دلیل عبادت خلق ہے پس جنہوں نے پیدا نہیں کیا وہ معبود بھی نہیں ہو سکتے اور یہ بھی سمجھایا کہ جو چیزیں تمہارے ہی فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہیں ان سے بجائے کام لینے کے انہیں اپنا معبود بناتے ہو؟

۱۷۲۷ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد غفور اور رحیم کی صفات کا اس لئے ذکر کیا کہ انسان بہتیری نعمتوں کی ناشکر گزاری بھی کرتا ہے اور ان کی پروا نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ اپنے غفر سے کام لیتا ہے اور جس نعمت سے فائدہ اٹھاتا ہے اس پر صفت رحیمیت نتیجہ مترتب فرماتی رہتی ہے ۔ اگلی آیت میں ما تسرون وہی نعمتیں ہیں جن سے انسان فائدہ نہ اٹھا کر انہیں گویا چھپاتا ہے ۔ اور ما تعلنون وہ جن کا وہ اپنے عمل سے اظہار کرتا ہے +

ناشکر گزاری

ع ۳ — آخرت کا منکر توحید کا بھی منکر ہے

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۲۱﴾ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۲﴾

مردے ہیں نہ زندے اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائینگے ۱۷۲۸ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں

بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ ﴿۲۳﴾

لاتے ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ۱۷۲۹ حق یہی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿۲۳﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوا ﴿۲۵﴾

وہ تکبر کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا ۱۷۳۰ اور جب انہیں کہا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا اتارا ہے کہتے ہیں پہلوں کی کہانیاں ہیں نتیجہ یہ ہے

أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿۲۵﴾

کہ اپنے بوجھ قیامت کے دن پورے اٹھائینگے اور انکے بوجھوں سے بھی حصہ لینگے جنہیں علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں سنو برا بوجھ ہے جو وہ اٹھاتے ہیں ۱۷۳۱

حضرت عیسیٰ کی وفات پر ایک قطعی دلیل

۱۷۲۸ یہ دونوں آیتیں بتاتی ہیں کہ وہ انسان جن کو لوگ خدا کر کے پکارتے تھے وہ مر چکے کوئی ان میں سے زندہ نہ تھا اور نہ ان کو یہ علم تھا کہ وہ خود کب اٹھائے جائیں گے ان باتوں کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ اوپر فرمایا تھا کہ وہ جو پیدا کرتا ہے اس کی طرح نہیں ہو سکتا جو پیدا نہیں کر سکتا اور چونکہ وہ انسان جنہیں خدا بنایا گیا ان کے متعلق بھی خود ان کے پرستاروں کو یہ اعتراف ہے کہ انہوں نے پیدا کچھ نہیں کیا۔ اس لئے یوں اتمام حجت کر کے اب بتایا کہ انہوں نے نہ صرف کچھ پیدا ہی نہیں کیا بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور مخلوق کی جو حالت ہوتی ہے وہ ان پر آئی یعنی وہ مر گئے اور بعثت چونکہ دوسری پیدائش کا نام ہے اس لئے فرمایا کہ جب انہیں پہلی خلق میں کچھ حصہ نہیں تو دوسری میں بھی نہیں ان آیات سے یہ یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو انسانوں کے ایک بڑے حصہ نے خدا بنایا ہے وہ بھی اس آیت کے نزول کے وقت مردوں میں داخل تھے۔ اموات کے بعد غیر احیاء تاکید کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ اموات سے یہ مراد بھی ہو سکتی تھی کہ آئندہ کبھی ان پر موت آجائے اس لئے فرمایا کہ نہیں وہ اس وقت بھی زندہ نہیں۔ عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ روح القدس جو جبرائیل کا نام ہے وہ اموات غیر احیاء میں داخل نہیں اس لئے غلط ہے کہ اول عیسائیوں کے نزدیک روح القدس جبرائیل کا نام نہیں بلکہ وہ ایک فرضی اقنوم ہے اور دوسرے یہاں انسانوں کا ذکر ہے جنہیں خدا بنایا گیا کیونکہ یہاں بعثت کا ذکر ہے اور بعثت صرف انسانوں کیلئے ہے اور تیسرے روح القدس سے عیسائی دعائیں نہیں مانگتے جس طرح مسیح سے مانگتے ہیں +

انکار۔ منکرۃ

۱۷۲۹ منکرۃ۔ انکار جو ضد عرفان ہے اصل اس کی یہ ہے کہ دل پر کوئی بات وارد ہو جسے وہ تصور میں نہیں لا سکتا اور یہ ایک قسم کی جہالت ہے (غ) یہاں مراد ہے منکرۃ للوحدانیۃ (ر) +

آخرت کا انکار توحید کا بھی انکار ہے

پہلے رکوع میں صحیفۂ قدرت سے وحی الٰہی پر اور دوسرے میں توحید پر دلائل دیئے تھے۔ اب دونوں باتوں کو ملا کر فرماتا ہے کہ جو لوگ زندگی بعد الموت کو نہیں مانتے ان کے دل درحقیقت توحید الٰہی سے بھی انکاری ہیں گویا وہ توحید الٰہی کی حقیقت کو بھی نہیں پہچانتے یوں برائے نام اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور متکبر انکو اس لحاظ سے کہا کہ وہ اعمال کی ذمہ داری نہیں سمجھتے +

لاجرم

۱۷۳۰ لاجرم جَرَمَ کے معنی ہیں گناہ کمایا۔ اور لاجرم محاورہ کے طور پر اسی طرح استعمال ہوتا ہے جیسے لابُدَّ۔ لامحالۃ۔ اور اسکے معنی ہیں کہ حق یوں ہی ہے (ل) +

۱۷۳۱ لیحملوا میں لام عاقبت کا ہے یعنی ان کے ایسی باتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ خود بھی گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور دوسروں کو

ع
حق کے خلاف تدبیر کا انجام

۲۶ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

انہوں نے بھی (حق کے خلاف) تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ نے انکی عمارت کو بنیادوں سے گرا یا سو چھت ان کے اوپر سے

السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ○

ان پر آگری اور عذاب ان پر (وہاں سے) آپہنچا جہاں سے انہیں خیال نہ تھا ۱۴۳۲

۲۷ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تُشَاقُّونَ

پھر قیامت کے دن انہیں رسوا کریگا اور کہے گا (تمہارے بنائے ہوئے) میرے شریک کہاں ہیں جن کے بارہ میں تم (حق کی) مخالفت

فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ

کرتے تھے۔ جنہیں علم دیا گیا ہو کہتے ہیں اس دن کی رسوائی اور خرابی کافروں پر ہے ۱۴۳۳

۲۸ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ

جنہیں فرشتے وفات دیتے ہیں (درانحالیکہ) وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے ہیں۔ تب فرمانبردار ہونا ظاہر کرینگے (کہینگے) ہم کوئی بدی

۲۹ مِن سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ فَادْخُلُوا

نہیں کرتے تھے۔ ہاں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے ۱۴۳۴ سو دوزخ کے

أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ○

دروازوں میں داخل ہو جاؤ اسی میں رہو گے یقیناً متکبروں کا ٹھکانا بہت برا ہے۔

بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وحی الٰہی کو جو انسان کے اعمال کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتی ہے اور بتاتی ہے کہ کوئی عمل بے نتیجہ نہیں رہیگا کہانیاں کہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اصلیت پر غور نہیں کرتے گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور کاملۃ اس بوجھ کو اسی لحاظ سے کہا کہ جس حد تک یہ بڑھ سکتا تھا انہوں نے اسے بڑھایا۔

خلاف حق تدابیر کا انجام

۱۴۳۲ جب یہ بتایا کہ توحید الٰہی کا علم درحقیقت وحی الٰہی سے ہی آتا ہے تو اب ان لوگوں کا ذکر کیا جو اس عظیم الشان امر حق کی مخالفت میں تدبیریں کر کے اسے نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اور اس آیت میں سمجھایا ہے کہ ان کی تمام تدابیر بمنزلہ ایک بڑی عمارت کے ہیں جس کی بنیادوں کو اللہ تعالیٰ کھوکھلا کر دیگا اور بجائے اس کے کہ اس عمارت سے حق کو نقصان پہنچے یہ خود ہی ان تدابیر سے نقصان اٹھائینگے بنیان سے مراد یہاں ان کی تدابیر کی عمارت ہے دیکھو ن ۱۳۵۰۔

۱۴۳۳ الذین اوتوا العلم۔ اول انبیاء علیہم السلام پھر ان کے حقیقی متبع ہیں وہ قیامت کو بھی ایسا کہیں گے اس دنیا میں بھی کہتے ہیں

مسلم

۱۴۳۴ سلم کے معنی استسلام یا فرمانبرداری یا طاعت ہیں گویا اس دن کہینگے کہ ہم تو فرمانبرداری ہی کرتے تھے اور کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔ گویا جھوٹ عذر پیش کرینگے جیسا دوسری جگہ ہے واللہ ربنا ما کنا مشرکین (الانعام ۳ – ۲)۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ ٣٠

اور جو تقویٰ کرتے ہیں انہیں کہا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا اُتارا؟ کہتے ہیں بھلائی جو لوگ نیکی کرتے ہیں ان کیلئے

هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر یقیناً بہتر ہے اور متقیوں کا گھر کیا ہی اچھا ہے[١٤٣٥]

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ٣١

ہمیشگی کے باغ جن میں داخل ہونگے ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان کیلئے ان میں ہے جو کچھ وہ چاہیں

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ ٣٢

ایسے ہی اللہ متقیوں کو جزا دیتا ہے وہ جنہیں فرشتے وفات دیتے ہیں (درانحالیکہ) وہ پاک ہیں کہتے ہیں

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ ٣٣

تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو جاؤ اسکی وجہ سے جو تم عمل کرتے تھے وہ سوائے اسکے اور کچھ انتظار نہیں کرتے

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

کہ ان پر فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے اسی طرح انہوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ ٣٤

اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر آپ ہی ظلم کرتے تھے[١٤٣٦] سو جو وہ عمل کرتے

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

تھے اسی کی برائیاں ان پر آپڑیں اور اسی نے انہیں آلیا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے

١٤٣٥۔ ان دونوں رکوعوں کا مضمون ایک ہونا اس سے ظاہر ہے کہ پچھلے رکوع میں یہی سوال کفار سے ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں یوں ہی قصے ہیں ماننے کے قابل باتیں نہیں (٢٤) یہاں وہی سوال مومنوں سے ہے۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وحی الٰہی انسانوں کی بھلائی کے سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ انکو دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی بھلائی عطا فرماتا ہے۔ طیب کے معنی پر دیکھو ٥٧٤۔

١٤٣٦۔ اس کے معنی پر بحث ٢٦٩ میں گزر چکی۔ یہاں آخر پر فرمایا کہ ایسے حالات میں عذاب ان پر آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ ان کا اپنا ظلم اپنی جانوں پر ہے۔

ع ٥
مشرکین کا عذر باطل

٣٥ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ

اور جو شرک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اسکے سوائے کسی چیز کی عبادت نہ کرتے (نہ) ہم

وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور نہ ہمارے باپ دادا۔ نہ ہم اسکے (حکم کے) سوائے کوئی چیز حرام ٹھہراتے اسی طرح انہوں نے کیا جو ان سے

٣٦ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ

پہلے تھے سو رسولوں پر سوائے کھول کر پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں اور یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول

رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ

بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو سو ان میں سے کوئی ایسا تھا جسے اللہ نے ہدایت دی اور کوئی

مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○

ان میں ایسا تھا جس پر گمراہی ثابت ہوئی سو زمین میں چلو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ۱۴۳۷

مشیت

۱۴۳۷ ان دو آیتوں میں باطل پرستوں کے اس عذر باطل کا فیصلہ کیا ہے کہ اللہ چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے۔ گویا اللہ ہی یہ چاہتا ہے کہ لوگ شرک کریں اگر وہ یہ چاہتا کہ شرک نہ کریں تو انہیں روک دیتا۔ اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تو رسولوں کو اسی لئے بھیجتا ہے کہ لوگ شرک سے بچیں فهل على الرسل الا البلغ المبين لیکن رسولوں کا کام صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے وہ جبراً انہیں روکتے۔ اگر اس کا یہی منشا یہ ہوتا کہ لوگ شرک کریں تو پھر وہ رسولوں کو شرک کے خلاف تعلیم دے کر کیوں بھیجتا۔ پھر آیت ۳۶ میں اس کو اور تقویت دی کہ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے یعنی غیر اللہ کی پرستش سے بچو۔ پھر اس تعلیم کے آنے پر دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک وہ جنہیں اللہ ہدایت دے دیتا ہے یعنی وہ ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں اور دوسرے وہ جن پر ضلالت یعنی گمراہی ثابت ہو جاتی ہے۔ اب اس دوسرے فریق کے متعلق فرمایا کہ ان پر گمراہی ثابت ہو جاتی ہے یعنی ان کی تکذیب اور مخالفت حق اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے ان افعال کی وجہ سے ان پر گمراہ ہونے کا فتویٰ لگا دیتا ہے۔ چنانچہ آیت کے آخر پر مکذبین کا ذکر کر کے اسے صاف کر دیا کہ وہ خود تکذیب حق میں یہانتک بڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بطور سزا یہ حکم لگ جاتا ہے اور یہ وہ حالت ہوتی ہے جب انسان کو اپنے ان برے افعال سے آہستہ آہستہ اس قدر پیار ہو جاتا ہے کہ وہ گویا اس کی طبیعت کا جزو ہو جاتے ہیں دیکھو ۱۴۳۸ اسی لئے اگلی آیت میں یہ لفظ اختیار فرماتے ہیں فان الله لا يهدى من يضل یعنی جب یہانتک نوبت پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ ہدایت سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ اس لئے اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا۔ اور جو بعض جگہ ایسے لفظ آجاتے ہیں جیسے ولو شاء الله ما اشركوا (الانعام - ۱۰۸) یا فلو شاء لهدىكم اجمعين (الانعام - ۱۵۰) تو ان کا مفہوم بھی اسی کے مطابق ہے کیونکہ مطلب یہاں بھی یہی ہے کہ ہم نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ ایک راہ اختیار کرے یا دوسری یعنی اس کی مشیت یہی ہے کہ انسان مجبور محض نہ ہو۔ نہ وہ شرک پر مجبور ہے نہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت پر مجبور کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور ہی کرنا ہوتا تو وہ ہدایت پر مجبور کرتا جیسے دوسری مخلوق کو کیا ہے شرک پر کسی صورت میں مجبور نہیں کر سکتا تھا پس ماحصل دونوں کے الفاظ کا ایک ہے ◆

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن ۳۷

اگر تو ان کی ہدایت کی آرزو کرتا ہے تو اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جس پر وہ گمراہی کا فتویٰ لگا دیتا ہے اور ان کیلئے کوئی

نَّاصِرِينَ ۝ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا ۳۸

مددگار نہیں ہونگے [۱۴۳۸] اور اللہ کی قسم کھاتے ہیں سخت ترین قسم کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے نہیں اٹھائیگا ہاں یہ وعدہ ہے

عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۳۹

جس کا پورا کرنا اسکے ذمہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ ان پر وہ باتیں کھول دے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۝ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ ۴۰

اور تاکہ جو کافر ہیں وہ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے ہمارا فرمان کسی چیز کیلئے جب ہم اس کا ارادہ کریں

أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۴۱

ع ۶/۱۲ اعداء حق کی سزا

صرف یہی ہوتا ہے کہ ہم اسے کہدیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے [۱۴۳۹] اور جن لوگوں نے اسکے بعد جو ان پر ظلم کیا گیا اللہ کے لئے ہجرت کی

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

وقف لازم

ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھی جگہ دینگے اور آخرت کا بدلہ یقیناً بہتر ہے کاش وہ جانتے [۱۴۴۰]

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ ۴۲

جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں

۱۴۳۸ من یضل کے ایک معنی وہ ہیں جو ترجمہ میں اختیار کئے گئے ہیں اور جن کی تشریح اوپر گزر چکی اور دوسرے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور مآل ایک ہے اس لئے کہ ایک شخص کی جب گمراہی سے محبت ترقی کرکے اس کی طبیعت کا جزو ہو جاتی ہے تو پھر وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنا شروع کرتا ہے +

۱۴۳۹ ان کے عذر باطل کا فیصلہ کرکے اب ان کی اصل بیماری کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ انہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اللہ تعالیٰ کو وہ اس بات پر قادر نہیں جانتے کہ موت کے بعد وہ انہیں پھر زندہ کرے اس لئے آخر پر فرمایا کہ اس کے حکم سے پہلے بھی خلق ہوئی ہے اسی کے حکم سے دوبارہ بھی ہو جائے گی +

دکھوں کے وقت کامیابی کی بشارت

۱۴۴۰ اس آیت میں جو ہجرت کا ذکر ہے تو اس سے دونوں ہجرتوں کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے یعنی پہلی ہجرت جو ملک حبش کی طرف ہوئی اور دوسری ہجرت جو مدینہ کی طرف ہوئی کیونکہ مدینہ کی ہجرت بھی نبی کریم صلعم کی مکہ میں موجودگی میں ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور آپ نے سب سے آخر ہجرت کی۔ ان لوگوں کو جو اس بے سروسامانی میں اپنے گھروں سے نکلے اور جن کی کوئی بڑی تعداد بھی نہ تھی اتنی بڑی بشارت کہ ہم انہیں دنیا میں بھی اچھی جگہ دینگے قرآن کریم کی ان بے نظیر پیشگوئیوں میں سے ایک ہے جن کے سامنے سخت سے سخت معاند

۴۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

اور ہم نے تجھ سے پہلے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو اہل ذکر سے پوچھ لو اگر

۴۴ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ

تم نہیں جانتے ۱۴۷۱ کھلی دلائل اور کتابوں کے ساتھ (انہیں بھیجا) اور ہم نے تیری طرف ذکر بھیجا ہے تاکہ تو لوگوں کیلئے

نصف

۴۵ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ

کھولکر بیان کردے جو انکی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ فکر سے کام لیں تو کیا وہ جو برائی کی تدبیریں کرتے ہیں اس بات سے نڈر ہو گئے

اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

ہیں کہ اللہ ان کو ملک میں ذلیل کردے یا ان پر ایسی طرف سے عذاب آجائے جس کا انہیں خیال

۴۶ يَشْعُرُوْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۙ

بھی نہیں ۱۴۷۲ یا وہ انہیں ان کے آنے جانے میں پکڑ لے تو وہ (اسکی گرفت سے) نکل نہیں سکتے

کو بھی سر جھکانا پڑتا ہے یہ مکی سورت ہے مکہ میں اس کا اعلان ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں کے متعلق جو کس مپرسی کی حالت میں کفار کے ہاتھ سے دکھ اٹھا کر بھاگے جا رہے ہیں یہ آواز بلند ان کے مخالفین کو سنایا جاتا ہے کہ ان کا استیصال نہیں ہوگا جیسا کہ تم نے گمان کر لیا ہے بلکہ ان کو دنیا میں ہی مقامات بلند عطا ہونگے۔ سارا ملک چند نفوس کے استیصال کے درپے ہے یہ کسی کے وہم میں بھی نہ آسکتا تھا کہ یہی چند نفوس اس دنیا میں بھی اعلیٰ مقامات پر پہنچینگے اس قسم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے نے ہی ملک عرب کو آخر آنحضرت صلعم کے سامنے جھکا دیا

۱۴۷۱ ذکر کے لئے دیکھو ۱۹۱ و ۱۰۴۷ وغیرہ۔ الذکر قرآن کریم کا نام خصوصیت سے ہے اور ہر ایک وحی کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسلئے

اھل الذکر — اھل الذکر سے مراد یہاں اہل کتاب بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ سوال صرف اس قدر ہے کہ انسان ہی ہمیشہ رسول ہو کر آتے رہے یا نہیں اور مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ اصل غرض صرف ان پر اتمام حجت ہے یعنی تم ان باتوں کو جانتے تو ہو لیکن اگر نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ اور اگلی آیت میں قرآن شریف کا یہی نام الذکر لیکر اسی دوسرے معنی کی تائید کی ہے +

عورت کی نبوت — رجال کا لفظ یہاں آنے پر یہ بحث ہوتی ہے کہ اس آیت کی تصریح کے بموجب عورت رسول تو نہیں ہو سکتی مگر آیا وہ نبی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ روح المعانی میں ہے کہ عورتوں کی نبوت کے صحیح ہونے کی ایک جماعت قائل ہے۔ سو اصل یہ ہے کہ اس نبوت سے مراد محض اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی ہے یعنی نبوت اپنے لغوی معنی میں جس کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے جاری ہے لیکن اصطلاح شرعی میں نبوت چونکہ ماموریت کو چاہتی ہے اس لئے وہ رسالت سے الگ نہیں ہو سکتی اور اس لئے اصطلاح شریعت میں نبوت عورتوں کو نہیں ملتی +

خسوف، خَسْف — ۱۴۷۲ یخسف خُسُوف چاند کی اور کُسُوف سورج کی روشنی کے جاتے رہنے کا نام ہے اور عَیْنٌ خَاسِفَةٌ وہ چشمہ ہے جو غائب ہو جائے اور خَسْف کا استعمال استعارةً ذلت پر بھی ہوتا ہے (غ)، اور خَسْف کے معنی ہزال اور مذلت اور اذلال یعنی کسی کو ذلیل کرنا بھی آتے ہیں اور خسف به الارض کے معنی ہیں اسے زمین میں غائب کر دیا (ل) +

آنحضرتؐ کے مخالفین کا عذاب — اس آیت میں آنحضرت صلعم کے مخالفین کے عذاب کا ذکر ہے۔ اور سب سے پہلے ان کے خسف کا ذکر کیا۔ اگر خسف سے مراد

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا ۴۸

یا وہ انہیں تھوڑا تھوڑا گھٹا کر پکڑے تو یقیناً تمہارا رب مہربان رحم کرنے والا ہے ۱۷۴۳ کیا وہ ہر اس چیز کو نہیں دیکھتے

خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ

اللہ نے پیدا کی ہو اسکے سائے بھی دائیں اور بائیں سے لوٹتے رہتے ہیں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور وہ

دَاخِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ ۴۹

عاجزی ظاہر کرنیوالے ہیں ۱۷۴۴ اور اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو کوئی جاندار آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور فرشتے بھی اور وہ

السجدة

لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ ۵۰

تکبر نہیں کرتے ۱۷۴۵ وہ اپنے رب سے جو انپر غالب ہے ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے کرتے ہیں ۱۷۴۶

زمین میں دھنسا نا لیا جائے تو یہ عذاب عام طور پر آپ کے مخالفین پر نہیں آیا۔ ایک آدھ واقعہ جیسے سراقہ کا الگ امر ہو لیکن خسف کے دوسرے معنی یعنی ذلیل کرنا۔ آپ کے مخالفین پر اپنی عمومیت میں صادق آتے ہیں اس لئے وہی معنی یہاں لئے جائینگے +

خوف۔ تخویف تخوّف۔ ۱۷۴۳ تخوف خَوف کے معنی کسی مکروہ امر کی توقع ہیں خواہ ظنی یا یقینی علامات سے ہو اور تخویف کے معنی ایسے امور سے بچنے کی تحریص ہیں۔ مثلاً یخوف اللّٰہ بہ عبادہ کا (الزمر ۳۹-۱۶) انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہ (آل عمران ۳-۱۷۴) اور نخوفہم کے معنی ہیں ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے یعنی تدریجاً کم کیا جسکا اقتضا ہوا اور تخوف کے معنی تنقص ہیں (ل) اور ابن جریر میں اسکے معنی دیئے ہیں کہ انکو اطراف و نواحی سے تھوڑا تھوڑا کرکے کم کرتا جائے یہاں تک کہ سب کو ہلاک کر دے۔

تین قسم کا عذاب ان تین آیات میں عذاب کے تین رنگ بیان کئے ہیں ایک ان پر ذلت وارد کرنا دوسرے ان کے آنے جانے یا سفروں میں ان کو پکڑنا اور تیسرے تدریجاً انہیں کم کرتے چلے جانا۔ یہاں بڑی صراحت اور صفائی سے اس عذاب کا ذکر ہے جو آپ کے مخالفین پر آنے والا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ عام طور پر ان کی مغلوبیت کا ذکر بہت دفعہ کیا ہے مگر یہاں اس مغلوبیت کی صورتیں بھی بتا دی ہیں اور ان ہی رنگوں میں سے ایک نہ ایک رنگ میں اہل مکہ پر یہ عذاب آیا۔ ان کے آنے جانے کے ذکر میں ان کے تجارتی سفروں کی طرف اشارہ ہے جو وہ شام کی طرف کرتے تھے انہی سفروں پر انکی تجارت اور خوشحالی کا دار و مدار تھا اور مسلمانوں کی مدینہ میں موجودگی ہی تنگی میں سب سے بڑھکر ان کیلئے نقصان دہ ثابت ہوئی

فئ۔ فاء تفیئوا ۱۷۴۴ یتفیؤا۔ فئ کے معنی اچھی حالت کی طرف لوٹ آنا ہیں۔ اور فاء اور فئ اس سایہ پر بولا جاتا ہے جو لوٹ کر آتا ہے یعنی زوال کے بعد (غ)، اور تفیؤ اس سے باب تفعل ہے +

دخر داخرون۔ دَخَرَ کے معنی ہیں ذلیل و حقیر ہوا۔ دَاخِر ذلیل ہونے والا +

سایوں کے سجدہ کرنے کی تشریح نوٹ ۱۶۰۹ میں گزر چکی۔ یہاں سایوں کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے اگلی آیت میں خود ہر چیز کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے یہاں کفار کی ذلت کا ذکر کرکے پھر یہ ذکر کیا ہے کہ ہر چیز کے سائے بھی ذلیل ہو کر سجدہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اور اس کے اصل قوانین کے سامنے ہر چیز کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے یہ کافر اس قانون سے باہر نہیں +

فرشتے کیسی مخلوق ہیں ۱۷۴۵ الملائکۃ کا عطف دابۃ پر بتاتا ہے کہ فرشتے الگ قسم کی مخلوق ہیں وہ معمولی جانداروں میں شمار نہیں ہوتے دابۃ وہ ہیں جنہیں حرکت جسمانی ہے کیونکہ اس کا اصل دَبَّ ہے جس کے معنی ہلکا چلنا ہیں +

من فوقہم ۱۷۴۶ من فوقہم اللہ تعالیٰ کے انکے اوپر ہونے سے مراد اس کا قہر اور اس کا غلبہ ہے کیونکہ فوقیت مکانی کی نسبت اس کی طرف

۵۱ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

اور اللہ نے کہا ہے کہ دو معبود مت بناؤ وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے سو مجھ ہی سے ڈرتے رہو ۱۴۴۷

ع ۷ — شرک کے خلاف فطرت کی شہادت

۵۲ وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور فرمانبرداری اسی کی لازم ہے تو کیا اللہ کے سوائے کسی اور کا تقویٰ کروگے ۱۴۴۸

۵۳ ۵۴ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا

اور جو کوئی نعمت تمہیں حاصل ہے سو اللہ کی طرف سے ہی ہے پھر جب تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو اسی کی طرف تم فریاد کیا کرتے ہو ۱۴۴۹ پھر جب وہ

۵۵ كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ

تم سے دکھ دور کر دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک بناتے ہیں تاکہ اسکی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دیا ہے

۵۶ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ

سو چند روزہ فائدہ اٹھا لو عنقریب جان لوگے اور وہ ان کیلئے جو کچھ نہیں جانتے اسکا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انہیں دیا ہے

۵۷ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ

اللہ کی قسم ضرور تم سے اسکے متعلق سوال کیا جائیگا جو تم افترا کرتے تھے ۱۴۵۱ اور اللہ کیلئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وہ پاک ہے

نہیں ہوسکتی (د) اور اس میں بظاہر ملائکہ کی طرف ضمیر جاتی ہے اور یخافون ربہم میں رب کے خوف سے مراد اس کے حکم کی خلاف ورزی کا خوف ہے۔

دو خداؤں کا عقیدہ

۱۴۴۷ دو خداؤں اور تین خداؤں کا عقیدہ لوگوں نے علی الاعلان اختیار کیا ہے اور دونوں عقیدوں کی تردید قرآن کریم نے کھلے الفاظ میں کی ہے۔ گو جعل الظلمٰت والنور میں بھی اس کی تردید ہو چکی ہے دیکھو ۹۰۱۔ مگر یہاں اثنین کا لفظ لا کر یہ صاف کر دیا کہ ثنویہ کا عقیدہ غلط ہے اس کی دلیل له ما فی السمٰوٰت والارض اگلی آیت میں ہے خود فطرت انسانی دو خداؤں کے عقیدہ کو قبول نہیں کر سکتی۔ دو خدا جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں ان دونوں سے ایک انسان کس طرح ڈر سکتا ہے +

دین - واصب

۱۴۴۸ له الدین واصباً۔ دین کے معنی جزا بھی ہیں اور طاعت بھی۔ اور واصب وَصَبٌ سے ہے جس کے معنی سقم لازم ہیں۔ اگر دین کے معنی جزا لئے جائیں تو یہ ذکر بطور وعید کے ہے کہ جو شخص دو خدا بناتا ہے اس کی سزا عذاب لازم ہے اور اگر دین بمعنی اطاعت لیا جائے اور یہی قرینہ چاہتا ہے تو واصب کے معنی دائم لئے جائیںگے اور مطلب یہ ہوگا کہ انسان پر یہ لازم ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے (ر) یہ بھی فطرت کی شہادت ہے کیونکہ دو آقاؤں کی فرمانبرداری نہیں ہو سکتی +

جأر

۱۴۴۹ تجئرون۔ جأر کے معنی ہیں دعا میں مبالغہ اور تضرع کیا یعنی بہت زیادہ زاری کی اور جُؤَار (غ) دراصل وحشی کے چیخنے کو کہا جاتا ہے یہ تیسری شہادت فطرت انسانی کی ہے کہ دکھ کے وقت وہ صرف ایک خدا کی طرف رجوع کرتا ہے +

۱۴۵۰ لما لا یعلمون میں ضمیر الہٰۃ کی طرف ہے جن کے بنانے کا ذکر پچھلے حصہ میں ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی کچھ علم نہیں رکھتے اور خود کفار کی طرف بھی ہو سکتی ہے یعنی وہ کفار ان معبودوں کی اصل حقیقت سے کچھ بھی واقف نہیں +

وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا ۵۸

اور اپنے لئے وہ جو چاہتے ہیں) جو انہیں مرغوب ہے۔ اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے

وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهِۦٓ أَيُمْسِكُهُۥ ۵۹

اور وہ غصہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے[۱۷۵۱] وہ اس خبر کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی جاتی ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا اسے ذلت کیلئے

عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُۥ فِي التُّرَابِ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

رہنے دے یا اسے مٹی میں گاڑ دے سنو بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں[۱۷۵۲]

ت۔ تاللہ — تاللہ۔ ت عموماً فعال کی ابتدا یا آخر میں آتی ہے جیسے تضرب۔ ضربت لیکن اسماء کی ابتدا اور آخر میں بھی آتی ہے اور ابتدا میں اسم اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور تعجب کے لئے آتی ہے اور اس کے معنی قسم ہوتے ہیں اور ب اور و سے جو قسم آتی ہے اس سے بڑھکر اس میں تعجب کے معنی ہوتے ہیں (مغنی) +

ظَلَّ — ۱۷۵۱ ظَلَّ ظلّ کے معنی بیان ہو چکے ہیں۔ ظَلَّ (ظَلْتُ) ایک لام کے حذف سے (وظَلَلْتُ) اس کام پر بولا جاتا ہے جو دن کے وقت کیا جائے اور پھر اس کے معنی صار کی طرح ہو گئے ہیں (غ) +

وجهه مسودا۔ چہرہ کی سیاہی سے مراد غم فکر نفرت وغیرہ کا پیدا ہونا ہے (د) نہ کہ سچ سیاہ ہونا مراد نہیں +
توجہ دلائی ہے کہ کس قدر انسان اپنے فعل سے خود الزام کے نیچے ہے اپنے خدا کی طرف بیٹیاں منسوب کرنے والے لوگ اپنے ہاں بیٹی کی خبر کو کس قدر برا مناتے ہیں۔ گویا خود فطرت انہیں ملزم کر رہی ہے +

تَوَارٰی — ۱۷۵۲ یتواری۔ وری سے ہے دیکھو ۸۱۶ اور اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو چھپاتا ہے +

دَسَّ — یدس۔ دَسّ ایک چیز کا دوسری میں جبر کے ساتھ داخل کرنا ہے (غ) اور دَسَسْتُ الشیءَ فِی التُّرَابِ کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹی میں چھپا دیا اور یہاں مراد زندہ دفن کرنا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا واذا الموؤدة سئلت (التکویر ۸) اور یدسہ میں ضمیر مذکر ہے

دسّٰی — (ایسا ہی یمسکہ میں) اس لئے کہ بلحاظ لفظ ضمیر ما بشر بہ کی طرف جاتی ہے۔ اور وقد خاب من دسّٰها (الشمس ۹۱-۱۰) میں بھی وہ ہے (ل) اس لئے کہ وہاں بھی بمقابلہ تزکیہ کے جس میں نشو و نما کا خیال پایا جاتا ہے۔ قوائے یا نفائے خداداد کا اخفا مراد ہے +

لڑکیوں کے مار دینے کا استیصال — اللہ تعالیٰ کی توحید کے ذکر میں ہی یہ ایک عظیم الشان اصلاح بھی قرآن کریم نے کی ہے یعنی لڑکیوں کو مار دینا جس کا رواج ملک عرب میں۔ بالخصوص اعلیٰ طبقہ میں بہت پایا جاتا تھا بعض باتیں اصلاح کی ایسی ہیں کہ پہلے دن سے ہی قرآن کریم نے ان کی طرف توجہ دلائی ہے حالانکہ کوئی تفصیلات شریعت ابھی نازل نہ ہوئی تھیں جیسے یتامیٰ اور مساکین کی خبر گیری انہیں میں لڑکیوں کو مار دینے یا زندہ گاڑنے کا رواج ہے جس کی اصلاح قرآن کریم نے ابتداء سے مدنظر رکھی چنانچہ اس سے بہت پہلے کی وحی میں ہے واذا الموؤدة سئلت (التکویر ۸۱-۸) عرب میں لڑکی کو جب وہ پانچ چھ سال کی عمر کو پہنچ جاتی تو یا گڑھا کھود کر اس میں زندہ دھکیل کر اوپر سے مٹی ڈال

آنحضرت کی بدی کو دور کرنے کی طاقت — دیتے یا پہاڑ سے نیچے گرا دیتے اس سنگدلی پر رحمۃ للعالمین کا دل پگھلا اور آپ کی آواز نے وہ اثر پیدا کیا جو نہ کوئی قانون اور نہ کوئی عبرتناک سزا پیدا کر سکتی ہے اسلام کے بعد اس بیرحمی کے اعادہ کی ایک اکیلی نظیر بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بدی کو دور کرنے کی جو طاقت آپ کو دی گئی ہے اس کی نظیر کوئی اور طاقت دنیا میں نظر نہیں آتی +

۶۰ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے بُری مثال ہے اور اللہ کی صفت نہایت بلند ہے اور وہ غالب

۶۱ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ

حکمت والا ہے ۱۷۵۳ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑتا تو اس پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا

ع ۸ / ۱۴ — وحی الٰہی کی ضرورت ظلم اور اختلاف کو دور کرنے کے لئے

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا

لیکن وہ انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے پس جب ان کا وقت آجائیگا وہ ایک گھڑی بھی پیچھے نہیں رہ سکتے اور

۶۲ يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ

آگے جا سکتے ہیں ۱۷۵۴ اور وہ اللہ کے لئے وہ باتیں تجویز کرتے ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں اور انکی زبانیں جھوٹ

الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝

بیان کرتی ہیں کہ ان کیلئے بھلائی ہے حق یہی ہے کہ ان کیلئے آگ ہے اور یہ کہ وہ آگے بھیجے جائینگے ۱۷۵۵

مَثَل

۱۷۵۳ للّٰہ المثل الاعلٰی۔ چونکہ دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے لیس کمثلہ شیءٌ (الشورٰی ۴۲ : ۱۱) اسلئے یہاں مَثَل کے معنی صفت مراد ہیں۔ اور راغب نے اس آیت میں دونوں جگہ مثل کے معنی وصف ہی لئے ہیں لَہُمُ الصِّفَاتُ الذَّمِیْمَۃُ وَلِلّٰہِ الصِّفَاتُ الْعُلٰی یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی صفات نہایت بری ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات بلند ہیں اور پہلے حصہ میں معنی مثال بھی ہو سکتے ہیں اور اصل غرض تو یہ توجہ دلانا ہے کہ ان لوگوں کی حالت کیسی بری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہیں جو اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن ساتھ ہی سمجھا دیا کہ اگر یہ اپنے لئے بیٹوں کو پسند کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی بیٹا تجویز کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بہت بلند ہیں اور اس کی ذات ان تمام باتوں سے پاک ہے جو گو انسانوں کے لئے محبوب ہوں مگر وہ ایک رنگ کا نقص ہے جو مخلوق میں پایا جاتا ہے اور خالق کی ذات اس سے برتر ہے +

دابۃ سے مراد ظالم انسان

۱۷۵۴ دابۃ سے مراد یہاں بعض کے نزدیک سب جاندار ہیں اور بعض کے نزدیک صرف وہی ظالم لوگ ہیں جو ظلم کرتے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے کہ دابۃ سے مراد یہاں مشرک ہیں (د) اور گو یہ سچ ہے کہ اگر کل انسان تباہ ہو جائیں تو دوسرے جانداروں کی جو انسان کی خاطر ہی پیدا کئے گئے ہیں کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ظلم کا ذکر صاف بتاتا ہے کہ مراد وہی مخلوق ہے جو ظلم کر سکتی ہے یعنی انسان۔ اور اس آیت میں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جو حالت دنیا کی تھی اس کی تصویر کھینچی ہے یعنی ظلم اس حد تک دنیا میں پھیل گیا ہے کہ زمین اس قابل نہ رہی تھی کہ اس پر انسان باقی رہے کیونکہ انسان نے اپنے خدا کو بالکل بھلا دیا اور ساری دنیا خطرناک شرک اور معصیت میں گرفتار ہو گئی۔ گویا روحانی طور پر دنیا پر موت وارد ہو گئی اس لئے یہ اس قابل تھی کہ اسے ویسے بھی مٹا دیا جاتا مگر اس موت سے اس آسمانی بارش نے اسے بچایا جس کا ذکر صاف الفاظ میں رکوع کے آخر میں ہے +

دابۃ جابیت کا نقشہ

افراط

۱۷۵۵ مفرطون۔ فَرَط کے معنی ۱۳۳۹ میں بیان ہو چکے ہیں اور اِفْرَاط کے معنی آگے بڑھنے میں حد سے تجاوز کرنا ہیں اور اِفراط کے معنی اِعجال یعنی جلدی کرنا بھی ہیں اور اس کے معنی ترک کرنا اور بھلانا بھی آتے ہیں ما اَفْرَطْتُ مِنَ الْقَوْمِ اَحَدًا ای ما ترکتُ

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ ۶۳

اللہ کی قسم ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف (رسول) بھیجے۔ پھر شیطان نے انہیں انکے (برے) عمل اچھے کر کے دکھائے سو وہ

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ ۶۴

آج ان کا ولی ہے اور ان کیلئے دردناک دکھ ہے ۱۷۵۶ اور ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ تو ان کے لئے

لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَ ۶۵

وہ باتیں کھول کر بیان کرے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں ۱۷۵۷ اور

اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِىْ

اللہ ہی بادل سے پانی اتارتا ہے پھر اسکے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے — یقیناً اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ ۶۶

ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو سنتے ہیں — اور یقیناً تمہارے لئے چارپایوں میں سبق ہے ہم تمہیں اس چیز سے

(ع — وحی کی تمثیلات)

مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝

جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ — پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہے ۱۷۵۸

(مُفْرَطُ) اَفْرَطَ الشَّیْءَ نَسِیَہٗ (ل) پس مُفْرَطُ کے معنی آگے بھیجا ہوا جلدی بھیجا ہوا یا عذاب میں چھوڑا ہوا ہو سکتے ہیں فراء نے یہی آخری معنی لئے ہیں (ل)

(اعتقادات جاہلیت) ان کے اعتقادات فاسدہ کی تصویر یہاں کھینچی ہے کہ خدا کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ اسی کا اثر اعمال پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ نیک اور بزرگ لوگوں کی طرف بدیاں منسوب کرنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بدی آہستہ آہستہ دل کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہے۔ یہ بدترین حالت ہے جس پر قوم پہنچ جاتی ہے +

۱۷۵۶ یہاں بتایا کہ پہلے بھی ہم رسول بھیجتے رہے جس طرح اب رسول بھیجا ہے لیکن انکے متبعین بھی گمراہ ہو گئے اور شیطان نے برے عملوں کو ان کیلئے ایسا خوبصورت کر دکھایا کہ وہ اسکے پیچھے لگ گئے یہاں تک کہ آج یعنی رسول اللہ صلعم کی بعثت کے وقت وہ اسطرح شیطان کے تصرف میں آگئے کہ وہی ان کا ولی اور رفیق ہے +

(قرآن کی ضرورت مذاہب کے اختلافات کے فیصلہ کیلئے بھی تھی) ۱۷۵۷ جب پہلے رسولوں کا ذکر کیا تو اب ساتھ ہی بتایا کہ باوجود پہلی قوموں میں رسولوں کے آنے کے اب ایک اور رسول کی ضرورت تھی تا کہ ان میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں وہ اپنی وحی یعنی قرآن سے ان کا فیصلہ کر دے تمام دنیا کے اختلافات مذہبی کا فیصلہ سوائے اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہ ہو سکتا تھا۔ اور چونکہ قرآن سب اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے اس لئے خود مسلمانوں میں کوئی اس قسم کا اختلاف نہیں ہو سکتا جیسے پہلے مذاہب میں اختلافات ہوئے یعنی اصولی اختلاف نہیں اگلی آیت میں آسمانی پانی وحی الٰہی ہے جو مردہ دلوں کو زندہ کرتی ہے +

(چارپایوں میں مثال ہے عبرت) ۱۷۵۸ پچھلے رکوع میں وحی الٰہی کا ذکر تھا کہ رفع ظلم و اختلاف کیلئے اس کی ضرورت ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ انسان اپنی عقل سے ہی سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو سمجھایا کہ دیکھو اگر تمہیں دودھ کی ضرورت ہے تو تم یہ نہیں کر سکتے کہ چارہ اور گھاس کو لیکر اس کا جوہر

٦٧ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا

اور کھجوروں اور انگوروں کے میووں سے تم اس سے شراب اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو۔

٦٨ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ

یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں ١٥٥٩ اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کیطرف وحی کی کہ پہاڑوں

٦٩ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ

میں گھر بنا اور درختوں میں اور اس میں جو وہ بناتے ہیں پھر تمام پھلوں سے

الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۗ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

کھا اور اپنے رب کے رستوں پر فرمانبرداری سے چلی جا۔ ان کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف

اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

ہیں اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو فکر سے کام لیتے ہیں ١٥٦٠

دودھ کی صورت میں نکال لو بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی قدرت سے حیوانوں کے اندر ایک کل پیدا کی ہے وہ اس چارہ کو بدل کر تین چیزوں کی صورت میں بنا دیتی ہے ایک فضلہ جو گوبر کی صورت میں نکل جاتا ہے دوسرا خون جو حیوان کے بقا کا موجب ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک تیسری چیز دودھ بن جاتی ہے جو انسان کے پینے کیلئے ایک نہایت ہی خوشگوار چیز ہے۔ پس اگر ایک اپنی زندگی کی ضرورت دودھ کیلئے انسان قدرت کی کل کا محتاج ہے اور خود اسے نہیں بنا سکتا تو روحانی بقا کیلئے بھی اس کی اپنی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی +

سکر

١٥٥٩ سکر۔ سُکر کیلئے دیکھو ٦٦٣ اور سَکَر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے سُکر یعنی نشہ پیدا ہو (غ) اور مراد اس سے خمر ہے۔

دوسری مخلوق میں تدبر

اس آیت میں پچھلی آیت کے مضمون کو وسیع کیا ہے مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے بقا کیلئے ہر قسم کے پھل اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کیلئے پیدا کر رکھے ہیں پس ضرور تھا کہ بقائے روحانی کے سامان بھی وہ خود پیدا کرتا اور انہیں انسان پر نہ چھوڑتا کیونکہ کسی چیز کا پیدا کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے ہاں پیدا شدہ چیز کو وہ استعمال کر سکتا ہے اور یہاں اس کے استعمال میں برے اور اچھے استعمال کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ خدا کے پیدا کئے ہوئے پھلوں سے انسان شراب بھی بنا لیتا ہے جو ان کا برا استعمال ہے کیونکہ اس سے نقصان پیدا ہوتا ہے اور رزق حسن بھی لے لیتا ہے رزق حسن کے مقابل پر سکر کو لانے سے صاف اس کی برائی کی طرف اشارہ کیا ہے اور حالانکہ ابھی تک شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا کیونکہ یہ سورت مکی ہے مگر یہاں جس رنگ میں سکر کا ذکر کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی ساری تعلیم ایک ہی اصول پر ہے +

شہد کی مکھی سے سبق

١٥٦٠ یہ تیسری مثال اسی اصول کی وضاحت کیلئے ہے۔ اور یہاں وحی کا ذکر صفائی سے کیا ہے۔ گو یہ وحی اور رنگ کی ہے شہد کی مکھی علم حاصل نہیں کرتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کی فطرت میں رکھ دیا ہے اسکے مطابق چلکر مختلف پھولوں سے شیرینی حاصل کر کے اسے ایسے رنگ میں جمع کرتی ہے۔ جو انسانوں کیلئے موجب شفا ہے۔ انسان اپنے سارے علوم کو خرچ کر کے وہ چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب انسان کی ہدایت کیلئے اس کی شفائے روحانی کیلئے ایک شہد کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ مقصد بھی انسان کے علوم مکتسبہ حاصل

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ ۷۰

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں وفات دیتا ہے اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو نہایت خراب عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ جاننے

بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۷۱

ع
مہبطِ وحی کی فضیلت

کے بعد کچھ نہ جانے بیشک اللہ جاننے والا قدرت والا ہے ۱۵۶۱ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں

فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

فضیلت دی ہے تو جنہیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی انہیں نہیں دے دیتے جو ان کے ماتحت ہیں

فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ ۷۲

کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں تو کیا اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ۱۵۶۲ اور اللہ نے تمہارے لئے تم سے ہی

اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ

بیبیاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیبیوں سے بیٹے اور خدمتگزار بنائے۔

نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لئے ایک وحی کی ضرورت ہے۔ ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق جو ایسی ایسی مخلوق سے ہے جیسے شہد کی مکھی اس سے بہت بڑھ کر تعلق اسے انسان سے ہے اور یہ غرض بھی اعلیٰ اور ارفع ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ وحی بھی اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور یہ وحی الٰہی کا ہی کام تھا کہ تمام مذاہب کے اختلافات کا فیصلہ کرتی کوئی انسان اپنی کوشش سے یہ نہ کر سکتا تھا اس پر زیادہ تفصیل کے لئے دیکھو نوٹ جو تمہید سورت میں اس سورت کے نام پر دیا گیا ہے +

۱۵۶۱ انسان کے حالات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی ہے کس طرح پیدا ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے پھر گھٹتا ہے یہاں تک کہ وفات پاتا ہے اور ارذل عمر وہ ہے جس میں عجز اور ذلت کی حالت انسان پر وارد ہو جاتی ہے علم کے بعد نہ جاننے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ جو کچھ علم سیکھا تھا وہ بھول جاتا ہے اور یہ بھی کہ جتنا علم حاصل کیا پھر اس کے بعد اور علم حاصل نہیں کر سکتا اور انسان کے حالات میں قوموں کے لئے سبق ہے کہ ان پر بھی ایک ارذل حالت آتی ہے اور اس کی طرف بھی یہاں اشارہ ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کے علم کی ایک انتہا ہے اللہ تعالےٰ کے علم کی کوئی انتہا نہیں +

انسانوں کے مراتب میں اختلاف اور نعمۃ اللہ

۱۵۶۲ ما ملکت ایمانہم سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے ماتحت ہیں یا جن سے دوسرے کام لیکر بہت دولت کے مالک بن جاتے ہیں۔ شاید اسی مناسبت سے رادّی (رآدین یعنی لوٹانیوالے) کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس رکوع میں چند ایک تمثیلات بیان فرمائی ہیں جنہیں یہ توجہ دلائی ہے کہ مہبط وحی صلعم کو دوسرے عام انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے ہی فضیلت دی ہے اس سب سے پہلی مثال میں یہ سمجھایا ہے کہ ظاہری سامان معیشت میں بھی جو سب کے لئے یکساں کھلے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ایک کام لینے والے ہیں ایک کام دینے والے۔ اسی طرح پر روحانیت میں الگ الگ استعداد دیں ہیں جنکی طرف آیت کے آخر میں نعمۃ اللہ کا لفظ لاکر توجہ دلائی ہے خصوصیت سے نعمۃ اللہ کا اطلاق وحی الٰہی پر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ فی الحقیقت سب سے بڑی نعمت الٰہی انسانوں پر ہے۔ اور بعض مفسرین نے بھی اس سے یہی مراد لی ہے۔ اور فما الذین فضلوا جملہ معترضہ کے طور پر ہے جس کے

وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ

اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ تو کیا جھوٹ کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار

۷۳ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کرتے ہیں ۱۶۶۳ اور اللہ کے سوائے ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کوئی اختیار

۷۴ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

نہیں رکھتے اور نہ ہی کچھ طاقت رکھتے ہیں پس اللہ کیلئے مثالیں نہ بناؤ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۱۶۶۴

معنی بعض نے یوں بھی لئے ہیں کہ اپنے ملوکوں کو تمہیں اپنے برابر رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ انہیں وہ کھاناؤ جو خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ نظام عالم اس طرح کی مساوات پر چل نہیں سکتا کہ سب میں مال و دولت برابر تقسیم ہو اس لئے فرق مراتب رکھا ہو اور استعداد روحانیت میں اس فرق کا ذکر یہاں اس لئے کیا کہ پچھلے رکوع میں شہد کی مکھی کی طرف وحی کا ذکر کر کے سمجھایا تھا کہ وحی الٰہی جو سامان انسان کیلئے مہیا کرسکتی ہو وہ انسان اپنی کوشش سے نہیں کرسکتا تو اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ پھر ہر شخص کو خود وحی کیوں نہیں ہو جاتی۔ اور کفار کا یہ اعتراض قرآن شریف میں منقول بھی ہو حتّٰی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللّٰہ (الانعام۔ ۱۲۵) مفسرین نے اس مثال کو شرک پر لگایا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے ہو ✝

نفس

۱۶۶۳ انفسکم سے مراد من جنسکم و نوعکم ہو (ر) یعنی تمہاری جنس اور نوع نے یہاں سے: خلق منہا زوجہا کے معنی پیدائشی پڑتی ہیں

حَفَدَ۔ حفدۃ

حفدۃ حَافِد کی جمع ہو۔ اور حفد کے معنی خدمت اور کام میں سرعت ہیں چنانچہ دعائے قنوت میں آتا ہو والیک نسعٰی ونحفد یعنی عمل اور خدمت میں جلدی کرتے ہیں جس سے مراد فرمانبرداری ہو اور حَفَدَۃ کے معنی مددگار اور خدمتگذار ہیں اور بیٹیوں کو بھی حفدۃ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اولاد اولاد ہو یعنی پوتے اور بعض کے نزدیک اصہار یعنی بی بی کے قرابتی یا داماد (ل) اور ابن جریر نے مختلف اقوال نقل کر کے کہا ہو کہ اصل اس کی یہی ہے کہ مراد اس سے خدمت کرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ اس کے اندر شامل ہیں اور خود ازواج اور بیٹے بھی ایک رنگ میں حفدۃ ہیں ✝

اس آیت میں بھی اختلاف مراتب کی طرف ہی توجہ دلائی ہو حالانکہ سب انسان ایک ہی ہیں گھر ان میں کوئی مرد ہے کوئی عورت کوئی باپ ہو کوئی بیٹا کوئی خسر ہے کوئی داماد۔ گویا اختلاف مراتب پر نظام عالم کا دارو مدار ہو۔ اور آخر پر نعمت اللہ یعنی وحی الٰہی کے انکار کے مقابل پر ان کے باطل پر ایمان یعنی بت پرستی کا ذکر کیا اور اسی لئے اگلی آیت میں کھول کر ان کی بت پرستی کا ذکر کیا ✝

امثال

۱۶۶۴ امثال۔ مِثْل کی جمع بھی ہو سکتی ہو اور اس صورت میں امثال سے مراد ہوگی کہ اس کے شریک مت بناؤ اور مقصد ہوا کہ معنی فلا تجعلوا ہونگے فلا تجعلوا للّٰہ اندادا (البقرۃ ۲۔ ۲۲) اور یہ معنی ابن عباس سے مروی ہیں اور عموماً اسے مَثَل کی جمع مانا گیا ہو۔ اور اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ کسی دوسرے کو اس جیسا نہ کہا جائے نہ اسے دوسرے جیسا۔ یا یہ کہ اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے ✝

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ ۷۵

اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو دوسرے کے اختیار میں ہے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ

اپنے ہاں سے رزق دیا ہے سو وہ اس سے چھپا کر اور ظاہر خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں، سب تعریف

لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ ۷۶

اللہ کیلئے ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۱۷۶۵ اور اللہ دو آدمیوں کی مثال بیان کرتا ہے

اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ

ایک ان میں سے گونگا ہے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے جدھر اسے بھیجتا ہے کوئی اچھا کام

لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

کر کے نہیں آتا کیا وہ اور ایسا شخص برابر ہیں جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ سیدھے رستہ پر ہے ۱۷۶۶

کافر اور مومن کی مثال

۱۷۶۵ یہ کافر اور مومن کی مثال ہے (ج)، اور غرض وہی ہے جس کا ذکر پہلے ہوا جب کافر اور مومن میں بھی یہ فرق بیّن ہے تو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کفار کو کیا نسبت ہو سکتی ہے اور یا رزق حسن سے مراد وحی الٰہی ہے اور وہ جسے رزق حسن دیا ہے وہ مہبط وحی صلعم ہے اگلی آیت کے آخری الفاظ اسی کے مؤید ہیں اور سرًّا خرچ کرنا اپنے قوتے کو مخلوق کی خدمت میں لگانا ہے اور جہرًا اپنے مال کو۔ اور کافر یا مشرک عبد مملوک ہے اس لئے کہ جن چیزوں پر اسے حکومت کرنے کیلئے بنایا گیا تھا وہ اپنے آپ کو ان کا محکوم اور انہیں اپنا معبود اور مسجود بنا تا ہے۔ اور لا یقدر علی شیء اس لئے کہ جس غرض کیلئے اس کے اندر اعلیٰ درجہ کے قوتے رکھے گئے تھے۔ وہ اسے پورا نہیں کرتا اس لئے اسے نتیجہ بھی کچھ نہیں ملتا لا یقدرون مما کسبوا علی شیء (ابراھیم - ۱۸) +

کَلّ ۔ کُلّ

۱۷۶۶ اَکَلّ - کُلّ وہ ہے جو سارے اجزا کو جمع کرے اور کَلّ یَکِلُّ کَلَالًا کے معنی ہیں تھک گیا۔ اور یہاں مراد وہ ہے جو دوسرے پر بوجھ ہو یا دوسرے کیلئے بمنزلہ عیال کے ہو کر اس کا بوجھ اسے اٹھانا پڑے (ل) +

یہ مثال بھی ویسی ہی ہے جیسی اس سے پہلی۔ مگر یہاں من یامر بالعدل وھو علی صراط مستقیم سے زیادہ وضاحت کر دی ہے۔ بعض نے ان الفاظ کی وجہ سے یہ خیال کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ابکم سے مراد بت ہیں اور پہلی مثال کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے مگر اللہ کی مثال کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی جیسا کہ ابھی خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تضربوا للہ الامثال۔ اس لئے من یامر بالعدل سے مراد رسول اللہ صلعم ہی ہیں اور آپ ہی صراط مستقیم پر ہیں اور اس مثال میں اسی مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا ذکر اس رکوع میں ہے اینما یوجھہ لا یات بخیر میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ کفار اپنے کسی مقصد میں کامیاب نہ ہونگے +

ع ۱۱ / ۱۷ — مبدء معاد کا اظہار

۷۷ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ

اور آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ کو ہی ہے اور اس گھڑی کا معاملہ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہی ہے بلکہ اس سے بھی

۷۸ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ

قریب بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۴۶۴ اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے

اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ

پیدا کیا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے

۷۹ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ

تاکہ تم شکر کرو ۱۴۶۵ کیا یہ پرندوں کو نہیں دیکھتے

لمح - لمحۃ / لمح البصر

۱۴۶۴ لمح - لَمَحَ اور اَلْمَحَ کے معنی ہیں آنکھ چھپا کر دیکھا اور لمحۃ تھوڑا سے دیکھنے کو کہتے ہیں اور لَمَحَ البَرقُ بجلی کی چمکار پر بھی بولا جاتا ہے اور، کیونکہ وہ بھی عجلت سے ہوتی ہے اور کلمح البصر سے مراد اس کا عجلت سے آجانا ہے اور او ھو اقرب میں اَوْ بمعنی بَلْ ہے یعنی آنکھ جھپکنا گو ایک بہت قلیل وقفہ کو چاہتا ہے مگر وہ ساعت جب آنے گی تو اس سے بھی جلدی آجانے گی یہ ایک بات تھی جو ان کے وہم میں بھی نہ آسکتی تھی اس لئے فرمایا کہ اس سے بھی جلدی آجانے گی جو تمہارے وہم میں آسکے +

عذاب دنیا اور الساعۃ

قرآن کریم کا تسلسل مضمون اس سے ظاہر ہے کہ کس طرح یہاں پھر اس ساعت کا ذکر کیا ہے جو اس سورت کا اصل منشاء ہے جس کی طرف سب سے پہلی آیت میں ان الفاظ میں توجہ دلائی تھی اتی امر الله فلا تستعجلوه. پھر چوتھے رکوع کے شروع میں آیت ۲۶ میں آنکے دکھوں کا ذکر کرکے فرمایا تھا اتٰهم العذاب من حيث لا يشعرون پھر اسی رکوع کے آخر میں آیت ۳۳ میں فرمایا هل ينظرون الا ان تاتيهم الملائكة او ياتي امر ربك پھر چھٹے رکوع میں آیت ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ میں مختلف قسم کے عذابوں کا ذکر کیا جو ان پر آنیوالے تھے اور اب پھر اس ساعت کا ذکر کرتا ہے جو ساعت کبریٰ یعنی قیامت کے لئے بطور ایک نمونہ کے ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس رکوع کی آخری آیات میں صاف طور پر کافروں کے پھر جانے اور رسول اللہ صلعم کے انکار کا ذکر ہے +

۱۴۶۵ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے عظیم الشان احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس نے اس کے اندر سننے اور دیکھنے اور سوچنے کی وہ طاقتیں رکھدی ہیں جن سے وہ بڑے بڑے کام لیتا ہے چنانچہ آیت ۸۰ و ۸۱ میں جن نعمتوں کے دینے کا ذکر ہے کہ تمہارے لئے گھر بنائے اور تمہارے لئے لباس بنائے وہ انسان سب اپنے علم سے اور اپنی جد و جہد سے ہی حاصل کرتا ہے مگر اسی لئے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ اگر وہ طاقتیں اس نے انسان کے اندر نہ رکھی ہوتیں تو انسان یہ کام نہ کر سکتا تھا - اور لا تعلمون شيئا سے اس لئے ابتدا کی کہ وحی الٰہی بھی انسان کو ایک علم دیتی ہے تو جب علم ظاہری کے لئے بعض قوائے خداداد کی ضرورت ہے تو علم باطنی کے لئے بھی ایسی ہی ضرورت ہے +

مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

جو آسمان کی فضا میں روکے ہوئے ہیں اللہ کے سوائے انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو

يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ ۸۰

ایمان لاتے ہیں ۱۶۷۹ اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے چارپایوں کے چمڑے

الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا

سے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے وقت اور ٹھہرنے کے وقت ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کی اُون

وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

اور ان کی پشم اور انکے بالوں سے تمہارے لئے اسباب اور ایک وقت مقرر تک سامان (بنایا) ۱۶۸۰

جوّ

۱۶۷۹ جوّ کے معنی ہوا ہیں (غ)، یا آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے +

پرندوں کا تعلق ذکر عذاب سے

پرندوں کے ہوا میں روکنے کا ذکر دو جگہ قرآن شریف میں ہے ایک یہاں اور ایک سورۂ ملک میں اولم یروا الی الطیر فوقھم صٰفّٰت ویقبضن ما یمسکھن الا الرحمٰن (الملک ۶۷ - ۱۹) یہاں بھی اعداء پر عذاب آنے کا ذکر ہے اور وہاں اس سے بھی زیادہ صاف الفاظ میں ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں ہے ولقد کذّب الذین من قبلھم فکیف کان نکیر (الملک ۶۷ - ۱۸) اور بعد کی آیت میں ہے امن ھذا الذی ھو جند لکم ینصرکم من دون الرحمٰن (الملک ۶۷ - ۲۰)؟ اور کوئی تعلق اس آیت کا یہاں نہیں ہے قرآن کریم نے اس مشکل کو خود ہی حل فرمایا جہاں تیسری جگہ پرندوں کے ذریعہ سے عذاب بھیجنے کا ذکر کیا ہے وارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل (الفیل ۱۰۵ - ۳، ۴) اور خود شآمت کو بھی طائر کہا ہے الا انما طائرھم عند اللہ (الاعراف ۷ - ۱۳۱) اور جب ہم محاورہ عرب کی طرف توجہ کرتے ہیں تو وہاں بھی یہی عجیب بات پاتے ہیں کہ عذاب یا ذلت یا شکست کے متعلق پرندوں کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ میدانی نے مجمع الامثال میں یہ مثال دی ہے تبدّد بلحمہ الطیر جو بددعا ہے یعنی تو ہلاک ہو جائے اور ایسی طرح ہلاک ہو کہ دفن ہونا بھی میسر نہ آئے اور پرندے تیرے گوشت کو کھائیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھیلائیں اور نابغہ کا شعر ہے اذا ما غدا بالجیش حلّق فوقہ ۔ عصائب طیر تھتدی بعصائب یعنی جب وہ لشکر کے ساتھ نکلتا ہے تو اس کے اوپر پرندے جھنڈ حلقہ باندھ لیتے ہیں اور جدھر لشکر چلتے ہیں انکے ساتھ ہی وہ بھی چلتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک فاتح فوج کے ساتھ پرند ہوتے ہیں گویا انکو علم ہو جاتا ہے کہ دشمن اس فوج کے ہاتھ سے مارا جائیگا اور ایسا ہی ابوالطیب کا شعر ہے اذا لقوا جیشا تیقّن انہ ۔ من بطن طیر تنوفۃ محشور یعنی جب انکا مقابلہ کسی فوج سے ہوتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ تنوفہ کے پرندوں کے پیٹ سے اٹھائے جائیگے اور بائبل میں یاجوج کی ہلاکت کیلئے ایسے ہی الفاظ میں پیشگوئی کی ہے "تو اسرائیل کے پہاڑوں پر گر جائیگا تو اور تیرا سارا لشکر اس گروہ سمیت جو تیرے ساتھ ہے اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو خوراک کیلئے دونگا" (حزقی ایل ۳۹ : ۴) پس ان تمام شہادتوں سے ظاہر ہے کہ پرندوں کے روکنے میں اشارہ عذاب اور شر کے روکنے کی طرف ہے جو ان پر آنے والی تھی اور یوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارہ میں سے بھی ہے کہ کس طرح پرند ہوا میں معلق رہتے ہیں +

خفیف

۱۶۸۰ تستخفون ۔ خفیف ۔ ثقیل کے مقابل پر ہے اور یہ کبھی باعتبار وزن ہوتا ہے اور کبھی جس چیز کو آسان سمجھا جائے اسے خفیف

۸۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ

اور اللہ نے تمہارے لئے اس سے جو پیدا کیا سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے

لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ

لئے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کپڑے جو تمہیں تمہاری جنگوں میں بچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت

۸۲ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

کو پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبرداری کرو ۱۴۷۱ پھر اگر وہ پھر جائیں تو تجھ پر صرف کھول کر

۸۳ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ع

پہنچا دینا ہے اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کافر ہیں ۱۴۷۲

کہہ دیا جاتا ہے اور مشکل کو ثقیل اسی معنی میں ہے الْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ (الانفال ۸ - ۶۶) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ (النساء ۴ - ۲۸) فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ (البقرة ۲ - ۸۶) اور کبھی ثقیل بلحاظ وقار کہا جاتا ہے اور خفیف اسکے مقابلہ پر اور اس حالت میں خفیف مذمت کا موقعہ ہوتا ہے اور اسی لحاظ سے اِسْتِخْفَاف کے معنی میں اختلاف ہوگا چنانچہ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ (الزخرف ۴۳ - ۵۴) میں اور وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ (الروم ۳۰ - ۶۰) میں مذمت کا موقعہ ہے۔ اور خَفُّوْا عَنْ مَّنَازِلِهِمْ سے مراد ہوتی ہے کہ ہلکے اپنے گھروں سے چلے اور یہاں استخفاف اسی معنی میں ہے اور خُفّ موزہ کو کہتے ہیں (غ) +

استخفاف

خُفّ

اصواف۔ صُوف کی جمع ہے اُون یا بھیڑ کی اون۔ اوبار وَبَر کی جمع ہے اونٹ کی پشم۔ اور اشعار شَعَر کی جمع ہے بکریوں کے بال +

صوف - وبر شعر

اثاث۔ اَثّ کے معنی ہیں بہت ہوا۔ اور گھر کے سامان کو جب بہت ہو اثاث کہا جاتا ہے اور مال کو بھی جب بہت ہو اثاث کہا جاتا ہے اور اس کا واحد کوئی نہیں (غ) +

اثاث

اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری نعمتوں کا ان دو آیات میں ذکر کیا ہے اور غرض اس طرف توجہ دلانا ہے کہ وہ تمہیں روحانی نعمتوں سے کس طرح محروم کر سکتا تھا +

۱۴۷۱ سرابیل۔ سِربال کی جمع ہے قمیص کسی قسم کی ہو (غ) +

سربال

نعمائے ظاہری سے مراد روحانی پر دلیل

ان دونوں آیتوں میں ایسی نعمتوں کا ذکر ہے جن سے انسان کو دکھوں اور تکلیفوں سے آرام ملتا ہے چنانچہ پہلی آیت میں گھر اور خیمے اور اس آیت میں سائے اور غاریں اور کرتے مذکور ہیں اور تَقِيْكُمُ الْحَرَّ کہکر حرّ اور بَرْد یعنی گرمی اور سردی دونوں مراد لئے ہیں اور اس آیت کے آخر میں اپنی روحانی نعمتوں کی طرف صاف توجہ دلائی جہاں اتمام نعمت کا ذکر کیا۔ کیونکہ اتمام نعمت اس کے بغیر نہ ہوتا تھا کہ جسمانی طور پر تو اسقدر آرام کی چیزیں دیتے اور روحانی طور پر دکھوں اور تکلیفوں سے بچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی۔ اسی مناسبت سے آیت کا خاتمہ تسلمون پر کیا یعنی تم اسلام میں یا سلامتی میں داخل ہو جاؤ جس سے مراد روحانی سلامتی ہے اور اگلی آیت میں فان تولوا کہکر بالکل ہی مضمون کو صاف کر دیا +

۱۴۷۲ نعمت اللہ وہی وحی الٰہی ہے جس کا ذکر پچھلی آیت میں بھی ہے۔ اور اس کے معنی محمد صلعم سدی سے مروی ہیں (ج) +

رکوع ۱۲ — **منکروں کی سزا**

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ ۸۴

اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کرینگے پھر جنہوں نے کفر کیا انہیں اجازت نہ دی جائیگی اور نہ انہیں عتاب دُور کرنے کا

يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ ۸۵

موقعہ دیا جائے گا [۱۷۷۳] اور جب وہ جنہوں نے ظلم کیا عذاب کو دیکھینگے تو نہ وہ ان سے ہلکا کیا جائیگا اور نہ انہیں

يُنْظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا ۸۶

مہلت دیجائے گی اور جب وہ جنہوں نے شرک کیا اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھینگے کہینگے اے ہمارے رب یہ ہمارے شریک ہیں

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے تو وہ بات کو ان (کے مُنہ) پر مارینگے کہ تم یقیناً جھوٹے ہو [۱۷۷۴]

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ۸۷

اور اس دن اللہ کے سامنے فرمانبرداری پیش کرینگے اور جو افترا وہ کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا۔

عتبۃ عتب — اعتاب — استعتاب

[۱۷۷۳] یستعتبون ۔ عَتَبَۃ دہلیز کو کہتے ہیں جو پاؤں سے روندی جاتی ہو (ل)، اور عَتْب عتاب یا ناراضگی ہے جو انسان اپنے دل میں دوسرے کیلئے پاتا ہو اور اعتاب کے معنی اظہار عتاب بھی ہیں اور عتاب کا دور کرنا بھی فما ہم من المعتبین (حٰم السجدۃ ۴۱-۲۴) میں یہی دوسرے معنی ہیں اور اِسْتِعْتَاب یہ ہو کہ دوسرے سے یہ چاہا جائے ۔ یا اسے یہ موقعہ دیا جائے کہ وہ عتاب کو دور کرے (غ) ۔

نبی کس معنی میں گواہ ہے

گواہ سے مراد ہر قوم کا نبی ہو اور رکوع کی آخری آیت میں اس کو صاف کردیا ہو اور نبی کا گواہ ہونا اپنے پیرووں کے لئے بھی ہو اور مخالفوں کے لئے بھی ۔ اول کے لئے اس لحاظ سے کہ قیامت کے دن انکے ایمان اور طاعت کی گواہی دے گا اور اس دُنیا میں ان کیلئے وہ نمونہ بنتا ہو جیسا کہ فرمایا وکذٰلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (البقرۃ ۲-۱۴۳) یا حضرت عیسٰی کا قول وکنت علیہم شہیدا مادمت فیہم (المائدۃ ۵-۱۱۷) اور مخالفین کے لئے اس کی گواہی ان کے کفر و عصیان پر ہوگی فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بہم الارض (النساء ۴-۴۱-۴۲) اور اذن نہ دینے سے مراد عذر پیش کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ فرمایا ولا یؤذن لہم فیعتذرون (المرسلٰت ۷۷-۳۶) اور اس سے بڑھکر یہ کہ ان پر جو عتاب ہوگا اسے بھی دور کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی ۔ اس لئے کہ عذر اور عتاب کا دور کرنا اس وقت کوئی فائدہ نہ دے گا ۔

[۱۷۷۴] دوسری جگہ ہے ماکنتم ایانا تعبدون (یونس ۱۰-۲۸) اور ایک جگہ ہو بل کانوا یعبدون الجن (السبا ۳۴-۴۱) اپنے ہی توہمات کی پرستش کرتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں جن کی پرستش بظاہر کرتے ہیں ۔

۸۸ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا

وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انہیں عذاب پر عذاب بڑھا کر دینگے اس لئے

۸۹ كَانُوا يُفْسِدُونَ ○ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا

کہ وہ فساد کرتے تھے ۱۴۷۵ اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے انکے اندر سے ہی ایک گواہ کھڑا کر دینگے اور تجھے

بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

ان پر گواہ لائینگے اور ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری ہے (جو) ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی اور فرمانبرداروں

۹۰ وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ○ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي

کیلئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری (ہے) ۱۴۷۶ اللہ تمہیں عدل اور احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے

الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○

اور بیحیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو ۱۴۷۷

ع ۱۳ ۱۱ ۱۹

قرآن کی تعلیم اور اسپر قیام کی ضرورت

۱۴۷۵ ان کا جرم صرف خود کفر کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنا بھی ہے اس لئے عذاب پر عذاب بڑھایا +

۱۴۷۶ اس آخری آیت میں وہی ذکر کر کے جو پہلی آیت میں کیا تھا قرآن کریم کا ذکر کیا جس وحی الٰہی کا انکار ہو رہا تھا۔ اور یوں اگلے رکوع کے مضمون سے تعلق قایم کیا۔ اور قرآن کریم کا تبیاناً لکل شیءٍ ہونا اس لحاظ سے ہے کہ تمام اصول مذہب کو اس میں کھولکر بیان کیا اور تمام ضروری تعلیم اپنے کمال کو پہنچائی اور تمام اصول باطلہ کی کھول کر تردید کی +

خیر و شر کی جامع تعلیم

۱۴۷۷ پچھلی آیت میں جب قرآن کریم کو تبیان لکل شیءٍ کہا تو اب اس کی جامع تعلیم کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔ اور اس آیت میں خیر اور شر کو پورے طور پر جمع کیا ہے۔ خیر کی اقسام میں عدل اور احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کو بیان کیا ہے اور شر میں فحشاء اور منکر اور بغی۔ اور یہ تینوں باتیں ایک ترتیب میں ہیں عدل ادنیٰ درجہ کی نیکی ہے جو مساوات کے رنگ میں ہے یعنی جو کوئی تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کے ساتھ نیکی کرنا یا احسان کے عوض احسان دیکھو ۷۹۶ احسان وہ نیکی ہے جو بطور ابتدا بغیر کسی معاوضہ کے یا معاوضہ کے خیال کے کیجائے۔ اور ایتاء ذی القربیٰ سے مراد صرف قریبیوں کو دینا نہیں گو صلہ رحمی بجائے خود ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جس سے سب نیکیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ ایسا ایتاء مراد ہے جیسے ذی القربیٰ کا ہوتا ہے۔ قریبیوں کو انسان کسی احسان کے خیال سے نہیں دیتا۔ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ میں کوئی نیکی کر رہا ہوں بلکہ یہ ایک فطری خواہش کے ماتحت ہوتا ہے پس یہ تیسرا مرتبہ یہ چاہتا ہے کہ نیکی انسان میں فطری خواہش کی طرح بن جائے ایک کام کو جب انسان بار بار کرتا ہے تو آخر ہوتے ہوتے وہ اس کی طبیعت کا جزو بن جاتا ہے پس انسان اس قدر احسان کی عادت کرے اور اس قدر بار بار اس کا اعادہ کرے کہ آخر ہوتے ہوتے احسان کرنا اس کی فطری خواہش کی طرح ہو جائے۔ اور اقسام شر میں سب سے پہلے فحشاء کا ذکر کیا یعنی ہر ایک امر جو بذات خود قبیح ہے گو اس کا اثر دوسروں پر ہو یا نہ ہو اور دوسری قسم منکر ہے جسے دوسرے برا مانتے ہیں اور اس کا انکار کیا جائے گویا اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے اور تیسری قسم بغی ہے جس میں انسان حد سے نکلنا چاہتا ہے وہ گویا ایسا تجاوز ہے جس کا اثر بہت ہی وسیع ہے ایک دوسرے رنگ میں

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ ۹۱

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کرلو اور قسموں کو ان کے پکا کرنیکے بعد مت توڑو اور تم

اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ ۹۲

اللہ کو اپنا ضامن کرچکے ہو بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ۱۷۷۸ اور اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جو طاقت خرچ کرکے کاتا

بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہو تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو اسلئے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھکر ہو

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۱۷۷۹

اللہ اسطرح صرف تمہیں آزماتا ہو اور وہ ضرور تمہارے لیے قیامت کے دن وہ باتیں کھولکر بیان کریگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

فحشاء قوت شہوییہ سے پیدا ہوتا ہو۔ منکر قوت غضبیہ سے بغی قوت وہمیہ سے شہوت کا اثر بد دوسرے انسانوں پر بہت کم پڑتا ہو اور عموماً اس میں ظلم کا رنگ بہت کم ہوتا ہو غضب کے اثر بد کا اثر وسیع ہوجاتا ہو اور عموماً اس سے دوسرے انسانوں کو تکلیف پہنچتی مگر سب سے بڑے مظالم دنیا میں قوائے وہمیہ سے پیدا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے قوموں کی قومیں اور ملکوں کے ملک صرف ایک وہم کے ماتحت تباہ کردیئے جاتے ہیں اور یہ تینوں قوتیں اگر حالت اعتدال پر آجائیں تو انسان بدی کی تمام راہوں سے بچ سکتا ہو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس آیت کو خطبہ جمعہ کے آخر میں داخل کیا +

نقض — **۱۷۷۸** تنقضو۔ نقض۔ ابرام کی ضد ہو اور اس کے معنی ہیں ایک چیز کے اجزا کا الگ الگ کردینا اور بکھیر دینا . . . . . . اور استعارۃً عہد شکنی پر بولا جاتا ہو الذین ینقضون عہد اللہ (البقرۃ ۲ - ۲۷) ینقضون عہدھم (الانفال ۸ - ۵۶) اور

نقیض ۔ انقاض — نقیض ایک چیز کی وہ ہو کہ وہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہوسکتیں اور انقض ظہرک (الانشراح ۹۴ - ۳) میں انقض کے معنی ہیں توڑدیا یہانتک کہ اس کی نقیض ہوگئی (غ) +

توکید — . . . . توکید۔ وکّد اور اکّد قول اور فعل دونوں کے لیے آتا ہو جس کے معنی ہیں اسے مضبوط کیا +

اللہ کا عہد اس کی شریعت ہو یا اس کی وحی اور اذا عاھدتم سے ان کا منہ سے قبول کرنا مراد ہو۔ اور محمد رسول اللہ صلعم پر جو اللہ کے رسول ہیں ایمان لاکر اور آپکے ہاتھ پر اقرار کرکے گویا اللہ کو ضامن بنا یا گیا کہ ہم اس عہد کو پورا کرینگے پس جب قرآن کریم نے ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم بتائی اور یہ بتایا کہ وحی الٰہی تمہیں ہر نیکی کی طرف اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی نیکی کی طرف بلاتی ہو اور ہر بدی سے روکتی ہو تو اب یہ بھی سمجھایا کہ نرا منہ سے اقرار کرلینا کافی نہیں بلکہ جب تم نے پختہ عہد کیا ہو تو سے پورا بھی کرکے دکھاؤ +

غزل — **۱۷۷۹** غزل ۔ غَزْل عورت کا سوت کاتنا ہو اور مَغزول یعنی کاتے ہوئے سوت کو بھی غَزْل کہتے ہیں اور مَغزَل عورتوں کے ساتھ کھیل وغیرہ شغل میں مصروف ہونا ہو (غ)

نکث ۔ انکاث — انکاث ۔ نِکث کی جمع ہو اور نَکث سوت کا توڑنا یا کپڑے کا اُدھیڑنا ہو اور نقض کے قریب قریب ہو اور نقضِ عہد پر بھی بولا جاتا ہو وان نکثوا ایمانھم (التوبۃ ۹ - ۱۲) اذا ھم ینکثون (الاعراف ۷ - ۱۳۵) (غ) +

دخل — دَخَل ۔ دُخول کے معنی داخل ہونا یا اندر آنا ہیں اور مکان اور زمانہ اور اعمال میں اس کا استعمال ہوتا ہو اور دَخَل فساد اور

۹۳ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَلَتُسْـَٔلُنَّ

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی گروہ بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور ضرور تم سے

۹۴ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ

جو تم عمل کرتے تھے ۔ اور اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب نہ بناؤ ایسا نہ ہو کہ (تمہارا) کوئی قدم جمے پیچھے

۹۵ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا

پھسل جائے اور تم تکلیف کا مزہ چکھو اس لئے کہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمہیں بڑا عذاب ملے ن۱۷۸ اور اللہ

تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت نہ لو ۔ جو اللہ کے پاس ہے تمہارے لئے بہتر ہے ۔ اگر تمہیں کچھ علم ہے

عداوت سے کنایہ ہے جیسے دَغَل (غ)،

اربی

اربی۔ رَبا سے ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز بڑھ گئی اور ترقی کی۔ اور اربی سے مراد یہاں ہے گنتی میں زیادہ یا مال میں زیادہ۔

تفرقہ پر ایک مثال

بخاری میں اور تفاسیر میں ایک عورت کا ذکر ہے جو مکہ میں تھی جو دن بھر کات کات کر شام کو توڑ دیا کرتی تھی اور یہ اس کا جنون تھا۔ مگر سیاق بتاتا ہے اور ایسی ہی روایت مجاہد وغیرہ سے ہے کہ یہ ایک مثال کے طور پر ہے خاص عورت کا ذکر مقصود نہیں (ف)۔ گویا پچھلی آیت میں جو فرمایا تھا کہ جب اللہ سے عہد کیا ہے یعنی ایمان لائے ہو تو اسے پورا کرو تو یہاں بتایا کہ اسے پورا نہ کرنا گویا اس عورت کی مثال ہے جو کات کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے بظاہر یہ ایک مجنون کا فعل ہے مگر دنیا میں کتنے عقلمند کہلانے والے ہیں جو اسی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے ایک عمارت کو کھڑا کرتے ہیں پھر خود اس کی جڑ بنیاد کو اکھیڑتے ہیں مسلمانوں کو جس بات سے بچنے کی نصیحت کی تھی انہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور اپنے ہی افعال سے اپنے کئے کرائے کام کو بگاڑا۔ اور سب سے زیادہ نقصان جو پہنچا وہ اسی بات سے پہنچا جس کا ذکر یہاں کیا ہے یعنی باہم اختلاف اور ان معاہدات کو مدنظر نہ رکھنا جو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اس وجہ سے کہ ایک جماعت اپنے آپ کو دوسری جماعت سے زبردست دیکھتی ہے یا اس لئے کہ وہ زبردست ہو جائے۔ یہی مسلمانوں کی بیماری ہے جس نے انہیں موجودہ حالت تک پہنچایا جن کی دنیا پر پھیلی ہوئی حکومت اس مجنون عورت کے سوت کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ مگر اب بھی اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں۔

اہل جاہلیت اور معاہدات اور یورپ کی عادت

تتخذون ایمانکم یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ہے جہاں اہل جاہلیت کا ذکر ہے! عام طور پر دنیا کی روش کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کو خاص حکم اس بارہ میں آیت ۹۴ میں موجود ہے۔ اہل جاہلیت میں یہ رواج عام تھا کہ معاہدے موجود ہوتے مگر ایک قوم ذرا اپنے آپ کو دوسری سے طاقتور پاتی تو سب معاہدات کو بالائے طاق رکھ دیتی۔ بعینہ جیسے آج یورپ کی حالت ہے کہ جس قوم کو کمزور دیکھا اس کے ساتھ معاہدہ ردی کاغذ کا ٹکڑا بن جاتا ہے +

ن۱۷۸ فتزل قدم بعد ثبوتہا۔ صاف بتاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ذکر ہے کہ ان کا قدم جم کر پھر باہمی فسادات سے پھسل جائیگا اور یوں وہ اللہ کی راہ سے روکنے والے ہو جائیں گے۔ اور عذاب بھی ان پر آئے گا؟ کیا آج اسی حکم کی خلاف ورزی کی سزا تو ہم پر نہیں!

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۱۰۲

کہہ اسے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا ہے تاکہ انہیں مضبوط کرے جو ایمان لاتے اور وہ فرمانبرداروں کیلئے ہدایت اور خوشخبری ہے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا ۱۰۳

اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اسے صرف ایک انسان سکھاتا ہے اس کی زبان جس کی طرف یہ سکھانے کی نسبت کرتے ہیں

لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ ۱۰۴

عجمی ہے اور یہ کھلی عربی زبان ہے ۱۴۸۶ جو لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۱۰۵

دردناک عذاب ہے جھوٹ تو صرف وہ لوگ بناتے ہیں جو اللہ کی باتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی جھوٹے ہیں ۱۴۸۷

ایک عالم کو گناہ سے پاک کر کے دکھا بھی دیا اور اس ظلمت کا ذکر رسول اللہ صلعم کے ظہور کے متعلق پیچھے ہو چکا ہے اور بالحق کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ باوجود پہلی رسالتوں کے ایک نئی رسالت کی ضرورت تھی جس پر قرآن کریم میں بار بار دلائل گزر چکی ہیں ۔

الحاد

۱۴۸۶ یلحدون الیہ۔ الحاد کے اصل معنی میل اور عدول ہیں یعنی ایک طرف مائل ہونا یا جھک جانا۔ اور لحد الیہ بلسانہ کے معنی ہیں مال یعنی مائل ہوا لَحَدَ ہو اور فراء کا قول ہے کہ یلحدون کے معنی یعترضون ہیں یعنی اعتراض کرتے ہیں اور ومن یرد فیہ بالحاد بظلم (الحج ۲۲ - ۲۵) میں الحاد کے معنی اعتراض ہیں اور زجاج نے الحاد کے معنی اللہ کے بارہ میں شک کرنا دیتے ہیں اور ظلم بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں

مخالفین کا اعتراض کہ انسان سکھاتا ہے

کفار مکہ بھی ایسے اعتراض کرتے تھے اور مخالفت حق میں ان کے پیرو عیسائی بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کفار قریش جن لوگوں کے نام لیتے تھے وہ سب اہل کتاب عموماً عیسائی غیر مسلم تھے جو عجمی لوگ تھے کسی روایت میں جبر کا نام ہے اور کسی میں عائش یا یعیش کا اور ایک میں یسار کا ذکر کیا جاتا ہے کہ یہودی تھا) اور ایک میں ہے کہ عبد اللہ بن مسلم الحضرمی نے کہا کہ ہمارے دو نصرانی غلام تھے یسار اور جبر جو مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے اور وہ انجیل پڑھا کرتے تھے نبی کریم صلعم وہاں سے کبھی گزرتے تو ٹھہر جاتے تو مشرک کہتے کہ آپ ان سے سیکھتے ہیں۔ جتنے لوگوں کے نام لئے گئے ہیں وہ سب عجمی تھے اور غیر مسلم غلام تھے۔ ان میں سے امر اول کو تو صفائی سے بیان کیا ہے قرآن کریم کی زبان ہمیشہ کے لئے عربی زبان کی فصاحت کا معیار ہو گئی اسے کوئی عجمی کب سکھا سکتا تھا؟ اور امر دوم کی طرف اگلی آیات میں اشارہ کیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ اسلام کی خاطر کیا کیا تکلیفیں لوگوں کو اٹھانی پڑیں۔ اول تو ایسے لوگ جو خود سکھاتے ہوں مسلمان ہی کس طرح ہو سکتے تھے پھر ان ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت وہ کیوں کرتے جب جانتے تھے کہ یہ نرا جھوٹ ہے جو ہم خود سکھاتے ہیں جن دکھوں اور تکلیفوں میں سے مسلمان گزرے انہوں نے ان کے اخلاص پر تو مہر لگا دی اور جو کوئی چاہے کہ افترا کرنے یا افترا میں حصہ لینے والے انہیں کوئی نہیں کہہ سکتا ۔

۱۴۸۷ ان دونوں آیتوں میں بتایا کہ یہ لوگ یعنی رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھی مفتری نہیں ہو سکتے کیونکہ جو اللہ پر افترا کرتا ہے وہ آیات اللہ پر ایمان نہیں لا سکتا اور جو آیات اللہ پر ایمان نہیں لاتا وہ اس ہدایت پر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ خطرناک دکھوں اور تکلیفوں کا مقابلہ افترا کرنے والے نہیں کر سکتے اگلی آیت میں اس مضمون کو اور کھولا ہے ۔

۱۰۶ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ

جو شخص ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرتا ہو وہ نہیں جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو لیکن وہ

۱۰۷ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا

جس کا کفر پر سینہ کھل جائے تو ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے ۱۷۸۸ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی

۱۰۸ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ

زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور کہ اللہ کافر لوگوں کو منزل مقصود پر نہیں پہنچاتا یہی وہ ہیں جن کے دلوں پر

۱۰۹ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ

اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہی غافل ہیں ۱۷۸۹ کچھ شک نہیں

۱۱۰ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

کہ وہی آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں پھر تیرا رب ان لوگوں کیلئے جنہوں نے اس کے بعد کہ انہیں دکھ

مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

دیا گیا ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا یقیناً تیرا رب اس کے بعد حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۷۹۰

حالت مجبوری میں کلمۂ کفر

۱۷۸۸ اصل غرض تو اسی بات کا بیان کرنا ہے کہ کس ہمت اور کس قوت ایمانی سے مسلمانوں نے مصائب کا مقابلہ کیا۔ اسی ضمن میں ان لوگوں کا ذکر بھی کر دیا ہے جو بعض وقت بتقاضائے بشریت کافروں کے ظلم کے نیچے منہ سے کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس سے ان کی جان بچ جائے بشرطیکہ قلب میں ایمان ہو۔ لیکن جو کفر کے دباؤ کے نیچے آکر کفر پر راضی ہو جائیں تو ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ غضب الٰہی کے نیچے ہیں۔ سو وہ جو ایک وقت قلب میں تو کچھ انکار نہیں پاتے لیکن زبان سے انکار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی اعلیٰ مقام نہیں ان پر لیکن چونکہ مجبوری کیلئے وہ ایسا کرتے ہیں اس لئے ایک حد تک انہیں قابل معافی سمجھا ہے چنانچہ دو شخصوں کے معاملہ میں جن میں سے ایک نے جان بچانے کیلئے مسیلمہ کذاب کے سامنے کلمۂ انکار کہہ دیا اور دوسرا بوجہ اپنی ثابت قدمی کے شہید کیا گیا۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا ایک نے رخصت سے فائدہ اٹھایا مگر دوسرے نے حق کو ڈنکے کی چوٹ کہا سو اس کیلئے مبارک ہو اور اصل میں ایمان کامل یہی ہے کہ جان

مسلمانوں کا ایمان اور شہادتیں

کو بھی بچاؤ کے مقابلہ میں انسان ترک کرے اور یہی اکثر مسلمانوں نے کیا۔ ایسے لوگوں کی مثالیں جنہوں نے کافروں کے ظلم کے نیچے کلمۂ کفر کہہ دیا بہت شاذ و نادر ملتی ہیں مگر ان لوگوں کی مثالیں جنہوں نے خوش دلی سے صرف تکلیفیں اٹھائیں بلکہ گردنیں بھی کٹوائیں قدم قدم پر ملتی ہیں۔

ما کان للہ یبقیٰ و ما کان لغیر اللہ و شی ء کان فلہ مصیر ی۔

مہر لگانا

۱۷۸۹ اللہ کی طرف سے مہر لگانا یہ ہے کہ جو دنیا کی زندگی میں غرق ہو کر آخرت کی پروا نہیں کرتے اور وہ مہر کیا ہے انکی وہ حالت قلبی ہے جس کا نقشہ پہلے الفاظ میں کھینچا ہے۔

ہجرت جہاد اور صبر

۱۷۹۰ مکی زندگی میں مسلمانوں کا ذکر کیا ہے جو صرف خوشی دل سے مشکلات میں ہر قسم کی مصائب برداشت کرتے ہیں بلکہ آخر کار گھر بار کو

ع ۱۵ ۲۱

مکہ والوں کو انذار

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا ۱۱۱

جس دن ہر شخص اپنی ہی ذات کیلئے جھگڑا کرتا ہوا آئیگا اور ہر شخص کو جو اس نے کیا پورا دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم

يُظْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا ۱۱۲

نہیں کیا جائیگا ۱۴۹۱ اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے جو امن اور اطمینان کی حالت میں تھی اس کی روزی ہر جگہ سے

رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا

اُس کے پاس با فراغت آتی تھی پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا اس کی وجہ سے

يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ۱۱۳

جو وہ کرتے تھے ۱۴۹۲ اور انکے پاس ایک رسول انہی میں سے آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو عذاب نے انہیں آلیا درانحالیکہ وہ ظالم تھے

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ۱۱۴

سو اس سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے حلال اچھی چیزیں کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو

وطن کو عزیز و اقارب کو بدی سے بچنے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ پھر اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے ہیں یعنی اپنا سارا زور بھی لگاتے ہیں اور پورے استقلال سے کھڑے ہو جاتے ہیں ایسے کامل الایمان لوگوں کیلئے اللہ کا غفور ہونا یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ انہیں اپنی حفاظت میں لیکر گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ اس سورت میں دو بار ہجرت کا ذکر ہے اور اس سے مراد مدینہ کی ہجرت ہی ہے جس سے اس کے زمانہ نزول کا پتہ بھی لگتا ہے کیونکہ اگر ہجرت حبشہ کا ذکر ہوتا تو پہلی بہت سی سورتوں میں بھی اس کا ذکر ہوتا جو درمیانی زمانہ کی نازل شدہ ہیں اس ہجرت کا ذکر قرآن کریم نے اس لئے نہیں کیا کہ وہ ہجرت جس سے علم الٰہی میں مسلمانوں کی کامیابیاں وابستہ تھیں مدینہ کی ہجرت ہی تھی۔ مکی سورتوں میں جہاد کا ذکر جب ابھی قتال کی اجازت نازل نہیں ہوئی صاف بتاتا ہے کہ یہ جہاد اعلائے کلمۃ اللہ ہے جو ہر مسلمان کا سب سے پہلا فرض ہے +

جہاد اعلائے کلمۃ اللہ

جدال

۱۴۹۱ تجادل ۔ جَدَلْتُ الحَبْلَ کے معنی ہیں میں نے رسہ کو مضبوط بٹا اور عمارت کے مضبوط بنانے پر بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے اور

جِدال

جِدال یہ ہے کہ گویا ہر شخص دوسرے کو اپنی رائے سے ہٹانا چاہتا ہے (غ) یعنی دلائل کے ساتھ جھگڑنا وجادلھم بالتی ھی احسن (۱۲۵) الذین یجادلون فی اٰیات اللہ (المؤمن ۳۵)، قد جادلتنا فاکثرت جدالنا (ھود ۳۲) یجادلنا فی قوم لوط (ھود ۷۴) اور یہاں مراد جھگڑا کرنے سے اپنی خلاصی کا جھگڑا یا کوشش یا اسکے لئے عذروں کا پیش کرنا ہے +

لباس

۱۴۹۲ لباس الخوف والجوع ۔ لباس وہ چیز ہے جو پہنی جاتی ہے یا جسم کو ڈھانک لیتی ہے اور خوف اور جوع کو لباس کہا گویا اس نے جسم اختیار کرکے لباس کی صورت اختیار کر لی (غ)، اور چاروں طرف سے انسان کو ڈھانک لیا +

اہل مکہ کی سزا

یہ قریہ یا بستی جس کی مثال دی ہے مکہ ہے (ج)، امن اور اطمینان کی وہ حالت جو دنیا میں کسی بستی کو میسر نہیں آئی اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونیکے ہر قسم کے پھل اور غلہ وہاں پہنچتا۔ سارے عرب کی چیزیں گھر بیٹھے ان کے پاس پہنچ جاتیں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری یہ کہ جب سب سے بڑی روحانی نعمت ملی تو اسے قبول نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے بھوک اور خوف کے رنگ میں عذاب آیا

۱۱۵ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ جس پر اللہ کے سوائے کسی دوسرے کا نام پکارا جائے

۱۱۶ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ

پھر جو شخص ناچار ہو جائے نہ خواہش کرنیوالا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے ۱۷۹۳ اور اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ

أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

بیان کرتی ہیں نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ اللہ پر جھوٹ افترا کرو

۱۱۷ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ○ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ

وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں کامیاب نہ ہونگے تھوڑا سا سامان ہے اور انکے لئے دردناک

۱۱۸ أَلِيمٌ ○ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ

عذاب ہے اور ان پر جو یہودی ہیں ہم نے وہی کچھ حرام کیا تھا جو تجھ پر پہلے بیان کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

۱۱۹ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ

لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے ۱۷۹۴ پھر تیرا رب ان لوگوں کیلئے جو نادانی سے بدی کر بیٹھتے ہیں

ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ○ ع

پھر اس کے بعد توبہ کرتے ہیں اور اصلاح کر لیتے ہیں یقیناً تیرا رب اسکے بعد حفاظت کرنیوالا رحم کرنے والا ہے ۱۷۹۵

بھوک تو یہ کہ سات سال کا قحط پڑا جس کی پیشگوئی پہلے سے ہو چکی تھی فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (الدخان ۴۴: ۱۰) اور خوف ایک اس لحاظ سے کہ اسلام کی قوت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ دوسرے مدینہ میں مسلمانوں کی ہجرت کی وجہ سے تجارت کے رک جانے کا خوف تیسرے آیندہ جنگوں کی وجہ سے خوف۔ امن و اطمینان کی جگہ بھوک اور خوف کفران نعمت یعنی انکار رسول کی سزا تھی جیسا کہ اگلی آیت میں صاف ذکر ہے الفاظ قرآنی کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اور آج بھی یہ لفظ کسی بستی پر صادق آتے ہیں +

۱۷۹۳ اہل مکہ جو قرآن کو افترا کہتے تھے انہیں بتایا ہے کہ جو حق ہے اسے تم افترا کہتے ہو اور خود افترا کرتے ہو۔ چنانچہ غذاؤں کی حلت و حرمت کے متعلق وہ اللہ تعالیٰ پر یہ افترا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوں حکم دیا ہے اگلی آیت میں اسے اور صاف کیا ہے +

۱۷۹۴ یہ سورۃ الانعام ۶-۱۴۷ میں بیان ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ الانعام اس سورت سے پہلے نازل ہوئی تھی +

۱۷۹۵ سزا اور عذاب کے ذکر کے ساتھ یہ بشارت بھی ہے کہ یہ تم جہالت سے برے کام کر رہے ہو۔ اگر توبہ کرو اور اصلاح کرو تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ گناہ بخش دے گا بلکہ تم پر رحم بھی کرے گا +

ع ۱۶

ابراہیم کی مثال اور مومنوں کو نصیحت

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ ؕ ﴿۱۲۱﴾

بیشک ابراہیم ایک امام اللہ کا فرمانبردار راست رو تھا ۱۷۹۶ اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ۱۷۹۶ اس کی نعمتوں کا شکر کرنیوالا

اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ ﴿۱۲۲﴾

اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے رستہ کیطرف ہدایت کی اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور وہ

فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۲۳﴾

آخرت میں یقیناً نیکوں میں سے ہونگے پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم راست رو کے مذہب پر

حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا ﴿۱۲۴﴾

چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ۱۷۹۷ سبت دکا وبال، صرف ان لوگوں پر ڈالا گیا جنھوں نے اس میں

فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اختلاف کیا اور تیرا رب قیامت کے دن ضرور ان میں ان باتوں کا فیصلہ کریگا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ۱۷۹۸

امہ

۱۷۹۶ امة - اُمّة جماعت کو کہتے ہیں۔ اور امام راغبؒ نے یہاں معنی کئے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں ایک جماعت کے قایم مقام تھے (غ) لیکن اس کے اور معنی بھی آتے ہیں چنانچہ ہر شخص کو جو دین حق پر ہو کر سب ادیان کا مخالف ہو۔ اُمّة کہا جاتا ہے۔ اور ایسا ہی وہ شخص جو اپنی نظیر نہیں رکھتا اور ابو عبیدہ نے اس کے معنی امام کئے ہیں اور معلم خیر بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں (ل)

حضرت ابراہیم خلیفہ کی وجہ دنیا کے پیشوا بنے

حضرت ابراہیم کا ذکر اس آخری رکوع میں دو وجہ سے کیا۔ ایک کفار کو توجہ دلانے کیلئے کہ حضرت ابراہیم جن کی وہ پیروی کا دعوے کرتے ہیں مشرک نہ تھے دوسرے مسلمانوں کو بتانے کیلئے کہ وہ اس شخص کا طریق اختیار کریں جو دنیا میں راستبازوں کا سردار ہوا۔ اور پھر اپنے زمانہ میں بے نظیر انسان تھا جس نے حق کی پیروی میں کسی کی پروا نہیں کی۔ اور ابراہیم کو اُمت کہنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نیکی کے معلم دنیا میں ہمیشہ سردار بن جاتے ہیں پس اگر مسلمان بھی دنیا میں نیکی کے معلم بنیں تو وہ بھی دنیا کے پیشوا بنا دیئے جائینگے۔ چنانچہ وان عاقبتم (۱۲۶) میں اور ان اللہ مع الذین اتقوا (۱۲۸) میں مسلمانوں کی آیندہ شوکت کیطرف صاف اشارہ ہے +

ملت ابراہیمی پر چلنے کا ارشاد

۱۷۹۷ یعنی وہی کام کرو جو ابراہیم نے کیا مطلب یہ ہے کہ تم بھی شرک کی بیخکنی کرو جس طرح حضرت ابراہیم نے کی کیونکہ ملت ابراہیمی کا اصل الاصول تو یہی بیان کیا کہ وہ مشرکوں میں سے نہ تھا شرک سے دنیا کو صاف کرنا حضرت ابراہیم کا بھی مقصد تھا یہی مقصد محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کا تھا۔ نیز دیکھو ۱۴۷ و ۱۹۸ +

سبت

۱۷۹۸ السبت۔ سَبت کے اصل معنی قطع عمل ہیں دیکھو ۹۴ اور یہاں راغبؒ نے مراد لیا ہے تَرْكُ العملِ فيه یعنی اس دن کام کا ترک کرنا اور سَبْت کے معنی مدت زمانہ بھی ہیں تھوڑی ہو یا بہت +

یہودیوں اور عیسائیوں کا سبت

اس آیت کے ماتحت مفسرین نے بخاری اور مسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ بخاری کے لفظ یہ ہیں نحن الآخرون السابقون یوم القیامة بید انهم اوتوا الکتاب من قبلنا ثم هذا یومهم الذی فرض الله علیهم فاختلفوا فیه فهدانا الله له فالناس لنا تبع الیهود غدا والنصاری بعد غد۔ ہم پیچھے آنے والے قیامت کے دن سب سے پہلے ہونگے سوائے اسکے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب

۱۲۵ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ

اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلاؤ اور ان کے ساتھ اس طریق بحث

هِىَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○

کرو جو نہایت عمدہ ہو تیرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اسکے رستے سے گمراہ ہوا اور وہ سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے ۱۴۹۹

دی گئی پھر یہ ان کا دن تھا جو اللہ نے ان پر فرض کیا مگر انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ نے ہمیں اس کی طرف ہدایت دی سو لوگ ہمارے پیرو ہیں یہود کل اور عیسائی کل کے بعد۔ اور مسلم میں کچھ لفظوں کا اختلاف ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں اضل اللہ عن الجمعة من قبلنا فكان لليهود يوم السبت وكان للنصارى يوم الاحد فجاء الله بنا فهدانا الله ليوم الجمعة اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم سے پہلے تھے جمعہ سے محروم رکھا سو یہود کیلئے ہفتہ کا دن تھا اور عیسائیوں کے لئے اتوار کا پھر اللہ ہمیں لایا اور ہمیں جمعہ کے دن کیلئے رہنمائی فرمائی مفسرین نے آیت اور ان احادیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کیلئے جمعہ کا دن ہی عبادت کا دن قرار دیا تھا مگر انہوں نے خود ہفتہ اور اتوار کا دن اختیار کیا۔ اب آیت میں تو یہ ذکر قطعاً نہیں اور بخاری کی حدیث کا اگر یہ مطلب لیا بھی جائے جہاں دن کا نام بھی نہیں تو مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی یوم جمعہ سے ان لوگوں کو محروم رکھا اور ہفتہ اور اتوار کا دن ان کے لئے مقرر کیا۔ اور یہودیوں نے باہم تو کوئی اختلاف سبت کے بارہ میں نہیں کیا نہ عیسائیوں نے بلکہ ان کے سبت متفقہ طور پر ہفتہ اور اتوار ہی رہے اور اتنے بڑے تعامل قوموں میں اس قدر اختلاف کا ہونا بھی مشکل ہے۔ پھر یہود کے اندر نبی پر نبی آتے رہے اگر کسی وقت انہوں نے اس کو بدل دیا تھا تو اس کی اصلاح انبیاء

سبت میں اختلاف سے مراد

کر دیتے اور بخاری کی حدیث کا مطلب کچھ اور ہونا چاہئے۔ ممکن ہے یہی مراد ہو کہ اس امر یعنی نبی کریم صلعم پر پہلے ہم لوگ ایمان لائے بعد میں یہود و نصاریٰ لائیں گے۔ اور آیت کا مطلب سبت کے معنی عبادت کا دن لیکر یوں بھی ہو سکتے ہیں جُعِل و بال ترک تعظیم السبت۔ یعنی سبت کی تعظیم کو ترک کرنے کا وبال ان لوگوں پر آیا جنہوں نے سبت میں اختلاف کیا یعنی سبت کی تعظیم کو قایم نہ رکھا۔ اور یہ معنی بعض مفسرین نے کئے ہیں اور یا سبت کے اصل معنی قطع عمل لے کر یہ مراد ہو گی کہ جن لوگوں نے قرآن شریف کے متعلق اختلاف کیا یا اسے نہ مانا ان کے عمل قطع ہو گئے کیونکہ قرآن کریم اعمال صالحہ کی طرف توجہ دلاتا ہے اور بلحاظ سیاق یہ معنی سب سے زیادہ موزون ہیں +

دعوت الی الحق کی طرز

۱۴۹۹ چونکہ اس سورت میں وحی الٰہی کی صداقت کا مسئلہ ہر قسم کی دلائل سے قایم کیا ہے اس لئے اسکے خاتمہ پر وحی کی اصل غرض دعوت الی الحق کا ذکر کیا اور اس کا طریق بتایا حکمت مضبوط بات یا فہم ہے یا مضبوط دلیل اور وعظ تنبیہ کے لئے ہے۔ دعوت الی الحق میں یہی دو چیزیں ضروری ہیں۔ نہ دلائل محکمہ کے بغیر دعوت کا کام ہو سکتا ہے نہ وعظ کے بغیر۔ اس کے بعد جدال کا ذکر ہے یعنی بحث کا اس لئے کہ دعوت میں بحث کی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ پس اگر بحث کی ضرورت پیش آئے تو عمدہ طریق پر بحث کی جائے جس سے دلوں میں تنفر اور باطل پر اصرار پیدا نہ ہو بلکہ حق بات کے فہم میں مدد ملے +

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ ۱۲۶

اور اگر تم (انہیں) سزا دو تو اس کی مثل سزا دو جو تمہیں تکلیف دی گئی اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لئے

لِّلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ ۱۲۷

بہت اچھا ہے اور صبر کر اور تیرا صبر اللہ کی مدد سے ہی ہے اور ان پر افسوس نہ کر اور اسکی وجہ سے تنگی محسوس نہ کر جو وہ

مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ ۱۲۸

تدبیریں کرتے ہیں بیشک اللہ انکے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ جو احسان کرنیوالے ہیں ع۱۸۰۰

عقاب

ع۱۸۰۰ عقاب فعل بد کے پیچھے اس کی سزا لانا ہے اور مطلق سزا یا دکھ پہنچانے کے معنی میں بھی آتا ہے

دعوت الی الحق میں صبر کی ضرورت اور غلبہ کی پیشگوئی۔

پس مراد یہ ہے کہ تمہیں جو دکھ اور تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ ان کی سزا دینے کا موقعہ ملے تو اس سے زیادہ سزا نہ دو جس قدر تکلیف تمہیں پہنچائی گئی ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ تم صبر سے ہی کام لو اور بدلہ نہ لو۔ دعوت الی الحق میں اس کا ذکر اس لئے کیا کہ دعوت الی الحق کرنے والے لوگوں کو تکلیفیں بھی اٹھانی پڑتی ہیں اگر وہ دنیا کے لوگوں کی طرح غلبہ کے وقت انتقام لیں تو دل ان سے متنفر ہو جائیں اس لئے فرمایا کہ تمہارا کام یہی ہے کہ دکھ برداشت کرو اور کام کرتے جاؤ ہاں اگر کبھی ضرورت سزا دینے کی ہو تو اسی قدر سزا ہو جس قدر تکلیف تمہیں پہنچائی گئی تھی۔ سزا دینے کا ذکر کر کے صاف بتا دیا کہ تمہیں دنیا میں اس قدر غلبہ دیا جائے گا کہ تم اپنے مخالفین کو سزا دینے پر قادر ہوگے۔ اس آیت کا تعلق نہ سمجھنے کی وجہ سے اسے مدنی بھی کہدیا گیا ہے مگر اعتراض تو پھر بھی باقی رہے گا کہ اسے یہاں کیوں رکھا اور حق یہی ہے کہ یہ مکی ہے اگلی آیت میں پھر صبر کی تاکید کی ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہی اصل چیز ہے جس پر تعلیم قرآنی زور دیتی ہے دشمنوں کی ایذا پر صبر کے بغیر دعوت الی الحق کا کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا اور سب سے آخری آیت میں یہ عظیم الشان خوشخبری تسلی کے طور پر دی کہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سورۃ بنی اسرآءیل مکیۃ وھی مائۃ و احد عشر آیۃ و اثنا عشر رکوعا

نام

اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے اور اسرا بھی اس کا نام آیا ہے اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔
بنی اسرائیل کے ذکر سے ہی یہ سورت شروع ہوتی ہے اور انہی کے ذکر پر ختم ہوتی ہے اور اس کی پہلی ہی آیت میں یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ وہ
سب برکات جو بنی اسرائیل کو دی گئیں ان کا وارث بھی اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جاتا ہے اور سورت کے تیسرے اور چوتھے
رکوع میں پندرہ آیتوں میں توریت کی ساری تعلیم سے بڑھکر مکمل اور بلند تر اخلاق کی تعلیم اکٹھی کر دی گئی ہے اور سورت کے آخری
رکوع میں پھر شریعت موسوی کا ذکر کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاص طور پر بنی اسرائیل یعنی یہود کو خطاب ہے۔ اس
لحاظ سے اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے۔ اور اس کے نام اسرا میں اشارہ کمالات محمدیہ کی طرف ہے جن پر آپ کا معراج جسکا
ذکر سورت کی ابتدا اور پھر درمیان میں موجود ہے دلالت کرتا ہے ۰

خلاصہ مضمون

سورت کی ابتدا نبی کریم صلعم کے معراج سے کی ہے مگر معراج کا ذکر ایسے رنگ میں کیا ہے جس میں مسجد اقصیٰ کا ذکر لاکر بتا دیا ہے
کہ وہ برکات جو مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس سے تعلق رکھتی تھیں اور جنکے ساتھ بنی اسرائیل کو مخصوص کیا گیا تھا ان کا وارث اب نبی
کریم صلعم اور آپ کی اُمت کو کیا جاتا ہے اور معراج نبوی میں گویا عروج اسلام کا ذکر کرکے مضمون کا انتقال فوراً بنی اسرائیل کے دو مرتبہ
فساد عظیم کرنے اور ان پر دو مرتبہ سزا آنے کا ذکر پہلے رکوع میں کیا ہے۔ اور اس میں اگر ایک طرف بنی اسرائیل کو سمجھانا مقصود ہے تو
دوسری طرف مسلمانوں کو بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے اس لئے رکوع کے آخر میں قرآن کا ذکر کرکے بتایا کہ یہ پاک کتاب تمہیں نہایت ہی
مضبوط راہ پر چلاتی ہے۔ دوسرے رکوع میں بتایا کہ اعلیٰ اغراض زندگی کو چھوڑنے اور صرف دنیا پر گر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں
بھی قوموں پر بربادی اور تباہی آجاتی ہے اور اسی ضمن میں بتایا کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور یہ نتائج یہاں انسان
کی نظر سے مخفی رہتے ہیں اور قیامت میں یہ کھل کر سامنے آجاتے ہیں ہاں دنیا میں بھی جب کوئی قوم حد سے تجاوز کرتی ہے تو یہ نتائج
کھلا رنگ اختیار کرکے سامنے آجاتے ہیں تیسرے اور چوتھے رکوع میں اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی ہے اور یوں بتایا ہے کہ یہی اعلےٰ
اغراض زندگی ہیں جن کی طرف انسان کو متوجہ ہونا چاہئے اور اسی تعلیم میں توریت کی بھی ساری تعلیم آگئی ہے۔ اور نہایت عجیب
تقسیم کرکے تیسرے رکوع میں دوسروں سے نیکی کی تعلیم ہے اور چوتھے میں دوسروں سے بدی کرنے سے روکا ہے۔ پانچویں رکوع میں
توحید کے مضمون کی طرف رجوع کرکے جس سے اخلاق فاضلہ کا مضمون شروع کیا تھا ایمان بالآخرۃ کی طرف توجہ دلائی ہے کیونکہ
بغیر اس کے اخلاق فاضلہ حاصل نہیں ہو سکتے کہ اعمال کی جزا و سزا پر پورا پورا یقین ہو۔ چھٹے رکوع میں اسی قانون جزا و سزا کے
ذکر کو جاری رکھتے ہوئے عذاب الٰہی کے آنے کا قانون بیان کیا اور ساتویں میں مخالفین نبی کریم صلعم پر عذاب کا ذکر کیا
آٹھویں میں ان کوششوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلعم کے خلاف کی جاتی تھیں دکھوں اور تکلیفوں کے بعد آپ کو بادشاہت
اور دولت کا لالچ دینا اور بالآخر آپ کے قتل کا منصوبہ اور نویں میں حق کی کامیابی کی عظیم الشان بشارت دی۔ اور بتایا کہ باطل
یعنی بت پرستی اس ملک عرب سے ایسی دور ہوگی کہ پھر دوبارہ نہ آئے گی اور ضمناً سمجھا دیا کہ دنیا میں روز بروز توحید کا غلبہ ہوتا
چلا جائیگا دسویں میں قرآن کریم کے اعجاز عظیم کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ ظاہر پرست مخالفین ظاہری کامیابی اور مال و دولت
کو ہی معیار صداقت ٹھہرانے میں غلطی پر ہیں گیارھویں میں انکار رسول اور اس کی سزا کا ذکر کرکے بارھویں میں پھر شریعت
موسوی اور اس کی صداقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شریعت محمدیہ اور اس کی حقانیت کا ذکر کیا اور آخر میں سلسلہ
بنی اسرائیل کے آخری نبی یعنی مسیح کے متعلق جو غلط فہمی عقیدہ ابنیت مسیح سے پیدا ہوئی۔ اس کی طرف توجہ دلاکر مضمون کا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

وہ ذات پاک ہی جو ایک رات اپنے بندے کو پاک مسجد سے

ع ۱

انتقال عیسائیت کی طرف کیا جس کا ذکر اگلی سورت میں ہی ✦

تعلق خلاصہ مضمون سے ظاہر ہی کہ اس سورت کا مضمون پچھلی سورتوں سے الگ رنگ کا ہی کیونکہ یہاں بالخصوص خطاب بنی اسرائیل کو ہی لیکن بایں ہمہ پچھلی سورت کے ساتھ اس کا تعلق نہایت واضح ہی۔ اول تو اس طرح پر کہ پچھلی سورت کا خاتمہ اس بات پر کیا تھا کہ مسلمان ایک بڑی قوم بننگے تو اس سورت کی ابتدا نبی کریم صلعم کے معراج سے کرکے اسی عروج اسلام کی طرف توجہ دلائی۔ اور دوسرے اس طرح پر کہ سورت نحل کے آخر پر فرمایا تھا کہ اہل کتاب کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ حق کی طرف بلاؤ تو اب یہاں اہل کتاب کے پہلے گروہ یعنی یہود کو خطاب کیا ہی اور بتایا ہی کہ کس طرح ان کا دنیا پر جھک جانا ان کی تباہی کا موجب ہوا اس لئے اب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور حق کو قبول کریں اور اسی طرح سورۂ کہف میں عیسائیوں کو خطاب کیا ہی ✦

زمانۂ نزول اس سورت کے زمانۂ نزول کے متعلق حضرت ابن مسعود سے صحیح روایت ہی کہ پہلے زمانہ کی نازل شدہ ہی چنانچہ بنی اسرائیل ۔ الکہف ۔ مریم ۔ طٰہٰ ۔ الانبیاء کے متعلق آپ نے فرمایا اِنَّھُنَّ مِنَ الۡعِتَاقِ الۡاُوَلِ وَھُنَّ مِنۡ تِلَادِیۡ یعنی یہ وہ سورتیں ہیں جو ابتدا میں مکہ میں نازل ہوئیں اور یہ ان میں سے ہیں جو انہوں نے پہلے پہلے قرآن کریم سے سیکھا پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ابتدائی زمانہ مکہ کی سورتیں ہیں اور اس کی تائید دو اور باتوں سے ہوتی ہی۔ اول یہ کہ اس سورت میں یقیناً معراج کا ذکر ہی اور سورت النجم میں بھی یہ ذکر ہے اور سورت النجم بالاتفاق ابتدائی زمانہ کی ہی اس لئے یہ سورت جس میں معراج کا ذکر ہی اسی زمانہ کی ہونی چاہئے اور دوسرے یہ کہ سورت مریم جسے اس سورت کے ساتھ حضرت ابن مسعود نے ایک ہی زمانہ کی قرار دیا ہی وہ حصہ قرآن کریم کا ہی جسے حبش کی پہلی ہجرت کے وقت حضرت جعفر طیار نے نجاشی کے سامنے پڑھا اور وہ پانچواں سال ہجرت کا تھا اور ایسا ہی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت سورت طٰہٰ نازل شدہ تھی اور اسی سے حضرت عمر پر بھی اثر ہوا تھا۔ پس اگر ہم مکی زمانہ کی تقسیم یوں کریں کہ ابتدائی زمانہ پہلے سے پانچویں سال بعثت تک اور درمیانی زمانہ چھٹے سے دسویں سال بعثت تک اور آخری زمانہ ہجرت تک قرار دیں تو یہ بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سورت کے نزول کی ابتدا ابتدائی مکی زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض آیات کا نزول پیچھے ہوا ہو اور یہ جو بعض لوگوں نے دو یا چار یا پانچ یا آٹھ آیتوں کو مدنی کہا ہے تو یہ درست نہیں۔ مثلاً آیت وان کادوا لیفتنونك (۷۳) وان کادوا لیستفزونك (۷۶) قریباً قریباً چھٹے سال بعثت کے واقعات میں سے ہیں اور انہیں مدنی کہنا غلطی ہی اور آیت وقل رب ادخلنی مدخل صدق بطور پیشگوئی کے ہی یا ممکن ہی ہجرت کے بالکل قریب کی ہو۔ لیکن مدنی یہ نہیں ✦

إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

دور کی مسجد کی طرف لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکت دی ہے تا کہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے [1801]

المسجد الاقصی

۱۸۰۱ المسجد الاقصا۔ اَقصٰی قَصِی بمعنی بُعد یعنی دوری سے ہے دیکھو ۲۳۳ ۱۱ اور المسجد الاقصی کے لفظی معنی ہوئے دور کی مسجد۔ اور مسجد اقصی بیت المقدس کو کہا ہے بوجہ اس فاصلہ کے جو نبی کریم صلعم کی جائے قیام یعنی حجاز اور بیت المقدس میں تھا (غ)، اور بعض نے بُعد سے پلیدیوں اور ناپاکیوں سے دور رہنا مراد لیا ہے (ل) اور ہر دو معنی کے لحاظ سے مسجد نبوی کو جو مدینہ میں ہے مسجد اقصی کہا جا سکتا ہے مگر احادیث میں مسجد اقصی کا لفظ بیت المقدس پر ہی بولا گیا ہے ۔

بارک ۔ برکۃ

بارکنا۔ بارک کے معنی اسے برکت دی اور برکۃ کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی کا رکھا جانا ہے کیونکہ برکۃ حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی ٹھہرتا ہے گویا اس چیز میں آسمانی خیر اسی طرح ٹھہر گئی جس طرح پانی حوض میں ٹھہر جاتا ہے (غ)، اور یہاں بارکنا سے مراد دینی اور دنیوی بھلائیوں کا جمع کر دینا ہے۔ کیونکہ وہ سرزمین بوجہ اپنی انہار و اشجار کے دنیوی طور پر بھی بھلائیوں کی جگہ ہے جس طرح بوجہ انبیاء کا مقام ہونے کے دینی طور پر بھلائیوں کی جگہ ہے ۔

حول

حول۔ اصل معنی کسی چیز کا تغیر ہیں دیکھو ۲۲۳ اور سال کو کہتے ہیں اسلئے کہ اس میں ایک دورہ بلحاظ نظام شمسی پورا ہوتا ہے حولین کاملین (البقرۃ ۲۳۳) اور کسی چیز کے ارد گرد کو بھی حول کہا جاتا ہے گویا یہ اس کی وہ جانب ہے جس کی طرف اسے پھیرا جا سکتا ہے (غ)، اور یہاں یہی مراد ہے ۔

آیت اسراء اور احادیث معراج

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلعم کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی کو لے جانے کا ذکر ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس سے مراد معراج لیا ہے۔ کیونکہ حدیث معراج میں نبی کریم صلعم کو پہلے بیت المقدس میں لے جانے کا ذکر ہے۔ احادیث اس بارہ میں بہت ہیں۔ اور ان میں سے صحیح بھی ہیں حسن بھی اور ضعیف بھی۔ اور ان میں بہت سے اختلافات بھی ہیں یہانتک کہ انہی اختلافات کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ معراج کئی بار ہوا ہے ایک بار نہیں۔ مگر کثیر صحابہ سے اس روایت کا پایا جانا اور سب میں ایک ہی معراج کا ذکر پایا جانا صاف بتاتا ہے کہ واقعہ تو صحیح ہے اور ہے بھی ایک لیکن بوجہ نوعیت قصہ کے

معراج کے متعلق اُمت میں دو گروہ

اس میں راویوں سے بہت اختلاف ہو گیا ہے۔ خلاصہ احادیث معراج کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیت المقدس میں تشریف لے گئے اور پھر سب آسمانوں کی سیر آپ کو کرائی گئی۔ یہانتک کہ آپ ان تمام مقامات سے اوپر نکل گئے جہانتک دوسرے انبیاء علیہم السلام پہنچے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں کا فرض ہونا بھی واقعہ معراج سے ہی متعلق ہے۔ اس بارہ میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسد عنصری کے ساتھ تھا یا نہیں۔ اور اس بارہ میں اُمت میں دو گروہ ہوئے ہیں کثیر گروہ اسے جسم عنصری کے ساتھ مانتا ہے اور قلیل گروہ جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور معاویہ اور حسن ہیں اسے رویا مانتا ہے۔ ابن کثیر نے اس پر بحث کرتے ہوئے ابن اسحاق کے الفاظ نقل کئے ہیں واللہ اعلم ای ذالک کان قد جاءہ وعاین من اللہ فیہ ما عاین علی ای حالاتہ کان نائما او یقظانا کل ذلک حق وصدق یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ معراج جسم عنصری سے تھا یا بغیر اس کے مگر آپ اللہ تعالیٰ کے حضور گئے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دیکھنا تھا دیکھا خواہ کسی حالت میں ہوں یعنی سوتے یا جاگتے یہ سب حق و صدق ہے اور یہی بات اقرب الی الصواب ہے مگر آج اس بات پر تعجب ہے کہ صرف اس بات کے کہنے کی وجہ سے کہ معراج روحانی تھا تکفیر تک نوبت پہنچائی جاتی ہے ۔

معراج کے جسد عنصری کے ساتھ ہونے کے دلائل

جن لوگوں نے معراج کو جسمانی مانا ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں اول یہ کہ اسے ایک عظیم الشان واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے یہانتک کہ اس کی ابتدا سبحان الذی سے ہوتی ہے دوم یہ کہ اگر جسمانی نہ ہوتا تو کفار قریش تکذیب کیوں کرتے۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ ۲

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی

سوم یہ کہ بعض مسلمان اس بات کو سن کر مرتد بھی ہو گئے تھے چہارم یہ کہ لفظ عبد مجموعہ جسم و روح سے عبارت ہے +

ان میں سے پہلی بات تو چنداں قابل توجہ نہیں معراج روحانی بھی ہو تو اس کی عظمت کم نہیں ہو جاتی عظمت تو اس لحاظ سے ہے کہ آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء سے بلند تر مقام پر پہنچایا گیا دوسری بات کہ کفار تکذیب نہ کرتے یہ بھی کوئی مضبوط دلیل نہیں اس لئے کہ کفار تو آنحضرت صلعم پر وحی آنے کی بھی تکذیب کرتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر کا جواب بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب آپ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا انی اصدقہ علی ابعد من ذلک اصدقہ علی خبر السماء غدوۃ او روحۃ میں تو اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس بات پر آپکی تصدیق کرتا ہوں میں تو آپکو اس میں بھی سچا مانتا ہوں کہ صبح شام آپ پر آسمان کی خبر آتی ہے تیسری بات کہ بعض مسلمان مرتد ہو گئے تھے صحیح معلوم نہیں ہوتی کوئی خاص نام کسی حدیث میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ معراج کے واقعہ پر وہ مرتد ہو گیا ہو صرف یہی عام الفاظ بعض روایات میں ہیں کہ بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے مگر ابوسفیان والی حدیث اسکی تردید کرتی ہے جہاں قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہ کوئی مسلمان مرتد ہوتا ہے ابوسفیان نے یہ جواب دیا حالانکہ وہ اس وقت مسلمان بھی نہ تھا کہ دین سے ناراض ہو کر کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ اور چوتھی بات بہت ہی کمزور ہے کیونکہ رویا میں جو کچھ انسان دیکھتا ہے وہ گو اس جسد عنصری سے نہ ہو مگر روح کو ایک اور جسم مل جاتا ہے اور حالت کشفی میں بھی جو رویا سے زیادہ صفائی کی حالت ہے۔ ایک اور نورانی جسم عطا ہوتا ہے جسکے ساتھ انسان کسی دوسرے عالم کی اشیاء کو دیکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم کہتے ہیں انی اری فی المنام یہ دیکھنے والا بھی تو روح مع الجسد ہی ہے مگر وہ جسم جو رویا اور کشف میں ملتا ہے یہ جسم عنصری نہیں ہوتا یہ جہاں ہو وہیں رہتا ہے اور انسان کہیں کا کہیں ہوتا ہے لوگ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے رویا کو بھی اپنے خوابوں کی طرح سمجھتے ہیں اس لئے خیال کرتے ہیں کہ رویا کے نیچے حقیقت ہی کیا ہے +

معراج کے جسد عنصری کے ساتھ ہونیکے دلائل

غور کیا جائے تو خود قرآن شریف سے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مذہب وہی ہے جس کی طرف قلت گئی ہے یعنی یہ کہ معراج نبوی اس جسد عنصری سے نہیں بلکہ دوسرے نورانی جسم کے ساتھ تھا جو اللہ تعالیٰ حالت کشف میں اپنے برگزیدوں کو عالم روحانی کی سیر کے لئے عطا فرماتا ہے قرآن کریم میں پہلی دلیل تو خود یہ موجود ہے کہ اسی سورت میں معراج کا ذکر کرکے فرمایا وما جعلنا الرؤیا التی اریناک (۶۰) جہاں صاف الفاظ میں اسے رویا کہا ہے اور رویا کا لفظ عالم خواب سے مخصوص ہے جس میں جسد عنصری حرکت نہیں کرتا۔ والرؤیا ما یُری فی المنام (غ) رؤیا وہ ہے جو خواب میں دیکھا جاتا ہے دوم جب کفار نے جسد عنصری کے ساتھ اوپر جانے کا مطالبہ کیا او ترقی فی السماء (۹۳) تو اس کا جواب دیا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا گویا یہ تقاضائے بشریت کے خلاف ہے کہ انسان اس جسد عنصری کے ساتھ اس زمین کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر چلا جائے جیسا کہ دوسری جگہ ہے الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا (المرسلٰت ۲۵ و ۲۶) سوم حدیث بخاری میں صاف یہ لفظ ہیں۔ فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ یعنی اس حالت میں معراج ہوا جب آپکا قلب دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی مگر دل نہیں سوتا تھا۔ اور اسی حدیث کے آخر میں یہ لفظ ہیں واستیقظ وھو فی المسجد الحرام پھر آپ جاگ اٹھے اور آپ مسجد حرام میں تھے جس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ سب کچھ آپ پر حالت خواب میں وارد ہوا۔ اور دوسری روایت میں جو وہ بھی بخاری کی ہے معراج کی حالت کو بین النائم والیقظان یعنی سونے اور جاگنے کے درمیان یا حالت مکاشفہ قرار دیا ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے چہارم جو کچھ آنحضرت صلعم نے معراج میں دیکھا اس کا اسی زمین پر حالت کشف یا رویا میں دیکھنا ثابت

رؤیا

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور اسے بنی اسرائیل کیلئے ہدایت ٹھہرایا

ہو اول بیت المقدس۔ حدیث میں ہو کہ جب کفار نے آپ کی بات کو نہ مانا اور بیت المقدس کے حالات دریافت کئے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپکے سامنے کر دیا یعنی کشفی حالت میں اور آپنے انکو سب کچھ بتا دیا قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن اٰیاتہ وانا انظر الیہ میں حجر میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے کر دیا تو میں انہیں اس کی نشانیوں سے خبر دینے لگا درانحالیکہ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دوسرا جنت و نار۔ حدیث کسوف میں ہو کہ آپنے فرمایا کہ مجھے اس جگہ سب کچھ دکھا دیا گیا یہانتک کہ بہشت اور دوزخ بھی اور یہ اس وقت کا ذکر ہو جب آپ نماز کسوف پڑھا رہے تھے۔ چنانچہ بخاری ابواب الکسوف میں حدیث اسماء بنت ابی بکر میں یہ لفظ ہیں قال ما من شیٔ کنتُ لم اَرَہ الا وقد رئیتہٗ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار یعنی کوئی چیز نہیں جسے میں نے نہیں دیکھا تھا مگر وہ مجھے اس مقام پر یعنی نماز پڑھتے پڑھتے دکھا دی گئی یہانتک کہ بہشت اور دوزخ بھی دکھا دیئے گئے تیسرا اللہ تعالیٰ جس طرح معراج میں دنا فتدلی کا نظارہ ہوا اسی طرح احمد اور ترمذی کی روایت میں ہو جسے حدیث صیح کہا گیا ہو جو معاذ سے روایت ہو کہ آپنے فرمایا میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اور یہ اسی زمین کا ذکر ہو انی قمت من اللیل فصلیت .... فاذا انا بربی فی احسن صورۃ .... فرایت وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت بردانا ملہ بین صدادی یعنی میں رات کے وقت اُٹھا اور نماز پڑھی .... تب ناگہاں میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا ... تب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا۔ یہانتک کہ میں نے اس کی اُنگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی تو جب اللہ تعالیٰ کو جنت و نار کو بیت المقدس کو مکہ یا مدینہ میں دیکھ لیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ نظارے اسی زمین پر دکھا دیا کرتا ہو اور ان کیلئے نقل مکانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہو کہ وہ ایک انسان کو اُٹھا کر لیجائے یہانتک کہ جنت دکھا دے اور یہ بھی کہ جنت کو اُٹھا کر لائے یہانتک کہ ایک انسان کو دکھا دے دونوں صورتوں میں قدرت میں کوئی فرق نہیں۔ اور نہ اس سے قدرت میں کچھ فرق آتا ہو کہ ایک چیز اپنی جگہ پر بھی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا تمثل دوسری جگہ بھی دکھا دے

معراج کی غرض

یہاں معراج کی ایک غرض بھی بتائی ہو لنریہ من اٰیاتنا یعنی آنحضرت صلعم کا معراج اس غرض کے لئے تھا کہ آپ کو کچھ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھائی جائیں گویا جو باتیں آپکو معراج میں دکھائی گئیں وہ کسی دوسری حقیقت کیلئے بطور نشان بھی تھیں اور در حقیقت معراج میں آنحضرت صلعم کے کمالات غیر متناہی کا نقشہ کھینچا ہو اور یہ بتایا ہو کہ آپ اس بلند ترین مقام پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں کوئی دوسرا انسان یا فرشتہ نہیں پہنچا اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ اس اسرا میں اشارہ نبی کریم صلعم کی ہجرت کی طرف ہو خواہ اقصیٰ

اسرا میں اشارہ

سے مراد مدینہ کو لے لیا جائے اور اس مسجد کو جو اس میں بننے والی تھی جہاں سے برکات اسلام دنیا میں پھیلنی تھیں اور خواہ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہو مگر الٰی غایت کیلئے نہ ہو اور حدیث معراج کی بعض روایتوں میں یہ آتا ہو کہ آپنے پہلی منزل پر نماز مدینہ میں پڑھی۔ اور دوسری منزل پر بیت المقدس میں ❊

واقعہ اسرا میں یعنی آنحضرت صلعم کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لیجائے جانے میں یہ اشارہ ہو کہ بیت المقدس جو انبیائے بنی اسرائیل کا مقام تھا آنحضرت صلعم کے متبعین کو دے دیا جائیگا کیونکہ یہود یا عیسائیوں میں وہ لوگ نہ رہے تھے جو اس پاک سرزمین کے وارث قرار دیئے جاتے اور بموجب وعدۂ خداوندی بھی ضروری تھا کہ ابراہیم کی اولاد کی دوسری شاخ اب اس پاک سرزمین کی مالک ہوتی پس اصل اشارہ اس طرف ہو کہ انبیائے بنی اسرائیل کی برکات کا وارث بھی اب حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو کیا جاتا ہو۔ اور یہی وجہ ہو کہ معراج میں کل انبیاء کا آپکے اقتدا میں بیت المقدس میں

أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا ۳

کہ میرے سوائے کسی کو کارساز نہ سمجھو ۔ ۱۸۰۲ (تم) انکی نسل (ہو) جنہیں ہم نے نوح کیساتھ سوار کیا یقیناً وہ شکرگزار

شَكُورًا ۝ وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ ۴

بندہ تھا ۱۸۰۳ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یقینی خبر دیدی تھی کہ ضرور تم ملک میں فساد کرو گے

مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا ۵

دو بارہ (ایسا ہوگا) اور بڑی سرکشی اختیار کرو گے ۱۸۰۴ سو جب دونوں میں سے پہلی (بار) کا وعدہ آپہنچا

نماز پڑھنا دکھایا گیا اور قرآن شریف میں معراج کا ذکر صرف اسی قدر ہے جو یہاں ہوا یعنی بیت المقدس کو لیجانے کا ذکر آسمانوں پر لیجانے کا ذکر نہیں جس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں بیت المقدس کے آنحضرت صلعم کو دیا جانے اور انبیائے سابق کی تمام برکات کا وارث کیا جانے کی طرف ہی خاص اشارہ ہے اور اسی کی تائید آیت کے آخری الفاظ سے ہوتی ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات سمع و بصر کا خاص ذکر کیا گیا ہے گویا بتایا ہے کہ وہ خدا جو مخلوق کی باتوں کو سنتا اور ان کے اعمال کو دیکھتا ہے اسی کا یہ کام ہے کہ اب ان تمام برکات کا وارث ایک دوسری قوم کو بناتا ہے اور اسی کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آگے ذکر حضرت موسےٰ کا اور اس کے بعد بنی اسرائیل کے فساد فی الارض کا ہے اور ھو السمیع البصیر میں بعض نے ضمیر آنحضرت صلعم کی طرف لی ہے مگر اس صورت میں مراد صرف اس قدر ہوگی کہ آپ سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے والے اور سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہیں مگر چونکہ السمیع اور البصیر اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں اسلئے ھو کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لینی چاہئے +

معراج کب ہوا ۔ عام خیال یہ ہے کہ معراج دسویں یا گیارھویں سال بعثت کا واقعہ ہے مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے اس سورت کے زمانہ نزول کی بحث میں میں نے دکھایا ہے کہ یہ چوتھے یا پانچویں سال کی سورت ہے اور حضرت ابن مسعود کی شہادت اس پر صحیح ہے اور اس میں معراج کا ذکر آنا خود بتاتا ہے کہ معراج اس سے پہلے کا ہے اور اس سے بھی بڑھکر یہ شہادت موجود ہے کہ سورت النجم میں بھی معراج کا ذکر ہے اور وہ اس سے بھی پہلے کی ہے +

تعلیم توحید کی غرض ۔ **۱۸۰۲** اس سورت میں یہود کی حالت کی طرف بالخصوص توجہ دلائی ہے اور یہ سب سے پہلے اور آخری رکوع کے مضمون سے صاف ظاہر ہے جس طرح اس سے اگلی سورت میں عیسائیت کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور پہلی آیت میں اسرا کے ذکر میں بھی اسی طرف اشارہ تھا جیسا کہ اوپر کے نوٹ سے ظاہر ہے پس سب سے پہلے بتایا کہ انکی ہدایت کیلئے توریت کو ہم نے بھیجا تھا اور اسکی تعلیم کا اصل الاصول یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کسی پر بھروسہ مت کرو۔

وکیل ۔ وکیل بمعنی موکول الیہ ہے یعنی جس کے سپرد کام کئے جائیں۔ میرے سوائے کسی کو وکیل نہ بناؤ گویا عملی رنگ میں توحید ہے اور زبان سے اقرار فائدہ نہیں دیتا جبتک عمل میں یہ رنگ پیدا نہ ہو کہ ایک خدا کے سوائے اور کسی پر انسان کا بھروسہ نہ ہو +

۱۸۰۳ ذریۃ پر نصب اختصاص کی وجہ سے ہے یا ندا ہے بنی اسرائیل حضرت نوح کی اولاد میں سے تھے اور انہیں یہ واقعہ یاد دلایا ہے کہ جب بندے شکرگزاری اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ خود ان کے لئے مصائب سے بچنے کے سامان پیدا کر دیتا ہے +

بنی اسرائیل کا دو دفعہ فساد کرنا اور دو بار ان پر تباہی آنا ۔ **۱۸۰۴** قضینا کے معنی پر دیکھو ۱۶۹ دو مرتبہ بنی اسرائیل کے فساد کرنے کی خبر دی ہے مفسرین میں اختلاف ہے کہ کون کون سے وقت ہیں مگر قرآن کریم نے خود تصریح فرما دی ہے لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسی بن مریم (المائدۃ ۸۰)

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا

ہم نے تم پر اپنے سخت طاقت والے بندے اٹھا کھڑے کئے پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے اور وعدہ پورا ہوکر

۶ مَّفْعُولًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿۶﴾

رہنا تھا ۱۸۰۵ پھر ہم نے لوٹا کر تمہیں ان پر غلبہ دیا اور بہت مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑے جتھے والے بنا دیا ۱۸۰۶

پس یہ وہ خبریں وہ ہیں جو ایک دفعہ حضرت داؤد کی زبان سے دی گئی اور دوسری دفعہ حضرت عیسیٰ کی زبان سے گو یروشلم پر دو زیادہ بھی کئی حملے ہوئے اور کم وبیش بربادی وہاں ہوئی مگر یہ تباہی کمال کو دو ہی دفعہ پہنچی ہے اور یہی قوم یہود کی تباہی تھی جیسا کہ لیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ میں صاف بتا دیا۔ پہلی مرتبہ حضرت داؤد سے کوئی چار سو سال بعد یعنی حضرت مسیح سے چھ سو سال پیشتر بابلیوں نے بخت النصر کے ماتحت یروشلم کو فتح کرکے آخر کار ہیکل کو جلا دیا۔ اور دوسری دفعہ حضرت مسیح سے ستر سال بعد طیطوس رومی نے اسے برباد کیا۔ انہی دونوں تباہیوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور انہیں بنی اسرائیل کے فساد اور سرکشی کا ہی نتیجہ بتایا ہے حضرت داؤد اور عیسیٰ کو خاص اس لئے لیا گیا کہ حضرت داؤد کے ذریعہ سے بنی اسرائیل پر جسمانی نعمتیں کمال کو پہنچیں اور حضرت عیسیٰ کے ذریعہ سے روحانی اور دونوں مرتبہ بنی اسرائیل نے سخت ناشکری اور سرکشی اختیار کی اس لئے سخت مواخذہ کے نیچے آئے حضرت عیسیٰ کے الفاظ نقل کرنے کے قابل ہیں "پھر جب تم یروشلم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے ..... ملک میں بڑی مصیبت اور اس قوم پر غضب ہوگا اور وہ تلوار کا لقمہ ہو جائینگے اور اسیر ہوکر سب قوموں میں پہنچائے جائینگے اور جبتک غیر قوموں کی میعاد پوری نہ ہو یروشلیم غیر قوموں سے پامال ہوتی رہے گی" (لوقا ۲۱: ۲۰-۲۴) اور متی ۲۳: ۳۸ اور ۲:۲۴ میں ہیکل کی تباہی کی پیشگوئی صاف الفاظ میں ہے +

جوس ۱۸۰۵ جاسوا۔ مصدر جوس ہے جس کے معنی تردد یعنی بار بار آنا جانا ہیں اور کسی چیز کا پورے طور پر طلب کرنا بھی اسکے معنی ہیں (ل) یعنی وہ لوگ شہروں کے اندر تمہاری تلاش کیلئے گھس گئے تا کہ کوئی باقی نہ رہ جائے +

دار۔ دَوْر الدیار۔ دار کی جمع ہے جس کے معنی منزل یعنی رہنے کی جگہ بھی ہیں اور شہر پر بھی بولا جاتا ہے اور اسکا اصل دَوْر ہے جس کے معنی گھیر لینا ہیں کیونکہ گھر کا بھی دیوار احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے (غ) +

بابلیوں کی بعثت سے مراد اللہ تعالیٰ کا بابلیوں کو جنہوں نے بنی اسرائیل کو تباہ کیا عباداً لنا کہنا اور ایسا ہی ان کیلئے بعثنا کا لفظ استعمال کرنا دیکھو ۱۳۱۵ صرف اس لحاظ سے ہے کہ اسی نے ان کو انکی تباہی پر مسلط کیا اور یہ تباہی ان کیلئے سزا کے طور پر تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بابلیوں کو کھڑا کر دیا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی تھی یا وہ اللہ تعالیٰ کے راستباز بندے تھے +

کرّۃ ۱۸۰۶ الکرۃ۔ کرّ کے اصل معنی ہیں کسی چیز پر پھر کر آنا بالذات ہو یا بالفعل (غ) اسی سے تکرار اور مکرر ہیں فلوان لنا کرۃ فنکون من المؤمنین (الشعراء ۲۶- ۱۰۲) میں کرۃ سے مراد ہے دنیا میں دوبارہ آنا۔ اور یہاں کرّۃ سے مراد غلبہ ہے کیونکہ ان کی باری ان کے دشمنوں پر ان کا غالب آنا تھا +

خورس یہ کرّۃ یا غلبہ جس کا یہاں ذکر ہے خورس شاہ ایران کے ذریعہ سے وقوع میں آیا جس نے دوبارہ یہودیوں کو یروشلم میں آباد ہونے اور ہیکل کے بنانے کی اجازت دی اور یہ ۵۳۶ قبل مسیح میں ہوا۔ نفیر کے معنی جتھا ہیں دیکھو ۱۲۹۱ +

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ ۷

اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی ہی جانوں کیلئے نیکی کرو گے اور اگر تم برائی کرو گے تو انہی کیلئے پھر جب پچھلی بار کا وعدہ آیا (اور بندے)

لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا

اُٹھا کھڑے کئے) تاکہ وہ تمہارا برا حال کریں[1807] اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلی بار داخل ہوئے اور تاکہ جس چیز پر وہ غالب (آئیں)

تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ ۸

وقف لازم

اسکو پوری بربادی سے برباد کریں[1807] قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (کام) کرو گے ہم پھر وہی (سزا) دینگے اور ہم نے دوزخ کو

لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ۹

کافروں کیلئے قیدخانہ بنایا ہے[1808] یقیناً یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو زیادہ مضبوط ہے

۱۸۰۷ لیسوءوا وجوھکم۔ وجہ کیلئے دیکھو ۱۴۲۲ یہاں منہ بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ مصیبت اور غم کے آثار چہرہ پر ظاہر ہوتے ہیں اور ذات بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ سوء سے یہاں مراد قتل و غارت اور قید کر لینا ہے اور یہ چیزیں انسان کی ذات پر وارد ہوتی ہیں۔ اور لیسوءوا محذوف سے متعلق ہے اور وہ محذوف وہی ہے جس کا ذکر آیت ۵ میں ایسے ہی موقعہ پر ہے یعنی بعثنا علیکم عبادًا لنا ✤

اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ کا عام قانون بیان کیا کہ جو قوم نیکی کی طرف قدم اٹھاتی ہے اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل کی دوسری تباہی کا ذکر کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بار دوم پھر ان کی بدعملی ہی ان پر وہ سزا لائی جس کا ذکر یہاں ہے۔ اور یہاں ہیکل کی تباہی کا ذکر صاف الفاظ میں کرکے اور کما دخلوہ اول مرۃ بڑھا کر بتا دیا کہ دونوں مرتبہ ہیکل یعنی بیت المقدس کو تباہ کیا گیا ✤

مسلمانوں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا دوہرایا جانا

بنی اسرائیل کے ذکر میں اگر ایک طرف مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ایسی ناشکری سے بچیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تاریخ بھی اس میں آجاتی ہے اور حدیث صحیح لتتبعن سنن من قبلکم نے اسی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو حالات بنی اسرائیل پر گزرے وہ تم پر بھی گزرینگے۔ چنانچہ اسی کے مطابق دو دفعہ مسلمانوں پر بھی تباہی آئی ہاں چونکہ مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص شرف عطا فرمایا ہے اور اس کے لئے یہ وعدہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ سے کبھی برباد نہ ہوگا اس لئے اس تباہی سے خانہ کعبہ کو نقصان نہیں پہنچا لیکن خلافت اسلامی دونوں مرتبہ تباہ کی گئی یعنی بار اول جب بغداد خلافت عباسیہ کے ساتھ تباہ ہوا اور دوسری مرتبہ اب جب یورپ نے سلطنت ٹرکی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے خلافت اسلامیہ کو تباہ کیا۔ مگر جیسے پہلی مرتبہ خلافت کی تباہی شوکت اسلامی میں تبدیل ہوئی ایسا ہی پھر ہوگا ✤

حصیر

۱۸۰۸ حصیرا۔ حَصْر کے معنی روک لینا ہیں پس حصیر سے مراد روک لینے والا یا قیدخانہ ہے اور اس کے معنی بچھون اور فراش دونوں مروی ہیں (ج) ✤

دونوں عذابوں کا ذکر کرکے پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ذکر میں بعثت رحمۃ للعالمین کا ذکر ہے یعنی اب بھی اگر یہ قوم آنحضرت صلعم کو قبول کرے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرکے انہیں ذلت اور محکومیت کی حالت سے نکال دے گا۔ اور عدتم سے مراد ان کا فساد کی طرف لوٹنا ہے اور عدنا سے اللہ تعالیٰ کا پھر سزا دینا ✤

۱۰ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۙ وَأَنَّ الَّذِينَ

اور ان مومنوں کو خوشخبری دیتا ہے جو اچھے کام کرتے ہیں کہ ان کیلئے بڑا اجر ہے^۱۸۰۹ اور کہ جو لوگ

۱۱ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۞ وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ

آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کیلئے دردناک دکھ تیار کر رکھا ہے اور انسان بھلائی کو بلانے کی جگہ برائی کو

۱۲ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا ۞ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ

بلاتا ہے۔ اور انسان جلد باز ہے ^۱۸۱۰ اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے

رکوع ۲ — اعلیٰ اغراض زندگی کو چھوڑنے کا نتیجہ عذاب ہے

توریت کے مقابل قرآن کریم کے امتیازات

۱۸۰۹ آیت ۲ میں حضرت موسیٰ کی کتاب کا ذکر کیا تھا کہ اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔ اس آیت میں اس کے مقابل قرآن شریف کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں ایک تو یہدی کا مفعول کسی خاص قوم کو نہیں بنایا جیسے وہاں ھدی لبنی اسرائیل تھا پس یہدی سے مراد ہے کل لوگوں کو راہ دکھاتا ہے اور دوسرے اس راہ کو اقوم کہا ہے یعنی بمقابلہ اس پہلی راہ کے زیادہ مضبوط ہے۔ توریت کی تعلیم بھی مضبوط تھی مگر وہ وقتی تھی اور ایک قوم کے لئے تھی قرآن شریف کی تعلیم ہمیشہ کیلئے ہے اور تمام قوموں کے لئے ہے اور تمام قوائے انسانی کی تکمیل کرتی ہے اس لئے یہ اس سے زیادہ مضبوط ہے اور بہت زیادہ عرصہ تک قائم رہنے والی ہے اور بنی اسرائیل کی دو مصائب کے ذکر کے بعد تعلیم قرآنی کو اقوم کہنے میں یہ بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ گو جس طرح بنی اسرائیل پر مصائب آئیں مسلمانوں پر بھی آئینگی۔ مگر یہ تعلیم چونکہ زیادہ مضبوط ہے اور تاقیامت باقی رہے گی اس لئے مسلمان اس حالت کو نہ پہنچینگے جس حالت کو بنی اسرائیل پہنچے اور عظیم الشان مصیبت کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائیگا ❊

عَجَلَة

۱۸۱۰ العجل۔ عَجَلَة کسی چیز کا اس کے وقت سے پہلے طلب کرنا اور قصد کرنا ہے اور چونکہ یہ اقتضائے شہوت سے ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم کی عام اصطلاح میں اس کا استعمال محل ذم پر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ یعنی جلد بازی شیطانی فعل ہے (غ)، اور عَاجِلَة دنیا کو کہتے ہیں (ل)، اور یہاں عجول کے معنی یا تو یہ ہیں کہ وہ شر اور عذاب کو جلد مانگتا ہے اور یا یہ کہ وہ طلب منفعت اور دفع مضرت میں جلد باز ہے یعنی جس چیز کا نفع جلد ہو اسے فوراً اپنے لئے چاہتا ہے اور انجام امور پر نظر نہیں کرتا کہ کون سی چیز اس کے حقیقی فائدہ کی ہے اور کون حقیقی نقصان کی ❊

عاجلة عجل

طلب شر میں انسان کی عجلت سے مراد

یہاں عموماً مراد یہ سمجھی گئی ہے کہ انسان اپنی جلد بازی سے اپنی اولاد یا اپنے دوستوں وغیرہ پر بددعا کر دیتا ہے مگر سیاق مضمون وسعت معنی کو چاہتا ہے پیچھے قرآن کریم کا ذکر تھا جو انسان کی بھلائی کی راہیں بتاتا ہے اور آگے نتائج اعمال کا ذکر ہے پس یہاں بتایا ہے کہ انسان چونکہ جلد باز ہے اس لئے نفع عاجل یعنی دنیوی نفع کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی حقیقی بھلائی کی راہوں کو ترک کر دیتا ہے یعنی اعمال صالحہ کی پروا نہیں کرتا کیونکہ اس کا نفع دیر سے ملتا ہے اور یوں جہاں اسے بھلائی کا طالب ہونا چاہئے تھا وہ درحقیقت اپنے لئے شر کا طالب ہو جاتا ہے اور جلد آنے والے نفع کی خاطر اپنے حقیقی نفع کو ترک کر دیتا ہے اسی کے مطابق دوسری جگہ حضرت صالح کا قول نقل فرمایا ہے لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (النمل ۲۷-۴۶) اور اہل و اولاد وغیرہ پر بددعا اس میں آ جاتی ہے کیونکہ اس سے بھی انسان اپنی فوری خواہش انتقام کو پورا کرنا چاہتا ہے اور نہیں سوچتا کہ وہ بات فی الحقیقت اس کے نقصان کا موجب ہے۔ احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے اپنی اولاد وغیرہ پر بددعا کرنے سے منع کیا بعض لوگ بے سوچے سمجھے بددعا کے کلمات بول دیتے ہیں اور بعض پیار میں بھی بددعا کے کلمات منہ سے نکال دیتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ بیماری کی

فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ

پھر ہم رات کی نشانی کو مٹا دیتے ہیں اور دن کی نشانی کو روشن بناتے ہیں تاکہ تم اپنے رب کا فضل طلب کرو

وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

اور تاکہ سالوں کی گنتی اور حساب کو جانو اور ہر چیز کو ہم نے پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے ۱۵۱۱

آنحضرت کی رحمت

حالت میں یا شدت درد میں اپنے لئے موت وغیرہ کی دعا کرنے لگ جاتے ہیں یہ سب منع ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اے اللہ میں بھی بشر ہوں بشر کی طرح راضی ہو جاتا ہوں اور بشر کی طرح ناراض ہو جاتا ہوں پس اگر میں کسی مومن کے حق میں بددعا کروں تو اسے اس کیلئے پاکیزگی کا موجب بنا دے۔ تعلق اس آیت کا پچھلے رکوع سے یوں ہے کہ وہاں بنی اسرائیل پر سزا آنے کا ذکر تھا یہاں بتایا کہ انسان خود ہی نفع عاجل کے پیچھے پڑ کر انجام کار اپنے لئے دکھ لانے کا موجب ہو جاتا ہے ✦

محو۔ الماحی

۱۵۱۱ محونا۔ محو کے معنی نشان کا دور کر دینا یا مٹا دینا ہیں اور آنحضرت صلعم کے اسمائے مبارک میں اَلْمَاحِی ہے جس کے معنی حدیث میں ہی یوں مروی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے کفر کو مٹا دیگا ✦

ابصر

مبصرۃ

مبصرۃ۔ اَبْصَرَ کے معنی ہیں دیکھا اور کفر سے نکل کر بصیرت ایمانی کی طرف آیا فمن ابصر فلنفسہ (الانعام ۱۰۴) میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں اور مُبْصِرَۃ کے معنی فلما جاءتھم اٰیتنا مبصرۃ (النمل ۱۳) میں واضحۃ ہیں یعنی صاف صاف اور کھلی کھلی نشانیاں اور اٰتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ (بنی اسرائیل ۵۹) میں بَیِّنَۃ یعنی واضح معنی کئے گئے ہیں یا مُضِیئَۃ یعنی روشن کرنے والی (نشانی) اور یہی آخری معنی یہاں ہیں (ل) ✦

رات کی نشانی کے محو کرنے سے مراد

رات اور دن کے اختلاف سے سالوں کی گنتی اور حساب کا معلوم ہونا تو ایک امر ظاہر ہے اور الحساب سے مراد یہاں وہی حساب ہے جو سالوں کے متعلق ہے یعنی مہینوں دنوں وغیرہ کا حساب لیکن یہاں فرمایا کہ ہم نے انہیں دو نشان بنایا ہے اس سے کیا مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ مضاف محذوف ہے اور مراد ہے نیّری اللیل والنہار یعنی رات اور دن کے نیّر یعنی چاند اور سورج کو نشان بنایا ہے اور پھر محو سے مراد لیا ہے کہ اس کی یعنی چاند کی شعاع نہیں رکھی یا اس کے نور اصلی کو محو کر دیا (ر) علمی رنگ میں یہ درست ہے کہ چاند آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو کر اس حالت کو پہنچا ہے۔ اور آثار میں بھی ابن عباس سے ایسا ہی مروی ہے کہ پہلے چاند بھی سورج کی طرح روشن تھا پھر اس کی وہ اصلی روشنی محو ہو گئی (ج) اور ایک روایت میں یہی لفظ نبی کریم صلعم کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (د) لیکن یہاں ظاہر حقیقت کے یہاں لانے میں کیا اشارہ ہے جہاں پہلی آیت میں بھی اعمال انسانی کی جزا کا ذکر ہے اور اس سے اگلی آیت میں بھی اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ رات کی تاریکی اور ظلمت کو مصائب سے تشبیہ دی جاتی ہے پس جب پہلی آیت میں یہ ذکر کیا کہ انسان اپنی جلد بازی سے اپنے اوپر مصیبت کھینچ لاتا ہے تو اس آیت میں یہ اشارہ کیا کہ مصیبت آخر گزر جاتی ہے اور اس کی جگہ دن کی روشنی لے لیتی ہے۔ اور ایک طرف اگر ہر فرد بشر کے لئے اس میں خوشخبری ہے کہ مصیبت کے وقت گھبرائے نہیں تو بنی اسرائیل کے ذکر کے بعد مسلمان قوم کے لئے بالخصوص خوشخبری ہے کہ اگر وہ خیر قرآنی کو چھوڑ کر اپنے اوپر مصائب لے آئیں تو پھر بھی مصائب کی ظلمت کو مٹا کر ان پر دن چڑھایا جائیگا اس لئے یہاں لیل کے لئے لفظ محو یا اس کا مٹا دینا اختیار کیا گیا ہے اور دن کیلئے مبصرۃ لا کر بصیرت ایمانی کی طرف اشارہ کیا ہے آخری الفاظ کہ ہر ایک چیز کو ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے ایسی صداقت اپنے اندر رکھتے ہیں ایک ظاہری قانون کو علمی رنگ میں بیان کر دیا اور ساتھ ہی باطنی قانون بھی کھول کر بتا دیا ✦

۱۳ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ

اور ہر انسان کے عملوں کو ہم نے اسکی گردن کا طوق بنا دیا ہو اور ہم اس کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب نکالینگے جسے وہ

۱۴ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

کھلا ہوا پائے گا ۱۸۱۲ اپنی کتاب پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کیلئے کافی ہے ۱۸۱۳

طائر — ۱۸۱۲ طائر کے لئے دیکھو ۱۳۱ء — انسان کا وہ اچھا اور برا عمل جو اس سے اڑجاتا ہو اسے بھی طائر کہا جاتا ہو جیسے یہاں اور طائرکم معکم (یٰسٓ ۳۶ - ۱۹) اور طائرکم عند اللہ (النمل ۲۷ - ۴۷) میں مراد ان کی شومئی اعمال ہو یعنی وہ برا نتیجہ جو انہیں اپنی بد عملیوں کی وجہ سے ملا (غ) اور طائر کے معنی عمل حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہیں (ج) +

اعمال اور انکے نتائج کا فلسفہ — اس آیت میں اعمال خیر و شر اور ان کے نتائج کا ایک نہایت پرحکمت فلسفہ بیان کیا ہو اول تو عمل کیلئے لفظ طائر استعمال کیا ہے جو گو لغت کے مطابق ہو مگر اس میں اشارہ اس عمل کے اُڑجانے کی طرف ہو یعنی جو کچھ انسان کرتا ہو وہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا پھر اس کا اس پر اختیار کوئی نہیں رہتا لیکن ایک طرف اگر وہ عمل ہاتھ سے نکل گیا تو دوسری طرف اس کا نتیجہ انسان کی گردن میں باندھ دیا جاتا ہو یعنی اس کے گلے کا ہار بنا دیا جاتا ہو جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ عمل کا اُڑجانا اور اس کے نتیجہ کا انسان کے لازم حال ہوجانا یہ دونوں حقیقتیں ہیں جن سے اکثر لوگ بے خبر ہیں وہ عمل کرتے وقت اس قدر لاپروائی برتتے ہیں کہ گویا سب کچھ ان کے قبضہ قدرت میں ہو بہتیرے ہیں جو کہتے ہیں یہ کام کریں پھر توبہ کرینگے۔ وہ نہیں جانتے کہ جو عمل ہوگیا وہ پھر ہاتھ نہیں آتا۔ اور بہتیرے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ عمل کا نتیجہ کوئی شے نہیں اس لئے کہ انہیں کھلا کھلا نتیجہ ہر عمل کا نظر نہیں آتا اسلئے یہ کہکر کہ ہر عمل کے نتیجہ کو ہم نے انسان کے لازم حال کر دیا ہو فرمایا کہ وہ نتیجہ کھلا کھلا بیشک یہاں نظر نہیں آتا مگر قیامت کے دن وہ ایک کھلی کتاب کی صورت میں ہوگا یعنی وہ پردے جو انسان کو اسے دیکھنے نہیں دیتے اس وقت اُٹھ جائیں گے۔ دوسری جگہ ہو لقد کنت فی غفلۃ من ھذا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (قٓ ۵۰ - ۲۲) اور یہاں اسے کتاب منشور کہا ہو یعنی کھلا کھلا اس کے سامنے آموجود ہوگا اور بعض نے

کتاب منشور سے مراد — کتاب منشور کی تفسیر یوں کی ہو کہ اعمال کے آثار نفس پر منقش ہونگے کیونکہ ہر فعل کا اثر روح پر ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہو لیکن حواس موجودہ میں وہ اخفا کا رنگ رکھتا ہو اور جب ان حواس کا تعلق منقطع ہوجاتا ہو تب وہ اثر بھی ظاہر ہوجاتا ہو (د) اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہو کہ اس صورت میں قیامت سے مراد قیامت صغرٰی یا ایک شخص کی موت ہوگی۔ اور گو یہ ظاہر کے خلاف ہو مگر یہ تو بہرحال ماننا پڑیگا کہ کتاب سے مراد اس قسم کے کاغذ نہیں جو ہماری ان قلموں اور سیاہی سے لکھے گئے ہوں کراماً کاتبین ان قلموں اور دواتوں سے اور اس کاغذ پر نہیں لکھتے۔ اور کتاب کے معنی میں لغت میں وسعت ہو دیکھو ۱۴۱۲ء وغیرہ اور پھر اسے کتاب منشور کہا ہو جس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی ایک جگہ سے کھول کر رکھی ہوئی ہو کیونکہ اس صورت میں اس کے باقی سارے حصے بند ہوتے بلکہ مراد یہ ہو کہ وہ ہر جگہ کھلی ہو اور سب کا سب جو اس میں لکھا ہو ایک نظر میں نظر آجاتا ہو اگر یہ مراد نہ ہوتی تو اسے منشور کہنا بے فائدہ تھا پس وہ کتاب اس لحاظ سے ہو کہ اس میں اعمال محفوظ ہیں اور منشور اس لحاظ سے ہو کہ ان اعمال کے نتائج صاف صاف نظر آتے ہیں +

انسان کا قیامت میں اپنا محاسبہ آپ کرنا — ۱۸۱۳ یہاں بتایا کہ انسان کے محاسبہ کے لئے اس کا اپنا نفس ہی قیامت کے دن کافی ہوگا اس میں صاف اس حقیقت کو آشکارا کر دیا ہو جس کا ذکر اوپر ہوا کہ نفس کی حالت ہی خود سب کچھ ظاہر کر دے گی پس اقرأ کتابک میں جو پڑھنے کا ارشاد ہو وہ بھی دوسرے رنگ کا پڑھنا ہو کیونکہ کہیں تو یہ ذکر ہو کہ میزان قائم کی جائے گی گویا اعمال ناموں کا وزن ہوگا اور کہیں یہ ذکر ہو جیسے یہاں کہ انسان کا اپنا نفس ہی حساب کریگا اور کہیں اسی اعمالنامہ کے پڑھنے کیلئے دوسروں کو بلایا جاتا ہو ھآؤم اقرءوا کتابیہ (الحاقۃ ۶۹ - ۱۹)

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ ۱۰

جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنے ہی لئے سیدھی راہ پر چلتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور ہماری شان نہ تھی کہ عذاب دیتے یہانتک کہ ایک رسول کو اٹھا کھڑا کرتے[۱۸۱۴]

حقیقت یہی ہے کہ جو چیزیں اس دوسرے عالم سے تعلق رکھتی ہیں انکو اس عالم پر قیاس کرنا غلطی ہے ہاں سمجھا یا انہی الفاظ میں جا سکتا تھا جو یہاں کی چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔ وہ سب حق ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے کس رنگ میں وہ واقع ہوگا اسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے +

۱۸۱۴ پہلی آیات کا مضمون اس آیت میں جاری رکھا گیا ہے اور اس کی تکمیل کی گئی ہے جب اعمال کی جزا و سزا کا قانون بتایا اور یہ بھی بتایا کہ قیامت کے دن یہ جزا و سزا کھلی کھلی نظر آجائے گی تو اب بتایا کہ ہدایت اختیار کرنے والا اپنے اعمال کا اچھا نتیجہ اپنے آپ میں دیکھ لیگا اور گمراہ اپنی گمراہی کا برا نتیجہ اپنے اندر دیکھ لیگا۔ گویا ہر ایک کو وہ کھلا نتیجہ جس کا ذکر اوپر تھا وہ کتاب منشور اپنے نفس میں ہی اسے نظر آجائیگی۔ اور پھر بتایا کہ اس نتیجہ کا تعلق نفس انسانی سے ایسا ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی دوسرا انسان اسے اپنے ذمہ لیکر عمل کرنیوالے کو چھڑا دے اور جب اس قانون جزا و سزا کی یوں تکمیل کر دی تو پھر ایک اور پہلو سے بھی اس کی تکمیل فرمائی یعنی یہ فرمایا کہ اعمال کی یہ سزا انسان کو بے خبری کی حالت میں نہیں دی جاتی بلکہ پہلے ہم نے اپنے رسول بھیجکر لوگوں کو ان باتوں کی خبر پہنچا دی کہ اعمال کی جزا و سزا یوں ظاہر ہوتی ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات سے یہ ظاہر ہے کہ جبتک رسول بھیجکر نیکی اور بدی کا صحیح احساس پیدا نہ کیا جائیگا اس وقت تک عذاب نہ دیا جائیگا وسیق الذین کفروا الی جہنم زمرا حتی اذا جاؤھا فتحت ابوابھا وقال لھم خزنتھا الم یاتکم رسل منکم یتلون علیکم آیات ربکم (الزمر۔ ۷۱[۳۹]) اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر (فاطر۔ ۳۷[۳۵]) کلما القی فیھا فوج سألھم خزنتھا الم یاتکم نذیر قالوا بلیٰ قد جاءنا نذیر (الملک۔ ۹-۸[۶۷]) ان تصریحات قرآنی کے ہوتے ہوئے ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا کے اور کوئی معنی کرنا سخت غلطی ہے اصل بات یہ ہے کہ گو اللہ تعالیٰ کی ہستی بلکہ اس کی توحید کا علم بھی کچھ نہ کچھ قدرت کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے اور فطرت انسانی کے اندر بھی وہ مرکوز ہے مگر زندگی بعد الموت کا علم یا جزا و سزا کا وہ قانون جس کا ذکر اوپر ہوا اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے دنیا میں آیا کیونکہ انسان کی اپنی عقل کی روشنی اس قدر دور کے نتائج دیکھ نہ سکتی تھی پس اسی بات کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان کہاں ہو سکتی تھی کہ لوگوں کو ایسے قانون کے ماتحت سزا دیدے جس کا انہیں علم ہی نہیں دیا گیا اور عذاب دینے کا ذکر اس لئے کیا کہ نیک اعمال کے نتائج تو وہ بہرحال ہی دیگا کیونکہ یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے اور اسی رحمت کا یہ تقاضا ہے کہ عذاب نہ دے جبتک کہ پہلے بتا نہ دے کہ یہ امر سزا کے لائق ہے تاکہ انسان متنبہ ہو جائے +

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ایک بچہ جس میں ابھی نیکی بدی کا احساس ہی پیدا نہیں ہوا یا وہ لوگ جنہیں انبیاء کی تعلیم ہی نہیں پہنچی وہ کسی مواخذہ کے نیچے نہیں۔ اور غور کیا جائے تو یہ بات ایک پرحکمت فلسفہ پر مبنی ہے۔ ایک خشک منطقی کہہ سکتا ہے کہ بچہ ہو یا بے خبر انسان خدا تعالیٰ کا قانون تو اپنا کام کرکے رہیگا ایک بچہ بھی آگ میں ہاتھ ڈالے گا تو اس کا ہاتھ جل جائیگا اس کے بچہ ہونے کی وجہ سے یا بیخبر ہونے کی وجہ سے وہ جلنے سے نہیں بچے گا۔ یہ سچ ہے لیکن ہر بات میں ظاہری قوانین پر اخلاقی قوانین کا قیاس نہیں کیا جا سکتا اخلاق کا تعلق احساس سے ہے وہ ایک باطنی چیز ہے بسا اوقات بچہ ایک بات خلاف واقعہ کہدیتا ہے یا ایک چیز کو چھپا لیتا ہے مگر ان باتوں کا کوئی اثر اس کی زندگی پر نہیں پڑتا لیکن وہی فعل ایک ایسا آدمی کرے جس میں نیکی بدی کا احساس پیدا ہو چکا ہے تو اس کا اثر یقیناً اس کی طبیعت پر پڑے گا پس اللہ تعالیٰ کے قوانین اخلاق کا تعلق احساس سے ہے اور یہی احساس انبیاء پیدا کرتے ہیں

جزا و سزا اعمال انسان کیلئے اپنے نفس میں ظاہر ہوتی ہے

جزا و سزا کے مکمل قانون یا زندگی بعد الموت کی اطلاع بذریعہ انبیاء دیتی

بچہ جزا و سزا اعمال کے قانون سے باہر ہے

کفار کے بچوں پر مواخذہ نہیں +

۱۶ **وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا**

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اسکے آسودہ حال لوگوں کو حکم بھیجتے ہیں

اس لئے بچہ تو کوئی بھی مواخذہ کے نیچے نہیں خواہ وہ ایک کافر کا بچہ ہو اور نبی کریم صلعم کا صاف ارشاد ہو ما من مولود یولد الا علی الفطرۃ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور ایک حدیث میں ہو کہ آنحضرت صلعم سے جب کفار کے بچوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت کے خادم ہونگے (ث)۔ شاید غلمان میں اسی طرف اشارہ ہو اور جن لوگوں نے کفار کے بچوں کو قابل مواخذہ سمجھا ہے اور یہ خیال کیا ہو کہ کفار کے بچے جو بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں وہ اپنے آباء کی وجہ سے دوزخ میں جائینگے۔ انہوں نے غلطی کی ہے۔ اور یہی حکم فاتر العقل لوگوں کے بارہ میں ہو اور مسند احمد کی حدیث میں ہو کہ قیامت کے دن چار قسم کے لوگ عذر پیش کرینگے یعنی بہرا۔ فاتر العقل اور بہت بوڑھا اور جو شخص زمانہ فترت میں مرگیا ہو تو اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیگا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ سو اگر وہ داخل ہو جائیں تو آگ ان پر ٹھنڈی ہو جائے گی اس میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہو کہ انبیاء اللہ بھی درحقیقت ایک قسم کی آگ میں ہی انسان کو داخل ہونے کا حکم دیتے ہیں اور وہ عشق آلہی کی آگ ہو جو دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر دیتی ہو اور جو اس آگ میں داخل ہو جاتا ہو وہ دیکھ لیتا ہو کہ یہی انسان کی حقیقی راحت ہو اور اسی حکم میں وہ لوگ ہیں جو تعلیم انبیاء سے بے خبر ہیں اور بعض نے یہاں رسول میں عقل کو بھی شامل کیا ہو یعنی جن کو عقل دی گئی ہو وہی ان کیلئے رسول کا حکم رکھتی ہو بلکہ بعض نے تو کہا ہو کہ نبعث رسولا سے مراد ہی رسول عقل ہو کیونکہ اصلی رسول وہی ہو (ذ)۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدایش کے ساتھ ہی سلسلہ نبوت شروع کر دیا اور دوسری طرف یہ بھی فرمایا کہ ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر تو گویا رسولوں کی بعثت سب اقوام کی طرف ہو گئی ہاں اگر کوئی قوم ابھی وحشت کی حالت سے ہی باہر نہیں نکلی تو اس کی حالت ایک بچہ سے مشابہ ہوگی جس میں ابھی احساس اخلاق پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور جب ہم متمدن دنیا کی حالت دیکھتے ہیں اور امم انسانی کی حالت پر غور کرتے ہیں تو ہر ایک قوم کے اندر کوئی نہ کوئی معلم دنیا پاتے ہیں جس کے ذریعہ سے انہیں نیک و بد کی جزا و سزا کا علم دیا گیا بلکہ مذاہب میں گو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بڑے بڑے اختلافات ہیں لیکن اعمال کی جزا و سزا میں سب متفق ہیں حتی کہ عیسائی بھی جو کفارہ کو ہی بظاہر کافی سمجھتے ہیں۔ پس جملہ اقوام کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے یہ علم ہو چکا ہو کہ اعمال انسانی کی جزاء سزا بھی ہو +

عقل کی رسالت

سیاق و سباق کے لحاظ سے ان الفاظ کے معنی اور نہیں ہو سکتے لیکن اگر یہاں مراد عذاب دنیوی لیا جائے تو بھی مفہوم یہی ہوگا کہ دنیا کی قوموں پر جو ہم بعض وقت انکے سخت ظلموں کی وجہ سے عذاب دنیوی بھیجتے ہیں تو وہ بھی انہیں اعمال کی جزا و سزا کے قانون سے واقف کرنے کے بعد بھیجتے ہیں اور یہ خبر بذریعہ انبیاء علیہم السلام جو کل قوموں میں مبعوث ہو چکے ہم نے ان کو پہنچا دی ہو دنیا کی جاہل سے جاہل قومیں بھی اعمال کی جزا و سزا کا علم اور احساس رکھتی ہیں کیونکہ سب میں رسول مبعوث ہو چکے۔ لیکن جو لوگ ان الفاظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ دنیا میں کبھی کوئی عذاب نہیں آتا جبتک کہ پہلے ایک رسول اس وقت مبعوث نہ کیا جائے وہ غلطی کرتے ہیں رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین کل دنیا کو بتا دیئے ہیں جو عذاب آئے گا وہ ان قوانین کو توڑنے کی وجہ سے آئے گا پس نئے رسول کی ضرورت نہیں اور جو مجدد اس رسول اور اس کی کتاب کی طرف بلاتا ہے وہ محض ظل ہے نہ اصل پھر اگر رسول کی ضرورت ہے تو عین اس مقام پر ہو جہاں عذاب آئے۔ مثلاً جنگ کا عذاب یورپ میں آئے یا کوئی بھاری زلزلہ اٹلی میں آئے اور اس سے دلیل یہ لی جائے کہ ضرور ہو کہ اس وقت کوئی رسول مبعوث ہو گیا ہو تو پھر ایسے رسول کا ہندوستان میں مبعوث ہونا خدا حکیم کا فعل نہیں ہو سکتا جس میں حکمت کچھ بھی نہیں۔ وہ رسول یورپ یا اٹلی میں آنا چاہئے تھا پھر دوسری دقت یہ ہو کہ ہر رسول کے لئے ایک وقت مقرر کرنا پڑے گا کہ اگر اس کے بعد اتنے عرصہ تک عذاب آئے تو وہ اس کی بعثت کی وجہ سے ہوگا اور اگر اس میعاد

دنیوی عذاب اور بعثت رسل

ماکنا معذبین کا غلط مفہوم

فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝

مگر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تب (سزا) کا حکم اس پر صادق آجاتا ہے سو ہم اسے ہلاک کر دیتے ہیں جیسا ہلاک کرنا چاہئے ۱۸۱۹ ؎

کے بعد آتے تو نیا رسول چاہئے۔ اور اب جو عذاب آرہے ہیں اگر ان کیلئے کوئی نیا رسول پیدا ہونا ضروری ہو چکا ہے تو اب آئندہ رسول کی کب ضرورت ہوگی آیا یہ قانون تیرہ سو سال کا بن جائیگا؟ ایسی باتیں کرنا گویا لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ مذہب علم نہیں بلکہ کھیل ہے۔

ھلاک

۱۸۱۵ ؎ اَہْلَکَ۔ ھَلَاک کئی طرح پر ہے۔ ایک چیز ہم سے گم ہو جاتی ہے اور دوسرے کے پاس موجود ہوتی ہے جیسے ھَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَہْ (الحآقّۃ۔ ۲۹) اور ایک ھلاک استحالہ اور فساد سے ہے یعنی بگڑ جانے سے جیسے یُہْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (البقرۃ۔ ۲۰۵) اور ایک ھلاک موت ہے جس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور ایک چیز کا عالم سے باطل ہو جانا اور اس کا اصلاً نابود ہو جانا بھی ہلاک ہے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ (القصص۔ ۸۸) اور عذاب اور خوف اور فقر کو بھی ھلاک کہا جاتا ہے وَاِنْ یُّھْلِکُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ (الانعام۔ ۲۶) کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ (الانعام۔ ۶) وَکَمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا (الاعراف۔ ۴) اور فَھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (الاحقاف۔ ۳۵) میں ہلاک اکبر مراد ہے جس کی طرف آنحضرت صلعم کے اس قول میں اشارہ ہے لَاشَرَّ کَشَرٍّ بَعْدَہُ النَّارُ یعنی کوئی شر اس شر کے برابر نہیں جس کے بعد آگ ہے (غ)۔

۱۸۱۶ ؎ اَمَرْنَا۔ اَمْر کے معنی حکم دینا مشہور ہیں اور جس چیز کا حکم دیا وہ محذوف ہے جو طاعۃ اللہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے (ج)۔ اور اس کے معنی اَکْثَرْنَا بھی مروی ہیں (ج) یعنی انکی کثرت کر دی اور لغت میں اَمِرَ الْقَوْمُ کے معنی کَثُرُوْا ہیں گویا وجہ یہ ہے کہ جب کثرت ایسی ہو گئی کہ ان کیلئے امیر کا ہونا ضروری ہو گیا۔ اور اسی لحاظ سے یہاں کَثَّرْنَا معنی درست تسلیم کئے گئے ہیں اور ابو عبیدہ نے ان معنوں کو صحیح تسلیم کیا ہے (غ)۔

تدمیر

۱۸۱۷ ؎ دَمَّرْنَا۔ تدمیر کے معنی ہیں کسی چیز پر ہلاکت کا داخل کرنا (غ)۔

عذاب ہلاکت کا وقت اور غرض

اصل ذکر تو آخرت کے عذاب کا ہی چلتا ہے اور آیت ۱۸ میں صاف کہہ بھی دیا ہے کہ طالب دنیا کو ہم دنیا کے فوائد بھی دیتے ہیں پھر آخرت میں وہ جہنم میں جاتا ہے لیکن یہاں اسی عذاب آخرت کیلئے بطور دلیل اسباب کو بیان کیا ہے کہ جب بدی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور ایک قوم کی قوم اس میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی کھلا کھلا ہلاکت کا عذاب بھیج دیتا ہے تاکہ عذاب آخرت محض ایک قصہ کہانی نہ رہ جائے۔ چنانچہ فرمایا کہ کسی بستی کے رہنے والوں کو جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے تو ہلاک بھی کر دیتے ہیں۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا کے دونوں معنی اوپر دیدیئے گئے ہیں حکم کے معنی لیکر بھی یہ ضروری نہیں کہ اس وقت کوئی نیا رسول بھیجکر نیا حکم دیا جائے بلکہ احکام تو رسولوں کے ذریعہ سے فسق و فجور سے بچنے کیلئے ہر قوم کو اللہ تعالیٰ دے ہی چکا ہے بلکہ انسان کو عقل دیکر بھی اسے اپنے احکام پہنچا دیئے ہیں یہ معنی کرنا کہ فسق و فجور کا حکم انہیں دیدیتے ہیں خلاف قرآن ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (الاعراف۔ ۲۸) اور یہ سچ ہے کہ جب تک

عذاب ہلاکت تکرار

قوم میں فساق کی کثرت نہ ہو جائے وہ ہلاک نہیں ہوتی اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہلاکت سے مراد لازماً اس قوم کا مرتے کے کمات تک ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی قوت و طاقت کو برباد کر دینا بھی اس کی ہلاکت ہی ہے جیسا کہ لفظ ہلاک کی تشریح میں بھی بتا دیا گیا ہے اگلی آیت میں بتایا ہے کہ اس قانون کے مطابق حضرت نوح کے بعد بھی بہتیری قوموں کو ہلاک کیا۔ ہاں قوم کے ذنوب اس قدر ہو جانا کہ ان پر اسی دنیا میں ہلاکت آجائے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کوئی انسان اس میں دخل نہیں دے سکتا کہ فلاں قوم فلاں وقت ہلاک کیوں نہیں ہوتی۔

۱۷ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا

اور کتنی نسلیں ہم نے نوح کے بعد ہلاک کر دیں اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کے باطن سے خبردار (اور ظاہر کو)

۱۸ بَصِيرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ

دیکھنے والا ہے جو کوئی جلد آنیوالا نفع چاہتا ہے ہم اسے اسی دنیا میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں جسکے لئے ارادہ کریں جلد دیتے ہیں پھر

۱۹ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ

ہم نے اس کیلئے دوزخ ٹھہرائی ہے وہ اس میں بُرے حال میں دھتکارا ہوا داخل ہوگا ۱۸۱۶ اور جو آخرت کو چاہتا ہے

۲۰ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ كُلًّا نُمِدُّ

اور اس کیلئے کوشش کرتا ہے جو اسکی کوشش کا حق ہے اور وہ مومن ہے تو یہی ہیں جنکی کوشش کی قدر کی جاتی ہے ۱۸۱۷ ہم سب کو مدد دیتے

۲۱ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ انْظُرْ

ہیں ان کو بھی اور اُن کو بھی۔ تیرے رب کی عطا سے (یہ ہوتا ہے) اور تیرے رب کی عطا کبھی رُکتی نہیں ۱۸۱۸ دیکھ ہم

كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝

کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں اور یقیناً آخرت درجات میں بڑھکر اور فضیلت میں بڑھ کر ہے ۱۸۱۹

دنیا کو غرض زندگی بنانے والے

۱۸۱۶ یہاں پھر رکوع کی پہلی آیت کے مضمون کی طرف رجوع کیا ہے العاجلة سے مراد دنیا ہے دیکھو ۱۸۰۱ کیونکہ اس کا نفع جلد ملتا ہے۔ یہاں اس شخص کا ذکر ہے جو اس زندگی کے نفع عاجل کو اپنی زندگی کی اصل غرض بنا لیتا ہے۔ فرمایا کہ اسے ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا بھی دیتے ہیں ما نشاء اس لئے کہا کہ دنیا کی ہوس ساری کبھی پوری نہیں ہوتی۔ دوسری جگہ ہے من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها (الشوریٰ ۴۲-۲۰) مگر نتیجہ اس کا جہنم ہے یعنی انجام کار ایسا شخص جس کی نظر اس دنیا سے اوپر نہیں اٹھتی دکھ اٹھاتا ہے +

سعی

۱۸۱۷ سعی۔ سَعْی کے معنی تیز چلنا ہیں اور اس کا استعمال کسی معاملہ میں کوشش کرنے پر بھی ہوتا ہے اچھا ہو یا برا وسعی فی خرابها (البقرة ۲-۱۱۴) وان لیس للانسان الا ما سعی (النجم ۵۳-۳۹) اور اس کا اکثر استعمال افعال محمودہ میں ہے (غ)، اور سعی لها سعیها کے معنی ہوئے ایسی کوشش کرے جو حق کوشش ہے +

شکر۔ مشکور

مشکورا۔ شکر کے معنی کیلئے دیکھو ۱۷۵ اور اللہ تعالیٰ کا شکر اپنے بندوں پر انعام اور ان کو جزا دینا ہے (غ)، اور اسی لحاظ سے یہاں مشکور کہا گیا ہے +

یہاں فرمایا کہ جو آخرت کو اپنا مقصد بناتا ہے تو اس کی کوشش پر ضرور انعام ملتا ہے بشرطیکہ کوشش کا حق ادا ہو۔ گویا وہ لازماً کامیاب ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ہے والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا (العنکبوت ۲۹-۶۹) +

حظر۔ محظور

۱۸۱۸ محظورا۔ حَظْر کے معنی روکنا ہیں اور محظور کے معنی ہوئے روکی گئی چیز (ل) +

۱۸۱۹ یعنی دنیا میں انسان کوشش کرکے ایک دوسرے سے بڑھ جاتے ہیں تو آخرت کیلئے بھی جو کوشش کریگا وہ بڑھ جائیگا

ع ۳ — اخلاق فاضلہ کی تعلیم

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى رَبُّكَ ۲۲

اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بنانا ورنہ تو برے حال میں (خدا کی طرف سے) چھوڑا ہوا بیٹھ جائیگا ۱۸۲۰ اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ

کہ اسکے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیکی کرو اگر تیرے سامنے دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے

اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہہ اور نہ ان کو ڈانٹ اور ان دونوں سے ادب سے بات کر ۱۸۲۱

بلکہ وہ مراتب تو بہت بڑھ کر ہیں ۔

۱۸۲۰ یعنی اللہ کے ساتھ اور کسی کو اپنا محبوب اور مطلوب اور مقصود نہ بناؤ اور تقعد (بیٹھ جائیگا) سے مراد یا مطلق ٹھہرنا ہے یا عجز

اُف — ۱۸۲۱ اُف ۔ کان یا ناخن کی میل یا ناخن کی تراش یا اور ایسی چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کو حقیر سمجھا جاتے اور قلیل چیز پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے (ل) اُفٍّ لکم ولما تعبدون من دون اللہ (الانبیاء ۲۱ - ۶۷) ۔

نہر — تنہر ۔ نہر مشہور ہے اور اس کے معنی شدت کے ساتھ روکنا یا ڈانٹنا بھی آتے ہیں الزجر مع اغلاظ ۔ واما السائل فلا تنہر (الضحٰی ۹۳ - ۱۰) پس اُف میں تحقیر ہے اور نہر میں سختی ۔

اخلاق فاضلہ کی جڑ کیا ہے — پچھلے رکوع میں یہ بیان کر کے کہ پست اغراض کو سامنے رکھنے سے انسان آخر کار نقصان اٹھاتا ہے اس اور اگلے رکوع میں کچھ اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی ہے اور توریت کی گویا ساری تعلیم جو دس احکام پر مشتمل ہے اس رکوع اور اگلے رکوع میں آجاتی ہے مگر اس سے بہت زیادہ بسط اور بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ اور اکمل رنگ میں اور یہ تعلیم اخلاق فاضلہ کی اس یعنی تئیسویں آیت سے لیکر سینتیسویں آیت تک ہے جو کل پندرہ آیتیں ہیں اور ابن جریر میں حضرت ابن عباس کا قول منقول ہے التوراۃ کلہا فی خمس عشرۃ آیۃ من سورۃ بنی اسرائیل یعنی ساری توریت سورت بنی اسرائیل کی پندرہ آیتوں میں ہے اور یہاں اس تعلیم کو شروع بھی توحید الٰہی سے کیا ہے اور توریت کے دس احکام کی ابتدا بھی توحید سے ہی ہوتی ہے اور اس کی ابتدا اس سے کی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو گویا یہ اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے اور یہی سچ ہے کہ جو شخص ایک خدا کے آگے سر نہیں جھکاتا نہ وہ اخلاق کے بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے اور نہ وہ جو ہر چیز کے سامنے سر جھکاتا پھرتا ہے اور تذلل اختیار کرتا ہے ۔ انسان سے بالاتر سوائے خدا کے کوئی طاقت نہیں یہی ایک چیز ہے جس کا اعتراف انسان کو انسان بناتا اور اخلاق فاضلہ پر قائم کرتا ہے ۔

توحید اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے

والدین سے سلوک — اسکے بعد انسانوں سے حسن سلوک کا حکم دیا اور اس میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کی طرف توجہ دلائی کیونکہ وہ انسان کی ربوبیت جسمانی کرنے میں سب سے بڑھ کر ہیں اور احسان کی تاکید کے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ ان کو کوئی تحقیر کا کلمہ نہ کہا جائے اور نہ ان کو سختی سے کسی کام سے روکا جائے ۔ بلکہ قول کریم یعنی ایسے قول کے ساتھ جس میں ان کا اکرام ہو انہیں مخاطب کیا جائے اور بڑھاپے کا ذکر اس لئے کیا کہ بڑھاپے میں انسان کی طبیعت کمزور ہو جاتی ہے اور اس وقت والدین اولاد پر کچھ زیادتی بھی کر لیتے ہیں وہی وقت ہوتا ہے جب اولاد کو والدین کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے اور احسان کرنے کا موقعہ ہوتا ہے اور یہ زمانہ بچپن کے زمانہ سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے اور یہاں خطاب عام ہے ۔

۲۴ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اور ان دونوں کے آگے رحم کیساتھ فرمانبرداری کا بازو جھکا[۱۸۲۲] اور کہہ اے میرے رب تو ان پر رحم کر جیسا انہوں نے مجھے چھوٹے ہوتے پالا

۲۵ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک ہو تو وہ بار بار رجوع کرنیوالوں کی حفاظت

۲۶ غَفُورًا ○ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ○

کرنیوالا ہے اور قریبی کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور بیجا خرچ کرکے (مال کو) ضائع نہ کر[۱۸۲۳]

جناح الذل

۱۸۲۲ جناح الذل۔ جناح کے اصل معنی پرند کا بازو ہیں اور انسان کے جناح سے مراد اس کا ہاتھ ہوتا ہے اور ذُل فرمانبرداری ہے جو دوسرے کے غلبہ کی وجہ سے ہو اور راغب کہتے ہیں کہ جناح الذل استعارہ ہے کیونکہ فرمانبرداری یا اطاعت دو طرح پر ہے ایک وہ جو انسان کو پستی کی طرف لے جاتی ہے اور دوسری وہ جو اس کا رفع کرتی ہے یعنی اس کا مقام بلند کرتی ہے اور چونکہ یہاں وہ فرمانبرداری مراد ہے جو اس کا مرتبہ بلند کرتی ہے اس لئے لفظ جناح استعارۃً لایا گیا گویا یوں فرمایا گیا کہ وہ فرمانبرداری اختیار کرو جو تمہارے اکتساب رحمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارا مرتبہ بلند کرتی ہے (غ) اور یا من الرحمۃ سے مراد ہے فرط رحمت سے بھر کر[۱۱]

ماں باپ کی فرمانبرداری اور محبت

یہاں پچھلی آیت کے مضمون کی تکمیل کی ہے اور بتایا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک محبت سے ہونا چاہئے یعنی انسان کا دل ان کی محبت سے بھرا ہوا ہو جس طرح ان کا دل اولاد کی محبت سے بھرا ہوا تھا۔ یہانتک کہ ان کیلئے دعائیں بھی کرے اور رحمادعیا[؟] میں یہ بتایا کہ وہ رحمت ایسی ہو جس رحمت کے ساتھ انہوں نے اولاد کی پرورش بچہ ہونے کی حالت میں کی تھی کیونکہ وہ کمال درجہ کی رحمت تھی اور دوسرا اس تشبیہ کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ رحمت کے ساتھ تربیت ملی ہوئی ہو یعنی ان کی خبر گیری کی جائے اور اپنا مال اور آرام ان کیلئے قربان کیا جائے۔ قرآن کریم میں فطرت انسانی کا کس قدر گہرا علم پایا جاتا ہے کہ اولاد کو یہ تاکید کی ہے کہ ان کے دلوں میں ماں باپ کیلئے رحم اور محبت ہو والدین کو یہ نہیں کہا اس لئے کہ وہ فطرت میں موجود ہے اور بغیر کسی حکم کے اپنا کام کر رہی ہے ایسا ہی بڑھاپے میں ماں باپ سے نرمی سے پیش آنے میں یہی فطرت کا گہرا علم نظر آتا ہے۔

والدین کی خدمت جہاد

احادیث میں ماں باپ کے ساتھ نیکی پر اس قدر ترغیب دلائی ہے کہ جنت کو ماؤں کے قدموں کے نیچے قرار دیا ہے گویا وہ ماں کی خدمت سے حاصل ہوتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ والدین کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور ان کی ناراضگی اس کی ناراضگی اور ماں باپ کی خدمت کو جہاد کی طرح قرار دیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ان کی موت کے بعد بھی ان سے نیکی کرے اور اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے کہ ان کیلئے دعا اور استغفار کرے اور ان کے بعد ان کے عہد کا ایفا کرے اور صلہ رحمی کرے اور انکے دوست کا اکرام کرے۔

بذر۔ تبذیر

۱۸۲۳ تبذیر۔ بَذْر دہ دانہ ہے جو بیج کے لئے محفوظ رکھا جائے اور راغب کہتے ہیں کہ تبذیر مال کو ضائع کرنا ہے کیونکہ بیج کا ڈالنا بھی بظاہر اس شخص کو مال ضائع کرنے کی طرح معلوم ہوتا ہے جو اس کے مآل سے ناواقف ہے یا اس لئے کہ اس کا بیجا پھینکنا اس کا ضائع کرنا ہے)۔

مال کا بیجا خرچ

ماں باپ کے حقوق کے بعد قریبیوں پھر مساکین پھر مسافروں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور حقہ کہکر یہ بتایا کہ ہر انسان کے مال میں اسکے قریبیوں، مساکین اور مسافروں کا بھی کچھ حق ہے۔ اور اسکے بعد تبذیر یعنی بیجا مال خرچ کرنے سے روک کر سمجھایا کہ مال کو جب تم صحیح موقعہ پر خرچ کرتے ہو تو وہ ایک بیج کیطرح ہے جو زمین میں پڑتا اور پھل لاتا ہے لیکن جو بیج بے موقعہ پھینکا جائیگا وہ ضائع ہو گیا

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ○ وَإِمَّا ۲۷ ۲۸

بیجا خرچ کرنیوالے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرگزار ہے[۱۸۲۴] اور اگر تو

تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ○ وَلَا ۲۹

اپنے رب کی رحمت کو چاہتا ہوا جس کی تجھے امید ہے ان سے منہ پھیرلے تو ان سے نرمی کی بات کہہ دے[۱۸۲۵] اور نہ تو

تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ○

اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا رکھ اور نہ جتنا کھل سکتا ہے کھول رکھ ورنہ تو ملامت کیا ہوا درماندہ ہو کر بیٹھ رہیگا[۱۸۲۶]

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ○ ۳۰

بیشک تیرا رب جسے چاہتا ہے رزق کی فراخی دیتا ہے اور وہی اندازہ کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار (اور انہیں) دیکھنے والا ہے

اس میں مال کی حفاظت کس قدر سکھائی ہے مگر اس کی محبت کی تعلیم قرآن شریف نہیں دیتا اور یہی اس کا کمال ہے اس رکوع کی تعلیم خلاصۃً سورۃ الانعام کے رکوع ۱۹ میں آچکی ہے وہاں سارے رکوع کا خلاصہ صرف دو جملوں میں ہے الا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا (الانعام-۱۵۲) یہاں والدین کے ساتھ احسان کو پہلے تفصیل سے بیان کیا پھر قریبیوں مسکینوں وغیرہ سے احسان کی تعلیم دی گویا بتایا کہ ماں باپ سے جب انسان نیکی کرتا ہے پھر دوسروں سے بھی نیکی کی توفیق ملتی ہے گویا وہ پہلی نیکی ہے جس سے . . . . اور نیکیوں کی طرف قدم اٹھتا ہے +

اخوان الشیاطین — ۱۸۲۴ اخوان الشیاطین - اَخ دین یا معاملہ یا محبت کے شریک پر بھی بولا جاتا ہے ۲۸۳ یہاں مراد بری صفات میں انکے مثل یا انکے دوست ہیں

کفران نعمت — کفور کا لفظ لا کر بتایا کہ نعمت کو بیجا طور پر خرچ کرنا بھی کفران نعمت ہے اسی طرح اس کو برمحل خرچ کرنا اس کا شکر ہے۔ اور برمحل خرچ نہ کرنا کفران ہے ناشکری کو شیطان کی صفت قرار دیکر ہر ناشکرگزار کو شیطان صفت قرار دیا +

مَیْسور — ۱۸۲۵ میسور - یسر سے ہے ۱۵۶۱ اور میسور کے معنی سہل ہیں اور یہ اسم مفعول ہے یُسِّرَ الامر سے اور یا مصدر ہے اور مبالغہ کیلئے بطور صفت استعمال ہوا ہے +

اعراض یا منہ پھیر لینے سے مراد ہے کہ مسکین وغیرہ کو کچھ دینے کی استطاعت نہ ہو تو ایسی صورت میں سختی سے انہیں رد نہ کرے نرمی سے کلام کرنا بھی ایک صدقہ ہے۔ اور ابتغاء رحمۃ من ربک اس لئے بڑھایا کہ نیت انسان کی ہر حال یہی ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے فراخ دست دے تو وہ دوسروں کو بھی دے گا +

لوم - لائم - ملوم - ملیم — ۱۸۲۶ ملوما - لَوْم ملامت کرنا اور لائم ملامت کرنیوالا لا یخافون لومۃ لائم (المائدۃ - ۵۴) اور ملُوم بملامت کیا گیا۔ اور آلام کے معنی ہیں وہ ملامت کا مستحق ہوا جس سے مُلیم ہے فالتقمہ الحوت وھو ملیم (الصفٰت - ۱۴۲) +

خرچ میں میانہ روی — ہاتھ کے بندھا ہوا ہونے یا گردن سے بندھا ہوا ہونے سے مراد بخل کرنا ہے دیکھو مغلولۃ الیہ ۸۵۰ اور اس کے کھولنے سے مراد اسراف ہے۔ جب انفاق کی نصیحت کی اور اس کے بعد تنگ دستی کی حالت کا ذکر کیا تو اب خرچ کرنے کا ایک عام اصول بھی بتا دیا کہ مال کے خرچ کرنے میں نہ تو انسان بخیل ہو کیونکہ بخیل خدا کی راہ میں بھی نہیں دے سکتا اور نہ فضول خرچ ہو کیونکہ فضول خرچ کے پاس خدا کی راہ میں دینے کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور حدیث میں ہے ما عال من اقتصد جو شخص خرچ میں میانہ روی اختیار کرے وہ تنگدست نہیں ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پس انداز کرنا یا کچھ نہ کچھ بچاتے رہنا

ع ۴

اخلاق فاضلہ کی تعلیم

۳۱ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو ہمیں انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں (بھی)، ان کا مار ڈالنا بڑی

۳۲ كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ ۳۳ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

غلطی ہے ۱۸۲۷ اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ وہ بیحیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے ۱۸۲۸ اور اس جان کو قتل نہ کرو

الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا

جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے اسکے کہ انصاف (چاہے) اور جو ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے

فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ۳۴ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

مگر وہ قتل میں زیادتی نہ کرے اس لیے کہ اسے مدد دی گئی ہے ۱۸۲۹ اور یتیم کے مال کے قریب (بھی) نہ جاؤ سوائے اس طریق کے جو

اسلام کی تعلیم کے خلاف نہیں بلکہ اس کا عین منشا ہے اور بخل کا نتیجہ ملامت ہے اور اسراف کا درماندگی اور خدا کی راہ میں سارا مال دیدینا بھی اسراف نہیں اس لئے کہ وہ بیجا خرچ نہیں بلکہ اس سے بڑھکر کوئی ضروری خرچ نہیں اور اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فراخی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی کو نہ چھوڑنا چاہئے ◆

نیکی کرنے اور حق تلفی سے بچنے کی تعلیم

۱۸۲۷ پچھلے اور اس رکوع کی تعلیم سورۃ الانعام کے رکوع ۱۹ کی تعلیم ہے سوائے اس کے کہ یہاں بسط ہے۔ وہاں بھی توحید کے مضمون کے ساتھ یہ اخلاقی نصائح بیان کی ہیں اور یہاں بھی سو وہاں شرک سے روک کر پھر والدین سے احسان کی تاکید کی اور یہ مضمون پچھلے رکوع میں آچکا ہے اب یہاں تفصیل سے اخلاقی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ پہلے رکوع میں دوسروں سے نیکی کی تعلیم ہے اور یہاں دوسروں سے بدی کرنے سے روکا ہے گویا ایک میں دوسروں سے نیکی کرنے کا ذکر ہے دوسرے میں ان کی حق تلفی سے روکا ہے اور یہ دونوں باتیں معاملات میں اخلاق کی تکمیل کرتی ہیں۔ موٹی موٹی باتیں جن کا یہاں ذکر ہے قتل اولاد۔ فواحش یا زنا قتل نفس یتیم کا مال کھانے سے روکنا ناپ اور تول اور عہد کا پورا کرنا ہیں۔ وہاں قتل اولاد کے ذکر میں من املاق آتا ہے یہاں خشیۃ املاق جیسے کے لئے دیکھو ۱۰۳۳ اسی لحاظ سے وہاں نرزقکم و ایاھم فرمایا یہاں نرزقھم وایاکم۔ کیونکہ وہاں والدین واقعی مفلس ہیں اور یہاں افلاس کا خوف ہے اور خِطْاً اور خطاء کے ایک ہی معنی ہیں ۱۵۰ اور قتل اولاد سے مراد یہاں لڑکیوں کا زندہ گاڑنا نہیں کیونکہ وہ امرا اور بڑے لوگ جھوٹی غیرت سے کرتے تھے۔ بلکہ ان کو علم سے محروم رکھنا اور صحیح طور پر تربیت نہ کرنا ہے دیکھو ۱۰۳۳

قتل اولاد سے مراد

زنا کے مبادی سے بچنے کی تعلیم اور اسکے نتائج بد

۱۸۲۸ زنا کے قریب مت جاؤ یعنی اس کے مبادی سے بھی بچو اور یہی اسلام کا کمال ہے کہ صرف بدی سے روکتا نہیں بلکہ بدی سے بچنے کا طریق بھی بتاتا ہے اور پھر اسکے بدنتائج سے بھی آگاہ کرتا ہے اور بدنتائج میں اسکا فاحشہ ہونا بیان کیا یعنی اس سے بیحیائی بڑھتی ہے اور اخلاق فاضلہ کا ستیاناس ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس میں اور بھی برائیاں ہیں مثلاً نسب کا ضائع ہونا فتنوں اور جنگ وجدل کا پیدا ہونا ◆

سزائے قتل میں اسراف

۱۸۲۹ یہاں نفس یا جان سے مراد کوئی خاص نفس نہیں بلکہ ہر ایک انسان کی جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور ولی سے مراد وارث لیا گیا ہے جب وارث نہ ہو تو سلطان اور وارث کا اسراف فی القتل یہ ہے کہ خود بخود ایک شخص کو قتل کردے اور اس کی وجہ بتائی کہ وہ منصور ہے یعنی حکومت وقت اس کی مدد کرے گی اور وہی تحقیقات کرنے اور فیصلہ دینے کی مجاز ہے اور حکومت وقت کو بھی سزا کے طور پر قتل میں اسراف سے روکا ہے یعنی یہ کہ ایک کی جگہ کئی کو قتل کردے جیسے بعض ظالم حکام اپنے یا اپنے متعلقین میں سے

أَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ أَشُدَّهٗ ۖ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ ۳۵

نہایت عمدہ ہو یہانتک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (ہر) عہد کے متعلق سوال کیا جائیگا اور جب تم ماپو تو

إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ وَلَا ۳۶

ماپ کو پورا کرو اور سیدھے ترازو سے تولو یہ بہتر اور انجام کار بہت خوبی کی بات ہے[۱۸۳۰] اور اسکے

تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝

پیچھے نہ لگنا جس کا تجھے علم نہیں کان اور آنکھ اور دل ان سب سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا[۱۸۳۱]

دوسری سزاؤں میں احتیاط

کسی کے قتل پر شہروں کے شہر اُڑا دیتے ہیں اور گنہگاروں کے ساتھ بیگناہوں کو بھی تہ تیغ کر دیتے ہیں اور جب سزائے قتل میں بھی گنہگار سے تجاوز کرنا جائز نہیں تو دوسری سزاؤں میں کہاں جائز ہو سکتا ہے پس ضمناً سمجھایا ہے کہ سزاؤں کے وارد کرنے میں یہ مدنظر رکھا جائے کہ ملزم کو حد سے زیادہ سزا نہ دی جائے نہ بیگناہوں کو گنہگاروں کے ساتھ ملایا جائے جیسا کہ آجکل انتظام قایم رکھنے کی آڑ کے ماتحت مہذب گورنمنٹیں بھی کر گزرتی ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ جن اخلاق کی تعلیم قرآن شریف نے دی ہے انہیں آج تک کوئی مہذب سے مہذب گورنمنٹ نہیں پہنچ سکی ✦

قسطاس

۱۸۳۰ قسطاس۔ قِسط کیلئے دیکھو ۳۸۹ اور قِسطاس میزان یعنی ترازو کو کہتے ہیں اور میزان کی طرح اس سے عدل کرنا یا انصاف کرنا مراد لیا جاتا ہے اور زنوا بالقسطاس المستقیم کے معنی کئے ہیں کہ یہ اشارہ ہے کہ انسان اپنے تمام اقوال و افعال میں جن کا وہ قصد کرتا ہے عدل و انصاف کی رعایت رکھے (غ) امام راغب نے اسے مادہ قسط کے نیچے بیان کیا ہے لیکن اکثر کا خیال یہ ہے کہ یہ رومی سے معرّب ہے۔

پورا تولنے سے مراد

اس رکوع میں سب نواہی کا ذکر ہے لیکن ایفائے عہد اور ماپ اور وزن کا پورا کرنا اوامر ہیں اور غرض دونوں کی ایک ہے یعنی دوسروں کی حق تلفی سے روکنا۔ ایفائے عہد نہ کرنا بھی دوسروں کی حق تلفی ہے اور ماپ تول کو پورا نہ کرنا بھی۔ اور جیسا کہ لفظ کی تشریح میں گزرا ماپ تول کے پورا کرنے سے مراد صرف ترازو وغیرہ نہیں بلکہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا برتاؤ ہے۔ یورپ کی موجودہ تہذیب نے میعاشیت میں اپنے معراج پر پہنچ کر دو میزانیں رکھی ہیں مسلمانوں اور ایشیائی اقوام کیلئے اصول انصاف اور ہیں یورپ کی وحشی سے وحشی قوم کیلئے اور۔ پھر ایک قوم سے معاملہ میں لینے کے بٹے اور ہیں دینے کے اور ✦

قفا اقتفاء

۱۸۳۱ تقف۔ قَفا گردن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں اور قَفَوْتُہٗ کے معنی ہیں اس کے قفا کو پہنچا اور اقتفاء قفا کا اتباع ہے اور اس سے کنایۃً کسی کے پیچھے اس کی بدگوئی کرنا اور عیب جوئی مراد لی جاتی ہے۔ اور لاتقف میں معنی ہیں قیافہ اور ظن سے کام نہ لو۔ اور قیافۃ اقتفاء سے مقلوب ہے (غ) ✦

بدگوئی

جب دوسروں کی ہر قسم کی حق تلفی سے روکا تو اب ایک اور بات سے بھی روکا جس سے بڑی بڑی بداخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں یعنی دوسروں کی بدگوئی یا عیب جوئی یا بغیر سننے اور دیکھنے کے ایک بات کا دیکھا اور سنا ہوا بیان کرنا۔ یہی اکثر ان بداخلاقیوں کی جڑ ہے جو اکثر مجلسوں میں رواج پا جاتی ہیں ✦

۳۷ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل کیونکہ تو تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو

طُولًا ۞ ۳۸ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۞ ۳۹ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ

پہنچے گا ۱۸۳۲ ان سب کی برائی تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے یہ اس سے ہے جو تیرے رب نے

إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ

تیری طرف حکمت کی باتیں وحی کیں اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا ورنہ تو ملامت کیا گیا دھتکارا ہوا

مَلُومًا مَدْحُورًا ۞ ۴۰ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

ہو کر جہنم میں ڈالا جائے گا ۱۸۳۳ تو کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کیلئے چن لیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں

إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ۞ ع

بنایا بیشک تم بڑا بول بولتے ہو ۱۸۳۴

مرح

۱۸۳۲ مرحاً۔ مَرَح شدت فرح کا نام ہے جو اندازہ سے گزر جائے اور اکڑبازی اور متکبرانہ روش کو بھی کہتے ہیں ذٰلکم بما کنتم تفرحون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تمرحون (المؤمن ۷۵) (ل) ۔

متکبرانہ روش

جب ہر ایک قسم کی دوسروں کی حق تلفی اور عیب گیری سے روکا تو آخر پر یہ بھی بتایا کہ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ گو ان میں دوسروں کی حق تلفی نہ ہو مگر ان کے کرنے سے انسان خود اخلاق فاضلہ سے محروم رہ جاتا ہے اور یہ انسان کی متکبرانہ روش ہے اور مشی یا چلنے سے مراد صرف چلنا نہیں بلکہ ہر قسم کی روش ہے کہ اس میں انسان تکبر اختیار نہ کرے گو اس کی سب سے موٹی مثال اکڑ کر چلنا ہے اس سے انسان کو حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اور محروم بہت چیزوں سے ہو جاتا ہے اور اگلی آیت میں سیئہ کا لفظ لا کر بتا دیا کہ ان تمام باتوں سے انسان کی اپنی تربیت میں نقصان ہوتا ہے ۔

۱۸۳۳ اوحیٰ الیک فرمایا حالانکہ خطاب عام ہے کیونکہ وحی فی الحقیقت ہر ایک کی طرف ہے گو وہ اسے رسول کی وساطت سے پاتا ہے اور اسے حکمت کہا اس لئے کہ اعلیٰ درجہ کی مضبوط و دانائی کی باتیں ہیں ۔

۱۸۳۴ سب اخلاق فاضلہ کی تعلیم کے بعد پھر اصل الاصول یعنی توحید کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ پچھلی آیت کے آخری حصہ سے ظاہر ہے اور اس آیت میں عرب کے ایک موٹے قسم کے شرک کا ذکر کیا کہ یہاں تک ان کا شرک ترقی کر گیا ہے کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جسے خود اپنے لئے بھی ناپسند کرتے ہیں یعنی یہ کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور یہ مضمون تفصیل کے ساتھ النحل ۱۶۔ ۵۷ تا ۶۲ میں بیان ہو چکا ہے دیکھو ۱۴۵۳ ۔

ع۵ — بیان بالآخرة

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ ۴۱

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے پیرائے اختیار کئے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور یہ بات (بھی) ان کو نفرت میں ہی بڑھاتی ہے ۱۸۳۵

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ ۴۲

کہو اگر اس کے ساتھ (اور) معبود ہوتے جیسا یہ کہتے ہیں تو یہ ضرور عرش کے مالک کی طرف رستہ ڈھونڈتے

سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ ۴۳ ۴۴

نکالتے ۱۸۳۶ وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے بہت ہی بلند ہے ساتوں آسمان اسکی تسبیح

السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ

کرتے ہیں اور زمین اور جو کوئی انکے اندر ہیں (وہ بھی) اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن

لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بیشک وہ تحمل والا بخشنے والا ہے ۱۸۳۷

مضامین کا بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کرنا

۱۸۳۵ اخلاق فاضلہ کے مضمون کی ابتدا بھی توحید الٰہی سے کی تھی اور اس کے خاتمہ پر بھی اسی کا ذکر کیا اور اب اس رکوع میں ایمان بالآخرة کے ذکر میں پھر اسی سے ابتدا کی۔ اور بار بار اور طرح طرح کے پیرایوں میں اس مضمون کے بیان کرنے کی غرض بھی خود ہی بتا دی کہ کسی طرح سے لوگ سمجھ لیں ایک شخص ایک پیرایۂ بیان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسرا دوسرے سے اس لئے قرآن کریم نے اہم مضامین کو رنگا رنگ کے پیرایوں میں بیان کیا ہے مگر جو شخص دشمنی کی ہی ٹھان لیتا ہے وہ اور بھی دور بھاگتا ہے۔

مشرک مقرب بارگاہ الٰہی نہیں ہو سکتا

۱۸۳۶ مشرک قوموں کا بڑا عذر یہ ہوتا ہے اور یہی عرب کے بت پرستوں کا تھا کہ ہم بتوں کی یا اوروں کی عبادت اسلئے کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا قرب اس ذریعہ سے حاصل کریں فرمایا کہ اگر یہ درست ہوتا تو پھر ان کو خدائے برتر کا قرب حاصل ہو جانا چاہئے تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر اطلاع پا لیتے تو اس صورت میں وحی الٰہی کے پانے والے نبوت اور رسالت کے مقام پر کھڑے ہونے والے بھی مشرک ہوتے نہ موحد۔ حالانکہ جتنے اس قسم کے انسان تاریخ میں نظر آتے ہیں جو نبوت اور رسالت کے مقام پر کھڑے کئے گئے ہوں وہ سب موحد ہی ہوئے ہیں اور یا مراد یہ ہے کہ اگر یہ خدا تعالیٰ کے مقرب ہوتے تو پھر اسلام کی مخالفت میں کامیاب ہو جاتے اور بعض نے سبیل سے مراد سبیل مغالبۃ اور ممانعت لیا ہے یعنی وہ معبود کوشش کرکے خدا پر غالب آ جاتے جیسا دوسری جگہ ہے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (الانبیاء ۲۱ - ۲۲)۔

کل مخلوق کی تسبیح سے مراد

۱۸۳۷ یہ تسبیح جس کا یہاں ذکر ہے زبان حال سے ہے (د) اور یہ خود لا تفقھون تسبیحھم سے ظاہر ہے۔ کیونکہ زبان کی تسبیح کو وہ بھی سمجھتے تھے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہر ایک مخلوق اپنے خالق کے وجود پر گواہی دیتی ہے اسلئے کہ ہر مخلوق ایک قید اور ایک دائرہ اور ایک حدبست کے اندر ہے اور معرض زوال میں ہے لیکن خالق یا معبود مقید یا محدود اور زوال پذیر نہیں کیونکہ مقید اور محدود ہونا یا معرض زوال میں ہونا ایک عیب ہے پس عملی رنگ میں تمام چیزیں مقید اور محدود اور معرض زوال میں ہو کر ایک خالق کے وجود پر شہادت دیتی ہیں جو دوسری چیزوں کو اندازوں اور حدبست کے اندر رکھنے والا اور خود لازوال ہے اور یہی تسبیح ہے کہ وہ ان تمام عیوب سے پاک ہے جو مخلوق کے لاحق حال ہیں

۴۵ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا

اور جب تو قرآن کو پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل

۴۶ مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا

کر دیتے ہیں ؎ ۱۴۳۸ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیا

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝

اور جب تو قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتا ہے نفرت سے اپنی پیٹھیں پھیرتے ہوئے چل دیتے ہیں

اور شرک کی تردید اس سے ہوتی ہے اس لئے کہ جن کو خدا کے شریک بنایا جاتا ہے وہ سب مخلوقیت کی مہر اپنے اوپر رکھتے ہیں۔ حلم و غفر کی صفات آخر میں لاکر یہ بتایا کہ جو لوگ اس کو چھوڑتے ہیں ان پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ چنانچہ انہی لوگوں کا ذکر اگلی آیت میں ہے +

حجاب

۱۴۳۸ حجاباً۔ حَجَبَ اور حجاب کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف پہنچنے سے روک دینا، اور ایسی روک بھی۔ اور اہل جنت اور اہل نار کے درمیان جس حجاب کا ذکر ہے وبینھما حجاب (الاعراف ۔ ۴۶) تو وہ ایسا پردہ نہیں جو نظر کو روکتا ہے بلکہ ایسا پردہ ہے جو اہل جنت کی لذات کو اہل نار کو پہنچنے سے اور اہل نار کی اذیت اہل جنت کو پہنچنے سے روکتا ہے (غ)۔ اور یہاں تو خود ہی اس حجاب کو مستور بھی کہدیا ہے یعنی وہ ایسا پردہ ہے جو آنکھ سے نظر نہیں آتا +

اللہ تعالیٰ دلوں پر کیوں پردہ ڈالتا ہے

اس آیت میں حجاب کے حائل کرنے اور اگلی میں دلوں پر پردے ڈالنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے جس کے متعلق مفصل بحث گزر چکی ہے ؎ یہ پردے اس لئے ڈال دئے جاتے ہیں کہ وہ خود سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے چنانچہ یہاں بھی آیت ۴۱ میں بتایا کہ ہم تو طرح طرح کے پیرایوں میں باتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں مگر ان کی نفرت اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور اگلی آیت میں نفرت کو صاف الفاظ میں ان کی طرف منسوب کیا کہ جب ایک خدا کا ذکر ہوتا ہے تو وہ اس کے سننے کی برداشت ہی نہیں کرسکتے واذا ذکرت ربک فی القرآن وحدہ ولوا علیٰ ادبارھم نفورا اور اسی کے مطابق دوسری جگہ اور بھی صفائی سے فرمایا واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایومنون بالاٰخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون (الزمر ۳۹ ۔ ۴۵) پس توحید الٰہی کا ذکر سنتے ہی ان کے دل گھٹ جاتے پھر سمجھنا کیا تھا یہی وہ پردے ہیں جو حائل ہو جاتے تھے۔ اور آیت ۴۷ میں اور بھی اسی بات کو واضح کیا ہے کہ وہ کچھ سنتے بھی ہیں تو صرف اس نیت سے کہ ان باتوں پر ہنسی اڑائیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اٰذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب (حٰم ۴۱ ۔ ۵) وہ خود کہتے تھے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے اسی بات کو یہاں اس دوسرے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اس آیت میں آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کا ذکر کرکے بتلایا کہ وہ توحید حقیقی سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ گویا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ ایک کا انکار دوسرے کا بھی انکار ہے +

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهٖٓ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوٰىٓ إِذْ يَقُولُ ۴۷

ہم اس (نیت) کو خوب جانتے ہیں جس سے یہ سنتے ہیں جب تیری طرف کان لگاتے ہیں اور جب یہ خفیہ مشورے کرتے ہیں جب ظالم

الظّٰلِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ○ أُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ ۴۸

کہتے ہیں کہ تم صرف ایک سحر والے مرد کی پیروی کرتے ہو ۱۸۳۹ دیکھ کس طرح تیرے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں

الربع

فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ○ وَقَالُوٓا ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَإِنَّا ۴۹

سو یہ گمراہ ہو گئے اور راستہ نہیں پا سکتے ۱۸۴۰ اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائینگے تو کیا نئی

لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ○ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ○ۙ أَوْ خَلْقًا ۵۰

پیدایش کیلئے اٹھائے جائینگے ۱۸۴۱ کہو پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور

مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُّعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ

مخلوق جو تمہارے دلوں میں بڑی (سخت) معلوم ہوتی ہو۔ پھر کہیں گے ہمیں کون لوٹائیگا کہو وہ جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا

مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتٰى هُوَ ۖ قُلْ عَسٰىٓ أَنْ يَّكُونَ قَرِيبًا ○

کیا۔ تب (بھی) وہ تیرے سامنے اپنے سر ہلائینگے اور کہینگے یہ کب ہوگا کہو شاید قریب ہی ہو ۱۸۴۲

مسحور

۱۸۳۹ مسحور ۔ سَحَر غذا یا طعام کو کہتے ہیں اور سِحْر دھوکہ یا وہ چیزیں جن کا ماخذ دقیق و لطیف ہو اور مُسَحَّر اور مَسْحُور کے دونوں طرح معنی ہو سکتے ہیں یعنی مسحور یا گیا یا محتاج غذا یا کھاتا پیتا آدمی اور وہ جس کے لئے سِحْر کیا گیا ہو یعنی جس کی باریکی سے وہ اس امر کی طرف پہنچتا ہو جس کا وہ دعویٰ کرتا ہو (غ) گویا مراد اس سے ساحر ہی ہوا اور پہلے معنی ابن جریر نے بھی نقل کئے ہیں اور انکی صحت پر اشعار عرب سے سند دی ہو (ج)، اور بعض نے مسحور بمعنی ساحر بھی لکھا ہو (د)، گویا آپکو چالباز یا دھوکہ دینے والا کہا نجویٰ کیلئے دیکھو ۱۴۳۱

یستمعون بہ میں یا تو مراد ہی جس چیز کو ساتھ لئے ہوئے سنتے ہیں یعنی استخفاف ہنسی وغیرہ اور یا لاجلہ مراد ہی یعنی جس نیت استہزا وغیرہ سے سنتے ہیں۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے خلاف مشورے کرتے ہیں +

آنحضرتؐ کے متعلق مختلف رائیں

۱۸۴۰ ضربوالک الامثال یا مثالیں بیان کرنے سے مراد ہو کہ کن کن سے تمہیں تشبیہ دیتے ہیں یعنی کبھی ساحر کہتے ہیں کبھی استہزا کرتے اور مجنون کہتے ہیں کبھی مفتری قرار دیکر منصوبے کرتے ہیں اور گمراہ ہونے اور راستہ نہ پانے سے اسلامی صداقتوں کا انکار بھی مراد ہو سکتا ہو اور یہ بھی کہ آنحضرت کے معاملہ میں یہ بھٹک رہے ہیں اور کوئی مخرج نہیں ملتا کہ کیا ایک رائے قایم کریں اسلئے کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ اور ایک دوسرے کو خود ہی جھٹلا دیتے تھے یہی حالت مخالفین اسلام کی آج بھی ہو اور یا مثالیں بیان کرنے سے مراد انکار بعث وغیرہ کی باتیں ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہو +

رفت ۔ رفات

۱۸۴۱ رفاتا ۔ رَفْت کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہیں اور رفات وہ چیز ہے جو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پراگندہ کر دی جائے (غ)

انغاض

۱۸۴۲ ینغضون ۔ اِنْغاض دوسرے کی طرف سر کا ہلانا ہو گویا کہ اس کی بات پر تعجب کرتا ہو (غ)، اور یہ اوپر نیچے ہلانا ہوتا ہی یا انکار

ع ۶ / ۸
عذاب الٰہی کے آنے میں تاخیر

۵۲ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۵۳ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ

جس دن وہ تمہیں بلائیگا تب تم اسکی حمد کرتے ہوئے فرمانبرداری کروگے اور جان لوگے کہ تم تھوڑا ہی رہے ہو اور میرے بندوں کو کہدو

يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ

وہ بات کہیں جو بہت اچھی ہو بلاشبہ شیطان ان میں فساد ڈلوا تا رہتا ہے شیطان انسان کا

عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ ۵۴ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ

کھلا دشمن ہے ۱۸۴۳ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تم پر رحم کرے، اور اگر چاہے تمہیں عذاب دے اور ہم نے

۵۵ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

تجھے ان کا ذمہ دار (بنا کر) نہیں بھیجا اور تیرا رب انہیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

کے طور پر بلانا دل) +

بعث بعد الموت پر تعجب

بعث بعد الموت مادہ پرستوں کے لئے ہمیشہ ہی تعجب کا مقام رہا ہے انکار کے رنگ میں کہتے ہیں کہ ہم مر جائینگے اور گوشت گل کر ہڈیاں رہ جائیں گی اور آخر وہ ہڈیاں بھی چورا ہو جائینگی تو کیا پھر ہم از سر نو زندہ کئے جائیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ چورا اور مٹی تو آسانی سے زندگی قبول کر لیتی ہے اگر تم ایسی چیز بھی بن جاؤ کہ جو زندگی قبول ہی نہیں کر سکتی جیسے پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز جو تمہارے خیال میں آسکتی ہو۔ تب بھی موت کے بعد تم زندہ ہو گے اور آگے چل کر فرمایا کہ تم چورا چورا ہو جاؤ گے تو وہ تمہاری مثل پیدا کر دے گا دیکھو (۹۹) کیونکہ وہ زندگی اعمال انسانی سے پیدا ہوتی ہے اور اس پیرایہ کے اختیار کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر تمہارے دل پتھر اور لوہے کی طرح بھی سخت ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی تمہیں ایمان کی توفیق دیدیگا اور شاید قریباً میں اسی طرف اشارہ ہو اور اگلی آیت میں حمد کے ساتھ فرمانبرداری کرنا اسی کا مؤید ہے گویا اس بعثت کبریٰ سے پیشتر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نظارہ ایک بعثت صغریٰ میں بھی دکھا دیگا +

ابتداءً اسلام میں نرمی کی تعلیم

۱۸۴۳ یعنی اس وقت جب کفار کی طرف سے سخت تکلیفیں پہنچ رہی تھیں آنحضرت صلعم پر استہزا ہوتا آپ کو ساحر کاہن۔ مفتری شاعر کہا جاتا تھا مسلمانوں کو آیات بالا میں یہ خوشخبری سنا کر کہ یہ بھی ایک وقت اسلام قبول کریں گے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ سب کچھ سن کر بھی اپنے مخالفین سے احسن طریق پر بات کریں اور ان سے خشونت نہ کریں کیونکہ شیطان کی کوشش ہے کہ فساد بڑھائے نزغ کے لئے دیکھو ۱۹۵ ا اور سخت کلامی سے فساد اور بڑھے گا۔ کیا آج مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی سبق نہیں آج سے کم اس وقت مخالفین اسلام کی تباہی کے درپے نہ تھے۔ مگر حق اور صداقت دنیا میں صرف نرمی سے پھیل سکتے ہیں بغیر درشتی برتنے کے بھی ہم بعض افعال سے اظہار نفرت کر سکتے ہیں جن کا ارتکاب آج عیسائی اقوام طاقت کے نشہ میں کر رہی ہیں اگلی آیت میں یہ حکم میں یہی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام میں داخل کر دے +

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۝ قُلِ ادْعُوا ۵۶

اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور داؤد کو ہم نے زبور دی ۱۸۴۴ کہو انہیں

الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ ۵۷

پکارو جنہیں تم اس کے سوائے (معبود) گمان کرتے ہو تو وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنیکا اختیار رکھتے ہیں اور نہ بدل دینے کا ۱۸۴۵ وہ

الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَ

جنہیں یہ پکارتے ہیں خود اپنے رب کا قرب ڈھونڈھتے ہیں جو ان میں سے زیادہ قریب ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور

يَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ ۵۸

اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے ۱۸۴۶ اور کوئی بستی نہیں

زبور کی خصوصیت

۱۸۴۴ بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دینے میں اشارہ آنحضرت صلعم کی فضیلت کیطرف ہے دیکھو ۳۳۲ اور یہاں سورت کی ابتدا ہی اسی ذکر سے ہوتی ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ آپ کل انبیاء کے فضائل کو اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اور کامیابی اور تقرب الٰہی کے بلند سے بلند مرتبہ پر جو انسان کے لئے ممکن ہے پہنچے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں اس فضیلت کی طرف اشارہ کرکے اس رکوع کے آخر پر پھر اسی رویائے معراج نبوی کا ذکر کیا۔ اور آیت ۵۸ میں آپ کی بعثت عامہ کا ذکر اسی کی طرف اشارہ ہے اور حضرت داؤد کو زبور دینے کا یہاں بالخصوص ذکر اس لئے کیا کہ ایک تو زبور میں شدت بہت ہے اس کے مقابل قرآن کریم نے اسی جگہ اعدائے اسلام تک کے لئے یقولوا التی ھی احسن کی تعلیم دی ہے اور دوسرے جن کامیابیوں کی طرف اس سورت میں توجہ دلائی ہے ان میں سے ایک یہی ہے کہ مسجد اقصٰی یعنی بیت المقدس بھی مسلمانوں کو دیا جائیگا اور یہ پیشگوئی خاص طور پر حضرت داؤد کی زبور میں ہی ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (الانبیاء ۲۱ - ۱۰۵) پس حضرت داؤد اور زبور کا ذکر یہاں بے ربط نہیں بلکہ صاف بتاتا ہے کہ کس لطیف طریق پر سلسلہ مضمون کو قرآن کریم چلاتا ہے اور رکوعوں کے درمیان میں آجانے کے بعد بھی کس طرح سورت کے اصل مضمون کو قائم رکھا ہے +

تحویل

۱۸۴۵ تحویلا۔ حال سے ہے ۲۸۲ اور ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونا تحوّل اور منتقل کرنا تحویل ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ دکھ کو ان سے ہٹا کر دوسرے پر نہیں ڈال سکتے اور حِوَل اور تحوّل کے ایک ہی معنی ہیں لا یبغون عنھا حولا (الکھف ۱۸ - ۱۰۸)

حِوَل

وسیلۃ

۱۸۴۶ وسیلۃ کے لئے دیکھو ۸۲۰ ابن جریر میں اس کی تفسیر میں ہے کہ اس کے معنی قرب ہی ہیں اور یہی ابن عباس سے مروی ہیں

ایّ

ایّھم۔ میں یا ایّ موصولہ ہے اور یہ ضمیر یبتغون سے بدل بعض ہے یعنی جو ان میں سے مقرب ہیں وہ تو اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری کے ساتھ اور بھی اس کے قرب کو چاہتے ہیں۔ اور یا ایّ استفہامیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ کون ان میں سے زیادہ قرب حاصل کر

حصول قرب الٰہی کا ذریعہ

یہاں کن معبودوں کا ذکر ہے بعض کے نزدیک جن مراد ہیں اور بعض کے ملائکہ اور بعض کے عیسٰی اور مریم اور عزیر (ج) اور آخری بات ہی درست ہے اس لئے کہ یہاں بذریعہ اعمال و طاعات کے قرب حاصل کرنے کا ذکر ہے کیونکہ جنوں کے مقرب بارگاہ الٰہی ہونے کا قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں۔ اور ملائکہ مقرب تو ہیں مگر وہ طاعات اور اعمال سے قرب حاصل نہیں کرتے نہ ان کے مدارج قرب میں کوئی ترقی ہوتی ہے پس مراد ایسے راستباز انسان ہی ہیں جیسے حضرت عیسٰی اور سب سے بڑا شرک انہی کے متعلق ہونے والا

اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ كَانَ

مگر ہم اسے قیامت کے دن سے پہلے ہلاک کر دینگے یا اسے سخت عذاب دینگے یہ

ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا ۵۹

کتاب میں لکھا ہوا ہے ۱۴۴۷ اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ نشان بھیجتے رہیں ہاں یہ ہوا کہ پہلے انہیں جھٹلاتے

الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا

رہے اور ہم نے ثمود کو اونٹنی روشن نشان کے طور پر دی سو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشان صرف ڈرانے کو بھیجتے ہیں ۱۴۴۸

تھا۔ اب بھی انجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ خود عبادات اور دعائیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں خدا کو خدا کا قرب حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس کے عذاب سے ڈرنا اس کے قانون کو توڑنے سے ڈرنا ہے انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (الانعام ۱۵) خیر البشر کی زبان سے کہلوایا پس قرب الٰہی کو حاصل کرنے کا وہی راستہ ہے جس پر چل کر ان راستبازوں نے قرب الٰہی حاصل کیا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کی جائے نہ یہ کہ ان کی عبادت کی جائے۔ جو شخص کسی بزرگ کو مقرب بارگاہ الٰہی سمجھتا ہے اسے چاہیے کہ خود اسی راستہ پر چلے جس پر چلکر وہ بزرگ مقرب بنا یہی سیدھی راہ ہے ◆

دنیا کی سب بستیوں کی ہلاکت یا عذاب کا آنا اور اس کی وجہ

۱۴۴۷ جب اوپر کی آیت میں بتایا کہ مقربین بارگاہ الٰہی بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں تو اب بتایا کہ ان کو خدا بنانیوالے کس طرح عذاب سے بچ سکتے ہیں کیونکہ وہ راستباز تو طاعات کی طرف قدم بڑھاتے تھے اور یہ ان کو خدا بنا کر معاصی پر دلیر ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کے غلط راہ پر ہونے کا یہ نشان ہے کہ ان پر عذاب آتے رہینگے اسی کے مطابق دوسری جگہ ہے وقالت الیھود والنصٰرٰی نحن ابناء اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم (المائدۃ ۳ - ۱۸) اور یہاں حصر کیا ہے کہ قیامت سے پہلے ہر ایک بستی کو یا ہم ہلاک کر دینگے یا سخت عذاب دینگے۔ اور اسکے کتاب میں لکھا ہونے سے یہ مراد ہے کہ علم الٰہی میں یہ بات ہے جس کو اب قرآن شریف میں ظاہر کیا گیا۔ ان الفاظ سے خود قیامت کا آنا مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پھر ہلاکت اور سخت عذاب کو علیحدہ علیحدہ بیان نہ کیا جاتا۔ قیامت کے آنے پر تو ہلاکت ہی ہلاکت ہوگی اور خود زمین ہی پاش پاش کر دی جائیگی پس اس آیت میں ان امور کا ذکر ہے جو قیامت سے پیشتر آنحضرت صلعم کے زمانہ نبوت میں وقوع میں آنے والے ہیں اور ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ بعض بستیاں بالکل تباہ کر دی جائینگی اور عذاب شدید سے مراد یہ ہے کہ ان پر طرح طرح کے مصائب بھیجے جائینگے اور جیسا کہ دوسرے مقامات سے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب لوگوں کی اصلاح کے لئے آیا کرتا ہے اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون (الاعراف ۱۲ - ۹۴) اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اسکے غضب پر سبقت لے گئی ہے اس لئے ہلاکت کا عذاب کم ہی آتا ہے بایں تاریخ اسبات پر گواہ ہے کہ بستیوں کی بستیاں دنیا سے بالکل نابود ہو گئیں اور یہ بھی سچ ہے کہ انسانوں کی ہر بستی کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ مزا طرح طرح کی بلاؤں کا چکھتی ہی رہتی ہے اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ لوگ ظلم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سزا محض ان کی تنبیہ کیلئے اور ان کے معاصی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فذاقت وبال امرھا وکان عاقبۃ امرھا خسرا (الطلاق ۲ - ۹) وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا ورسلہ فحاسبنٰھا حسابا شدیدا وعذبنٰھا عذابا نکرا (الطلاق ۲ - ۸) ◆

قرآن معجزات کا انکار نہیں کرتا

۱۴۴۸ اس آیت کے معنے میں بسا اوقات یہ غلطی کی جاتی ہے کہ اس میں معجزات یا خاص قسم کے معجزات کا انکار مانا جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب ہم نشان نہیں بھیجتے اسلئے کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کر دی۔ اگر واقعی کسی کا تکذیب کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے روک

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً ۶۰

اور جب ہم نے تجھے کہا کہ تیرے رب نے لوگوں کا احاطہ کر لیا ہوا ہے اور ہم نے اس رویا کو جو تجھے دکھایا صرف لوگوں کیلئے فتنہ

لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

بنایا اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور ہم انہیں خوف دلاتے ہیں تو اسے ان کی خطرناک سرکشی اور بڑھتی ہے ۱۸۴۹

ہو سکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سلسلہ رسل و انبیاء کو ہی بند کر دیتا کیونکہ کون سا رسول آیا جس کی تکذیب نہیں ہوئی فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک (آل عمران ۳ - ۱۸۴) یحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون (یٰسٓ ۳۶ - ۳۰) اور یوں بھی یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہو کہ اسے پہلے علم نہ تھا کہ لوگ تکذیب کر دینگے جب لوگوں کے نشانات کی تکذیب کرنے سے یہ سمجھ آگیا۔ کہ نشانات کا بھیجنا بے سود ہے تو پھر اس نے ان کا بھیجنا بند کر دیا۔ بعض روایات جو اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر اور ابن جریر نے بیان کی ہیں۔ ان میں یوں آیا ہے کہ کفار نے کہا تھا کہ صفا کا پہاڑ سونا ہو جائے تو ہم مان لینگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ایسا کر دونگا لیکن اگر یہ پھر بھی نہ مانیں گے تو بالکل تباہ کر دیئے جائینگے جیسے پہلی امتیں ہلاک کر دی گئیں تو آنحضرت صلعم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ میں ان کے معاملہ میں نرمی کی درخواست کرتا ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی اس صورت میں گویا الآیات سے مراد وہ خاص نشان لیا گیا جو قریش نے مانگا اور کذب بہا میں ضمیر ان نشانوں کی طرف نہیں بلکہ ان کی جنس کی طرف ہوگی۔ مگر اس توجیہ کو آیت کے آخری الفاظ وما نرسل بالآیات الا تخویفا صحیح نہیں ٹھہراتے کیونکہ صفا کا سونا بنانا تخویف کے لئے نہ تھا۔ اور علاوہ ازیں اگلی آیت میں نخوفہم لاکر بتا دیا کہ جس طرح پہلے آیات تخویف کے لئے بھیجتے رہے ہیں اب بھی بھیج رہے ہیں اور یہ دونوں باتیں صاف بتاتی ہیں کہ اس آیت میں کسی قسم کے معجزات کا بھی انکار نہیں۔ اور سیاق مضمون بھی صاف یہی بتاتا ہے کہ یہاں انکار آیات نہیں کیونکہ اس سے پچھلی آیت میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا تھا کہ ہم عذاب ہلاکت یا دوسرے عذاب دنیا میں بھیجتے رہینگے اور اگلی آیت میں بھی عذاب بھیجنے کا ذکر ہے پس الا کو استثنائے منقطع لیکر آیت کے معنی یوں ہونگے کہ کسی چیز نے بھی ہمیں نشانوں کے بھیجنے سے نہیں روکا ہاں دوسری طرف یہ بھی ہوتا رہا کہ جن کیلئے یہ نشان بھیجے گئے تھے کہ وہ ان سے سبق حاصل کریں انہوں نے نشانات کی تکذیب کی۔ اور آیات تخویف کیلئے بھیجی جاتی ہیں یعنی ہلاکت سے کمتر عذاب اسلئے بھیجے جاتے ہیں کہ لوگ ڈر کر رجوع کریں ❖

ناقہ ثمود اور اسکے خصوصیت سے ذکر کی وجہ

اور درمیان میں ثمود کو ناقہ دینے کا ذکر بطور جملہ معترضہ کیا ہے اور یہ گویا ان آیات کی ایک مثال ہے یعنی اس اونٹنی کو بھی بطور ایک نشان کے انہیں دیا گیا تھا سو اس پر انہوں نے ظلم کیا۔ اس اونٹنی کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تباہ شدہ قوموں میں اہل حجاز سے قریب ترین قوم ثمود ہی تھی جو الحجر میں مدینہ کے شمال میں آباد تھی اور جو کچھ منصوبہ حضرت صالح کے اعدائے صالح کے خلاف کیا بعینہ وہی منصوبہ نبی کریم صلعم کے اعدائے آپ کے خلاف کیا قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصدقون (النمل ۲۷ - ۴۹) اور بعینہ ایسا ہی منصوبہ نبی کریم صلعم کے خلاف ہوا تھا حالانکہ وہ سورت اس منصوبہ سے بہت پہلے کی ہے اور ثمود کا اونٹنی کو مارنا حضرت صالح کے قتل کا پیش خیمہ تھا اور شاید یہ بھی اس میں مدنظر ہو کہ وہ بھاگ نہ سکیں ❖

احاطۃ

۱۴۷۹ احاط بالناس۔ احاطۃ کیلئے دیکھو ۱۳۸۵ یہاں مراد قدرت کے ساتھ احاطہ کرنا ہے اور احیط بفلان سے مراد ہوتی ہے اس کی ہلاکت قریب آگئی ❖

رؤیا

الرؤیا۔ خواب کے ساتھ مخصوص ہے ۱۵۱۶ اور اس رؤیا سے مراد معراج ہے جیسا کہ بخاری اور دیگر کتب حدیث سے ثابت ہے لیکن یہاں جو مفسرین نے اسے رؤیا عین کہا ہے تو یہ صریح لغت کے خلاف ہے اور اسلئے قبول نہیں کیا جا سکتا مفصل نوٹ ۱۸۰۱ میں گزر چکا ❖

ع ۱۰
مخالفین کیلئے عذاب

۶۱ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس (نے نہ کی) اس نے کہا کیا میں اسکی فرمانبرداری کروں جسے تو نے

۶۲ طِيْنًا ۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

مٹی سے پیدا کیا ہو کہا بتا یہی وہ ہو جسے تو نے مجھ پر بزرگی دی ہو اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو

۶۳ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

میں ضرور سوائے تھوڑوں کے اسکی نسل کو ہلاک کر دونگا ن۱۸۵۵ فرمایا چلا جا جو کوئی اُن میں سے تیری پیروی کریگا

الشجرة الملعونة

الشجرة الملعونة سے مراد زقوم کا درخت لیا گیا ہو اور یہ معنی ابن عباس سے مروی ہیں اور ملعونہ اسے اسلئے کہا کہ اس کے کھانیوالے ملعون ہونگے لیکن دیکھو ن۵۵۰ ا باء و استکبار کی وجہ سے جسے قرآن شریف میں ایک شجرة ہی قرار دیا گیا ہو شیطان ملعون ہو اور خود بدی کو شجرة خبیثة کہا ہو (ابراھیم ۱۴-۲۶) +

رویائے معراج

رکوع کی اس آخری آیت میں صاف طور پر سورت کے اصل مضمون کی طرف پھر متوجہ کیا ہو اور اس رویا کا ذکر کیا ہو جس سے سورت کی ابتدا کی تھی اور پہلے بلحاظ سیاق مضمون بتایا کہ جو مخالف اپنے آپ کو بڑا طاقتور سمجھتے ہیں وہ سب اللہ کی گرفت میں ہیں اور ہلاک کر دیئے جائینگے اور بعض مفسرین نے یہاں اشارہ بالخصوص بدر کی طرف مانا ہو اور پھر رویائے معراج کا ذکر کیا ہو جس میں نبی کریم صلعم کی آیندہ کامیابیوں کا نقشہ کھینچا گیا ہو اور پھر ملعون درخت کا یعنی زقوم کا درخت جو دوزخیوں کا طعام ہوگا اور اس میں اشارہ مخالفوں کی سزا دہی کی طرف ہو اور یا بدی کا درخت یا اباء و استکبار کا درخت کہ اسی سے ڈرانا مقصود ہو اور ان دونوں کو فتنة للناس فرمایا ہو رویا کا فتنہ ہونا تو اس لحاظ سے ہو کہ لوگوں کیلئے ابتلا اور امتحان کا موجب ہوگئی اور ملعون درخت سے اگر زقوم مراد لیا جائے تو اس کی وجہ یہ لکھی ہو کہ یہ سُنکر کہ قرآن شریف نے دوزخیوں کی خوراک زقوم بتائی ہو ابوجہل نے کھجوریں اور مکھن منگوا کر اسے ملایا اور کہا ہم تو اسی کو زقوم کہتے ہیں اور اگر اباء و استکبار مراد لیا جائے تو وہ اس لحاظ سے فتنہ ہو کہ اس کو اختیار کرکے لوگ دکھوں اور تکلیفوں میں پڑتے ہیں +

اکرام ـ تکرم ـ مکرم

ن۱۸۵۵ کرامت ـ کرم کیلئے دیکھو ن۲۴۷ اور اِکرام اور تکریم ایسا نفع پہنچانا ہو جس میں کوئی خواری یا نقصان نہ ہو (غ) بل عباد مکرمون (الانبیاء ۲۱-۲۶) هل اتٰك حديث ضيف ابراهيم المكرمين (الذّٰريٰت ۵۱-۲۴) +

حنك ـ احتناك

احتنکن ـ حَنَكٌ انسان اور جانور کے منہ میں اس حصہ کو جو ٹھوڑی کے نیچے اندر کی طرف ہے کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک تالو کو بھی ـ اور اِحتناك جس سے یہاں اِحْتَنَكَ فعل آیا ہو جانور کے متعلق کہا جاتا ہو جب اس کے نچلے جبڑے میں رسہ ڈال کر اسے چلایا جائے اور ٹڈی جب زمین کی روئیدگی کو کھا کر بالکل صاف کر دے تو اس پر بھی اِحْتَنَكَ بولا جاتا ہو پس اَحْتَنِكَ کے معنی ہونگے انہیں قابو میں کرکے ان کا استیصال کر دونگا (ل) +

شیطان کی تعلّی

پچھلے رکوع میں اعدائے حق اور انکے عذاب کا ذکر تھا ـ اب بتایا ہو کہ جو لوگ آنحضرت صلعم کے پیغام کو پھیلانے سے روکتے ہیں وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے لیکن اس سے پہلے اپنا ایک عام قانون بیان فرمایا ہو ـ کہ شیطان ہمیشہ سے ہی انسان کا دشمن چلا آیا ہو اور وہ راستی اور نیکی کے پھیلانے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہو مگر یہاں فرمانبرداری کے انکار کے بعد شیطان کی تعلّیوں کا ذکر کیا ہو اور بتایا ہو کہ وہ اپنے بڑے بڑے دعووں میں کہ میں یوں کر دوں کا جھوٹا ہو اور اپنے اولیاء سے جو وعدے وہ کرتا ہو وہ بھی سب دھوکہ

فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ ۶۴

تو دوزخ تمہاری سزا ہے (اور) پوری سزا ہے ۱۸۵۱ اور ان میں سے جس کو تو کر سکے اپنی آواز سے خفیف کر دے اور

اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا

ان پر اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کو اکٹھا کر لا اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے وعدے کر اور

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ ۶۵

شیطان جو ان سے وعدے کرتا ہے صرف دھوکا ہے ۱۸۵۲ میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہیں اور تیرا رب کافی کارساز ہے ۱۸۵۳

ان تمثیلوں میں اعدائے حق کی تمثیلوں بلکہ تمام بدی کی طرف بلانے والوں کی تمثیلوں کا نقشہ کھینچا ہے مٹی سے پیدا شدہ پر فخر کرنے کی وجہ کیلئے دیکھو ۱۰۵۴ +

وفر۔ موفور — ۱۸۵۱ موفور۔ وفرت کے معنی ہیں ایک چیز کو تمام اور کامل کیا۔ اسی سے موفور بمعنی کامل ہے (غ)

فزّ۔ استفزز — ۱۸۵۲ استفزز۔ فزّ کے معنی ہیں گھبراہٹ میں ڈال دیا اور استفزّہ کے بھی یہی معنی ہیں اور نکال دیا یا اسے ہلاکت میں ڈال دیا یا ڈرا دیا یا خفیف بنا دیا۔ وان کادوا لیستفزونک من الارض (۷۶) (ل) ان یستفزھم من الارض (۱۰۳) +

صوت۔ انصات — صوت۔ صَوت مطلق آواز کو کہتے ہیں خواہ اس کے معنی ہوں یا نہ ہوں اور ہر آواز کو جو دو جسموں کے کھٹکھٹانے سے پیدا ہو صوت کہا جاتا ہے اور انصات کے معنی ہیں باتوں کو ترک کر کے ایک کلام کو سننا واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا (الاعراف ۲۰۴) (غ) اور یہاں شیطان کے وسوسہ کو یا اسکے بلانے یا اس کی تحریک کو تحقیر کے رنگ میں صوت سے تعبیر کیا ہے گویا کہ وہ ایک بے معنی بات ہے (د) +

جلب۔ اجلب — اجلب۔ جلب ایک جگہ سے ہانک کر دوسری جگہ لے جانا اور اَجْلَبْتُ علیہ کے معنی ہیں اس پر بلند آواز سے چیخ ماری (غ) اور اَجْلَب علیہ کے معنی یہ بھی آتے ہیں کہ اس پر جماعتوں کو اکٹھا کر لایا اور اسے شکر سے ڈرایا (ل) +

شیطان کے سوار اور پیادے — بخیلک ورجلک۔ خیل سوار ۳۸۵ رَجِل پیادہ بمعنی راجل ۳۰۵ اور یہاں راجل کی جمع کے طور پر استعمال ہوا ہے شیطان کے سواروں اور پیادوں سے مراد بعض نے وہ سوار اور پیادے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں جنگ کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک مراد صرف اس کے اعوان اور اتباع ہیں یعنی اس کے مددگار۔

شیطان کی مال اور اولاد میں شرکت — شارکھم فی الاموال والاولاد۔ شیطان کے ساتھ مالوں اور اولاد میں شرکت سے مراد بعض کے نزدیک ان کا اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف کرنا اور ناجائز طریق پر کمانا ہے اور بعض نے اولاد میں شیطان کی شرکت سے مراد اولاد زنا لی ہے اور بعض نے ان کا ادیان باطلہ میں داخل کرنا مراد لیا ہے (ج) اور درحقیقت یہ لفظ ان سب باتوں پر حاوی ہیں +

یہاں بتایا ہے کہ شیطان جس رستہ سے بھی چاہے انسان کو بہکائے اور اپنی جمعیت سے اور اپنے اعوان و انصار سے ڈرائے یہ سب دھوکہ ہے فی الحقیقت وہ انسان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا +

شیطان کو انسان پر کوئی تصرف نہیں دیا گیا — ۱۸۵۳ اوپر کی سب باتوں کا جواب ایک ہی دیا گیا ہے کہ میرے بندوں پر شیطان کو کوئی تسلط یا غلبہ حاصل نہیں۔ عبادی سے مراد سب بندے بھی ہو سکتے ہیں اور عباد اللہ المخلصین بھی۔ اور یہ سچ ہے کہ شیطان کو فی الواقع کسی انسان پر بھی غلبہ نہیں دیا گیا یعنی وہ اسے زبردستی پکڑ کر معصیت نہیں کرا سکتا جیسا کہ دوسری جگہ شیطان کا اپنا اعتراف موجود ہے ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم

۶۶ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اسکے فضل کو طلب کرو بیشک وہ تم پر رحم کرنیوالا ہے ۱۸۵۳

۶۷ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ

اور جب تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو وہ سب، جاتے رہتے ہیں جنہیں تم پکارتے ہو مگر وہی (رہ جاتا ہے) پھر جب تمہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تم منہ پھیر لیتے ہو ۱۸۵۴

۶۸ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

اور انسان ناشکرگزار ہے تو کیا تم (اس سے) نڈر ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے قطعہ پر ہی نابود کردے یا تم پر کنکر برسانیوالی آندھی

۶۹ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ

بھیجدے پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ ۱۸۵۵ یا تم (اس سے) نڈر ہو کہ ایک دفعہ پھر تم کو اسی (دریا) میں لیجائے پھر تم پر

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝

(کشتی) توڑ دینے والی ہوا چلائے اور تم کو غرق کردے اسلئے کہ تم نے ناشکری کی پھر تم اپنے لئے ہمارے خلاف اس (معاملہ) کی کوئی پیروی کرنیوالا نہ پاؤ ۱۸۵۶

فاخلفتکم وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی (ابراھیم ۲۲) یعنی اللہ وعدہ دیتا تھا تو وہ وعدہ سچا ہوتا تھا اور میرا وعدہ جھوٹا نکلتا تھا اور مجھے تم پر کوئی غلبہ بھی حاصل نہ تھا (اور یہاں مخاطب خود اسکے پیچھے لگنے والے ہیں) میں صرف تمہیں بلاتا تھا تو تم فوراً میری بات مان لیتے تھے۔ البتہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں ان کو وہ بلا بھی نہیں سکتا اور انکی مخالفت کے رنگ میں اس کی کوشش آخرکار ناکام ہوتی ہے +

۱۸۵۴ یہاں خطاب ان مشرکین سے ہے جو شیطان کے پیچھے لگ کر خدا کو چھوڑتے تھے اور شرک کرتے تھے۔ تو اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے کہ ان سامانوں کا پیدا کرنیوالا جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ تمہارے معبودان باطل پھر بھی خدا کو چھوڑ کر ان کی طرف جھکتے ہو +

حاصب ۱۸۵۵ حاصب۔ حَصَبَۃ کنکری کو کہتے ہیں اور حاصِب اس ہوا کو کہتے ہیں جو بوجہ اپنی شدت کے مٹی اور کنکر اڑا دیتی ہے اور اس بادل کو بھی جس سے اولے برستے ہیں اور عذاب کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے حضرت علی نے خوارج کو فرمایا اصابکم حاصِبٌ یعنی تم پر عذاب آیا (ل) +

خسف اور ہوا کا عذاب یہ نقشہ قرآن کریم نے بار بار کھینچا ہے کہ کس طرح مشرک جب اس انتہائی بیکسی کی حالت کو پہنچتے ہیں جو طوفان کے وقت سمندر میں پیش آتی ہے تو شریکوں کو چھوڑ کر خدا کو پکارتے ہیں لیکن مصائب سے نکل کر پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں تو فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خشکی میں بھی یعنی اس جگہ جسے تم مقام امن سمجھتے ہو تمہیں نابود یا ذلیل کرسکتا ہے جیسا بدر میں ہوا۔ خسف کے معنی کے لئے دیکھو ۱۴۴۲ یا سخت ہوا چلا کر تمہاری قوت کو توڑ سکتا ہے جیسا کہ غزوۂ احزاب میں ہوا +

قاصف ۱۸۵۶ قاصف۔ وہ ہوا ہے جو جب چیز پر چلے درخت ہو یا عمارت اسے توڑ دے اور خطرناک گرج کو رَعْد قاصِفٌ کہتے ہیں (غ) +

تبیع تبیع۔ تَبِعَ کے معنی ہیں پیروی کی اور تبیع کئی معنی میں آتا ہے حدیث زکوٰۃ میں اس سے مراد گائے کا بچہ ہے جب ایک سال کا ہوجائے اسلئے کہ وہ ماں کے پیچھے چلتا ہے اور حدیث صحیحہ میں تبیع بمعنی خادم ہے اور تبیع وہ بھی ہے جو کسی حق کے لئے جس کا وہ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ ۷۰

اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم انکو خشکی اور تری میں اُٹھاتے ہیں اور انکو اچھی چیزوں سے رزق دیتے ہیں اور ہم نے ان کو بہتوں پر

عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۞ يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ ۷۱

ع ۷ — رسول اللہ صلعم کے خلاف کوششیں

جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی ہے ۱۸۵۷ جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے سرداروں کے ساتھ بلائینگے تو جسے اسکی کتاب

كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

اسکے داہنے ہاتھ میں دیجائیگی وہ اپنی کتاب کو پڑھینگے اور (انکی کتاب میں) ذرہ بھر کمی نہ ہوگی ۱۸۵۸

مطالبہ کرتا ہے دوسرے کا پیچھا کرے (یعنی ناصر یا بدلہ لینے والا) اور یہاں یہی معنی ہیں اور بعض نے تبیع کے معنی یہاں کئے ہیں ایسا پیچھا کرنے والا جو اس عذاب کا جو تم پر نازل ہوا انکار کرے یا اسے تم سے پھیر سکے (ل)۔ شاید کشتیوں پر فخر کرنے والی قوم کو سمجھایا ہے کہ ایک دفعہ کشتی بچ نکلے تو دوسری دفعہ غرق ہو سکتی ہے اور یا عمومیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایک وقت شدائد و مصائب سے جن کو ظلمات بحر سے تشبیہ دی جاتی ہے نجات دیدے تو انسان کو نڈر نہ ہو جانا چاہئے اور یہاں خطاب اس قوم کو کیا ہے جو مخالفت حق پر کمربستہ ہو رہی ہے۔

بنی آدم کی فضیلت

۱۸۵۷ یہاں سب بنی آدم کو عزت اور بزرگی دینے کا ذکر ہے اور یہ بحیثیت مخلوق کے بمقابلہ دوسری مخلوق کے ہے۔ اور کثیر سے مراد یہ نہیں کہ بہت سی قسم کی مخلوق پر تو بنی آدم کو فضیلت دی ہے اور بعض پر نہیں بھی دی یعنی کثیر کسی کے مقابلہ پر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہیں ایک دو قسم کی مخلوق پر فضیلت نہیں دی بلکہ بہت قسموں کی مخلوق پر فضیلت دی ہے کیونکہ دوسری جگہ صاف فرمایا وھو فضلکم علی العالمین (الاعراف ۱۴۰) اور علاوہ ازیں یہاں اس تکریم کا ذکر بمقابلہ شیطان کے انکار تکریم کے ہے ھذا الذی کرمت علیّ کیونکہ انسان کی فرمانبرداری کا اسے حکم تھا اور انسان کی فرمانبرداری کا ملائکہ کو بھی حکم تھا پس جس دلیل سے انسان کی مکرمت شیطان پر ثابت ہے اسی دلیل سے ملائکہ پر بھی اس کا شرف ثابت ہے اور یہ شرف اس لحاظ سے ہے کہ اس کی ترقیات غیر متناہیہ ہیں اور یہاں بنی آدم کی بزرگی کے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ ہم نے تو تم کو کل مخلوق پر فضیلت دی ہے تم کیوں اس کمال نفس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اپنی کرتوتوں سے اسے ذلیل کرتے ہو۔

یمین

۱۸۵۸ یمین کے مختلف معانی کے لئے دیکھو ۱۵۰۱ قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کیلئے جہاں ہوا ہے وہ بطور استعارہ اور مجاز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تشبیہ اور جسم سے پاک ہے (ل) اور حدیث میں آتا ہے وکلتا یدیہ یمین اس کے دونوں ہاتھ یمین ہیں یعنی صفت کمال سے متصف ہیں اور ایک سے دوسرے میں کچھ کمی نہیں کیونکہ بایاں ہاتھ بہ نسبت دائیں کے ناقص ہوتا ہے (ل) اور انسان کے متعلق بھی اس کا استعمال سوائے دائیں ہاتھ کے اور معنی میں ہوتا ہے ھو عندنا بالیمین کے معنی ہیں وہ ہمارے ہاں منزلہ حسنہ یا اچھا مقام رکھتا ہے۔ اور انکم کنتم تاتوننا عن الیمین (الصّٰفّٰت ۲۸) میں زجاج نے معنی کئے ہیں با قوی الاسباب یعنی نہایت قوی ذرائع کے ساتھ اور ایسا ہی فراغ علیہم ضربا بالیمین (الصّٰفّٰت ۹۳) میں ایک معنی قوت لئے گئے ہیں (ل)۔

ظلم

یظلمون۔ ظلم کیلئے دیکھو ۵۵ حق سے مجاوزت کمی سے ہو یا زیادتی سے ظلم ہے۔ اور اس لئے اس کے معنی صرف کم کرنے کے بھی آتے ہیں جیسے وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون (البقرۃ ۵۷) یعنی ہمارا کچھ کم نہیں کیا کلتا الجنتین اٰتت اکلہا ولم تظلم منہ شیئا (الکہف ۳۳) یعنی اس میں سے کچھ کم نہیں کیا (ل)۔ یہی معنی یہاں ہیں یعنی انکے اعمال حسنہ میں کوئی کمی نہ کی جائیگی۔

۷۲

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى

اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہا

لوگوں کا اپنے امام کے ساتھ بلایا جانا

پچھلے رکوع میں مخالفین کو سمجھایا تھا کہ عذاب الٰہی سے نڈر نہ ہوں اس میں مخالفین کی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو وہ رسول اللہ صلعم کے خلاف کر رہے تھے۔ اور پہلی دو آیتوں میں پچھلے رکوع کی آخری آیت کے سلسلہ میں کہ بنی آدم کو ہم نے کتنا بڑا شرف عطا فرمایا ہے یہ بتایا ہے کہ جو کوئی اس کمال کے حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے اسی لئے محروم رہتا ہے کہ اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رکھتا ہے۔ امام سے مراد یہاں روحانی سردار یعنی انبیاء ہی ہیں جن کی پیروی کا لوگ دعویٰ کرتے تھے اسی لئے دوسری جگہ انہیں شہید کہا ہے۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید و جئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا (النسآء ۴ - ۴۱) اور امام کے ساتھ بلانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے امام نے تو انہیں کمال انسانی کی طرف دعوت دی تھی پھر ایک گروہ نے اس کی پیروی کی اور اس کمال کو پالیا اور دوسرے نے اس سے آنکھیں بند کرلیں اور محروم رہ گئے اور بعض نے امام سے مراد ان کے اعمال اور بعض نے وہ کتاب مراد لی ہے جو ان پر نازل کی گئی (ج) اور نبی یا کتاب معنی کے لحاظ سے مفہوم ایک ہی ہے امام کیلئے دیکھو ۱۵۵ +

کتاب کا یمین یا پیٹھ کے ہاتھ میں دیا جانا

کتاب کے دائیں ہاتھ میں دیا جانے سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم میں جہاں بعض لوگوں کے یمین میں کتاب دینے کا ذکر ہے تو دوسروں کیلئے مختلف پیرائے اختیار کئے ہیں کہیں تو اسکے مقابل پر فرمایا واما من اوتی کتٰبہ بشمالہ (الحاقۃ ۶۹ - ۲۵) اور کہیں فرمایا واما من اوتی کتٰبہ وراء ظہرہ (الانشقاق ۸۴ - ۱۰) اور یہاں کتاب کو یمین میں دینے کے مقابل پر فرمایا و من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ تو پس یمین میں کتاب ہونے کے مقابل پر شمال میں کتاب ہونا بھی ہے اور پیٹھ پیچھے کتاب ہونا بھی اور اندھا ہونا بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قیامت کے دن کتابوں کا دیا جانا جزاء وفاقا کے رنگ میں ہے یعنی ایک لوگ وہ ہیں جو اس کتاب کو جو انہیں ان کے نبی کی معرفت ملتی ہے اس دنیا میں یمین میں لیتے ہیں یعنی قوت و قدرت سے اس پر عمل کرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو شمال میں لیتے ہیں یعنی ناقص طور پر اسے لیتے ہیں یا وراء ظہرہ یعنی اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہیں۔ جیسا دوسری جگہ ہے فنبذوہ وراء ظہورھم (آل عمران ۳ - ۱۸۷) یا وہ جو بالکل ہی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اندھے رہتے ہیں تو اسی کے مطابق قیامت میں ان سے معاملہ ہوگا جس نے یہاں کتاب کو یمین میں لیا اسے وہاں بھی یمین میں دی جائے گی اور جس نے یہاں شمال میں لیا اسے وہاں بھی شمال میں ملے گی اور جس نے یہاں کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینکا اس کو وہاں بھی پیٹھ پیچھے ملے گی اور جو یہاں اندھا رہا وہ وہاں بھی اندھا ہوگا رہا یہ کہ یمین یا شمال یا وراء ظہرہ کا دینا کس رنگ میں ہوگا سو ان کیفیات کو ہم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے آخرت کے جتنے معاملات ہیں مالا عین رأت کے مصداق ہیں۔ دوزخی اندھے بھی ہونگے اور دیکھینگے بھی ان کو کلام کی اجازت بھی نہیں ہوگی اور بولینگے بھی وہ جنت سے دور بھی ہونگے اور جنتیوں سے پانی وغیرہ بھی مانگینگے اور انہی یمین میں کتابوں والوں کو جو اصحاب الیمین اور شمال میں کتابوں والوں کو اصحاب الشمال کہا ہے تو اصحاب الیمین کے معنی امام راغب کرتے ہیں اصحاب السعادات والیُمن یعنی سعادتوں اور برکتوں والے اور ایک حدیث میں جو ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے یوں آتا ہے کہ کتاب یمین میں ملتے ہی اس شخص کا چہرہ روشن ہو جائے گا +

نامۂ اعمال کا پڑھنا

اولٰئک یقرءون کتابھم سے کیا مراد ہے بظاہر یقرءون کتابھم کے مقابل پر اگلی آیت میں اعمیٰ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے نہیں پڑھینگے مگر اس سورت میں گزر چکا کہ سب کو حکم ہوگا اقرء کتابک (۱۴) اپنی اپنی کتابیں پڑھو ۱۳ - ۱۵ +

پس یہ پڑھنا ایسا ہے جسے اندھا بھی پڑھ سکتا ہے اور چونکہ پڑھنے سے انسان کو علم حاصل ہو جاتا ہے اس لئے اصل منشا یہی ہے کہ انہیں ان اچھے اور برے اعمال کا علم ہو جائیگا مگر نہ صرف واقعات کے رنگ میں بلکہ نتائج کے رنگ میں کیونکہ بار بار اس کا

فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا ٧٣

تو وہ آخرت میں بھی اندھا اور رستہ (کے معاملہ) میں زیادہ گمراہ ہوگا ١٨٥٩ اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تجھے اس سے ہٹا دیں جو ہم نے تیری طرف

إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ ٧٤

وحی کی ڈگمگا دیں تاکہ تو اسکے سوا ہم پر جھوٹ بنا لے اور تب یہ ضرور تجھے دوست بنا لیتے ١٨٦٠ اور اگر ہم نے تجھے ثابت قدم نہ بنایا ہوتا

لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ ٧٥

تو تو تھوڑا سا ضرور ان کی طرف جھک جاتا ١٨٦١ تب البتہ ہم تجھے دگنا (عذاب) زندگی میں اور دگنا

وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝

مرنے پر چکھاتے پھر تو ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتا ١٨٦٢

ذکر یوں بھی آتا ہے ذوقوا ما کنتم تعملون (العنکبوت ٢٩ - ٥٥) اور چکھنے سے مراد نتائج کا بھگتنا ہوتا ہے۔

آخرت میں اندھا ہونا

١٨٥٩ اعمی کے لئے دیکھو ن ١٤٥٧ پہلے اعمی سے مراد مجازاً اندھا لیا گیا ہے اور دوسرے سے حقیقی طور پر اندھا لیکن دوسری جگہ فرمایا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (ق ٥٠ - ٢٢) یعنی اس دن نظر تیز ہو جائے گی۔ اور دوسری آیات سے بھی ان کا دیکھنا ثابت ہے پس دوسرے اعمی سے مراد بھی ایسا اندھا نہیں ہو سکتا کہ جس کی بصارت نہ ہو اور اضل سبیلا سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور ما ضل اسے کہتے ہیں کہ جو شخص غلط راستہ کو اختیار کر لیتا ہے وہ روز بروز حق سے دور ہی ہوتا چلا جاتا ہے اس آیت میں دوزخ کی کیفیات کو دوسرے رنگ

عذاب کا ایک رنگ

میں بیان کیا ہے اور عذاب نار کے پہلو بہ پہلو یہ نقشہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور اعمی سے مراد یہاں یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے رب کے لقاء سے محروم رہے گا اور وہ نور اسے نہ ملے گا جو مومنوں کو ملیگا بلکہ وہ تاریکیوں میں رہے گا۔

فتن

١٨٦٠ لیفتنونک۔ یفتنون فتن سے ہے اس کے ایک معنی کیلئے دیکھو ن ٣٢٧ اور راغب نے یوں معنی کئے ہیں کہ تجھے بلا اور مصیبت میں ڈالیں (غ)

آنحضرت کو لالچ دیکر دعوت سے روکنے کی کوشش

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بعض مدنی واقعات کا ذکر کر دیا ہے حالانکہ سورت اور اس کی یہ آیت مکی ہے اور اس میں اشارہ قریش کے اس وفد کی طرف ہے جس کا ذکر ابن ہشام میں ہے یعنی جب آپ کو اور آپ کے صحابہ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا کر قریش آپ کے دعوت الی الاسلام کے کام کو روکنے میں ناکامیاب ہوئے تو انہوں نے لالچ دیکر آپ کو اس کام سے روکنا چاہا اور آپ کی خدمت میں ایک وفد پہنچا کہ قرآن شریف میں آپ من دون اللہ معبودان کا ذکر چھوڑ دیں تو جو چیز آپ چاہیں دولت حسن حکومت وہ سب حاضر کرنے کو تیار ہیں مگر آپ نے اس لالچ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔

آپکا ثبات قدم

١٨٦١ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ قریش کی بات مان لیں اور نہ الفاظ سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے بلکہ یہاں تو صاف فرمایا کہ اگر اللہ تعالی نے ثابت قدم نہ کیا ہوتا تو تو جھک جاتا یعنی لالچ اس قدر زبردست تھا کہ اگر اللہ تعالی کی خاص حفاظت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو آپ جھک جاتے یا کوئی آدمی کتنا بھی بڑا ہوتا جھک جاتا اگلی آیت بھی یہی بتاتی ہے کہ آپ نے کبھی ایسا ارادہ نہیں کیا کیونکہ عذاب نہیں آیا۔

آپکا حفاظت الٰہی پر بھروسہ

١٨٦٢ ضعف الحیوۃ سے مراد دوچند عذاب دنیا ہے اور ضعف الممات سے مراد دوچند عذاب آخرت اور قتادہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے یہ دعا پڑھی اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین اے اللہ مجھے اپنے نفس کے سپرد ایک لمحہ کیلئے بھی نہ کیجو جس سے معلوم

٧٦ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ

اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تجھے اس سرزمین میں خفیف بنا دیں تاکہ تجھے اس سے نکال دیں اور اس صورت میں یہ بھی

٧٧ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۞ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ

تیرے پیچھے نہ رہینگے مگر تھوڑے دن ۱۸۶۳ یہی (ہمارا) طریق (انکے معاملہ میں) (ان) رسولوں کا جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا اور تو ہمارے

٧٨ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ۞ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَ

طریق میں کوئی تبدیلی نہ پائیگا ۱۸۶۴ سورج کے ڈھلنے سے (شروع کرکے) رات کے اندھیرے تک نماز کو قایم رکھ اور

قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ۞

صبح کے قرآن کو (بھی) بیشک صبح کے قرآن میں حضور ہوتا ہے ۱۸۶۵

ع ٩ — حق کی کامیابی کی عظیم الشان بشارت

ہوا کہ آپ کس قدر حفاظت الٰہی پر بھروسہ رکھتے تھے +

شعب ابی طالب میں محصور ہونا

۱۸۶۳ اس آیت میں قریش کے اس ارادہ کا ذکر ہے کہ آپ کو ہلکا اور خفیف بنا کر نکال دیں اور یہ قریش کی آخری تدبیر کی طرف اشارہ نہیں جو دار الندوہ میں ہوئی تھی جس کا ذکر دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک (الانفال - ۳۰) یہاں صرف استفزاز کا ذکر ہے اور یہ اشارہ آپ کے شعب ابی طالب میں قید کر دینے کی طرف ہے اور اصل غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلعم گھبرا کر اس سرزمین کو چھوڑ دیں اور چونکہ آخر نبی صلعم کو ہجرت کرنی پڑی تو اس لحاظ سے فرمایا کہ گو یہ اس میں کامیاب تو نہ ہوئے لیکن جب تم حکم الٰہی کے ماتحت مکہ سے نکل جاؤ گے تو پھر یہ بھی تمہارے بعد تھوڑے ہی دن یہاں ٹھہریں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور آپ کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی قریش کو بدر میں ایسی سخت شکست اٹھانی پڑی کہ ان کی قوت ٹوٹ گئی اور آخر آٹھویں سال میں فتح مکہ میں ان کا دور حکومت و تکلیف دہی ختم ہو گیا۔ اور یہ جو بعض مفسرین نے یہاں یہود کے مطالبہ کا کہ انبیاء کی سرزمین شام ہے آپ وہاں جائیں اور اس کے ساتھ آپ کے تبوک جانے کا ذکر کیا ہے تو واقعات تاریخی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور تبوک کا غزوہ آخری ایام مدینہ کا ہے +

ہجرت کے بعد قریش کیلئے پیشگوئی

۱۸۶۴ یعنی جب رسولوں کی تکالیف اس انتہا کو پہنچ جاتی ہیں کہ انہیں وہ سرزمین چھوڑنی پڑتی ہے تو پھر مخالفین خود بھی جلد ہی ہلاک ہو جاتے ہیں یہی سنت اللہ دربارہ رسل ہے جس کا یہاں ذکر کیا ہے +

دلک۔ دلوک

۱۸۶۵ دلوک ۔ دَلْکٌ کے معنی ملنا ہیں جیسے جسم کو نہاتے وقت یا کپڑے کو دھوتے وقت (ل) اور حدیث میں دلوک الشمس کسی جگہ پر آیا ہے اور اس سے مراد دوپہر کے بعد اس کا ڈھلنا بھی ہے اور اس کا غروب بھی اور اصل معنی دلوک کے مائل ہونا ہے (ن)، کلام عرب میں دُلُوک کے معنی زوال ہی تھے اس لئے سورج کو جب دوپہر کے بعد ڈھلے دَالِکَۃ کہا جاتا تھا اور غروب ہونے کی حالت پر بھی یہی لفظ بولا جاتا تھا کیونکہ دونوں حالتوں میں اس کا زوال ہے (ل)، راغب نے اس کے معنی کئے ہیں مَیْلُھَا لِلْغُرُوب اس کا مائل ہونا غروب کے لئے (غ)، اور یہی معنی زجاج نے کئے ہیں اور ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور حضرت عمرؓ سے یہی معنی مروی ہیں گویا دلوک کی ابتدا ڈھلنے سے ہے اور اس کی انتہا غروب ہونا ہے اس لئے دونوں حالتوں پر بولا گیا ہے +

غسق۔ غاسق

غسق غَسَق رات کی شدت تاریکی کو کہتے ہیں اور غاسق تاریک رات کو کہتے ہیں اور ومن شر غاسق (الفلق ۱۱۳: ۳)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ ۷۹

اور رات کے کچھ حصہ میں اسکے ساتھ جاگتا رہ یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہے امید ہے کہ تیرا رب تجھے بڑی تعریف کے مقام پر کھڑا کرے ۱۵۶۶

ہیں مراد اس سے رات کو آنے والی مصیبت لی گئی ہے ✦

بانہ فجر کے مشہود ہونے سے مراد

مشہود یعنی ایسا کرنے والے کے پاس شفا اور رحمت اور توفیق اور سکینت وغیرہ جن کا ذکر وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین (۸۲) میں ہے آموجود ہوتی ہیں (غ) کیونکہ شہد کے معنی ہیں موجود ہوا یا گواہ ہوا اور ایک حدیث میں ہے کہ رات اور دن کے ملائکہ اس وقت حاضر ہوتے ہیں (د) اور سکینت اور توفیق اور شفا اور رحمت بھی ملائکہ کے ذریعہ سے ہی انسان کو ملتے ہیں اور رات چونکہ سکون کیلئے ہے اور دن جد و جہد اور سعی کیلئے اسلئے بھی رات اور دن کے ملائکہ کے جمع ہونے سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت انسان کو پورا حضور قلب میسر ہوتا ہے ✦

نماز اور مصائب

پچھلے رکوع میں جب کفار کے فتنوں اور مخالفت کی کوششوں کا ذکر کر کے ہجرت نبوی کا ذکر بطور پیشگوئی کیا تو اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے مصائب میں قیام صلوٰۃ پر مداومت کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (البقرۃ ۲-۱۵۳) کا منشا ہے جس قدر مصائب بڑھیں اسی قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں ان مصائب کی طرف اور مصائب سے نکلنے کی طرف دلوک الشمس اور غسق اللیل میں اور قرآن الفجر میں صاف اشارہ بھی ہے گویا زوال آفتاب مصیبت کی ابتدا ہے (اور نبی کریم صلعم کا آفتاب اقبال تو واقعی نصف النہار کے آفتاب کی طرح روشن تھا جب آپنے دعویٰ کیا کیونکہ سب لوگ آپ کی امانت صداقت راستبازی کے قائل تھے) اور اس کے مقابل پر نماز ظہر ہے پھر آفتاب جوں جوں ڈھلتا ہے وہ مصیبت کی زیادتی ہے یہانتک کہ عصر کے ساتھ اس کی دھوپ پھیکی پڑجاتی ہے اور اس کے مقابل نماز عصر ہے اور آخر وہ غروب ہوتا ہے اور اس کے مقابل نماز مغرب ہے اور تاریکی کا زمانہ شروع ہو کر شدت ظلمت میں انسان مبتلا ہوتا ہے گویا مصیبت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور اس کے مقابل نماز عشا ہے لیکن اس کے بعد فجر کی روشنی بھی نمودار ہو جاتی ہے اسی لئے قرآن الفجر کو باقی نمازوں سے الگ کر کے بیان کیا ہے گویا یوں فرمایا کہ اگر مصائب بڑھتے بڑھتے تمام طرف تاریکی ہی تاریکی پھیل جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف رجوع کرنے والے بندوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ مصائب کی تاریکی کو دور کر کے روشنی نمودار کرتا ہے ✦

پانچ نمازیں

یہاں پہلی نماز نماز ظہر کو قرار دیا ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیل نے جب آنحضرت صلعم کو نماز سکھائی تو نماز ظہر سے ہی ابتدا کی۔ اور دلوک الشمس میں دونوں نمازیں ظہر اور عصر کی آجاتی ہیں اور غسق اللیل مغرب اور عشا کیونکہ رات کی تاریکی مغرب سے شروع ہو کر عشا کے وقت کمال کو پہنچ جاتی ہے اور پانچویں نماز فجر کا ذکر علیحدہ کیا ہے۔ اور قرآن الفجر سے مراد نماز فجر ہی ہے اور اس نام میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں قرآت لمبی ہوتی ہے اور دو دو نمازوں کے اکٹھا ذکر کرنے سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ بوقت ضرورت ظہر اور عصر کی اور

جمع بین الصلوٰتین

مغرب اور عشا کی نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں اور رسول اللہ صلعم سے ان نمازوں کا سفر میں جمع کرنا ثابت ہے اور بغیر سفر مدینہ میں جمع کرنا بھی۔ اور بارش یا بیماری میں بھی جمع ہوسکتی ہیں اور کسی اور ضرورت کے وقت بھی مگر نہ یوں کہ بلا وجہ اس کی عادت کرلی جائے اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ آپنے ایک دن عصر کے بعد وعظ شروع کیا یہانتک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے نکل آئے اور لوگوں نے نماز نماز پکارنا شروع کیا اور جب ایک شخص نے بہت زور سے اس طرح چلانا شروع کیا تو آپنے اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو ظہر اور عصر میں اور مغرب اور عشا میں جمع کرتے دیکھا۔ اور جمع تاخیر بہتر ہے یعنی ظہر کو پیچھے کر کے عصر کے قریب کرلینا اور مغرب میں تاخیر کر کے عشا کے قریب کرلینا اور جمع تقدیم بھی جائز ہے ✦

ہجود - تہجد

۱۵۶۶ تہجد۔ ہُجُود کے معنی نیند ہیں اور ہَجَّدَ تہ کے معنی ہیں اس کی نیند کو دور کردیا اور اسی معنی میں تَہَجَّدَ ہے اور فتہجد بہٖ سے مراد ہے کہ قرآن کے ساتھ جاگتا رہ اور یہ رات کی نماز پر ترغیب ہے (غ) اور تہجد بہٖ میں ضمیر قرآن کی طرف ہے یعنی نماز میں تلاوت قرآن

۸۰ وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ

اور کہو اے میرے رب مجھے سچائی کے داخلہ سے داخل کیجیو اور سچائی کا نکلنا نکالیو اور میرے لئے اپنی جناب سے مدد دینے والا

۸۱ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۝ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

غلبہ مقرر فرمائیو ۱۸۶۷ اور کہو حق آگیا اور باطل ہلاک ہوگیا بیشک باطل ہلاک ہونیوالا ہی تھا ۱۸۶۸

کے ساتھ جاگنا رہ اور بعض لیل کی طرف بھی ہو سکتی ہے جو مِن سے مفہوم ہے یعنی رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھ۔ اور اصطلاح شریعت میں تہجد وہ نماز ہے جو رات کے وقت سو کر اُٹھنے کے بعد پڑھی جائے یعنی اس میں پہلے سونا لازمی ہے +

نفل۔ نافلة — نافلة۔ نَفْل وہ ہے جو واجب سے زیادہ ہو دیکھو ۱۲۰۲ اور نافلة وہ ہے جو انسان کرتا ہے اور وہ اس پر واجب نہیں اور عبادت پر آتا ہے اور چونکہ بیٹے کا بیٹا اصل پر زیادت ہے اس لئے پوتے کو بھی نافلة کہتے ہیں ویعقوب نافلة (الانبیاء ۲۱-۷۲) (ل)

نماز تہجد — پانچ فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کا ذکر کیا ہے جو پچھلی رات پڑھی جاتی ہے اور نفل کے طور پر ہے اور یہ گیارہ یا تیرہ رکعت ہوتی ہیں جو دو دو کرکے پڑھی جاتی ہیں اور آخر میں ایک۔ یا صبح ہو جانے کی صورت میں اس سے کم جس قدر ہو سکے نماز تہجد کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ خاص کہا گیا ہے مگر دوسری جگہ صاف فرمایا وطائفة من الذين معك (المزمل ۷۳-۲۰) ہر ایک مسلمان کو پچھلی رات اُٹھنے اور نماز تہجد کی عادت ڈالنی چاہیئے اور

مقام محمود — مقام محمود سے مراد مقام شفاعت عظمیٰ ہے جیسا احادیث میں وارد ہے اور بخاری کی حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا جس کی تشریح یوں کی ہے یحمدہ اھل الجمع کلھم۔ سب لوگ جو جمع ہونگے آپ کی حمد کریں گے اور بعض احادیث میں مقام محمود سے مراد شفاعت ہی لی گئی ہے (ر) +

ہجرت میں کامیابی کی پیشگوئی — **۱۸۶۷** حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت ہجرت کے بارہ میں نازل ہوئی (ح)، یعنی دخول سے مراد دخول مدینہ ہے اور خروج سے مراد مکہ سے نکلنا۔ اور دخول کو خروج پر مقدم اس لئے کیا کہ وہ اہم ہے اور غرض یہ ہے کہ آپ کو ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر آپ مکہ سے نکلیں گے تو آپکے داخل ہونے کی جگہ اس سے پیشتر مقرر ہو چکی ہے اور سیاق مضمون سے بھی صاف اشارہ ہجرت کی طرف ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پچھلے رکوع میں صفائی سے بیان ہو چکا اور سلطانا نصيرا سے مراد غلبہ ہے جس سے آپکو نصرت ملے اور بعض نے اسے فتح مکہ کہا ہے۔ اور اس پر اگلی آیت شاہد ہے کیونکہ یہی الفاظ نبی کریم صلعم نے فتح مکہ پر پڑھے۔ اور بعض نے سلطان سے مراد بادشاہ لیا ہے یعنی ہر زمانہ میں کوئی دین کا ناصر بادشاہ پیدا ہوتا رہے (ر) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کو بار بار بتادیا تھا کہ آپ کو ہجرت کرنے پڑے گی اور اسی سے آپ کی کامیابی کی ابتدا ہوگی اور ہجرت فی الواقع تمام کامیابیوں کی جڑ ہے بشرطیکہ اپنی شرائط کے ساتھ ہو +

زہق — **۱۸۶۸** زہق۔ زَهَقَتْ نفسہ کے معنی ہیں کسی چیز پر افسوس کرتے ہوئے اس کی جان نکل گئی تزهق انفسهم (التوبة ۹-۵۵) (غ)

زاہق۔ زہوق — ...... اور زَهَقَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں وہ چیز باطل ہوگئی اور ہلاک ہوگئی اور نابود ہوگئی فاذا هو زاهق (الانبیاء ۲۱-۱۸) (ل)

خانہ کعبہ بتوں سے پاک کیا جانا اور پھر بت کبھی نہ آنا [illegible] — بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلعم جب فتح مکہ کے بعد مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے آنحضرت صلعم ایک چھڑی سے جو آپکے ہاتھ میں تھی ایک ایک بت کو مارتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ہی یہ آیت بھی وما يبدئ الباطل وما يعيد (السبا ۳۴-۴۹) کس قدر عظیم الشان پیشگوئی اس وقت پوری ہوئی جو بیکسی کی حالت میں مکہ میں بیان کی گئی تھی اور کس قدر عظمت اس پیشگوئی کو حاصل ہے جس کا نظارہ ہم آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس خانہ کعبہ میں پھر وہ بت نہیں جا سکے اور الحق کا آنا آپ کی تشریف آوری ہی تھی اسی لئے حضرت عیسٰی کی پیشگوئی میں آپکو روح حق کہا گیا ہے +

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ۸۲

اور ہم قرآن سے وہ کچھ اُتارتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو یہ (نزول) صرف نقصان میں

خَسَارًا ○ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ ۸۳

بڑھاتا ہے۱۸۶۹ اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور اپنا پہلو پھیر لیتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید

يَئُوْسًا ○ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۸۴

ہو جاتا ہے۱۸۷۰ کہو ہر ایک اپنی طریق پر عمل کرتا ہے سو تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو سب سے بڑھکر سیدھی راہ پر ہے۱۸۷۱

قرآن کن معنوں میں شفا ہے

۱۸۶۹ قرآن شریف روحانی بیماریوں کی شفا کیلئے نازل ہوا اور یہی شفا یہاں مراد ہے۔ جیسا کہ خود فرمایا وشفاء لما فی الصدور (یونس ۱۰ - ۵۷) اور جس طرح یہاں مومنوں کیلئے شفا اور رحمت قرار دیکر امراض روحانی سے شفا کی طرف اشارہ کیا اسی طرح دوسری جگہ ایمان والوں کیلئے اسے ہدایت اور شفاء فرمایا ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاء (حٰمٓ ۴۱ - ۴۴) اور حدیث میں ہے من لم یستشف بالقراٰن فلا شفاہ اللہ جو شخص قرآن سے شفا نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ اسے شفا نہ دے اور یہاں بھی یہی شفا مراد ہے نہ امراض جسمانی سے شفا۔

امراض جسمانی اور قرآن کریم

اور تعویذ کے طور پر قرآن شریف کی یا دوسری عبارتیں لکھکر بیماروں کو پلانا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور حسن اور مجاہد اور نخعی نے لوگوں کو اس سے روکا (د) اور تبرک کے طور پر قرآن شریف کا کوئی حصہ لکھکر بڑے یا چھوٹے کا اپنے پاس رکھنا ایک علیحدہ امر ہے مگر قرآن شریف کو امراض جسمانی کیلئے استعمال کرنا اس غرض کے منافی ہے جس کیلئے یہ پاک کلام نازل ہوا۔ اور افسوس یہ ہے کہ قوم تباہ ہو رہی ہے اور اس موت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے تو قرآن کو استعمال نہیں کیا جاتا اور لغو موقعوں پر اس کا استعمال کیا جاتا ہے کوئی چور دریافت کرنے کیلئے یٰسین پڑھکر لوٹا گھماتا ہے کوئی تعویذ لکھکر بیماروں کو پلاتا ہے اگر ان باتوں میں حق وحکمت ہوتی تو نبی صلعم کو ان پر اطلاع دی جاتی اور احادیث میں ان کا ذکر ہوتا۔ اصل غرض یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان مرد ہو یا عورت اسے پڑھے اور اس پر عمل کرے اس پر عمل امراض جسمانی سے بھی بچاتا ہے اور آخر پر فرمایا کہ یہی قرآن جھٹلانے والوں کیلئے اور زیادہ ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اسلئے کہ ہر نیکی کے مقابل پر جو اس کے اندر سکھائی جاتی ہے وہ مخالفت کی وجہ سے اور زیادہ بدیوں کا ارتکاب کرتے ہیں یا اس کی مخالفت میں قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں +

تکلیف میں مایوسی

۱۸۷۰ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح انعام کے وقت، اعراض فعل مذموم ہے اسی طرح تکلیف کے وقت مایوسی بھی مذموم فعل ہے رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہ ہو خواہ کیسی بھی مصائب پیش آئیں +

شکل. شاکلۃ شکال

۱۸۷۱ شاکلۃ۔ شکل کے معنی شبہ یا مثل ہیں واٰخر من شکلہ ازواج (صٓ ۳۸ - ۵۸) اور انسان کی شاکلۃ اس کی شکل اور اس کی جانب اور اس کا طریق ہے (ل) اور مفردات میں ہے کہ شکال چونکہ اسے کہا جاتا ہے جس کے ساتھ جانور کو قید کیا جاتا ہے اسلئے شاکلۃ انسان کی وہ خصلت ہے جو اسے قید کئے ہوئے ہو (غ) اور مفسرین نے طریق طبیعت اور دین اس سے مراد لئے ہیں +

جب اوپر دو گروہوں کا ذکر کیا ایک وہ جن کے لئے قرآن شفا ہو گیا دوسرا وہ جو گھاٹے میں بڑھ رہا ہے تو اب بتایا کہ ہر ایک اپنے اپنے طریق یا طبیعت پر عمل کرتا ہے نتیجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہدایت پر کون ہے ان الفاظ کا یہ مطلب نکالنا کہ بعض انسان طبیعت کی رو سے ہی بدی کرنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم کی ساری تعلیم کو باطل کرتا ہے +

ع ۱۰ / ۹

قرآن کریم کا اعجاز عظیم

۸۵ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

اور تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے ۱۴۷۲

روح تین طرح پر ہے

۱۴۷۲ روح۔ دیکھو ۱۱۱۸ و ۱۴۹۵ و ۱۴۴۷ روح کو حکما نے تین طرح پر قرار دیا ہے روح حیوانی اور روح انسانی یعنی نفس ناطقہ۔ اور قرآن کریم میں جو آدم میں نفخ روح کا ذکر ہے فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی (الحجر ۱۵ - ۲۹) تو وہ یہی روح انسانی ہی ہے جو حیوان سے انسان کو ممتاز کرتی ہے کیونکہ حیوان آدم سے پیشتر بن چکے تھے اور ہر انسان میں جو نفخ روح کا ذکر ہے وہ بھی اسی معنی سے ہے ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مہین ثم سوٰہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ (السجدۃ ۳۲ - ۸ و ۹) اور تیسری قسم کی روح وحی الٰہی ہے ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ (النحل ۱۶ - ۲) کیونکہ یہ خاص خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے اور اسی لحاظ سے قرآن کریم کو بھی روح کہا ہے وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا (الشوریٰ ۴۲ - ۵۲) اور آخر الذکر دونوں مقامات پر جہاں وحی مراد ہے من امرہ اور من امرنا کے الفاظ بھی ساتھ بڑھائے ہیں جیسے یہاں فرمایا قل الروح من امر ربی +

اقوال مفسرین دربارہ روح

یہاں سوال کس روح کے متعلق ہے مفسرین نے پانچ اقوال لکھے ہیں یعنی ارواح بنی آدم۔ جبرئیل (جن کو دوسری جگہ الروح الامین کے نام سے پکارا ہے) ایک عظیم الشان فرشتہ۔ فرشتے جو بنی آدم کی صورتوں پر ہیں۔ وہ فرشتے جنہیں فرشتے بھی نہیں دیکھتے گو وہ انہیں دیکھتے ہیں گویا وہ بلحاظ دیگر ملائکہ کے ایسے ہیں جیسے ملائکہ بلحاظ انسان کے (رش)

سوال دربارہ روح

میرے نزدیک سوال عام ہے اور روح سے مراد روح حیوانی بھی ہے اور روح انسانی یا نفس ناطقہ بھی اور حیات اُخروی والی روح یعنی وحی الٰہی بھی اور تینوں کے متعلق فرمایا کہ وہ من امر ربی ہے یعنی وہ جو ربوبیت کرنے والا ہے اس کے امر خاص سے ہے اور تینوں پر لفظ حاوی ہے کہ ربوبیت تینوں سے ہوتی ہے اور چونکہ انسان کی اصل ربوبیت جو اسے اس کے حقیقی کمال تک پہنچاتی ہے وحی الٰہی سے ہے اس لئے اسی کے متعلق ذکر کو جاری رکھا ہے جیسا اگلی آیت میں الذی اوحینا کے ذکر سے یا آیت ۸۸ میں قرآن کے ذکر سے اور باقی دو اس کے اندر شامل ہیں۔ اور ان تینوں کی حقیقت یا کنہ کو انسان نہیں پہنچ سکتا اور بخاری کی حدیث یا دیگر احادیث میں جو ذکر ہے تو وہ بھی ہر سہ کے متعلق ہو سکتا ہے کیونکہ یہود میں بھی لفظ روح کلام الٰہی پر بولا جاتا تھا البتہ یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی کیونکہ سورت مکی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ میں ہی ہوا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہود نے مدینہ میں سوال کیا ہو اور آنحضرت صلعم نے یہ جواب ان کو دیا ہو جو پہلے کا نازل شدہ تھا اور اسی وقت وحی ہونا محض راوی کا ظن ہے جیسا کہ ظننت کے استعمال سے ظاہر ہے۔

علم انسانی بمقابلہ علم الٰہی

اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا میں بتایا کہ انسان کا علم بمقابلہ علم الٰہی کچھ بھی نہیں۔ انسان صرف چند اوپر اوپر کی باتوں کا علم حاصل کر سکتا ہے ان کی کنہ تک پہنچنا اس کا کام نہیں +

روح جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے

یہاں اس قدر اور بڑھا دینا ضروری ہے کہ یہ خیال کہ روحیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پیدا کر کے رکھ چھوڑی ہیں صحیح نہیں اور یہ حدیث کہ روحیں دو ہزار سال پیشتر پیدا ہوئیں اس کی اسناد صحیح نہیں جیسا کہ ابن قیم نے لکھا ہے (د) کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ انسان جب نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ بنتا ہے تب اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور روح المعانی میں یہ قول نقل کیا ہے کہ روحوں کا جسموں سے پہلے پیدا ہونا قول فاسد اور خطائے صریح ہے اور عقل اور شرع کے مطابق یہی امر ہے کہ روح جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور یہی مذہب اہل تحقیق کا ہے جیسا کہ امام غزالی نے بھی لکھا ہے +

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا ۸۶

اور اگر ہم چاہتے تو اسے لے جاتے جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے پھر تو اپنے واسطے اسکے دلا دینے کے لئے ہمارے اوپر کوئی حمایتی

وَكِيلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ ۸۸

لینے والا نہ پاتا ۱۸۷۳ مگر تیرے رب کیطرف سے رحمت ہے بیشک اس کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے کہو اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے

وَالْجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند بنا لائیں تو اس کی مانند نہ لاسکینگے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے

ظَهِيرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰٓ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا ۸۹

مددگار ہوں ۱۸۷۴ اور یقیناً ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی نادر باتیں بار بار بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے سوائے انکار کے

كُفُورًا ۝ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ۝ ۹۰

کچھ منظور نہیں ۱۸۷۵ اور کہتے ہیں ہم تجھ پر ایمان نہیں لائینگے یہاں تک کہ تو ہمارے لئے اس زمین سے چشمہ نہ بہا دے ۱۸۷۶

قرآنی وحی ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہے گی

۱۸۷۳ حضرت موسیٰ کے ذکر سے تو سورت ہی شروع ہوئی تھی اور دیگر انبیاء کا اور ان کے متعلق سنت اللہ کا بھی ذکر آیا تھا اور ظاہر ہے کہ ہر نبی کے بعد دوسرا نبی آتا رہا اور پہلی کتابیں پچھلی کتاب کے آنے سے منسوخ ہوتی رہیں اور قرآن شریف کے آنے سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی وحی کی ضرورت باقی نہ رہی اور یوں بھی پہلی تمام کتابوں میں تحریف ہوتی رہی اس لئے فرمایا کہ یہ وحی جس کے ذریعہ سے اب ہم مخلوق کو حیات جاودانی دیتے ہیں اسے بھی اگر اللہ چاہتا تو پہلی وحیوں کی طرح لے جاتا پھر کوئی چیز اسے دنیا میں واپس نہ لاسکتی لیکن مشیت الٰہی ایسی نہ تھی بلکہ اس مشیت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ آخری وحی ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہے اور آپ کے بعد کوئی کتاب نہ آئے نہ کوئی نبی مبعوث ہو اور تمام لوگ اسی ایک نور سے روشنی حاصل کریں اسکی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے ان فضلہ کان علیک کبیرا

آخری نبوت

قرآن کی عظمت

۱۸۷۴ جب قرآن کے دنیا میں ہمیشہ باقی رہنے کا اور آخری کتاب ہونے کا ذکر کیا تو اب اس کی عظمت کی طرف بھی توجہ دلائی تمام دنیا کے انسان اس کی مثل نہیں لاسکتے نہ پہلی کتابوں میں سے نہ نئی بنا کر پس جس کی نظیر دنیا نہیں بنا سکتی اس کو اللہ تعالیٰ بھی ضائع نہیں کرے گا۔ دیکھو ۳۷ مگر جہاں سورۃ بقرہ میں وادعوا شہداء کم (البقرۃ ۲ - ۲۳) فرمایا یہاں فرمایا کہ انسان اور جن اکٹھے ہوں اور ایک دوسرے کی مدد کریں جس سے معلوم ہوا کہ وہی ان کے شہداء یا پیشرو ہی ہیں جنہیں اس کی سورۃ میں جنّ کے نام سے پکارا ہے +

جن سے مراد

مثل

تعلیم قرآنی کا کمال

۱۸۷۵ مَثَل کے معنی حجۃ یعنی دلیل اور حدیث یعنی بات اور صفت آتے ہیں (ت) اور روح المعانی میں مثل کے معنی یہاں دیئے ہیں ہر ایک معنی جو حسن میں اور نادر ہونے میں اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے میں بدیع یعنی بے مثال ہو +

قرآن کی عظمت کی اور اس کے ہمیشہ تک رہنے کی یہاں دلیل دی کہ اس میں ہر قسم کی باتیں بار بار اور کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں مذہب کے معاملہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو یہاں نہ ہو اور دوسری جگہ ہو +

نبع - ینبوع

۱۸۷۶ ینبوع - نَبَع چشمہ سے پانی کا نکلنا ہے اور یَنْبُوع (جمع ینابیع) چشمہ کو کہتے ہیں فسلکہ ینابیع (الزمر ۳۹ - ۲۱) (غ) +

روحانی انعامات کو جسمانی رنگ میں دیکھنے کی دعوت

باوجود قرآن شریف کی اس عظمت کے اس کے ہدایت میں بے مثل ہونے اور اس کی تعلیم کے کمال کے اس کا تو انکار کیا جاتا ہے اور مطالبہ

۹۱ ۹۲ اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا تَفۡجِيۡرًا ۙ اَوۡ تُسۡقِطَ

یا تیرا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو پھر تو اُس کے اندر خوب نہریں بہا نکالے یا تو آسمان کو

۹۳ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ قَبِيۡلًا ۙ اَوۡ

جیسا کہا کرتا ہو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے ۱۸۷۷ یا

يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى

تیرا سونے کا گھر ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانینگے جب تک

تُنَزِّلَ عَلَيۡنَا كِتٰبًا نَّقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۞

کہ تو ہم پر کتاب اُتارے جسے ہم پڑھ لیں کہو میرا رب پاک ہو میں صرف ایک انسان رسول ہوں ۱۸۷۹

یہ کیا جاتا ہو کہ مکہ کی زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے چونکہ راستبازوں کیلئے جنات وانہار کے وعدے تھے اور مخالفین پر عذاب کے آنے کے اسلئے مطالبات بھی قریباً اسی رنگ کے ہیں۔ چشمے اور نہریں اور باغ ہوں جن میں رسول اللہ صلعم رہیں یا مخالفوں پر آسمان ٹوٹ پڑے وہ نعماء جن کا روحانی طور پر وعدہ دیا گیا تھا انہیں جسمانی رنگ میں اس دنیا میں دیکھنا چاہتے ہیں یہی حالت آج بھی ہو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان فتوحات میں جو مسلمانوں کو عطا فرمائیں ایک رنگ ظاہری بھی ان نعمائے روحانی کا دکھا دیا مکہ معظمہ میں پانی کا چشمہ بھی بہ نکلا یعنی وہ نہر جو اب وہاں بہتی ہو۔ رسول اللہ صلعم باغوں اور نہروں کے مالک بھی ہوئے۔ مخالفوں پر آسمان بھی ٹوٹا مگر نہ اس رنگ میں جیسے وہ چاہتے تھے جس کی وجہ رکوع کی آخری آیت میں بتائی ہو +

کسفة **۱۸۷۷** اکسفا۔ کِسَفَة کی جمع کِسَف ہو اور کِسۡفَة بادل کے ٹکڑے کو کہتے ہیں یا روئی کے اور اجسام کے جن کے اجزا ایک دوسرے سے مضبوط طور پر پیوستہ نہ ہوں اور ان میں ردو بدل ہوتا رہے ویجعلہ کسفا (الروم ۳۰-۴۸)، فاسقط علینا کسفا من السماء (الشعراء ۲۶-۱۸۷) (غ)

قبیل قبیل۔ قبیلة کی جمع ہو جس کے معنی جماعت ہیں پس یہاں مراد ہو جماعت جماعت کر کے یا قبیلا کے معنی ہیں مقابلۃً یعنی آنکھوں کے سامنے

عذاب کا ذکر استعارہ کے رنگ میں یہ وہی عذاب ہیں جن کے ان کو وعدے دیتے جاتے تھے مگر جیسا کہ لفظ کِسَف کا استعمال بتاتا ہو مراد یہ نہ تھی کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز ہو جس کا ایک بڑا سا ٹکڑا ان پر گر کر انہیں تباہ کر دے گا جیسا انہوں نے سمجھا۔ بلکہ اس سے مراد اوپر سے کسی عذاب کا آنا تھا ہوا کے رنگ میں ہو یا بادل کے۔ اللہ اور فرشتوں کا آنا بھی حق تھا مگر نہ اس رنگ میں جیسا انہوں نے خیال کیا یعنی ظاہر طور پر نہیں دیکھو ۲۶۹ مادہ پرستوں کی نظریں بھی لفظوں کے فتشر تک محدود رہتی ہیں اور وہ اصل حقیقت پر غور نہیں کرتے +

رقی **۱۸۷۸** ترقی۔ رَقِیَ ماضی ہو اور رُقِیّ مصدر اور اس کے معنی سیڑھی یا زینہ پر یعنی اوپر چڑھنا ہیں اور اسی سے ارتقاء ہو۔ فلیرتقوا فی الاسباب (ص ۳۸-۱۰) +

کفار کے مطالبات میں لفظ پرستی سونے کا گھر ہو یعنی زمین پر ہی عام انسانوں سے کوئی امتیاز ہو یا خدا سے باتیں کرنے کا دعویٰ ہو تو آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔ اور چڑھنا بھی دیکھ لیں تو بھی نہیں مانینگے جب تک اوپر سے خدا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب لا کر نہ دکھاؤ ان تمام مطالبات میں وہی ایک ہی رنگ نظر آتا ہو یعنی لفظ پرستی اور اصل حقیقت کی طرف توجہ نہ کرنا۔ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا کہ ہمارے ہاں سونے اور چاندی کی کچھ بھی وقعت نہیں اور اگر لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا احتمال نہ ہوتا تو کافروں کے چاندی سونے کے گھر بنا دیتے

ع ۱۱

انکار رسول اور اسکی وجہ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ۹۴

اور لوگوں کو کوئی چیز ایمان لانے سے مانع نہیں ہوئی جب انکے پاس ہدایت آئی مگر یہ کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بناکر بھیجا ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ ۹۵

کہو اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے سکونت رکھتے ہوتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بناکر بھیجتے [۱۸۷۹]

لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتہم سقفاً من فضۃ و معارج علیہا یظہرون ..... وزخرفاً (الزخرف ۴۳ - ۳۳ تا ۳۵) تو لفظ یہ کہتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں اتنی بہتات سونے کی ہو تو پہلے تمہارا گھر ہی سونے کا بن لے - اور اسی سورت میں آپ کے معراج کا یعنی آسمانوں کے عجائبات کے دیکھنے کا ذکر ہے تو اس لئے کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھکر دکھاؤ - اور یہ جو تم کہتے ہو کہ وہاں سے احکام آلہی لایا ہوں تو اوپر سے ہی تمہارے ساتھ کوئی کتاب بھی آئے جس میں وہ احکام لکھے ہوئے ہوں - غرض باتیں تو وہی ہیں جو قرآن شریف نے فرمائیں لیکن ایک لفظ پرست قوم نے بجائے حقیقت کی طرف توجہ کرنے کے لفظوں پر اعتراض شروع کر دیئے - ان سب کا جواب ایک ہی دیا ہے کہ

معراج کے روحانی ہونے پر دلیل

میں بشر رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات عیب سے پاک ہے یعنی وہ خدا جسم نہیں کہ آسمان پر چڑھکر اس تک پہنچ سکیں اور اس کا کلام بھی یوں سنا یا دیکھا نہیں جاتا بلکہ اسکے لئے دوسرے غیر مادی اور روحانی حواس بکار ہیں جو ان حواس کے نقصوں سے خالی ہوں اور اس کی تمام باتیں پوری ہوئیں اور ہونگی مگر نہ اس طرح پر کہ تم چاہتے ہو - اسی سورت میں معراج کا ذکر ہونے کے باوجود کفار کے اس مطالبہ کا ذکر کہ تم آسمان پر چڑھ جاؤ صاف بتاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا معراج روحانی تھا - اور جسمانی طور پر آسمان پر چڑھنا بشریت کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سبحان ہونے کے بھی منافی ہے کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ خدا بھی ایک جسم ہے اور یہ اس میں عیب کا ماننا ہے +

آسمان پر جسم سمیت چڑھنا منافی بشریت ہے

مطمئن

[۱۸۷۹] مطمئنین اطمینان کے معنی ہیں خوف کے بعد سکون (غ)، اور یہاں ظاہری قرار یا سکونت اختیار کرنا مراد ہے +

انسانوں کیلئے فرشتہ پیغمبر بنکر نہیں آسکتا

بشریت رسول کا مضمون جاری رکھکر فرمایا ہے کہ انسان کیلئے انسان ہی رسول ہو سکتا تھا اور جو انسان ہوگا اس کے ساتھ لوازم بشریت بھی ہونگے یہ روحانی امور کو جسمانی رنگ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ فرشتے ان کو نظر آئیں - مگر فرشتے انسانوں کی طرف رسول بنکر نہیں آسکتے کیونکہ رسول کا کام تو ہے نمونہ دکھانا اور نمونہ جنس ہی جنس کیلئے ہو سکتی ہے نہ غیر جنس - انسانوں کی جگہ فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو فرشتے ہی ان کی طرف رسول بنکر آتے - اور خود پیغمبر پر فرشتہ کا آنا اس کے منافی نہیں کیونکہ پیغمبر فرشتہ کو ان حواس جسمانی سے نہیں بلکہ حواس روحانی سے دیکھتا ہے انہی حواس سے جن حواس سے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے +

فرشتے حواس جسمانی سے نہیں بلکہ حواس روحانی سے دیکھے جاتے ہیں

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے یہ حواس جسمانی فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ وہ روحانی حواس کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں کیونکہ اس بات کو بشریت کے منافی قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلعم جو ملائکہ کو دیکھتے تھے اور حضرت جبرائیل شب و روز آپ کے پاس آتے تھے تو وہ وہی حواس انبیاء سے دیکھنا تھا اور حضرت جبرائیل کو دحیہ کلبی یا کسی اعرابی کی شکل میں صحابہ کا دیکھنا اس آیت کے خلاف نہیں ہو سکتا - اور وہ بھی ایک کشفی نظارہ ہی ہو سکتا ہے جس میں دوسرے صحابہ بھی بسبب زبردست قوت کشفی نبوی کے شامل ہو گئے جس طرح پر حضرت ابوبکر کا بعض وقت وحی کی آواز کی بھنبھناہٹ کو سن لینا روایات سے معلوم ہوتا ہے +

انسان جنوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتا

اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح فرشتہ انسانوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتا اسی طرح انسان فرشتوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتا نہ جنوں کی طرف جو انسان کی جنس سے نہیں بلکہ دوسری جنس کی غیر مرئی ہستیاں ہیں جس جنس کو اپنی تکمیل کیلئے رسول کی ضرورت ہے اس رسول کا اسی جنس میں سے ہونا ضروری ہے اور رسول اللہ صلعم کے پاس جنوں کے آنے سے اور قرآن کو سننے اور اس پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے اس پر آئندہ اپنے موقعہ پر بحث ہوگی +

۹۶ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّهْدِ

کہو اللہ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار (اور انہیں) دیکھنے والا ہے ۱۸۸۰ اور جسے اللہ ہدایت

۹۷ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

دے تو وہی ہدایت پانیوالا ہے ۱۸۸۱ اور جسے وہ گمراہ ٹھہرائے تو تو انکے لئے اسکے مقابلہ میں اور کوئی ولی نہ پائیگا اور ہم انہیں قیامت کے دن

عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ۱۸۸۲

اپنے منہوں کے بل (گرتے ہوئے) اکٹھا کرینگے اندھے اور گونگے اور بہرے انکا ٹھکانا دوزخ ہے جب کبھی وہ (آگ) بجھنے لگیگی ہم پھر اور زیادہ بھڑکا دینگے

اللہ کی شہادت سے مراد

۱۸۸۰ اللہ تعالیٰ کی شہادت سے مراد اپنے فعل سے حق کے حق اور باطل کے باطل ہونے پر گواہی دینا ہے یعنی حق دنیا میں قایم ہوتا چلا جانا اور باطل جو اس کو نابود کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ خود باطل ہوتا چلا جاتا ہے اسی لئے خبیر اور بصیر کی صفات آخر میں لائی گئی ہیں *

۱۸۸۱ فھو المھتد - مراد یہ ہے کہ وہی شخص ایسے راستہ پر چلتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دے - اسکے مقابل پر وہ ہے جو گمراہی میں اس قدر دور نکل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر گمراہ ہونے کا فرد جرم لگا دیا اب اس کی سزا سے اللہ کے مقابلہ پر اسے کوئی نہیں بچا سکتا +

علی وجوھھم

علی وجوھھم - حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں کا حشر ان کے منہوں کے بل کس طرح ہوگا تو آپ نے فرمایا جو انہیں پاؤں پر چلانے پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انہیں منہوں پر چلائے - اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

محشر میں تین گروہ

لوگوں کا حشر تین گروہوں میں ہوگا ایک وہ جو سوار ہونگے اور ایک وہ جو چلتے اور دوڑتے ہونگے اور ایک وہ جنہیں فرشتے ان کے منہوں کے بل گھسیٹتے ہونگے اور قرآن کریم میں ہے یوم یسحبون فی النار علی وجوھھم (القمر ۵۴ - ۴۸) اور قرآن کریم میں ایک جگہ یوں بھی ہے افمن یمشی مکبا علی وجھہ اھدی امن یمشی سویا علی صراط مستقیم (الملک ۶۷ - ۲۲) یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا اور منہ کے بل گرتا ہے کیا وہ اس راہ پر ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دے گی اور چونکہ قرآن کریم میں سزا کو جزاء وفاقا (النبا ۷۸ - ۲۶) قرار دیا ہے

سزا کا مطابق اعمال ہونا

اسلئے جو لوگ یہاں سیدھی راہ اختیار نہیں کرتے بلکہ غلط راہ اختیار کرکے منہ کے بل گرتے ہیں ان کی سزا بھی ویسی ہی ہے جس طرح یہاں اندھے رہنے کی وجہ سے قیامت میں اندھے ہونگے اور یہاں حق کی طرف سے بہرہ ہونے کی وجہ سے وہاں بہرے ہونگے حالانکہ یہی اندھے وہاں دیکھینگے بھی اور یہی بہرے وہاں سنینگے بھی اور یہی گونگے وہاں بولینگے بھی گویا سزا کا ذکر انہی الفاظ میں کیا ہے جو الفاظ ان کی غلط کاریوں کے لئے استعمال کئے ہیں اور حدیث جو اوپر دی گئی ہے اس سے خود ظاہر ہے کہ جس طرح سوار ہونا چلنا بطور استعارہ ہے گھوڑوں یا بیلوں پر سوار ہونا مراد نہیں اسی طرح منہوں کے بل گرنا بھی بطور استعارہ ہے جس طرح انہوں نے انسان کی زندگی کے اشرف اور بلند تر مقصد کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھا اسی طرح ان کا اشرف حصہ وہاں ان کے پاؤں بنے گا +

خبوء جباء

خبت خبوء سے ہے اور خباء اصل میں پردہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر ڈال دیا جائے اسلئے جلتی آگ پر جب خاکستر کا پردہ آکر اسکے شعلہ کو ساکن کر دیتا ہے تو اس پر یہ لفظ بولا جاتا ہے (غ) +

آگ کے بار بار بھڑکایا جانے سے مراد

آگ کا بجھنا اور پھر اس کا بھڑکایا جانا اسی کی مثال ہے جیسے فرمایا کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا (النساء ۴ - ۵۶) اور مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب قایم رہے گا وہ ایسی آگ نہیں کہ ایک دفعہ جلا دی تو خود بخود اس پر خاکستر کا پردہ آکر بجھ جائے گی بلکہ اس کا اثر برابر قایم رہے گا جس طرح وہ مخالفت کی آگ بار بار بھڑکاتے تھے اسی طرح ان سے معاملہ ہوگا +

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۹۸

یہ انکی سزا ہو اسلئے کہ وہ ہماری باتوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائینگے تو نئی پیدائش

خَلْقًا جَدِيْدًا ○ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ ۹۹

میں اُٹھائے جائینگے کیا وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر ہے

عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

کہ ان (لوگوں) کی مثل پیدا کرے اور اس نے ان کیلئے ایک میعاد ٹھہرائی ہو جس میں کوئی شک نہیں مگر ظالموں کو سوائے انکار کے

اِلَّا كُفُوْرًا ○ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ ۱۰۰

کچھ منظور نہیں ۱۸۸۲ کہو اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تب تم انکے ختم ہو جانے کے ڈر سے (انہیں) روک

الْاِنْفَاقِ ۗ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ○ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۱۰۱

رکھتے اور انسان تنگ دل ہو ۱۸۸۳ اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو کھلے نشان دیئے

فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ○

سو بنی اسرائیل سے پوچھ جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اسے کہا اے موسیٰ میں تجھے ساحر سمجھتا ہوں ۱۸۸۴

ع ۱۱ ۱۲

شریعت موسوی اور حقانیت شریعت محمدیہ

حیات بعد الموت میں یہی جسم نہ ہوگا بلکہ اس کی مثل ہوگا

۱۸۸۲ یہاں حیات بعد الموت کو یا قیامت میں اُٹھایا جانے کو مثلھم قرار دیا ہو یعنی انہی انسانوں کی مثل جس سے معلوم ہوا کہ وہ بالکل یہی جسم نہیں اور یہ جسم تو ہر آن بدلتا بھی رہتا ہو۔ بلکہ اس کی مثل ہو اور مثل کا لفظ اس لئے بھی موزون ہو کہ جزا اور سزا مطابق اعمال ہو اور اجل کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ یہ جسم ایک وقت مقررہ کے بعد فنا ہو جاتا ہو۔ لیکن اعمال فنا نہیں ہوتے ✤

ملنا جسمانی و روحانی دونوں غیر ختم ہیں

۱۸۸۳ انفاق سے مراد یہاں مال کا جاتے رہنا یا ختم ہو جانا ہو ۔ ۱۳ اس آیت کا تعلق ماقبل سے کیا ہو بعض نے اسے انکے ان سوالات کے متعلق قرار دیا ہو کہ تمہارے لئے باغ اور نہریں اور سونے کا گھر ہو۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ دیدیگا۔ وہ بدوں کو دیتا ہو تو اچھوں کو کیوں نہ دے گا۔ انسان کی طرح وہ بخیل نہیں۔ مگر زیادہ تر قرین قیاس یہ ہو کہ رحمت ربی میں اشارہ اس رحمت کی طرف ہو جو ذریعہ وحی انسانوں پر نازل ہوتی ہو اور مراد یہ ظاہر کرنا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے بڑھکر دوسری نعمتیں ہیں اور وہ یہ بھی دیتا جاتا ہو وہ بھی اسے ختم ہو جانے کا خوف نہیں کیونکہ اس کے خزانے بے انتہا ہیں اور یہ اشارہ رسول اللہ صلعم کی کامیابیوں کی طرف ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کو بڑے بڑے سامان اور بادشاہتیں دیدیگا کیونکہ مالک وہ ہو تم نہیں ہو ✤

تسع آیات سے مراد

۱۸۸۴ ایک حدیث میں ہو کہ دو یہودیوں نے آنحضرت صلعم سے تسع آیات کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے نو احکام بیان فرمائے یعنی شرک نہ کرو چوری نہ کرو زنا نہ کرو وغیرہ جو شریعت موسوی کی بنیاد کے طور پر ہیں۔ مگر کئی وجوہ سے یہ حدیث قابل قبول نہیں گو ترمذی ابن ماجہ اور امام احمد نے اسے لیا ہو اسلئے کہ اول تو یہ احکام دس تھے دوسرے یہ احکام بنی اسرائیل کو بعد میں دیئے گئے جب مصر سے وہ ارض مقدس کیطرف چلے گئے۔ اور یہاں ان کے متعلق صاف فرعون کا ذکر ہو تیسرے اگلی آیت میں صاف طور پر انہیں بصائر یعنی دلائل صداقت

۱۰۲ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ

اس نے کہا تو خوب جانتا ہو کہ یہ آسمانوں اور زمین کے رب کے سوائے اور کسی نے نہیں اُتارے روشن دلائل کے طور پر اور میں اے فرعون

۱۰۳ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

تجھے ہلاک شدہ یقین کرتا ہوں ۱۸۸۵ سو اس نے چاہا کہ انہیں اس زمین میں خفیف کردے سو ہم نے اسے غرق کردیا اور ان سب کو بھی

۱۰۴ جَمِيْعًا ۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ

جو اسکے ساتھ تھے اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا وعدہ کی زمین میں سکونت اختیار کرو پھر جب پچھلا وعدہ

۱۰۵ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

آئے گا ہم تمہیں اکٹھا کر لائیں گے ۱۸۸۶ اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اُتارا اور وہ حق کے ساتھ اُترا اور ہم نے تجھے صرف

۱۰۶ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا

۱۸۸۷

خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا بنا کر بھیجا ہو اور قرآن اسے ہم نے جدا جدا کردیا ہو تاکہ تو اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر پڑھے اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا

حضرت موسیٰ نے ~~~ قرار دیا ہو۔ اور دلائل صداقت تعلیم نہیں بلکہ معجزات ہوسکتے ہیں۔ اسلئے تسع آیات سے مراد وہی نو نشان ہیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف میں ہو دیکھو ۱۱۴۳ مسحور کیلئے دیکھو ۱۸۳۹ اور اسکے معنی مجنون بھی ہوسکتے ہیں اور دوسری جگہ ہو ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون (الشعرآء ۲۶-۲۷)

۱۸۸۵ مثبور۔ ثبر کے معنی حبس یعنی روکنا ہیں (ل)، اور ثبور کے معنی ہلاک اور فساد کے ہیں جو لازم حال ہو جاتے دعوا ھنالک ثبورا (الفرقان ۲۵-۱۴)، اور مثبور ہلاک شدہ ہو ابن عباس سے ہو کہ اسکے معنی ناقص العقل ہیں کیونکہ یہی سب سے بڑی ہلاکت ہو (غ) +

ثبر۔ ثبور
مثبور

۱۸۸۶ لفیف۔ لفف ران پر گوشت کی کثرت کو کہتے ہیں اور لفیف کے معنی ہیں جمع عظیم جو طرح طرح کے لوگوں سے مل کر بنی ہوتی ہو جنمیں شریف اور کمینے اور فرمانبردار اور عاصی اور قوی اور ضعیف ہوں (ل)، اور ابن عباس نے اسکے معنی جمیعا کئے ہیں (ج) اور جنات الفافا (النبا ۷۸-۱۶) میں الفاف سے مراد درختوں کی کثرت ہو (ل) +

لفف۔ لفیف
الفاف

وعد الاٰخرۃ

یہاں مراد وعد الاٰخرۃ سے قیامت کا آنا لیا گیا ہو گویا مطلب یہ ہو کہ تم سب ہمارے حضور ملے جلے آؤ گے تو ہم تم میں فیصلہ کرینگے لیکن اسکے بعد فوراً آتا ہو وبالحق انزلناہ وبالحق نزل جس میں ذکر آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کا ہو اسلئے وعد الاٰخرۃ سے مراد نبی کریم صلعم کا آنا بھی ہوسکتا ہو اسلئے کہ یہ خاص وعدہ تھا جو حضرت موسیٰ سے کیا گیا تھا اور اسکی تائید نہ صرف اگلی آیت سے ہوتی ہو بلکہ آگے چل کر پھر اسی وعدے کا ذکر کیا ہو ان کان وعد ربنا لمفعولا (۱۰۸)، اور اسکے کہنے والے اوتوا العلم ہیں اور اس صورت میں اکٹھا کر لانے سے مراد یہ ہو کہ تم کو اس پاک سرزمین سے یعنی ارض مقدس سے بیدخل کردیا جائیگا یا سلسلہ بنی اسرائیل ختم ہو جائیگا اور ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائیگا

۱۸۸۷ فرقنا۔ فرق کے اصل معنی دو چیزوں کا الگ الگ کرنا ہیں پس یہاں دو طرح پر معنی ہوسکتے ہیں کھول کھول کر بیان کیا یعنی اسکے احکام کو تفصیل کے ساتھ الگ کردیا۔ یا تھوڑا تھوڑا کرکے یعنی الگ الگ ٹکڑوں میں نازل کیا (غ) +

فرق

مکث۔ مکث کے معنی ہیں ثبات مع انتظار یعنی انتظار کرتے ہوئے ٹھہرے رہنا قال لاھلہ امکثوا (القصص ۲۸-۲۹) فمکث غیر بعید (النمل ۲۷-۲۲) (غ)، تنزیل دیکھو ۱۲۳ +

مکث

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ ۱۰۷

کہو اسے مانو یا نہ مانو جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہو جب یہ ان پر پڑھا جاتا ہو وہ ٹھوڑیوں کے

لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ۝ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَ ۱۰۹

بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہو یقیناً ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہنا تھا اور

یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ یَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّامَّا ۱۱۰ السجدۃ

وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے ہیں اور یہ انہیں عاجزی میں بڑھاتا ہو[۱۸۸۸] کہو اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس کسی کو پکارو

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝

اسی کے سب اچھے نام ہیں اور پکار پکار کر دعا نہ کر اور نہ چپکا ہی رہ اور اس کے درمیان رستہ طلب کر[۱۸۸۹]

قرآن کریم کا بتدریج نزول

قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ یہاں اس کا ذکر بلحاظ اس کی عظمت کے ہو۔ کیونکہ اس میں ہر قسم کی تعلیم تھی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے میں حفظ اور فہم دونوں میں مدد ملتی تھی۔ اور تنزیلا میں اشارہ ہو کہ مصالح کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ اور دوسری جگہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمت کو یوں بیان فرمایا لنثبت به فؤادك (الفرقان ۲۵-۳۲) +

ذقن

۱۸۸۸ اذقان۔ ذَقَن کی جمع ہو ٹھوڑی (غ) تحقیق کیلئے دیکھو ۱۵۸۵ اور یہاں جزو سے کل مراد لیکر منہ مراد لیا گیا ہو (ر) +

حضرت موسیٰ کی پیشگوئی

کوئی ایمان لائے یا نہ لائے مگر جو شخص اوتوا العلم کا مصداق ہو اور علم کی بات کے سامنے نفس کی ہوا و ہوس کو چھوڑ دیتا ہو وہ انکار نہیں کر سکتا کہ بیشک وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی زبان سے کیا تھا استثناء ۱۸: ۱۵-۱۸ وہ حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی ذات بابرکات میں ہی پورا ہوا اور اگر آپ نہ آتے تو وہ وعدہ بھی پورا نہ ہوتا۔ دوبارہ گرنے میں نماز کے دو سجدوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہو اور اصل مراد یہ ہو کہ جب وعدہ الٰہی کے پورا ہونے پر وہ سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں تو پھر ایک ایسا سرور قرآن کے ساتھ ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہو کہ اس سے بھر کر پھر دوبارہ خدا کے حضور گر جاتے ہیں گویا ان کا علم و یقین اور ترقی کر جاتا ہو +

خفت۔ تخافت

۱۸۸۹ تخافت۔ خَفْت اور خُفَات بھوک سے جو کمزوری پیدا ہو یا آواز کی کمزوری کو کہتے ہیں اور جب موت کے ساتھ انسان کا کلام منقطع ہو جاتا ہو اور وہ خاموش ہو جاتا ہو تو اسے خافت کہتے ہیں اور بات کے چھپانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہو۔ یتخافتون بینهم (طٰه ۲۰-۱۰۳) (ل) +

صفت رحمانیت اور مذاہب باطلہ

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت میں تمام مذاہب باطلہ نے ٹھوکر کھائی ہو عرب کے بت پرست بھی عیسائی قوم کی طرح صفت رحمانیت یعنی رحم بلا بدل کو نہ مانتے تھے۔ اور گو سورت میں ذکر بنی اسرائیل کا تھا مگر چونکہ ان سے پھیر کر اب عیسائیت کی طرف ذکر کو لاتا ہو جس پر سلسلہ موسوی ختم ہوتا ہو اسلئے اس آیت میں اور اگلی آیت میں صاف طور پر عیسائی عقیدہ کا ذکر کیا ہو۔ اور تفاسیر میں حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کیا گیا ہو کہ مکہ میں آنحضرت صلعم اللہ تعالیٰ سے یا اللہ یا رحمٰن کہکر دعا کرتے تھے تو مشرکوں نے کہا کہ ہمیں دو خدا پکارنے سے روکتے ہیں اور آپ دو خداؤں کو پکارتے ہیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ ایک ہی ذات واحد کے اسماء ہیں یعنی اس کی مختلف صفات کے لحاظ سے اسکے نام ہیں۔ اور اصل میں یہاں یہ بتایا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و خشوع سے اور اپنے آپکو

اسمائے حسنیٰ پکارنا

اسکے اسمائے حسنیٰ کے ماتحت لانے سے انسان اپنے کمال کو حاصل کرتا ہو اللہ تعالیٰ کی سب صفات ہی خوبصورت ہیں جس صفت کو

۱۱۱ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ

اور کہو سب تعریف اللہ کے لئے ہو جس نے بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کا کوئی بادشاہی میں شریک ہو اور

لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۱۱۱ ع

نہ وہ عاجز ہو کہ اس کا کوئی مددگار ہو اور اس کی بڑائی بیان کر جو حق بڑائی بیان کرنیکا ہو ۱۸۹

انسان اپنے اندر لینے کی کوشش کرے اسی سے اس کے اندر حسن پیدا ہوگا +

دعا میں اعتدال

اور صلوٰت کا لفظ جو یہاں آیا ہو تو اس کے معنی دعا ہیں دیکھو ۱۳۷۱ گو بخاری میں دونوں قسم کی احادیث ہیں یعنی حضرت ابن عباس کی روایت کہ اس آیت کا نزول قرأت کے بارہ میں ہو یعنی نماز کی قرأت کے اور حضرت عائشہ کی روایت کہ یہ عام دعا کے بارہ میں ہو اور دوسری روایات میں مجاہد اور ابن عباس سے یہی تفسیر مروی ہو (د) اور سیاق مضمون اسکے دعا کے بارہ میں ہونے کو ہی صحیح ٹھہراتا ہو کیونکہ اوپر صاف ذکر دعا کا ہو یعنی جب یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کو اسکے اسمائے حسنیٰ سے پکارو تو اب یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں میانہ روی اختیار کرو نہ تو اس قدر چیخ کر پکارو کہ گو یا خدا بلند آواز کو ہی سنتا ہو اور نہ ہی یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ تو دل کی باتوں کو جانتا ہو منہ سے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہو بالکل خاموشی اختیار کرو۔ دعا کے معاملہ میں بھی لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہو دعا میں زیادہ چلانا ادب کے خلاف ہو اور بغیر الفاظ کے دعا کا اثر قلب پر نہیں پڑتا اور نہ اس میں وہ

قرأت بالجہر اور آہستہ

گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی ہو جو اسے قبولیت کے مقام پر پہنچائے اور صلوٰۃ کے معنی نماز لیکر قرأت ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ نہ تو ساری قرأت بالجہر ہو اور نہ ساری آہستہ ہو بلکہ انکے درمیان چلو یعنی کچھ حصہ بالجہر ہو تا کہ اس حالت میں سب کے سب ایک ہی طرح پر خدا کی عظمت کے آگے سر جھکائے ہوئے ہوں اور ایک حصہ آہستگی سے ہو تا کہ ہر شخص اپنے رنگ میں خدا کے خیال میں محو ہو +

توحید الٰہی

۱۸۹ سورت کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرنے پر کیا ہو جیسا کہ ابتدا اس کی سبوحیت سے کی تھی نہ اس کا کوئی بیٹا ہو نہ کوئی شریک ہو نہ کوئی ولی مددگار رہی۔ بیٹا اس کو بکار ہو جس نے مرجانا ہو۔ شریک اسے بکار ہو جو خود سارا کام نہ کر سکے اور مددگار اسے بکار ہو جو اپنی طاقت سے ایک کام کو نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے کا محتاج ہو اور عقیدہ ولد کا ذکر کرکے مضمون کا انتقال عیسائی مذہب کی طرف کیا جس پر اگلی سورت میں بحث ہو۔ نتیجہ سب کا ایک ہے کہ دلوں پر عظمت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا ہی رسولوں کی بعثت کی اصل غرض ہو جیسا نبیت کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا ذکر بھی خاص معنی رکھتا ہو +

سورۃ الکہف مکیۃ [illegible]

م

اس سورت کا نام الکہف ہے اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو دس آیتیں ہیں اور کہف کے معنی غار بھی ہیں اور جائے پناہ بھی۔ اور اس سورت کا نام کہف اس وجہ سے ہے کہ اس میں اصحاب الکہف کا ذکر ہے یعنی چند لوگوں کا جنہوں نے شرک سے بچنے کیلئے اور توحید کو پھیلانے کیلئے ایک غار میں پناہ لی تھی۔ اور یہ لوگ عیسائی مذہب کے تھے اور عیسائی مذہب کی پرورش اس رنگ میں بھی کہف میں ہوئی کہ ایک عرصہ دراز تک اس کی حالت مظلومیت کی رہی اور آزادانہ اسکی تبلیغ نہ ہو سکتی تھی اور اس رنگ میں بھی کہ اس میں جو اچھے لوگ ہوئے ہیں وہ زیادہ تر رہبانیت کیطرف جھکے رہے ہیں یعنی دنیا و مافیہا سے الگ ہو کر پہاڑوں میں اور غاروں میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور چونکہ اس سورت میں صرف ایک ہی ذکر ہے یعنی عیسائی مذہب کا اسلئے اس کا نام کہف اسی مذہب کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنیکے لئے ہے۔

خلاصۂ مضمون

اس سورت کے ربط مضامین میں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے اور بظاہر اس میں تین موٹے موٹے ذکر الگ الگ نظر آتے ہیں یعنی ذکر اصحاب کہف۔ ذکر خضر و موسیٰ۔ ذکر ذو القرنین جن کا بظاہر ایک دوسرے سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا مفسرین نے آسان توجیہ یوں کر دی ہے کہ چونکہ یہود نے تین سوال اکٹھے کئے تھے۔ یعنی روح کے متعلق اصحاب کہف کے متعلق اور ذوالقرنین کے متعلق اسلئے ایک کا جواب پچھلی سورت میں دیدیا اور دو کا یہاں مگر اول تو جب دو سورتوں میں الگ الگ جواب کر دیئے تو اس بنا پر ان کا اکٹھا ایک سورت میں لانا بے معنی ہے علاوہ بریں خضر و موسیٰ کا ذکر دونوں کے درمیان میں کیوں رکھا اصل بات یہ ہے کہ جو مفہوم ان تینوں کے نیچے ہے وہ ایک ہے اور باوجود تین الگ الگ زمانوں کے الگ الگ ملکوں کے الگ الگ اشخاص کے واقعات ہونے کے تینوں کا تعلق ایک نہ ایک رنگ میں عیسائی مذہب سے اور نبی کریم صلعم کی تبلیغ حق سے ہے۔ سورت کی ابتدا قرآن کے کتاب قیّم ہونے اور ان لوگوں کے انذار سے کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا منسوب کرتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کی زمینی آرائشوں کی طرف اشارہ کیا ہے یہی وہ فتنۂ دجالی ہے جس کا ذکر احادیث نبوی میں ہے اسلئے کہ انہی فتنوں کے علاج کے طور پر ان آیات کے پڑھنے کا حکم ہے اور اس فتنۂ دجالی کے ساتھ جو بالآخر عیسائی مذہب کی تعلیم اور عیسائی اقوام کی دنیوی حالت سے پیدا ہونا تھا عیسائی مذہب کی ابتدا کا ذکر اصحاب کہف کے تذکرہ میں کیا ہے یوں پہلے رکوع میں فتنۂ دجالی کے ذکر کو اصحاب کہف کے ذکر کے ساتھ ملایا ہے۔ دوسرے رکوع میں اصحاب کہف کی حقیقت کو بیان کیا ہے اور تیسرے میں ان کے خاتمہ کا ذکر کیا ہے اور چونکہ عیسائی اقوام اسلام کے پیغام حق کے قبول کرنے میں تمام دنیا کی اقوام سے پیچھے رہ گئی ہیں اس لئے چوتھے رکوع میں دعوت الی الحق اور اس کی مشکلات کا ذکر کیا۔ پانچویں میں عیسائیت اور اسلام کا ایک تمثیل کے رنگ میں ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ عیسائیت کو اپنے مال و دولت اور حکومت پر فخر ہوگا اور اسلام کو خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دینے پر فخر ہے۔ اسی بنا پر چھٹے رکوع میں بتایا کہ دنیا کا مال و دولت محاسبہ اعمال میں ہیچ اشیاء ہیں۔ ساتویں میں شیطان کی دوستی کا انجام بتایا اور سمجھایا کہ جن تعلقات کی خاطر انسان حق کو چھوڑتا ہے یہ بھی آخر کار کسی کام نہیں آتے بلکہ انسان کی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں۔ آٹھویں میں اس دنیا کی مالک قوموں کو سمجھایا کہ کوئی قوم نہیں جو ہمیشہ علو کے مقام پر رہی ہو بلکہ ہر ایک کیلئے ایک ہلاکت کا وقت ہوتا ہے اسی طرح ان کیلئے بھی ہوگا۔ یعنی ان کی یہ قوت جس کی بنا پر پیغام حق کے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہیں بالآخر توڑ دی جائے گی۔ نویں اور دسویں رکوع میں حضرت موسیٰ اور خضر کے واقعات کو بیان کر کے سمجھایا کہ خدا کا پیغام بنی اسرائیل تک محدود نہ تھا بلکہ سلسلہ اسرائیل کا عظیم الشان بانی یعنی حضرت موسیٰ بھی صرف ایک ہی قوم کیلئے ہدایت لیکر آئے تھے اور انکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ — بے انتہا رحم والے — بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

کے زمانہ میں انکے سامنے ایسے لوگ موجود تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دوسری اقوام کے لئے پیغامبر بنایا تھا۔ اور جو علم خضر رکھتے تھے وہ موسیٰ کو نہ تھا اور جو موسیٰ کو علم دیا گیا تھا وہ خضر کو نہ تھا ان واقعات میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ سلسلہ اسرائیل جو خود مختص القوم تھا اس میں کل دنیا کا نجات دہندہ کس طرح آسکتا تھا اور دوسری طرف یہ بھی اشارہ کے رنگ میں بتایا کہ خود تمہاری کتابوں میں وہ پیشگوئیاں موجود ہیں جن سے محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ گیارھویں رکوع میں ایک ایرانی نبی یا مصلح کا ذکر کیا جس کا نام ذوالقرنین ہے اور اس میں بھی یہی سمجھانا مقصود ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ ہر قوم کو الگ الگ نبوتیں دیتا رہا۔ اور ساتھ ہی اس ذوالقرنین کو یاجوج ماجوج سے مقابلہ پیش آیا جن کی روک تھام کیلئے اس نے ایک عظیم الشان دیوار بنائی اور یاجوج ماجوج کا ہی فساد بالآخر دوبارہ ظاہر ہونے والا تھا۔ جب اسلام کو ظاہری طور پر یعنی ملکی رنگ میں بہت مغلوبیت کا پہلو دیکھنا پڑے گا مگر آخر کار اسلام ہی غالب آئے گا اور یاجوج ماجوج جو زبردست عیسائی اقوام کے لئے ہی دوسرا نام ہے بالآخر اسلام کے سامنے گردن جھکائیں گے اس کے بعد آخری رکوع میں عیسائی اقوام کی آخری حالت کا نقشہ کھینچا ہے یعنی انسان کو خدا بنانے والے عملاً دنیا اور اس کی صنعتوں میں منہمک معلوم کرینگے کہ نجات بغیر اسلام کے نہیں۔ اور کہ مسیح خدا کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نسل انسانی کو اعلےٰ سے اعلیٰ مقامات کی طرف بلاتے ہیں +

تعلق — اس سورت کا تعلق سورۃ بنی اسرائیل کے ساتھ نہایت صاف ہے پچھلی سورت کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا تھا۔ وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا اور اس کی ابتدا الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب سے کرکے شروع میں ہی وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا کا ارشاد فرمایا اور بلحاظ مضمون سورت دیکھا جائے تو بھی تعلق نہایت صاف ہے۔ پچھلی سورت میں حضرت موسیٰ کے بعد کی تاریخ بنی اسرائیل کا کچھ ذکر تھا اور اس میں حضرت عیسیٰ کے بعد کی تاریخ کا کچھ ذکر ہے یعنی عیسائی مذہب کی تاریخ کا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ کے آخری خلیفہ ہیں لیکن اگر یہود کے ذکر کو نہایت مختصر کیا تھا لتفسدن فی الارض مرتین تو عیسائیت کی تاریخ کو کہف کی حالت سے شروع کرکے یحسنون صنعا تک بیان کیا یعنی ایک طرف ان کی رہبانیت اور ترک دنیا اور دوسری طرف حد درجہ کی دنیا پرستی اور خدا کا نام تک ترک کر دینا۔ اور عالم الغیب خدا کے کلام میں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہود اس قوت و اقتدار کو حاصل نہیں کرینگے جسے عیسائی حاصل کرینگے۔ ایک لطیف تعلق یہ بھی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل میں ۱ ناہی کے ذکر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی طرف اشارہ تھا اور یہاں اس ہجرت میں کہف یعنی جائے امن ملنے کی خوشخبری دی +

زمانہ نزول — زمانہ نزول اس سورت کا وہی ہے جو سورۃ بنی اسرائیل کا یعنی قریباً پانچواں سال بعثت کا یا اس سے بھی پیشتر اور یہ ان سورتوں میں سے ایک سورت ہے جو جملۃً واحدۃً نازل ہوئی ہیں یعنی ساری سورت ایک ہی وقت میں نازل ہوئی اور اس کی بنا ایک حدیث ہے (د) اور یہ ساری مکی سورت ہے +

ع ۱ / ۱۲

[illegible] کہف کی حقیقت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ ۱

سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری اور اس کے لئے کوئی کجی نہ رہنے دی ۱۸۹۱

لم یجعل لہ عوجا

۱۸۹۱ ولم یجعل لہ عوجا۔ ابن عباسؓ نے اس جملہ کو معترضہ قرار دیا ہے تو گویا ترکیب یوں ہوئی انزل علی عبدہ الکتاب قیما (ج) اور لم یجعل لہ عوجا کے معنی کئے گئے ہیں کہ اس میں کوئی میل عن الحق یا التباس نہیں (ج) یا اس میں کوئی اختلال لفظی یا تناقض معنی نہیں (د) مگر دوسری جگہ ہے یا اهل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من اٰمن تبغونها عوجا (اٰل عمران ۳-۹۸) اور الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونها عوجا (الاعراف ۷-۴۵) یعنی حق کے دشمن لوگوں کو اس سے روک کر سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اسلئے ہو سکتا ہے کہ یہاں اسی طرف اشارہ ہو کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل بندہ محمد صلعم پر قیم ہونے کی حالت میں اُتارا ہے اسلئے جو لوگ اس سے روک کر یا وسا وس ڈال کر اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کجیوں کو دور کر دیا ہے اور باقی نہیں رہنے دیا۔ اور چونکہ اس سورت میں خطاب عیسائیوں سے ہے جو تبغونها عوجا کے اصل مصداق بھی ہیں اس لئے یہ معنی زیادہ موزون ہیں۔ اور اسی صورت میں اس کا جملہ معترضہ ہونا بھی موزون ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ کتاب کا اُتارنا ہی بے معنی ہوتا اگر مخالف اس سے روک کر اس میں عوج پیدا کر سکتے اور عوج پیدا کرنا یہی ہے کہ اس غرض کو جس کے لئے کتاب اُتاری گئی ہے پورا نہ ہونے دیا جائے۔

نزول کتاب سے معانی ربوبیت

اس سورت کو حمد کے ساتھ شروع کیا ہے اور حمد ربوبیت سے ہے الحمد للہ رب العالمین پس مراد یہ ہے کہ کتاب کا اُتارنا انسان کی ربوبیت کیلئے ہے اور اس میں بالخصوص ربوبیت روحانی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ قیم سے بھی ظاہر ہے کیونکہ اسی سے کمال انسانی حاصل ہوتا ہے اور اس سورت کی ابتداء ربوبیت روحانی کے ذکر سے اسلئے کی کہ اس میں اس قوم کا ذکر ہے جو بالکل دنیا کی زندگی پر گر گئی۔ الذین ضل سعیهم فی الحیٰوة الدنیا (۱۸-۱۰۴) یعنی عیسائی قوم۔

فتنہ دجال سے مراد فتنہ عیسائیت ہے

حدیث صحیح میں ہے جسے مسلم ابوداؤد ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے عن النبی صلعم قال من حفظ عشر اٰیات من اول سورة الکهف عصم من الدجال یعنی نبی صلعم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد رکھے گا وہ دجال سے محفوظ رہیگا اور دوسری حدیث میں جسے بھی مسلم اور نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے یہ لفظ ہیں قال من قرأ العشر الاواخر من سورة الکهف عصم من فتنة الدجال یعنی جو شخص سورۂ کہف کی پچھلی دس آیات پڑھیگا وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا اور احمد کی ایک روایت میں ان دونوں کو یوں جمع کیا ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی پہلی اور پچھلی آیتوں کو پڑھے گا اس کے سر سے قدم تک نور ہو جائیگا اب یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف ایک پرحکمت علمی کتاب ہے اور تعویذوں منتروں کی طرح اپنے آپکو پیش نہیں کرتا کہ فلاں لفظ کے پڑھ لینے سے فلاں مشکل حل ہو جاتی ہے پس یہ غور طلب ہے کہ ان پہلی اور پچھلی دس آیتوں میں کیا خاص بات ہے جو فتنہ دجال سے بچا سکتی ہے ایک سرسری نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں جگہ عیسائیت کا ذکر ہے پہلی دس آیات میں قالوا اتخذ اللہ ولدا میں بلحاظ عقیدہ کہ وہ خدا کا بیٹا بناتے ہیں اور انا جعلنا ما علی الارض زینة میں بلحاظ عمل یعنی زمین کو زینت دیں گے۔ اور پچھلی دس میں ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء میں بلحاظ عقیدہ اور الذین ضل سعیهم فی الحیٰوة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا میں بلحاظ عمل کہ ان کی ساری کوشش دنیا پر اور صنعتوں پر صرف ہوگی تو جب انکے عقاید اور اعمال کی طرف توجہ دلا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کی دنیوی ترقیوں کی ظاہری دلفریبیوں پر نہ جانا تو انکے فتنہ سے بچنے کی راہ بتا دی اور ایک مسلمان جو قرآن کے خدا کا کلام ہونے پر ایمان لاتا ہے آج تیرہ سو برس بعد ان نظاروں کو دیکھ کر جو قرآن شریف میں پہلے سے بتائے ہوئے موجود ہیں خدا کے کلام پر اور ایمان بڑھتا ہے اور یوں وہ عیسائیوں کے عظیم الشان فتنہ سے بچتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دجال کا فتنہ بھی عیسائیت کا فتنہ ہے اور قرآن شریف اپنی صراحت سے اس پر شاہد ہے حدیثوں میں تو دجال کی تعیین میں

۲ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

قایم رکھنے والی تاکہ اس کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان مومنوں کو خوشخبری دے جو اچھے عمل کرتے

۳ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ

ہیں کہ ان کیلئے اچھا اجر ہے ۱۸۹۲ وہ اس میں ہمیشہ ٹھہرنے والے ہیں

بعض سے اختلافات پائے جاتے ہیں یہانتک کہ بعض حدیثوں میں ابن صیاد پر جزم معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ مسلمان ہو کر مرا مگر قرآن شریف میں ایسی پکی بات ہے جس پر کسی کو اعتراض کی گنجایش ہی نہیں +

احادیث میں لفظ دجال اختیار کرنے کی وجہ اور لفظ کی لغوی تشریح

اس جگہ لفظ دجّال کی لغت و دیدینا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا تا معلوم ہو کہ کیوں احادیث میں عیسائیت کی جگہ مسیح الدجال کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ دَجَلَ الشیءَ کے اصل معنی ہیں غطّاہٗ یعنی اسے ڈھانک دیا اور دجّال کے مختلف معنی اس لحاظ سے ہیں کہ ڈھانکنا کیسا ہے چنانچہ اس کے پہلے معنی کذّاب ہیں اسلئے کہ جھوٹ سے بھی ایک پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور ابن سیدہ کہتے ہیں دجال کا نام دجال اسلئے رکھا گیا کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ڈھانک دیگا اور کہا گیا ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنی جماعتوں کی کثرت سے زمین کو ڈھانک دیگا اور بعض نے کہا اسلئے کہ وہ لوگوں پر اپنے کفر کا پردہ ڈال دیگا اور حدیث میں ہے یکون فی اٰخر الزمان دجالون یعنی آخری زمانہ میں دجال ظاہر ہونگے اور ایک میں ہے کہ قیامت سے پہلے دجال ہونگے اور ازہری نے کہا کہ ہر کذاب دجال ہے اور دجال کے ایک معنی ہیں بڑا گروہ جو اپنی کثرت کی وجہ سے ساری زمین پر پھیل جائے اور بعض کے نزدیک ایسا گروہ جو اپنا سامان تجارت کیلئے اٹھائے پھرے اور یہ بھی لکھا ہے کہ دجال کو دجال اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ جو کچھ دل میں رکھتا ہے اسکے خلاف ظاہر کرتا ہے (ل) اب اس تمام تشریح سے جو لسان العرب سے نقل کی گئی ہے کس قدر صفائی سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے جو عیسائیت کے فتنہ کو فتنہ دجال قرار دیا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے اور آج واقعات نے کس دل کو اسبات کا قائل نہیں کر دیا کہ اسکے سوا دوسرے دجال کا تلاش کرنا صحیح غلطی ہے حدیث کے استعارات کو حقیقت پر محمول کرنے سے یہ غلطی پیدا ہوئی ہے۔ اور مسیح الدجال کا لفظ اسلئے اختیار کیا گیا ہے کہ مسیح کی اصل تعلیم کے بالکل خلاف وہ تعلیم ہے جو عیسائیت اس وقت دنیا میں پھیلا رہی ہے +

قیم

دین قیم

کتاب قیم

قیوم

۱۸۹۲ قیما۔ قیام کے معنی کسی چیز کی نگہداشت اور حفاظت کرنا ہیں اور یہاں کتاب کو قیم کہا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور دوسری جگہ دین کو قیّم کہا ہے ذٰلک الدین القیم (التوبۃ ۹۔ ۳۶) اور ایک جگہ ہے ذٰلک دین القیمۃ (البینۃ ۹۸۔ ۵) اور دین کے قیم ہونے سے مراد ہے مضبوط اور معاش اور معاد کے امور کو قایم رکھنے والا اور فیہا کتب قیمۃ (البینۃ ۹۸۔ ۳) میں اشارہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے معانی کی طرف ہے جو قرآن میں موجود ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی پہلی ساری کتابوں کے ثمرات قرآن میں جمع ہیں اور اللہ تعالیٰ کو قیوم کہا ہے یعنی سب چیزوں کی حفاظت کرنے والا اور انکے قیام کے سامان عطا کرنے والا (غ) اور فراء کا قول ہے کہ وہ ساری کتب سماوی پر قیم ہے یعنی ان کی حفاظت کرنیوالی اور ابو مسلم کہتے ہیں مصالح عباد کو قایم کرنیوالی اور ان کی متکفل اور بعض نے کہا اپنی ذات میں کامل و دوسرے کو بکمال کرنیوالی (ر) اور حقیقت میں وہ دونوں رنگ میں قیم ہے یعنی کتب سماوی کی صحیح تعلیم کی حفاظت بھی اسنے کی جیسا کہ دوسری جگہ اسے مھیمنا علیہ (المائدۃ ۵۔ ۴۸) کہا ہے اور وہ انسان کو اپنے کمال کو پہنچانے والی بھی ہے اور تعلیم کو بھی۔ اور اس کی تعلیم کے کمال سے اس کا پیرو بھی اپنے کمال کو پہنچتا ہے +

کتاب کے کامل ہونیکے دو نتایج

دو باتیں بیان کی ہیں ایک سخت عذاب کا انذار یہ انکے لئے ہے جو بینونہا عوجا کے مصداق ہیں اور دوسرا اجر حسن اور یہ انکے لئے ہے جو اسکے پیچھے چلکر اپنے کمال کو حاصل کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو اس کے کمال میں نقص ہوتا +

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ ۝ ٤

اور انہیں ڈرائے جو کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنالیا ۱۸۹۳ انہیں اسکے متعلق کچھ بھی علم نہیں اور نہ انکے باپ دادوں کو تھا، بڑی بات

كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا ٦

ہے جو انکے منہوں سے نکلتی ہے ۱۸۹۴ وہ جھوٹ ہی کہتے ہیں ۔ تو کیا تو اپنی جان کو انکے پیچھے رنج میں ہلاک کردیگا اگر وہ

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا ٨

اس بات پر ایمان نہ لائیں ۱۸۹۵ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کیلئے زینت بنایا ہے تاکہ انہیں آزمائیں کون ان میں سے بہترین عمل کرنیوالا ہے اور ہم یقیناً

عیسائی اقوام کی مخالفت اسلام

۱۸۹۳ حالانکہ پہلے بھی انذار کا ذکر کیا ہے مگر یہاں پھر دوہرایا اور یہاں انذار کو اس قوم سے خاص کیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا بنانا منسوب کرتے ہیں یعنی عیسائی اور یہ گویا عطف خاص علی العام ہے یعنی پہلے تو تمام ان مخالفین کا ذکر تھا جو بیغوبنا عوجا کے مصداق ہیں اور اب ایک خاص قوم کا ذکر کیا جو سب سے بڑھکر قرآن شریف کے پھیلنے میں روک ہونے والی تھی۔ اور اس خاص ذکر میں یہی اشارہ ہے کہ سب مخالفتوں سے بڑھکر ان کی طرف سے اسلام کی مخالفت ہوگی۔ یہ خیال کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں باطل غلط ہے اسلئے کہ آگے صاف ذکر اصحاب کہف کا ہے جو عیسائی تھے +

کبرت کلمۃ

۱۸۹۴ کبرت کلمۃ ۔ نصب علی التمیز ہے گویا فرمایا کہ جو بات یہ کہتے ہیں وہ کتنی بڑی بات ہے +

عیسائیت کے اصل اصول پر کوئی علمی یا عقلی دلائل نہیں۔

عیسائی عقیدہ ابنیت والوہیت مسیح پر اس سے بڑھکر کوئی زد نہیں ہو سکتی تھی جو قرآن شریف نے یہاں فرمایا یعنی اس عقیدہ اتخاذ ولد کا نہ انہیں علم حاصل ہے یعنی نہ انکے پاس کوئی علمی دلائل ہیں نہ انکے باپ دادوں کے پاس تھیں جس چیز کیلئے کوئی علمی اور عقلی دلائل پیش کی جائیں اس کی تردید دلائل سے کی جا سکتی ہے مگر عیسائیت نے اپنے عقیدہ کو خود بھی اس قدر عقل اور علم سے دور سمجھا ہے کہ اس مذہب کے مشنری سے جب ابنیت کفارہ وغیرہ کی عقلی دلائل پوچھو تو یہ جواب ملیگا کہ اسے مان لوگے پھر اس کی صداقت معلوم ہو جائے گی اور یہ صاف الفاظ میں اسبات کا اعتراف ہے کہ اسکے لئے کوئی علمی یا عقلی دلائل موجود نہیں اور نہ صرف ان کے پاس نہیں بلکہ جب سے یہ عقیدہ ایجاد ہوا کبھی اس پر کوئی علمی دلائل پیش نہیں کی گئیں +

بخع

علی آثارھم

۱۸۹۵ باخع ۔ بخع کے معنی ہیں غم کے ساتھ اپنے آپکو ہلاک کردینا (غ)، لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین (الشعراء ۲۶ - ۳)، علی آثارھم ۔ کے لفظی معنی ہونگے انکے پیچھے ۔ اور مراد ہے انکے ایمان سے پھر جانے کے بعد +

عیسائیوں کا کفر پر اصرار

جب خدا کا بیٹا ماننے والی قوم کا ذکر کیا تو ساتھ ہی ان کے اس کفر پر اصرار کا بھی ذکر کیا۔ آج تیرہ سو سال سے اسلام انکے سامنے ہے مگر سوائے تھوڑوں کے انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ نصف اس آیت سے بلکہ اس سے اگلی آیات سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم کو ان کی دنیوی زیب و زینت کا اور اسلام سے اعراض کا نقشہ دکھایا گیا اور اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے بھی

آنحضرت کا عیسائی اقوام کے لئے غم

ملتا ہے جہاں نزول عیسیٰ کی ضرورت یہ بتائی کہ وہ کسر صلیب کریگا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلیبی غلبہ آپکو دکھایا گیا تھا اور آپکے قلب کو اس سے اتنا رنج پہنچتا تھا کہ فرمایا تو اس رنج میں اپنے آپکو ہلاک کردیگا ۔ نبی کریم صلعم کے سینہ میں جو درد نسل انسانی کیلئے تھا اسکی تہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔ آپکی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی فکر میں گزرتا تھا کہ کس طرح انسان اپنے مولیٰ کے حضور سر جھکائے پس جو

ایک خوشخبری

اس قوم کی وجہ سے جو آپکے سامنے کفر پر اصرار کر رہی تھی آپکو رنج و غم تھا اسیطرح ان قوموں کیلئے بھی تھا جو بعد میں آنیوالی تھیں اور آپ نسل انسانی کیلئے اسی غم میں گھل رہے تھے ۔ مگر جس طرح اس غم نے پہلے اپنا اثر دکھایا اور وہ قوم مسلمان ہو گئی اسی طرح ضرور ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہ درد اب بھی اپنا رنگ لائے +

۹ لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝

اسے جو اس پر ہے ہموار میدان سبزہ سے خالی بنا دینے والے ہیں ۱۸۹۶ کیا تو سمجھتا ہے کہ غار اور کتبہ والے ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے ۱۸۹۷

جرز

۱۸۹۶ جرز۔ جَرْز کے معنی ہیں جلدی سے کھا جانا۔ اور جَرُوز بہت کھانے والے کو کہتے ہیں جو دسترخوان پر کچھ باقی نہ چھوڑے اور ارضٌ جُرُزٌ سے مراد وہ زمین ہے جس میں سبزی نہ اُگے گویا کہ وہ نبات کو کھا گئی انا نسوق الماء الی الارض الجرز (السجدۃ ۲۷) (ل)۔

عیسائی اقوام کی زمینی ترقی اور ایک پیشگوئی

اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ زمین پر جو سامان ہیں وہ موجب زینت بنا دیئے جائینگے اور عیسائی اقوام نے اس میں فی الواقع کمال حاصل کیا ہے کہ جہاں ان کا تصرف ہوتا ہے وہاں وہ دنیوی زیب وزینت کے سامانوں کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں گو یا اشارۃً بتایا کہ حق سے اعراض کی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی زیب وزینت میں منہمک ہو جائینگے۔ گو چاہئے یوں تھا کہ زمینی آرایش کے ساتھ اخلاق کی آرایش کی طرف توجہ کرتے اور سمجھتے کہ انسان کی اصل زینت دنیوی سامانوں سے نہیں بلکہ اخلاق سے ہے ایہم احسن عملا میں یہی اشارہ ہے اسکے بعد فرمایا کہ اسی خوبصورت اور آراستہ زمین کو ہم ایسی مٹی بنا دینگے جس پر کوئی سبزی نہیں اُگتی یعنی یہ انکے دنیائی زیب وزینت کے سامان برباد کر دیئے جائینگے اور مراد یہ ہے کہ ان کی دنیوی ترقی جس پر ان کو فخر ہے اور جس کی وجہ سے وہ اسلام سے رکے ہوئے ہیں ان کے کام نہ آئے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر یہ قوم حق کی طرف رجوع کرے گی۔ اور عام طور پر یہ بھی صحیح ہے کہ جب کبھی کوئی قوم عروج دنیوی کی انتہا پر پہنچی ہے تو اسکے بعد زوال بھی دیکھا ہے اور قوموں کے بارہ میں یہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون ہے جس سے دنیا کی کوئی قوم نہیں بچ سکتی ہونی ہ آیندہ ہو گی موجودہ تہذیب اور اسکے تعیش کے سامانوں کا بھی آخر وہی حشر ہوگا جو پہلے ہوتا رہا۔

کہف

۱۸۹۷ اصحاب الکہف والرقیم۔ کَہْف غار کو کہتے ہیں اور فلان کَہْفٌ فلانٍ کے معنی ہیں وہ اس کی جائے پناہ ہے (ل)۔

رقم ۔ رقیم

رقیم۔ رَقْم سے ہے جس کے معنی ہیں موٹا لکھنا یا واضح طور پر لکھنا (غ)، اور رقیم لکھی ہوئی چیز ہے فعیل بمعنی مفعول اور اس میں اختلاف ہے کہ رقیم سے یہاں کیا مراد ہے۔ ایک قول ہے کہ وہ اس جگہ کا نام ہے اور دوسرا یہ کہ وہ کتبہ ہے جس میں انکے نام لکھے ہوئے تھے اور ابن عباس سے ایک قول منقول ہے کہ میں نہیں جانتا الرقیم کیا ہے (ب)، اور ایک حدیث میں ہے کان یزید فی الرقم جہاں رَقْم سے مراد کپڑوں پر قیمتوں کا لکھنا ہے (ل)، اور ابن جریر مختلف اقوال کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ رقیم سے مراد تختی یا پتھر یا کوئی چیز ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہو (ج)۔

اصحاب کہف کا مشہور قصہ

عیسائیوں کے انکار صداقت اسلامی اور ان کے دنیوی زینتوں کے سامانوں میں فوراً اصحاب کہف کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور یہ تعلق ہی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ یہ مضمون عیسائیت سے تعلق رکھتا ہے اصحاب کہف کا مشہور قصہ خود اسی بنا پر ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے مذہب پر تھے اور شہنشاہ ڈیسیئس یا دقیانوس کے زمانہ کے چند نوجوان تھے۔ جنہوں نے اس بادشاہ کی ایذا رسانی سے تنگ آکر ایک غار میں پناہ لی۔ جہاں اطلاع ملنے پر بادشاہ نے غار کے سامنے دیوار بنوا دی اور اختلاف روایات پر کوئی دوسو سال سے لیکر پونے چارسو سال تک یہ لوگ اس غار میں سوتے رہے تب وہ جاگے اور اس وقت رومن امپائر میں عیسائی مذہب کا دور دورہ تھا اس لئے ان کی اطلاع ملنے پر اس وقت کا بادشاہ خود انہیں دیکھنے گیا اور بعض روایات کے مطابق اس نے انہیں دیکھا اور بعض کے مطابق ان کا پتہ نہ ملا۔

اصحاب کہف کے ذکر سے قرآن کریم کی اصل غرض

فی الواقع کوئی ایسے لوگ تھے یا نہیں۔ بظاہر اس قصہ کی عام شہرت بتاتی ہے کہ ان روایات میں گو کچھ خلط ملط ہو گیا ہو مگر کچھ نہ کچھ اصل اس کی ضرور تھی لیکن قرآن شریف کے ظاہر الفاظ بتاتے ہیں کہ غار کا منہ بند ہو جانے پر ان لوگوں کا اندر سویا رہنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ آیت ۱۸ کے مضمون سے ظاہر ہے پس جس رنگ میں یہ مشہور ہے اس رنگ میں قرآن شریف نے اسے قبول نہیں کیا۔ اور ابتدا میں ہی انہیں بجائے اصحاب کہف کے اصحاب الکہف والرقیم کے نام سے یاد کیا ہے۔ اصحاب الکہف تو وہ لوگ ہونگے

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ ۱۰

جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے بھلائی مہیا کر دے[۱۸۹۸] ۔

جو غار میں رہے مگر اصحاب الرقیم سے کیا مراد ہے اس میں مفسرین کا بھی بہت کچھ باہم اختلاف ہے۔ رقیم کے معنی جو اوپر بیان ہوئے ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا امتیازی نشان جس طرح پر غار ہے اسی طرح ایسی تختیاں بھی ان کا امتیازی نشان ہیں جن پر کچھ لکھا ہوا ہو مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک تختی پر ان کا قصہ یا ان کے نام لکھے ہوئے تھے تو اسی لحاظ سے انہیں اصحاب الرقیم کہا گیا ہے لیکن ایسی کوئی تختی آج موجود نہیں ہے علاوہ ازیں قرآن کریم میں جو قصص مذکور ہیں تو ان کی غرض صرف اسی قدر نہیں ہوتی کہ ایک پرانے قصے کو دہرایا جائے بلکہ آئندہ واقعات پر بھی کچھ روشنی ڈالنا مقصود ہوتا ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اصحاب الکہف والرقیم کے قصہ میں عیسائیت کی تاریخ بتائی گئی ہے۔ اصحاب کہف کون تھے اور ان سے کیا معاملہ ہوا اسکے جاننے کی ہمیں اتنی ضرورت نہیں جتنی اس بات کے جاننے کی ضرورت ہے کہ وہ مذہب جس کا مقابلہ سب سے بڑھکر اسلام سے ہونیوالا تھا اسکے متعلق قرآن شریف نے کیا فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے صرف اصحاب الکہف کا نام اختیار کرنے کی بجائے اصحاب الکہف والرقیم فرمایا ہے کیونکہ عیسائیت کی تاریخ کا خلاصہ انہی دو الفاظ میں آجاتا ہے یعنی کہف اور رقیم میں عیسائیت کی ابتدائی تاریخ غار سے وابستہ ہے اور اسکی آخری حالت رقیم سے عیسائیت کی پرورش غاروں میں ہوئی نہ صرف اسلئے کہ ابتداء میں اس مذہب کے قبول کرنیوالوں کو ظالم سے تنگ آکر غاروں میں پناہ لینی پڑی بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ عیسائیت کا پہلا رجحان رہبانیت کیطرف تھا اور اسلئے عیسائیوں میں جو بڑے بڑے لوگ ہوئے انہوں نے رہبانیت اختیار کرکے غاروں میں ہی اپنے کمال کو حاصل کیا اور دنیا کو بکلی ترک کرکے گوشہ گزینی اختیار کی جس کی طرف لفظ کہف میں اشارہ ہے اور اس مذہب کی آخری حالت رقیم سے وابستہ ہے یعنی لکھی ہوئی تختیوں سے جو اس قوم کا نمایاں امتیاز ہے کہ نہ صرف ہر زندہ شخص کے نام کی تختی لکھی ہوتی ہے نہ صرف مردہ کی قبر پر لکھی ہوئی تختی ہوتی ہے بلکہ ان کی تمام تجارتی اشیاء پر بھی ایک لکھی ہوئی تختی ہوتی ہے۔ اور لفظ رقیم کے اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ رقم کے معنی کپڑوں پر قیمتوں کا لکھنا بھی ہیں اور تجارتی اشیاء پر قیمتوں کے لکھنے میں اشارہ ان کی وسعت تجارت کی طرف معلوم ہوتا ہے یا ان کے تجارت اور دنیا میں انہماک کیطرف گو یا رقیم کہف کے مقابل پر ہے اور جسطرح کہف رہبانیت کو ظاہر کرتی ہے یعنی دین کی خاطر دنیا کو بکلی ترک کر دینا۔ اسی طرح رقیم تجارت کو ظاہر کرتی ہے یعنی دنیا کی خاطر دین کو بکلی ترک کر دینا اور تجارتی اغراض کے سامنے تمام قسم کی اغراض کو قربان کر دینا۔ سورت کے آخر پر الفاظ الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا (۱۰۴) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جن کی ابتدا رہبانیت تھی اس افراط کے مقام پر بھی پہنچینگے کہ صرف دنیا کے طالب رہ جائیں ۔

عیسائیت کی تاریخ

لفظ رقیم کا مقابلہ

یہاں اصحاب الکہف والرقیم کے ذکر میں فرمایا کہ تم انہیں ہماری عجیب نشانیوں میں سے سمجھتے ہو اس میں بھی یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصحاب کہف اس قدر عجیب نشان نہ تھے جس قدر عجیب وہ اصل بات ہے جس کی طرف اس ذکر سے رہنمائی کرنا مقصود ہے۔ اسی سورت میں یاجوج ماجوج کا ذکر بھی جن کا خروج آخری زمانہ سے تعلق رکھتا ہے یہی بتاتا ہے کہ اصحاب کہف کے ذکر میں خود عیسائیت کا ذکر مقصود اصلی ہے ۔

[۱۸۹۸] فتیۃ ۔ فتی کی جمع ہے دیکھو [۶۳۹] اور فتیان بھی جمع آتی ہے وقال لفتیانہ (یوسف ۔ ۶۲) ۔

فتیۃ

مختصر طور پر اصحاب کہف کا ذکر اب اور اس سے اگلی دو آیات میں کر دیا ہے اور اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ وہ چند جوان تھے جنہوں نے دین کی خاطر غار میں پناہ لی اور اس غار میں کئی سالوں تک وہ باہر کی خبروں سے بے خبر رہے اور ان کی غرض وہاں جانے میں صرف اس قدر نہ تھی کہ وہ کسی ظالم کے مظالم سے بچ جائیں بلکہ ان کے دلوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کا جوش تھا

اصحاب کہف کے غار میں پناہ لینے کی اصل غرض

۱۲ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ

سو ہم نے انکے کانوں پر گنتی کے سال (پردہ) ڈال رکھا ۱۸۹۹ پھر ہم نے انہیں بھیجا تاکہ ہم ظاہر کریں کہ دونوں گروہوں

۱۳ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۧ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ

ع ۲ ۱۴

اصحاب کہف کی حقیقت

میں سے کون اس مدت کا بہتر حفاظت کرنیوالا ہے جو ٹھہرے رہے تھے ۱۹۰۰ ہم ان کی خبر تجھ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اسی لئے جب وہ غار کی طرف جاتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے مولیٰ تو اپنی جناب سے ہمیں رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملہ میں رُشد یعنی بھلائی یا کامیابی کی راہ پیدا کردے اور دوسری جگہ فرمایا ویھیئ لکم من امرکم مرفقا (۱۶) یعنی کوئی نفع یا فائدہ کی بات مہیا کردے اور رحمت زندگی کی اصل غرض کو پالو۔ فتنہ یا ظلم کے خوف سے محض کسی غار میں چھپ کر بیٹھ رہنا کوئی رشد نہیں بلکہ حقیقی بھلائی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا نام پھیلانے کی توفیق دے اور یہی رشد نبی کریم صلعم کو ملنے کا بھی ذکر ہے ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا دیکھو ۱۹۱۱۔

ضربنا علی اٰذانھم سے مراد

۱۸۹۹ ضربنا علیٰ اٰذانھم۔ مفعول محذوف ہے ضربنا علیٰ اٰذانھم حجابا یعنی اُنکے کانوں پر پردہ ڈال دیا (د)۔ مفسرین نے عموماً اس سے مراد نیند یعنی سلا دینا لیا ہے مگر اصل مفہوم ان الفاظ کا صرف اس قدر ہے کہ اس عرصہ میں وہ دنیا کے واقعات سے بیخبر رہے ۔

عدد

سنین عددا۔ سے مراد سنین معدودۃ ہی ہے یعنی گنتی کے سال (ج) اور راغب کہتے ہیں کہ عدد سے مراد کبھی قلت کا ظاہر کرنا ہوتا ہے اور کبھی کثرت کا اور یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی چند سال یا بہت سے سال مگر قرآن کریم نے لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ (البقرۃ ۲۔ ۸۰) میں اس کا استعمال تھوڑے پر ہی کیا ہے ۔

احصاء

۱۹۰۰ احصیٰ۔ احصاء کے معنے ہیں گننا۔ احاطہ کرنا ۱۶۵۶ اگر علم ان لن تحصوہ (المزمل ۷۳۔ ۲۰) میں دو طرح پر معنی کئے گئے ہیں تم اس کی طاقت نہیں رکھتے یا تم ان اوقات کی حفاظت نہیں کرسکتے (اور حفاظت سے مراد ان اوقات میں قیام ہے جیسا کہ وہاں سیاق سے ظاہر ہے یا اعمال صالحہ سے حفاظت) اور حدیث میں آتا ہے ان للہ تسعۃ وتسعین اسما من احصاھا دخل الجنۃ تو اس سے مراد اسمائے الٰہی کا گننا نہیں بلکہ ان کا علم حاصل کرنا ان پر ایمان لانا اور یقین رکھنا ہے اور بعض کے نزدیک انکے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا (ل)۔

دو فریق

دو فریق کون ہیں اور بعث اور زمانہ لبث کے احصاء سے کیا مراد ہے؟ دو فریق کے متعلق ذیل کے اقوال ہیں۔ قوم اصحاب کہف کے دو گروہ اور وہ دونوں کافر تھے یا ایک کافر اور ایک مسلم گروہ تھا (ج)، خود اصحاب کہف اور وہ لوگ جن کے وقت میں وہ اُٹھے یہود اور نصاریٰ۔ خالق اور مخلوق جیسے ءانتم اعلم ام اللہ۔ بعث سے مراد نیند سے جاگنا اور احصائے مدت سے مراد سالوں کی گنتی رکھنا سمجھا گیا ہے۔ لیکن سالوں کی گنتی کا حساب کوئی ایسا واقعہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ لنعلم کا لفظ فرماتا پیچھے کئی موقعوں پر دکھایا

اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا وقوع کیطرف منتقل ہونا

جا چکا ہے کہ ایسے موقعہ پر علم الٰہی سے مراد ایک امر کے واقع ہو جانے کا علم ہوتا ہے جو پہلے غیب میں ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر اس علم کا دوسروں پر ظاہر کرنا جیسے مثلاً ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم (آل عمران ۳۔ ۱۴۲) میں مراد اصلی یہ ہے کہ ایسے واقعات ظاہر ہو جائیں جن سے لوگوں کو یہ علم ہو جائے کہ مجاہد کون ہے کیونکہ یہ علم پہلے غیب میں تھا کہ مجاہد کون ہے جب جہاد کا موقعہ آگیا تو اللہ تعالیٰ کا علم وقوع میں آگیا یعنی دوسروں پر ظاہر ہو گیا گو یا علم الٰہی دو طرح پر ہے ایک وہ جو پردہ غیب میں ہے جس کا لوگوں کو کوئی علم نہیں ہوتا اور دوسرا وہ جو واقع ہو جاتا ہے تو اس کا علم دوسروں کو بھی ہو جاتا ہے اور ایسے موقعوں پر یہ دوسری قسم کا علم ہی مراد ہوتا ہے۔ اب سالوں کی گنتی کوئی ایسا واقعہ نہیں بلکہ اس قسم کا علم ہمیشہ انسانوں کے اعمال سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہی علم ہے جو پہلے پردہ غیب میں ہوتا ہے اور پھر وقوع میں آتا ہے اس لئے احصیٰ کے معنی بھی اسیکے مطابق لئے جائیں گے یعنی اس وقت کی حفاظت کرنا یا جس غرض کیلئے انسان کو زندگی دی گئی ہے اسکے مطابق عمل

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا ۱۴

وہ کئی جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھایا [۱۹۰۱] اور ہم نے انکے دلوں کو مضبوط کیا جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے

فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝ [۱۹۰۲]

اور کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوائے کسی اور معبود کو نہ پکارینگے کیونکہ اس صورت میں ہم (ایسی بات) کہینگے جو حق سے دور ہے

اصحاب کہف کے بعث سے مراد

کرنا یا ان اوقات کی اعمال صالحہ سے حفاظت کرنا اور بعث سے (دیکھو ۳۱۵)، مراد ان کا کہف سے نکل کر دنیا میں جانا ہے یعنی جب انہوں نے اپنی تنہائی اور خلوت غار کی مدت کو بہترین طریق پر صرف کیا تو ہم نے انہیں دوسرے لوگوں کیطرف بھیجا تاکہ وہ اوروں کیلئے نیکی کا نمونہ بنیں اور دکھا دیں کہ عبادت الٰہی سے انسان کس بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اور ان کا غار میں جانا اسی غرض کیلئے تھا کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے دنیا میں نکلیں جیسا کہ ۵۹۵ میں دکھایا جاچکا ہے نہ اسلئے کہ وہ غار میں پڑے سوتے رہیں انسان کی زندگی کی غرض سو رہنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کے سو رہنے کے قصہ کو ہمارے لئے اپنی ہدایت کے طور پر ذکر کرتا بلکہ وہ غرض اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ اصحاب کہف کا غار میں رہنا محض ایک وقفہ تھا جس کے اندر ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے سہولت کی راہ پیدا کردی اور دو فریق جن کا یہاں ذکر ہے ایک تو خود اصحاب کہف ہیں جن کو غار میں پناہ لینی پڑی مگر انہوں نے حق کو نہ چھوڑا اور دوسرا وہ دنیاداروں کا گروہ ہے جن کے ظلم سے انہیں پناہ لینی پڑی اور جن کی نظر دنیا سے اوپر نہ اٹھ سکی اور وہ انسانیت کے مقام بلند کو نہ دیکھ سکے ✦

قصہ اصحاب کہف میں آنحضرت کے واقعات ہجرت کی طرف اشارہ

تاریخ عیسائیت پر ان بیانات سے جو روشنی پڑتی ہے اس کا ذکر آگے آئیگا لیکن نبی کریم صلعم کی زندگی کے واقعات کی طرف بھی اس قصہ میں اشارہ ہے اور اس کو خود قرآن کریم نے آیت ۲۴ میں ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے وقل عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا۔ یعنی جس قدر عرصہ اصحاب کہف کو غار میں رہنا پڑا اللہ تعالیٰ اس سے بہت قریب آنحضرت صلعم کیلئے سامان پیدا کردے گا یہ سورت ہجرت سے بہت پیشتر زمانہ کی ہے اور ایسا ہی واقع ہوا کہ آپ کو بھی کفار کے ہاتھ سے ایک غار میں پناہ لینی پڑی مگر آپ کو سنین عددا یعنی کئی سال کی جگہ صرف تین دن رہنا پڑا اور اس کے بعد اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کیلئے مدینہ میں پہنچکر بیعت کے ہاتھ سے سکتے گئے اور دوسری طرف تاریخ عیسائیت اور تاریخ اسلام میں بھی یہی اقرب رشدا نظر آتا ہے یعنی عیسائیت تین سو سال تک مغلوبی کی حالت میں رہی اور اسلام تین سو سال کے اندر اندر ساری روئے زمین پر پھیل گیا اور ساری دنیا پر اس کی حکومت قائم ہوگئی ✦

اصحاب کہف کا ہدایت کے مقام بلند پر ہونا

[۱۹۰۱] اس رکوع میں آیت ۱۰ کے مضمون کو ہی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اصحاب کون تھے کہاں کے رہنے والے تھے ان کے نام کیا تھے یہ نہیں بتایا کیونکہ ناموں کے جاننے سے کوئی خاص فائدہ بھی نہیں۔ جو مطلب کی بات تھی وہ بتادی وہ مومن تھے اور معمولی طور پر ایمان لانے والے نہ تھے بلکہ ہدایت کے ایک اعلیٰ مرتبہ پر تھے۔ اور اعلیٰ مرتبہ ہدایت پر وہی لوگ کہلاتے ہیں جو تمام اغراض دنیا کو چھوڑ کر اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے اپنے آپکو وقف کردیں۔ بالحق کا لفظ لاکر بتادیا کہ جو قصے مشہور تھے وہ صحیح نہ تھے۔ اور انہی میں سے سوئے رہنے کا قصہ ہے

ربط علی القلب سے مراد

[۱۹۰۲] ربطنا علی قلوبہم۔ دیکھو ۱۲۱۱ اور ربط اللہ علی قلبہ بالصبر سے مراد ہے کہ اللہ نے اسکے دل میں صبر ڈال دیا اور اسے مضبوط اور قوی کردیا (ل)

شطط

شطط۔ الاِفراط فی البُعد یعنی بہت دوری۔ اور شطط کہنے سے مراد ایسا قول ہے جو حق سے بہت دور ہو (غ)، یہی پہلے عیسائیوں کا مذہب تھا یعنی ایک خدا کے سوا دوسرے کو پکارنا خواہ اس کا نام بیٹا رکھا جائے یا کچھ اور حق سے بہت دور بات ہے۔ آج مسیحیت کی تعلیم مسیح کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور اسی لحاظ سے یہ تعلیم مسیح الدجال کی تعلیم ہے ✦

۱۵ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ

ان ہمارے لوگوں نے اسکے سوائے اور معبود بنالئے ہیں کیوں ان پر کوئی کھلی سند نہیں

۱۶ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا

لاتے پس اس سے زیادہ ظالم کون ہو جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا ہے اور جب تم ان سے علیحدہ ہوگئے ہو اور اس سے

يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡـكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ

جس کی وہ اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہیں تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت دے کے سامان وسیع کر دیگا

۱۷ يُهَيِّئۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ۝ وَتَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ

تمہارے معاملہ میں مفید بات مہیا کردے گا ۱۹۰۳ اور تو سورج کو دیکھے گا کہ جب وہ نکلتا ہو تو ان کی غار سے دائیں طرف کو

ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ذٰ لِكَ

جھک جاتا ہو اور جب غروب ہوتا ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہو اور وہ اسکے ایک کھلے میدان میں ہیں یہ

مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا

اللہ کی باتوں میں سے ہو جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانیوالا ہو اور جسے وہ گمراہی میں چھوڑدے تو تو اس کیلئے کوئی دوست راہ بتانیوالا نہ پائیگا

نشر - نشور — ۱۹۰۳ ینشر ۔ نشر کے معنی پھیلانا ہیں کپڑا ہو یا کاغذ یا نعمت یا بات ۔ اور نشور مردہ کا جی اٹھنا و اذا الصحف نشرت (التکویر ۱۰) والناشرات نشرا (المرسلٰت ۳) والیہ النشور (الملک ۱۵) (غ)

ھیئۃ - تھیئۃ — یھیئ ۔ ھیئۃ وہ حالت ہو جس پر کوئی چیز ہو محسوس ہو یا معقول کھیئۃ الطیر (المائدۃ ۱۱۰) (غ) اور تھیئۃ کسی ہیئت کا بنا دینا ہو پھر کسی چیز کے لا موجود کرنے یا اسکے سہل کر دینے پر بھی بولا جاتا ہو (ل) مرفق کیلئے دیکھو ۷۹۳ +

یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ وہ غار میں صرف ایک وقت کیلئے پناہ لیتے ہیں اور ان کی دعا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور رستہ کھول دے جو ان کیلئے نفع کا موجب ہو جیسا کہ لفظ مرفق لا کر بتا دیا غرض لفظ لفظ سے یہ شہادت ملتی ہو کہ اصحاب کہف کے مد نظر کوئی عظیم الشان کام تھا +

زار - زاور — ۱۹۰۴ تزاور ۔ زارہ کے معنی ہیں اس سے ملاقات کی اور زور میلان کو کہتے ہیں ۔ اور تزاور اصل میں تتزاور ہے

زور — اور اسکے معنی ہیں تمیل یعنی مائل ہوتا ۔ اور زور جھوٹ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اصل جہت سے ایک طرف جھک جاتا ہو ظلما و زورا (الفرقان ۴) قول الزور (الحج ۳۰) (غ) +

قرض — تقرضھم ۔ قرض کے معنی قطع یا کاٹنا ہیں اور کسی جگہ سے کترا کر یعنی ایک طرف ہو کر نکل جانے پر بھی بولا جاتا ہو (غ) +

فجوۃ — فجوۃ اس کا اصل فجا ہو اور دو چیزوں کے درمیان جو کھلی اور وسیع جگہ ہو اسے فجوۃ کہا جاتا ہو (غ)

کہف سورج کے پہونچنے سے مراد — حاصل مطلب آیت کے پہلے حصہ کا تو صرف اس قدر ہو کہ یہ لوگ ایسی جگہ پہنچے جہاں انہیں غار کی تنگی اور سورج کی دھوپ

ع — اصحابِ کہف کا غار

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۖ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ ۱۸

اور تو انہیں جاگتے ہوئے سمجھتا ہو اور وہ سوئے ہوتے ہیں اور ہم انہیں دائیں بائیں پھیرتے ہیں

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا

اور ان کا کتا صحن میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوتے ہے اگر تو ان پر جھانکے تو بھاگتا ہوا ان سے پیٹھ پھیرے اور ان کی وجہ سے رعب میں آ جائے ۱۹۰۵

ایذا انہیں دیتی تھی پھر بعض کے نزدیک یہ اسلئے تھا کہ کہف کا دروازہ بنات نعش کے مقابل پر تھا۔ اور بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ خرقِ عادت کے طور پر سورج کو ان کی غار سے پھیر دیا کرتا تھا اور گروہِ ثانی کے نزدیک ذٰلک من اٰیات اللہ اس کی دلیل ہو (ر) اور ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے یہ ثبوت ملتا ہو کہ کہف کا دروازہ شمال کی طرف تھا کیونکہ اگر مشرق مغرب یا جنوب کی طرف ہوتا تو یہ بات اس پر صادق نہ آتی اور من اٰیات اللہ اسے اسلئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی غار کیطرف ہدایت دی (ث) اور جو کچھ

کہف اور سمتِ شمال — ابن کثیر نے کہا ہو وہ بالکل درست ہو کیونکہ خط استوا سے شمال کیطرف شمال رُخ مکانات میں دھوپ کم داخل ہوتی ہو اور خط استوا سے جس قدر زیادہ شمال کیطرف جگہ ہوگی اسی قدر زیادہ اس پر یہ الفاظ صادق آئینگے اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض کے نزدیک یہ جگہ ایلہ کے قریب تھی اور بعض کے نزدیک نینوٰی کے قریب اور بعض نے اسے بلادِ روم میں اور بعض نے بلاد بلقاء میں قرار دیا ہو لیکن جس طرح یہ الفاظ ایسی غار پر صادق آتے ہیں اس سے بڑھکر صحت کے ساتھ کسی شمالی ملک پر صادق آتے ہیں کیونکہ شمالی ممالک میں سورج سر پر نہیں آتا بلکہ جنوب کیطرف مائل رہتا ہو یعنی طلوع سے لیکر دوپہر تک دائیں طرف جھکا رہتا ہو اور دوپہر سے لیکر غروب تک بائیں طرف کو جھکا رہتا ہو اور ایسے ممالک میں سورج کی تیزی بہت کم ہو جاتی ہو جیسے ممالک یورپ ہیں کہ ان سب پر یہ بیان نہایت صفائی سے صادق آتا ہو اور اس میں شک نہیں کہ عیسائیت کا پہلا رخ شمال کی طرف ہی ہوا ہو۔ اور بعض روایات سے جن کا ذکر انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں ہو یہ معلوم ہوتا ہو کہ

یوسف ارمیتیا کا انگلستان میں آنا — یوسف آرمیتیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دولتمند شاگردوں میں سے تھا مع کچھ اور رفقاء کے انگلستان میں آیا۔ چنانچہ مضمون یوسف آرمیتیا کے نیچے لکھا ہو کہ سینٹ فلپ نے یوسف ارمیتیا کو انگلستان میں بھیجا اور وہ سومرسٹ شائر (انگلستان) میں ایک چھوٹے سے جزیرہ میں آ کر رہا اسی انسائیکلوپیڈیا کے دسویں ایڈیشن میں ہو کہ یوسف ارمیتیا ۶۳ء میں پھرتا پھرتا برطانیہ میں آیا اور بھی بہت سی روایات ہیں جن کو جب اس تاریخی امر کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے کہ یوسف آرمیتیا کا نام حواریوں کی ان سرگرمیوں میں جو حضرت عیسیٰ کے بعد اس ملک میں جاری رہیں نظر نہیں آتا تو یہ یقینی معلوم ہوتا ہو کہ یوسف ارمیتیا کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ اور مظالم تو ابتدائی عیسائیوں پر ہوتے ہی تھے۔ اور غالباً اور بھی کوئی شاگرد یا مسیحی مذہب کے پیرو اسکے ساتھ آئے ہونگے پس ہو سکتا ہے کہ کہف سے مراد یہی ملک انگلستان ہی ہو اور ہو سکتا ہو کہ دوسرے یورپ کے ممالک بھی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ یہ کہف کوئی غار ہو جو کسی اور جگہ شمال رخ واقع ہو ۱۹۰۵

یقظة یقظان یقظ — ایقاظ۔ یَقَظَة نیند کی ضد ہو اور فعل اِسْتَیْقَظَ ہو اور یَقْظَان صفت ہو جس کی جمع اَیْقَاظ ہو اور یہ یَقِظ اور یَقُظ کی بھی جمع ہو جسکے معنی ہیں چوکس یعنی جس شخص میں معرفت اور ذہانت ہو (ل) +

رقاد - راقد — رقود۔ رُقَاد۔ اچھی تھوڑی نیند کو کہتے ہیں اور رُقُود مصدر بھی ہو اور رَاقِد کی جمع بھی (غ) اور رَقَدَ الحرُّ کے معنی ہیں گرمی

رقد - ارقد — ساکن ہو گئی اور اَرْقَدَ بالمکان کے معنی ہیں مکان میں قیام کیا (ل) +

وصید وصیدة — وصید۔ گھر اور کوٹھڑی کے صحن کو کہتے ہیں اور وَصِیدَة اس گھر کو کہا جاتا ہو جو پہاڑوں کے اندر پتھروں سے مال کیلئے

مؤصدة — بنایا جائے (ل) اَوْصَدْتُ الباب کے معنی ہیں اسے بندکر دیا اور مضبوط کر دیا اور یہی معنی اَصَدَ کے ہیں اور مُؤْصَدَة آتی ہو انہا علیہم مؤصدة (الھمزة ۸) یعنی ہر طرف سے ان پر بند کیا گیا (ل) اور بعض نے وصید کے معنی چوکھٹ یا دروازہ بھی کئے ہیں +

۱۹ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا تاکہ ایک دوسرے سے سوال کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے رہے ہو بعض نے کہا

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ

ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے ہوں گے اور دوسروں نے کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کتنا ٹھہرے رہے

طلع۔ اطلع

اطلعت۔ طَلَعَ سورج کے نکلنے پر بولا جاتا ہے اور اسی سے طَلَعَ اور اِطَّلَعَ (مصدر۔ اِطِّلَاع) کے معنی ہیں ایک چیز کو دیکھ کر اس کی حالت کی خبر پائی (غ)، ھل انتم مُطَّلِعون (الصّٰفّٰت ۳۷ - ۵۴)، اَطَّلِعُ الٰی اِلٰہِ موسٰی (القصص ۲۸ - ۳۸)۔

اصحاب کہف کا سونا

اگر یہاں انہی لوگوں کا ذکر ہے جو غار میں چلے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ یہ صدیوں یا سالوں کی نیند نہیں کیونکہ لفظ رقود کی تشریح جو امام راغب نے کی ہے اسکے لحاظ سے یہ لفظ تھوڑی نیند پر بولا جا سکتا ہے نہ اتنی لمبی اور گہری نیند پر۔ لیکن یہاں پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور دیکھنے والا انہیں جاگتا ہوا سمجھتا۔ بعض نے کہا ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں بعض نے کہا شدت حفاظت اور قلت تغیر جو ان پر تھا اسکے لحاظ سے۔ بعض نے کہا کروٹ لینے کی وجہ سے۔ ان ساری توجیہات میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں اور لکھا ہے کہ کروٹ سال میں ایک دفعہ یا چھ ماہ میں ایک دفعہ لیتے تھے اور آنکھیں کھلی رکھنے کا کیا مطلب تھا اور پھر اس سارے قصے کو دہرانے کا کیا منشا ہے۔ دوم کتے کا ذکر یہاں ساتھ کیا آیا وہ بھی بطور اعجاز سو یا رہا یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں سو یا رہا بعض کہتے ہیں سو یا نہیں پہرہ دیتا تھا اور اسے غذا اپنے ہاتھ چاٹنے سے پہنچ جاتی تھی۔ اس پہرہ کا کیا منشا تھا کیا جس طرح سانپ اور بچھو سے ان کی حفاظت کی گئی اسی طرح جنگلی درندوں وغیرہ سے ان کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی۔ سوم کروٹیں بدلاتے رہنے میں کس حکمت کا اظہار ہے۔ اگر بطور اعجاز تین سو سال تک سوئے رہے تو یہ اعجاز کیا خدا تعالیٰ کی قدرت سے باہر تھا کہ بغیر کروٹ بدلنے کے وہ پڑے رہتے اور اگر کروٹیں لیتے بھی تھے تو اس ذکر کا یہاں کیا مطلب ہے۔

اقوام یورپ کی دنیوی ہشیاری اور دینی غفلت

میرے نزدیک اس آیت میں ذکر ان لوگوں کا ہے جن کی طرف پچھلے رکوع کی آخری آیت میں من یضلل کہکر اشارہ کیا ہے یعنی انہی اصحاب کہف کے جانشین جو دنیا میں غرق ہو کر اصحاب الرقیم بنے۔ اپنی دنیوی جدوجہد کے لحاظ سے وہ ایقاظ ہیں نہ صرف جاگتے ہیں بلکہ کمال درجہ کی مستعدی اور ذہانت دکھا رہے ہیں لیکن حقیقت سے بے خبر ہونے کے لحاظ سے وہ سوئے ہوئے ہیں اور دنیا میں دائیں بائیں یعنی ہر جانب میں پھر بھی رہے ہیں اور کوئی جگہ نہیں جسے انہوں نے چھوڑا ہو۔ اور حدیث میں جو دجال کا ذکر آتا ہے کہ اس کی دائیں آنکھ ماری ہوئی ہوگی تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی دینی آنکھ اندھی ہوگی اور یوں یہ حدیث اسی آیت کے مضمون کو دہراتی ہے اور کتے کا ذکر اسلئے کیا کہ یہ بھی ان کی خصوصیت ہے جس قدر محبت اس قوم نے کتے سے کی ہے اور کسی نے نہیں کی ان کی عورتیں کتوں کو گودیوں میں لیکر بچوں سے زیادہ محبت کرتی ہیں کتوں کا منہ چاٹتے اور چومتے بلکہ ان کی زبانوں تک چوستے ہیں اور قریبًا ہر شخص کتا بھی ضرور اپنے ساتھ رکھتا ہے شاید کوئی مناسبت روحانی بھی ہے کیونکہ کتا حرص میں ضرب المثل ہے اور ان قوموں کی مال و دنیا کی حرص بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور یا کتے سے مراد انہیں قوموں میں سے کوئی قوم ہے جو بسبب اپنی وسیع طاقت کے گویا ہر وقت چوکھٹ پر موجود ہے اور ان کے لئے محافظ کا کام دیتی ہے اس کے لئے دیکھو ۱۹۰۸ء اور آخر میں ان کی ظاہری شان و شوکت کا ذکر کیا جو اس قدر ہے کہ ان ظاہری سامانوں کو دیکھ کر جو ان میں سے قریبًا ہر شخص کو میسر ہیں دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا ہے۔

فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا

اب اپنے میں سے ایک کو اپنے اس روپے کے ساتھ شہر کیطرف بھیجو سو وہ دیکھے کہ کونسا ان میں سے پاکیزہ کھانا ہے

فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝

پس تمہیں اس میں سے رزق لا دے اور چاہیئے کہ وہ نرمی کرے اور تمہارا پتہ کسی کو نہ لگنے دے ۱۹۰۶

ورق۔ ورقۃ ۱۹۰۶ ورق۔ وَرَق درخت کے پتوں کو کہتے ہیں واحد وَرَقَۃ ہے اور جمع أَوْرَاق۔ وما تسقط من ورقۃ (الانعام۔ ۵۹) اور کتاب کے ورقوں کو بھی، اور مال کثیر کو کہتے ہیں گویا وہ اپنی کثرت میں درخت کے پتوں کی طرح ہے اسی لحاظ سے مال کو ثری یا تراب یا سیل بھی

وَرِق کہا جاتا ہے اور وَرِق اور وَرْق اور وِرْق کے معنی دراہم یا روپے ہیں (غ) +

لطیف یتلطف۔ لطیف اسمائے الٰہی میں سے ہے جسکے لئے دیکھو ۹۹۴ اور لطیف وہ ہے جو حاجت نرمی سے پہنچاوے اور ابن اثیر کہتے ہیں لطیف وہ ہے جس میں یہ چیزیں جمع ہوں یعنی فعل میں نرمی اور باریک مصالح کا علم اور اس کیطرف پہنچانا جس کیلئے اس کا اندازہ

تلطف۔ تَلَطُّف کیا ہے اور تلطف دوسرے سے نرمی کرنا ہے اور کسی امر میں تَلَطُّف اس کیلئے تَوَقُّف یا نرمی ہے +

اس آیت میں پھر اصحاب کہف کا ذکر ہے آیت ۱۰ میں فرمایا تھا کہ جب غار میں گئے تو انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی مفید راہ پیدا کر دے تو اللہ تعالیٰ نے آخر انہیں اس غرض کیلئے اُٹھا کھڑا کیا۔ رہا یہ سوال کہ کتنی مدت رہے سو آیت ۱۱ میں اسے سنین عددا کہا ہے یعنی گنتی سال اور یہی انسانی زندگی کے لحاظ سے صحیح مدت ہے۔ آیت ۲۵ کے تین سو سال پر اس آیت کے نیچے بحث ہوگی اور ان میں سے بعض کا یہ کہنا کہ ہم دن یا دن کا کچھ حصہ رہے اس لحاظ سے ہے کہ یوم کا لفظ وسیع معنی میں ہے اور چوبیس گھنٹے کا دن نہیں۔ اور شاید ان کا منشا یہی ہو کہ ہم نے تو گویا اپنی عمر ہی یہاں گزار دی یا عمر کا بڑا حصہ گزار دیا۔ اور ربکم اعلم بما لبثتم میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی منشائے الٰہی تھا یعنی یہ وقت بھی ضائع نہیں ہوا بلکہ اس میں کام کیلئے ایک تیاری ہو گئی اور عبادت الٰہی سے بعض اخلاق کی تکمیل

اصحاب کہف کا کام کیلئے اُٹھنا پہنچے جن کی تکمیل کی ضرورت دعوت الی اللہ کے کام کیلئے تھی۔ اس کے بعد وہ کام کرنے کی تجویز سوچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو روپے دیکر شہر میں بھیجو کہ وہ اچھا کھانا لائے اور یوں کچھ تعلقات اہل شہر کے ساتھ قایم ہوں اور گفتگو اور تبلیغ میں نرمی کا پیرایہ اختیار کرے تاکہ آہستہ آہستہ لوگوں کا رجوع حق کیطرف ہو اور کسی کو پتہ نہ لگنے دے کہ اصل کیا منشا ہے یہاں اگر خیال گزرے کہ اس سے پہلے یہ لوگ کھانا نہیں کھاتے ہونگے تو یہ صحیح نہیں اسلئے کہ جو لوگ غاروں میں تنہا رہتے ہیں وہ کھانے پینے کا سامان بھی کر لیتے ہیں یا زیادہ تر ایسی چیزوں پر گزارہ کر لیتے ہیں جو جنگلوں میں پیدا ہوتی ہیں مدینہ یا شہر میں بھیجنے سے مراد یہی ہے کہ آہستہ آہستہ لوگوں کے ساتھ تعلقات

اصحاب کہف کے ذکر میں ابتدائی عیسائیت کا نقشہ پیدا کئے جائیں یہ نقشہ اگرچہ اصحاب کہف کا ہے تو عیسائیت کی ابتدائی تاریخ بھی اسی کے مطابق ہے۔ کیونکہ عیسائیت قریباً تین سو سال محکومیت کی حالت میں رہی اور اس وقت اس کی تبلیغ نہایت نرمی کے طریق سے کی جاتی تھی اور چھپ کر کی جاتی تھی۔ علانیہ تبلیغ نہ

اصحاب کہف کے ذکر میں یورپ کا موجودہ نقشہ ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ آج یورپ کی عیسائی اقوام اپنے سیاسی مقاصد کے حاصل کرنے میں بھی اسی طریق کا تتبع کرتی ہیں یعنی جس ملک میں یہ لوگ قدم رکھتے ہیں پہلے تجارت کے بہانہ سے جاتے ہیں اور نرمی کا طریق اختیار کر کے آہستہ آہستہ ملک کے اندر تصرف تام حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اس تصرف کے حاصل کرنے میں بڑے معاون دراہم ہیں یعنی روپے دے کر اپنا کام نکال لیتے ہیں اور اپنے اصل ارادہ پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیتے پس اصحاب کہف کے قصہ میں یہاں بھی تاریخ عیسائیت ہی لکھی ہے +

۲۰ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا

کیونکہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تمہیں سنگسار کر دینگے یا اپنے مذہب میں لوٹا دینگے اور اس وقت تم کبھی کامیاب

اَبَدًا ۝ ۲۱ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا

نہ ہوگے اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان پر مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کہ قیامت میں کچھ بھی

رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ

شک نہیں جب وہ انکے معاملہ میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے تو انہوں نے کہا ان پر ایک عمارت بنا دو ان کا رب

اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

انکو خوب جانتا ہے جو لوگ اپنے امر پر غالب ہوئے انہوں نے کہا ہم ضرور ان پر مسجد بنائینگے ۱۹۰۷

اصحاب کہف کی اصل منشا پر اطلاع پا جانا

۱۹۰۷ کذلک اعثرنا علیہم میں عموماً یہ مراد لیگئی ہے اور اسی طرح پر یہ قصہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ دراہم کی وجہ سے جو تین سو سال کا پرانا سکہ تھا لوگوں کو ان کی خبر لگ گئی۔ اور انہوں نے آکر انہیں دیکھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہیں دیکھا نہیں بلکہ جب کبھی کوئی شخص جرأت کر کے دیکھنے کیلئے آگے بڑھتا دہشت زدہ ہو کر واپس ہو جاتا، کہ یہ تین سو سال کے لوگ ہیں اسلئے ان کو یہ بھی یقین آگیا کہ قیامت حق ہے یعنی مردوں کو پھر زندہ کیا جائیگا۔ لیکن یہاں پر مفسرین کو خود شبہ پیدا ہوا ہے کہ اگر ایک طویل زمانہ تک اصحاب کہف کا سونا اور اس پر یقین کرنا مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے یہ علم پیدا نہیں ہوتا کہ مرجانے کے بعد انسان زندہ ہوگا اور اس کا جواب صرف یہ دیا گیا ہے کہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں یعنی جو خدا اتنی مدت تک جسموں کو محفوظ رکھ سکا وہ دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے مگر سوال تو پھر وہی باقی رہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ایک قدرت کے مشاہدہ سے دوسری قدرت کا علم حاصل ہوجاتا ہے تو پھر اس قدرت کے ہزاروں نظارے تو انسانی آنکھوں کے سامنے ہر دم رہتے ہیں وہی کافی ہیں ایک جسم کے لمبی مدت تک محفوظ رہ جانے سے یہ علم پیدا نہیں ہوتا کہ موت کے بعد جب اجزائے جسم متفرق ہو جائیں گے پھر انسان کو زندہ کیا جائیگا۔ علاوہ ازیں یہ بھی قابل تسلیم نہیں کہ ایک شخص کے بیان پر اعتبار کر کے لوگوں کو اس قدر یقین حاصل ہوگیا ہو۔ میرے نزدیک اعثرنا علیہم میں ان کے اصل مقصد پر مطلع کر دینا ہے۔ یعنی یوں ہی وہ نرمی کے پیرایہ میں لوگوں کو سمجھاتے رہے یہانتک کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہوگیا کہ جس بات کی طرف یہ بلاتے ہیں وہ سچ ہے اور بعث بعد الموت بھی بلا شبہ صحیح ہے۔ قیامت پر یقین لوگوں کو انبیاء کی تعلیم سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے جب نیکی اور اخلاق کی تعلیم آہستہ آہستہ انکے اندر پھیلادی تو انکے حق پر ہونے کا یقین بھی ان کو آگیا +

اقوام یورپ کے اصل منشا پر لوگوں کا اطلاع پانا

اور اگر عیسائیت کی تاریخ میں موجودہ ارادوں کے متعلق اسے لیا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ آخر کار دنیا ان اقوام کے ارادوں پر مطلع ہوگئی ہے۔ اور اس صورت میں لیعلموا کی ضمیر خود ان لوگوں کی طرف جائیگی یعنی دنیا کے ان کے ارادوں پر اطلاع پا جانے سے جب انہیں دنیا میں ناکامی ہوگی تو پھر حق کیطرف توجہ ہوگی اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ یہی زندگی ہی سب کچھ نہیں جس پر انہوں نے اپنا سارا زور لگا دیا بلکہ اس کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے +

آیت کے پچھلے حصہ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کے پیغام کو انہوں نے قبول کیا یعنی یا تو یہ حالت تھی کہ ان کی بات کوئی نہ سنتا تھا اور یا اب انکی نیکی کی وجہ سے انکی یادگاریں بنانے کی تجویزیں ہونے لگیں اور اس کے بھی بعد ایک اور مرحلہ آیا کہ وہ لوگ

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ۲۲

کہینگے وہ تین ہیں ان کا چوتھا ان کا کتا ہے اور کہینگے پانچ ہیں ان کا چھٹا ان کا کتا ہے انکل پچو باتیں کرتے ہیں اور کہینگے سات ہیں اور انکا آٹھواں ان کا کتا ہے کہدے میرا رب انکی گنتی بہتر جانتا ہے سوائے تھوڑوں کے انہیں کوئی نہیں جانتا سو انکے بارہ میں جھگڑا نہ کر سوائے اسکے کہ ظاہر جھگڑا ہو، اور انکے بارہ میں ان میں کسی سے[۱۹۰۵] نہ پوچھ

جنہیں پوری حکومت اور غلبہ ملا یعنی جب عیسائیت غالب ہوگئی (غلبوا علیٰ امرھم سے مراد غلبہ ہی ہے جیسے واللہ غالب علیٰ امرہٖ میں یعنی امرھم کی ضمیر انہی غالب آنے والوں کیطرف ہے انہم اذا ارادوا امراً لم یتعسر علیہم (ر)) تو اب انہوں نے انہی صلحاء اور نیک لوگوں کو اپنا معبود بنا لیا۔ اور عیسائیت میں مسیح کی خدائی کا عقیدہ بھی قسطنطین کے تبدیل مذہب کے ساتھ پختہ ہوا۔ بخاری میں ہے لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا اور ایک اور حدیث میں ہے اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علیٰ قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور یعنی جب ان میں کوئی صالح آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ صورتیں بنا لیتے یعنی نیک لوگوں کی تصویریں بنا کر انکی عبادت کرتے۔ اسی کی طرف یہاں اشارہ معلوم ہوتا ہے اور یہ ان کے غلو کا ذکر ہے اس سے قبروں پر مسجدیں بنانے کا جواز نکالنا عجیب ترین اقوال ہے جب حدیث صحیح اسکو غلط ٹھہراتی ہے اور یہ شرک کی بنیاد ہے ◆

نیک لوگوں کے حق میں غلو

قبروں پر مسجدیں بنانا

س۔ سوف

۱۹۰۵ش سیقولون۔ س مضارع سے خاص ہے یعنی مضارع پر داخل ہوتا ہے اور اسکو استقبال کیلئے خالص کردیتا ہے اور سوف بھی یہی کام دیتا ہے مگر بعض کے نزدیک اسکے استقبال میں وسعت زیادہ ہے (مغنی)۔ ◆

مراء۔ مماراۃ

تمار۔ مراء و مماراۃ اور امتراء کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اس چیز میں جھگڑا کرنا جس میں تردد ہو (غ)، اور مراء اصل میں جدال ہے یعنی یہ کہ ایک شخص دوسرے سے بات نکلوائے اور مَرَیْتُ الشَّاۃَ کے معنی ہیں میں نے بکری کا دودھ نکالا۔ اور اسی لحاظ سے شک اور تردد کے معنی آتے ہیں (ل)۔ ◆

ظہر۔ بطن

ظاھراً۔ ظَھَرَ الشَّیْءُ کی اصل یہ ہے کہ ایک چیز زمین کی پیٹھ پر یعنی زمین کے اوپر آگئی (ظَھْر پیٹھ کو کہتے ہیں) پس معنی ضد ہی اور بَطَنَ جب وہ زمین کے پیٹ میں داخل ہوگئی اور چھپ گئی۔ ما ظھر منھا وما بطن (الاعراف - ۳۳) پس ہر ایک چیز کو جو کھلی ہو اور آنکھ سے یا دلیل سے معلوم ہوجائے ظاھر کہا جاتا ہے (غ)، اور یہاں بعض نے معنی غیر متعمق کئے ہیں اور بعض نے مراد لیا ہے ایسا جھگڑا جس کی دلیل کھلی ہو اور ایک قول میں وہ ایسے عالم کا جدال ہے جسے حقیقت خبر کا یقین ہو اور ایک قول ہے جسے لوگ دیکھیں اور ایک اور قول ہے جو خصم کی دلیل کو باطل کردے ◆

ظاھر

اصحاب کہف کی تعداد

اس آیت میں آئندہ کا ذکر ہے کہ لوگ ایسا کہیں گے یہ ذکر نہیں کہ پہلے کہتے ہیں۔ مفسرین نے اس کی یوں توجیہ کی ہے کہ قرآن شریف میں جو کچھ ان کا مذکور ہوا اسے سنکر کہینگے کہ وہ تعداد میں اتنے تھے مگر پھر بھی وہی بات رہتی ہے جبتک پہلے ان میں ایسے اقوال موجود نہوں کہ وہ تین تھے یا پانچ تھے وہ یہ کہہ نہیں سکتے۔ اور جب پہلے ایسے اقوال موجود تھے تو اللہ تعالیٰ نے سیقولون کیوں فرمایا دوسری دقت یہ ہے کہ اگر قرآن شریف پہلے خود کوئی گنتی ان کی بیان کرتا تو یہ الفاظ موزون ہوتے کہ اسے سنکر وہ یوں کہینگے مگر

ع ۹

دعوت الی الحق اور اس کی مشکلات

۲۳ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ ۲۴ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝

اور کسی چیز کی نسبت یوں نہ کہو کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں سوائے اسکے کہ اللہ چاہے اور جب تو بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے قریب تر بھلائی کا رستہ دکھائے گا ۱۹۰۹

نہ صرف پہلے ہی کوئی گنتی ان کی نہیں بتائی بلکہ بعد میں بھی یہی فرمایا ربی اعلم بعدتہم۔ ان کی گنتی کو میرا رب ہی بہتر جانتا ہے اور آگے جو فرمایا مایعلمہم الا قلیل تو وہاں عدت کا لفظ چھوڑ دیا ہے اور صرف یہی فرمایا ہے کہ انہیں سوائے تھوڑوں کے کوئی نہیں جانتا اور اس سے بھی مراد وہ لوگ نہیں ہوسکتے جنہیں ان کا قصہ یا ان کی گنتی معلوم ہو۔ کیونکہ اس لحاظ سے وہ ایسے قابل تعریف نہیں ٹھہر جاتے کہ اس بات کا ذکر قرآن شریف میں کیا جاتا بلکہ یہ قلیل علماء ہی ہیں جو ان لوگوں کی گنتی نہیں بلکہ انکے حالات کو جانتے ہیں اور لا تستفت فیھم منھم احدا میں منھم میں ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے من اھل الکتاب (ج) جن کا ذکر یہاں سوائے اس کے کوئی نہیں کہ خود اس قصہ میں اہل کتاب کا ذکر ہی اصل مقصود سمجھا جائے یعنی عیسائیت کا +

بورپ کی اقوام حکمران

عام قول اہل کتاب میں اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق سات ہی ہے دوسرے اقوال تین یا پانچ کے اگر ہوئے بھی ہوں تو انکے بیان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اور بھی بہتیری غلط باتیں اس قصہ میں مل گئی تھیں (اور ہر ایک ایسے قصہ میں مل جاتی ہیں) جن کا ذکر قرآن شریف نے نہیں کیا۔ میرے نزدیک یہاں زیادہ مدنظر عیسائیت کی تاریخ ہی ہے۔ اور غلبوا علیٰ امرھم میں اسکی طرف بھی اشارہ بھی کردیا ہے کہ وہ حالت محکومیت سے نکل کر آخر غالب بھی آگئے اور اسی لئے ثلٰثۃ۔ خمسۃ۔ سبعۃ مطلق آیا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تین آدمی وغیرہ ہوں یا تین اقوام وغیرہ ہوں یا تین حکومتیں وغیرہ ہوں اور لا تستفت فیھم منھم میں اشارہ ہے کہ یہ قصہ کے آدمیوں کی گنتی کا ذکر نہیں کیونکہ یہ ذکر تو ان میں مشہور تھا اور وہ سات ہی انہیں سمجھتے تھے اور پچھلی دو صورتوں میں کلبھم

کلب سے مراد

سے مراد کوئی ایسی قوم یا حکومت ہوگی جو انکے لئے کلب کا کام دے یعنی پہریدار کا یا انکی حفاظت کرنیوالے کا اور کلبھم کی جگہ ایک قرأت کالبھم بھی آئی ہے یعنی صاحب کلبھم (د) اور یوں سب کو ایک ذیل میں شامل کیا ہے۔ یعنی کلب کوئی علیحدہ جنس نہ تھی بایں بھی ہیں اس آیت کے حل کو مشکلات میں سے سمجھتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ آیندہ کبھی کسی پر کھول دے۔ ہاں ایک ممکن توجیہ ان الفاظ کی یہ ہے کہ بڑی عیسائی طاقتیں دنیا میں آٹھ رہی ہیں جس عدد کو قرآن شریف نے علیحدہ کرکے بیان کیا ہے یعنی امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس۔ ہسپانیہ۔ آسٹریا۔ جرمنی۔ اٹلی۔ روس اور کبھی چار کو ہی سب طاقت کا مالک سمجھا جاتا ہے یعنی امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس۔ روس کو اور کبھی جرمنی اور اٹلی ساتھ مل کر چھ بن جاتی ہیں اور بلاشبہ ان میں سے ایک باقی سب کی حفاظت کا کام بھی دیتی ہے اور ربی اعلم بعدتہم میں بتایا کہ اصل میں زیادہ ہیں ان کی گنتی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے +

غد

۱۹۰۹ غدا۔ غد اصل میں غدو ہے اور اس کے معنی کل ہیں اور حدیث عبد المطلب میں ہے لا یغلبن صلیبھم و محالھم غدوا اً محالک جہاں غدوا سے مراد کل کا دن نہیں بلکہ قریب کا زمانہ ہے اور کبھی اس سے مراد آخر زمانہ ہوتا ہے جیسے سیعلمون غدا من الکذاب الاشر (القمر ۵۴۔ ۲۶) جہاں مراد قیامت کا دن یا فیصلہ کا دن ہے (ل) نیز دیکھو ۵۰۵ +

رشد

رشدا۔ رَشَد اور رُشْد کے ایک ہی معنی ہیں ۵۹۰ اور بعض کے نزدیک رَشَد صرف اخروی بھلائی پر بولا جاتا ہے اور رُشْد دنیوی اور اخروی دونوں پر (غ) +

تبلیغ اسلام میں آسانی کا وعدہ

ان آیات کے شان نزول میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ قریش نے یہود مدینہ سے آنحضرت صلعم کے متعلق دریافت کیا

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ ۲۵

اور وہ اپنی غار میں تین سو سال رہے اور نو (اور) بڑھائے

تو انہوں نے کہا کہ آپ سے اصحاب کہف اور روح اور ذوالقرنین کے متعلق دریافت کرو اگر وہ جواب نہ دے سکے تو جھوٹا ہے اور دریافت کرنے پر آپ نے کل بتانے کا وعدہ کیا اور پھر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی یہ ابن عباس سے ایک مشکوک سی روایت ہے اور یہود کا تعلق اصحاب کہف سے کچھ تھا بھی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اصحاب کہف اور انکی مشکلات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کس طرح پیغام حق پہنچانے میں انہیں ایک مدت غار میں رہنا پڑا اور آخر ان کو وہ راہ ملی کہ وہ پیغام حق پہنچانے کے قابل ہوئے یا ضمناً عیسائیت کا ذکر کیا کہ کس طرح تین سو سال کا عرصہ ورنہ وہ کھلے طور پر اپنے پیغام کو نہ پہنچا سکی تو بالمقابل اسلام کا ذکر کیا جیسا کہ لاقرب من ھذا رشدا سے ظاہر ہے یعنی جو بھلائی کا رستہ انکو دکھایا گیا اس سے قریب تر کوئی بھلائی کا رستہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو دکھائے گا اللہ تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں پھیلانا تو ایسا کام ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اسے چاہتا ہے بایں فرمایا کہ ایسے کام کی نسبت بھی یہ مت کہو کہ ہم کل یا قریب زمانہ میں ایسا کرینگے اور یہاں خطاب عام ہے مگر اصل خطاب انہی لوگوں کو ہے جو داعی الی الحق ہیں کیونکہ انکو ذکر دعوت الی الحق کا ہی تھا اور یہ جو فرمایا کہ سوائے اس کے کہ اللہ چاہے تو ایک معنی اس کے یوں کئے گئے ہیں کہ ایسا مت کہو سوائے اسکے کہ ساتھ انشاء اللہ بھی کہو بالفاظ دیگر یہ بھی اللہ کی مشیت سے ہی ہوتا ہے انسان اپنے زور اور سعی سے کچھ نہیں کر سکتا اور طریق ادب یہی ہے کہ انسان ہر ایک معاملہ کو خود کوشش کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور ایک معنی یوں کئے گئے ہیں کہ تم مت کہو سوائے اسکے کہ اللہ چاہے اور اللہ کی مشیت اس کی وحی کا نزول ہے تو مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی طرف سے مت کہو کہ ہم دنیا میں یوں خدا کا نام پھیلا لینگے ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسکے مطابق کہو۔ واذکر ربک اذا نسیت میں ہر ایک داعی الی الحق کو نصیحت کی ہے کہ اپنے رب کو بہت یاد کرے اور اپنے آپ کو غفلت کی حالت سے باہر نکالنے کی کوشش کرتا رہے اور ربک کی خصوصیت اسلئے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت روحانی چاہتی ہے کہ اس کا نام دنیا میں پھیلے۔ او عسٰی ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا میں بتایا کہ اسلام کیلئے دعوت الی الحق کے کام میں اس قدر مشکلات نہ ہونگی جیسے عیسائیت کے رستہ میں تھیں

اسلام اور عیسائیت کی ترقی کا مقابلہ

چنانچہ ابتدائی تاریخ اسلام اور ابتدائی تاریخ عیسائیت میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ عیسائیت تین سو سال تک ایک سلطنت روما کے اندر بھی بمشکل آٹھواں حصہ ساتھ ملا سکی مگر اسلام تین سو سال کے عرصہ میں کل روئے زمین پر پھیل گیا۔ اور نبی کریم صلعم کے غار میں ٹھہرنے کی طرف بھی یہاں اشارہ ہو سکتا ہے کہ آپ صرف تین دن غار میں رہے حالانکہ اصحاب کہف کو کئی سال تک اس حالت میں رہنا پڑا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بھی اگر کوئی شخص غور کرے تو کیسا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ نظر آتا ہے کہ ایک مذہب کروڑ در کروڑ روپیہ خرچ کرکے اور ہزارہا مبلغ بھیجکر اس قدر کامیاب نہیں ہو سکتا جس قدر دوسرا مذہب اپنی کس مپرسی کی حالت میں ترقی کر رہا ہے ایک افریقہ کو دیکھو کہ عیسائیت اور اسلام کے مقابلہ ترقی میں وہاں کیسا لاقرب من ھذا رشدا کا نظارہ نظر آرہا ہے۔ پھر آج کسی عیسائی ملک میں ایک مشن اسلامی چلا جائے تو اس کی فتوحات ایک طرف اور کسی اسلامی ملک میں سو مسیحی مشن چلے جائیں تو ان کے نتائج کو دوسری طرف رکھکر مقابلہ کرلو۔ گو افسوس یہ ہے کہ باوجود اس قدر اسلام کیلئے سہولت کی کہ مسلمان اسی کام میں سب سے بڑھکر غفلت دکھا رہے ہیں چنانچہ اس مقابلہ کے بعد فوراً عیسائیت کے اس زمانہ کیطرف توجہ دلائی ہے جب وہ غاروں میں چھپ چھپکر گزارہ کرتے تھے اور اسی تقابلہ عیسائیت و اسلام کی پچھلی حالت کا ذکر چوتھے رکوع میں ہے۔

۲۶ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

کہو اللہ خوب جانتا ہے جتنا وہ رہے ۱۹۱۱ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اسی کو (معلوم) ہیں

عیسائیت کا تین سو سال غربت کی حالت میں رہنا۔

۱۹۱۱ بظاہر یہ دونوں بیان۔ ایک یہ کہ وہ اپنی غار میں تین سو نو سال رہے اور دوسرا یہ کہ اللہ بہتر جانتا ہے کتنا رہے متضاد معلوم ہوتے ہیں یہانتک کہ بعض رکیک تاویلیں بھی مفسرین نے کی ہیں مثلاً یہ کہ چونکہ تسع یعنی نو کیساتھ سال کا لفظ نہیں اور ممکن ہے نو مہینے یا نو دن یا نو گھڑیاں مراد ہوں اسلئے فرمایا کہ اللہ اعلم بما لبثوا۔ اور بڑی مشہور تاویل اسکی یہ ہے کہ ولبثوا فی کہفہم عطف ہے سیقولون پر اور مراد یہ ہے کہ یہ بھی دوسرے لوگوں کا قول ہے اور یہ حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور اس میں یہ دقت ہے کہ کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس میں تین سو یا تین سو نو سال اصحاب کہف کا غار میں رہنا بیان کیا گیا ہو۔ اور دوسرے اس طرح قالوا محذوف ماننے سے الفاظ سے امن اٹھ جاتا ہے۔ اور بعض نے یوں کہا ہے کہ اللہ اعلم بما لبثوا میں مراد وہ زمانہ ہے جو ان کی حالت پر اطلاع پانے سے لیکر رسول اللہ صلعم کے زمانہ تک گزرا (د) اور حق یہ ہے کہ تضاد کوئی نہیں قرآن کریم کا لفظ لفظ حکمت پر مبنی ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ تین سو نو سال اپنی کہف میں رہے دوسری میں فی کہفہم کا لفظ نہیں بلکہ صرف لبثوا ہے اور اسکے ساتھ لہ غیب السمٰوات والارض بڑھا کر بتا دیا کہ یہ آئندہ کے زمانہ کی خبر ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ یہاں ان اصحاب کہف کا ذکر نہیں بلکہ خود عیسائیت کا ذکر ہے۔ اور اسکی دو حالتوں کے متعلق فرمایا کہ ایک ان کی کہف کی حالت تھی اور ایک غلبہ کی حالت جب عیسائیت شاہی مذہب ہو کر اصل حقیقت سے بھی دور جا پڑی۔ ان کی پہلی حالت تین سو نو سال تک رہی اور دوسری حالت کے متعلق فرمایا کہ جتنی مدت وہ رہینگے اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کیونکہ یہ غیب کی بات ہے اور غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالےٰ ہے ظاہر ہے کہ پہلا رہنا غیب کی حالت نہیں کہلا سکتا۔ اور پھر دوسرے رہنے کے ساتھ یہ بڑھا کر کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا یہ بھی بتا دیا ہے کہ آخرکار انکے غلبہ کی صف بھی لپیٹ دی جائیگی ۔

تین سو نو سال کا تعلق قرآن کریم کا اعجاز اظہار علم غیب

تین سو نو سال کے متعلق غور کیا جاتا ہے تو یہ بھی قرآن کریم کے عجیب اعجازات میں سے نظر آتا ہے ہمارے نبی کریم صلعم تو اُمی تھے اور تاریخ عیسائیت کی عرب کو کیا خبر تھی جب خود عیسائیوں کو بھی ان باریک تفصیلات کا علم نہ تھا۔ قرآن کریم نے چند لوگوں کے کہف میں جانے کی غرض یہ بیان کی ہے کہ وہ خدا کے سوائے کسی دوسرے کو معبود نہ مان سکتے تھے پس عیسائیت کے کہف میں رہنے کی وہ حالت ہے جب ابھی اس میں تین خداؤں کا عقیدہ جو شرک ہے مروج نہیں ہوا۔ اب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین کے عیسائی مذہب علی الاعلان اختیار کرنے کے بعد ۳۲۵ء میں مذہب تثلیث کو اصل عیسائیت اور شاہی مذہب قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اگر ایک طرف عیسائیت مظلومیت کی حالت سے نکل کر غالب مذہب بن گئی تو دوسری طرف اصل توحید سے یہ دور جا پڑی لیکن ابھی یہ سوال باقی ہے کہ قرآن شریف نے بجائے ۳۲۵ سال کے تین سو نو سال کیوں فرمائے ہیں سچ ہے قرآن کریم کے علم غیب کے سامنے انسان کو سر جھکانا پڑتا ہے عیسائیت کی تاریخ میں خود چھ سال کی غلطی چلی آتی ہے یعنی حضرت مسیح کی پیدائش جس سے سنہ عیسوی شروع ہوتا ہے مشہور سنہ عیسوی سے چھ سال پہلے ہوئی اسلئے جسے ۳۲۵ سنہ عیسوی کہا جاتا ہے وہ مسیح کی پیدائش سے فی الواقع تین سو تیس یا اکتیس سال ہیں اور حضرت مسیح کا دعوےٰ تاریخ عیسائیت کے مطابق تیس سال کی عمر میں ہوا اسلئے دعوےٰ سے لیکر تثلیث کے سرکاری طور پر عیسائی مذہب قرار پانے تک پورے تین سو سال ہوئے اور نو سال کے بڑھانے کا جو علیحدہ ذکر قرآن شریف نے کیا ہے تو اسے مفسرین نے بھی قمری حساب کا اضافہ بیان کیا ہے یعنی ہر صدی میں قمری حساب سے تین سال بڑھ جاتے ہیں پس پوری تین صدیاں جو عیسائیت کی حالت کہف تھی اس پر قمری حساب سے نو سال اور بڑھ گئے۔ اور قرآن شریف نے تین سو سال کو نو سال سے الگ کر کے بتا دیا کہ عیسائیت کی اصل حالت کہف تو تین سو سال ہی رہی مگر قمری حساب سے اس میں نو سال اور

أَبْصِرْ بِهٖ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُم مِّن دُونِهٖ مِن وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ أَحَدًا ○

کیا خوب اسکا دیکھنا ہے اور کیا خوب سننا اسکے سوائے کوئی انکا ولی نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ۱۹۱۱

وَاتْلُ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ ۚ وَلَن تَجِدَ مِن ٢٧

اور پڑھ جو تیرے رب کی کتاب سے تیری طرف وحی کی گئی ہے کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور اس کے سوائے تو (اسکے لئے)

دُونِهٖ مُلْتَحَدًا ○ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ ٢٨

پناہ نہیں پائیگا ۱۹۱۲ اور اپنے آپکو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (اور)

يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ

اسی کی رضا کو چاہتے ہیں اور اپنی نگاہیں ان سے ہٹا کر (اور طرف نہ دوڑا دے) تو دنیا کی زندگی کی آرایش کا ارادہ کرے اور اس کی بات نہ مان

الثلثة

أَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهٗ فُرُطًا ○ وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ ٢٩

جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل رکھا ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اسکا معاملہ گیا گزرا ہے ۱۹۱۳ اور کہو حق تمہارے رب کیطرف سے ہے

بڑھ جائینگے آج دنیا میں تاریخی واقعات کے اظہار سے قرآن شریف کا حرف حرف اسطرح صحیح ثابت ہونا صاف بتاتا ہے کہ یہ خدائے عالم الغیب کا کلام ہے نہ کسی انسان کی بناوٹ +

ابصر بہ و اسمع

۱۹۱۱ ابصر بہ و اسمع۔ بہ میں ضمیر اللہ کی طرف ہے اور یہ مدح میں مبالغہ ہے جیسے کہا جاتا ہے ما ابصرہ و اسمعہ یعنی اللہ تعالیٰ کیسا عجیب دیکھنے والا اور کیسا عجیب سننے والا ہے کہ کوئی چیز اس پر مخفی نہیں رہتی (ج) . . . .

. . . .

اسکے حکم میں کسی کا شریک نہ ہونا

مالھم . . . . . . من ولی یہاں ضمیر انہی عیسائیوں کی طرف جاتی ہے جن کا ذکر ابھی ہو چکا اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ اپنے غلبہ کے وقت سے حد سے تجاوز کرنے لگینگے تو انہیں معلوم ہوگا کہ اللہ کے سوائے انکی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا یعنی جو حکومت اور بادشاہت کسی قوم کو دیجاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں شرکت کے طور پر نہیں کہ وہ اپنی قوت سے اسے قایم رکھ سکیں بلکہ مصالح الٰہی کے ماتحت وہ حکومت دیجاتی ہے اور اصل حکم اللہ کا ہی ہے اسلئے جب وہ چاہتا ہے حکومت لے بھی لیتا ہے۔ اور اسکے یہ معنی نہیں کہ اور کسی کو حکومت دیتا ہی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ حکومت میں اسکے شریک نہیں بلکہ اسکے ماتحت ہیں +

الحد۔ ملتحد

۱۹۱۲ ملتحد۔ اللحد وہ گڑھا ہے جو وسط سے ایک جانب مائل ہو الحاد کیلئے دیکھو ۱۱۸۱ و ۱۷۸۶ اور التحد کے معنی ہیں ایک چیز کی طرف مائل ہوا پس ملتحد سے مراد پناہ یا جائے پناہ ہے (غ) +

یہاں تلاوت کتاب کا حکم دیکر صاف بتا دیا کہ تم لوگوں کو حق کی طرف بلاؤ کیونکہ یہ کتاب تیرے رب کیطرف سے یعنی لوگوں کی تربیت روحانی کیلئے نازل ہوئی ہے اور لا مبدل لکلماتہ میں بتایا کہ حق کی آخری کامیابی کی پیشگوئی ٹل نہیں سکتی اور سب پناہیں جو عارضی طور پر انسان اپنے لئے تلاش کرتے رہینگے آخر دور ہو کر صرف ایک اللہ کی پناہ ہی رہ جائیگی +

وجہ

۱۹۱۳ وجہ کے لئے دیکھو ۱۴۴ و ۱۸۱ وغیرہ وجہ کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کیطرف مضاف ہو تو اس سے مراد مجازاً اللہ تعالیٰ

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ

سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ہم نے ظالموں کیلئے آگ تیار کی ہے جس کی قنات انکو

سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ

گھیرے گی اور اگر وہ پانی مانگینگے تو انہیں تلچھٹ جیسا پانی دیا جائیگا جو انکے منہ کو جھلس دیگا کیا ہی بُرا پانی ہوگا

۳۰ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

اور جائے آرام بھی بُری ہوگی ۱۹۱۴ جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم اس شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے

۳۱ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ

جو اچھا عمل کرتا ہے ان کیلئے ہمیشگی کے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی

کی رضا ہوتی ہے کیونکہ جو شخص کسی پر راضی ہو وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے (ر) +

علا و — تعدُ۔ عَدْو کے اصل معنی تجاوز ہیں (غ)، اور عَدَّ تُہٗ عن الامر کے معنی صرفتہ عنہ ہیں یعنی اسے اس امر سے پھیر دیا (ل)،

فُرُط — فرط۔ فرط کیلئے دیکھو ۹۳۱ اور فُرُطًا سے مراد ہے اسراف اور تضییع یعنی ضائع کردینا (غ)، اسی معنی کی تائید ابن جریر کی ہے

یہاں بھی عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کیا ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جو صبح و شام یعنی اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کو

پکارتے ہیں اور صرف اللہ کی رضا کو چاہتے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ ہیں جو دنیا کی آرائشوں کے پیچھے اس قدر پڑے ہیں کہ اللہ

کے ذکر سے ان کے دل بالکل غافل ہوگئے ہیں اور اپنی حرص و ہوا کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں تو رسول کو یا ہر داعی الی الحق کو حکم ہوتا ہے

کہ اللہ کی رضا ہی وہ چیز ہے جس کی طرف تمہاری نظر اٹھنی چاہئے اور زیب و زینت دنیوی تمہاری نظر کو نہ کھینچ لے +

سرادق — ۱۹۱۴ سرادق۔ قنات کو کہتے ہیں جو خیمہ کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے یا دیوار جو کسی چیز کو گھیرلے اس کی جمع سرادقات آتی ہے (ل)،

مہل امہال مُہْل — مہل۔ مُہْل آہستگی یا ٹھہر جانا ہے یعنی مہلت فمہّل الکٰفرین امھلھم رویدا (الطارق ۔۱۷) اور مُہْل تلچھٹ کو بھی کہتے ہیں

اور یہ معنی حدیث مرفوع میں نبی کریم صلعم سے مروی ہیں (ر) اور پگھلے ہوئے تانبے وغیرہ کو بھی کہتے ہیں جس کی گرمی انتہا کو پہنچ گئی ہو (ج)

شوی — یشوی۔ شَوَی اللحم کے معنی ہیں گوشت بھونا۔ اور شَوٰی اطراف کو کہتے ہیں جیسے نزاعۃ للشوٰی (المعارج۔۱۶) (غ)

مرتفق — مرتفق۔ رفق۔ اور مرفق کیلئے دیکھو ۹۳ اور ارتفق کے معنی ہیں کہنی پر ٹیک لگائی (ل)، اسلئے مراد آرام یا استراحت ہے

اور یہاں اس کا استعمال اس لحاظ سے ہے کہ آرام اور استراحت کی جگہ بھی ان کیلئے آگ ہے +

ایمان یا کفر پر جبر کوئی نہیں — اس آیت میں صاف بتا دیا کہ یہ وہ حق ہے جو ان لوگوں کو پیش کیا جاتا ہے الحق من ربکم۔ ایمان لانا یا انکار کرنا ہر شخص کا اپنا

اختیار ہے اللہ تعالیٰ نہ ایمان پر مجبور کرتا ہے نہ انکار پر۔ پھر جیسے انکے اعمال ہیں ویسی سزا ہے جس طرح حرص دنیا نے یہاں چاروں طرف سے

گھیر رکھا تھا وہی آگ بن کر وہاں گھیرے گی اور جس طرح دنیا کی محبت کی پیاس یہاں نہیں بجھتی تھی وہاں بھی اس کے بجھنے

کا سامان کوئی نہ ہوگا +

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ

ان میں انہیں سونے کے کڑے پہنائے جائینگے اور وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنینگے ان کے اندر تختوں پر تکیے

فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا ۳۲

لگائے ہوئے ہونگے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور جائے آرام بھی اچھی ہوگی [1915] اور ان کیلئے دو شخصوں کی مثال

رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا

[1916] بیان کر جن میں سے ایک کیلئے ہم نے انگوروں کے دو باغ بنائے اور انکے گرداگرد کھجوریں لگائیں اور ان دونوں کے درمیان کھیتی لگائی

ع ۱۴ — عیسائیت اور اسلام کی مثال

سوار — **1915** اساور۔ اور اَسْوِرَة سِوار کی جمع ہے! سورۃ من ذھب (الزخرف۔ ۵۳) دیکھو ۳۷

سندس۔استبرق — سندس۔ باریک ریشم کو کہتے ہیں اور استبرق موٹے ریشم کو (ل)،

اریکۃ — ارائک۔ اَرِیْکَۃ کی جمع ہے اَرَکَ کے معنی ایک مکان میں ٹھہرا اور اَرَاکٌ خاص درخت ہے اور اَرِیکۃ کے معنی ہیں حَجَلَۃٌ علی سریر یعنی تخت یا پلنگ جس پر چھپر کھٹ لگی ہوئی ہو (غ)، +

سونے کے کڑوں ریشمی لباس تختوں سے مراد — نعمائے جنت کے متعلق یہ تو بارہا بیان ہو چکا کہ وہ صالحین دنیا کی مصداق ہیں اور یہ جو نام لئے جاتے ہیں تو یہ مراد نہیں کہ یہ اس دنیا کی چیزیں وہاں ہونگی۔ کیونکہ اس دنیا کی سندس اور استبرق اور سونے کے کڑے وہ چیزیں ہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں یا کان سنتے ہیں مگر جنت کی چیزیں بروئے حدیث صحیح ایسی ہیں کہ دل میں بھی ان کا خیال نہیں گزرا اور اس سے یہ خیال کرنا کہ اس طرح ان چیزوں کے وجود کا ہی انکار ہو گیا کم فہمی ہے اصل میں ان اسماء سے اس بات کو ظاہر کرنا مقصود ہے جو ان چیزوں سے یہاں مقصود ہوتی ہے۔ سونے کے کڑے۔ تختوں پر بیٹھنا۔ فاخرہ لباس یہ سب زینت کی چیزیں اور سرداری کے نشان ہیں اور چونکہ یہاں عیسائی اقوام کے بالمقابل مومنین کیلئے نعماء کا ذکر تھا اسلئے خاص ان نعماء کا ذکر کیا ہے جس کی مالک اس دنیا میں یہ قومیں اپنے آپکو

سبز لباس — سمجھتی ہیں اور مراد یہ ہے کہ حقیقی سرداری انہی لوگوں کی ہے جو رضائے الٰہی کے طالب ہیں اور اس دنیا کی سرداری جلد ختم ہو جاتی ہے اور انکے لباس کو سبز کہا ہے اسلئے کہ سبز رنگ سے دیکھنے والوں کی آنکھوں کو راحت پہنچتی ہے۔ اسی لئے شہداء کی ارواح کے ذکر میں ہے کہ وہ جنت میں فی حواصل طیور خضر یا فی صور طیر خضر یعنی سبز پرندوں کے چینہ دان میں یا سبز پرندوں کی صورت میں ہیں (مسلم) تو دونوں صورتوں میں ایک ہی حقیقت کا انکشاف ہے۔

سونے کے کڑوں کے ذکر میں فتوحات کیطرف لطیف اشارہ اور سراقہ کا واقعہ — ہاں یہ بھی صحیح ہے کہ ان نعمائے جنت کے ذکر میں فتوحات دینوی کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے اور اس کا پتہ ہمیں خود نبی کریم صلعم کی زبان سے لگتا ہے جب آپ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کیطرف جا رہے تھے اور صرف حضرت ابو بکرؓ آپ کے ساتھ تھے تو ایک شخص سراقہ نام نے آپ کا تعاقب کیا۔ مگر آخر اس پر بعض نشانات سے آپکی سچائی کا اثر ہوا تو مخلصانہ حاضر خدمت ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا اس وقت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ اے سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں۔ چنانچہ یہ خبر جو اس قدر بے سرو سامانی کی حالت میں دی گئی تھی کہ ایران کے خزانے مسلمانوں کے قبضہ میں آئینگے جب خود اپنی جان بھی سخت خطرہ کی حالت میں تھی چوبیس سال بعد پوری ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے ان وعدوں میں فتوحات دینوی کی طرف بھی لطیف اشارہ موجود ہے +

حف — **1916** حففنا۔ حَفَّ بِالشَّیءِ کے معنی ہیں ایک چیز کے گرد گرد گھوما یا اس کا احاطہ کیا و تری الملائکۃ حافین من حول العرش (الزمر۔ ۷۵) [39]

مومن اور کافر کی مثال — یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں کی ایک مثال بیان فرمائی ہے وضرب المثل لا یقتضی وجودھا (ر)، اور جس چیز کی مثال یہاں دی گئی ہے

۳۳ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ وَّ

یہ دونوں باغ اپنے پھل دیتے تھے اور اس میں کوئی کمی نہ کرتے تھے اور ان دونوں کے درمیان ہم نے نہر بہائی تھی اور

كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝

اسکے پاس طرح طرح کا مال تھا[1917] تو اس نے اپنے ساتھی کو کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا میں مال میں تجھ سے بڑھکر ہوں اور جتھے کے لحاظ سے غالب تر ہوں

۳۵ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ وَّمَآ

اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنے آپ پر ظلم کرنیوالا تھا کہنے لگا میں یقین نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہوگا[1918] اور میں

اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

یقین نہیں کرتا کہ قیامت آئے اور اگر میں اپنے رب کیطرف لوٹایا بھی جاؤں تو یقیناً اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤنگا

اس کا وجود ضروری نہیں ہوتا یعنی یہ مطلب نہیں کہ فی الحقیقت کوئی ایسے دو آدمی تھے۔ مگر بعض مفسرین نے یہاں بھی نام لیکر قصہ بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ عیسائیوں کو جو مال و دولت ہم نے دیا ہے تو اس کی مثال یوں ہے اور باغوں سے مثال اسلئے دی کہ دنیا میں یہ راحت کا بڑا بھاری سامان ہے ان باغوں میں بہترین پھل انگور کا ذکر کیا اور گرداگرد کھجور کا لگانا اس کی خوبصورتی کے لحاظ سے ہے کہ وہ بوجہ اپنی لمبائی اور سیدھا ہونے کے اعلیٰ درجہ کی زینت کا سامان ہے اور پھر صرف پھلدار درخت ہی نہیں بلکہ درمیان میں غلہ کے لہلہاتے کھیت ہیں اور اگلی آیت میں ہے کہ نہریں اس میں بہتی ہیں اور ظاہری طور پر بھی ان قوموں نے جنگلوں کو باغ بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے باغ کے دینے۔ کھجوریں لگانے۔ نہریں بہانے۔ سب باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ کفار نے انہیں اپنے لئے بنایا ہے اسلئے کہ سامان تو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کئے ہیں +

باغ سے مراد

کفار کی زینت کے سامانوں کی نسبت اللہ کیطرف

1917 ثمر۔ اصل میں تو درختوں کے پھل کو کہا جاتا ہے واحد ثَمَرَۃ ہے اور جمع ثَمَرَات اور ثمار۔ فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم (البقرۃ ۲۲) کلوا من ثمرہ اذا اثمر (الانعام - ۱۴۲) اور پھر ہر چیز سے جو نفع حاصل ہو اس کو اس کا ثمرۃ کہا جاتا ہے جیسے ثمرۃ العلم۔ ثمرۃ العمل اور ثمر سے مراد مال بھی لیا جاتا ہے جس سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور یہی معنی یہاں کئے گئے ہیں (غ)، اور انواع المال یعنی قسم قسم کے مال (قاموس) اور سونا اور چاندی (ج)، بھی یہاں معنی لئے گئے ہیں +

ثمر

حالانکہ اوپر صرف باغ کا ذکر تھا مگر یہ سمجھانے کو کہ یہ محض بطور مثال بیان کیا ہے یہاں اس باغ والے کے منہ سے جو لفظ کہلوائے ہیں یہ ہیں کہ میرا مال اور میرا جتھا تم سے بڑھکر ہے اور اس جتھے کی وجہ سے اپنے غلبہ کو بھی ظاہر کیا ہے مال اور جتھے پر ہی عیسائیت کو فخر ہے +

عیسائیت کا مال اور جتھے پر فخر

1918 تبید۔ بَادَ یَبِیْدُ کے معنی ہیں ایک چیز پراگندہ ہو گئی اور بَیْدَاء بیابان کو کہتے ہیں (غ) +

باد

جنت میں داخل ہونے سے مراد ایک خاص وقت میں داخل ہونا نہیں بلکہ مراد اپنے مال و متاع سے فائدہ اٹھانا ہے وھو ظالم میں بتایا کہ ان سامانوں میں ایسے منہمک ہوئے کہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرنے لگے۔ کیونکہ اخلاق اور روحانیت کی طرف سے لاپروائی اختیار کرکے اپنے آپکو ہلاکت میں ڈال دیا اور اصل غرض زندگی مال و دولت کو سمجھ لیا اور اس کیلئے اتنا زور لگایا کہ یہ یقین ہو گیا کہ اب دنیوی جاہ و حشم ہمارے ہاتھوں سے نہیں جا سکتا یہی حالت آج عیسائیت کی ہے اور اگلی آیت میں بتایا

عیسائی اقوام کی روحانیت سے محرومی

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ۳۷

اسکے ساتھی نے اسے کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا کیا تو اسکا انکار کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے

ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ ۳۸ ۳۹

پھر تجھے پورا انسان بنایا — لیکن میں (یہ جانتا ہوں کہ) وہی اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا[۱۹۱۹] اور جب تو اپنے باغ

جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ ۴۰

میں داخل ہوا کیوں نہ تو نے کہا جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اللہ کے سوائے کوئی بھی قوت نہیں اگر تو مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر مجھے دیکھتا ہے[۱۹۲۰] تو امید ہے کہ میرا رب

اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝

مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس پر آسمان سے بلا بھیجے — تو وہ صاف میدان بغیر سبزی کے رہ جائے[۱۹۲۱]

کہ آخرت پر ان کا یقین بالکل نہیں رہیگا سو یہ بھی سچ ہے کہ آج عیسائی اقوام کو نہ آخرت پر یقین ہے نہ آخرت کا کچھ فکر ہے ہاں چونکہ انجیل میں قیامت کا ذکر ہے اسلئے یہ فرض کر رکھا ہے کہ آخرت کی نعمتوں کے بھی ہم ہی مستحق ہیں +

لکنا — **۱۹۱۹** لکنا۔ اصل میں لکن انا ہے اور مطلب ہے لکن انا اقول لیکن میں یہ کہتا ہوں یا مانتا ہوں +

عیسائیوں کا انکار خدا اور انکار قیامت — یہاں مومن کی حالت کو بیان کیا ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی حالت کو ولا اشرک بربی احدا۔ توحید کامل صرف اسلام میں ہی ہے۔ اور اس سے پہلی آیت میں جو اللہ تعالیٰ کے کفر کا ذکر ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ عملاً عیسائی اقوام خدا کا انکار ہی کر رہی ہیں یہانتک کہ کسی معاملہ میں خدا کا نام تک لینا معیوب سمجھتی ہیں۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا انکار کرتے ہیں کہ وہ جس نے انسان کو ایسا ظاہری کمال عطا فرمایا ہے وہ اسکو کمال روحانی کیلئے بھی اُٹھائیگا۔

ہر انسان کا مٹی سے پیدا ہونا — اسی آیت میں انسان کی پیدائش کے ذکر میں فرمایا کہ تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تو مطلب یہ نہیں کہ تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تمہیں نطفہ سے بلکہ یہ مطلب ہے کہ مٹی سے نباتات اور غلے پیدا ہوتے ہیں جن سے انسان کو غذا ملتی اور اس کا خلاصہ نطفہ بنتا ہے۔ تو یوں ہر ایک انسان مٹی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر مٹی سے نطفہ کی صورت میں آتا ہے گویا اجزائے انسانی مٹی میں ہی ہوتے ہیں وہاں سے خلاصہ ہو کر نطفہ کی صورت میں آتے ہیں

دوسری زندگی کا وقوع اس زندگی کی طرح ہے — اسی طرح پر نشأۃ الآخرۃ یا دوسری زندگی ہے کہ انسان کے اعمال متفرق اور پراگندہ ہوتے ہیں۔ انکے نتائج کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہونے سے ایک خلاصہ انسان کی دوسری زندگی کا بنتا جاتا ہے جسکو نطفہ سے مشابہت ہے یعنی زندگی تو وہ یہاں بھی موجود ہے لیکن نطفہ کے طور پر ایک نامعلوم صورت میں ہے پھر عالم برزخ گویا اس حالت سے مشابہ ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور قیامت اسکی پیدائش کا وقت ہے

ماشاء اللہ — **۱۹۲۰** ماشاء اللہ یعنی الامر ماشاء اللہ یا ماشاء اللہ کائن۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو ہی پیدا نہ کرتا جن سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ تو یہ کچھ نہ کرسکتا تھا۔ انسان تب ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جب پہلے اللہ تعالیٰ اسے پہنچانا چاہتا ہے اور وہ فائدہ پہنچانا سامانوں کی پیدائش سے ہے لاقوۃ الا باللہ میں عجز انسانی کا اعتراف ہے اور حدیث میں اس قول کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ فرمایا ہے +

ان ترن۔ ترن اصل میں ترنی ہے اور انا فصل کیلئے ہے اقل مفعول ثانی ہے۔ اور جواب شرط محذوف ہے جسکے قایم مقام اگلی آیت ہے +

حسبان — **۱۹۲۱** حسبان کے اصل معنی حساب ہی ہیں اور یہاں مراد آسمان سے آگ یا عذاب ہے اور وہ حقیقت میں وہ ہے جس پر حساب لیا جائے پس اس کے مطابق جزا دی جائے (غ) +

۴۲ أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ○ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ

یا اس کا پانی نیچے چلا جائے پھر تو اسے نکال نہ سکے اور اس کا مال و دولت تباہ کر دیا گیا تو اپنے

كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَآ أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ

ہاتھ ملنے لگا جو اس پر خرچ کیا تھا اور وہ ویران تھا اس کی عمارتیں گری ہوئی تھیں اور کہنے لگا اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ

۴۳ بِرَبِّيٓ أَحَدًا ○ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ

کسیکو شریک نہ کرتا ۱۹۲۲ اور اس کیلئے کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابل پر اسکی مدد کرتے اور نہ ہی وہ مدد طلب

۴۴ مُنْتَصِرًا ○ هُنَالِكَ الْوَلَٰيَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ○ (ع ۵/۶ — محاسبۂ اعمال) ۴۵ وَاضْرِبْ

کر سکا ۱۹۲۳ اسی مقام پر ولایت اللہ کیلئے ہی جو حق ہے وہی بدلہ دینے میں اچھا اور اچھا انجام دینے میں بہتر ہے ۱۹۲۴ اور ان کیلئے

لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنَٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ

دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر (اس کی مثال) پانی کی طرح ہے جو ہم بادل سے برساتے ہیں تو اسکے ساتھ زمین کی روئیدگی

الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَٰحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا ○

دبشکر مل جاتی ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ۱۹۲۵

(زلق) زلق - اور زلل ایک ہی ہیں اور زلق وہ زمین ہے جس پر پاؤں نہ جمے یعنی پھسلنی زمین۔ اسلئے زلق سے مراد یہاں ایسی زمین ہے جس میں سبزی نہ ہو۔ اور دوسری جگہ ہے لیزلقونك بابصارھم (القلم ۶۸ - ۵۱) یعنی اپنی نظروں سے (یا گھور گھور کر) تجھے اپنے مقام سے جس پر اللہ نے تجھے کھڑا کیا ہے ہٹا دیں (ل) +

بہتر باغ سے مراد وہی جنت آخرت ہے جس کا مومنوں کیلئے وعدہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔ اس دنیا کے مال پر فنا بھی آجاتی ہے طاقت و حشمت۔ دولت سب کچھ جاتا رہتا ہے جس کیلئے کوئی آسمانی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں من السماء یا زمینی جیسا اگلی آیت میں ہے کہ پانی خشک ہو جائے

(تقلیب کفین) ۱۹۲۲ یقلب کفیہ کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ ہاتھوں کو الٹا سیدھا کرتا یا ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کی پشت پر رکھتا پھر اسکے برعکس مطلب اظہار ندامت ہے جسے ہماری زبان میں ہاتھ ملنا کہتے ہیں +

مال دنیا تو ہاتھ سے نکلتا ہی رہتا ہے تبھی انسان کو سمجھ آتی ہے کہ خدا سے تعلق ہی وہ چیز ہے جو ہر حال میں انسان کے کام آتا ہے فی الحقیقت یہی وہ جنت ہے جس سے انسان کبھی نکالا نہیں جاتا +

(انتصار۔ استنصار) ۱۹۲۳ منتصر۔ انتصار۔ اور استنصار کے معنی ہیں مدد طلب کرنا (غ)

(استغاثی کی موالات) ۱۹۲۴ ولایۃ کیلئے دیکھو ۲۳۲ مگر ابن جریر کہتے ہیں کہ وَلایۃ کے معنی موالات ہیں اور وِلایۃ کے حکومت اور غلبہ۔ اور عقب اچھا انجام دیکھو ۱۴۱۲ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر آکر معلوم ہوتا ہے کہ نصرت اللہ کیطرف سے ہی ملتی ہے کیونکہ دنیادار طاقتور آخر اپنی طاقت کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ہی ولایت یا دوستی کا تعلق کام آتا ہے

(ھشم ھشیم) ۱۹۲۵ ھشیم۔ ھشم نرم چیز جیسے نبات کے (غ)، یا ایسی چیز کے توڑنے پر بولا جاتا ہے جو اندر سے خالی اور خشک ہو (ل)،

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا ۴۶

مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں اور امید سے

وَّخَیْرٌ اَمَلًا ۝ وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰھُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَدًا ۴۷

کہ وہ بھی بہت اچھے ہیں ۱۹۲۶ اور جس دن ہم پہاڑوں کو دور کر دینگے اور تو زمین کو کھلا میدان دیکھے گا اور ہم انہیں اکٹھا کرینگے سو انمیں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑینگے ۱۹۲۷

اسلئے ہڈیوں وغیرہ کے توڑنے پر بھی بولا جاتا ہے اور ھشیم پتے وغیرہ ہیں جو خشک ہو کر ٹوٹ جائیں اور چورا چورا ہو جائیں فکانوا کھشیم المحتظر (القمر ۵۴-۳۱)۔

ذرو تذروہ۔ ذَرْوٌ ہوا کے مٹی وغیرہ اڑا کر لیجانے پر بولا جاتا ہے والذّٰریٰت ذروا (الذّٰریٰت ۵۱-۱) (ل)۔

مقتدر مقتدر کے معنی وہی ہیں جو قادر کے ہیں لیکن یہ ابلغ ہے (ل)، مقتدر بشر پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور مراد ہوتی ہے اکتساب سے قدرت حاصل کرنے والا (غ)۔

دنیوی زیب و زینت چلی جانیوالی چیز ہے کیسا پر حکمت کلام ہے چونکہ عیسائی اقوام کو حیات دنیا کی زیب و زینت پر ہی سارا فخر ہے اسلئے یہاں اسکی حقیقت بھی بتادی اور فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز ہے مگر یہ سبزی کی طرح ہے ایک وقت کیسی خوشنما ہوتی اور لہلہاتی ہے دوسرا وقت ہوتا ہے خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے یہی حالت قوموں کی زندگی کی ہے کہ ایک وقت ایک قوم زیب و زینت دنیوی کے لحاظ سے کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے دوسرا وقت آتا ہے اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا علی کل شیء مقتدرا میں اسی طرف اشارہ ہے۔

امل ۱۹۲۶ اَمَلًا۔ اور اَمَلٌ کے معنی ہیں آخری امید اور جمع آمال ہے (ل)۔

اعمال حسنہ کا بقا دنیوی زیب و زینت کے مقابل پر اس اصلی سامان زینت کا ذکر کیا جو کبھی برباد نہیں ہوتا اور اسی لئے اس کو باقیات کہا جیسے لئے دیکھو ۱۳۲۵ وہ اعمال جن کا مقصد حصول رضائے الٰہی ہو یہی ایک چیز ہے جو ہمیشہ کیلئے باقی رہتی ہے کیونکہ جزا اسی پر ملتی ہے وما لاحد عندہ من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلیٰ ولسوف یرضی (اللیل ۹۲-۱۹تا۲۱)، اور حدیثوں میں جو الباقیات الصالحات کی تفسیر میں بعض کلمات آئے ہیں جیسے سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ تو مراد یہی ہے کہ وہ بھی الباقیات الصالحات میں داخل ہیں۔

تسیر ۱۹۲۷ نسیر۔ سار کے معنی ہیں چلا اور سَیَّرَہٗ مِنْ بَلَدِہٖ کے معنی ہیں اسے اس کے شہر سے نکال دیا اور جلا وطن کر دیا اور سَیَّرْتُ الْجُلَّ عن ظھر الدابة میں نے چار پائے کی پیٹھ سے جھول کو دور کر دیا (ل) اور سَیَّرَتْهٗ میں کثرت پائی جاتی ہے اور تسییر میں بعض وقت چلنے والے کا ارادہ اور اختیار ہوتا ہے ھو الذی یسیرکم (یونس ۱۰-۲۲)، اور بعض وقت قہر اور غلبہ سے چلانا ہوتا ہے جیسے یہاں (غ)۔

بارزة بارزة۔ بَرَزَ کیلئے دیکھو ۱۳۲۰ اور بارزة گویا زمین خود کھلا میدان بن جائیگی جس میں کوئی روک باقی نہ رہے گی اور چونکہ بروز بعض وقت چھپی ہوئی حالت کے ظاہر ہونے پر بھی بولا جاتا ہے اسلئے بارزة سے مراد بھی اسی کے مطابق ہو سکتی ہے جیسے فرمایا یوم تبدل الارض غیر الارض۔

غدر۔ غادر نغادر۔ غَدَرَ کے معنی کسی چیز کا چھوڑ دینا اور ترک کر دینا ہیں اسلئے ترک عہد پر بھی بولا جاتا ہے اور غدیر وہ پانی ہے جسے سیلاب ایسی جگہ میں چھوڑ دے جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ اور غادر کے معنی بھی چھوڑ دیا ہیں۔

اس آیت میں اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے جہاں یہ دنیا کا مال کچھ کام نہیں دیگا۔ مگر قیامت کے متعلق جس قدر الفاظ استعمال کئے ہیں وہ عموماً مجازی رنگ میں قیامت وسطیٰ یعنی ایک قوم کی تباہی پر بھی صادق آتے ہیں۔

۴۸ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

اور وہ تیرے رب کے سامنے صف باندھکر پیش کئے جائینگے یقیناً تم ہمارے پاس آجاؤ گے جسطرح ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا بلکہ تم سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے لئے

۴۹ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ

کے پورا ہونیکا کوئی وقت مقرر نہیں کیا ۱۹۲۸ اور کتاب رکھی جائیگی تو تو مجرموں کو اس سے جو اس میں ہو ڈرتے ہوئے دیکھیگا　اور

يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ

وہ کہینگے اے ہم پر افسوس یہ کیسی کتاب ہو کہ نہ چھوٹی بات کو پیچھے چھوڑتی ہو نہ بڑی کو مگر اسے محفوظ کر لیا ہو

۵۰ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا

ع ۷　شیطان کی دوستی کا انجام

اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا موجود پائینگے　اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ۱۹۲۹ اور جب ہمنے فرشتوں کو کہا آدم کی

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ

فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے (نہ کی) وہ جنوں میں سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے باہر نکل گیا　تو کیا تم مجھے چھوڑکر اسے

وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝

اور اسکی نسل کو دوست بناتے ہو　اور وہ تمہارے دشمن ہیں　ظالموں کیلئے کیا ہی بڑا بدل ہو ۱۹۳۰

عَرَضَ　صَفّ
۱۹۲۸ عرضوا - عَرَضْتُ علیہ کے معنی ہیں اس کیلئے ظاہر کیا (ل) صفا - صَفّ کے معنی ہیں چیزوں کو ایک خط مستقیم پر رکھنا اپنے

رب کے سامنے پیش کیا جانے سے مراد
رب کے سامنے صف باندھکر پیش کیا جانے سے کیا مراد ہو؟ حدیث میں بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو ایک ہی مقام پر صفیں باندھکر کھڑا کرے گا - مراد اس سے ایک ہی صف میں سب کا کھڑا کرنا بھی ہو سکتا ہو یعنی سب کا یکساں حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہو کہ الگ الگ اُمتیں الگ الگ صفوں میں کھڑی کی جائینگی اور بعض نے کہا کہ یہ کلام استعارہ کے رنگ میں ہو اور مشہور معنی ہیں پیش ہونا یا صفیں باندھنا مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انکے بارہ میں حکم صادر کرنا ہو (د)۔

لقد جئتمونا یا قول کے طور پر ہو یعنی ہم کہینگے یا انہیں کہا جائیگا اور یا ماضی کا استعمال استقبال کیلئے تحقق وقوع فعل کیلئے ہو یعنی ضرور تمہاری دوسری پیدایش اسی طرح حق ہو جسطرح یہ پہلی پیدایش حق ہو میرے نزدیک اسی کو ترجیح ہو اور موعدا جو وعد سے اسم زمان ہو اس میں اشارہ

موعد
اس وعدہ کی طرف ہے جو دوسری پیدایش سے تعلق رکھتا ہو اور مصدر میمی بمعنی وعدہ بھی ہو۔ دیکھو ۱۸۱۴

وضع کتاب
۱۹۲۹ وضع الکتاب - وَضْع کے معنی رکھنا ہیں اور وضع الکتٰب سے مراد ہو بندوں کے اعمال کا ظاہر کرنا جسطرح فرمایا ونخرج لہ یوم القیامۃ کتبا یلقٰہ منشورا (بنی اسرائیل ۱۳)

صغیرۃ - کبیرۃ
صغیرۃ - دیکھو کبیرۃ کی بحث ۶۲۶ اور فرمایا وکل صغیر وکبیر مستطر (القمر ۵۳) اور فرمایا ولا اصغر من ذلک ولا اکبر (یونس ۶۱) تو یہ سب خیر اور شر کا بلحاظ قدر و منزلت کے بڑا یا چھوٹا ہونا ہو ایک دوسرے کی نسبت سے (غ) پس یہاں ہر قسم کے اعمال مراد ہیں

۱۹۳۰ جب پچھلے رکوع میں محبت دنیا اور محاسبہ اعمال کا ذکر کیا تو یہاں بتایا کہ انسان شیطان کے پیچھے لگ کر اس غلط راہ پر پڑتا ہو

ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا
جس کا انجام ہلاکت ہو - شیطان کی نافرمانی وغیرہ کیلئے دیکھو ۵۲ وغیرہ یہاں کھولکر بتایا کہ شیطان ملائکہ میں سے نہیں بلکہ جنوں میں سے ہو

مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ۪ وَمَا كُنۡتُ ۵۱

میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت شاہد نہ بنایا تھا اور نہ خود انہیں پیدا کرتے وقت اور میں ایسا نہ تھا

مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا ۝ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ ۵۲

کہ گمراہ کرنیوالوں کو (اپنا قوت) بازو بناتا ۱۹۳۱ اور جس دن کہے گا (انہیں) پکارو جنہیں تم میرا شریک قرار دیتے

زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّوۡبِقًا ۝

تھے پس وہ انہیں پکارینگے مگر وہ انہیں جواب نہ دینگے اور ہم ان کے تعلق کو ہلاکت بنا دینگے ۱۹۳۲

باایں صراحت عجیب عجیب کہانیاں ابلیس کو ملائکہ میں سے قرار دینے کیلئے بنائی گئی ہیں کوئی جنوں کو ملائکہ کا قبیلہ قرار دیتا ہے حالانکہ جن کے متعلق صراحت سے مذکور ہے کہ اسے نار سے پیدا کیا گیا اور ملائکہ کا نور سے پیدا ہونا حدیث سے ثابت ہے کوئی اسے اشراف ملائکہ میں سے قرار دیتا ہے کوئی کہتا ہے کہ جنوں اور فرشتوں کی جنگ ہوا کرتی تھی ابلیس چھوٹا ہوتا قید ہو کر ملائکہ میں آگیا اور ملائکہ کی طرح عبادت کرنے لگا اسلئے ملائکہ میں سے سمجھا جانے لگا۔ یہ سب بے اصل باتیں ہیں حسن کا قول ہے قاتل اللہ اقوامًا زعموا ان ابلیس من الملائکۃ واللہ تعالیٰ یقول کان من الجن (د)۔ +

ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ یہاں شیطان یا ابلیس کی ذریت بھی قرار دی گئی ہے۔ قتادہ سے روایت ہے ھم یتوالدون کما تتوالد بنو آدم یعنی ان کا سلسلہ نسل اسیطرح چلتا ہے جسطرح بنی آدم کا اور اس سے بھی زیادہ صاف ابن زید کا قول ہے قال اللہ لابلیس انی لا اذرأ لآدم ذریۃ الا ذرأت لک مثلہا (ج) یعنی اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کہا کہ میں آدم کی نسل میں کوئی شخص پیدا نہیں کرونگا مگر تیرے لئے اس کی مثل پیدا کرونگا جس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کیلئے الگ شیطان ہوتا ہے اور اس سے صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کا شیطان الگ ہے اور فی الحقیقت ہر انسان کے بھی قوی سے جس ہستی کا تعلق ہے وہی اس کا شیطان ہے مگر ان روایات کا یہ مطلب لینا کہ جنوں میں بھی طرح نکاح اور سلسلہ توالد و تناسل ہوتا ہے جس طرح انسانوں میں صحیح نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسکی ذریت وہ اسی لحاظ سے ہے کہ وہی کام کرتی ہے جو وہ کرتا ہے چنانچہ بعض نے ذریت سے مراد اسکے اتباع لئے ہیں +

ذریت شیطان اور ہر انسان کیلئے الگ شیطان کا ہونا

عضد

۱۹۳۱ عَضُدٌ اصل میں وہ حصہ ہے جو کہنی اور کندھے کے درمیان ہے یعنی بازو اور استعارۃً مددگار کو بھی کہتے ہیں (غ)۔ +

خلق میں عدم شرکت

ما اشہدتہم خلق السمٰوات۔ شاہد نہ بنانے سے کیا مراد ہے۔ شاہد یا شہید کے اصل معنی صرف گواہ کے ہیں تو بعض نے اس سے مراد لیا ہے کہ ان سے مشورہ نہیں کیا اور بعض نے یہ کہ وہ اپنی مشیت کے مطابق پیدا نہیں ہوئے یعنی کامل پیدا نہیں ہوئے در اصل کسی کو کسی اہم کام کیوقت بلانے سے منشا یہ ہوتا ہے کہ اس سے مدد لی جاتے اسی بنا پر وادعوا شہداءکم من دون اللہ (البقرۃ ۲-۲۳) میں شہداء سے مراد مددگار لئے گئے ہیں اور ابن جریر نے یہی مراد لی ہے ما احضرتہم ذلک فاستعین بہم۔ اور خود آیت کے خاتمہ کے الفاظ بھی اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں جہاں فرمایا کہ میں مضلین کو اپنا مددگار نہ بنا سکتا تھا پس مراد یہ ہے کہ پیدائش میں یہ خدا کے شریک یا معاون نہیں کہ انکی فرمانبرداری کیجائے کیونکہ حق عبادت خلق سے پیدا ہوتا ہے ما اشہدتہم میں کون مراد ہیں بعض نے شیاطین مراد لئے ہیں اور بعض نے کفار بعض نے ملائکہ مگر مراد یہاں وہ ہیں جنہیں شیاطین کے پیچھے لگ کر خدا کے شریک بنایا جاتا ہے اور اگلی آیت میں اسے صاف بھی کر دیا نادوا شرکاءی پس یہاں وہی شرکاء مراد ہیں اور انہیں کو مضلین کہا ہے کیونکہ انکی وجہ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں رب انہن اضللن کثیرا (ابراہیم ۱۴-۳۶)

بین

۱۹۳۲ بینہم۔ بَیۡن درمیان کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسکے معنی وَصۡل یعنی ملاپ یا تعلق بھی ہیں۔ دوسری جگہ ہے لقد تقطع بینکم (الانعام ۶-۹۵) جہاں وصل ہی مراد ہے (غ)، اور یہاں بھی یہی مراد ہے +

۵۳ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ وَلَقَدْ

اور مجرم آگ کو دیکھینگے تو یقین کرینگے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور وہ اس سے ہٹکر جانے کی کوئی جگہ نہ پائینگے ۔ اور بلاشبہ

ع ۸ — وعدۂ ہلاکت

۵۴ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں اور انسان زیادہ تر جھگڑا ہی

۵۵ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ

کرتا ہے [۱۹۳۳] اور کسی چیز نے لوگوں کو جب ہدایت انکے پاس آگئی اس بات سے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے استغفار کریں

۵۶ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ

مگر یہ کہ پہلوں کا طریق ان پر آجائے یا عذاب ان کے سامنے آموجود ہو اور ہم رسولوں کو نہیں

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

بھیجتے مگر اس حال میں کہ وہ خوشخبری دینے والے بھی ہوتے ہیں اور ڈرانیوالے بھی اور جو کافر ہیں وہ باطل کو لیکر جھگڑا کرتے ہیں

۵۷ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ

تاکہ اسکے ساتھ حق کو زایل کردیں اور میری آیتوں کو اور اسے جو انہیں ڈرایا جاتا ہے ہنسی سمجھتے ہیں [۱۹۳۴] اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہے

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ

جسے اسکے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور اسے بھول جاتا ہے جو اسکے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے پس ہم نے انکے دلوں پر پردے

اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

ڈالدیئے ہیں تاکہ اسے نہ سمجھیں اور انکے کانوں میں بوجھ ڈالدیا ہے اور اگر تو انہیں ہدایت کیطرف بلائے تو وہ کبھی بھی ہدایت پر نہ آئینگے [۱۹۳۵]

موبق ۔ وبق ایک امر سے باز رہا پس ہلاک ہو گیا ۔ او یوبقھن (الشوریٰ ۴۲ ۔ ۳۴) پس موبق ہلاکت ہے (غ)، — وبق ۔ موبق

۱۹۳۳ اکثر شیء جدلا سے یہ مراد نہیں کہ دوسری چیزوں کی نسبت انسان زیادہ جھگڑتا ہے ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حالانکہ حق کو طرح طرح کے پیرایوں میں بار بار بیان کیا جاتا ہے مگر پھر بھی انسان سے جھگڑا ہی زیادہ سرزد ہوتا ہے اور وہ اسے قبول کرنیکی بجائے کٹ حجتی کرتا چلا جاتا ہے اصل غرض اس رکوع کی ان اعدائے حق کیلئے وعدہ ہلاکت ہے جنکے ذکر سے یہ سورت مخصوص ہے و ینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا (۴)، مگر ابتداء اس عذر کی یوں کی کہ باوجود حق کی مختلف پیرایوں میں وضاحت کے بجائے اسے اختیار کرنے کے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں + (الشوریٰ ۴۲ ۔ ۱۶ غ)

۱۹۳۴ ایدحضوا ۔ دحض کے معنی ہیں پھسلنا اور ادحاض پھسلانا (ل)، اور دیل کے داحض ہونے سے مراد اسکا باطل اور زائل ہونا ہے حجتھم داحضۃ عند ربھم — ادحاض ۔ داحضۃ

۱۹۳۵ دیکھو ۱۹۲۶ یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ دلوں پر پردے ابتداءً نہیں بلکہ بطور سزا ڈالے جاتے ہیں ایک شخص آیات سے روگردانی کرتا ہے — دلوں پر پردوں کا ڈالنا

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل ۵۸

اور تیرا رب بخشنے والا رحمت کا مالک ہو اگر وہ انہیں اس پر پکڑے جو وہ کماتے ہیں تو فوراً انپر عذاب بھیج دے بلکہ

لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ۵۹

ان کیلئے ایک وعدہ کا وقت ہو جسکے مقابل پر وہ کوئی پناہ نہ پائینگے ۱۹۳۶ اور ان بستیوں نے جب ظلم کیا ہم نے انہیں

ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ ۶۰

رکوع ۹ — ۱۱

حضرت موسیٰ اور خضر

ہلاک کر دیا اور انکی ہلاکت کیلئے (بھی) ہم نے ایک وعدہ کا وقت مقرر کر دیا ہو اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہا میں (چلنا) نہیں (چھوڑونگا) یہانتک

أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝

کہ دو دریاؤں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پہنچ جاؤں یا برسوں چلتا ہونگا ۱۹۳۷

اور بدکاریوں میں بھی مبتلا ہو جیسا کہ نسی ما قدمت یداہ سے ظاہر ہو اسلئے اس کے دل کا شیشہ سیاہ ہو جاتا ہو اور حق اس میں منعکس نہیں ہوتا

وَأَل۔ موئل ۱۹۳۶ موئل۔ وَأَلَ الیہ کے معنی ہیں اس کی پناہ میں گیا۔ اور مَوْئِل کے معنی لجا یا پناہ ہیں (ل) +

وعدۂ ہلاکت مطلب یہ ہو کہ ظالموں کے کام تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر فوراً عذاب آجائے مگر اللہ تعالیٰ کا غفر و رحم بہت بڑا ہو اسلئے بڑی مہلت دیکر عذاب بھیجتا ہو۔ اور پھر جب وہ عذاب آتا ہو تو اس سے پناہ بھی کوئی نہیں ملتی۔ یہاں صاف طور پہ بتا دیا کہ ان اعدائے حق کے لئے بھی جن کا ذکر ہو رہا ہو ایک وقت وعدہ عذاب کا ہو مگر وہ خدا کے علم میں ہو جلد نہیں آتا۔ اگلی آیت میں پہلوں کی ہلاکت کا ذکر کرکے صاف فرما دیا کہ ان کی ہلاکت بھی ایسی ہی یقینی ہو۔ مگر ہلاکت سے مراد محض ان کی قوت کا توڑنا ہوتا ہو جو حق کے مقابل پر ہوتی ہو +

برح ۱۹۳۷ برح۔ لا ابرح۔ بَرَاح فراخ کھلے مکان کو کہتے ہیں جس میں کوئی روک نہ ہو اور بَرِحَ کے معنی ہیں براح میں قائم ہو گیا اور مراد اس سے زال کی طرح نفی ہوتی ہو اسلئے لا ابرح اثبات کے معنی میں آتا ہو کیونکہ دو نفیوں کا اجتماع اثبات ہوتا ہو لن نبرح علیہ عاکفین (طٰہٰ ۹۱) (غ)

مجمع البحرین مجمع البحرین۔ دو دریاؤں یا دو سمندروں کے ملنے کی جگہ ہو۔ مجاہد۔ قتادہ وغیرہ سے مروی ہو کہ بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ مراد ہو (ج) مگر یہ دونوں سمندر باہم ملتے ہی نہیں اور بعض نے کہا کہ وہ آرمینیا میں دو دریا ہیں۔ مگر وہاں حضرت موسیٰ کبھی گئے ہی نہیں۔ اور ابی سے مروی ہو کہ وہ افریقہ میں ہو (ر) اور یہی صحیح ہو اسلئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بعثت سے پیشتر بھی اور بعثت سے بعد بھی مدت تک مصر میں رہو اور مجمع البحرین بحر ابیض اور بحر اسود یعنی دریائے نیل کی دونوں بڑی شاخوں) کے ملنے کی جگہ ہو۔ اور یہ خرطوم پہ ملتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد بحر ملح اور بحر عذب یعنی نمکین اور میٹھے سمندر کا ملنا ہو (د) جنکا ذکر قرآن شریف میں ہو (الفرقان ۲۵ - ۵۳ - الفاطر ۳۵ - ۱۲) مگر یہ خاص دو سمندروں کے نام نہیں اور بعض نے کہا کہ یہ موسیٰ اور خضر کے ملنے سے مجاز ہو کیونکہ وہ علم کے دو دریا تھے (ر)، مگر اس صورت میں خود حضرت موسیٰ کا فرمانا کہ میں مجمع البحرین میں پہنچوں صحیح نہیں ٹھہرتا ہاں مجازی معنی لیکر یوں کہہ سکتے ہیں کہ دو بحر دنیا اور دین ہیں یا علوم دنیا اور علوم روحانی اور اسی کی طرف فی الحقیقت بحر ملح اور بحر عذب میں بھی اشارہ ہو تو اس صورت میں مجازاً مراد دین و دنیا کا ملنا یا علوم دینی و علوم دنیوی کا اجتماع ہو جو نہ حضرت موسیٰ کی اُمت کو میسر آیا اور نہ حضرت عیسیٰ کو بلکہ اُمت محمدیہ کیلئے یہ مقدر تھا پس ظاہر طور پر مجمع البحرین سے مراد بحر ابیض اور بحر اسود کے ملنے کی جگہ ہو اور اس میں اشارہ سلسلہ محمدیہ (صلعم) کی طرف ہو جیسا کہ آگے چلکر وضاحت سے دکھایا جائیگا +

۶۱

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا

پس جب وہ ان دونوں دریاؤں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پہنچے

حُقُب ۔ احقاب

حقب حِقْبَةٌ زمانہ کی مدت ہے جس کا وقت مقرر نہیں اور سال کو بھی کہتے ہیں اور حُقُب اور حُقْب اسّی سال کو کہتے ہیں اور حُقْب کی جمع حِقَاب اور اَحْقَاب آتی ہے اور یا حُقُب زمانہ ہے اور احقاب زمانے اور ثعلب سے حُقُب کے معنی ایک سال یا کئی سال مروی ہیں (ل)

موسیٰ اور خضر کے قصے کے اختلاف روایات

یہاں سے وہ ذکر شروع ہوتا ہے جو حضرت خضر کے قصہ کے نام سے مشہور ہے۔ خضر کون تھے۔ اور ان کا قصہ کیا ہے حضرت موسیٰ ان سے کیا سیکھنے گئے تھے۔ اور اس قصہ کو یہاں لانے کی کیا غرض ہے جہاں پہلے بھی عیسائیت کا ذکر ہو رہا ہے اور ابھی ان اقوام کی ہلاکت کا ذکر کیا تھا اور بعد میں بھی یاجوج ماجوج کا ذکر ہے جو انہی اقوام سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دو سوال ہیں جن کا جواب اشکال سے خالی نہیں دوسرے سوال یعنی تعلق کی ایک ہی توجیہ مفسرین میں ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کا ذکر یہود کے سوال پر کیا گیا تو اس قصہ کو لا کر یہ بتایا گیا کہ ضروری نہیں کہ نبی کو سب باتوں کا علم دیا جائے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہود نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ اصحاب کہف کا قصہ بتا دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں۔ مگر میں دکھا چکا ہوں کہ یہ روایت ہی قابل قبول نہیں۔ اور تعلق کی یہ وجہ بھی کافی نہیں ہے

احادیث قصص

میرے نزدیک سب سے زیادہ ضروری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ احادیث قصص گو وہ صحیح بخاری یا دیگر صحاح میں ہوں ہیں قابل نہیں ہوتیں کہ انکے ایک ایک لفظ کو نبی کریم صلعم کیطرف وثوق کیساتھ منسوب کیا جا سکے۔ اور اس فرق کو جو احادیث مسائل اور احادیث قصص میں ہے محدثین نے خود تسلیم کیا ہے اسلئے جہانتک ممکن ہو قرآن شریف کے الفاظ پر قصص میں بہت سی تفصیلات کو بڑھانا نہیں چاہئے

حضرت موسیٰ کے تلاش خضر میں نکلنے کی وجہ

قرآن شریف میں یہ ذکر نہیں کہ حضرت موسیٰ کو کیا واقعہ پیش آیا تھا احادیث میں اختلاف ہے۔ بعض احادیث میں تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے ایک موثر وعظ پر ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ سے زیادہ علم والا کوئی شخص بھی دنیا میں موجود ہے تو آپ نے فرمایا نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آپکو عتاب کیا اور فرمایا کہ ہمارا بندہ خضر ہے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے زیادہ علم والا شخص ہو تو اس کا نشان مجھے بتائیے تو اللہ تعالیٰ نے بتایا اور اسکے ملنے کی اجازت بھی دی یہ دوسری حدیث ایک نبی کی شان کے زیادہ شایاں ہے اسلئے دوسری کو ہم قبول کرتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے کئی سوال کئے تھے کون بندہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے کون سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا ہے کون سب سے زیادہ علم والا ہے تو اس آخری سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ علم والا وہ ہے جو دوسرے لوگوں کے علم کو طلب کرتا ہے کہ اس طرح سے اپنا علم بڑھائے اس پر حضرت موسیٰ نے سوال کیا کہ مجھے اس شخص کا پتہ بتایا جائے جو مجھ سے زیادہ علم والا ہے تاکہ میں اس کے پاس جاؤں تب اللہ تعالیٰ نے آپکو خضر کا پتہ بتایا پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے یہ سفر اسلئے کرایا کہ تا انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا علم صرف ایک قوم کیلئے ہے۔ ایسا ہی علم اللہ تعالیٰ نے اور لوگوں کو بھی دیا ہے اور قرآن کریم سے اس کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے ان تعلمن مما علمت رشدا (۶۶) اور اس قصہ کے یہاں لانے کی غرض یہ ہے کہ ایک طرف عیسائیوں کے ان اعتراضات کا جواب دیا جائے جو وہ آنحضرت صلعم پر کرتے ہیں اکثر عیسائی مؤرخین اسبات کے قایل ہیں کہ مکہ میں آپکی زندگی بالکل بے لوث تھی مگر مدینہ میں آکر بادشاہ بنکر لوگوں کو ناحق قتل کیا گیا۔ اس کا جواب یہاں دیا ہے کیونکہ سب سے بڑی بات جو حالات خضر میں نظر آتی ہے وہ ایک ایسے شخص کا قتل ہے جس پر الزام قتل کوئی نہ تھا اور باقی دو معاملات میں بھی آنحضرت صلعم کی صداقت کیطرف ہی اشارہ ہے جس کیلئے دیکھو ۱۹۵۲ دوسری طرف یہ بھی اس قصہ کے لانے کی غرض معلوم ہوتی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ سلسلہ موسوی ایک محدود سلسلہ تھا جس کا پیغام کل دنیا کیطرف ہوتا تو ایک طرف رہا وہ قومیں جو بنی اسرائیل سے بالکل قریب رہتی تھیں انکے حالات سے بھی انکو واقفیت نہ تھی اور نہ وہ سلسلہ دوسری قوموں کی ہدایت کیلئے تھا بلکہ ان قوموں کو علیحدہ ہدایتیں دی گئی تھیں اور وہ ایسی ہدایتیں تھیں جن سے خود حضرت موسیٰ بھی ناواقف تھے عیسائیوں نے

نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ ۶۲

وہ اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے چلتے چلتے اپنا رستہ دریا میں لے لیا ۱۹۳۹ سو جب وہ دونوں آگے نکل گئے (موسٰی) اپنے نوجوان ساتھی سے کہا

یہ سخت غلطی کھائی ہو کہ اللہ تعالےٰ کی وحی کو چند انبیائے بنی اسرائیل تک محدود کیا ہو تیسرے یہ بھی ظاہر کرنا مقصود معلوم ہوتا ہو کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئیاں خود یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور اس سورت میں چونکہ عیسائیت کے حالات سے بحث تھی اس لئے اس قصہ کو یہاں لایا گیا ہو تا وہ اسلام کی طرف رجوع کریں +

حضرت موسٰی کا سفر خرطوم

سب سے پہلے اس تذکرہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہو کہ آیا فی الواقع بھی حضرت موسٰی نے کوئی ایسا سفر کیا۔ جو واقعات آپ کے بائبل میں موجود ہیں ان میں کوئی ایسا ذکر نہیں۔ نہ علمائے یہود کی روایات میں ایسا ذکر ہو۔ لیکن تورات میں یہ ذکر ہو کہ حضرت موسٰی کی ایک بی بی اس علاقہ کی تھیں۔ اور مریم اور ہارون نے موسٰی کا شکوہ اس کوشی عورت کی بابت کہ اس نے لی تھی کیا کیونکہ اس نے ایک کوشی عورت لی تھی (گنتی ۱۲: ۱) اور علمائے یہود کی روایات میں جو ذکر حضرت موسٰی کا ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضرت موسٰی ایتھیوپیا گئے تھے جو مصر کے جنوب میں ایک بادشاہت تھی جس کی جنوبی حد خرطوم ہو بلکہ یہ بھی ذکر ہو کہ اس ملک کے بادشاہ کی بیوہ کے ساتھ انہوں نے شادی بھی کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ انہی کی تدبیر اور بہادری سے اس کو ایک بڑے قوی دشمن سے نجات ملی تھی پس ان حالات کے ہوتے ہوئے حضرت موسٰے کا ایسا سفر کرنا بالکل قرین قیاس ہو۔ اور چونکہ مدین سے واپس آکر آپکو بہت وقت مصر میں رہنا پڑا اسلئے اغلب یہی ہو کہ یہ سفر اس وقت پیش آیا +

یوشع

حضرت موسٰی کا فتی یا نوجوان ساتھی یا خادم جس کا یہاں ذکر ہو اس کا نام معلوم کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں مگر اکثر روایات میں اس کا نام یوشع دیا گیا۔ یہ وہی یوشع ہیں جو حضرت موسٰی کے جانشین بھی ہوئے +

مچھلی کا بھولنا اور اسکا دریا میں چلا جانا

۱۹۳۸ اس آیت میں دو باتوں کا ذکر ہو۔ ایک یہ کہ مجمع البحرین کے موقعہ پر پہنچکر وہ مچھلی کو بھول گئے اور دوسرا یہ کہ وہ مچھلی دریا میں چلی گئی اگر صرف الفاظ قرآنی کی تشریح مطلوب ہو تو اس میں چنداں دقت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تو ظاہر ہو کہ وہ دریا کے کنارہ پر چل رہے تھے۔ سفر میں جب ٹھہر جاتے ہونگے تو مچھلی پکڑ لیتے ہونگے تا کہ بھوک کے وقت غذا کا کام دے اور سہل ترین غذا یہی تھی جو اس حالت میں میسر آسکتی تھی۔ اور اگلی آیت اور اس سے اگلی آیت صاف بتاتی ہیں کہ جب حضرت موسٰی نے غذا مانگی تو آپ کے ساتھی نے کہا کہ مچھلی تو میں بھول گیا یعنی ساتھ نہیں لایا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ مچھلی غذا کیلئے ساتھ رکھتے تھے اور مچھلی کا دریا میں چلا جانا...... بھی معمولی بات ہو اور سَرَب کے معنی کیلئے دیکھو ۱۲۶۰ صرف الذاھب فی حدور یعنی نیچے کیطرف چلا جانا ہیں اور راغب نے یہی معنی دے کر اس آیت کو نقل کیا ہو۔ اور سارب کے معنی چلنے والا وہیں آچکے ہیں پس سربا بلحاظ معنی فاتخذ سبیلہ کیلئے مصدر موکد کے طور پر ہو اور تفسیر ابن جریر میں ہو کہ سرب سے مراد مسلک اور رستہ ہو یعنی دریا میں رستہ بنا کر چلی گئی اور بخاری میں بھی سَرَب کے معنی مذھب یعنی رستہ ہی ہیں

سرب

مچھلی کا بطور نشان دیا جانا

لیکن بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہو کہ جب حضرت موسی نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ میں اس شخص تک کس طرح پہنچوں تو آپ کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی قال تَاْخُذُ معک حُوْتًا فَتَجْعَلُهٗ فی مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَهُوَ ثَمَّ یعنی ایک مچھلی ساتھ لے لو اور اسے ایک زنبیل میں رکھ لو پھر جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں وہ ہو گا اور ایک اور روایت میں ہے فاوحی الیہ ان ائت البحر فانک تجد علی شط البحر حوتا فخذہ فادفعہ الی فتاک ثم الزم شاطی البحر فاذا نسیت الحوت وھلک منک فثم تجد العبد الصالح الذی تطلب (ث) یعنی اللہ تعالیٰ نے موسٰی کیطرف وحی کی کہ دریا پر چلے جاؤ تو دریا کے کنارے ایک مچھلی تمہیں ملے گی اس کو لیلو اور اسے اپنے ساتھی کو دیدو پھر دریا کے کنارے کنارے چلتے جاؤ پس جہاں تم مچھلی بھول جاؤ اور وہ گم ہو جائے وہیں تم اس عبد صالح کو پاؤ گے جس کی تلاش کرتے ہو پھر کسی روایت میں اسے مری ہوئی مچھلی کہا گیا ہو اور کسی میں نمکین اور

٦٢ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ

ہمارا صبح کا ناشتہ لے آ ہمیں اس (آج کے) سفر سے تکان ہو گئی ہے ١٩٣٩ کہا دیکھئے جب ہم نے چٹان پر پناہ لی تھی

فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا ○

تو میں مچھلی کو بھول گیا اور شیطان نے ہی یہ مجھے بھلا دیا کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے سمندر میں اپنا رستہ لے لیا تعجب کر ١٩٤٠

مچھلی کا بھنا ہوا ہونا قابل قبول نہیں

کسی میں بھنی ہوئی۔ اب روایات کو قبول کرتے وقت یا ان روایتوں کو قبول کرنا پڑیگا جو قرآن شریف کے بیان کے مطابق ہیں کہ معمولی مچھلی تھی اور دریا کے کنارے سے لی تھی اور یا ان کو جن میں اس کے بھنے ہوئے اور نمکین ہونے کا ذکر ہے اقرب الی الصواب یہی ہے کہ ان زوائد کو کہ وہ نمکین تھی یا کباب تھا قبول نہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں جو الفاظ اس قسم کے ہیں کہ جہاں چٹان کے پاس مچھلی رکھی تھی وہاں آب حیات کا چشمہ تھا اور یوشع کے وضو کے قطرے مچھلی پر پڑے تو وہ مچھلی زندہ ہو گئی یہ بھی ساتھ ہی رد کرنے کے قابل ہیں اور سب پر جو اور حاشیے چڑھائے گئے ہیں کہ جہاں سے مچھلی گزرتی تھی پانی جمتا چلا جاتا تھا یا پتھر کی طرح ہوتا جاتا تھا یا واقعی پتھر ہوتا جاتا تھا۔ اور ایک روایت

اسی قسم کے دوسرے قصے

میں تو کمال کر دیا ہے کہ دریا میں آگے آگے مچھلی بھاگی جاتی تھی پیچھے پیچھے حضرت موسیٰ اپنے عصا کی مدد سے پانی کو چیرتے ہوئے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک جزیرہ پر پہنچ گئے جہاں خضر کو ملے اور مچھلی کے چھونے سے پانی پتھر کی طرح ہوتا جاتا تھا ان تمام باتوں کی قرآن شریف میں کوئی اصلیت نہیں اور روایات قصص اس قدر قابل اعتماد نہیں کہ ان کے ایسے بعید از عقل قصے بھی قبول کئے جائیں +

حصول علم کیلئے سفر اور صعوبت کا اٹھانا

ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ معمولی طور پر اگر کھانے کی مچھلی اسے سمجھا جائے تو قرآن شریف نے اس کا ذکر کیوں کیا۔ سو بات یہ ہے کہ بتانا یہ تھا کہ علم کے حاصل کرنے کیلئے انبیاء نے کیا کیا صعوبتیں اُٹھائی ہیں اور علم سے کس قدر محبت رکھتے تھے کہ اتنا بڑا سفر اختیار کیا جس میں سواری کا بھی کوئی انتظام نہیں۔ اور پھر غذا کے ساتھ لینے کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ مچھلی پر ہی صبر کیا جو وہیں دریا کے کنارے سے مل جاتی تھی۔ باقی یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں رواۃ سے اس قدر تصرف ہو گیا ہو کہ روزمرہ غذا کی مچھلی کو نشان سمجھنے کی بجائے انہوں نے ایک ہی خاص مچھلی کو نشان سمجھ لیا ہو۔ ممکن ہے یہی نشان قرار دیا گیا ہو کہ روزمرہ غذا کی مچھلی جہاں بھول جاؤ وہ منزل کا ہے

١٩٣٩ انبیاء کی فطرت ایسی سلیم ہوتی ہے کہ اتنے لمبے سفر میں حضرت موسیٰ نے کوئی تکان محسوس نہیں کی جبتک کہ حد مقررہ سے آگے نہیں نکل گئے +

صخرۃ۔ صخر

١٩٤٠ اَلصَّخْرَةُ الْحَجَرُ الْعَظِيْمُ الصُّلْبُ (ل) یعنی بہت بڑے اور سخت پتھر کو صخرۃ کہا جاتا ہے فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ (لقمٰن ٣١ - ١٦) جمع صَخْرٌ ہے جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (الفجر ٨٩ - ٩)

عجب۔ تعجب

عجبًا عَجَبٌ اور تَعَجُّبٌ وہ حالت ہے جو انسان کو کسی چیز کے سبب سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتی ہے اور بعض حکما کا قول ہے کہ عجب وہ ہے جس کا سبب سمجھ نہ آئے۔ کانوا من اٰیٰتنا عجبًا میں یہ بتایا ہے کہ یہ کوئی بڑے تعجب کی بات نہیں بلکہ ہمارے امور میں اس سے بھی بڑی اور عجیب تر باتیں ہیں۔ اور یہاں عجبًا فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے، اور اس کی تقدیر یوں ہے اعجب عجبًا (ر) یعنی میں اس بات پر تعجب کرتا ہوں کہ یہ آپ سے ذکر کرنا مجھے کیوں یاد نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر میں فی البحر کے بعد وقف لا کر پھر عجبًا آتا ہے گویا اسے علیحدہ کیا ہے +

مچھلی بھول جانے کا سبب

اویٰ کے لفظ سے جس میں پناہ لینے کا مفہوم پایا جاتا ہے دیکھو ٢٤٦١ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے چٹان پر پناہ لی اور چونکہ ان کا سفر دریا کے کنارے کنارے تھا اسلئے پناہ سیلاب سے ہی لی ہوگی جو یکایک آگیا۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کوئی ایسا وقت تھا جب آپ آرام کر رہے تھے تو گھبراہٹ میں اُٹھنا پڑا۔ مچھلی کو بھول جانے کی بھی یہی وجہ ہے خواہ یہ خاص مچھلی ہو جو بطور نشان ساتھ لیگئی تھی یا محض کھانے کیلئے کوئی مچھلی دریا سے پکڑ کر ساتھ رکھی ہو۔ ناشتہ کے مانگنے پر آپ کے ساتھی کا یہ کہنا بتاتا ہے کہ پہلی دفعہ

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا ۶۴ ۶۵

کہا یہی تو ہے جو ہم تلاش کرتے تھے سو وہ دونوں اپنے دیا ؤں کے نشانوں کا پیچھا کرتا ہوئے واپس لوٹے[۱۹۴۱] پس انہوں نے ہمارے بندوں

مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی جناب سے رحمت عطا فرمائی تھی اور اپنے پاس سے اسے علم سکھایا تھا[۱۹۴۲]

تھی . لیکن حدیث میں اسے خاص مچھلی قرار دیا ہے جو بطور نشان ساتھ لی تھی . تو اس صورت میں غذا کے ذکر کی وجہ سے مچھلی کا خیال یوشع کو آگیا . کیونکہ کو وہ مچھلی بطور نشان تھی مگر مچھلی کھائی بھی جاتی تھی - اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مچھلی آپ کھاتے بھی تھے کیونکہ اگر وہی نشان والی مچھلی ہی کھاتے ہوتے تو اتنے لمبے سفر میں وہ کفایت کیونکر کر سکتی تھی یہاں کہا انی نسیت الحوت اور پہلی آیت میں ہے نسیا حوتہما یعنی دونوں بھول گئے . یہ دونوں باتیں درست ہیں اسلئے کہ دونوں میں سے کسی کو مچھلی کا ساتھ لینا یاد نہ رہا اور اکیلے ساتھی کی طرف اسلئے منسوب ہے کہ اس کے سپرد یہ کام خصوصیت سے تھا +

حضرت موسیٰ کیلئے نشان بروئے روایات صخرہ بھی تھا اور مچھلی بھول جانا بھی

۱۹۴۱ پہلی آیت میں حضرت موسیٰ کے رفیق نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے ایک چٹان پر پناہ لینے کا دوسرا مچھلی بھول جانے کا تو حضرت موسیٰ نے جو فرمایا ذلك ما كنا نبغ یہی ہم تلاش کرتے تھے . تو ممکن ہے ان کی مراد صخرۃ ہو . یعنی صخرۃ ہی تو ہماری مقررہ جگہ تھی اور ممکن ہے مراد یہ ہو کہ مچھلی کا بھول جانا ہی نشان تھا . اکثر روایات میں تو نشان مچھلی کا بھول جانا ہی قرار دیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے پتہ دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا عند الصخرة التی عندها العین اس چٹان کے پاس جسکے قریب چشمہ یا دریا ہے . ممکن ہے وہاں کوئی چشمہ بہتا ہو اور ممکن ہے عین سے مراد دریا ہی ہو . غرض صخرۃ کے ذکر پر یا مچھلی بھول جانے کے ذکر پر حضرت موسیٰ واپس ہوئے . اس میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء سے بھی غلطی یا فروگذاشت ایسے معاملات میں ہو جاتی ہے جو شریعت سے تعلق نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ انکو غلطی پر قایم نہیں رکھتا بلکہ جلد ہی اس کے دور کرنے کے سامان پیدا کر دیتا ہے خواہ بذریعہ اپنی وحی کے ایسا کرے خواہ اور واقعات پیدا کرکے +

خضر کون تھے

۱۹۴۲ یہ بندہ کون تھا ؟ احادیث میں ان کا نام خضر آیا ہے مگر ان کے بارہ میں اختلاف اقوال کی کوئی حد نہیں بعض انکو ولی بعض نبی غیر مرسل بعض نبی رسول کہتے ہیں بعض انہیں ایک فرشتہ قرار دیتے ہیں پھر کوئی کہتا ہے وہ آدم کی پیٹھ سے انکے فرزند تھے بعض انہیں قابیل کا فرزند کہتے ہیں کوئی انہیں ارمیاہ اور کوئی الیسع قرار دیتا ہے کوئی فرعون کا بیٹا اور کوئی فرعون کی بیٹی کا بیٹا قرار دیتا ہے پھر کوئی کہتا ہے وہ ابتک زندہ ہیں اور زندہ رہینگے یہانتک کہ دجال کی تکذیب کریں اہل علم کہتے ہیں وہ مر گئے . صوفی کہتے ہیں وہ اب بھی موجود ہیں اور لوگ ان سے ملاقات بھی کرتے ہیں بعض ان سے علم سیکھنے کا بھی دعوے

وفات خضر

کرتے ہیں اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اگر وہ انسان تھے تو اپنے وقت پر فوت ہو چکے روح المعانی ابن کثیر فتح البیان میں اسی کو صحیح ٹھہرایا ہے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو آنحضرت صلعم کی اتباع ان کیلئے لازمی تھی اسی موقعہ پر ابن کثیر نے آنحضرت صلعم کی اس

حدیث لوکان موسیٰ و عیسیٰ حیین . اور وفات عیسیٰ

حدیث کو نقل کیا ہے . لوکان موسیٰ و عیسیٰ حیین لما وسعهما الا اتباعی اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرا اتباع کرنا پڑتا جس سے نہ صرف خضر کا وفات یافتہ ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ حضرت عیسیٰ کا بھی وفات یافتہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ جو بڑی کثرت

خضر کی ملاقات

سے صوفیاء کی شہادت ملتی ہے کہ وہ خضر کو ملے تو یہ ملنا بطور رکاشفہ ہے جیسا کہ اوما نبیاء اور صلحاء کی بھی ملاقات رویا یا کشف میں ہو جاتی ہے

خضر کی نبوت

دوسری بات جو وثوق سے کہی جا سکتی ہے یہ ہے کہ اگرچہ جمہور نے خضر کو ولی یا نبی غیر مرسل مانا ہے لیکن ان کے جن حالات کا ذکر قرآن شریف میں ہے ان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف رسول تھے گو بلحاظ ضروریات قومی ان کی نبوت کا رنگ

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ ٦٦

موسےٰ نے اسے کہا میں تیرے ساتھ چلوں اس (شرط) پر کہ تو مجھے اس میں سے سکھائے جو بھلائی تجھے سکھائی گئی ہے [۱۹۴۳]

ولی کا الہام حجت نہیں

علیحدہ ہو۔ ان کے نبی ہونے کا یہ قطعی ثبوت ہے کہ قرآن شریف سے انکی وحی حجت ثابت ہوتی ہے ولی کا الہام حجت شرعی نہیں ہوتا جبتک کہ شریعت اس کی تصدیق نہ کرے صرف نبی کی وحی حجت ہوتی ہے میں اس جگہ ایک چھوٹا سا واقعہ لکھتا ہوں جو ولی کے الہام اور شریعت کے تعلق

مجدد صد چہاردہم کا ایک واقعہ

کو ظاہر کرتا ہے اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ایک دفعہ اُنتیس روزوں کے گزرجانے پر الہام ہوا کہ عید تو آج ہی چاہو کرو یا نہ کرو۔ مگر اُنتیس کے دن قادیان اور اس کے گرد و نواح میں چاند نہ دیکھا گیا صبح کو جب آپ نے یہ الہام سنایا تو بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ جب الہام آپ کو ہو گیا ہے تو کیا ہم روزے نہ کھول دیں اور عید نہ کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اُنتیس کو اگر چاند نظر آئے تو عید کی جائے اسلئے روزہ ہی رکھنا چاہیئے۔ بعد میں دوسرے مقامات سے تاریں آگئیں کہ چاند پہلی شب یعنی اُنتیس کا دیکھا گیا۔ یوں الہام کی بھی تصدیق ہو گئی مگر عمل شریعت پر ہی ہوا اور یہی اُمت کا مسلمہ مذہب ہے۔ پس خضر کے اپنی وحی کو حجت قطعی ٹھہرانے سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اور نبی تھے۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ باوجود نبی ہونے کے ان کو جو احکام دیئے

مقامی نبوتیں مقامی ضروریات

گئے ان کا رنگ کچھ اور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا یا موسٰی اِنّی علی علمٍ من علم اللّٰہ علّمنیہِ لا تعلمہٗ انت و انت علٰی علمٍ من علمِ اللّٰہِ علّمکہُ اللّٰہُ لا اَعلمہٗ اے موسیٰ میں اللہ کے علم میں سے ایک علم پر ہوں جو اس نے مجھے سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا اور تو اللہ کے علم میں سے ایک علم پر ہے جو اللہ نے تجھے سکھایا ہے اسے میں نہیں جانتا مطلب یہ کہ تم ایک قوم کیلئے مبعوث ہوئے ہو تمہیں ایک علم دیا گیا ہے جو اس کی ضروریات کے مطابق ہے میں ایک دوسری قوم کیلئے مبعوث ہوا ہوں مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو اس قوم کے حالات کے مطابق ہے نہ تمہارا علم مجھے فائدہ دے سکتا ہے نہ میرا تمہیں۔ ضروریات قومی کا اقتضاء یہی تھا کہ ہر قوم کے نبی کو اس قوم کے حالات کے

ضروریات نسل انسانی کا کامل علم آنحضرتؐ کیلئے مخصوص ہوا

مطابق علم دیا جاتا کامل علم ہر قسم کی انسانی ضروریات کا صرف ایک ہی انسان کیلئے مقدر تھا۔ یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی لئے آپکو ایک قوم کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ کافۃ للناس مبعوث کیا گیا حضرت موسیٰ کا دائرہ ہمت اسباط کا مقتضی نہ تھا کہ انہیں سوائے

خضر کے فرشتہ ہونیکا قول

بنی اسرائیل کے اور قوموں کی طرف بھی مبعوث کیا جاتا اور اگر خضر کو ایک فرشتہ مانا جائے جیسا کہ ایک قول میں ہے تو پھر جن واقعات کا آگے ذکر آتا ہے وہ سب خود حضرت موسےٰ کو بطور کشف پیش آئے اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بطور کشف واقعات کیلئے سفر کی کیا ضرورت تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مصالح ہیں حضرت موسیٰ طور پر جاتے ہیں تو وحی ہوتی ہے حالانکہ خدا کی وحی تو ہر جگہ ہو سکتی ہے پھر وہیں طور پر جا کر ہی شریعت ملتی ہے۔ پس ایسا سفر کرانا بھی اللہ تعالیٰ کے مصالح میں سے تھا۔ اور درحقیقت وحی اور مکاشفات کیلئے بہت بڑی محنت شاقہ بکار ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جس رنگ میں چاہے وہ کرائے۔ مگر میرے نزدیک ترجیح اسباب کو ہے جیسے اکثر ہیں کہ حضرت خضر انسان تھے۔

اتباع سے مراد

۱۹۴۳ اتبعک اس سے مراد وہ اتباع نہیں جو ایک نبی کا پیرو نبی کا اتباع کرتا ہے یعنی عبادات معاملات وغیرہ میں نقش قدم پر چلنا بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جہاں تم جاؤ وہاں میں بھی جاؤں یعنی ساتھ رہنا مراد ہے۔ تاکہ جو واقعات خضر کو پیش آئیں آپ بھی انہیں دیکھ سکیں کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ خضر کی اتباع کیلئے نہیں آئے تھے بلکہ ان کے واقعات کا کچھ علم حاصل کرنے آئے تھے۔

موسیٰ اور خضر کا علم

یہاں سے معلوم ہوا کہ جو علم خضر کو دیا گیا وہ اور تھا۔ کیونکہ علم تو حضرت موسیٰ کو بھی دیا گیا تھا جیسا کہ فرمایا اٰتینٰہ حکماً و علماً (القصص ۱۴) اور چونکہ دونوں علم علم دین ہیں اسلئے دین کا ایک علم حضرت موسیٰ کو دیا گیا تھا جو ان کی قوم کی ضروریات کے مطابق تھا اور دین کا ہی ایک علم حضرت خضر کو دیا گیا جو ان کی قوم کی ضروریات کے مطابق تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اپنی اپنی اُمت کے متعلق اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے انبیاء کو خاص واقعات کا علم دیدیتا ہے جہاں تک ظاہر نظریں نہیں پہنچ سکتیں اور وہ ایک ایسا فعل اس علم کی بنا پر کر لیتے ہیں جو ظاہر نظروں میں قابل اعتراض بھی ہوتا ہے لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے اور انکے سارے معاملات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اعتراض نہیں رہتا

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِي ۶۷ ۶۸ ۶۹

اس نے کہا تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا اور تو کس طرح اس پر صبر کریگا جسکی تجھے پوری پوری خبر نہیں ۱۹۴۴ (موسیٰ نے) کہا تو مجھے انشاء اللہ

إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ ۷۰

صابر پائے گا اور میں کسی معاملہ میں تیری نافرمانی نہیں کرونگا کہا اگر تو میرے ساتھ چلے تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کرنا یہاں تک

ع ۹ — حضرت موسیٰ اور خضر

أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا ۷۱

کہ میں خود تجھ سے اس کا ذکر کروں ۱۹۴۵ پس وہ دونوں چلے یہانتک کہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی کو پھاڑ دیا (موسیٰ نے) کہا کیا تو نے اسے

لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۝ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ ۷۲

پھاڑ دیا تاکہ اسکے سواروں کو غرق کردے یقیناً تو نے ایک خطرناک بات کی ہے ۱۹۴۶ کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر

مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۝ ۷۳

نہیں کر سکے گا (موسیٰ نے) کہا مجھے گرفت نہ کیجئے جو میں بھول گیا اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے

خُبرا — ۱۹۴۴ خُبرا۔ خُبْرٌ۔ اشیائے معلومہ کا علم ہے جو خبر دینے سے ملے اور بعض نے خُبْرٌ اور خِبْرَة میں یہ فرق کیا ہے کہ خُبْرٌ کے معنی ایک امر باطن کی معرفت ہیں۔

نبی کے صبر نہ کرسکنے کی وجہ — نبی بھی ایک بشر ہے جب ایک صفت اس میں غالب ہو تو اس کا اظہار ہونے سے نہیں رہتا۔ حضرت موسیٰ باوجود اپنے مشہور حلم اور بردباری کے حق کی غیرت اس قدر رکھتے تھے کہ جب انہوں نے ایک موقعہ پر حضرت ہارون کو قوم کی غلطی میں شریک سمجھا تو ان سے بھی یہانتک سختی سے پیش آئے کہ جس پر حضرت ہارون کو یہ کہنا پڑا لا تاخذ بلحیتی ولا براسی (طٰہٰ ۲۰-۹۴) حضرت خضر کو معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دیدی تھی کہ حضرت موسیٰ اور قسم کی صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور حضرت خضر اور کے۔ اسلئے انہوں نے کہا کہ آپکا میرے ساتھ صبر کرنا مشکل ہوگا اللہ تعالیٰ نے آپکے اندر اور قسم کے کمالات رکھے ہیں مجھے اور قسم کے کمالات سے حصہ دیا ہے۔

۱۹۴۵ اس شرط کے لگانے کی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر اوپر کے نوٹ میں ہوا۔ بتانا یہی مقصود تھا کہ تمہارے کمالات اسبات کے متحمل نہیں ہوسکتے جو مجھ میں ہیں۔ تمام قسم کے کمالات کا صرف ایک ہی انسان میں جمع ہونا مقدر تھا۔ اور وہ ذات پاک نبوی ہے۔

سفینة — ۱۹۴۶ سفینة۔ سَفَنَ لکڑی وغیرہ کسی چیز کے بیرونی حصہ کا تراشنا ہے اسی لحاظ سے کشتی کو سفینة کہا جاتا ہے (غ)

امرا — امرا۔ اَمِرَ الاَمْرُ کے معنی ہیں کَبُرَ وَکَثُرَ بڑا ہوا اور بہت ہوا۔ اسلئے اِمْرٌ کے معنی منکر ہیں یعنی برا (غ)، یا بڑی مصیبت والی منکر بات اور بعض کے نزدیک یہ نُکْرًا سے بڑھکر ہے جو آگے غلام کے قتل پر آیا ہے اسلئے کہ کشتی کے ٹوٹنے سے بہت آدمیوں کے غرق ہونے کا خطرہ تھا (ل)۔ خرق کیلئے دیکھو ۹۹۱۔

خضر کا کشتی توڑنا — اس رکوع میں ان تین واقعات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ اور خضر کو پیش آئے پہلا واقعہ کشتی کا توڑنا ہے اس میں لتغرق اھلھا ہے تو یہ مطلب نہیں کہ کشتی کو اس غرض کیلئے توڑا ہے بلکہ لام عاقبت کا ہے یعنی کشتی کو توڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کشتی والے غرق ہو جائیں۔ خضر کے اس طرح کشتی توڑنے سے اور آگے غلام کو قتل کرنے سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ خضر ایک انسان

۷۴ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک جوان سے ملے تو اس نے اسے قتل کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا تو نے ایک بیگناہ جان کو بغیر جان (بدلہ) کے مار ڈالا یقیناً تو نے

۷۵ شَيْئًا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ ۷۶ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ

بہت بری بات کی ۱۹۴۶ کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہ کر سکے گا کہا اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی

عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝

بات کے متعلق سوال کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا تو میری طرف سے عذر (کی حد) کو پہنچ چکا ۱۹۴۸

تھا جسے عام آنکھیں نہیں دیکھتی تھیں۔ صرف حضرت موسیٰ دیکھتے تھے ورنہ لوگ اسے کشتی توڑنے یا قتل کرنے سے روک دیتے تو یہ صورت مکاشفہ کی ہوگی یعنی وہ صورت جب خضر کوئی انسان نہیں بلکہ فرشتہ سمجھا جائے اور نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ خضر بادشاہت کے خاندان سے تھے۔ وہ ممکن ہے کہ انہیں خود بھی اس علاقہ میں کوئی ریاست یا بادشاہی حاصل ہو جس وجہ سے انہیں روکا نہیں گیا یا ان لوگوں کو ان پر اس قدر اعتقاد ہو کہ ان کے فعل کو وہ ناپسندیدہ نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ خرقہا سے مراد صرف اسی قدر ہو کہ اس کے توڑنے کا حکم دیا یا کیونکہ اگر فی الواقع توڑ دی ہوتی تو لوگ غرق بھی ہو جاتے۔ اور ایسا ہی غلام کے قتل کرنے میں بھی ممکن ہے مراد صرف اس کے قتل کا حکم ہو ایسے موقعہ پر اس قسم کے الفاظ کا بول دینا عام محاورہ ہے۔ اور یہاں بہرحال کشتی کو صرف عیب دار کر دیا ہے بالکل نہیں توڑا جیسا کہ آیت ۷۹ سے ظاہر ہے +

خضر خاندان بادشاہت سے تھے

غلام

۱۹۴۷ غلام کے لئے دیکھو ۲۱۲ پیدا ہونے سے لیکر جوانی تک غلام کہا جاتا ہے اور کہل کو بھی غلام کہدیتے ہیں اور یہاں بعض نے نابالغ قرار دیا ہے بعض نے بالغ (ر) +

زکا۔ زکیۃ

زکیۃ۔ زکاء کے اصل معنی ہیں بڑھنا اور ارض زکیۃ اچھی زمین کو کہتے ہیں اور آگے آتا ہے خیرا منہ زکوٰۃ (۸۱) جہاں

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معنی صلاح ہیں اور یہی معنی حنانا من لدنا و زکوٰۃ (مریم۔ ۱۳) میں ہیں۔ اور آیت ۸۱ میں زکوٰۃ کے معنی عمل صالح بھی کئے گئے ہیں جیسے للزکوٰۃ فاعلون (المؤمنون ۲۳-۴) میں (ل)۔ پس زکیۃ کے معنی ہونگے اچھا بھلا اور مفسرین نے اس کے معنی تائبۃ یعنی توبہ کرنیوالا اور مسلمۃ یعنی فرمانبردار رکھے ہیں (ح) +

نکر

نکر۔ نکر کیلئے دیکھو ۱۴۸۱ وغیرہ اور نکر بڑے سخت امر کو کہتے ہیں جو پہچانا نہیں جاتا (غ) +

خضر کا ایک شخص کو قتل کر دینا +

یہ دوسرا واقعہ ہے۔ اور گو مفسرین نے عموماً اسے بچہ قرار دیا ہے اس وجہ پر کہ اسے زکیۃ کہا گیا ہے لیکن اگر زکیہ کے معنی بے گناہ بھی لئے جائیں تو مراد صرف اس قدر ہوگی کہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا تھا جس کی وجہ سے اسے قتل کیا جاتا۔ چنانچہ بغیر نفس اسی لئے بڑھایا ہے کہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا وہ نابالغ بچہ نہ تھا بلکہ جوان تھا کیونکہ سزائے قتل بلوغت پر ہی وارد کی جاتی ہے جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی شخص نے خواہ نبی ہو یا رسول بچوں کو اسلئے قتل نہیں کیا کہ یہ بڑے ہو کر گنہگار ہو جائیں گے اگر یہ بھی کوئی قانون ہوتا تو پھر چاہیئے یوں تھا کہ جتنے گنہگار ہونے والے ہوتے اللہ تعالیٰ انہیں بچپن میں ہی خود مار دیا کرتا یا کم سے کم کسی نبی کے وقت میں ایسے ہی اطلاع دیدیا کرتا کہ فلاں بچہ گنہگار ہوگا اسے قتل کر دو +

حضرت موسیٰ کا اعتراف

۱۹۴۸ پہلے موقعہ پر حضرت موسیٰ نے بھول جانے کا عذر کیا تھا۔ اس دوسرے موقعہ پر یہ عذر نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گئے ہیں کہ واقعی میری طبیعت ہی ان باتوں کو برداشت نہیں کر سکتی لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایک موقعہ مجھے اور دیدیا جائے اگر تیسری مرتبہ

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۣ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا ۷۷

پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے جہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے انکار کیا کہ انکی مہمانی کریں

فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝

اسمیں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی تو خضر نے اسے کھڑا کر دیا موسیٰ نے کہا اگر تو چاہتا تو اس کی مزدوری لے لیتا ۱۹۴۹

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ‌ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ ۷۸

کہا یہ مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہے اب میں تجھے اس کی اصل حقیقت کی خبر دیتا ہوں جس پر تو صبر نہیں

صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ ۷۹

کر سکا جو کشتی تھی وہ تو مسکین لوگوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے

اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ ۸۰

عیب دار کر دوں اور ان سے پرے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا ۱۹۵۰ اور جو جوان تھا

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝

تو اسکے ماں باپ مومن تھے تو ہم ڈرے کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا

بھی میں برداشت نہ کر سکا تو معلوم ہوگا کہ اس علم کا حاصل کرنا میرے لئے موزوں یا مقدر ہی نہیں +

۱۹۴۹ یرید ان ینقض۔ مجاز کے طور پر ہو گرنے کے قریب ہونے کو یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ارادہ کر رہی تھی کہ گر پڑے نیز دیکھو ۱۵۳۰

دیوار کا واقعہ یہ تیسرا واقعہ ہے پہلے دونوں میں بظاہر کوئی نقصان تھا مگر یہاں فائدہ پہنچایا گیا۔ تاہم یہاں اس لحاظ سے سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ ادنےٰ احسان بھی مہمانوں کے ساتھ نہ کر سکے ان کے ساتھ کیوں بغیر معاوضہ لئے کوئی نیکی کی جائے +

غصب ۱۹۵۰ غصب۔ غَصْب کسی چیز کے ظلم سے لینے کا نام ہے (ل)۔ جدار کیلئے دیکھو ۱۳۳۸ +

کشتی توڑنے کی وجہ اس سے معلوم ہوا کہ کشتی کو صرف عیب دار کر دیا گیا تا کہ اپنے عیب کی وجہ سے ظلماً لیا جانے سے بچ رہے تو یہ ایک پر حکمت فعل تھا اور اس میں حضرت خضر کو جو اطلاع تھی تو بوجہ حالات سے واقف ہونے کے تھی۔ وحی کے ذریعہ سے یہ اطلاع دی گئی کہ کشتی کو پھاڑ کر بچاویں اسی کی طرف ما فعلته عن امری میں اشارہ ہے اور حضرت موسیٰ کو مقامی حالات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اسکی اطلاع نہ تھی اسلئے انکے دل میں اعتراض پیدا ہوا اس میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ جب قومیں الگ الگ پڑی ہوتی تھیں اور ایک دوسرے کے حالات سے خبر نہ تھی تو نبوتیں بھی مقامی ہو سکتی تھیں لیکن ایک قوم کا

الگ قومی نبوت کی ضرورت پر استدلال نبی دوسری قوم کیلئے ہدایت کا موجب نہ ہو سکتا تھا اسلئے کہ وہ ان کے حالات پر اطلاع پانے کے ذرائع نہ رکھتا تھا۔ اور شاید یہی حضرت موسیٰ کو سمجھایا گیا کہ کیوں انکی نبوت بنی اسرائیل تک محدود ہے اور کیوں انہیں وہ علم نہیں دیا گیا جو اور قوموں کیلئے بھی موجب ہدایت ہو سکتا تھا۔ اور قرآن کریم کے الفاظ تو بہت صاف ہیں کہ خضر کو کچھ بھلائی کی باتیں سکھائی گئی تھیں جو حضرت موسیٰ کو نہیں سکھائی گئیں اور احادیث میں جو خضر کیلئے لفظ اعلم آیا ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ انہیں وہ علم بھی حاصل تھا جو حضرت موسیٰ

٨١ فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَکٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝

سو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں صلاحیت میں اس سے بہتر اور رحم سے قریب تر (چیز) بدلہ میں دے ١٩٥١

کو تھا اور اس سے بڑھکر بھی کچھ علم حاصل تھا بلکہ مراد صرف اس قدر ہے کہ جو علم خضر کو تھا وہ موسیٰ کو نہ تھا اور جو موسیٰ کو تھا وہ خضر کو نہ تھا جیسا کہ خود حدیث کے الفاظ نے بھی واضح کر دیا دانت علیٰ علم من علم اللہ علمك اللہ لا اعلمه +

١٩٥١ اخشینا ۔ خشیة کیلئے دیکھو ٦٢٦ اور اس کے معنی میں بھی خوف کیطرح (دیکھو ٦٥٢) علم کا مفہوم پایا جاتا ہے اور خضر کا صیغہ جمع استعمال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو حکومت حاصل تھی کیونکہ جمع کا صیغہ واحد کیلئے عموماً ایسے ہی موقعہ پر استعمال ہوتا ہے +

رُحمًا ۔ رُحم ۔ رَحِمَ سے مصدر ہے اور رُحْمَةٌ اور مَرْحَمَةٌ بھی اسی طرح مصدر ہیں و تواصوا بالمرحمة (البلد ٩٠ - ١٧) (ل) +

اس کی توجیہ مفسرین نے عموماً یہ کی ہے کہ حضرت خضر نے ایک معصوم بچہ کو اسلئے مار ڈالا کہ بڑا ہو کر یہ اپنے والدین کیلئے بھی موجب کفر ہو جائیگا اس کی تردید میں اوپر ١٩٤٧ میں کرچکا ہوں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خضر کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے یہ علم دیدیا گیا تھا کہ بڑا ہو کر یہ لڑکا کافر ہوگا یا والدین کو بھی اپنی محبت کی وجہ سے کافر بنا دے گا مگر اس بنا پر بھی جب سے اللہ تعالیٰ کا قانون دنیا میں نافذ ہوا کبھی کسی شخص کو قتل نہیں کیا گیا اور نہ کسی شریعت میں ایسے قتل کا جواز ہوا۔ اور یہ کہنا کہ یہ شریعت کی روسے تو جائز نہیں مگر حقیقت کی روسے جائز ہے خود شریعت کی ہتک ہے حقیقت زیادہ سے زیادہ اس بات کو کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو ایک علم حاصل ہو جو دوسرے کو نہ ہو۔ اور بس۔ اگر خضر کو یہ علم ہوگیا تھا کہ یہ شخص قاتل یا ڈاکو یا مفسد ہے اور پھر انہوں نے اسے قتل کیا تو شریعت کے ماتحت یہ فعل ان کا آجاتا ہے لیکن اگر ان کو صرف یہ علم تھا کہ یہ بڑا ہو کر کافر یا مفسد بن جائیگا تو اس بنا پر کوئی شریعت کوئی خدا کا قانون کوئی انسان کا قانون اسے جائز نہیں ٹھہراتا اور تعجب یہ ہے کہ آثار میں ایسی باتوں کے موجود ہوتے ہوئے جو امر اول کو ظاہر کرتی ہیں اور حضرت خضر کے اس فعل کو بروئے شریعت جائز ٹھہراتی ہیں مفسرین عموماً امر دوم کی طرف ہی چلے گئے ہیں۔ آثار میں ہے کہ یہ جوان فساد برپا کرتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ڈاکے مارتا تھا اور پھر اپنے ماں باپ کے سامنے قسم کھا دیا کرتا تھا کہ میں نے ایسا فعل کوئی نہیں کیا تو وہ اس سے قصاص نہ لینے دیتے تھے اور اس کی حمایت کرتے تھے (د)۔ خود قرآن شریف میں اول لفظ رہق موجود ہے اور اَرْهَقَ کے معنی ہیں غَشِیَهُ بِقَهْرٍ (غ)، ١٣٩٠ یعنی زبردستی یا غلبہ سے ڈھانک لینا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر بھی وہ کچھ جبر کرتا تھا۔ دوسرے لفظ طغیان موجود ہے جس کے معنی ہیں حد سے گزر جانا مگر یہاں کفر میں حد سے گزرنے کا ذکر نہیں کیونکہ کفر کا لفظ الگ بعد میں لایا گیا ہے بلکہ فساد اور قانون کی نافرمانی میں حد سے گزرنا ہے اور ان معنوں میں یہ لفظ قرآن شریف میں بکثرت آیا ہے جیسے فی طغیانهم یعمهون (البقرة ٢ - ١٥)، جہاں پہلے ان کے فساد فی الارض کا ذکر ہے اور دوسرے کو طغیان میں وہی مبتلا کر سکتا ہے جو پہلے خود اس کا ارتکاب کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص مفسد تھا تیسرے خیرا منه زکوة بھی بتاتا ہے کہ اس میں صلاحیت نہ تھی اور چوتھے اقرب رحما سے ظاہر ہے کہ اس میں رحم نہ تھا تو ان الفاظ قرآنی سے اور آثار سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جوان کوئی مفسد تھا جو بوجہ اپنے والدین کی عزت اور مرتبت کے یا ان کی حمایت کے قانون کی گرفت سے بچا ہوا تھا۔ اور اس کا فساد ظاہر رنگ میں اتنا عیاں نہ تھا اسلئے حضرت موسیٰ کو اعتراض ہوا مگر حضرت خضر کو بوجہ علم حالات اصل حقیقت سے آگہی بھی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی آگیا کہ بغیر اس کے قتل کے اس کا فساد رفع نہیں ہو سکتا۔ ...... اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعی اسکے جرم کی شہادت ظاہر طور پر نہ ملتی ہو اور حضرت خضر کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دیدی ہو مگر الفاظ قرآنی سے یہ لازماً نتیجہ نہیں نکلتا۔ رہی یہ بات کہ اس کا کیا مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ والدین کو اس سے بہتر صلاحیت اور قریب تر رحم والا بدلہ میں دے تو اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب وہ ایک مفسد کی حمایت کو چھوڑ دینگے تو یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور اولاد نہیں دیگا بلکہ

خضر کے حاکم ہونے پر استدلال

رُحم ۔ مرحمة

خضر کے جوان کو قتل کرنے کی وجہ اس کا فساد اور ڈاکہ زنی تھی

رَهَق

طغیان

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ ۸۲

اور جو دیوار تھی تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان کا

اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً

باپ صالح تھا سو تیرے رب نے چاہا کہ وہ اپنی قوت کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں دیا تیرے رب

مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا

کیطرف سے رحمت (ہوئی) اور میں نے اپنے اختیار سے یہ نہیں کیا یہ اس کی اصل حقیقت ہے جس پر تو صبر نہ کرسکا ۱۹۵۲

یہی ان کا فعل اللہ تعالیٰ کو ایسا پسند آئیگا کہ اس سے بہتر اولاد انکو دیدیگا اور یا زکوٰۃ کے معنی صرف پاکیزگی یعنی کہ اچھے نتیجہ کیطرف اشارہ ہو سکتا ہے یہاں بھی حضرت خضر کو خاص حالات قومی کا علم ہے جو حضرت موسیٰ کو نہیں +

۱۹۵۲ تسطع۔ اصل میں تستطع ہے تائے افتعال کو تخفیف کیلئے ساقط کردیا گیا ہے اور یہاں بعض نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ آخر میں تخفیف کی وجہ یہ ہے کہ اس بیان کے سبب سے حضرت موسیٰ کے دل پر وہ بوجھ نہ رہا تھا جو پہلے تھا +

بلا اجرت دیوار بنانے کی وجہ نااہل لوگوں سے کسی نیک کی نیکی ہو

دیوار بلا اجرت بنا دینے کی وجہ یہ بتائی کہ گو انہوں نے خود تو ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا مگر ان کا والد نیک آدمی تھا ایک نیکی کی وجہ سے ان نااہل لوگوں کے ساتھ بھی نیکی کرنا ضروری تھا اور اسی معاملہ کو رحمۃ من ربک کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ میں نے اپنے اختیار سے ایسا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ایسا کیا ہے اور جعفر صادق نے کہا ہے کہ یہ ساتویں پشت میں ان کا جد امجد تھا جس کا ذکر یہاں ہے اور بعض نے کہا دسویں پشت میں (ر) یہاں بھی حضرت خضر کا خاص حالات قومی کا علم نظر آتا ہے گو تینوں میں حضرت خضر کے فعل کی وجہ امر الٰہی ہے اور ما فعلتہ عن امری تینوں واقعات کے متعلق ہے۔

ذکر کنز میں آنحضرت کی پیشگوئی

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے بیان کے شروع میں میں نے کہا تھا کہ اس میں آنحضرت صلعم کی صداقت کی طرف خاص اشارہ ہے اور یہ صرف میرا قیاس نہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی اور دیگر سلف کے اقوال سے بھی مستنبط ہوتا ہے اس آیت میں جو لفظ کنز آیا ہے اس کی ایک توجیہ مال و دولت تو ظاہر ہے لیکن حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ سونا چاندی نہ تھا بلکہ علم صحیفے تھے۔ اور یہی حضرت علی و ابن جبیر اور ابوذر سے مروی ہے اور ابن عباس کی ایک روایت میں یہ صاف لفظ ہیں کہ یا ایک سونے کی تختی تھی جس پر چند نصائح کے بعد آخری لفظ یہ تھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ر) تو اس صورت میں حضرت نبی کریم صلعم کا ذکر بتاتا ہے کہ موسیٰ اور خضر کے بیان کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ وہ رسول جو ہر قسم کے علوم کا جامع ہوگا اور جو ہر قوم کیلئے ہدایت لائیگا اور جسے رشد کی ساری راہیں بتائی جائیں گی وہ موسیٰ نہیں ہو سکتے بلکہ محمد رسول اللہ صلعم ہیں۔ اور رحمۃ من ربک میں اسی طرف اشارہ ہے +

موسیٰ اور خضر کے واقعات میں آنحضرت کی صداقت کا اظہار

اب خواہ خضر کو فرشتہ قرار دیں کہ ان واقعات کو حضرت موسیٰ کا ایک کشف مانا جائے اور خواہ انہیں ایک نبی مان کر ظاہری واقعات ہوں دونوں صورتوں میں ان باتوں کے بیان کرنے کی اصل غرض کچھ اور ہے اور وہ رسول اللہ صلعم کا ذکر ہے اور اسکی طرف یہ آخری آیت صاف اشارہ کرتی ہے پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک کشتی کو عیب دار بنایا گیا تھا تاکہ ایک ظالم بادشاہ اس پر قبضہ نہ کرے اس میں ملک عرب کی حالت کیطرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جہاں سے آفتاب نبوت طلوع ہونا تھا اور کشتی کے ساتھ اسے مشابہ دینے کی یہ غرض ہے کہ جس طرح کشتی طوفان سے نجات دیتی ہے اسی طرح انبیاء کا پیغام بھی نجات عالم کا موجب ہوتا ہے ملک عرب کیلئے [illegible]

واقعہ کشتی اور ملک عرب کی حالت

ع ۱۱ — ۱۹
ذوالقرنین اور خروج یاجوج و ماجوج

۸۳ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۭ

اور تجھ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں — کہہ میں اس کا کچھ ذکر — تم پر پڑھوں گا ۱۹۵۳

نے یہ پیغام اسلئے مخصوص کیا تا ایک ریگستانی ملک فاتحین دنیا کیلئے کسی کشش کا موجب نہ ہو اور وہاں ایک آزاد قوم پرورش پاکر دنیا میں خدا کے پیغام کی حامل بنے یہودیوں اور عیسائیوں کا پہلا اعتراض اسلام پر یہی تھا کہ یہ نبی ملک عرب میں کیوں ہوا۔ اور قتل غلام میں اس سب سے بڑے اعتراض کا جواب دیا جو یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام پر یہ ہو کہ نبی صلعم نے یہود کی ایک قوم کے بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کروا ڈالا تو اس کا جواب یہ ہو کہ یہ لوگ مفسد تھے۔ اگر ان مفسدوں سے مدینہ کو پاک نہ کیا جاتا تو حق زندہ نہ رہ سکتا تھا۔ اور تیسرے واقعہ کو لاکر یہ بتایا ہو کہ وہ شخص جو بلا کسی اُجرت کے لینے کے دن رات ان لوگوں کی اصلاح میں لگا رہتا ہو جو اس سے طرح طرح کی بدسلوکی کرتے ہیں وہ کسی کے خون کا پیاسا کب ہو سکتا ہو وہ شخص جسے بادشاہت ملتی ہو تو وہ ایک فقیر کی طرح زندگی بسر کرتا ہو وہ شخص جس کا دل انسانوں کے مصائب پر غم سے پگھلتا ہو بادشاہت کا خواہاں نہیں ہو سکتا نہ کسی انسان کی دشمنی کا خیال اسکے دل میں آسکتا ہو اور دو یتیم غلاموں میں جن کا ایک خزانہ دیوار کے نیچے ہے۔ اشارہ یہود و نصاریٰ کیطرف ہو جنکے جد صالح حضرت ابراہیم یا خود حضرت موسیٰ ہیں اور انکی دیوار کو سیدھا کر دینے سے مراد توریت و انجیل کا منجانب اللہ تسلیم کر لینا ہو اور اس دیوار کے نیچے کنز وہی پیشگوئیاں ہیں جن میں محمد رسول اللہ صلعم کا ذکر ہو تاکہ یہ لوگ جب اپنے قوائے روحانی سے پورا کام لیں تو انہیں سمجھ آجائے کہ واقعی توریت اور انجیل نے انہیں اسی طرف ہدایت کی تھی۔ آثار نے اس آخری بات کیطرف ہدایت کر کے سارے معاملہ پر صفائی سے روشنی ڈال دی ہو +

واقعہ قتل اور آنحضرت پر یہودیوں کے قتل کا جھوٹا الزام

واقعہ کنز اور آنحضرت کے متعلق پیشگوئیاں

ما فعلته عن امری خضر کی نبوت اور رسالت پر صریح دلیل ہو +

نبوت خضر

ذوالقرنین کون تھے

۱۹۵۳ ذوالقرنین۔ قَرْن کے معنی نسل بھی ہیں دیکھو ۹۰۶ اور قَرنان سینگ کو بھی کہتے ہیں ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ میں بہت سی روایات ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ اہل کتاب کا اس میں اختلاف ہو بعض کہتے ہیں وہ دو بادشاہتوں کا مالک تھا یعنی روم اور فارس کا بعض کہتے ہیں اسکے سر پر دو سینگوں سے مشابہ کوئی چیز تھی بعض کہتے ہیں اسکے سر کی دونوں طرفیں تانبے کی تھیں۔ وہ کون تھا مفسرین میں سے بعض نے اسے فرشتہ بھی کہدیا ہو۔ اکثر کا یہ قول ہو کہ وہ ایک عبد صالح تھا جسے اللہ تعالیٰ نے حکومت بھی دی تھی اور اسے علم و حکمت اور ہیبت دی تھی اور بعض اسکی نبوت کے بھی قائل ہیں۔ مگر اسکی تعیین کسی نے نہیں کی کہ کون تھا۔ اس عقدہ کا حل بائبل سے ہوتا ہے جہاں دانیال کی رویا میں دو سینگ کے مینڈھے کا ذکر ہو اور اسکی تعبیر بھی وہیں موجود ہو "وہ مینڈھا جسے تو نے دیکھا کہ اسکے دو سینگ ہیں سو مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں" (دانیال ۸: ۲۰) مادہ اور فارس کے بادشاہوں میں سے دارائے اول (۵۲۱ تا ۴۸۵ قبل مسیح) وہ شخص ہو جس پر قرآن شریف کا بیان جو یہاں ذوالقرنین کے متعلق ہو صادق آتا ہو چنانچہ جیویش انسائیکلوپیڈیا یا دائرۃ المعارف یہود میں اس کے متعلق لکھا ہو کہ "دارا ایران کی شہنشاہت کی تنظیم کرنیوالا تھا۔ اسکی فتوحات نے اسکی سلطنت کی حدود کو آرمینیا اور کوہ قاف اور ہندوستان اور تورانی پہاڑوں اور وسط ایشیا کے مرتفع میدانوں میں درست کر دیا" اور انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں ہو "دارا اپنے کتبوں کی رو سے زردشت کے سچے مذہب کا پکا پیرو معلوم ہوتا ہو مگر وہ بڑا مدبر اور بڑا منتظم بھی تھا۔ فتوحات کا وقت انجام کو پہنچ گیا تھا اور دارا نے جو لڑائیاں اختیار کیں ان سے یہ فائدہ ہوا کہ سلطنت کیلئے مضبوط قدرتی حدود مل گئیں اور اسکی حدود پر جو وحشی اقوام تھیں ان کی طرف سے امن ہو گیا۔ چنانچہ دارا نے پاشنگ اور آرمینیا کے پہاڑوں کی وحشی اقوام کو مسخر کیا اور سلطنت ایران کی حدود کو کوہ قاف تک وسیع کیا۔ اسی وجہ سے اس نے ساسی اور دوسری تورانی قوموں سے بھی لڑائی کی" ان باتوں کا جو یہاں بیان ہوئی ہیں اگر قرآن کریم سے مقابلہ کیا جائے تو صاف نظر آجائیگا کہ قرآن کریم نے ذوالقرنین کے نام سے جو

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا ۸۴ ۸۵ ۸۶

ہم نے اسے زمین میں طاقت دی تھی اور ہر قسم کا سامان اسے دیا تھا ۱۹۵۴ سو وہ ایک راہ پر چلا۔ یہاں تک کہ جب

بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۚ

وہ (ادھر) پہنچا جدھر سورج ڈوبتا تھا۔ اسے ایک سیاہ کیچڑ والے پانی میں ڈوبتے ہوئے پایا اور اسکے پاس ایک قوم کو پایا

قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ ۸۷

ہم نے کہا اے ذوالقرنین چاہو تو سزا دو اور چاہو تو اُن سے بھلائی کا معاملہ کرو ۱۹۵۵ اس نے کہا جو ظلم کرے ہم اُسے

نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكْرًا ۝

سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائیگا تو وہ اسے بہت بُرا عذاب دیگا۔

دانیال کی رویا کی بنا پر اس کا نام تھا۔ دارائے اول کا ہی ذکر کیا ہے اور اس میں بھی قرآن کریم کے کمال علم پر دلالت ہے اور اس کے

ذوالقرنین کے بیان ذکر کی وجہ یہاں ذکر کی وجہ ایک تو یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھی ایک قوم کا نبی تھا اور یوں یہود اور نصاریٰ کو یہ بتایا ہے کہ نبوت انکی قوم سے مخصوص نہیں دوسری قوموں کے انبیاء کا ذکر کرنے میں شاید یہ بھی سمجھانا مقصود ہو کہ یہود اور نصاریٰ جو نبی آخر زمان کے عرب میں سے ہونے پر چڑتے تھے انہیں بتایا جائے کہ نبوت خدا کی ایسی نعمت نہیں جسے اس نے بنی اسرائیل سے مخصوص کیا ہو۔ اور دوسرے چونکہ ذوالقرنین کا ذکر یاجوج ماجوج کے ذکر پر ختم ہوتا ہے اور ساتھ ہی یاجوج ماجوج کے آخری زمانہ میں خروج کا بھی ذکر ہے اور یاجوج ماجوج عیسائی اقوام ہیں اسلئے اس ذکر کو اس سورت کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔

سبب ۱۹۵۴ سبب۔ ہر ذریعہ کو کہتے ہیں جس سے دوسری چیز کی طرف پہنچا جائے دیکھو ۲۰۴ اور یہاں راغب نے مراد ہر چیز کی معرفت اور اس کا ذریعہ لئے ہیں اور ابن جریر نے علم معنی لئے ہیں اور اگلی آیت میں سبب کے معنی یا تو ذریعہ یا سامان ہی ہیں اور مراد ہو سامان سفر اور یا اس کے معنی منزل اور طریق یعنی رستہ ہیں (ح) کیونکہ رستہ بھی کسی جگہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے

کل شیٔ اور ہر چیز سے مراد اس کی ضرورت کی ہر شے ہے یعنی جس چیز کی اسے اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے کیلئے ضرورت تھی اور مکنا لہ کیلئے دیکھو ۹۰۷

مغرب الشمس ۱۹۵۵ مغرب الشمس کے معنی کئے گئے ہیں منتہی الارض من جهة المغارب یعنی مغرب کیطرف الارض کا انتہائی مقام مگر الارض سے مراد یہاں روئے زمین لینا غلطی ہے اس سے مراد اس کا اپنا ملک ہے اور خاص ملک کے معنی میں یہ لفظ کثرت سے آتا ہے خود قرآن شریف میں بھی کئی جگہ ہے جیسے ان الارض یرثها عبادی الصلحون (الانبیاء ۲۱: ۱۰۵) اور مغرب الشمس سے مراد اس کے ملک کی مغربی حد ہے جہاں تک وہ جا بھی سکتا تھا۔

عین حمئة عین حمئة۔ عین پانی کی افراط ہے یا وہ جگہ جہاں پانی جمع ہوتا اور رہتا ہے (ت)، اور حمئة سیاہ کیچڑ ہے دیکھو ۱۴۸۵ اور عین حمئة یا سیاہ کیچڑ والا پانی بحیرہ اسود ہے جس کا نام بسبب اسکے پانی کی سیاہی کے اسود ہے اور اس کی سیاہی کی وجہ اس کی مٹی کا سیاہ ہونا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ دارائے اول کی حکومت مغرب میں بحیرہ اسود تک پہنچی ہوئی تھی۔

ذوالقرنین کا سفر سب سے پہلے قرآن کریم نے ذوالقرنین کے مغربی سفر کا ذکر کیا ہے جو بحیرہ اسود پر جا کر ختم ہو گیا اسکے بعد سفر مشرق کا ذکر آتا ہے اور اسکے بعد شمال کے سفر کا جو کوہ قاف کی طرف تھا۔ قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ واقعی سورج سیاہ پانی میں غروب ہوتا تھا بلکہ

۸۸ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ

اور جو کوئی ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے تو اُس کے لئے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اسے اپنے معاملہ میں سہل بات کہیں گے[۱۹۵۶] پھر وہ ایک

۹۰ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝

[۱۹۵۷] (اور) راہ پر چلا۔ یہاں تک کہ جب وہ (ادھر) پہنچا جدھر سورج نکلتا تھا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتے ہوئے پایا جن کیلئے ہمنے اس سے بچنے کیلئے کوئی اوٹ نہیں رکھی تھی

ذوالقرنین نے ایسا پایا کیونکہ جب وہ خشکی کی سرحد پر پہنچ گیا تو آگے پانی ہی پانی تھا اور اسی میں اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوا جسطرح آگے ہی وجدھا تطلع علی قوم اسے ایک قوم پر چڑھتے ہوئے پایا یہ مراد نہیں کہ واقعی اس قوم میں سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ اسی طرح یہاں یہ مراد نہیں کہ واقعی سورج سیاہ پانی میں ڈوبتا تھا۔ اور غُرُوب یا مَغْرِب کے معنی ڈوبنا نہیں بلکہ غائب ہو جانا یعنی نظر سے اوجھل ہو جانا اور دور نکل جانا ہیں دیکھو ۱۵۱۶ پس یہ خیال سرے سے ہی غلط ہو کہ پانی میں سورج ڈوب جاتا تھا +

نبوت ذوالقرنین

آیت کے پچھلے حصہ سے معلوم ہوتا ہو کہ ذوالقرنین نبی بھی تھے کیونکہ ایک تو یہاں اللہ تعالیٰ کا انسے خطاب ہو جسمیں عذاب و ثواب کا اختیار دیا گیا ہو معلوم ہوتا ہو کہ انہیں وحی ہوتی تھی اور یہ ان کی نبوت پر ایک دلیل ہو دوسرے ایک قوم کے ان سے مقابلہ کا ذکر ہے۔ اور اپنی مخالفت پر وہ کہتے ہیں کہ جو شخص ظلم کرے گا اسے یہاں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی اسے عذاب ملیگا اور یہ بات صرف ایک نبی ہی کہہ سکتا ہو اور یہ جو اختیار دیا ہے۔ کہ چاہو تو سزا دو اور چاہو تو اچھا معاملہ کرو تو مراد یہ ہو کہ اس قوم میں سے جس سے چاہو وہ سلوک کر و جس سے چاہو یہ اس کی وجہ اگلی آیت میں مذکور ہو۔ اور حسنا سے مراد امراً ذاحُسْنٍ یعنی خوبی کا معاملہ ہو۔ اور یہاں مراد ان سے احسان کر کے ان کو معاف کر دینا ہو +

مکذبین اور مومنین ذوالقرنین کا انجام

[۱۹۵۶] یہاں ایسے ہی دو گروہوں کا ذکر ہو جو انبیاء کے معاملہ میں ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایک گروہ تو وہ جو ایمان لاتا اور عمل صالح کرتا ہے اور دوسرا گروہ محض منکروں کا نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کی مخالفت کرتے اور اہل حق پر ظلم کرتے ہیں جسکو یہاں من ظلم کہا ہو اور اس سے مراد محض ارتکاب شرک نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ کوئی ایسی قوم تھی جس کی طرف سے پہلے کسی قسم کی زیادتی ہو چکی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں بھی پہلے اما ان تعذب ہی رکھا ہو اور ذوالقرنین نے بھی پہلے سزا کا اور ظالموں کا ہی ذکر کیا ہو اور یہ مہم اسی قوم کی سزا کیلئے تھی۔ لیکن چونکہ انبیاء صرف سزا کیلئے نہیں ہوتے اسلئے پھر بھی اس قوم کو موقعہ دیا ہو کہ جو ان میں سے ایمان لائے ان پر کوئی سختی نہ کی جائے گی سنقول له من امرنا يسرا۔ لیکن جو پھر بھی ظلم اور مخالفت کو نہیں چھوڑتا تو اس کو اس دنیا میں بھی سزا دی جائیگی مفسرین نے فسوف نعذبه میں صرف سزائے قتل کو لیا ہو حالانکہ قرآن شریف نے قتل کا ذکر نہیں کیا اسلئے مراد کوئی سزا ہو جو ان لوگوں کے لائق حال ہو۔ اور یسرا سے مراد ذا یسر یعنی سہولت کی بات ہو۔ اور جن لوگوں نے آیت ۸۹ میں حسن کے معاملہ سے مراد قید کرنا لیا ہو گویا وہ قتل کے مقابل پر اچھا معاملہ ہو تو نہ صرف وہ الفاظ ہی ان کے اس خیال کو باطل کرتے ہیں کیونکہ احسان کا تقاضا معافی ہو بلکہ یہاں جزاء الحسنیٰ کے لفظ بھی اس کی تردید کرتے ہیں جو لوگ قید ہونے کے قابل ہوں انکو آخرت میں جزاء حسنیٰ ملنا بے معنی ہو +

مطلع الشمس

[۱۹۵۷] مطلع الشمس۔ طلع کیلئے دیکھو ۹۹ مطلع الشمس کے معنی کئے ہیں غاية الارض المعمورة من جهة المشرق (ل) یعنی مشرق کی جانب آخری آبادی۔ مگر یہاں بھی آخری آبادی سے مراد اس کی اپنی مملکت کی آخری آبادی ہو نہ دنیائے زمین کی آخری آبادی۔

سِتر

ستر۔ ستر کے معنی کسی چیز کا ڈھانک دینا ہیں اور یہاں ستر نہ ہونے سے مراد عمارتوں کا نہ ہونا ہو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے

.... لم يبن فيها بناء قط (ر) +

كَذَٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ ۹۱ ۹۲

ایسا ہی تھا۔ اور جو اُس کے پاس تھا ہمیں اس کا پورا علم تھا ۱۹۵۸ پھر ایک (اور) راہ پر چلا یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا

مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝ قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ ۹۳ ۹۴

تو ان سے ورے ایک قوم کو پایا جو قریب تھا کہ بات نہ سمجھیں ۱۹۵۹ اُنہوں نے کہا اے ذو القرنین یاجوج اور ماجوج ۱۹۶۰

مشرقی سرحد کا سفر

یہ ذوالقرنین کا شرقی سفر ہے جو صدود کی مضبوطی کیلئے کیا۔ اور اس طرف اس کی مملکت کی انتہا اس قوم پر بتائی ہے جو عمارتیں بنا کر نہ رہتے تھے یعنی خانہ بدوش اقوام تھیں +

اسکے لشکر اور سامان

۱۹۵۸ یعنی جو کچھ لشکر یا سامان حرب وغیرہ اس کے پاس تھا اس کا ہمیں علم تھا مطلب یہ کہ ان مہمات کیلئے اسکے پاس ہر قسم کا کافی سامان تھا

سَدّ

۱۹۵۹ سدّین۔ سَدّ کیلئے دیکھو ۱۳۷۵ ہر ایک مانع سد ہے (غ)، وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا (یٰسٓ ۹)، اور دیوار کو اور پہاڑ کو بھی سد کہتے ہیں (ل)، اور یہاں سدین سے مراد جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے آرمینیا اور آذربائیجان

سدین سے مراد

کے دو پہاڑ ہیں +

لا یکادون یفقہون قولا سے مراد ہے کہ وہ زبان نہ سمجھتے تھے یعنی ان کی زبان اور تھی۔ یہ ذوالقرنین کا شمالی سفر ہے اور سب سے زیادہ خطرہ اسی طرف سے تھا انسکلو پیڈیا برٹینیکا میں ہے کہ "میڈیا کے شمال میں جو اقوام تھیں وہ ایرانی یا انڈو یوروپین نہ تھیں بلکہ آرمینیا کے پہلے باشندوں کی طرح وہاں کی اصلی قومیں تھیں جو شاید کوہ قاف کی بیشمار قوموں سے تھیں" +

یاجوج وماجوج کی وجہ تسمیہ

۱۹۶۰ یاجوج وماجوج۔ اَجِیج سے یَفْعُول اور مَفْعُول کے وزن ہیں اور اجیج آگ کے شعلہ مارنے یا بھڑکنے کو کہتے ہیں اور اَجَّ کے معنی اَسْرَعَ بھی ہیں یعنی تیز چلا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں سے دو قبیلے ہیں اور ماء اُجاج کھارے پانی کو کہتے ہیں یا اسکو

اجاج

جس کا کھاراپن بہت سخت ہو (ل)۔ ھٰذا ملح اجاج (فاطر ۱۲) اور یاجوج اور ماجوج کو انکے کثرت اضطراب کی وجہ سے شعلے مارنے والی آگ سے اور موجیں مارنے والے پانیوں سے تشبیہ دی گئی ہے (غ)، اور اَجّ سے مشتق ہونے میں شاید یہ اشارہ ہو کہ یہ قومیں آگ سے

حدیث وآثار کی شہادت کہ یاجوج ماجوج ہمارے طرح آدمی ہیں

بہت کام لینگی اور یاجوج وماجوج آدم کی نسل سے ہیں جیسا کہ صحیحین سے ثابت ہے (ث)، اور بعض کے نزدیک وہ یافث بن نوح کی اولاد سے دو قبیلے ہیں اور ترک بھی انہیں میں سے ہیں جو دیوار سے ادھر چھوڑا جانے کی وجہ سے ترک کہلائے اور کعب احبار سے روایت ہے کہ یاجوج ماجوج آدم کی اولاد میں سے ہیں مگر حوا سے نہیں (ر)، پس یاجوج ماجوج نسل انسانی میں سے ہیں اور انکے متعلق جو بعض الفاظ احادیث میں آتے ہیں جن سے بعض کو یہ خیال گزرتا ہے کہ وہ ہماری طرح کے آدمی نہیں تو لازماً وہ استعارہ کے رنگ کے ہیں۔ اور اس بارہ میں سب روایات قابل قبول بھی نہیں مثلاً یہ قول جو حضرت ابن عباس کیطرف منسوب ہے کہ انکے قد ایک بالشت اور دو بالشت یا زیادہ سے زیادہ تین بالشت ہیں۔ یا یہ کہ ان میں سے ایک مرتا ہے تو ایک ہزار ذریت چھوڑتا ہے

یاجوج ماجوج کی اصلیت پر انسکلو پیڈیا

جس کو مرفوع بھی بتایا جاتا ہے مگر منکر قرار دیا گیا ہے یہودی انسکلو پیڈیا میں ہے کہ جوزیفس ان کو وہی قوم بتاتا ہے جو سیتھیین کہلاتی ہے اور جیروم کہتا ہے کہ میگاگ (یاجوج)، کوہ قاف سے پرے بحیرہ خضر کے قریب تھا۔ انسکلو پیڈیا برٹینیکا بھی اسی رائے کا مؤید ہے یعنی انہیں سیتھین قومیں قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شمال کی بہت سی اقوام میں سے کسی ایک یا سب پر اس لفظ کا استعمال ہو سکتا ہے

بائبل کی شہادت کہ یاجوج ماجوج اقوام یورپ ہیں

اور بائبل میں ہے "خداوند کا کلام مجھکو پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدمزاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اسکے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں اور میں پھر تجھے پھرا دوں گا اور تیرے جبڑوں میں کنڈیاں ماروں گا" حزقی ایل ۳۸: ۱ تا ۴)

مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝

اس ملک میں فساد کرنے والے ہیں تو کیا ہم تیرے لئے کچھ خرچ مہیا کردیں تاکہ تو ہمارے اور اُن کے درمیان ایک روک بنا دے ۱۹۶۱

یہاں تین نام یاجوج ماجوج کے ذکر میں آئے ہیں۔ روش مسک اور توبال۔ بعض مفسرین بائبل ایسے صحیح الفاظ سے گھبرا کر ان ناموں کو ایشیا کوچک میں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں روش سے مراد روس نہیں؟ کیوں اسلئے کہ اس صورت میں پیشگوئی اپنے ہی گھر کے خلاف ثابت ہوتی ہے۔ مگر واقعات ایسے زبردست ہیں کہ ان کے سامنے یہ انکار قایم نہیں رہ سکتا یاجوج ماجوج کا کوہ قاف کے شمال میں ہونا ایک امر مسلم ہے جیسے یہودی انسکلوپیڈیا اور انسکلوپیڈیا برٹینیکا دونوں میں صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ اب ایشیائے کوچک میں ان ناموں کو تلاش کرنا عبث کوشش ہے۔ کوہ قاف کے شمال میں روس بھی ہے اور مسک اور توبال بھی موجود ہیں۔ موخر الذکر دونوں ناموں کے دو دریا دمسکوا اور توبال، کوہ قاف کے شمال میں ملک روس میں بہتے ہیں اور ان میں سے اول پر ماسکو کا قدیم شہر آباد ہے اور موخر الذکر پر توبالسک۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ جوج یا یاجوج جس کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد روس ہی ہے نہ کچھ اور پس یاجوج ماجوج میں سے ایک روس ہے۔ یاسلانی قوموں کا مسکن آیا ماجوج ٹیوٹن قوموں کا مسکن ہے یا نہیں۔ گو اسکی تائید میں میں کوئی دلائل پیش نہیں کرسکتا مگر اقوام یورپ کے ایک حصہ پر اس صراحت سے یاجوج نام کا صادق آنا جو خود بائبل اور انسکلوپیڈیا سے ثابت ہے کوئی شک باقی نہیں رہنے دیتا کہ ماجوج سے مراد بھی انہی قوموں کا کوئی دوسرا بڑا عظیم الشان حصہ ہے۔ اور لندن کے گلڈ ہال کے سامنے یاجوج اور ماجوج کے بتوں کا منصب ہونا جنکی اصلیت بھی بہت پرانے زمانے کی بتائی جاتی ہے یعنی اس قسم کے بت ہنری فاس کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔ بتاتا ہے کہ جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں وہی درست ہے اور ممکن ہے کہ ابتدا میں ان قوموں کے باہم تعلقات بھی ہوں یا یہ ایک ہی قوم کی دو شاخیں ہوں ٭

خرج خراج ۱۹۶۱ خرج خَرْجٌ اور خَرَاجٌ وہ چیز ہے جو لوگ سال میں ایک دفعہ معلوم اندازہ سے اپنے مال سے نکالتے ہیں یا خراج جو لوگوں کے مال سے لیا جاتا ہے (ل)، ام تسألہم خرجاً فخراج ربك خیر (المؤمنون ۲۳-۷۲) اور خَرْجٌ میں خراج کی نسبت وسعت ہے اور آمد کے مقابل یعنی خرچ کو بھی خرج کہا جاتا ہے (غ) ٭

یاجوج و ماجوج کا دوبارہ فساد اور ترکوں پر حملہ

یاجوج و ماجوج کے فساد سے کیا مطلب ہے ابن کثیر میں ہے یخرج منہا یاجوج و ماجوج علی بلاد الترك فیعیثون فیہا فسادا ویہلکون الحرث والنسل یعنی اس جگہ سے یاجوج و ماجوج ترکوں کے ملک پر حملہ آور ہونگے اور وہاں فساد برپا کرینگے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرینگے۔ احادیث میں یاجوج ماجوج کے ایک خروج کا آخری زمانہ میں ذکر ہے جس کی طرف آگے آیت ۹۸ و ۹۹ میں اشارہ ہے اور یہ دونوں خروج ترکوں پر حملہ سے ہی مخصوص معلوم ہوتے ہیں۔ خروج اول میں جو قوم ہے وہ بھی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ترک ہی معلوم ہوتے ہیں وہ گو ان میں سے ہوں یا نہ ہوں لیکن اس میں کچھ شک معلوم نہیں ہوتا کہ دیوار جس کے بنانے کا یہاں ذکر ہے اسکے جنوب کی طرف جو قوم رہ گئی وہ ترک ہی تھے اور شمال کی طرف کی جو اقوام رہ گئیں وہ یاجوج ماجوج تھیں اور ایسا ہی مقدر تھا کہ بار اول بھی یہ شمالی اقوام ترکوں پر ہی حملہ آور ہوں اور آخری زمانہ میں بھی ترک ہی ان کے حملہ کا خاص نشانہ ہوں ٭

٭ اور یہ جو یہاں یاجوج ماجوج کے فساد کا ذکر ہے تاریخ بھی اس پر شاہد ہے۔ وہ قومیں جو آرمینیا اور آذربائیجان کے پہاڑوں کے درمیان رہتی تھیں وہ اپنے شمالی ہمسائیوں یعنی یاجوج ماجوج سے ہمیشہ تکلیف اٹھاتی تھیں اور انکے اوپر حملے ہوتے رہتے تھے چنانچہ انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں ہے کہ وہی سیتھیئن قومیں جنہیں ماجوج قرار دیا گیا ہے مادہ پر ۲۸ سال کیلئے حکمراں رہیں اور ۵۱۲ قبل مسیح کے قریب دارا نے انپر فوج کشی کی اور کہ اس جنگ کی غرض صرف یہی تھی کہ تورانی قوموں پر عقب کی طرف سے حملہ آور ہو کے سلطنت کی شمالی سرحد پر امن قایم کیا جائے اس سے قرآن کریم کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے جو ذوالقرنین کے سفر شمال کے متعلق

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ ۹۵

اُس نے کہا جو میرے رب نے اس میں مجھے طاقت دی ہے وہ بہتر ہے سو تم مجھے (اپنی) قوت سے مدد دو میں تمہارے اور اُن کے درمیان ایک دیوار بنادونگا ۱۹۶۲

آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۖ حَتَّىٰ ۹۶

میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لے آؤ تب جب اُس نے پہاڑ کی دونوں طرفوں کے درمیان (دیوار کو) برابر کردیا کہا دھونکو یہاں تک

إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝

کہ جب اسے آگ (کی طرح) کردیا کہا مجھے پگھلا ہوا تانبا لادو تاکہ اُس کے اوپر ڈالوں ۱۹۶۳

اور نیز اس کی کہ کوہ قاف سے شمال کیطرف رہنے والی قوموں کیطرف سے ایران کی شمالی سرحد کی قوموں پر حملے ہوتے رہتے تھے +

ردم — ۱۹۶۲ رَدْم کسی رخنہ کا پتھروں سے روکنا ہی (غ) اور یہ سدّ سے بڑھکر ہی کیونکہ اس میں ایک چیز دوسری کے اوپر رکھی جاتی ہی۔ اعینونی بقوۃ ۔ مراد یہ ہی کہ روپے کی مجھے ضرورت نہیں البتہ مزدوری وغیرہ کا تم انتظام کردو +

ذوالقرنین کی دیوار — یہ دیوار جس کا یہاں ذکر ہی وہ مشہور دیوار ہی جو دربند پر جو بحیرۂ خضر کے کنارے واقع ہی بنی ہوئی ہی مسلمان جغرافیہ نویسوں نے بھی اس دیوار کا ذکر کیا ہی چنانچہ مراصد الاطلاع میں بھی یہ ذکر ہی اور ابن الفقیہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہی انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں اس دیوار کا حسب ذیل ذکر ہی "دربند ایران کا ایک شہر ہی جو علاقہ قاف میں داغستان کے صوبہ میں ہی اور بحیرۂ خضر کے مغربی کنارہ پر ہی ...... یہ سمندر کے ساتھ ہی ایک تنگ قطعہ زمین پر واقع ہی جہاں سے یہ ڈھلوان بلندیوں پر خشکی کے اندر کو اونچا چلا گیا ہی ..... اور جنوب کی طرف دیوار قاف کا سمندر کیطرف کا سرا واقعہ ہی جو پچاس میل لمبی ہی اور جسے سد سکندر کہتے ہیں جس کی وجہ سے باب حدید یا باب خضر کا تنگ درہ رکھا گیا ہی یہ دیوار جب سالم تھی تو ۲۹ فٹ اونچی تھی اور موٹائی میں تقریباً دس فٹ تھی اور اپنے لوہے کے دروازوں اور بیشمار حفاظت کے برجوں کے ساتھ سرحد ایران کا نہایت قیمتی استحکام تھی" اس دیوار کا شمالی سرحد پر ایران کی حفاظت کا ذریعہ ہونا جسے یہاں تسلیم کیا گیا ہی بالکل قرآن شریف کے بیان کے مطابق ہے اور اسے جو سد سکندر کہا جاتا ہی تو اس کی وجہ مسلمان تاریخ نویسوں کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہی کہ وہ ذوالقرنین سے مراد سکندر لیتے ہیں (یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ذوالقرنین دارائے اول ہی وہ دارا نہیں جس کا مقابلہ سکندر سے ہوا تھا) یہ بیان کچھ شبہ باقی نہیں رہنے دیتا کہ جس دیوار کا ذکر قرآن شریف میں ہی یہی دربند کی دیوار ہی جو قاف کی شمالی قوموں کو ایران پر حملہ آور ہونے سے روکنے کیلئے بنائی گئی تھی جنہیں نہ صرف قرآن شریف یاجوج ماجوج قرار دیتا ہی بلکہ خود مؤرخین بھی انہی کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں +

صدف — ۱۹۶۳ صدفین ۔ صَدَف کا تثنیہ ہی۔ اور صَدَف پہاڑ کی جانب کو کہتے ہیں اور صَدَف عنہ کے معنی ہیں اس سے سخت اعراض کیا وصدف عنہا (الانعام ۶ - ۱۵۸) (غ) +

قطر — قطر ۔ قُطر جانب کو کہتے ہیں جمع اقطار ہی ان تنفذوا من اقطار السموات (الرحمٰن ۵۵ - ۳۳) ولو دخلت علیہم من اقطارہا (الاحزاب ۳۳ - ۱۴) اور قِطر پگھلائے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں اور

قطران — قِطران رال کو کہتے ہیں ۔ سرابیلہم من قطران (ابراہیم ۱۴ - ۵۰) قطار بھی اسی سے ہی (غ) +

پتھر کی دیوار میں لوہے کے دروازے — یہ دیوار لوہے کی بنی ہوئی نہ تھی بلکہ پتھروں کی تھی جس پر خود لفظ رَدْم شاہد ہی دیکھو ۱۹۶۲ پھر لوہے کے ٹکڑے کس لئے منگوائے یہی باتیں ہیں جو قرآن کریم کے کمال علم پر دلالت کرتی ہیں رسول اللہ صلعم تو اس دیوار کو دیکھنے نہ گئے تھے اور مسلمان آج تک اسکی

۹۸ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۞ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ

سو نہ تو وہ اس قابل تھے کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے ۱۹۶۴ کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے۔

۹۹ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۞ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ

پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائیگا تو اُسے ہموار زمین کر دیگا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے ۱۹۶۵ اور ہم انہیں

۱۰۰ یَوْمَىِٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۞ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىِٕذٍ

اس دن ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دینگے اور صور پھونکا جائے گا پس ہم ان کو ایک طرح اکٹھا کر دینگے ۱۹۶۶ اور اس دن ہم دوزخ کو

۱۰۱ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضًا ۞ الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ۞

ایک طرح کافروں کے سامنے لے آئیں گے وہ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سُن بھی نہ سکتے تھے۔

تعیین نہ کر سکے یہانتک کہ ہمارے اس زمانہ میں سرسید نے دیوار چین کو یہ دیوار قرار دیا ہے مگر اب اس کی صحیح طور پر تعیین ہو جانے پر کس قدر تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ فی الواقع دیوار تو پتھروں کی بنی ہوئی ہے جیسے قرآن کریم نے رَدْم کہکر بتا دیا مگر اس میں دروازے لوہے کے تھے اور انہی کیلئے لوہے کے ٹکڑے منگوائے گئے تھے اسلئے لوہے کے استعمال کا ذکر اس وقت آتا ہے جب دیوار بن چکی اور پہاڑ کی دونوں جانبوں میں برابر ہو چکی تو پھر لوہے کو گرم کیا گیا اور اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا گیا تا کہ اس کی مزید مضبوطی کا موجب ہو۔ پگھلا ہوا تانبا دیوار پر نہیں ڈالا گیا بلکہ لوہے کے تختوں پر جنکے پھاٹک بنے +

۱۹۶۴ یعنی یہ دیوار ان شمالی قوموں کیلئے روک ہو گئی۔ نہ وہ اسکے اوپر چڑھ سکتے تھے نہ نقب لگا سکتے تھے۔ اس لئے کہ جابجا اس میں برج تھے جن میں فوج رہتی تھی +

دکّ۔ دکّاء

۱۹۶۵ دَکّاء۔ دَکٌّ پہاڑ یا دیوار یا کسی ایسی چیز کے گرانے کو کہتے ہیں (ل)، فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا (الاعراف۔ ۱۴۳) و حملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ (الحاقۃ۔ ۱۴) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دَکٌّ سے مراد زلزلہ ہے (ل)، اور دَکّاء مٹی کے پشتہ کو کہتے ہیں جو بہت بڑا نہ ہو (ل)، اَرْضٌ دَکّاء ہموار زمین ہے (غ)، اور یہاں جعلہ دکاء میں مراد ارضا دکاء ہی ہے +

دیوار کی تباہی

مطلب یہ کہ یہ روک آخر کار تباہ ہو جائے گی اور پھر یاجوج ماجوج کا خروج ہو گا مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ خروج اسی دیوار کی جگہ سے ہو نہ یہ ضروری ہے کہ وہی قوم نکلے بلکہ اسی قوم کی نسل یا اسی قسم کی اور قومیں مراد ہو سکتی ہیں۔ اور ایک حدیث میں جو یہ لفظ آتے ہیں کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ آپ کی بعثت کے وقت اس دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر لیا گیا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان قوموں کے خروج اور دنیا پر غالب آنے کا وقت قریب آگیا ہے +

موج

یاجوج ماجوج کا آخری خروج اور ان کا انجام

۱۹۶۶ یموج۔ مَوْج سمندر کی لہر کو کہتے ہیں فی موج کالجبال (ھود۔ ۴۲) اور ماج (یَمُوج) کے معنی ہیں اس میں لہر کی طرح اضطراب آیا (غ)۔ یہ انہی اقوام کی حالت ہے جنکے خروج کی طرف آیت ماقبل میں اشارہ ہے خود قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف الفاظ میں ہے حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون (الانبیاء۔ ۹۶) یعنی جب یاجوج ماجوج کا خروج ہو گا تو وہ ہر ایک بلندی سے نکل پڑینگے جس سے مراد یہ ہے کہ کل دنیا پر غالب ہو جائینگے۔ چنانچہ حدیث مسلم میں جہاں خروج یاجوج و ماجوج کا ذکر ہے وہاں صاف الفاظ ہیں لا یدان لاحد بقتالھم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی کسی کو طاقت نہ ہو گی قرآن

ع ۱۲ — عیسائی اقوام کی آخری حالت

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا ۱۰۲

تو کیا جو کافر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ میرے مقابل میں میرے بندوں کو کارساز بنا سکیں گے ہم نے دوزخ کو

جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ ۱۰۳

کافروں کے لئے مہمانی (کے طور پر) تیار کیا ہے<u>۱۹۶۷</u> کہہ کیا ہم تمہیں عملوں میں بہت بڑھکر گھاٹے میں رہنے والوں کی خبر دیں

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ۱۰۴

وہ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے اچھے کام کر رہے ہیں<u>۱۹۶۸</u>

وحدیث کی یہ متفقہ شہادت ایک ذرہ بھر بھی شبہ باقی نہیں چھوڑتی کہ یاجوج و ماجوج کونسی قومیں ہیں اور کہ ان کا خروج ہو چکا ہے وہ یہی یورپین اقوام ہیں سلافی ہوں یا ٹیوٹن جنہوں نے دنیا پر ایسا غلبہ حاصل کیا ہے کہ کوئی بلندی ان کے تصرف سے باہر نہیں رہ گئی اور یہ دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر امر ہے اور اس آیت میں ان کی اپنی حالت کا ذکر ہے کہ ہم انہیں ایسی حالت میں چھوڑ دینگے جب وہ ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہونگے یعنی ساری دنیا پر غالب آکر پھر آپس میں لگ جائینگے خواہ وہ جنگ کے ذریعہ سے ہو جیسا کہ گزشتہ جنگ یورپ میں ہوا یا اور کسی ذریعہ سے اور لفظ یموج میں ان کے اضطراب اور حیرت کا ذکر ہے کہ باوجود ساری دنیا کو مسخر کر لینے کے انہیں کوئی اطمینان قلب میسر نہیں ہوگا یہ تموج بہرحال شروع تو ہو چکا ہے آئندہ کس کس رنگ میں اس کا ظہور ہوگا یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور ایسا ہی بگل بجانے پر ان کا جمع ہونا صرف قیامت کبریٰ تک محدود نہیں بلکہ یہاں انکی قومی قیامت کا ذکر معلوم ہوتا ہے اور کم از کم شامل ضرور ہے۔ اور انکے جمع ہونے میں اشارہ شاید دین حق پر یعنی اسلام پر جمع ہو جانا ہے یعنی اکثر حصہ ان کا اسلام قبول کر لیگا۔ اور اسی کے بالمقابل اگلی آیت میں کافروں کا ذکر ہو سکتا ہے۔ اور لیظهره على الدين كله صاف بتاتا ہے کہ آخر کار اسلام کو کثرت سے لوگ قبول کرینگے +

<u>۱۹۶۷</u> عبادی سے مراد مسیح اور ملائکہ لئے گئے ہیں (ج)، مگر جیسا کہ اگلی آیات ظاہر کرینگی یہاں بالخصوص حضرت عیسیٰ ہی مراد ہیں اور یہ کافر عیسائی ہیں۔

سورت کا خاتمہ عیسائی اقوام کی آخری حالت پر کیا ہے اور یہاں بتایا ہے کہ مسیح کی عبادت کرنیوالے یہ خیال نہ کریں کہ مسیح کی عبادت انہیں حق کے انکار کی سزا سے بچا سکے گی یا مسیح کی عبادت کر کے وہ فلاح پا جائینگے۔ نزل پہلی چیز ہوتی ہے جو مہمان کیلئے تیار کی جاتی ہے اسلئے جہنم کے لفظ میں اشارہ اس دنیا کی سزا کیطرف بھی ہے کیونکہ انسان کی ہوس بالآخر اس دنیا کو بھی اس کیلئے دوزخ بنا دیتی ہے +

صنعۃ۔ صنع

<u>۱۹۶۸</u> صنع۔ صَنْعَة ہاتھ کے عمل کو کہتے ہیں ویصنع الفلك (هود۔ ۳۸) واصنع الفلك (هود۔ ۳۷) وعلمنه صنعة لبوس لكم (الانبياء۔ ۸۰) (ل)، اور صُنْع کے معنی اِجَادَةُ الفِعْل ہیں یعنی ایک کام کا جید بنانا۔ فعل عام ہے اور حیوانات وغیرہ کی طرف منسوب ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں (غ)، صنع الله الذى اتقن كل شئ (النمل۔ ۸۸) +

عیسائی اقوام کی صنعت

ابن عباس سعد بن ابی وقاص اور مجاہد سے مروی ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے وہ یہود و نصاریٰ ہیں (ر) اور حق یہ ہے کہ جس قدر یہ الفاظ آج نصاری قوموں کی حالت پر صادق آتے ہیں ایسا کسی قوم پر صادق نہیں آئے۔ یہی اقوام ہیں جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی کیلئے ہے یہانتک کہ انکے پادریوں کے مدنظر بھی دنیوی طور پر دوسری قوموں پر غالب آنا ہے اور

۱۰۵ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی باتوں اور اُس کی ملاقات کا انکار کیا سو اُن کے عمل کام نہ آئے اس لئے ہم قیامت کے دن

۱۰۶ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَ

اُن کے لئے وزن قائم نہیں کرینگے ۱۹۶۹ یہ اُن کی سزا ہے دیعنی) دوزخ اسلئے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری باتوں اور

۱۰۷ رُسُلِي هُزُوًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ

میرے رسولوں کو ہنسی بنایا جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اُن کے لئے فردوس کے

۱۰۸ ۱۰۹ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ

باغ مہمانی ہیں ۱۹۷۰ انہی میں رہیں گے وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے کہو اگر سمندر میرے رب

مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا

کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائیگا قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں گو ہم اسی جیسا (اور اسکی) مدد کو لائیں ۱۹۷۱

بلحاظ اکثریت کہا جا سکتا ہے کہ یورپ و امریکہ کی نصاریٰ اقوام دنیا میں بکلی منہمک ہیں شب و روز یہی فکر ہے کہ دنیا میں کس طرح ترقی کریں مال و دولت کن کن ذرائع سے آ سکتا ہے ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا اور اس کوشش کا برباد ہوتا اسلئے کہا کہ ان چیزوں کو اخلاق انسانی سے کچھ تعلق نہیں اور جو چیز باقی رہتی ہے وہ اخلاق سے ہی تعلق رکھتی ہے آسائش جسمانی کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اور صُنع کے لفظ میں اگر ایک طرف ان کے ہاتھ کی کاریگری کے کاموں کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں یہ اقوام کل دنیا پر سبقت لے گئی ہیں تو دوسری طرف یہ بھی بتایا ہے کہ یہ ان کا گمان باطل ہے کہ یہ کوئی بڑے جید اور اعلیٰ درجہ کے کام ہیں +

۱۹۶۹ قیامت کے دن ان کیلئے وزن قایم نہیں ہوگا اسلئے کہ وزن تو ان افعال کا ہے جو ابتغاء لمرضات اللہ کئے جاتے ہیں +

فردوس — ۱۹۷۰ فردوس۔ کو بعض نے معرب کہا ہے اور بعض نے اسے عربی قرار دیا ہے۔ کَرْمٌ مُفَرْدَسٌ کے معنی ہیں مُعَرَّشٌ یعنی شئ پر چڑھائے ہوئے۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی محض باغ ہیں یا سرسبز وادی یا وہ ایسا باغ ہے جس میں وہ تمام اشیاء جمع ہوں جو باغوں میں ہوتی ہیں (ل)۔ اور حدیث نبوی میں جو بخاری اور مسلم میں ہے اسے وَسَطُ الْجَنَّةِ اور اَعْلَى الْجَنَّةِ کہا ہے یعنی جنت کا بہترین اور سب سے بلند مقام (د) +

مَدَّ - مداد — ۱۹۷۱ مداد۔ مَدّ کے معنی کھینچنا یا لمبا کرنا ہیں دیکھو ۱۴۱۱ اور مِداد سیاہی کو کہتے ہیں جس سے لکھا جاتا ہے اور مَدَّ الدَّوَاۃَ اور اَمَدَّھَا دونوں کے معنی ہیں دوات میں سیاہی ڈالی یا اور زیادہ کی۔ اور بعض نے کہا کہ مِداد سیاہی کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کاتب کو مدد دیتی ہے (ل) +

اللہ تعالیٰ کے لاانتہا کلمات میں سے مسیح ایک کلمہ تھا — اصل مضمون تو یہ تھا کہ جو لوگ مسیح کو خدا بناتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ احسانی کے مقابل پر ایمان والوں کا ذکر کیا تھا تو اس مضمون کا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لاانتہا ہیں یہاں کیا تعلق ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا ۱۱۰

کہہ میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات

لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۧ

کی امید رکھتا ہے تو چاہئے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ۱۹۷۲

معلومات ہیں مگر معلومات کیلئے بولنا ضروری نہیں اور کلمۃ کے معنی کلام یا بات ہیں دیکھو ۵۵ دوسری طرف قرآن کریم میں ہو انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اسکے کلمہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضرت مسیح کو جو کلمۃ کہا ہے تو اس سے بھی اصل مراد یہی ہے کہ وہ اس کی مخلوق ہے نہ خدا یا خالق۔ اور عیسائیوں نے چونکہ مسیح کے کلمہ ہونے پر بڑی ٹھوکر کھائی ہے اور وہ کلمۃ کو خدا کا مترادف ہی قرار دیتے ہیں" اور کلام خدا تھا" (یوحنا ۱:۱) تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ ساری مخلوق ہی اس کے کلمے ہیں ایک مسیح ہی کلمہ نہیں۔ اور وہ مخلوق اتنی بڑی ہے کہ یہ اس زمین کا جو سمندر ہے اگر وہ سیاہی بن جائے تو خدا کی مخلوق لکھکر ختم نہیں ہوتی پس ان الفاظ میں بھی عیسائی مذہب کی غلطی کو ہی واضح کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں رسول اللہ صلعم کی بشریت کا ذکر کیا +

انا بشر مثلکم میں عیسائیت کی تردید اور نسل انسانی کیلئے خوشخبری

۱۹۷۲ سورت کا خاتمہ ایک ایسی آیت پر کیا ہے جو نہ صرف عیسائی مذہب کی بنیاد ہی کو گرا دیتی ہے بلکہ انسان کے سامنے ترقیات کا ایک نہایت کھلا میدان لاکر اسے اعلیٰ سے اعلیٰ منازل روحانی پر پہنچنے کی خوشخبری سناتی اور ان منازل کو حاصل کرنے کیلئے اس کی ہمت بندھاتی ہے۔ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ پس تم میری پیروی تو کر سکتے ہو لیکن جو تمہارے اعتقاد میں تم جیسا بشر نہ تھا اس کی پیروی تم کیونکر کر سکتے ہو اس کا آنا نہ آنا تمہارے لئے برابر ہے کیونکہ انسان انسان کے قدم بقدم تو چل سکتا ہے مگر خدا کے قدم بقدم نہیں چل سکتا۔ دوسری طرف بشر مثلکم کہکر ہمیں یہ خوشخبری سنائی کہ وہ مقامات عالیہ جن پر محمد رسول اللہ صلعم پہنچے انہی کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق تم بھی حاصل کر سکتے ہو اسلئے کہ جیسے وہ بشر تھے تم بھی بشر ہو۔ اور بشر بشر کے نقش قدم پر چل سکتا ہے ہاں ہر شخص اپنی استعداد اور اپنے حالات کے مطابق ان مقامات عالیہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن جو کچھ موہبت سے ملتا ہے جیسے نبوت اس میں انسان کی کوشش کا کوئی دخل نہیں +

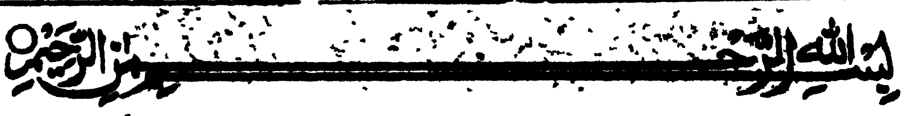
سورة مريم مكية وهي ثمان وتسعون آية وست ركوعات

نام اس سورت کا نام مریم ہے اور یہ نام خود نبی کریم صلعم سے مروی ہے اور اس میں چھ رکوع اور اٹھانوے آیات ہیں اور مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے اور چونکہ اس سورت میں حضرت عیسیٰ کا ذکر کر کے عیسائیت پر اتمام حجت کیا ہے اسلئے اس سورت کا نام حضرت عیسیٰ کی والدہ کے نام پر رکھا ہے اس سورت کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں تمام انبیاء کی بیگناہی یا عصمت پر زور دیا گیا ہے۔ اور یوں حضرت عیسیٰ کا جو خاص امتیاز عیسائی قایم کرتے ہیں اسے باطل کیا گیا ہے۔ یہ خاص امتیاز حضرت عیسیٰ کی عصمت ہے جو عیسائیوں کے نزدیک دوسرے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس کے مقابل پر کہیں حضرت یحییٰ کو پاکیزہ اور بیگناہ فرمایا کہیں حضرت ابراہیم کو صدیق قرار دیکر تمام گناہوں سے پاک ثابت کیا ہے کہیں حضرت موسیٰ کو ہر قسم کے کھوٹ سے پاک قرار دیا ہے۔ کہیں حضرت اسمٰعیل کی عصمت بیان فرمائی ہے اور پھر ان تمام باتوں کے ساتھ سورت کا نام مریم رکھکر یہ توجہ دلائی ہے کہ عیسائیوں کے عقیدہ کے بموجب گناہ دنیا میں عورت کی وجہ سے آیا پس اگر وہ گناہ ورثہ میں ملتا ہے جسکی وجہ سے تمام انبیاء کو گنہگار قرار دیا جاتا ہے تو حضرت عیسیٰ بھی اس سے خالی نہیں جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور خود ان کی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ٹھہرے" (ایوب ۲۵ : ۴) +

خلاصہ مضمون اس سورت کی ابتدا حضرت زکریا کے ذکر سے کی ہے جس کیلئے دیکھو ۱۹۷۴ اور پہلے رکوع میں حضرت یحییٰ کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ کے ساتھ نبی تھے۔ اور اس ذکر میں نہ صرف حضرت یحییٰ کی بیگناہی پر زور دیا ہے بلکہ یہ بھی سمجھایا ہے کہ اس زمانہ میں صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے بھی اکیلے حضرت عیسیٰ کافی نہ تھے اس لئے آپ کے ساتھ ایک دوسرے نبی کے کھڑا کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ دوسرے رکوع میں حضرت مریم کے حضرت عیسیٰ کو حمل میں لینے اور جننے اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا ذکر ہے۔ اور ان تمام باتوں میں یہ دکھایا ہے کہ وہ انسان سے بڑھکر کچھ نہیں۔ یہانتک کہ یہودیوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بھی مسیح کے خدائی کے عقیدہ کا ابطال کیا ہے۔ تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم کا ذکر کیا ہے جو بوجہ اپنی مقبولیت عامہ کے حضرت مسیح سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور ان پر جو ایک ہی الزام تھا کہ انہوں نے جھوٹ بولا اس کی تردید کی ہے چوتھے رکوع میں حضرت موسیٰ حضرت اسمٰعیل اور بعض دیگر انبیاء کا ذکر کر کے اور ان کی معصومیت ثابت کر کے یہ بتایا ہے کہ سلسلۂ نبوت ابتدائے آفرینش سے چلتا ہے پانچویں رکوع میں بتایا ہے کہ عیسائیت کو جن سامانوں پر اور جس مال و دولت پر فخر ہے یہ سامان آخر اس سے چھن جائینگے اور چھٹے میں بتایا ہے کہ عقیدۂ ابنیت مسیح دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا اور تمام صالحین کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی محبت آخر دنیا میں پھیل جائیگی +

تعلق اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے ظاہر ہے اس میں تاریخ عیسائیت بیان کی ہے اور اس میں عقیدتاً عیسائیت پر اتمام حجت کیا ہے اور عقیدۂ ابنیت مسیح کا جو عیسائیت کا بنیادی پتھر ہے ابطال کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ عقیدہ دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا۔ گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ دونوں سورتوں کا ایک ہی مضمون ہے۔ اور یہ دونوں سورتیں پوری کی پوری عیسائیت پر ہیں +

زمانۂ نزول اس سورت کے زمانہ نزول کیلئے دیکھو سورۃ بنی اسرائیل کے زمانۂ نزول پر نوٹ۔ اور خاص اس سورت کے متعلق یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ ہجرت حبش کیوقت جو پانچویں سال بعثت نبوی میں ہوئی یہ سورت نجاشی کے سامنے پڑھی گئی۔ اور چونکہ یہ واقعہ ابتدائے ہجرت کا ہے کیونکہ کفار قریش نے اسی وقت مہاجرین کے پیچھے اپنا وفد نجاشی کے پاس بھیجا تھا اور اسی وفد کی شکایت پر نجاشی نے حضرت عیسیٰ کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ دریافت کیا تھا اسلئے یہ امر قطعیاً ثابت شدہ ہے کہ یہ سورت چوتھے سال بعثت نبوی کی یا پانچویں سال کے آغاز کی ہے اور یہ کل کی کل مکی ہے +



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ ذکریا اور یحییٰ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ ۲

کافی ۔ ہادی ۔ برکت والا ۔ عالم صادق (خدا) ہے [۱۹۷۳] (یہ) تیرے رب کی رحمت کا ذکر (ہے) اپنے بندے زکریا پر جب اس نے اپنے رب کو (لوگوں سے) مخفی آواز سے پکارا [۱۹۷۴]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ ۴

کہا اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر بالوں کی سفیدی سے شعلے مار رہا ہے اور اے میرے رب تجھ سے دعا کر کے میں محروم نہیں رہا [۱۹۷۵]

کھیعص

۱۹۷۳ کھیعص ۔ اُم ہانی نے رسول اللہ صلعم سے ان حروف کے معانی میں روایت کی ہے کہ اس سے مراد اسمائے الٰہی کافی ہاد علیم صادق ہیں اس صورت میں یا بطور حرف ندا ہو گی اور ابن اثیر میں سعید بن جبیر کی تفسیر میں (لفظ یمن کے نیچے) مذکور ہے کاف ھاد یمین عزیز صادق جہاں یا کو یمین کے قائم مقام ٹھہرایا ہے اور یامن اور یمین کے معنی برکت والا دیتے ہیں جیسے قادر اور قدیر کے معنی قدرت والا ہیں ۔

خفی

۱۹۷۴ اخفیا خفی وہ ہے جو دوسروں پر ظاہر نہ ہو اور ندا کے خفی ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اسکی آواز لوگوں سے مخفی تھی +

سورت کو ذکریا کے ذکر سے شروع کرنے کی وجہ

اس سورت کی ابتدا حضرت زکریا کے ذکر سے کرنے میں یہ بتایا ہے کہ خود حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں ان سے پہلے ایسے پاک اور نیک لوگ تھے جنکے متعلق خود انجیل میں موجود ہے کہ وہ اور اسکی بیوی "دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۱-۶) چونکہ اصل غرض اس سورت کی عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور یہ اتمام حجت حضرت عیسیٰ کی خاص بیگناہی کو جس پر عیسائی زور دیتے ہیں شامل کرتا ہے اور تمام انبیاء کو بیگناہ ثابت کیا ہے اسلئے سورت کی ابتدا اس شخص کے ذکر سے کی ہے جسکے متعلق خود عیسائیوں کی کتابوں میں یہ اعتراف موجود ہے کہ وہ خدا کے حضور راستباز اور بے عیب تھا نہ صرف وہی بلکہ اسکی بی بی بھی باوجود عورت ہونے کے بیگناہ تھی +

دعا میں اخفا اور تضرع

دعا کے متعلق اصول دوسری جگہ بیان فرمایا ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ (الاعراف ۵۵) اور تضرع گڑگڑانا ہے پس چھپکر دعا کرنا تضرع کی حالت کے خلاف نہیں بلکہ زیادہ تر تضرع اسی دعا میں پیدا ہوتا ہے جو لوگوں سے چھپکر کی جائے ہمارے نبی کریم صلعم علاوہ ان دعاؤں کے جو نماز میں مخلوق خدا کیلئے کرتے رہتے زیادہ تر دعا رات کی نماز میں یعنی تہجد میں کرتے تھے جو وقت ہی ایسا تھا کہ کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہوتی ۔ اور یہ حکم صرف کثرت پر ہے ۔ ہر دعا کیلئے مخفی ہونا ضروری نہیں ۔ بعض دعائیں جماعت میں بھی کیجاتی ہیں اور دعائے جماعت بھی ایک خاص کیفیت تضرع پیدا کرتی ہے مگر بیشتر حصہ دعا کا وہی ہونا چاہئے جو دوسروں سے الگ ہو کر کیا جائے

عظم

۱۹۷۵ عظم ۔ جمع عظام ہڈی کو کہتے ہیں فکسونا العظام لحما (المؤمنون ۲۳ ۔ ۱۴) اور عَظُمَ کے اصل معنی ہیں ایک چیز کی ہڈی بڑی ہو گئی پھر ہر ایک طرح بڑا ہو جانے پر بولا گیا خواہ معقول ہو یا محسوس اسی سے عظیم ہے اور یہاں مفرد کا استعمال جنس پر دلالت کرنے کیلئے ہے

اشتعال

اشتعل ۔ شُعْلُ آگ کے شعلہ مارنے پر بولا جاتا ہے اور اشتعال کا لفظ غضب میں آنے پر بولا جاتا ہے ۔ اور رنگ کی تشبیہ کے لحاظ سے سفیدی کے چھا جانے پر بولا جاتا ہے جیسے یہاں +

شیب

شیب ۔ بالوں کی سفیدی کو کہتے ہیں (غ ۔ ل)

بدعائک زکریا کی

بدعائک کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں ۔ تجھ سے دعا کر کے یا تیرے مجھے اپنی طاعت کیطرف بلانے سے ۔ تو صورت اول میں مراد

۵ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ

اور میں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو اپنی جناب سے

۶ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۞ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۗ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۞ یٰزَكَرِیَّآ

مجھے کوئی وارث عطا فرما جو میرا ورثہ لے اور آل یعقوب کا ورثہ لے اور اے میرے رب اسے (اپنی) رضا کا محل بنائیو ۱۹۷۶ اے زکریا

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْیٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۞

ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں اُس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس کا کوئی نظیر پہلے نہیں بنایا ۱۹۷۷

یہ ہوئی کہ تجھ سے دعا کرکے میں بھلائی سے محروم نہیں رہا یہ شاید اس لئے کہا کہ اس زمانہ میں لوگ ظاہر طور پہ دعائیں بھی کرتے تھے اور پھر خدا سے دور بھی پڑے ہوئے تھے۔ تو بتایا ہے کہ اخلاص کی دعا کو تو خدا ضائع نہیں کرتا۔ اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہے کہ تیری طاعت کو قبول کرکے میں کسی بھلائی سے محروم نہیں رہا مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی یعنی خدا کا ہو کر انسان نقصان نہیں اُٹھاتا گو عام طور پر یہی معنی کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی سب دعائیں قبول ہوتی رہی ہیں مگر میرے نزدیک اس بات کو پیش کرنے کا یہ موقعہ نہیں یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ میری پہلی دعائیں قبول ہوتی رہی ہیں تو یہ بھی قبول فرما بلکہ اس وقت کی حالت عامہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ یہ لوگ تیرے بندے نہیں بنتے تجھ سے اخلاص سے دعا نہیں کرتے تیری طاعت نہیں کرتے اسلئے بھلائیوں سے محروم ہیں میں نے تیری عبادت اور طاعت کی اور سب کچھ پایا اور بڑھاپے کا ذکر اسلئے کیا کہ اب انہیں نظر آرہا ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے بعد میں اس قوم کی حالت کیسی ہوگی۔ جیسا اگلی آیت میں صاف کر دیا ہے وانی خفت الموالی من ورائی یعنی جو میرے بھائی بند نظر آتے ہیں اپنی موت کے بعد (من ورائی کے یہی معنی ہیں) میں ڈرتا ہوں کہ ان شریر لوگوں سے قوم کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچے۔

رضی۔ مرضی ۱۹۷۶ رضی۔ کے معنی دونوں طرح ہو سکتے ہیں مرضی۔ یعنی وہ جس سے خدا راضی ہو۔ یا راضی جو خدا سے راضی ہو راضیۃ مرضیۃ (الفجر ۸۹: ۲۸) رضا کیلئے دیکھو ۳۵۶ ✦

زکریا کے ورثہ سے مراد حضرت زکریا کو کیا فکر تھی؟ یہ کہ ان کے پیچھے قوم کو کوئی نیک رستہ پر ڈالنے والا نظر نہیں آتا۔ یا یہ کہ کوئی جائداد انہوں نے بڑی محنت سے پیدا کی ہوا نکے پیچھے اسے کوئی سنبھالنے والا نظر نہیں آتا کیا انبیاء اور صلحاء کو اپنی جائداد کی فکر ہوا کرتی ہے یا اپنی قوم کی؟ اہل تشیع نے اور انکے تتبع میں آج کل ایک غلطی خوردہ فرقہ نے یہ خیال کیا ہے کہ یہاں یرثنی سے مراد یہ ہے کہ میری جائداد کا وارث ہو مگر اس سے بڑھکر ایک راستباز کی کوئی ہتک نہیں ہو سکتی کہ اسکے متعلق یہ کہا جائے کہ بڑھاپے کو پہنچ کر اور موت کا نظارہ سامنے دیکھکر اسے یہ فکر ہوا کہ میری جائداد کو چچا کے بیٹے سنبھال لینگے اس لئے وہ دعا کرتا ہے کہ مجھے ایک بیٹا ملے جو اس جائداد کو سنبھال لے۔ میں کہتا ہوں یہ الفاظ قرآنی کی تحقیر ہوا اور پھر اس کے ساتھ ویرث من آل یعقوب کے لفظ بڑھائے ہیں وہ ان باطل خیالات کا قلع قمع کرنے کیلئے کافی ہیں کیا آل یعقوب کی بھی کوئی جدی جائداد چلی آتی تھی جو زکریا کو بھی نہ ملی تھی اور وہ اب چاہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کی کچھ زمینیں اور املاک چلی آتی ہیں ان کا وارث بھی یہی لڑکا ہو؟ یہ سب بودے خیالات ہیں راستبازوں کی وراثت علم اور ہدایت کی ہوتی ہے سلسلہ اسرائیل یعنی آل یعقوب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روحانی نعمت ہدایت قوم رکھی تھی بس وہی مراد ہے۔ اور اپنے ورثہ سے مراد ان علوم کا وارث ہونا ہے جو آپ کو دیئے گئے تھے ✦

سمی ۱۹۷۷ سمی۔ کیلئے دیکھو ۱۶۲۳ ہمنام اور نظیر اسکے معنی ہیں۔ اور یہاں شبیہہ یا نظیر مجاہد اور عطا وغیرہ سے مروی ہیں (ر)

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ ۸

کہا میرے رب میرے لڑکا کب ہوگا اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں[۱۹۷۸]

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ ۹

کہا ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے یہ مجھ پر آسان ہے اور پہلے میں نے تجھے پیدا کیا اور تو (بھی) کچھ چیز نہ تھا

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى ۱۰ ۱۱

کہا میرے رب میرے لئے کوئی نشان مقرر کرے کہا تیرے لئے نشان یہ ہے کہ تو تین راتیں صحیح سالم رہ کر لوگوں سے بات نہ کرے[۱۹۷۹] سو وہ عبادتگاہ

قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۱۲

سے اپنی قوم پر نکلا تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح اور شام تسبیح کرو اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لے

یحییٰ کی بےنظیری کا مفاد — یحییٰ نام پر دیکھو ۱۶۵۳ انجیل میں ہے "آٹھویں دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کا ختنہ کرنے آئے اور اس کے باپ کے نام پر زکریا رکھنے لگے مگر اس کی ماں نے کہا نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا رکھا جائے انہوں نے اس سے کہا کہ تیرے کنبے میں کسی کا یہ نام نہیں" (لوقا ۱: ۵۹-۶۱) پس اگر سمی کے معنی ہمنام لئے جائیں تو مراد یہی ہوگی کہ اس خاص گھرانے میں پہلے اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہوا اگر فی الواقع اس نام کا آدمی پہلے کوئی نہ ہوا ہو تو یہ کوئی خوبی کی بات نہیں جس کا ذکر قرآن شریف میں کیا جاتا۔ اسلئے مراد یہی ہے کہ اس کا نظیر کوئی نہیں ہوا . . . . اب سوال یہ ہے کہ کس معنی میں نظیر نہیں ہوا بعض مفسرین کہتے ہیں اسلئے کہ حضرت یحییٰ نے نہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کی اور نہ کبھی معصیت کا خیال ان کے دل میں آیا اور ایک حدیث بھی ہے ما من احد

یحییٰ کی بےگناہی — من ولد آدم الا وقد اخطأ او هم بخطيئة الا يحيى بن زكريا عليهما السلام لم يهم بخطيئة ولم يعملها آدم کے فرزندوں میں سے کوئی نہیں مگر اس نے خطا کی یا خطا کا ارادہ کیا سوائے یحییٰ بن زکریا کے کہ نہ اس نے خطا کا ارادہ کیا اور نہ خطا کی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ انجیل میں بھی اسی قسم کا اعتراف موجود ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورت سے پیدا ہوئے ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہوا" (متی ۱۱: ۱۱) مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ امر اسی نسل کے متعلق ہے کیونکہ جیسا کہ یحییٰ کی وجہ تسمیہ میں لکھا گیا ہے دیکھو ۱۶۵۳ خود یحییٰ نام میں یہی اشارہ تھا کہ وہ گنہگار نہیں ہوگا جیسی وہ نسل عام طور پر تھی اور خود زکریا کی دعا یہی بتاتی ہے اور سارا ذکر اسی نسل کا ہے ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الفاظ قرآنی میں یہ بھی اشارہ ہو کہ جن خصوصیات کو یحییٰ لیکر آتا ہے وہ سلسلہ اسرائیلی میں اور کسی کو نہیں دی گئیں اور یہ ان کی نبوت کی طرف اشارہ ہوگا کیونکہ سلسلہ اسرائیلی میں ہر ایک نبی خاص صفات کا مظہر ہو کر آتا تھا جن کا مظہر دوسرا نبی نہ ہوا ہوتا تھا +

عتیّ ۔ عتوّ — ۱۹۷۸ عتیا عتی (مصدر عتوّ اور عتیّ) کے معنی ہیں تکبر کیا اور حد سے نکل گیا وعتوا عتوا کبیرا (الفرقان ۲۵-۲۱) عتت عن امر ربها (الطلاق ۶۵-۸) اور یہاں عتیّ سے مراد وہ حالت ہے جس کی اصلاح کا رستہ باقی نہیں رہا (غ)، یا انتہا کو پہنچ جانا (ل) ایسے ہی الفاظ سورۂ آل عمران میں گزر چکے ہیں دیکھو ۴۱۶ +

سویّ — ۱۹۷۹ سویا ۔ سویّ وہ ہے جو اندازہ اور کیفیت میں افراط و تفریط سے محفوظ ہو۔ من اصحاب الصراط السوی (طٰہٰ ۲۰-۱۳۵) اور رجل سویّ وہ ہے جو اخلاق میں اور خلقت میں افراط و تفریط سے محفوظ ہو (غ)، جمہور نے سویّ کے معنی یہی لئے ہیں یعنی صحیح سالم ہونے

۱۳ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً وَکَانَ تَقِیًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَ

اور ہم نے اُسے لڑکپن کی حالت میں فہم دیا تھا[1980] اور اپنی جناب سے رحمدلی اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ (گناہ سے) بچنے والا تھا[1981] اور اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے والا تھا اور

۱۵ لَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ۝ ع

سرکش نافرمان نہیں تھا اور اُس پر (ہر حال میں) سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ اٹھایا جائے گا[1982]

کی حالت میں جس میں کوئی گونگاپن وغیرہ نہیں (د) باقی تشریح کے لئے دیکھو نٹ ۱۷۱

حکم

۱۹۸۰ حکم۔ دیکھو نٹ ۱۳۷ یہاں مراد حکمت ہے یا کتاب اللہ کا فہم (ج) ✦

یحییٰ کی کتاب

یہاں کتاب سے مراد عموماً مفسرین نے توریت کو لیا ہے اگر توریت ہی مراد ہو تو ہرج نہیں اسلئے کہ کل انبیائے بنی اسرائیل توریت پر عمل کرتے اور کراتے تھے یہانتک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں بھی توریت پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ مگر اغلب یہ ہے کہ کتاب سے یہاں مراد حضرت یحییٰ کی اپنی کتاب ہے اور یہ ان کے زمانۂ نبوت کا ذکر ہے اور آگے جو آتا ہے۔ و

اصول عصمت انبیاء

آتینہ الحکم صبیا تو یہ پہلے زمانہ کا ذکر ہے یعنی وہ باتیں جن کی ضرورت نبوت کے لئے ہوتی ہے وہ شروع سے دی جاتی ہیں جیسے فہم یا حکمت۔ رحمدلی۔ پاکیزگی۔ بدیوں سے بچنا اور یوں عصمت انبیاء کے اصول کو ساتھ ہی قایم کیا ہے۔ اور میرے نزدیک ترجیح کتاب کے اس دوسرے معنی کو ہے۔ کیونکہ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ بطور وحی ہے ✦

حنان

۱۹۸۱ حنان حَنِیْن وہ شوق ہے جس میں شفقت پائی جائے اور حَنان سے مراد رحمت ہے (غ)، اور حنّان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے یعنی بہت رحم والا (ل)، اور حناناً من لدنا کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں یعنی اس پر اپنی جناب سے رحمت کی یا یہ کہ اس کے قلب میں اپنی جناب سے رحمت رکھی۔ اور میں نے یہی دوسرے معنی ترجمہ میں لئے ہیں کیونکہ یہاں تین چیزوں کا ذکر ہے جو انبیاء کو شروع سے دی جاتی ہیں جن میں سے پہلی چیز شفقت علی خلق اللہ ہے جو رحمدلی سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری بات زکوٰۃ ہے اور تیسری اتقاء ✦

زکوٰۃ

زکوٰۃ۔ کے اصل معنی نمو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے حاصل ہوتا ہے اور اسی سے زکوٰۃ ہے جو مال میں سے

ذکی

دی جاتی ہے اور یہاں اور غلاماً ذکیا (۱۹) میں مراد تزکیہ بطور اجتباء ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عالم اور طاہر الخلق بناتا ہے نہ اس طرح کہ وہ ان باتوں کو سیکھ کر حاصل کریں بلکہ توفیق الٰہی ہے (غ)، اور یہاں چونکہ تقوی یا بدی سے بچنے کا ذکر الگ ہے اس لئے مراد اصل معنی یعنی وہ نمو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے حاصل ہوتا ہے گویا بمقابلہ بدیوں سے بچنے کے یہ نیکیوں میں ترقی ہے ✦

نبی کیلئے تین سلامتیاں

۱۹۸۲ یہاں تین موقعوں پر سلامتی کا ذکر ہے ولادت کے وقت۔ موت کے وقت۔ بعثت کے وقت یوں تین زمانوں پر اس سلامتی کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ ولادت کے وقت سلامتی وہ ہے جو اس دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے موت کے وقت کی سلامتی حالت قبر یا عالم برزخ کے متعلق ہے اور بعثت کے وقت کی سلامتی وہ جو قیامت سے تعلق رکھتی ہے گویا ہر نبی دنیا میں سلامتی کی حالت میں آتا ہے یعنی شیطان کے حملے سے محفوظ ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی اسے سلامتی ہوتی ہے یعنی عذاب قبر سے محفوظ ہوتا ہے اور قیامت کو سلامت ہے یعنی عذاب جہنم سے محفوظ ہے ✦

ع ۲ ۱۹ — حضرت مریم اور عیسیٰ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ ۱۷

اور کتاب میں مریم کی خبر کو بیان کر جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر ایک مشرقی مکان میں چلی گئی ۱۹۸۳

انتبذ — ۱۹۸۳ انتبذت ۔ نبذ کیلئے دیکھو ۱۲۷ یہی ہوا اِنْتَبَذَ کے معنی ہیں الگ ہو گیا اس شخص کا الگ ہونا جو لوگوں کے اندر اپنے نفس کو بہت کم قابل توجہ سمجھتا ہو (غ) ۰

حضرت عیسیٰ اور یحییٰ کے اکٹھے ذکر میں حکمت — یہی مضمون یعنی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا ذکر زکریا اور یحییٰ کے ذکر کے ساتھ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے یہاں کچھ مزید تفصیلات ہیں جو وہاں موجود نہیں۔ ان دونوں موقعوں پر حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کا اکٹھا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے اس کی وجہ مفسرین نے عموماً یہ دی ہے کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش میں بھی ایک اعجاز تھا اور اس سے بڑھکر اعجاز حضرت عیسیٰ کی پیدائش میں تھا لیکن اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ جیسا اعجاز حضرت یحییٰ کی پیدائش میں ہے ویسا حضرت اسحاق کی پیدائش میں بھی ہے ان کا ذکر دونوں موقعوں پر کیوں نہ کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ اکٹھا کرنے میں عیسائیت پر اتمام حجت ہے عیسائی حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش کو اس کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہیں تو اس کے مقابل حضرت یحییٰ کی پیدائش کا ذکر کیا کہ وہ کم اعجاز نہیں۔ پھر عیسائی حضرت مسیح کی بے گناہی کو اسکی خدائی کی دلیل ٹھیراتے ہیں۔ تو اس کے مقابل حضرت یحییٰ کی بیگناہی کو کس قدر پر زور الفاظ میں بیان فرمایا ہے پھر اگر مسیح کے لئے پیشگوئی تھی تو یحییٰ کے لئے بھی پیشگوئی تھی دیکھو ۱۱۱ پھر سب سے بڑھکر اتمام حجت دونوں کے اکٹھے ذکر میں یوں کیا ہے کہ وہ نبی جو اکیلا ایک قوم بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے کافی نہ تھا وہ اصلاح عالم کا بیڑا کیونکر اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ باوجود اپنی ساری عظمت کے حضرت عیسیٰ صرف ایک شاخ اخلاق انسانی کی پرورش کیلئے آئے تھے اسی لئے ان کے ساتھ حضرت یحییٰ کی ضرورت پیش آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ جب اکیلے بوجھ کو نہ اٹھا سکے تو ان کے ساتھ حضرت ہارون کو کھڑا کیا گیا۔ پس اس سارے ذکر کو اس نگاہ سے پڑھنا چاہئے کہ یہ دراصل عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم دونوں سورتیں عیسائیت پر اتمام حجت کے طور پر ہیں ۰

مریم کا شرقی مکان میں جانا — مکان شرقی سے مراد مفسرین بیت المقدس کے مشرق کی طرف لیتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائیوں کے بیت المقدس کی بجائے اپنی عبادتگاہوں کا مشرق کیطرف منہ کرنے کی وجہ یہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں مریم کے پہلے حالات جو بچپن کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں بیان نہیں ہوئے وہ سورۂ آل عمران میں ہیں کہ کسطرح حضرت مریم ہیکل میں (یروشلم میں) رہتی تھیں کیونکہ ان کی ماں نے انہیں ہیکل کی خدمت کیلئے نذر مانا تھا۔ یہاں حضرت مریم کے بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد کے حالات ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں لفظ حجاب لاکر بتا بھی دیا ہے پس مکان شرقی میں چلے جانے سے مراد یہی ہے کہ جب آپ بلوغت کو پہنچیں اور حیض کے ایام آنے لگے تو اب مسجد میں نہ رہ سکتی تھیں اس لئے کسی شرقی مکان میں چلی گئیں اور غالباً یہ مشرقی مکان ناصرہ

شرقی مکان کون تھا — تھا جہاں کا رہنے والا یوسف نجار تھا اور حضرت مریم کی اصل رہائش بھی وہیں کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یوسف آپکے چچا کا بیٹا بھی تھا اور ناصرہ بیت المقدس سے شمال مشرق کی طرف ہے مگر قرآن کریم نے عموماً شمال جنوب کا ذکر چھوڑ کر مشرق مغرب کا ہی ذکر کیا ہے اس لئے اسے مکان شرقی کہدیا ہے یا ممکن ہے کہ کوئی اور مکان شرقی ہو لیکن انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کی خوشخبری ملنے کے وقت حضرت مریم ناصرہ میں تھیں (لوقا ۱: ۲۶) بہرحال جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہوگا یہ جانا اسلئے تھا کہ آپ بوجہ حیض آجانے کے مسجد میں نہ رہ سکتی تھیں اور اسلئے یہاں لفظ انتبذت بھی اختیار کیا ہے کیونکہ تکمیل روحانی کے اعلیٰ مقام سے الگ ہو کر جو مسجد میں رہنے سے حاصل تھا اب ایک رنگ کی معمولی گھرانو زندگی اختیار کرنی پڑی جس میں گھر کے دھندے زوجیت کے تعلقات اولاد کی پرورش وغیرہ امور شامل ہیں ۰

۱۸ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ قَالَتْ

پس اس نے ان سے پردہ کر لیا سو ہم نے اپنی روح کو اس کی طرف بھیجا تو اسے ایک صحیح سالم انسان کی شکل نظر آئی ۱۹۸۴ کہا

۱۹ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ

میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو متقی ہو ۱۹۸۵ اس نے کہا میں صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں وہ فرماتا ہے تاکہ مجھے

۲۰ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○

الربع

ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں ۱۹۸۶ کہا میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے دنکاح کرکے، چھوا نہیں اور نہ میں بدکار ہوں ۱۹۸۷

تمثّل

۱۹۸۴ تمثّل۔ مثل سے ہے ۳۔ اور تمثّل کے معنی ہیں ایک چیز کی شبیہہ یا مثال بنائی اور تمثّل فلانٌ کے معنی ضرب مثلًا بھی آتے ہیں یعنی مثال بیان کی (ل)، اور ایک چیز کی مثال ہو گیا (منتہی الارب) +

حضرت مریم کا حجاب کیا اور اس کی غرض

حضرت مریم کے پردہ میں ہو جانے سے کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے مختلف توجیہات کی ہیں بعض کہتے ہیں غسل حیض کیلئے پردہ کیا اور بعض کہتے ہیں ایام حیض میں مسجد سے الگ ہو جانا مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں عبادت کیلئے مگر عبادت کیلئے تو مسجد موجود تھی اور وہیں حضرت مریم صغرسنی میں رہتی بھی تھیں کلما دخل علیھا زکریا المحراب (آل عمران ۳ - ۳۶) اسلئے اصل بات یہ ہے کہ جب آپ بلوغت کو پہنچیں تو اسلئے چونکہ مسجد کا رہنا آیندہ کیلئے موزون نہ تھا۔۔۔۔ کسی اور مکان میں جانا پڑا۔ بہرحال یہ تبدیلی بلوغت سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لئے حجاب کا بھی ذکر ہے کیونکہ حجاب سن بلوغت کو پہنچنے پر ضروری ہوتا ہے +

حضرت مریم کا کشف

روح سے مراد اکثر نے یہاں جبرائیل لیا ہے اور ابو مسلم نے خود حضرت عیسٰی کو مگر دیکھو ۱۸۷۲ روح کے معنی کلام الٰہی بھی ہیں اور دوسری جگہ اذ قالت الملٰئکۃ (آل عمران ۳ - ۴۴) اسی کا مؤید ہے اور وحی جبرائیل انبیاء سے مخصوص بھی ہے پس مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنا کلام یا الہام اس کی طرف بھیجا اور تمثّل لھا میں ضمیر اپنے اوپر ہو گی یعنی اس کلام الٰہی کے آنے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک متمثل ہونے والا بشر کی صورت پر متمثل ہوا یعنی ایک کشفی نگاہ میں اسے ایک بشر نظر آیا +

کشف یا رؤیا میں بُرے کام کا ارتکاب

۱۹۸۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے خیالات نیک ہوں وہ رؤیا یا کشف کی حالت میں بھی بُرے کام کا ارتکاب نہیں کرتا یہ حضرت مریم کے خیالات کے کمال عصمت پر دلیل ہے۔ ان کنت تقیا اسلئے بڑھایا کہ متقی ہی انکی اسبات کی پرواہ کر سکتا تھا ایک شریر کیا پرواہ کرتا

۱۹۸۶ لاھب میں فاعل وہ انسان کی صورت نہیں جس کی وساطت سے کلام ہو رہا ہے بلکہ خود اللہ تعالٰی ہے چنانچہ دوسری قرأت اسکی لیھب ہے جو اس معنی کی صحت کی مؤید ہے اور اس ترکیب کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس متمثل نے یہ کہا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تو اب اس پیغام کو بھی ظاہر کیا جو وہ لیکر آیا تھا اور وہ اللہ تعالٰی کے یہ الفاظ تھے کہ میں تجھے ایک لڑکا دوں گا۔ اور یہ اس کے مطابق ہے جو فرمایا ان اللہ یبشرك (آل عمران ۳ - ۴۴) +

بغیّ

۱۹۸۷ بغیا۔ بغی کیلئے دیکھو ۱۱۵ وغیرہ۔ اور بغت الامۃ کے معنی ہیں لونڈی نے زنا کیا۔ اور اسی سے بَغِیّۃ ہے یعنی زنا کرنے والی لونڈی اور اسی سے بغاء ہے جو لونڈیوں کی زناکاری پر قرآن شریف میں آیا ہے ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء (النور ۲۴ - ۳۳) اور بعض نے کہا ہے کہ بغیّ صرف لونڈی ہے بدکار ہو یا نہ ہو۔ اور بعض نے کہا بغیّ ہر ایک بدکار عورت ہے لونڈی ہو یا آزاد اور بغیّ لونڈی کو کہہ دیا جاتا ہے گو اس سے ذم مراد نہ ہو (ل) +

لم یمسسنی بشر پر دیکھو ۴۲۵ اور لم اک بغیا نکاح کے مقابل پر بڑھایا کیونکہ مس بشر کنایہ ہے اس سے کہ نکاح ہوا ہو

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً ۲۱

اس نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ تیرا رب کہتا ہے یہ مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کیلئے نشان اور اپنی طرف سے رحمت

مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ ۲۲

بنائیں اور یہ امر فیصلہ شدہ ہے ۱۹۸۸ پھر (مریم نے) اسے حمل میں لیا اور اسکے ساتھ الگ ہو کر دور جگہ چلی گئی ۱۹۸۹

حضرت مریم کی منگنی

البتہ انجیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی منگنی ہو چکی تھی "چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا" (لوقا ۱: ۲۶ و ۲۷) حضرت مریم کا یہ کہنا کہ مجھے ابھی بشر نے نہیں چھوا خود یہی ظاہر کرتا ہے کہ نکاح کا معاملہ ہو چکا تھا تو جب بیٹے کی خوشخبری ملتی ہے تو وہ متعجب ہو کر کہتی ہیں کہ ابھی تو نکاح نہیں ہوا اور بشر نے مجھے چھوا نہیں اور میں بھی نہیں کہ نکاح کے بغیر میرا تعلق کسی مرد سے ہو گیا ہو کیونکہ میں بدکار عورت نہیں۔ ھو علی ھین میں بظاہر یہی مراد ہے کہ اس کا دور رہنا کیا مشکل ہے۔

حضرت عیسیٰ کے آیت ہونے سے مراد

۱۹۸۸ اٰیۃ للناس۔ اٰیۃ کے معنی کیلئے دیکھو نوٹ ۶۲ ہر چیز جو بطور ایک دلیل یا نشان کے ہو اٰیۃ کہلاتی ہے وجعلنا اللیل والنہار اٰیتین (بنی اسرائیل ۱۲: ۱۷) حالانکہ دن رات معمولی طور پر آتے جاتے ہیں۔ ہر خدا کی طرف بلانیوالے کا وجود ایک آیت ہے حق کی مخالفت کرنیوالوں کی ہلاکت بھی ایک آیت ہے یوسف اور اس کے بھائیوں کا معاملہ بھی ایک آیت ہے لقد کان فی یوسف واخوتہ اٰیات للسائلین (یوسف ۱۲: ۷) بلکہ کئی آیات ہیں اسلئے کہ اس ذکر سے بہت سے سبق ملتے ہیں اور حدیث میں سورج گرہن کو اٰیۃ کہا ہے۔ اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہی نشان ہے وکاین من اٰیۃ فی السمٰوات والارض (یوسف ۱۲: ۱۰۵) حضرت مسیح کس معنی میں آیت تھے یہاں آپ کو اٰیۃ للناس کہا ہے اگر صرف اعجازی ولادت میں نشان مراد ہو تو صرف مومنوں کیلئے نشان ہوتے نہ عام طور کے لوگوں کیلئے۔ ہو سکتا ہے کہ اٰیۃ میں یہاں ان کی رسالت کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی بلکہ اس کے صالح بندے بھی اس کے وجود پر ایک آیت بن جاتے ہیں۔ یا خصوصیت سے مراد یہ ہو کہ ان کے بعد نبوت بنی اسرائیل سے منقطع ہو گئی مگر پہلے معنی کی رحمۃ منا سے تائید ہوتی ہے۔

حضرت مریم کا حاملہ ہونا الوہیت مسیح کے خلاف دلیل ہے

۱۹۸۹ اس آیت میں مریم صدیقہ کے عیسیٰ کو حمل میں لینے کا ذکر کیا۔ اس ذکر کی ضرورت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تا یہ بھی عیسائیت کے عقیدۂ الوہیت مسیح کے خلاف دلیل ہو اور ایسی ہی دلیل کے طور پر خود نبی کریم صلعم نے وفد نجران کے سامنے اسے استعمال کیا کیونکہ وہ چیز جسے عورت حمل میں لیتی ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور شاید اسلئے بھی حمل کا ذکر ہو کہ تا معلوم ہو کہ جس طرح پر عورتوں کو حمل ہوتا ہے اسی طرح حضرت مریم کو بھی ہوا اور نبی کریم صلعم نے وفد نجران کے مقابل پر ایسا ہی فرمایا الستم تعلمون ان عیسیٰ حملتہ امہ کما تحمل المراۃ کیا تم نہیں جانتے کہ عیسیٰ کو اسکی ماں نے حمل میں لیا جس طرح عورتیں حمل میں لیا کرتی ہیں کما تحمل المراۃ کے لفظ فیصلہ کن ہیں کہ یہ حمل اسی طریق پر ہوا جس طرح عورتوں کو ہوا کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسے مریم کے کشف اور فرشتہ کے کلام سے بالکل الگ کرکے بیان کیا ہے۔ اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ خود مفسرین نے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جیسے وہب کا قول ان مریم لما حملت کان معہا ابن عم لہا یسمی یوسف النجار یعنی جب مریم کو حمل ہوا تو ان کے ساتھ انکے چچا کا بیٹا یوسف نجار تھا (د) اور یہ یوسف نجار وہی ہیں جو بروئے اناجیل و تاریخ حضرت مریم کے شوہر تھے اور جنکے ساتھ مریم کا تعلق زوجیت یعنی میاں بی بی کا تعلق ہونا خود عیسائیوں کو مسلم ہے جو حضرت عیسیٰ کو خدا بناتے ہیں۔ مگر مسلمان بعض یہاں تک گئے ہیں کہ کہتے ہیں حضرت مریم کو حیض بھی نہیں آتا تھا۔ اور کبھی کہدیتے ہیں کہ مریم کا حمل صرف ایک گھڑی کیلئے تھا یعنی فوراً حمل ہوا فوراً آپ وہاں سے

٢٣ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝

پھر درد زہ اسے کھجور کے تنے کیطرف لے آیا — کہنے لگی اے کاش میں اس سے پہلے مرجاتی — اور بھولی بسری ہوتی ع ١٩٩٠

چل پڑیں اور فوراً حضرت عیسیٰ پیدا ہوگئے (اور اس کے آگے ایک مرحلہ اور ترقی کرکے یہ بھی کہ وہ فوراً نبی بھی بن گئے) حالانکہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت مریم کو نو ماہ حمل رہا جس طرح تمام عورتوں کو حمل رہتا ہے (د) +

مکاناً قصیاً سے مراد حضرت مریم کا سفر بیت لحم

فانتبذت به مکاناً قصیاً سے یہ مراد نہیں کہ حمل ہوتے ہی وہ کسی دوسرے مکان میں چلی گئی بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ حالت حمل میں اسے کہیں دور جانا پڑا۔ اور بہ کا لفظ ساتھ بڑھانے کا منشا سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ وقت ایسا تھا کہ حمل کا اچھا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وضع حمل کا وقت قریب تھا اور یہ سفر مردم شماری کی غرض کیلئے یوسف نے مریم کے ساتھ اختیار کیا تھا "یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے کیلئے اپنے اپنے شہر کو گئے پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا کہ اپنی مریم منگیتر کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اسکے جننے کا وقت آپہنچا" (لوقا ۲: ۲-۶)

جاء-اتی

ع ١٩٩٠ اجاء جاء (یجیئ) کے معنی وہی ہیں جو اتی کے یعنی آیا لیکن اِتیان سہولت کی مجئ ہے یعنی سہولت سے آنا اور اِتیان یا اَتی قصد کے اعتبار سے کہا جاتا ہے گو وہ مقصد حاصل نہ ہوا ہو اور مجئ یا جاء حصول کے اعتبار سے اور اعیان اور معانی دونوں میں مستعمل ہوتا ہے جاء من اقصا المدینة رجل (یٰسین ۲۰) فاذا جاء الخوف (الاحزاب ۱۹) فاذا جاء اجلھم (الاعراف ۳۴) اور فقد جاء و ظلما و زورا (الفرقان ۴) میں مراد ہے کہ ظلم اور جھوٹ کا قصد کیا اور اسے کرگزرے اور وجاء ربك والملك صفا صفا (الفجر ۲۲) میں بالذات آنا مراد نہیں بلکہ اپنے امر کے ساتھ آنا مراد ہے اور یہ ابن عباس کا قول ہے اور اَجاء جاء سے متعدی کیا گیا ہے اور اسکے معنی اَلْجَأَ ہیں یعنی اسے ایک بات کیلئے مضطر کر دیا اور جاء بکذا کے معنی ہیں اسے حاضر کیا لولا جاءو علیه باربعة شهداء (النور ۱۳) (غ) +

اجاء

مخاض

مخاض - اس کا اصل مَخْض ہے اور مَخاض درد زہ کو کہتے ہیں یعنی حاملہ کو جننے کے وقت جو درد ہوتا ہے (ل) +

جذع

جذع - جِذْع کھجور کے تنہ کو بھی کہتے ہیں اور شاخ کو بھی (ل) جمع جُذُوع ہے فی جذوع النخل (طٰہٰ ۷۱) +

حضرت مریم کا درد زہ دلیل ابطال الوہیت مسیح ہے

حضرت مریم کے حمل کے ذکر کے بعد اب درد زہ کا ذکر کیا ہے اور جس طرح ذکر حمل عیسائیت پر اتمام حجت کیلئے ہے اسی طرح درد زہ کا ذکر بھی ہے کیونکہ عیسائی کہتے ہیں کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے عورت کو یہ سزا ملی تھی کہ "درد سے تو لڑکے جنیگی" (پیدائش ۳: ۱۶) اور جسے عیسائی اپنا خدا سمجھتے ہیں جس نے آدم کے گناہ کا ازالہ کرنا تھا جب وہ جنا جاتا ہے تو اس کی ماں بھی درد زہ سے جنتی ہے اور یہاں تک شدت درد زہ کی ہوتی ہے کہ وہ چلا اٹھتی ہے یلیتنی مت قبل ھذا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت مریم کی طرف اسبات کو منسوب کرنا کہ انہوں نے درد زہ کی شدت سے ایسا کہا ہو ان کی شان کے لائق نہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ بڑی سے بڑی عورت کی شان بھی اسے اس تکلیف سے نہیں بچا سکتی اور اگر کسی رسوائی کے خیال سے حضرت مریم یہ بات کہہ سکتی ہیں تو درد زہ کی شدت سے کیوں نہیں کہہ سکتیں۔ پھر یہ پہلوٹھی کا بچہ تھا اور پہلے وضع حمل میں عورت کو ہمیشہ بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں مشکلات تھیں کہ گھر میں نہ تھیں حالت سفر میں تھیں بے سروسامانی حد درجہ کی یہانتک کہ باہر کھلے میدان میں یہ واقعہ پیش آیا جس پر قرآن کریم و انجیل دونوں شاہد ہیں دائی تک پاس نہیں ایسی حالت میں شدت درد زہ سے ان الفاظ کا نکے منہ پر آجانا بالکل قرین قیاس ہے۔

کھجور کے تنے سے سہارے کیلئے مضطر ہوجانا بھی انجیل کے بیان سے ملتا جلتا ہے "اور وہ پہلوٹا بیٹا جنی اور اسکو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا کیونکہ ان کیواسطے سرائے میں جگہ نہ تھی" (لوقا ۲: ۷) اور یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ سرائے کے باہر کسی کھجور کے درخت سے سہارا لیا ہے اور اس کا ذکر قرآن شریف نے اسلئے کیا کہ جسے عیسائی خدا خدا کرکے پکارتے ہیں وہ کیسی بیکسی کی حالت میں

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ ۲۴ ۲۵

تو اسکے نیچے سے اسے ایک ندا آئی کہ غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ (بہا) رکھا ہے [۱۹۹۱] اور کھجور کی شاخ کو اپنی طرف ہلا

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۲۶

تجھ پر تازہ پکی کھجوریں جھڑ پڑیں گی [۱۹۹۲] سو کھا اور پی اور آنکھ کو راحت پہنچا پھر اگر تو کسی انسان کو دیکھے

فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝

تو کہنا میں نے رحمان کیلئے (اپنے اوپر) روزہ واجب کیا ہے اسلئے آج میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی [۱۹۹۳]

پیدا ہوا اور جسے خدا کی ماں کہا جاتا ہے اس نے کس مصیبت کی حالت میں اسے جنا +

سری

۱۹۹۱ سری ۔ سَرٰی رات کو چلا اور یہ سَرَاۃ سے ہے جو فراخ زمین کو کہتے ہیں اور سَرِیّ نہر ہے جو چلتی ہے (غ) +

نادٰىها کا فاعل نہیں بتایا ظاہر ہے کہ خدا کا فرشتہ ہو اور یہ الہامی آواز ہے۔ مگر بعض مفسرین کو حضرت عیسیٰ کو جلد بلانے کا شوق یہاں تک ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ آواز حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی دی تھی حضرت عیسیٰ کے متعلق عجوبہ پرستی کسی زمانہ میں لوگوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی +

ھزّ ۔ اھتزاز

۱۹۹۲ ھزی ۔ ھَزّ زور سے ہلانا ہے اسی سے اِھْتَزَّ ہے فلما راٰھا تھتز (النمل ۲۷ ۔ ۱۰) اور سبزی کا اپنی تر و تازگی سے حرکت کرنا بھی اھتزاز ہے فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت (الحج ۲۲ ۔ ۵) +

رطب

رطب ۔ رَطْب تازہ یابس (یعنی خشک) کے خلاف اور رُطَب تازہ کھجور سے مخصوص ہے (غ) +

جنی ۔ جَنِيّ

جنی ۔ جَنٰی پھل کے چننے پر بولا جاتا ہے اور جَنِیّ وہ ہے جو چنا گیا مگر اس کا استعمال تازہ پھل پر ہے اور جَنٰی پھل ہے وجنا الجنتین دان (الرحمٰن ۵۵ ۔ ۵۴) اور استعارۃً جِنَایَۃ کا استعمال گناہ پر ہوتا ہے (غ) +

کھانے اور پینے دونوں کا سامان موجود تھا۔ کھجور موجود تھی اس کے ہلانے سے تازہ کھجوریں مل جائینگی اور پانی کا چشمہ نیچے بہ رہا تھا اس کا پتہ بتا دیا اگر ایک طرف بیکسی کا اظہار کیا تو دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح جنگل میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں مہیا فرما دیتا ہے

قرت عینہ

۱۹۹۳ اقری عینا دیکھو نوٹ ۹۶ قَرَّتْ عَيْنُهٗ کے معنی ہیں مسرت یعنی آنکھ کو راحت پہنچی اور یا یہ قُرّ بمعنی سردی سے ہے یعنی آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور یا یہ قرار سے ہے یعنی آنکھ کو اس سے سکون ملا پس وہ دوسری چیز کی طرف نہ اُٹھی ۔ قرۃ عین (القصص ۲۸ ۔ ۹) قرۃ اعین (الفرقان ۲۵ ۔ ۷۴) کے تقر عینھا (طٰہٰ ۲۰ ۔ ۴۰) (غ) +

مریم کے کسی سے کلام نہ کرنے کی غرض

کھانے پینے کا سامان سفر میں بہم پہنچایا آنکھوں کی راحت کیلئے بیٹا عطا فرمایا اس لئے ساتھ ہی اپنی نعمت کی شکرگزاری کیلئے لوگوں سے بات چیت بند کرکے اللہ کے ذکر کی طرف توجہ دلائی جس طرح زکریا کو فرمایا تھا الا تکلم الناس ثلٰثۃ ایام الا رمزا واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار (اٰل عمران ۳ ۔ ۴۰) یعنی تین یوم کی خاموشی سے فائدہ یہ اٹھاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح بہت کرو جو ایک نعمت پر شکرگزاری کے طور پر ہے۔ حالانکہ دوسرے موقعہ پر جب اس سورت میں تین دن کی خاموشی کا ذکر کیا تو وہاں کوئی ایسے لفظ نہیں مگر مراد وہی ہے اسیطرح حضرت مریم کے ذکر میں خاموشی کی ہدایت فرما کر اس ذکر کی ضرورت نہ تھی کہ اس اثنا میں ذکر خدا کرو ۔ مگر مطلب یہی ہے اور یہ کہنا کہ اس سے مطلب یہ تھا کہ لوگ تم پر الزام لگائینگے تو تم جواب نہ دے سکوگی اسلئے خاموش رہو ۔ درست نہیں اسلئے کہ یہ تو حالت سفر تھی سرائے کے باہر پڑے تھے اندر بھی جگہ نہ ملی تھی ۔ وہاں

۲۷ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝

پھر وہ اسے سوار کئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی۔ انہوں نے کہا اے مریم تو ایک بناوٹ بنا لائی ہو ۱۹۹۴

کون جانتا تھا کہ یہ مریم کون ہے اور اس نے بچہ بن باپ کے جنا ہے۔ قرآن کریم کے پرحکمت الفاظ پر بھی غور نہیں کیا۔ من البشر احداً صاف

خاموشی کا روزہ شریعت اسلام نے منسوخ کر دیا

بتاتا ہے کہ کسی انسان سے بھی کلام نہیں کرنا یہانتک کہ یوسف سے بھی نہیں کیونکہ وہ بھی بشر میں داخل ہے یہ خاموشی کا روزہ صرف ذکر الٰہی کیلئے تھا۔ اور یہودی ایسا کرتے تھے کہ ذکر الٰہی کیلئے خاموشی کا روزہ رکھتے تھے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی اور نبی کریم صلعم نے اسے منع کر دیا (د) اور حضرت ابوبکر ایک عورت پر داخل ہوئے جس نے نذر مانی تھی کہ کلام نہ کرے گی تو آپ نے فرمایا کہ اسلام نے اسے منسوخ کر دیا ہے (د)۔ ہاں اس قصہ سے اس قدر سبق ہر مسلمان کو اب بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر کس طرح شکر گزاری کرے۔

حمل

۱۹۹۴ تحمله سے مراد گود میں اٹھانا ہی نہیں بلکہ سواری دینا بھی ہے دیکھو ۱۳۳۵ یا سوار کرنا +

فریا

فریّا۔ فَرِیَ کے معنی ہیں قطع کیا ۳۹۵ اور فَرِیًّا کے معنی عظیم عجیب اور بناوٹی ہیں (غ)

حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت کے حالات

مفسرین کا خیال تو یہ ہے کہ حضرت مریم حاملہ ہو جانے پر اپنے رشتہ داروں سے بھاگ گئی تھیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ بچہ جنتے ہی پھر اسے گود میں لئے قوم کے پاس پہنچیں یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں اگر وہ اس خوف سے بھاگتیں کہ لوگ مجھ پر الزام لگائینگے تو پھر بچہ کو اٹھاتے ہوئے آنے کے کیا معنی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ پھر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ بچہ خود الزام کا جواب دے لیگا یہ تو اس تفسیر کے مطابق پہلے سے علم تھا ویکلم الناس فی المهد اسلئے یہ قصہ بنانا پڑا کہ شیطان نے یہودیوں کو خبر دیدی تھی کہ مریم کے ہاں لڑکا ہوا ہے اسلئے انہوں نے اسے بلا بھیجا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ واقعہ بالکل الگ ہے اور حضرت عیسیٰ کی ولادت کے ساتھ اس ذکر کو چھوڑ دیا ہے یہانتک کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کا زمانہ آجاتا ہے اور یہ بالکل اسکے مطابق ہے جو پچھلے رکوع میں حضرت یحییٰ کے ذکر میں طرز اختیار فرمائی تھی یعنی بشارت دیکر اور اس پر تسبیح کا ارشاد کرکے فوراً فرمایا یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ حالانکہ یحییٰ کے پیدا ہونے کا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں ولادت کے ذکر کے بعد حضرت مریم کو ذکر و تسبیح کا ارشاد کرکے اسے طرح حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت کا ذکر کیا ہے۔ اور پچھلی آیت کا تعلق اس مضمون سے کوئی نہیں۔ اور اس پر قطعی دلیل یہ ہے کہ اس موقع پر جو کچھ حضرت مریم کو کہا گیا اور اس کا جو جواب حضرت عیسیٰ نے دیا وہ یقیناً اور قطعاً زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کہتے ہیں جعلنی نبیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اتانی الکتاب مجھے کتاب دی ہے اور یہ کہنا کہ یہ باتیں لامحالہ واقع ہونے والی ہونیکی وجہ سے ماضی کے صیغہ میں بیان کی گئی ہیں اور مراد استقبال ہے تو اوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا کے کس طرح معنی کئے جائینگے اور وہ مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیگا جبتک میں زندہ رہوں گویا جب کلام کر رہے ہیں اسوقت ما دمت حیا میں داخل نہ تھے۔ اور لفظ جعلنی کے معنی کس طرح کرینگے یہ سب ماضی کے صیغے ہیں یا تو ان سب کے معنی مستقبل کے ہونگے اور وہ ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ پھر لازم آتا ہے کہ کلام کرنے کے وقت حضرت عیسیٰ زندہ نہ ہوں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ بعض مستقبل کے صیغے مانے جائیں اور بعض ماضی کے کیونکہ اس صورت میں ایک دن یا چالیس دن کے بچے کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم ملنا بے معنی ہے پھر کیا حضرت عیسیٰ ایک ماہ کی عمر میں ماشاء اللہ نمازی اور تہجد خواں بھی تھے اور کسی مال کے مالک بھی تھے؟ اور یا ماننا پڑیگا کہ اس کلام کے کرتے وقت حضرت مسیح نبی بن چکے تھے۔ انجیل ان پر نازل ہو رہی تھی۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم مل چکا تھا اور ان پر یہ الزام تھے کہ یہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے جس کا جواب انی عبد اللہ میں ہے اور یہ کہ ماں سے بھی اچھا سلوک نہیں کرتا اور یہ واقعہ اناجیل میں بھی موجود ہے جس کا جواب براً بوالدتی میں ہے اور یہ کہ یہ ایک سرکش آدمی ہے جو علماء اور گدی نشینوں کو برا کہتا ہے جس کا جواب لم یجعلنی جباراً شقیا میں ہے۔ اور اسکے سوائے چارہ نہیں پس فاتت به قومها تحمله

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ۖ ۲۸ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ ۲۹

اے ہارون کی بہن تیرا باپ بُرا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی ۱۹۹۵ تو اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم کس طرح اس سے کلام کریں جو ابھی کل، جھولے میں لڑکا تھا ۱۹۹۶

حضرت عیسیٰ کا گدھی پر سوار ہونا

لازماً حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت مریم کی گود میں نہ تھے بلکہ سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوئے تھے۔ اور سوار ہو کر داخل ہونا کسی خاص غرض سے تھا جیسا کہ انجیل میں ہے دیکھو متی ۲۱ باب جس میں حضرت مسیح کے یروشلم پہنچنے کا اور گدھی یا گدھی کے بچے یا دونوں پر سوار ہونے کا ذکر ہے" اور گدھی اور بچے کو لا کر اپنے کپڑے ان پر ڈالے اور وہ ان پر بیٹھ گیا" (متی ۲۱: ۷) اور "یہ اسلئے ہوا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو" (متی ۲۱: ۴)

حضرت مریم کا ساتھ ہونا

اور حضرت مریم کا ساتھ ہونا اسلئے بیان کیا کہ اناجیل کے بعض بیانات سے پایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ اور ان کے بھائی گویا ان پر ایمان نہ لاتے تھے۔ تو والدہ کے ساتھ ہونے کو اس کی تردید کیلئے بیان کیا ہے کیونکہ اگر فی الواقع یہ سچ ہے کہ حضرت مریم بھی حضرت عیسیٰ کو جھوٹا مانتی تھیں تو پھر آپ کی نبوت پر اور خود حضرت مریم کے صدیقہ ہونے پر سخت شبہات وارد ہوتے ہیں اور اناجیل سے ہی کئی موقعوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہتی تھیں

شیئاً فریاً

اور فقیہوں وغیرہ کا یہ کہنا کہ اے مریم تو ایک بناوٹ بنا لائی ہے یا تو ایک عجیب چیز لائی ہے اسی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ ایک طرف انکے نزدیک خدائی کا دعویٰ ہے دوسری طرف حضرت مسیح نے اپنے وعظوں میں اپنی

حضرت مسیح کے کلمات بزرگان یہود کے حق میں

قوم کے علماء کے ساتھ سختی بھی کی تھی اور ایسے ایسے الفاظ میں انہیں خطاب کیا تھا "اے سانپ کے بچو تم برے ہو کر کیونکر اچھی باتیں کہہ سکتے ہو" (متی ۱۲: ۳۴) "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بیدینی سے بھرے ہوئے ہو" (متی ۲۳: ۲۷ و ۲۸) "اے سانپو اے افعی کے بچو" (متی ۲۳: ۳۳) حضرت مسیح کی عمر اس وقت تیس بتیس سال کی بتائی جاتی ہے اس لئے انہوں نے انکو نوعمری کی وجہ سے قابل خطاب بھی نہیں سمجھا جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے اور ماں سے خطاب کیا +

اخت ھارون

۱۹۹۵ اخت ھارون۔ حضرت مریم کو ان الفاظ میں خطاب کیا ہے دیکھو ۱۹۸۰ تعجب ہے کہ عیسائی اعتراض کرتے ہیں جن کی اپنی انجیل میں موجود ہے۔ اے یوسف ابن داؤد۔ اور جہاں بار بار مسیح کو ابن داؤد کہا گیا ہے اور اس خطاب میں ایک گونہ حضرت مریم کی بزرگی کا اعتراف بھی ہے۔ کیونکہ حضرت ہارون کی طرف آپکو نسبت دی گئی +

یہودیوں کا اعتراض حضرت عیسیٰ پر تھا یا مریم پر

اور ان کا یہ کہنا کہ تیرا باپ برا نہ تھا اور تیری ماں بدکار نہ تھی یا لونڈی نہ تھی (دیکھو ۱۹۸۷) میں بھی اشارہ حضرت مسیح کیطرف ہی ہے کہ یہ ہمیں گالیاں دیتا ہے اور تمہارا خاندان تو اچھا خاندان تھا یہ ایسا کہاں سے پیدا ہو گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہودیوں نے مریم پر زنا کا بہتان تو باندھا ہے تو کیوں وہی مراد نہ سمجھا جائے تو وہ باندھنے والے پچھلے لوگ ہیں وقولھم علی مریم بھتاناً عظیما وقولھم انا قتلنا المسیح (النساء ۴-۱۵۶-۱۵۷) پیچھے جب مخالفت حد کو پہنچ گئی تو اس مخالفت کے جوش میں سب کچھ کہدیا۔ اور اگر مریم پر جھوٹا الزام بھی دیا ہو تو کیا شادی شدہ عورتوں پر بہتان نہیں باندھے جاتے مگر سیاق سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ذکر زمانہ نبوت حضرت عیسیٰ کا انکے مزعومہ خدائی کے دعوی کا اور انکی مزعومہ سختی کا ہے جو وہ بزرگان قوم پر کرتے تھے بلکہ خود ماں سے بھی کرتے تھے

اشار

۱۹۹۶ اشارت۔ اشاد یشیر کا مادہ شور ہے (۲۰۰۲) اور اسی سے شورٰی ہے حضرت مریم نے بجائے خود جواب دینے کے حضرت

۳۰ ۳۱ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا

(عیسیٰ) کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا

۳۲ اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّبَرًّا

جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا ہے جبتک میں زندہ رہوں اور اپنی

بِوَالِدَتِیْ ۡ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝

ماں سے نیکی کرنیوالا (ہوں) اور اس نے مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا ۱۹۹۷

مسیح کی طرف اشارہ کیا یہ خاموشی کے روزہ کی وجہ سے نہ تھا جیساکہ اوپر بیان ہو چکا اور یہ خود اس سے بھی ظاہر ہے کہ خاموشی کے روزہ پر یہ حکم تھا فقولی انی نذرت للرحمٰن صوماً فلن اکلم الیوم انسیا۔ یعنی اگر کوئی پوچھے تو اسے بتا دو کہ میں نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا ہے مگر یہاں انہوں نے بتایا کچھ نہیں اور بات بھی یہی معقول تھی اعتراض تو حضرت مسیح پر تھا آپ اس کا کیا جواب دیتیں آپنے ان کی طرف اشارہ کرو یا کہ خود انہی سے دریافت کرو مجھے کیا کہتے ہو تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم کل کے بچہ سے کیا بات کریں حضرت عیسیٰ تیس سال کے نوجوان تھے پرانے بزرگوں کے سامنے وہ بچہ ہی تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ جو ہمارے سامنے کا بچہ ہے ہم اس سے کیا خطاب کریں اسکے سوائے من کان فی المھد صبیا کے کچھ معنی نہیں بنتے مفسرین نے خود اس مشکل کو محسوس کیا ہے واستشکلت الاٰیة بان کل من یکلمه الناس کان فی المھد صبیا قبل زمان تکلیمه (ر) یعنی اس آیت میں اشکال اٹھا ہوا ہے اسلئے کہ ہر شخص جس سے لوگ بات کرتے ہیں وہ گفتگو کے زمانہ سے پہلے جھولے میں بچہ رہ چکا ہے اور یہ کس قدر ظاہر بات ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ اس کلام کے وقت بھی بچہ ہوتے تو انہیں کہنا چاہئے تھا کیف نکلم من ھو فی المھد صبی کان کا استعمال خود بتاتا ہے کہ کلام کرنے والا اس حالت سے نکل چکا ہے رہا یہ کہ زمانہ قریب میں نکل چکا ہے یا بعید میں اس سے بحث نہیں لیکن قرآن کریم کے الفاظ کی صراحت بتاتی ہے کہ اس کلام کے وقت حضرت عیسیٰ مھد میں نہ تھے اور بچپن کی حالت سے نکل چکے تھے رہا یکلم الناس فی المھد سو دیکھو ۴۲۶ اور ایک یا دو دن کا بچہ تو اس وقت بھی فی المھد نہیں کہلا سکتا۔ مھد کا وقت بھی کچھ بعد ہی آتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے ایک یا دو دن کی عمر میں لوگوں کو یہ بتا دیا ہو کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ تو جوانی کو پہنچنے پر کون یہودی کتنا بھی سخت دل ہوتا اس کا انکار کرتا۔ وہ جانتے تھے کہ مریم نے کل بچہ جنا ہے وہ جانتے تھے کہ ایک دن کا بچہ سوائے رونے کے کچھ نہیں جانتا پھر جب وہ اس قدر باتیں اس سے سن چکے ہوتے اور اس نے اپنی نبوت کی خبر پیدا ہوتے ہی دیدی ہوتی تو کس یہودی کا سر پھرا تھا کہ وہ کہتا یہ افترا کرتا ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر انکار حضرت عیسیٰ کا ہوا انبیائے بنی اسرائیل میں سے اور کسی کا انکار اس قدر نہیں ہوا پس یہ تمام باتیں ایک ہی امر کو قطعی اور یقینی ٹھہراتی ہیں کہ یہ زمانہ نبوت کا کلام ہے نہ پیدائش کے فوراً بعد کا ٭

کان فی المھد صبیا کا مفہوم

حضرت عیسیٰ پر اعتراضات اور انکا جواب اور یہ کہ یہ اتمام حجت

۱۹۹۷ اس جواب میں جو آیت ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ میں حضرت عیسیٰ نے دیا ہے ذیل کی باتیں کہی ہیں۔ میں[۱] اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے[۲] کتاب ملی ہے۔ میں[۳] نبی بنایا گیا ہوں۔ میں[۴] بابرکت ہوں یہاں رہوں یا دوسری جگہ جاؤں۔ مجھے[۵] جبتک زندہ ہوں نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم ملا ہے۔ میں[۶] اپنی ماں سے حسن سلوک کرتا ہوں انکی گستاخی نہیں کرتا۔ میں[۷] جبار شقی نہیں کہ بزرگوں اور نیکوں کو برا کہوں اب جیساکہ میں نے کہا یہ زمانہ نبوت کا کلام ہے۔ اس صورت میں ہر ایک جواب اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہے۔ اپنی عبودیت

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ ۳۳

اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا

کا اعتراف اسلئے کیا کہ لوگ آپکی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کرتے تھے۔ اس کی قطعی تردید کی۔ اناجیل سے ثابت ہو کہ حضرت مسیح پر جو سب سے بڑا الزام یہودیوں نے لگایا تھا وہ یہی تھا کہ یہ خدا بنتا ہو۔ اسلئے سب سے پہلے اسی کا جواب دیا جب خدا نہیں تو پھر کیا ہو۔ اٰتٰنی الکتاب مجھے کتاب ملی ہو کتاب ملنے سے توریت کا جاننا مراد نہیں تھا بلکہ بحیثیت نبی اللہ تعالیٰ کیطرف سے کتاب کا ملنا اسلئے ساتھ ہی اپنے نبی ہونے کا ذکر کیا گویا بتایا کہ جس طرح پہلے تم میں نبی ہوتے رہے میں بھی نبی ہوں اور آیت ۳۰ کی یہ تینوں باتیں گویا ایک خدائی کے دعوے کے اعتراض کا جواب ہیں اور پھر آیت ۳۱ میں اپنی نبوت پر دلیل دی کہ میں بابرکت ہوں یعنی میرا پیغام مقبول ہو یہاں بھی مقبول ہو رہا ہے کیونکہ باوجود علماء کی مخالفت کے لوگ انکے ساتھ تھی بھی تھے بلکہ انکی خاطر سب کچھ چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گئے تھے اور اینما کنت میں پیشگوئی ہو کہ میں کسی دوسری جگہ جاؤں گا اور وہاں بھی میرا پیغام مقبول ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہو کہ میں نیکی پر عمل پیرا ہوں اور اسی کا حکم دیتا ہوں اسلئے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا کہ یہی دو باتیں تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہیں اور نیکی پر عامل ہونا اور اس کی تعلیم دینا یہی انبیاء کا کام ہوتا ہو۔ یہ دلیل انجیل میں بھی دی ہو کہ تم میری تعلیم کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہو شیطان نیکی کی تعلیم کس طرح دے سکتا ہو۔ اسکے بعد آیت ۳۲ میں ان اعتراضات کا جواب دیا جو سخت کلامی کے متعلق تھے اول ماں کے متعلق کہ میں ہرگز ان کی گستاخی نہیں کرتا بلکہ ان سے نیکی کرتا ہوں دوسرا اوروں کے متعلق کہ میں جبار شقی نہیں کہ خواہ مخواہ دوسروں کو برا کہوں اور ان پر زیادتی کروں۔ اور عجیب بات یہ ہو کہ ان تمام باتوں میں اگر یہودیوں کے اعتراضات کا جواب ہو تو ساتھ ہی عیسائیت پر بھی اتمام حجت ہو +

حضرت مسیح کے ماں سے نیکی کا ذکر بالخصوص کیوں کیا

برا بوالدتی۔ بالخصوص قابل توجہ ہو اسلئے کہ کہا جاتا ہو کہ اس سے یہ دلیل پیدا ہوتی ہو کہ آپ کا باپ کوئی نہ تھا۔ یہ دلیل صحیح نہیں کیا ممکن نہیں کہ باپ مر چکا ہو۔ اور اصل بات یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ پر اعتراض تو یہ تھا کہ یہ اپنی والدہ سے سختی کرتے ہیں اور اناجیل میں بھی لکھا ہو کہ آپ کو "اے عورت" کہکر خطاب کیا کرتے۔ اور ایک واقعہ بھی لکھا ہو کہ آپ کی والدہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تھی تو آپنے اجازت نہ دی تھی "کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے باتیں کرنی چاہتے ہیں اس نے خبر دینے والے کے جواب میں کہا کون ہو میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہو" (متی ۱۲: ۴۷ - ۵۰) اب اس واقعہ کی اصلیت کچھ ہی ہو اور اس میں شک نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت مسیح کے بھائی آپ پر صرف ایمان نہ لاتے تھے بلکہ شاید مجنون سمجھتے تھے۔ لیکن ماں جو ایک راستباز عورت تھی وہ ایک نبی کی منکر نہ ہوسکتی تھی اور غالباً اصل واقعہ میں یا کچھ ملاوٹ ہوگئی ہو اور یا ممکن ہو کہ ماں بھائیوں کو سفارش کے طور پر لائی ہو اسلئے ان کا نام بھی ساتھ آگیا۔ بہرحال جن باتوں کا اس سے استدلال ہوتا ہو کہ ماں سے حضرت مسیح سختی کرتے تھے اور کہ حضرت مریم آپ پر ایمان نہ لائی تھیں۔ ان دونوں کی تردید قرآن کریم نے کی ہو۔ سختی کا جواب تو یہ دیا کہ برا بوالدتی۔ ماں سے میں نیکی کا سلوک کرتا ہوں ان کی گستاخی نہیں کرسکتا اور ماں کے ایمان کے متعلق دوسری جگہ فرمایا اُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ (المائدہ۔ ۷۵) اور یہی وجہ ہو کہ ان دو باتوں کے ذکر کی ضرورت ہوئی یعنی حضرت عیسیٰ کے والدہ سے نیکی کرنے کی اور ان کی والدہ کے راستباز اور مومن عورت ہونے کی۔ یہ ہو وہ پرحکمت طریق جس سے قرآن کریم نے حضرت مسیح اور انکی والدہ سے ہر قسم کے الزامات کو دور کیا ہو +

اُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی

انی عبد اللہ والا کلام زمانہ طفولیت کا نہیں ہو

یوں زمانہ نبوت کا کلام قرار دیکر یہ کلام کیسا پرحکمت ٹھہرتا ہو کہ جس کے ایک ایک لفظ میں نہ صرف تمام اعتراضات کا جو

۳۴ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ○ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

اور جس دن میں مروں اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں ۱۹۹۸ یہ مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے یہ سچائی کی بات ہے

۳۵ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ○ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ

جس کے بارہ میں وہ جھگڑتے ہیں اللہ کو شایاں نہیں کہ وہ کوئی بیٹا بنائے وہ پاک ہے

إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○

جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو سو وہ ہو جاتا ہے ۱۹۹۹

آپ پر کئے جاتے تھے اور جنکو عیسائیوں نے بھی مسیح کو خدا بنانے کیلئے قبول کر لیا ہے جواب آگیا ہے بلکہ ساتھ ہی اپنے دعوی کو بھی صاف کر دیا ہے لیکن اگر اسے بچپن کا کلام سمجھا جائے تو اس سے کیا غرض پوری ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم پر جو اعتراض تھا کہ بن باپ بچہ کیونکر ہو گیا یہ اس کا جواب ہے۔ میں کہتا ہوں اگر اس کا جواب ہوتا تو حضرت عیسیٰ کو صاف کہنا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا کر دیا اور میرا اس وقت کلام کرنا اور یہ شہادت ادا کرنا اس پر کافی دلیل ہے بجائے اسکے کہ وہ ذکر یہ شروع کر دیتے ہیں کہ میں خدا نہیں خدا کا بندہ ہوں نبی ہوں صاحب کتاب ہوں نماز پڑھتا ہوں زکوٰۃ دیتا ہوں ماں سے اچھا سلوک کرتا ہوں جبار شقی نہیں ہوں۔ تو کیا جو شخص ایسا ہو وہ بن باپ پیدا ہوا کرتا ہے اس قسم کے تو بہت لوگ بنی اسرائیل میں ہو چکے تھے۔ ابھی یحییٰ کا ذکر گزر چکا جو اس سے کم نہیں بڑھکر ہی ہے تو کیا وہ بن باپ ہوئے تھے اسلئے ان میں یہ صفات تھیں یہ سچ ہے کہ اس سے اس قدر استدلال تو ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے راستباز انسان کی ماں زانیہ نہیں ہو سکتی۔ گو عیسائیوں نے تو اسکے خلاف بھی کہا ہے لیکن اصل اعتراض کا جواب کچھ نہ آیا اور پھر یہ ساری باتیں بے ضرورت تھیں ایک بچہ کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا کہ یہ بڑی راستباز ہے اور میں نبی بنوں گا مگر وہ اپنے متعلق سب کچھ کہتے ہیں لیکن والدہ کے متعلق ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے جس سے انکے جواب کا کوئی تعلق حضرت مریم پر الزام کے ساتھ سمجھا جائے +

علاوہ ازیں بچہ کا کلام ہو کر کچھ معنی نہیں بنتے اور بالخصوص اوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا اس ساری توجیہ کو قطعی طور پر غلط ٹھہراتا ہے۔ ما دمت حیا اس صورت میں اس کے ساتھ مل سکتا ہے جب حکم نازل چکا ہو اور بچہ کو حکم نماز بے معنی ہے پھر زکوٰۃ کا حکم اور بھی بے معنی ہے مفسرین نے اس مشکل کو یوں دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ صلوٰۃ سے مراد محض دعا ہے اور زکوٰۃ سے مراد تطہیر نفس ہے اور اس ذریعہ سے شاید آسمان پر بٹھانے کی مشکل کو بھی حل کرنا چاہا ہے مگر یہی ما دمت حیا کی شرط یہاں بھی کچھ نہیں بننے دیتی وفات کے بعد دعا اور تزکیہ کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا پس یہاں وہی صلوٰۃ اور زکوٰۃ مراد ہے جو اس دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے اور یہ الفاظ نہ صرف اسی بات کو غلط ٹھہراتے ہیں کہ یہ بچپن کا کلام ہے بلکہ ساتھ ہی حضرت مسیح کے آسمان پر ہونے کو غلط ٹھہراتے ہیں کیونکہ اس خاص صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا تعلق اس زمین پر ہے

۱۹۹۸ یہ وہی لفظ ہیں جو حضرت یحییٰ کے حق میں ہیں پس وہی تین زندگیاں حضرت مسیح کیلئے ہیں جو اوروں کیلئے ہیں یعنی ایک ولادت سے لیکر وفات تک اس زمین پر زندگی۔ ایک وفات سے لیکر قیامت تک یعنی برزخ کی زندگی ایک بعد قیامت۔ اگر آسمان پر جانا اور وہاں سے آترنا بھی کوئی حقیقت رکھتا تو اس قدر اہم واقعہ کا ذکر بھی یہاں ہونا چاہئے تھا +

۱۹۹۹ ان دو آیتوں میں کھول کر بتا دیا کہ اصل غرض اس بحث کی عیسائیت پر اتمام حجت ہے جو مسیح کو خدا بناتی ہے۔ اور فیہ یمترون میں مراد نصاری کا جھگڑا رسول اللہ صلعم سے ہے کیونکہ آگے ان یتخذ من ولد میں اسی کی تردید ہے +

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم مسیح کے آسمان پر ہونے کو غلط ٹھہراتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ ۳۶ ۳۷

اور بیشک اللہ میرا رب اور تمہارا رب ہے سو اسکی عبادت کرو یہ سیدھا رستہ ہے پھر انکے درمیان

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

فرقوں نے اختلاف کیا سو ان پر جنہوں نے کفر کیا ایک عظیم الشان دن کے حاضر ہونے پر افسوس ہے ۲۰۰۰

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۳۸

وہ کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہونگے جس دن ہمارے سامنے آئینگے لیکن ظالم آج کھلی گمراہی میں ہیں

وقف لازم

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۳۹

اور انہیں حسرت کے دن سے ڈرا جبکہ معاملہ کا فیصلہ ہو چکا ہے ۲۰۰۱ اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے

ع ۶ ۱۰ — حضرت ابراہیم

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ ۴۰ ۴۱

یقیناً ہم ہی زمین کے وارث ہیں اور (انکے بھی) جو اس پر ہیں اور وہ ہماری طرف لوٹائے جائینگے اور کتاب میں ابراہیم (کی خبر)

اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ ۴۲

کو بیان کر یقیناً وہ صدیق نبی تھا ۲۰۰۲ جب اس نے اپنے بزرگ سے کہا اے میرے بزرگ تو کیوں اس کی عبادت کرتا ہے

عیسائیت کے فرقوں کا باہم اختلاف

۲۰۰۰ احزاب یا فرقوں (۱۴۵۱) سے مراد عیسائیت کے مختلف فرقے ہیں (ج)، انکے باہمی اختلافات حضرت عیسیٰ کے بارہ میں بہت ہیں اور ہر ایک عقیدہ باطلہ کا یہی حال ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے فرقوں اور عیسائیوں کے فرقوں میں کتنا فرق ہے کہ وہ سب فرقے حتیٰ کہ سنی اور شیعہ بھی رسول اللہ صلعم کے متعلق کوئی اختلاف ایسا نہیں رکھتے کہ آپکا مرتبہ کیا تھا اور ان میں اصولی اختلاف کوئی نہیں مگر عیسائیوں کے تمام فرقوں میں ایک دوسرے سے اصولی اختلاف ہے اور کوئی دو فرقے اس پر اتفاق نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ کو کیا کہیں اور ان لچر

کتبخانہ اسکندریہ

بحثوں سے دفتروں کے دفتر سیاہ ہوئے ہیں۔ انہی سے اسکندریہ کا کتبخانہ بھرا ہوا تھا جسکے جلانے کا غلط الزام حضرت عمر پر عیسائی دیتے ہیں۔ گبن اس الزام کی تردید کرکے لکھتا ہے کہ اگر ان فضول بحثوں سے بھری ہوئی کتابوں کو واقعی عمر نے جلا کر چھ ماہ تک اسکندریہ کے حمام گرم رکھے تو اس سے بہتر مصرف ان کتابوں کا اور نہ ہو سکتا تھا +

۲۰۰۱ یوم الحسرۃ سے مراد قیامت ہے اس لئے کہ اس دن عمل کے ہاتھ سے جاتے رہنے سے شدت غم ہوگی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی ایک لمبے زمانہ تک حالت غفلت میں رہینگے اور ایمان نہ لائینگے اور اسی لئے اگلی آیت میں بتایا کہ انہیں حکومت اور ملک ملیگا مگر آخر یہ چیزیں ہماری ہی طرف واپس آئینگی +

۲۰۰۲ اس سورت کا اصل مضمون عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور حضرت ابراہیم کا ذکر اسلئے کیا کہ آپ ان تمام انبیاء کے مورث اعلیٰ ہیں جو سلسلہ اسرائیلی میں ہوئے جن میں سے ایک حضرت عیسیٰ بھی ہیں اور بلحاظ قبولیت آپکا مرتبہ بہت ہی بلند ہے اسلئے کہ یہودی اور عیسائی اور مشرکین عرب اور مسلمان سب آپکی راستبازی کے قائل تھے۔ اور توجہ اس عظیم الشان سلسلہ نبوت کی طرف

۴۳ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ

جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ کچھ تیرے کام آسکتا ہے اے میرے بزرگ یقیناً مجھے علم کا وہ حصہ

۴۴ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ

ملا ہے جو تجھے نہیں ملا سو تو میری پیروی کر میں تجھے سیدھا رستہ دکھاؤنگا اے میرے بزرگ شیطان کی عبادت مت کر

۴۵ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ

کیونکہ شیطان رحمان کا نافرمان ہے ۲۰۰۳ اے میرے بزرگ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمان کی طرف سے کوئی

۴۶ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ

عذاب آ پہنچے تو تو شیطان کا مددگار بن جائے ۲۰۰۴ اس نے کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے منہ موڑتا ہے

۴۷ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا

اگر تو باز نہ آئیگا میں تجھے دھتکار دونگا اور تو ایک مدت مجھ سے الگ ہو جا ۲۰۰۵ کہا تجھ پر سلامتی ہو میں اپنے رب سے تیرے لئے استغفار کرونگا بیشک وہ مجھ پر غایت درجہ کا مہربان ہے ۲۰۰۶

ولائی ہے جو حضرت ابراہیم سے شروع ہوتا اور حضرت عیسیٰ پر ختم ہوتا ہے +

صدیق کیلئے دیکھو ۵۸۶ و رنبی کے متبع بھی مرتبہ صدیقیت کو پاتے ہیں اور وہ خود بھی صدیق ہوتا ہے یعنی ایمان کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچا ہوا اور صدیق کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے اس سے کبھی جھوٹ سرزد نہ ہو۔ اسلئے حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لم یکذب قط (ر) پس وہ حدیث غلط ہے جس میں تین دفعہ جھوٹ بولنا حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کیا گیا ہے یوں حضرت ابراہیم کے متعلق جو ایک ہی بات ان کی عصمت کے خلاف بیان کی جاتی ہے اس کی تردید کرکے حضرت ابراہیم کی عصمت کو قائم کیا ہے؟

حدیث لم یکذب ۲۰۰۲ الا ثلثا غلط ہے

حضرت ابراہیم کی عصمت

۲۰۰۳ شیطان کو کوئی معبود نہیں کہتا مگر چونکہ عبادۃ غایۃ تذلل کا نام ہے اسلئے جو لوگ شیطان کے آگے غایت درجہ کا تذلل اختیار کرتے ہوئے اس کی ہر آواز کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں وہ گویا اسی کی عبادت کرتے ہیں بعض نے شیطان کی عبادت سے مراد بتوں کی عبادت لی ہے اسلئے کہ شیطان ہی اس کی تحریک کرتا ہے (ر)، ابراہیم کے اس اب کے متعلق دیکھو ۹۶۷

شیطان کو معبود بنانے سے مراد

۲۰۰۴ رحمان کی طرف عذاب کی نسبت اسلئے کی کہ اس کا رحم تو اتنا بڑا ہے کہ بلا بدل بھی رحم کرتا ہے پس اس کا عذاب سوائے اس کے نہیں آتا کہ انسان حد سے نکل جائے یا شاید اسلئے کہ ایک رنگ میں بت پرست رحمانیت کا منکر ہے۔ اور اس عذاب کا نتیجہ یہ بتایا کہ تو شیطان کا ولی بن جائے یعنی دوسروں کے بہکانے میں شیطان کا مددگار ہو جائے پس اس عذاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے گو اس میں کوئی ظاہری دکھ نہ ہو۔ یعنی خود شیطان کا اتباع کرتے کرتے تو اللہ سے اس قدر دور پڑ جائے تو پھر خود دوسروں کو غلط راہ پر ڈالنے لگے اسی دوری کو یہاں عذاب کہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری سب سے بڑا عذاب ہے +

شیطان کا ولی بنے گا

اللہ تعالیٰ سے دوری

۲۰۰۵ رجم کے معنی پر اکنا دھتکارنا بھی آتے ہیں ۱۲۵۸ یہاں یہی معنی مروی ہیں (ج)، ملی کیلئے دیکھو ۵۰۳ +

رجم

۲۰۰۶ حفیّ - حَفِیَ - احفا کیلئے دیکھو ۱۱۵ اور حفارۃ قدم اور پیر کے ننگا ہونے کو کہتے ہیں اور حَفِیَ بالرجل کے معنی ہیں اسکے اکرام میں غایت درجہ کو پہنچا۔ اسلئے حَفِیّ وہ مہربانی کرنیوالا ہے جو اکرام میں غایت درجہ کو پہنچے (ل)، اور کسی چیز کا علم رکھنے والے کو بھی کہتے ہیں

حفیّ

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝ ۴۸

اور میں تم سے الگ رہونگا اور اس سے جسے تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو اور میں اپنے رب سے دعا کرونگا امید ہے میں اپنے رب سے دعا کر کے محروم نہیں رہونگا

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ ۴۹

سو جب ان سے الگ ہو گیا اور اس سے جس کی وہ اللہ کے سوائے عبادت کرتے تھے ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب دیئے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا ۲۰۰۷

وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ ۵۰

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ہم نے ان کیلئے سچا ذکر بلند کیا ۲۰۰۸

ع ۳ ۱۵ — حضرت عیسیٰ کے پہلے اور انبیاء

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ ۵۱

اور کتاب میں موسیٰ (کی خبر) کو بیان کر وہ ہر کھوٹ سے پاک تھا اور رسول نبی تھا ۲۰۰۹

دشمن سے پیار — یہاں بدی کے مقابل نیکی کا طریق سکھایا ہے وہ برا کہتا ہے حضرت ابراہیم سلام علیک فرماتے ہیں اور استغفار کرنیکا وعدہ کرتے ہیں دشمن سے یہ پیار کا عملی ثبوت ہے عیسائیوں کا فخر کہ یہ تعلیم حضرت عیسیٰ نے دی بیجا ہے ہر نبی کی یہی تعلیم تھی اور یہی بتانا مقصود ہے استغفار ابراہیم کے لئے دیکھو ۱۳۵۵ +

۲۰۰۷ یہاں اسحاق اور یعقوب دینے کا ذکر ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی تو ہم نے اسے ایک ایسی نسل دی جس میں ایک مدت تک سلسلۂ نبوت چلا اسی لئے اسحاق کے ساتھ اسکے بیٹے یعقوب کا بھی ذکر کیا۔ یہاں حضرت اسمٰعیل کا ذکر اسی سے نہیں کیا اور اسلئے بھی کہ اسمٰعیل کا ذکر آگے علیحدہ آتا ہے کیونکہ اس سے ایک علیحدہ نسل چلی جس میں سے ہمارے نبی کریم صلعم پیدا ہوئے +

لسان — ۲۰۰۸ لسان۔ زبان یعنی عضو کو بھی کہتے ہیں اور اس کی قوت کو بھی (غ) اور لسان صدق کیلئے دیکھو ۱۳۷۱ اور واحلل عقدۃ من لسانی (طٰہٰ۔ ۲۷) میں مراد قوت لسان ہی ہے نہ خود لسان اسلئے کہ عقدہ قوت لسان یعنی نطق میں تھا نہ زبان میں (غ) +

اَخْلَصَ مُخْلَص مُخْلِص سورۃ الاخلاص — ۲۰۰۹ مخلص۔ اَخْلَصَہٗ اَمْحَضَہٗ (ل)، یعنی اَخْلَصَ کے معنی ہیں ایک چیز کو ہر قسم کی آمیزش سے پاک کیا یا رکھا اسلئے مُخْلَص وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی میل یا کھوٹ سے پاک رکھا ہو اور مُخْلِص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو ہر آمیزش سے پاک رکھے اسلئے قل ھو اللہ احد کا نام سورۃ الاخلاص ہے کیونکہ اس میں توحید کو ہر آمیزش سے پاک کیا گیا ہے (ل) +

حضرت موسیٰ کی عصمت، رسول نبی — چونکہ سورت کا اصل مضمون عیسائیت پر اتمام حجت ہے اسلئے حضرت ابراہیم کے بعد سلسلۂ اسرائیلی کے اس عظیم الشان نبی کا ذکر کیا جو اس سلسلہ کا بانی ہے۔ اور باقی تمام انبیاء کے ذکر کو چھوڑ دیا۔ لیکن ہارون کا ذکر ساتھ کر دیا اسی بات کیطرف اشارہ کرنیکو جو ۱۹۸۳ میں بیان ہوئی۔ اور چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ کے بیگناہ ہونے پر بڑا زور دیتے ہیں اسلئے حضرت موسیٰ کو مُخْلَص فرمایا یعنی جو ہر قسم کی میل اور کھوٹ سے پاک تھا اس سے بڑھکر بیگناہی تصور نہیں ہو سکتی۔ اور یہاں حضرت موسیٰ کو رسول نبی کہا ہے۔ اصطلاح شرعی میں ہر ایک رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول ہے اسلئے جس کو ایک جگہ نبی کہا ہے اسے دوسری جگہ رسول کہا ہے مثلاً حضرت عیسیٰ کے متعلق اوپر فرمایا وجعلنی نبیا اور آل عمران میں فرمایا تھا و رسولاً الی بنی اسرائیل اور دونوں ناموں کو اکٹھا کرنے میں دونوں کے لغوی معنوں کیطرف اشارہ ہے۔ رسول کیلئے دیکھو ۱۱۰ وہ ہے جسے پیغام دیکر بھیجا جاتا ہے اور نبی وہ ہے دیکھو ۹۱ جسے اللہ تعالیٰ اپنی

۵۲ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ

اور ہم نے اسے بابرکت پہاڑ کی طرف سے پکارا اور اپنے راز بتاتے ہوئے اسے مقرب بنایا ۲۰۱۰ اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کا

۵۳ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ

بھائی ہارون نبی عطا فرمایا اور کتاب میں اسمٰعیل کی خبر کو بیان کر وہ وعدے کا سچا تھا اور

۵۵ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ ○ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ

رسول نبی تھا ۲۰۱۱ اور اپنے ساتھیوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک

۵۶ مَرْضِيًّا ○ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ ۙ

محل رضا تھا ۲۰۱۲ اور کتاب میں ادریس کی خبر کو بیان کر وہ صدیق نبی تھا

توحید کی خبر دیتا ہے اور اسے غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ اور چونکہ رسول سوائے پیغام الٰہی کے کسی اور چیز کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اس لئے بعد میں لفظ نبی لایا گیا +

۲۰۱۰ ایمن۔ یُمن کے معنی برکت ہیں اور اَیمن برکت والا (ل)، اور اس کے معنی دایاں بھی ہیں مگر پہاڑ کا دایاں یا بایاں ہونا کوئی معنی نہیں اور بابرکت پہاڑ کو ان برکات کی وجہ سے کہا جو وہاں حضرت موسیٰ پر نازل ہوئیں۔ اور یہاں ایمن جانب کی صفت بھی ہو سکتا ہے اور طور کی بھی +

یُمن

ایمن

نجی۔ نجاۃ کیلئے دیکھو ۔ اور ناجیتہ کے معنی ہیں سارَرتہ یعنی اسے اپنا رازدار بنایا اور اس کا اصل نجاۃ سے ہے یعنی تم اسکی ایسی بات میں مدد کرو جس میں اس کی نجات ہے (غ)، اور نجی مناجی ہے (غ) یعنی جسے اپنے راز پر اطلاع دیجاسکے +

نجی

۲۰۱۱ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت اسمٰعیل کا ذکر کیا ہے اسلئے کہ سلسلہ موسوی کے ختم ہونے کے بعد حضرت اسمٰعیل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور نبوت سلسلہ موسوی سے سلسلہ محمدی میں منتقل ہوتی ہے۔ اور حضرت اسمٰعیل کے صادق الوعد ہونے کے ذکر میں بائبل کے اس بیان کی تردید ہے کہ اسمٰعیل ایک وحشی آدمی تھا (پیدائش ۱۶ : ۱۲) اور ہمارے نبی کریم صلعم میں بھی یہ وصف کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اور اُمت محمدیہ میں بھی وعدہ کی سچائی کی صفت خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے بمقابلہ دوسری اقوام کے جن میں وعدہ توڑنا ایک معمولی بات ہے۔ حضرت اسمٰعیل قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے (د)، کیونکہ اس وقت مکہ میں کوئی آبادی نہ تھی بائبل میں ان کی رسالت کا ذکر نہیں +

حضرت اسمٰعیل کی رسالت

۲۰۱۲ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تعلیم سب انبیاء میں مشترک تھی یہ دو اصل دین کے ہمیشہ سے چلے آتے ہیں حضرت عیسیٰ کو بھی یہی حکم دیا تھا۔ حضرت اسمٰعیل بھی اپنے پیروؤں کو اسی راہ پر چلاتے تھے۔ اور آپ کے مَرضِیّ یا رضائے الٰہی کا محل ہونے میں یہ بتایا کہ ان سے کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف سرزد نہیں ہوا اور یہی مقام عصمت ہے +

حضرت اسمٰعیل کی عصمت

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِن ذُرِّيَّةِ

اور ہم نے اسے بلند مرتبہ پر رفع دیا ۲۰۱۳ یہ نبیوں میں سے وہ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا آدم کی

اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۡ وَّمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْرَآءِيلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

نسل ہو اور ان سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی

وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ السجدة

اور چن لیا جب ان پر رحمان کی آیتیں پڑھی جاتیں وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ۲۰۱۴

حضرت ادریس کا رفع

۲۰۱۳ حضرت ادریس وہی ہیں جن کا ذکر بائبل میں حنوک کے نام سے ہوا اور یہ حضرت نوح سے پہلے کے ہیں بعض کے نزدیک ان میں اور نوح میں ایک ہزار سال کا فرق ہو جس طرح نوح اور ابراہیم میں ایک ہزار سال کا فرق ہو اور یہ بھی کہا گیا ہو کہ وہ حضرت آدم کے بعد پہلے رسول ہیں۔ اور بائبل میں ہو کہ "حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لئے کہ خدا نے اسے لے لیا" پیدائش ۵: ۲۴) اور پولوس کہتا ہو "ایمان ہی سے حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے" (عبرانیوں ۱۱: ۵) اسی وجہ سے ہمارے بعض مفسرین نے بھی لکھ دیا ہو کہ حضرت ادریس زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور وہ چوتھے یا چھٹے آسمان پر ہیں اور بعض نے کہا کہ چوتھے آسمان پر ان کی روح قبض کر لی گئی ان باتوں کی کوئی اصلیت نہ قرآن شریف میں ہو نہ حدیث صحیح میں اور کعب احبار سے جو روایت ہو کہ ایک فرشتہ حضرت ادریس کا دوست انہیں چوتھے آسمان پر لے گیا تھا اور وہاں ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی تو اس کو نقل کر کے ابن کثیر نے لکھا ہو کہ یہ کعب کی اسرائیلیات ہیں اور ان میں بعض باتیں ناقابل قبول ہیں۔ اور رفعناہ مکاناً علیاً کی تفسیر حسن سے مروی ہو ھو شرف النبوۃ والزلفی عند اللہ تعالیٰ (د) یعنی اس سے مراد شرف نبوۃ اور قرب الٰہی ہو۔ اور پھر روایات کو نقل کر کے بتایا ہو کہ بلند مکان سے مراد علو شان اور بلند مرتبہ ہو تو یہ تعریف کی بات ہو ورنہ صرف اونچے مکان پر لے جانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا (د) اور حضرت ادریس کے رفع کا ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ رفع بھی حضرت عیسیٰ کی خصوصیت نہیں بلکہ سب انبیاء کا ہوا۔

انبیاء کی غیر تاریخی ترتیب میں حکمت

اس سورت میں جو ترتیب انبیاء ہو وہ تاریخی نہیں مگر اسکی وجوہات خاص ہیں۔ پہلے یحییٰ کا ذکر کیا جو حضرت عیسیٰ کے ذکر کے لئے بطور تمہید تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ کا جو اصل مقصود ہو پھر حضرت ابراہیم جہاں سے ایک عظیم الشان سلسلہ نبوت چلتا ہو اس میں آل ایک شاخ کے ذکر کو اسحاق یعقوب سے شروع کر کے جو ابتدا میں ہیں موسیٰ اور ہارون پر جو سلسلہ موسوی کی بنیاد رکھنے والے ہیں ختم کر دیا اور دوسری شاخ میں صرف حضرت اسمٰعیل کا ذکر کیا کیونکہ اس کے اول اسمٰعیل اور آخر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلعم ہیں پھر ادریس کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ سلسلہ نبوت کی بنیاد ابراہیم سے نہیں رکھی گئی بلکہ جب سے انسان ہوا اسی وقت سے انبیاء بھی ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ ترتیب اسی سورت سے خاص ہو۔ کیونکہ اس میں عیسائی مذہب پر اتمام حجت ہو۔

۲۰۱۴ آدم کی ذریت سے تو سب ہیں مگر یہاں قریب ترین جد کا ذکر کیا ہو۔ یعنی ادریس آدم کی ذریت سے۔ ابراہیم نوح کی ذریت سے اسحاق اور اسمٰعیل ابراہیم کی ذریت سے موسیٰ ہارون عیسیٰ یحییٰ اسرائیل کی ذریت سے۔ حضرت عیسیٰ کے یوں ذریت میں شامل کرنے پر مفسرین کو یہ کہنا پڑا ہو کہ نسب ماں کی طرف سے بھی ہوتی ہو اور ان تمام انبیاء کے ایک جا ہدایت اور اجتبا کا ذکر کر کے حضرت عیسیٰ کی فرضی خصوصیات کو توڑا ہو۔

۵۹ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ

پھر ان کے بعد ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی سو وہ

۶۰ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

ہلاکت کو پا لینگے ۲۰۱۵ مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور اچھے عمل کئے تو یہ جنت میں داخل

۶۱ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

ہونگے اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا ہمیشگی کے باغوں میں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے پوشیدہ (دکھائے

۶۲ بِالْغَيْبِ ۭ إِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَأْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ

وعدہ کیا ہے بیشک اس کا وعدہ آکر رہے گا ۲۰۱۶ اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنینگے ہاں سلام (سنینگے) اور انکا رزق اس میں

۶۳ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

صبح اور شام انہیں ملیگا ۲۰۱۷ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے بناتے ہیں جو متقی ہو

۲۰۱۵ غیّ کے معنی یہاں راغبؒ نے عذاب لئے ہیں مگر دیکھو ۹۰۵ اغویتنی اھلکتنی (ج) شاید ہو کہ غیّ کے معنی ہلاکت بھی ہیں اضاعت صلوٰۃ یا نماز کا ضائع کرنا اس کا ترک کر دینا بھی ہے یا ظاہر صورت کو قایم رکھکر حقیقت سے بے خبر ہونا یا اس کے اوقات کو ترک کر دینا۔ اور گو لفظ عام ہیں مگر بالخصوص عیسائیوں نے عبادات کو کفارہ کے خلاف سمجھ کر بالکل ترک کر دیا ہے اور شہوات کے پیچھے بھی جس قدر یہ قوم لگی ہے دوسری کوئی نہیں لگی۔ آج مسلمان بھی نماز کو ضائع کر رہے ہیں +

جنت غیب ہے

۲۰۱۶ بالغیب میں با ملابست کیلئے ہے یعنی اس نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور وہ ان سے غیب کا حکم رکھتی ہے (د)، کیونکہ وہ ان آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی بلکہ اس کا علم دوسرے حواس سے ہوتا ہے

اتی۔ ماتی

ماتیا۔ اتیان (اَتیٰ) سہولت سے آنے پر بولا جاتا ہے اور یہاں ماتی بمعنی اٰتی ہے یعنی مفعول بمعنی فاعل اور مراد ہے کہ ضرور آکر رہے گا +

بہشت کی صبح وشام

۲۰۱۷ بہشت میں رات نہیں کہ وہاں صبح اور شام ہوں آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اوقات مراد ہیں جن میں یہاں نماز پڑھتے تھے (د)، گویا ان کا رزق وہی نماز کا پھل ہے اور صبح وشام سے دوام بھی مراد ہوتا ہے یعنی ہر حالت میں اور تمام اوقات میں اور سلام وہاں ہونے سے مراد تمام آفات سے سلامتی کا ہونا ہے اور سلام سننے سے مراد ایک تو ان کا باہمی سلام ہے تحیتھم فیہا سلام (ابراھیم ۱۴۔ ۲۳) اور دوسرا ملائکہ کا ان پر سلام کہنا۔ سلام علیکم طبتم (الزمر ۳۹۔ ۷۳) +

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ ۶۴

اور ہم تیرے رب کے حکم کے سوائے نازل نہیں ہوتے ۲۰۱۸ اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۞ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ ۶۵

اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ۲۰۱۸ آسمانوں اور زمین کا رب اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سو اسکی عبادت کر

ع ۴

وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۞ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ ۶۶

اور اسی کی عبادت پر مضبوط رہ ۲۰۱۹ کیا تو اس جیسا کوئی اور جانتا ہے ۲۰۱۹ اور انسان کہتا ہے کیا جب میں مرجاؤں گا تو (پھر) زندہ

لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۞ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ ۶۷

کرکے نکالا جاؤں گا ۲۰۲۰ کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا اور وہ کچھ بھی

شَيْئًا ۞ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۞ ۶۸

نہ تھا سو تیرے رب کی قسم ہم یقیناً انہیں اور ان کے شیطانوں کو اکٹھا کرینگے پھر ہم ضرور انہیں گھٹنوں پر گرے ہوئے دوزخ کے گرد لا حاضر کرینگے ۲۰۲۱

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۞ ۶۹

پھر ہر گروہ میں سے ہم ضرور انہیں الگ نکال لینگے جو رحمٰن کے خلاف سرکشی میں سخت تر تھے

انبیاء کا سلسلہ ملائکہ کی معرفت ہوتا ہے

۲۰۱۸ اسی ایک روایت کی بنا پر جو اصحاب کہف کے سوال کے متعلق ہے یہاں یہ سمجھا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل کا قول ہے جس میں گویا یہ بتایا ہے کہ وحی کیوں رک گئی تھی اور بخاری میں ابن عباس کی روایت صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلعم نے جبرائیل کو کہا تھا کہ آپ اس سے زیادہ نزول کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے یہ جواب دیا لیکن آیت کے الفاظ سے جو مفہوم اقرب الی الذہن معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں خود انبیاء علیہم السلام کے نزول کا ذکر ہے اور اگر فرشتوں کا آنا بھی مراد ہو تو پھر بھی مراد نزول قرآن ہی ہوگی۔ کیونکہ لیلۃ القدر جس میں قرآن نازل ہوا اس میں ملائکہ بھی نازل ہوتے ہیں تو پس یا تو عام طور پر انبیاء کا آنا مراد ہے کہ نبی تبھی آتا ہے جب امر رب ہو اور یا بالخصوص رسول قرآن کریم کا ہی ذکر ہے کہ اب جو یہ وحی نازل ہوئی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے ما بین ایدینا سے مراد مستقبل اور ما خلفنا سے مراد ماضی اور ما بین ذٰلک حال ہے اور ما کان ربک نسیاً میں یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو بھول نہیں سکتا تھا جو اس نے ایک آخری رسول بھیجنے کے متعلق سب انبیاء سے کئے تھے اور یا یہ کہ وہ لوگوں کو اس طرح ضلالت کی حالت میں چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اور بعض نے مراد یہ لی ہے کہ اپنے نبیوں کو نہیں چھوڑ سکتا یعنی ان کی نصرت کریگا ❖

اصطبار

۲۰۱۹ اصطبر۔ اصطبار۔ صبر سے باب افتعال ہے اور اصطبر کے معنی ہیں تحمل الصبر بجہد (غ)، اپنی کوشش سے صبر کو قائم رکھے سمی کیلئے دیکھو ۱۹۲۴ اس جیسا کوئی نہیں اس میں ابنیت کی بھی تردید ہے ❖

۲۰۲۰ یہاں کسی خاص انسان کا ذکر نہیں بلکہ ہر اس انسان کا ہے جو منکر بعث ہے ❖

جثی۔ جاث جثی

۲۰۲۱ جثی۔ جثی کے معنی گھٹنوں پر بیٹھ گیا اور جاث گھٹنوں پر بیٹھنے والا وتری کل امۃ جاثیۃ الجاثیۃ ۲۸، اور اس کی جمع جثی

۷۱ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ○ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ

پھر یقیناً ہم انھیں خوب جانتے ہیں جو اس میں داخل ہونے کے زیادہ اہل ہیں [۲۰۲۲] اور تم میں سے کوئی نہیں مگر اس پر آئیگا یہ

۷۲ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○

تیرے رب پر لازم ہو چکا، فیصلہ ہو چکا (ہے) [۲۰۲۳] پھر ہم انہیں نجات دینگے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں پر گرا ہوا چھوڑ دینگے

ہے اور جثی بھی ہے (ل)

شیاطین سے مراد یہاں وہ شیطان بھی ہوسکتے ہیں جو ہر انسان کے قرین ہیں مگر شیاطین الانس زیادہ قرین قیاس ہیں

صلی۔صال — **۲۰۲۲** صلی صالی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں آگ میں داخل ہونے والا (غ)، دیکھو ۱۲۱۳ الا من ہو صال الجحیم (الصّٰفّٰت ۳: ۱۶۳)

بدکاروں کیلئے عذاب ضروری ہے۔ — اولیٰ لانے سے یہ مطلب نہیں کہ بعض زیادہ اہل ہیں بعض کم گو یہ بھی معنی کئے گئے ہیں اور ہوسکتے ہیں کہ جو لوگ کفر میں زیادہ سخت تھے جیسا اوپر کی آیت میں ہے وہی آگ میں بھی پہلے داخل ہونگے اور ان کا عذاب بھی سخت تر ہوگا۔ مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جن کا آگ میں داخل ہونا بہ نسبت ان کے باہر رہنے کے زیادہ مفید ہے اسلئے وہ آگ میں داخل ہونے کی بہ نسبت نہ داخل ہونے کے زیادہ اہل ہیں اس میں یہ بتایا ہے کہ ان کا آگ میں داخل ہونا ہی ان کا علاج ہے

وارد — **۲۰۲۳** وارد۔ وُرود کیلئے دیکھو ۲۰۰۵ اس کے اصل معنی ہیں پانی یا آگ پر پہنچنا بغیر اس میں داخل ہونے کے گو بعض نے توسیع کرکے داخل ہونا بھی اس میں شامل کرلیا ہے

حتم — حتم حَتْمٌ ایک امر کا احکام یعنی مضبوط کرنا ہے یا ایک بات کا واجب کرنا یا قضاء (ل)

مومن دوزخ میں داخل نہیں ہونگے — ورود کے معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آیت کے معنی میں قطعاً کوئی دقت نہیں رہتی گو ان منکم میں تمام انسان یعنی مومن وکافر شامل ہوں کیونکہ یہ دوزخ کے اوپر پہنچنا ہے نہ دوزخ میں داخل ہونا اور ایک حدیث میں ہے جسے غریب کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نیک اور بد دونوں اس میں داخل ہونگے مگر نیکوں پر وہ آگ ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی اور ایک اثر میں ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہونگے تو وہ دریافت کرینگے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ان منکم الا واردھا تو کہا جائیگا تم اسکے اوپر سے گزر آئے ہو اور اس کی آگ بجھی ہوئی تھی تو ان تینوں سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے یعنی یہ کہ حقیقتاً نیک لوگ دوزخ میں داخل نہ ہونگے۔ اور یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے کیونکہ فرمایا لا یسمعون حسیسہا (الانبیاء ۲۱: ۱۰۲) وہ اسکی آواز تک کو نہ سنینگے اور اولئٰک عنہا مبعدون (الانبیاء ۲۱: ۱۰۱) وہ اس سے دور رکھے جائینگے پس اگر یہاں ورود میں نیک و بد دونوں شامل بھی سمجھے جائیں تو وہ ورود ہے جس کے ساتھ دخول نہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں منکم میں خطاب صرف کفار کو ہے اور شروع رکوع سے ہی ذکر کفار کا ہے۔ مثلاً آیت ۶۶ میں انسان کا لفظ عام ہے مگر مراد صرف وہی انسان ہے جو منکر بعث ہے پھر آیت ۶۸ میں انہی منکران بعث اور شیاطین کے حشر کا ذکر ہے پس منکم میں یہی لوگ داخل ہیں اور یہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے (ج)، اور بعض نے کہا کہ مومن کا ورود بھی گو شامل ہے مگر اس سے مراد وہ مصائب و تکالیف ہیں جو اس دنیا میں مومن پر آتی ہیں اور یہ مجاہد کی طرف منسوب ہے (ج)، اور اس کے آگے جو آتا ہے ثم ننجی الذین اتقوا تو یہاں ثم ترتیب کے لئے نہیں دیکھو ۱۲۱۳ بلکہ یہ ایک الگ واقعہ کا ذکر ہے کہ متقی نجات پاجائینگے یعنی عذاب سے بچ جائینگے اور ظالم دوزخ میں رہینگے

اور یہ جو بعض آثار میں صحابہ کے ایسے اقوال پائے جاتے ہیں کہ وہ اس آیت سے بہت خائف رہتے تھے۔ تو ان سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ ایک نہ ایک رنگ میں ہر انسان کو مصائب برداشت کرنی پڑتی ہیں اور مقامات عالیہ بغیر تکالیف اٹھانے نہیں ملتے

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ ٧٣

اور جب ہماری کھلی کھلی آیات انپر پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں انہیں جو ایمان لائے کہتے ہیں دونوں فریق میں سے کس کا مقام

مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ○ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ○ ٧٤

اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ خوبصورت ہے ٢٠٢٤ اور کتنی نسلیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیں جو سامان اور حسن منظر میں ان سے زیادہ خوبصورت تھیں ٢٠٢٥

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا ٧٥

کہو جو کوئی گمراہی میں رہ گیا تو رحمان اس کیلئے مہلت بڑھاتا جائیگا یہانتک کہ جب وہ دیکھینگے جسکا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے خواہ

الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ○ وَيَزِيدُ ٧٦

وہ عذاب اور خواہ وہ گھڑی تو جان لینگے کس کی حالت بری ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے ٢٠٢٦ اور اللہ انہیں

اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ○

ہدایت میں بڑھاتا ہے جو سیدھے رستہ پر چلتے ہیں اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں خوب تر ہیں ٢٠٢٧

میسر ہی نہیں آسکتے تو گویا یہ تکالیف بھی بظاہر ایک رنگ دوزخ کا ہی رکھتی ہیں لیکن مومن کیلئے وہ برد و سلام بن جاتی ہیں +

ندیّ۔ نادی

٢٠٢٤ ندی . ندا آواز دینا ہے اسی سے ندیّ اور نادی مجلس کو کہتے ہیں اور نادی ہمنشین کو بھی کہتے ہیں فلیدع نادیہ (العلق ٩٦: ١٧) و تاتون فی نادیکم المنکر (العنکبوت ٢٩: ٢٩) اور اسی سے مکہ کا دار الندوہ ہے جہاں لوگ بڑے بڑے مشوروں کیلئے اکٹھے ہوتے تھے (رغ) +

مجلس کی خوبصورتی جس قدر عیسائی اقوام کو ہوا ہے وہ کسی قوم کو نہیں ہوا اسلئے کہ ان کی عورتیں آرائش کے سامان سے مزین ہو کر ان کی مجالس کی زینت بنتی ہیں۔

رئیا

٢٠٢٥ رئیا . الذی یرمق من الحسن بہ (غ) وہ جس کی طرف اس کے حسن کی وجہ سے نظر اٹھے +

اثاث فرنیچر اور حسن منظر والی قوم

یہاں انہی اعدائے حق کے اثاث اور حسن منظر کا ذکر ہے اثاث کیلئے دیکھو نوٹ ١٥٠١ گھر کا سامان بھی ہو سکتا ہے اور مال بھی اور گھر کے سامان میں سب فرنیچر اور لباس آجاتا ہے . کون قوم اس کی مصداق ہے یہ محتاج بیان نہیں جو سامان اور لباس بادشاہوں اور امراء کو میسر نہ آتے تھے وہ اس قوم کے معمولی آدمیوں کے پاس موجود ہیں +

اس سورت میں لفظ رحمن کے بار بار لانیکی وجہ

٢٠٢٦ فلیمدد لہ الرحمن . میں بتایا کہ عادت اللہ یہ ہے کہ ضال قوم کو مہلت زیادہ دیتا ہے اور اما العذاب و اما الساعۃ میں چھوٹے عذاب اور ساعت وسطے یعنی قوم کی تباہی کا وقت مراد ہیں . کیونکہ آگے لشکر کی کمزوری کا ذکر ہے اور تباہی سے مراد انکے ساز و سامان کا چھن جانا ہے دیکھو نوٹ ٢٠٣٠ اس سورت میں لفظ رحمان کو بڑی کثرت سے دوہرایا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سورت عیسائیت پر اتمام حجت کے طور پر ہے اور عیسائیت نے صفت رحمانیت کا مطلق انکار کیا اور رحم بلا بدل کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے خلاف قرار دیکر بیٹے کی قربانی کو گنہگاروں کی بخشش کا بدل ٹھہرایا ہے گویا اللہ تعالیٰ کوئی گناہ بخش نہیں سکتا جبتک اسکا بدلہ نہ لیلے اور یہ اسکی صفت رحمانیت کے خلاف ہے دیکھو نوٹ ٢ فا تحریر

عقاید باطلہ کی تردید +

(د)

٢٠٢٧ مرد مقعود کی طرح مصدر ہے اور اسکے اصل معنی صرف یا پھیرنا ہیں فلا مرد لہ (الرعد ١٣: ١١) اور یہاں مراد منتہی اور قیمت ہے +

٧٨ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ

کیا تو نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے مجھے ہمیشہ مال اور اولاد ملتے رہینگے ٢٠٢٨ کیا اسے غیب کی اطلاع ہے یا اس نے رحمٰن

٧٩ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ ٢٠٢٩

سے کوئی اقرار لے لیا ہے — ہرگز نہیں ہم لکھتے رہینگے جو وہ کہتا جاتا ہے — اور اس کیلئے عذاب کو لمبا کھینچے چلے جائینگے

٨٠ ٨١ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ

اور ہم اس چیز کے وارث ہونگے جو وہ کہتا ہے اور وہ اکیلا ہمارے پاس آئیگا ٢٠٣٠ اور وہ اللہ کے سوا اور معبود بناتے ہیں تا کہ انکے لئے قوت کا موجب

٨٢ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ ع

ہوں — ایسا نہ ہوگا۔ وہ ان کی عبادت کا انکار کرینگے — اور انکے مخالف ہونگے ٢٠٣١

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی بنایا ہے کہ جب وہ غلطی کی طرف قدم اُٹھاتا ہے تو ادھر ہی اس کا قدم اُٹھتا چلا جاتا ہے جب نیکی اور ہدایت کی طرف قدم اُٹھاتا ہے اسی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت میں بڑھاتا ہے +

٢٠٢٨ لاوتین مالا و ولدا۔ کہنے والا پہلے ہی صاحب مال و ولد ہے پس یہاں مراد یہ ہے کہ ہمیشہ رہینگے یعنی یہ چیزیں ہمیشہ ہی مجھے ملتی رہینگی گویا یہ ایک انسان کا کہنا نہیں بلکہ ایک قوم کا کہنا ہے جو اپنے مال و ولد پر فخر کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا کے اموال اور بڑے جتھے کی مالک ہو گئی ہے +

٢٠٢٩ سنکتب۔ یعنی جو کچھ وہ کہتا رہتا ہے ہم اسے لکھتے رہینگے اسی لئے س بڑھایا۔ یہاں بھی پچھلی آیت کی طرح استمرار ہے +

٢٠٣٠ مایقول سے مراد وہی مال و ولد ہے جس پر وہ فخر کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے اس کے وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مال اس سے لے لیا جائیگا۔ موت کے وقت تو ہوتا ہی ہے مگر یہاں قومی حالت کا ذکر ہے مال اور جتھے کی مالک دنیا میں کبھی ایک قوم ہوتی ہے کبھی دوسری اور جس قوم کو اپنے مال اور جتھے پر فخر ہو اس کا اس سے چھن جانا اس پر سخت ترین عذاب بلکہ اس کی ہلاکت ہے +

٢٠٣١ ضد۔ ضد ایک چیز کی وہ ہے کہ ایک آئے تو دوسری چلی جائے جیسے رات اور دن۔ اور جو چیز دوسری کے خلاف ہو اسے بھی اس کی ضد کہا جاتا ہے اور عکرمہ سے یہاں ضدّ کے معنی اعداء مروی ہیں (ل) +

ضِدّ

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ یہ دوسرے معبود اس لئے بناتے ہیں کہ ان کے لئے قوت کا موجب ہو اور اس آیت میں پہلے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا اور پھر فرمایا کہ وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے یعنی جنہیں معبود بنایا تھا وہ نہ صرف ان کی قوت کا موجب نہ ہونگے بلکہ ان کی عبادت کا انکار کرینگے جیسا کہ فرمایا ماکانوا ایانا یعبدون (القصص ٢٨ - ٦٣) اور پھر اس سے بڑھ کر یہ فرمایا کہ وہ ان کے خلاف ہونگے . . . . یعنی ان کے خلاف شہادت ادا کرینگے اور یہ نیک لوگ ہیں جنہیں معبود بنایا گیا بالخصوص حضرت مسیح جن کی قوم کا یہاں خاص ذکر ہے۔ یہاں پرستاروں کے انکار کا ذکر نہیں بلکہ معبودین کے انکار کا ذکر ہے +

رکوع ۱۶ — عقیدہ ابنیت دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا ۸۳ ۸۴

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ دیا ہے جو انہیں انگیخت کر کے اکساتے ہیں ۲۰۳۲ سو تو ان پر عذاب کے لئے جلدی نہ کر ہم صرف

نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَّنَسُوْقُ ۸۵ ۸۶

ان کے دنوں کی گنتی پوری کر رہے ہیں جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف ایک عزت والے گروہ کے طور پر اکٹھا کریں گے ۲۰۳۳ اور مجرموں کو ہم

الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝

وقف لازم

جہنم کی طرف (پیاسے جانوروں کی طرح) ہانک لے جائیں گے ۲۰۳۴

ارسال — **۲۰۳۲** ارسلنا۔ اِرسال (بھیجنا) انسان کیلئے بھی ہوتا ہے اور پسندیدہ یا ناپسندیدہ چیزوں کیلئے بھی کبھی تسخیر سے جیسے وارسلنا السماء علیہم مدرارا (الانعام ۶) اور کبھی اس شخص کے بھیجنے سے ہوتا ہے جس کیلئے اختیار ہو ویرسل علیکم حفظۃ (الانعام ۶۱) فارسل فرعون فی المدائن حاشرین (الشعراء ۲۶ ۔ ۵۳) اور کبھی تخلیۃ اور ترک منع سے یعنی ایک چیز کو اس کی حالت پر چھوڑ دینا اور اسے نہ روکنا جیسے یہاں (یعنی یہاں ارسلنا الشیٰطین سے مراد ہے کہ ہم نے ان شیطانوں کو منع نہیں کیا اور وہ اپنا کام کرتے ہیں) اور ارسال امساک یعنی روک رکھنے کے مقابل پر ہے ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ (فاطر ۳۵ ۔ ۲)

اَزّ — تؤز۔ اَزّ۔ ہانڈی کے ابال پر بولا جاتا ہے جب وہ جوش میں ہو اور یہ ھزّ یعنی محض ہلانے سے بڑھ کر ہے (غ) اور اَزّ کے معنی اختلاط یعنی ملا دینا اور تہییج یعنی ابھارنا اور اغراء یعنی اکسانا بھی آتے ہیں اور حرکت شدید بھی اس کے معنی ہیں (ل) ⁜

شیاطین سے مراد — یہاں شیاطین سے مراد بھی سردار ہیں جن کا ذکر ایہم اشد علی الرحمٰن عتیا میں ابھی ہو چکا ہے۔ گویا ان کے بڑے بڑے شریر کفار کو انگیخت کرتے اور اکساتے رہتے ہیں تاکہ وہ حق کی مخالفت میں لگے رہیں اسی لئے اگلی آیت میں فرمایا کہ ان کیلئے عذاب کی جلدی مت کر کیونکہ ان کے گنتی کے دن تو پورے ہونے ہی ہیں گویا ان کا جرم کسی قدر ہلکا کیا ہے اسی لئے پیچھے آیا تھا فلیمدد لہ الرحمٰن مدا کسی قدر مہلت ان کی اتنی کی جاتی ہے اس عام ذکر میں خاص اشارہ اس قوم کی طرف ہے جس کا ذکر ابھی آتا ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا جو اس سورت

شیطان کی تحریک — میں بالخصوص مخاطب رہی ہے اور اگر وہ شیاطین مراد لئے جائیں جو قرین انسان ہیں تو گناہوں پر ابھارنا مراد ہے اس صورت میں بھی شیطان کا کام صرف تحریک کرنا ہی بتایا ہے ہاں اسے زور کی تحریک کہا ہے اور ارسلنا کی تشریح اوپر ہو چکی شیطان کا کام بدی کی تحریک ہے سو اللہ تعالیٰ اسے ایسا کرنے سے منع نہیں کرتا مگر شیطان کا تسلط انسان پر کوئی نہیں ⁜

وفد — **۲۰۳۳** وفد۔ وَفْد اصل میں وہ لوگ ہیں جو بادشاہوں کے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ حوائج کو پیش کریں (غ) یا معزز سوار (ل) ⁜

وِرْد — **۲۰۳۴** ورد۔ وِرْد۔ وُرود کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی لوگوں کا پانی پر جانا اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس پر جائیں اور ان اونٹوں کو بھی جو جائیں اور پیاس کو بھی (ل) وبئس الورد المورود (ھود ۱۱ ۔ ۹۸) یہاں لفظ وِرد میں لطیف اشارہ ہے کہ پیاسا تو پانی پر پیاس بجھانے کیلئے جاتا ہے مگر ان کی پیاس بجھانے کا سامان بھی آگ ہی ہوگی بالفاظ دیگر وہ روحانی پیاس جو انہوں نے اپنے افعال سے پیدا کی ہے پانی سے نہیں بلکہ آگ سے بجھ سکتی ہے ⁜

۸۷ ۸۸ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ (وقف لازم)

وہ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد باندھا ہے ۲۰۳۵ اور کہتے ہیں

۸۹ ۹۰ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

رحمٰن نے بیٹا بنایا ۔ یقیناً تم ایک خطرناک بات کر گذرے ۲۰۳۶ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں

۹۱ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝

اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں ۲۰۳۷ کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعوٰے کرتے ہیں

مومنوں کا شفاعت کرنا — شفاعت کیلئے تعلق کی ضرورت

۲۰۳۵ من اتخذ عند الرحمٰن عہدًا سے مراد یہاں شفیع بھی ہو سکتا ہے اور مشفوع بھی شفیع کی صورت میں مراد کامل الایمان لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو مضبوط پکڑا یعنی اس کے احکام پر عمل لیا اور مقامات عالیہ حاصل کئے پس کامل الایمان مومن دوسرے مومنوں کیلئے شفیع ہو جائینگے اور مشفوع کی صورت میں مراد یہ ہے کہ شفاعت ان کے حق میں ہو گی جنہوں نے رحمٰن سے عہد باندھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شرائع کو انہوں نے قبول کیا مگر کسی وجہ سے کچھ نقص انکے عمل میں رہ گیا بہر حال یہ ضروری ہے کہ شفیع کے ساتھ تعلق قایم کیا ہو اور یہ شفاعت صلحاء اور انبیاء کی ہے اللہ تعالیٰ تمام شفاعتوں کے بعد بھی لوگوں کو جہنم سے باہر نکال دیگا ۔ اور بعض نے عہد سے مراد یہاں امر اور اذن لیا ہے +

اِدّ

۲۰۳۶ اِدّ ۔ وہ امر ہے جس کی برائی حد سے گزری ہوئی ہو اور وہ بڑی بھاری بات ہو یا بڑی مصیبت کی بات (ل) +

عقیدہ ابنیت کو دنیا میں پھیلانے والی قوم

یہاں صاف طور پر بتا دیا کہ وہ کونسی قوم ہے جس کا خاص ذکر اس سورت میں چلا آتا ہے وہ جس کے سامانوں اور آرائشوں اور حسن منظر کا ذکر تھا یہ وہ قوم ہے جنہوں نے عقیدہ ابنیت کو دنیا میں پھیلایا ہے ۔ گو مفسرین نے یہاں عیسائیوں کے ساتھ عزیر ابن اللہ کہنے والوں کو اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہنے والوں کو بھی شامل کیا ہے لیکن ان دونوں گروہوں کا وجود بھی دنیا میں باقی نہیں رہا ۔ اور اتخذ الرحمٰن ولدًا کہنے والی ایک ہی قوم رہ گئی جنہوں نے عقیدہ ابنیت کو دنیا میں پھیلا کر اپنے آپ کو ان آیات کا مصداق بنایا ہے ۔ اور اس آیت سے اور اس سے اگلی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ دنیا میں اس قدر رواج پکڑنے والا تھا کہ قرآن کو اس قدر پر ہیبت الفاظ میں اس کی تردید کرنی پڑی بت پرستی عناصر پرستی اور دیگر قسم کے شرک کے متعلق ایسے الفاظ نہیں فرمائے اور جئتم سے مراد یہی ہے دیکھو نوٹ ۱۹۹۱ کہ ایک بات کا قصد کیا اور اسے کر گزرے اور یہ عقیدہ ابنیت کے دنیا میں پھیلا دینے کی طرف اشارہ ہے +

فطر ۔ تفطر

۲۰۳۷ یتفطرن ۔ فَطْر کے اصل معنی طول میں شق یعنی پھاڑ دینا ہیں ۔ اور تَفَطَّرَ کے معنی تَشَقَّقَ یعنی پھٹ گیا ہیں +

ھدّ

ھدّ سخت گرنے اور ٹوٹ جانے کو کہتے ہیں جیسے ایک چیز یکمرتبہ گر کر منہدم ہو جاتے (ل) +

عقیدہ ابنیت نظام عالم کو باطل کرتا ہے

ان ہیبتناک الفاظ میں صرف اس عقیدہ کی برائی کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ فی الواقع دنیا میں کوئی قانون باقی نہیں رہتا اور نہ خود اس عالم کا وجود باقی رہتا ہے بلکہ عالم بالا کا بھی وجود باقی نہیں رہتا اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانا جائے کیونکہ بیٹا مانا ہی اس بنا پر جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں رحم بلا بدل نہیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ رحم بلا بدل بھی کر سکتا ہو تو اسے کسی بیٹے کی ضرورت نہیں جو انسانوں کے گناہوں کیلئے معاوضہ بنے اور عیسائیت نے ابنیت اور کفارہ کی بنیاد ہی اسی بنا پر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جبتک کوئی بدلہ نہ لیلے اس وقت تک وہ گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا اور انسان کی نجات ناممکن ہو جاتی ہے تو اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر رحم بلا بدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک آن کیلئے بھی نکل جائے تو نہ آسمان باقی رہیں نہ زمین نہ پہاڑ خلق عالم اور نظام عالم

وَمَا يَنۢبَغِي لِلرَّحۡمَٰنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ إِن كُلُّ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ إِلَّآ ٩٢ ٩٣

اور رحمٰن کو تو شایاں نہیں کہ وہ بیٹا بنائے ۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سوائے اسکے نہیں

ءَاتِي ٱلرَّحۡمَٰنِ عَبۡدٗا ۝ لَّقَدۡ أَحۡصَىٰهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدّٗا ۝ وَكُلُّهُمۡ ءَاتِيهِ يَوۡمَ ٩٤ ٩٥

کہ وہ رحمٰن کے پاس بندہ بنکر آئیں گی [٢٠٣٨] اُس نے ان کا احاطہ کر لیا ہے اور انہیں پورا پورا گن رکھا ہے اور وہ سب کے سب قیامت کے دن

ٱلۡقِيَٰمَةِ فَرۡدًا ۝ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ ٱلرَّحۡمَٰنُ وُدّٗا ۝ فَإِنَّمَا ٩٦ ٩٧

اسکے پاس اکیلے اکیلے آئینگے [٢٠٣٩] جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں رحمٰن اُن کے لئے محبت پیدا کرے گا [٢٠٤٠] سو ہم نے

يَسَّرۡنَٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ ٱلۡمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِۦ قَوۡمٗا لُّدّٗا ۝ وَكَمۡ أَهۡلَكۡنَا ٩٨

اُسے تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ تو متقیوں کو اس کے ذریعہ سے خوشخبری دے اور ایک جھگڑالو قوم کو اس کے ساتھ ڈرائے [٢٠٤١] اور ان سے پہلے

النصف

قَبۡلَهُم مِّن قَرۡنٍ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُم مِّنۡ أَحَدٍ أَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزَۢا ۝

ہم نے کتنی نسلیں ہلاک کر دیں ۔ کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا ہے یا ان کی بھنک بھی سنتا ہے [٢٠٤٢]

کی بنیاد ہی رحم بلا بدل پر ہے ۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ دنیا میں رہ نہیں سکتا ۔ ما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا میں اسکو صاف بیان بھی کر دیا ہے کہ اگر رحمانیت مانی جائے تو عقیدۂ ابنیت باقی نہیں رہ سکتا ۔

مخلوق کا کمال عبدیت میں ہے

٢٠٣٨ یعنی مخلوق کا کمال ہی عبد ہونے میں ہے اسی لئے محمداً عبدہ و رسولہ میں اصل عبدیت کو ہی رکھا ہے ۔

٢٠٣٩ یعنی عابد او معبود سب خدا کے حضور اپنی اپنی ذمہ واری کو لیکر آئینگے ۔

پاک لوگوں کی محبت دنیا میں بڑھتی چلی جاتی ہے

٢٠٤٠ یعنی پاک لوگوں کی محبت خود بخود دنیا . . . . . میں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو پہلے ملائکہ میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے پھر وہ محبت زمین میں پھیل جاتی ہے اور یہ قانون بالکل صحیح ہے جتنے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوئے ہیں ابتدا میں ان کی مخالفت بھی سخت ہوئی ہے مگر آہستہ آہستہ ان کی محبت دنیا میں بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ اور یہاں شاید رسول اللہ صلعم کی قبولیت کیطرف بھی اشارہ ہو کہ آپکی محبت دنیا میں یوماً فیوماً ترقی کرتی جائیگی چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عیسائی جنہوں نے کسی زمانہ میں آنحضرت صلعم کے متعلق ہر قسم کی بدزبانی کی اور غلطیوں کو پھیلایا اب انہی میں سے بہتسے دلوں میں آپکی محبت پیدا ہوتی جا رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار یہ قوم بھی آپکو قبول کریگی ۔ اور عیسائیت پر اتمام حجت کے ذکر میں اس کو لانے سے اسیطرف اشارہ کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے ۔

٢٠٤١ جن الفاظ سے سورۂ کہف کو شروع کیا تھا یعنی مومنوں کو بشارت اور ولد بنانیوالوں کو انذار انہی پر سورۂ مریم کا خاتمہ کیا ہے سوائے اس کے کہ یہاں اتخاذ ولد کی بجائے ان کا قوم لُدّ ہونا بیان کیا ہے اسلئے کہ جس قدر جھگڑا اس قوم نے حق کے ساتھ کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا ۔

رکزا

٢٠٤٢ رِکز ۔ صوت خفی یعنی ہلکی آواز کو کہتے ہیں (غ) ۔

قوموں کی ہلاکت کا اٹل قانون

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اٹل قانون کیطرف توجہ دلائی ہے کہ کس طرح قومیں دنیا میں بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں پھر انپر وہ وقت آتا ہے کہ انکی صف لپیٹ دیجاتی ہے یہاں تک کہ انکا نام و نشان مٹ جاتا ہے ہاں حق ہی ایک چیز ہے جو دنیا میں رہ جاتی ہے اور اسے کوئی مٹا نہیں سکتا ۔

سورۃ طٰہٰ مکیۃ وہی مائۃ وخمس وثلثون آیۃ وثمان رکوعات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نام — اس سورت کا نام طٰہٰ ہو اور اس میں آٹھ رکوع اور ۱۳۵ آیات ہیں اس کا نام اس کے پہلے حروف سے لیا گیا ہو جن سے یہ سورت شروع ہوتی ہو اور جن میں آنحضرت صلعم کو مرد کامل کے نام سے خطاب کرکے یہ ظاہر کیا ہو کہ نور محمدی اپنے کمال کو پہنچکر رہیگا گو ابتدا میں وہ ایک ہلال کی طرح نظر آئے اور اسی کمال کا ذکر ہی اس سورت میں ہے پس اس کا نام اس کے مضمون کو ظاہر کرتا ہے ٭

خلاصہ مضمون — اس سورت کی ابتدا ہی کامیابی کی بشارت سے کی ہو نہ صرف طٰہٰ کے لفظ میں آنحضرت صلعم کے کمال کی طرف اشارہ کرکے بلکہ اس کے ساتھ ہی صریح الفاظ میں یہ بتا کر کہ قرآن جیسی کتاب نازل کرکے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا مہبط دنیا میں ناکام رہے وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ پھر اس کے ساتھ حضرت موسیٰ کی بعثت کا ذکر کیا جس کی غرض بھی یہی بتانا ہو کہ باوجود ساری مشکلات کے جس طرح نور موسوی کمال کو پہنچا اسی طرح نور محمدی بھی ضرور ہو کہ اپنے کمال کو پہنچکر رہے۔ حضرت موسیٰ کے ذکر کو جاری رکھتے ہوئے دوسرے رکوع میں ان کے اور حضرت ہارون کے فرعون کیطرف جانیکا تیسرے میں انکے ساحروں سے مقابلہ کا اور چوتھے میں فرعون کی ہلاکت کا ذکر کیا اور اس کامیابی کے بعد بتایا کہ بنی اسرائیل اپنے مقام بلند سے گر کر عجل پرستی میں پڑگئے۔ اور پانچویں رکوع میں عجل پرستی کے انجام کا ذکر کیا اور یوں مسلمانوں کو بتایا اگر وہ بھی بنی اسرائیل کی طرح زینت دنیوی کے ظاہری سامانوں پر گر گئے تو یہ بات ان کے حصول مقصد میں روک ہو جائے گی۔ چھٹے رکوع میں ذکر قیامت میں بتایا کہ بڑی بڑی روکیں آخر دور ہو جائیں گی اور وہ انسان اور قومیں جو پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں وہ بھی آخر رجوع الی الحق کریں گی ساتویں رکوع میں بتایا کہ حق و باطل کا مقابلہ ہمیشہ سے رہا ہو اور حق ہی آخرکار غالب آیا کرتا ہو اور اس کو آدم اور شیطان کے قصہ سے واضح کیا۔ آٹھویں رکوع میں بتایا کہ حق کی آخری کامیابی اور مجرموں کی سزا دونوں امور یقینی ہیں یہ ہو کر رہینگے اور یہ بھی بتایا کہ اس عذاب کی جو نبی کریم صلعم کے مخالفین پر آئیگا نوعیت کیا ہوگی ٭

تعلق — پچھلی سورت میں عیسائیت کے عقاید باطلہ کی تردید کی تھی اور بتایا تھا کہ یہ عقیدہ ابنیت مسیح جس سے اسلام کو مقابلہ پڑیگا دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا اور سورت کے آخری رکوع میں اشارہ کیا تھا کہ رسول اللہ کی محبت آخرکار دنیا میں پھیل جائے گی اس سورت میں اسی مضمون کی زیادہ توضیح کی ہو اور بتایا ہے کہ قرآن کا لانے والا دنیا میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔ اور نہ اس کے مخالف اس عذاب ہلاکت سے بچ سکتے ہیں جو پہلے مکذبین پر آتا رہا ہاں یہاں اس کی نوعیت بھی بتادی ٭

زمانہ نزول — یہ سورت مکی ہے اور اس کا نزول بھی ابتدائی زمانہ سے ہی تعلق رکھتا ہو دیکھو بنی اسرائیل کے زمانہ نزول پر نوٹ۔ اور حضرت عمر کے اسلام کی تاریخ میں صاف آتا ہو کہ یہی وہ سورت تھی جس کو سن کر حضرت عمر کانپ اٹھے اور قاتلانہ ارادہ کو چھوڑ کر غلامی کی حیثیت میں دربار نبوی میں جا حاضر ہوئے۔ یہ بھی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ سورت اس وقت لکھی ہوئی موجود تھی پس اس کا نزول بھی پانچویں سال بعثت کے قریب کا ہو ٭

رکوع ۱ — آنحضرت صلعم کو کامیابی کی بشارت اور حضرت موسیٰ کی بعثت

طٰهٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۝ تَنۡزِیۡلًا ۱ ۲ ۳

اے مرد کامل [۲۰۴۳] ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے [۲۰۴۴] بلکہ یہ اس کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے اسکی طرف سے اتارا گیا ہے

مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ۝ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ۝ ۵

جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا [۲۰۴۴] (وہ) رحمٰن (ہے جو) عرش پر غالب ہے

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا وَ مَا تَحۡتَ الثَّرٰی ۝ وَ اِنۡ تَجۡهَرۡ ۶

اُسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو مٹی کے نیچے ہے [۲۰۴۵] اور اگر تو پکار کر

بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۝ ۸

بات کہے تو وہ بھید کو اور اس سے مخفی بات کو بھی جانتا ہے [۲۰۴۶] اللہ اُس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اس کے بہت ہی اچھے نام ہیں

طٰہٰ — **۲۰۴۳** طٰہٰ۔ بعض لغتوں میں یا رجل کی جگہ بولا جاتا ہے یعنی اے مرد (ج) اور اس کے نکرہ رکھنے میں عظمت اور کمال کی طرف اشارہ ہے اور روح المعانی میں باب الاشارہ میں ہے کہ طٰہٰ کے عدد چودہ ہیں اور یہ مرتبہ بدریہ کی طرف اشارہ ہے (د)، یا یہ کہ نور محمدی جس کا انکار کیا جائیگا چودھویں کے چاند کیطرح اپنے کمال کو پہنچے گا اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ حق جو شروع میں ایک ہلال کیطرح تھا ٹھیک اپنے چودھویں سال میں یوں کمال کو پہنچا کہ اس کی قبولیت کو استحکام حاصل ہوا اور اس کے مخالفوں کی قوت و شوکت ٹوٹ گئی کیا عجب ہے کہ چودھویں صدی میں پھر ایک دفعہ یہ نور محمدی جس کے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے از سر نو بدر ہو کر چمکے والقمر قدرناہ منازل حتّٰی عاد کالعرجون القدیم (یٰسٓ ۳۶ - ۳۹) +

(حاشیہ: نور محمدی کا کمال — چودھواں سال اور چودھویں صدی)

کامیابی کی بشارت — **۲۰۴۴** تشقٰی شقاوۃ سعادت کی ضد ہے دیکھو [۱۵۰۴] اور اس کے معنی ہیں بھلائی کے پانے سے یا اعانت الٰہی سے محرومی۔ پس مراد یہ ہے کہ اتنی بڑی عظیم الشان اور کامل کتاب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ پیغمبر اب اس غرض کے حصول میں ناکام رہے جس کیلئے وہ کتاب نازل کی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ تم مخلوق الٰہی کو ہدایت پر لاسکو اس لئے یہ لازمی ہے کہ تم کامیاب بھی ہو۔ چونکہ پچھلی سورت کے آخر پر ایک سخت جھگڑالو قوم کا ذکر کیا تھا اس لئے اب تشفی دیتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ سے آخر دنیا ہدایت کو قبول کرے گی +

عُلٰی — **۲۰۴۴** العُلٰی عُلیا کی جمع ہے اور عُلیا اعلیٰ کی تانیث ہے اور یہاں مراد ہے کہ اس عالم کی نسبت وہ اشرف اور افضل ہیں (غ)

ثرٰی — **۲۰۴۵** الثرٰی۔ اصل میں گیلی مٹی کو کہتے ہیں حدیث میں ہے فاذا کلب یاکل الثرٰی من العطش ایک کتا پیاس کیوجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا (ل)، اور اسی مادہ سے ثروت ہے جو کثرت کو کہتے ہیں اور ثریّا کواکب میں سے ہے (ل)، پس تحت الثرٰی سے مراد ہے زمین کے اندر اور مفسرین نے کہیں ساتویں زمین اور کہیں صخرۃ مراد لیا ہے +

اخفٰی — **۲۰۴۶** اخفٰی یعنی جو سر یا بھید سے بھی زیادہ مخفی ہے مثلاً وہ خیال جو دل میں گزرے یا اس سے بھی مخفی جو ابھی انسان کے دل میں بھی نہیں آیا +

۱۰ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۝ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ (وقف لازم)

اور کیا تجھے موسیٰ کی خبر پہنچی ۲۰۴۷ جب اُس نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں کو کہا ٹھیر جاؤ میں نے

۱۱ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ۝

آگ دیکھی ہو شاید میں تمہارے پاس اس میں سے شعلۂ آتش یا (اس) آگ پر ہدایت پاؤں ۲۰۴۸ سو جب اس کے پاس آیا آواز آئی اے موسیٰ

۲۰۴۷ جب حضرت موسیٰ اپنے محدود پیغام کے ساتھ بھی ناکام نہیں رہے تو محمد رسول اللہ صلعم کس طرح ناکام ہو سکتے ہیں یہ اصل غرض معلوم ہوتی ہے جس کیلئے حضرت موسیٰ کا ذکر یہاں شروع کیا ہے۔ اس سورت میں حضرت موسیٰ کے ذکر کو وحی کی ابتدا سے شروع کر کے ساری شریعت کے ان پر نازل ہونے تک پانچ رکوعوں میں بڑے بسط سے بیان کیا ہے۔ اور غالباً بلحاظ نزول یہ سب سے پہلی سورت ہے جس میں اس قدر بسط کے ساتھ حضرت موسیٰ کا ذکر ہے +

قبس۔ اقتباس

۲۰۴۸ قبس۔ وہ ہے جو شعلہ سے یعنی جلتی ہوئی آگ میں سے لے لیا جائے قَبَس۔ اور اقتباس اس کا طلب کرنا ہے پھر علم و ہدایت کے طلب کرنے پر استعارۃً بولا جاتا ہے انظرونا نقتبس من نورکم (الحدید ۵۷-۱۳) (غ) +

حضرت موسیٰ پر وحی کی ابتدا

یہاں حضرت موسیٰ پر نزول وحی کی ابتدا کا ذکر کیا ہے اور جو کچھ یہاں فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ سفر میں تھے اور آپ کے اہل آپ کے ساتھ تھے اور یہ سفر مدین سے مصر کی طرف واپسی کا تھا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فلبثت فی اھل مدین ثم جئت علی قدر یا موسیٰ (۴۰) اور طور کی جانب میں یہ واقعہ پیش آیا فلما قضی موسی الاجل وسار باھلہٖ آنس من جانب الطور نارا (القصص ۲۸-۲۹) انہوں نے آگ دیکھی۔ یہ آگ کیسی تھی؟ یہ تو اگلی آیات سے ثابت ہے کہ یہ وہ آگ نہ تھی جو

چار قسم کی آگ

جلانے کا کام دیتی ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ آگ کو لوگوں نے چار قسم کہا ہے۔ ایک وہ جس میں نور ہے اور وہ جلاتی بھی ہے جیسے اس دنیا کی آگ۔ اور ایک وہ جس میں نہ نور ہے نہ وہ جلاتی ہے جیسے درختوں کی آگ۔ اور ایک وہ جس میں نور نہیں مگر وہ جلاتی ہے جیسے جہنم کی آگ اور ایک وہ جس میں نور ہے اور وہ جلاتی نہیں جیسے وہ آگ جو حضرت موسیٰ نے دیکھی۔ اور غرائب القرآن میں ہے کہ اس با.... میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ چیز جو حضرت موسیٰ نے دیکھی تھی آگ تھی یا نہیں اور پھر اس قول کو بیان کر کے کہ وہ آگ ہی

حضرت موسیٰ کا کشف

تھی ورنہ موسیٰ اپنی خبر میں صادق نہیں ٹھہرتے لکھا ہے کہ اگر وہ آگ سے مشابہ ہو تو بھی کذب لازم نہیں آتا مگر میرے نزدیک یہاں دل کا مفہوم وہ نہیں جو خیال کیا گیا ہے جب حضرت یوسف نے کہا تھا انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی سٰجدین تو وہ کوکب اور سورج اور چاند تو اپنی جگہ پر ہی رہے تھے پھر انبیاء علیہم السلام کی ایک رویت حالت منام میں ہے اور ایک رویت حالت کشف میں اور ایک حالت وحی میں اور ایک رویت عام واقعات کی جیسے عام انسانوں میں اب یہ رویت عام واقعات کی تو نہ تھی کیونکہ وہ آگ ایسی نہ تھی جس میں سے حضرت موسیٰ جلتی ہوئی لکڑی اٹھا لاتے۔ اور یہ حالت خواب بھی نہیں اور وحی کا نزول بھی ابھی آپ پر نہیں ہوا پس یہ کشف کی حالت ہے اور کشف میں انسان حالت بیداری میں ایک واقعہ کو دیکھتا ہے مگر وہ واقعہ دوسرے عالم کا ہوتا ہے اسی حالت کشف میں حضرت موسیٰ نے آگ کو دیکھا اور یہ کہنا کہ اگر سچ مچ وہاں آگ نہ ہو تو خبر میں کذب لازم آتا ہے صحیح نہیں اسلئے خبر تو اس بات کی دی ہے کہ اس نے آگ دیکھی سو اس کا دیکھنا بالکل حق تھا +

اجد علی النار ھدی کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہاں کوئی رستہ بتانے والا مل جائے اور یہ بھی کہ وہاں ہدایت دینی ملے اسی دوسرے معنی کے قریب قریب معنے مجاہد اور قتادہ سے مروی ہیں (د) یہ دوسرے معنی ہی یہاں موزون ہیں۔ گویا حضرت موسیٰ کو خود بھی ظن غالب یہ تھا کہ یہ کشفی نظارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت دینی ملنے والی ہے اور میرے نزدیک القصص ۲۸-۲۹)

إِنِّىٓ أَنَا۠ رَبُّكَ فَٱخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِٱلْوَادِ ٱلْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ ۱۲

یقیناً میں تیرا رب ہوں سو تو اپنی جوتیاں اتار دے تو پاک وادی دوبار (برکت دی گئی) میں ہے ۲۰۴۹

وَأَنَا ٱخْتَرْتُكَ فَٱسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰٓ ۝ ۱۳

اور میں نے تجھے نیک بنایا ہے سو اسے سن جو وحی کی جاتی ہے ۲۰۵۰

میں خبر سے مراد بھی یہی ہو +

اخلع نعل۔ نعل فعل۔ **۲۰۴۹** اخلع نعلیک۔ خلع کے معنی ہیں اتار دینا اور نعل کے معنی جوتی اور رجلٌ ناعلٌ اور مُنْعَلٌ غنی کو کہتے ہیں جیسے حافی ننگے پاؤں والا فقیر کو کہتے ہیں (غ) اور اخلع نعلیک کے معنی دو طرح پر کئے گئے ہیں یعنی ظاہر پر اس لحاظ سے کہ وہ مردہ گدھے کے چمڑے کی تھیں۔ اور بعض صوفیوں کا قول ہو کہ یہ ایک مثال ہو اور یہ امر ہو اقامت اور مضبوط ہو جانے کیلئے جیسا کہ تم اس شخص کو جسے کہنا ہو کہ مضبوط ہو جاؤ کہتے ہو اپنے کپڑے اور موزے اُتار لو (غ)۔ اور نعل سے وہ چیز بھی مراد لی جاتی ہو جو آرام کا موجب ہو اسلئے کہا گیا ہو کہ اس کے معنی ہیں اہل اور مال سے اپنے دل کو خالی کر دے (ر) +

طُوًی۔ طَیّ۔ طُوًی۔ طوی۔ طُوًی (مصدر طَیّ) کے معنی ہیں لپیٹنا۔ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب (الانبیاء ۲۱-۱۰۴) اور یہاں طُوًی اس وادی کا نام بھی ہو اور کہا گیا ہو کہ یہ اس حالت کی طرف اشارہ ہو جو حضرت موسیٰ کو طریق اجتباء پر حاصل ہوئی گویا کہ اس پر مسافت لپیٹ لی گئی اگر اجتہاد سے اس تک پہنچنا ہوتا تو وہ اس سے دور رہتے (ر)۔ اور بعض کے نزدیک طُوًی اور طِوًی کے ایک ہی معنی ہیں اور وہ چیز ہے جو دوہرائی گئی ہو اور طُوًی کے معنی کئے گئے ہیں طِوًی مرتین یعنی دوبار پاک کی گئی اور حسن کا قول ہو کہ اس میں برکت اور تقدیس دوچند کی گئی (ل)۔ اور بعض نے یہاں معنی لئے ہیں کہ اس کے رہنے والے دوبارہ بلایا اور مجاہد نے دوبار پاک کی گئی اور برکت دی گئی معنی لئے ہیں (ج)۔ اور دو بار برکت سے مراد یہ معلوم ہوتی ہو کہ وہ پہلے بھی ارض مقدس یا مبارک سرزمین میں ہو اور پھر حضرت موسیٰ کو وہاں وحی ملنے سے اس کی برکت دوچند ہو گئی +

حضرت موسیٰ کی وحی انبیاء کی طرح تھی۔ ظاہر ہو کہ جس کا ذکر پہلی آیت اور اس آیت میں ہو وحی الٰہی ہو اذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طوی (النّٰزعٰت ۷۹-۱۶) اور پکارنے والا خود اللہ تعالیٰ ہو وہ آواز کسی درخت کی نہیں اور اسی انا ربک سے بھی یہی ظاہر ہو اور وحی جس طرح پر انبیاء کو ہوتی ہو اسی طرح حضرت موسیٰ کو ہوئی۔ اور بعض لوگوں نے جو یہاں پر بحث کی ہے کہ لفظ کوئی نہ تھے تو یہ صحیح نہیں وحی متلو میں ہمیشہ لفظ ہوتے ہیں اور یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ وحی کا ہو البتہ وحی خفی میں ایک بات دل میں ڈالی جاتی ہو اس میں الفاظ نہیں ہوتے۔ اور جوتیاں اُتارنے سے کیا مراد ہو

جوتیاں اتارنے سے مراد۔ آیا ظاہر طور پر بلحاظ جگہ کی تقدیس کے ہو اکثر مفسرین کا یہی خیال ہو۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جوتی میں رہ کر بھی اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ہو سکتی ہو جیسا کہ خود حضرت موسیٰ کو ہوئی۔ اور اگر پاک جوتی ہو تو پاک جگہ پر اس کے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ پاک جوتی کیساتھ مسجد میں بھی جانا جائز ہو۔ اور درحقیقت اگر جوتی میں ہو کر اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا مرتبہ حاصل ہو سکتا ہو تو کسی پاک مقام پر پاک جوتی کا جانا منع نہیں ہو سکتا اس لحاظ سے دوسرے معنی جو اوپر دیئے گئے ہیں زیادہ موزون ہیں یعنی یا تو یہ حضرت موسیٰ کو حکم ہو کہ وہ مضبوط ہو کر اس کام کو اختیار کریں اور یا یہ مطلب ہے کہ اب دنیا کے فکروں کو چھوڑ کر تبلیغ کو اختیار کریں ورنہ وحی ہوتے ہوتے درمیان میں جوتیاں اُتارنے کی بظاہر کوئی ضرورت نظر نہیں آتی۔ جیسا نبی کریم صلعم کو حکم ہوا وثیابک فطهر (المدثر ۷۴-۴) تو مراد اس سے عمل صالح کا کرنا یا تطہیر نفس ہے +

اختیار۔ **۲۰۵۰** اخترتک۔ اختیار سے ہو دمادہ خیر ہو) اور اختیار کے معنی ہیں اس کا طلب کرنا جو خیر ہو اور اس کا کرنا اور کبھی اس پر بولا جاتا ہے

۱۴ ۱۵ إِنَّنِیٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعۡبُدۡنِی وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِیٓ ○ إِنَّ ٱلسَّاعَةَ

بیشک میں اللہ ہوں میرے سوائے کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لئے نماز قایم کر وہ گھڑی ضرور

۱۶ ءَاتِیَةٌ أَكَادُ أُخۡفِیهَا لِتُجۡزَىٰ كُلُّ نَفۡسِۭ بِمَا تَسۡعَىٰ ○ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَن

آنے والی ہے میں اسے مخفی ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہر نفس کو اس کے مطابق بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہی[۲۰۵۱] سو تجھے اس سے وہ شخص نہ روکے جو

۱۷ ۱۸ لَّا یُؤۡمِنُ بِهَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ فَتَرۡدَىٰ ○ وَمَا تِلۡكَ بِیَمِینِكَ یَٰمُوسَىٰ ○ قَالَ

اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہو سو تو ہلاک ہو جائے[۲۰۵۲] اور اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اس نے کہا

هِیَ عَصَایَ أَتَوَكَّؤُا۟ عَلَیۡهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِی وَلِیَ فِیهَا مَـَٔارِبُ أُخۡرَىٰ ○

یہ میرا عصا ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی فائدے ہیں[۲۰۵۳]

۱۹ ۲۰ قَالَ أَلۡقِهَا یَٰمُوسَىٰ ○ فَأَلۡقَىٰهَا

کہا اے موسیٰ اسے ڈال دے سو اسے ڈال دیا

جسے انسان خیر سمجھے گو وہ خیر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کو اختیار کرنے میں جیسے یہاں اور اخترنٰہم علیٰ علم علی العالمین۔ (الدخان ۴۴-۳۲) میں یہ بھی صحیح ہو کہ اشارہ ان کے نیک پیدا کرنے کی طرف ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ اشارہ یہ ہو کہ انہیں دوسروں پر مقدم کیا ہو (غ)، اور عرف متکلمین میں مختار اس فعل کو کہا جاتا ہو جب انسان مجبوری سے نہیں کرتا اسی سے کہا جاتا ہو فلاں شخص اسباب میں مختار ہو (غ)، +

مختار

۲۰۵۱ اخفی یخفی (یخفی)، کے معنی دونوں طرح پر آتے ہیں اور یہ اضداد میں سے ہو یعنی چھپایا اور ظاہر کیا۔ لیکن أُخۡفِیَ (یُخۡفِی) مصدر اِخۡفاء کے معنی صرف چھپانا ہیں (ل)، لیکن اکاد یہاں بمعنی ارید ہو بعض نے یہاں قرات أَخۡفِیهَا لی ہو جس کے معنی اظہرھا ہونگے مگر ابو علی نے أُخۡفِیهَا کے معنی بھی اظہرھا لئے ہیں (د)، اکاد اخفیھا جملہ معترضہ کے طور پر ہو۔ یعنی وہ قیامت کبریٰ جو انسان کے اعمال کی جزا و سزا سے قایم ہو گی اس کو اللہ تعالیٰ انسان کی نظروں سے مخفی ہی رکھتا ہو اس لئے کہ اعمال کی جزا و سزا خود ایک مخفی چیز ہو جس کا ظہور صرف قیامت میں ہو گا +

خفی

اخفاء

قیامت کا مخفی رکھنا

۲۰۵۲ عنہا میں اور بہا میں ضمیریں یا دونوں ساعت کی طرف جاتی ہیں یا دونوں صلوٰۃ کی طرف یا پہلی صلوٰۃ کیطرف اور دوسری ساعت کیطرف (د) یعنی تجھے ساعت سے نہ روکے یا نماز سے نہ روکے وہ شخص جو ساعت پر ایمان نہیں لاتا یا وہ شخص جو نماز پر ایمان نہیں لاتا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ضمیر عنہا میں فعل مفہوم کی طرف جاتی ہو یعنی تبلیغ امر حق سے نہ روکے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی آیات وہی ہیں۔ جو تبلیغ سے روکنے والوں کے مقابلہ پر ہیں +

۲۰۵۳ اھش۔ ھشّ۔ ھشّ کے قریب قریب ہو یعنی اس کے معنی تحریک ہیں (غ)، اور لاٹھی سے پتے جھاڑنے پر بولا جاتا ہو مآرب۔ مَأۡرَبَة کی جمع ہو اور یہ أَرِبَ سے مصدر ہو اور اَرَب سخت حاجت کو کہتے ہیں جس کیلئے حیلہ کرنا پڑے (غ) اور اولی الاِرۡبَة من الرجال (النور ۲۴-۳۱) میں اِرۡبَة سے مراد نکاح کی حاجت ہو +

ھشّ

ارب - مأربة

اِربة

فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى ○ قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا ۲۱

تو کیا دیکھا کہ وہ سانپ ہے دوڑ رہا ہے[۲۰۵۴] کہا اسے پکڑ لے اور ڈر نہیں۔ ہم اسے اس کی پہلی حالت پر

الْاُوْلٰى ○ وَ اضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً ۲۲

لوٹا دیں گے[۲۰۵۵] اور اپنے ہاتھ کو اپنے پہلو سے لگا وہ سفید نکل آئے گا بغیر اس کے کہ اس میں کوئی برائی ہو یہ

اُخْرٰى ○ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ○ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ ۲۳ ۲۴

دوسرا نشان ہے تاکہ ہم تجھے اپنے بہت بڑے نشانوں میں سے دکھائیں[۲۰۵۶] فرعون کی طرف جا کہ وہ حد سے نکل گیا ہے۔

وحی کی حالت میں بندے کی طرف سے سوال اور پھر بذریعہ وحی اس کا جواب بھی ہو سکتا ہے یہاں وحی کے درمیان حضرت موسٰی کا جواب ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت صلعم کو جب وحی ہوئی تو اسی حالت وحی میں آپ نے تین بار فرمایا ما انا بقارئ +

حیۃ

حضرت موسٰی کے عصا کا ابتدائے نزول وحی میں باریک سانپ بننا بعد فرعون کے سامنے اژدہا بننا اور ساحروں کا مقابلہ

۲۰۵۴ حیۃ سانپ کو کہتے ہیں اور یہ حیاۃ بمعنی زندگی سے مشتق ہے بوجہ اپنی زندگی کے طول کے (ل) اور چھوٹے بڑے دونوں کا اس کا استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں تین جگہ یہ ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰی کو وحی کی اور عصا ڈالنے کو کہا تو وہ سانپ بن گیا ایک یہاں اور اسے حیۃ کہا ہے دوسرا (النمل ۲۷ - ۱۰) میں اور تیسرا (القصص ۲۸ - ۳۱) جہاں دونوں جگہ اسے جانّ کہا ہے اور جانّ باریک سانپ کو کہتے ہیں اور دو جگہ یہ ذکر ہے کہ حضرت موسٰی نے فرعون کے سامنے عصا ڈالا تو وہاں دونوں جگہ ثعبان کا لفظ ہے یعنی اژدہا (الاعراف ۷ - ۱۰۷) اور (الشعراء ۲۶ - ۳۲) اور ساحروں کے مقابلہ پر جہاں ڈالنے کا حکم ہے تو وہاں ان دونوں میں سے کوئی لفظ بھی نہیں فرمایا صرف یہ فرمایا ہے کہ جو کچھ ساحروں نے بنایا تھا عصا اسے نگل گیا (الاعراف ۷ - ۱۱۷) (طٰہٰ ۲۰ - ۶۹) (الشعراء ۲۶ - ۴۵) یہ فرق بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت موسٰی کو اکیلے عصا کا سانپ بننا دکھایا گیا ہے تو یہ معجزہ نہیں کیونکہ معجزہ کی ضرورت منکر کیلئے ہوتی ہے اور حضرت موسٰی منکر نہ تھے نہ یہ بتانے کو ہے کہ اس عصا میں یہ خاصیت ہے کہ جب ڈالا جائیگا تو سانپ بن جائیگا۔ کیونکہ نہ صرف اس کے حضرت موسٰی کی ساری زندگی میں سوائے فرعون کے مقابلہ پر سانپ بننے کا ذکر نہیں کیا بلکہ خود ساحروں کے مقابل پر بھی حضرت موسٰی نے عصا نہیں ڈالا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں ہوئی پس ہر جگہ پر عصا ڈالنے اور اس کے سانپ بننے کی الگ غرض ہے اور حضرت موسٰی کو اپنے طور پر اس کیفیت کے دکھانے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ زندہ کریگا اور فرعون کے مقابل پر اژدہا بنانے کا یہ منشا ہے کہ آپ کی جماعت اسے اور اس کی افواج کو کھا جائے گی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عصا سانپ یا اژدہا نہیں بنا تھا بلکہ یہ مطلب ہے کہ سانپ یا اژدہا بننے کے نیچے یہ مفہوم تھا +

سیرت

۲۰۵۵ سیرت۔ سَیْر چلنے کا نام ہے اور سِیْرَت وہ حالت ہے جس پر انسان ہو قدرتی ہو یا اکتساب سے حاصل ہوئی ہو جیسے کہا جاتا ہے اس کی سیرت اچھی ہے اس کی سیرت بری ہے اور یہاں مراد ہے اس کی پہلی یعنی لکڑی ہونے کی حالت (غ) + اس سے معلوم ہوا کہ عصا کے سانپ ہونے کی حالت محض ایک وقتی حالت تھی +

۲۰۵۶ لنریک من اٰیاتنا الکبریٰ کے معنی یوں بھی کئے گئے ہیں کہ یہی بڑی نشانیاں ہیں جو ہم تمہیں دکھانا چاہتے ہیں مگر میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ یہ نشان جو ہم نے دکھائے ہیں اسلئے دکھائے ہیں تاکہ اس سے بھی بڑے نشان تمہیں دکھائیں اور اس سے بڑے نشانوں سے مراد وہی غلبہ ہے جس کی طرف ان نشانات میں اشارہ تھا +

۲۵ ۲۶ ۲۷ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝

(موسیٰ نے) کہا میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لئے آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے

۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ أَزْرِيْ ۝

تا کہ میری بات کو سمجھ لیں[۲۰۵۷] اور میرے ساتھیوں میں سے ایک میرا بوجھ بٹانے والا بنا دے ہارون میرا بھائی[۲۰۵۸] میری قوت کو اسکے ساتھ مضبوط کر[۲۰۵۹]

۳۲ ۳۳ ۳۴ وَأَشْرِكْهُ فِيْٓ أَمْرِيْ ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝

اور میرے کام میں اُسے شریک کر[۲۰۶۰] تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت یاد کریں

ع ۲ ۱۱

حضرت موسیٰ اور ہارون کا فرعون کی طرف جانا۔

شرح صدر اور عقدہ لسان سے مراد

۲۰۵۷ شرح صدر کیلئے دیکھو ۱۷۸۱ مراد دلائل کا ملنا ہے اور یہ بھی مشکلات کے دور ہونے کی دعا ہے اور عقدہ لسان کے کھلنے سے مراد جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے قوت بیانی میں جو نقص ہے اس کا دور کیا جانا ہے دیکھو ۲۰۰۰ اور قرآن شریف نے خود بھی یہی فرمایا ہے کیونکہ ایک جگہ فرعون کا اعتراض ہے ولا یکاد یبین (الزخرف ۴۳-۵۲) یعنی موسیٰ میں قوت بیانی نہیں۔ اور حضرت موسیٰ خود ہارون کا ذکر کر کے فرماتے ہیں ھو افصح منی لساناً (القصص ۲۸-۳۴) اور خود اپنے متعلق فرماتے ہیں و یضیق صدری ولا ینطلق لسانی (الشعراء ۲۶-۱۳) پس یہ خیال کہ حضرت موسیٰ کی زبان (جادحہ) میں کوئی گرہ تھی صحیح نہیں اور یہاں عصا اور ید بیضا کا نشان مل جانے کے بعد حضرت موسیٰ تین باتوں کیلئے دعا کرتے ہیں اول شرح صدر یعنی اعلیٰ درجہ کی دلائل میسر آجائیں۔ دوسرے ان دلائل کے پیش کرنے میں جو مشکلات اور رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں تیسرے فصاحت لسانی ملے اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ آپکے مخاطب اصل بات کو اچھی طرح سمجھ لیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ تبلیغ حق کیلئے ان باتوں کی ضرورت حضرت موسیٰ کو تھی جیسے آج ہر مبلغ کو ہے۔

وزیر

۲۰۵۸ وزیر۔ بمعنی مُوازِر ہے اور بادشاہ کے وزیر کو وزیر اسلئے کہا جاتا ہے کہ تدبیر مملکت کا جو بوجھ بادشاہ پر ہے وہ اسے اٹھاتا ہے (ل)، اور مُوَازرۃ بمعنی معاونت ہے (غ)۔

حضرت موسیٰ کی درخواست ہارون کو نبی بنانے کی نہیں اپنا معاون بنانے کی ہے۔

حضرت موسیٰ کی یہ دوسری درخواست جناب باری میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے قبضہ سے نکالنے کیلئے اور اس کی سارے پہلوؤں میں اصلاح کیلئے حضرت موسیٰ نے اپنے آپکو کافی نہیں سمجھا اور ایک مددگار ساتھ چاہا ہے۔ اور اس مددگار کو نام سے مخصوص کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی کہ ہارون کو نبی بنا دیا جائے ایسی کسی دعا کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں، اور فارسل الی ھٰرون (الشعراء ۲۶-۱۳) اور فارسلہ معی (القصص ۲۸-۳۴) سے بھی یہ مراد نہیں کہ اسے رسول بنا دے بلکہ اپنے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا جانے کی درخواست ہے اور حضرت موسیٰ کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ علم تھا کہ ان کے بھائی ہارون کو نبوت مل چکی ہے (اور یہ حضرت موسیٰ سے بڑے تھے) پس انکی درخواست یہ ہے کہ کام مشترک طور پر دونوں کے سپرد ہو تا کہ ایک دوسرے کی قوت کا موجب ہوں جیسا کہ اشدد بہ ازری و اشرکہ فی امری سے ظاہر ہے۔ سلسلہ کی ابتدا اور انتہا کو چونکہ زیادہ وقعت حاصل ہوتی ہے اسلئے سلسلہ اسرائیلی کی ابتدا میں بھی دو نبی پائے جاتے ہیں یعنی موسیٰ اور ہارون اور انتہا میں بھی دو ہیں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ۔

ازر ازد

۲۰۵۹ ازر اس کی اصل ازار سے ہے جو لباس ہے۔ اور اَزْر قوت شدیدہ کو کہتے ہیں۔ اور اٰزرہ اسے مدد دی اور مضبوط کیا اخرج شطاہ فاٰزرہ (الفتح ۴۸-۲۹) (غ)

۲۰۶۰ امر سے مراد یہاں امر تبلیغ و دعوت الی الحق ہے۔ نہ نبوت۔

إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ○ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ○ وَلَقَدْ مَنَنَّا ٣٥ ٣٦ ٣٧

یقیناً تو ہمیں ہر حال میں دیکھتا ہے ۔ کہا اے موسیٰ تیری مانگی ہوئی چیز تجھے دی گئی [٢٠٦١] ۔ اور یقیناً ہم نے

عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ○ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ○ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي ٣٨ ٣٩

تجھ پر ایک بار اور احسان کیا ۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو وحی کی گئی ۔ کہ اسے صندوق میں

التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

ڈال دے ۔ پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا ۔ تاکہ میرا ایک دشمن

وقف لازم ۔ وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ○ إِذْ ٤٠

اور اسکا دشمن اسے لے لے ۔ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی ۔ اور تاکہ میرے سامنے تیری تربیت کیجائے [٢٠٦٢] ۔ جب

تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ

تیری بہن گئی ۔ اور کہا ۔ کیا میں تمہیں بتاؤں جو اس (کی پرورش) کو اپنے ذمہ لے ۔

سؤل — [٢٠٦١] سؤل ۔ فُعل بمعنی مفعول ہے یعنی مسئول ۔ اور سوال کیلئے دیکھو [٢١٥] ۔

قذف — [٢٠٦٢] اقذفی ۔ قَذْف کے معنی دور پھینکنا ہیں اور یہاں معنی طَرْح یعنی ڈال دینا ہیں وقذف فی قلوبہم الرعب (الاحزاب ٣٣ ۔ ٢٦) بل نقذف بالحق علی الباطل (الانبیاء ٢١ ۔ ١٨) ویقذفون من کل جانب (الصّٰفّٰت ٣٧ ۔ ٨) اور استعارۃً شتم اور عیب بھی اس کے معنی آتے ہیں (مفردات) ۔

یم — یم ۔ یَمّ کے معنی دریا یا سمندر ہیں اور اس کے معنی قصد کرنا بھی آتے ہیں جس سے تیمم ہے (غ) ۔

صُنع ۔ اصطناع — تصنع ۔ صُنْع کے معنے ہیں اجادۃ الفعل یعنی کام کا اچھا بنانا ۔ اور اِصْطِنَاع کسی چیز کی اصلاح میں کمال کر دینا ہے اور واصطنعتک لنفسی اور ولتصنع علی عینی میں اشارہ اسبات کی طرف ہے جیسا کہ بعض حکماء نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کیلئے تعاہد کرتا ہے جس طرح دوست دوست کیلئے تعاہد کرتا ہے (غ) ، اور صَنَعَ الفرس سے مراد ہے گھوڑے کی نگہداشت نہایت خوبی سے کی اور صَنَعَ جاریتہ کے معنی ہیں لونڈی کی تربیت کی اور لتصنع علی عینی کے معنی ہیں تاکہ میرے سامنے تیری تربیت کی جائے (ل) ، اور صُنْع کے معنی احسان بھی کئے گئے ہیں یعنی مراد یہ ہے کہ تاتیری پرورش مہربانی اور شفقت سے ہو (ر) ۔

علیٰ عینی — علیٰ عینی سے مراد ہے میرے سامنے گویا میں دیکھ رہا ہوں اور کوئی امر میرے خلاف منشا میں نہیں ہو سکتا ۔

غیر نبی کی وحی نبی کی وحی کی طرح یقینی ہو سکتی ہے — یہاں اللہ تعالیٰ نے اس وحی کا ذکر کیا ہے جو حضرت موسیٰ کی والدہ کو ہوئی ۔ کہ اپنے بچہ کو صندوق میں رکھکر دریا میں ڈال دے اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کے سامان پیدا کر دیگا ۔ اور ایسا ہی انہوں نے کیا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی غیر نبی کو بھی (کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ نبیہ نہ تھیں) ایسی ہی یقینی ہو سکتی ہے جیسے نبی کو لیکن ہیں جو امور ظاہر کئے جاتے ہیں وہ اور رنگ کے ہوتے ہیں اگر حضرت موسیٰ کی والدہ کو اس وحی کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل نہ ہوتا تو وہ اپنے بچہ کو اس کی بنا پر دریا میں نہ ڈال سکتی تھیں ۔ فرعون کو یہاں اللہ تعالیٰ کا دشمن کہا ہے اسلئے کہ وہ حق کا دشمن تھا اور حضرت موسیٰ کا بھی دشمن کہا ہے یا تو اس لحاظ سے کہ وہ آگے چلکر دشمن ثابت ہوا اور یا اس لئے کہ وہ بنی اسرائیل کے سب بچوں کا دشمن تھا ۔

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۥ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ

سو ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کرے۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا سو ہم نے تجھے

الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۥ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى

غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈالا پھر تو مدین کے لوگوں میں کئی سال رہا پھر تو اے موسیٰ ایک

۴۱ قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ ۴۲ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ

اندازہ پر آ گیا ۲۰۶۳ اور میں نے تجھے اپنے لئے کمال خوبی میں بنایا ۲۰۶۴ تو اور تیرا بھائی میری آیتوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا ۲۰۶۵

اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ پر محبت ڈالنے میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی محبت قلوب میں پہلے سے ہوتی ہے یہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ اس قسم کے الفاظ سب ہی انبیاء پر صادق آتے ہیں خود ہمارے نبی کریم صلعم پر اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت ڈالی گئی تھی اور کوئی دل نہ تھا جو آپ کی محبت سے خالی ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ میرے سامنے تو اچھا بنایا جائے ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے لئے پرورش کے سامان بھی ایسے مہیا فرما دیتا ہے کہ ان کی تربیت اچھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اسلئے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی ایسی بات پیدا ہونے نہیں دیتا جو ان کے آئندہ منصب کے خلاف ہو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے حضور پرورش پاتے ہیں گو ظاہری ذرائع کیسے ہی ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے ہاتھ سے بھی انکی پرورش اسی اعلیٰ درجہ کے معیار پر کرا لیتا ہے۔ یہ بھی انبیاء کی عصمت پر دلیل ہے۔

انبیاء پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے محبت کا ڈالا جانا۔

انبیاء کا اللہ تعالیٰ کے سامنے پرورش پانا دلیل عصمت ہے

۲۰۶۳ فتونا۔ یا مصدر ہے فعول کے وزن پر یا فتن کی جمع ہے یعنی طرح طرح کے ابتلا۔ یا فتنة کی جمع ہے یعنی طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا۔ اور راغب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتن یا دکھوں میں ڈالنا حکمت کے طریق پر ہوتا ہے جس طرح سونے کو آگ میں ڈالا جاتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا تاکہ آپ اس منصب پر کھڑا ہونے کے اہل ہو جائیں جس پر آپ کا کھڑا ہونا مقدر تھا اور کوئی نبی نہیں جسے تکالیف میں نہ ڈالا گیا ہو +

فُتُوْن

انبیاء پر مصائب کا آنا

علیٰ قدر۔ قَدَر قضائے موفق کو کہا جاتا ہے جب ایک چیز دوسری کے موافق ہو دل، پس علیٰ قدر سے مراد ہے کہ حضرت موسیٰ کا آنا یعنی سفر مصر اختیار کرنا اس اندازہ پر تھا کہ وہی وقت آپ پر نزول وحی کا بھی آ پہنچا تھا اور بعض نے قَدَر کو بمعنی قَدْر لیکر مقدار معنی لئے ہیں یعنی اس زمانہ کو پہنچ گیا جس میں انبیاء پر وحی نازل ہوتی ہے +

قَدَر۔ علیٰ قدر

حضرت موسیٰ کو واپس ماں کے پاس پہنچا دینے کا ذکر اسلئے کیا تا معلوم ہو کہ وحی الٰہی اس راستہ پر کبھی نہیں ڈالتی جس کا نتیجہ ہلاکت ہو بلکہ ظاہر ہلاکت کے سامان بھی معلوم ہوتے ہیں تو انجام اچھا ہوتا ہے +

۲۰۶۴ اصطناع کیلئے دیکھو ۲۰۶۲۔ لنفسی اپنی ذات کیلئے۔ اسلئے کہ انبیاء اللہ تعالیٰ کا نام ہی دنیا میں پھیلاتے ہیں اور نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے اس کے معنی مروی ہیں اپنی وحی اور رسالت کیلئے (د)، پس معلوم ہوا کہ انبیاء کی زندگی محض خدا کیلئے ہوتی ہے اور وہ تمام اغراض نفسانی سے پاک ہوتے ہیں +

انبیاء کا اغراض نفسانی سے پاک ہونا۔

۲۰۶۵ تنیا۔ وَنٰی سے ہے جس کے معنی ضعف۔ فتور عاجز آ جانا تھک جانا ہیں۔ (دل)، +

وَنٰی

حالانکہ اوپر ذکر صرف حضرت موسیٰ کا تھا مگر یہاں دونوں کو خطاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی واقعات بہت سے چھوڑ دیئے ہیں یا حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مطلع فرمایا +

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ ۴۳ ۴۴

دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ حد سے نکل گیا ہے ۔۔ سو اسے نرم بات کہو شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے [2066]

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ ۴۵

دونوں نے کہا ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر جلدی کر بیٹھے یا حد سے نکل جائے [2067] کہا مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں

اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۴۶ ۴۷

سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ۔۔ سو اس کے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے رب کے دو رسول ہیں سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝

اور انہیں دکھ نہ دے ۔۔ ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس ایک پیغام لائے ہیں ۔۔ اور اس پر سلامتی ہے جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے [2068]

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ ۴۸ ۴۹

ہماری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ اس پر عذاب ہے جو جھٹلاتا ہے اور پھر جاتا ہے ۔۔ (فرعون نے) کہا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے [2069]

لین — دعوت الی الحق کا صحیح طریق

2066 لیناً۔ لین سے ہے دیکھو [1555] نرم بات۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون حد سے گزر گیا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا نہایت ذلیل کام ان سے لیتا تھا۔ بایں ہمہ حق پہنچانے کیلئے اپنے نبیوں کو بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے نرمی سے بات کرنا اور پھر ساتھ ہی اُمید دلاتا ہے کہ شاید وہ نصیحت پکڑے یہ ہے تبلیغ حق کا طریق جس کی پیروی آج مسلمانوں کو کرنی چاہئے۔ اگر وہ اس وقت اسی حالت میں ہیں جس حالت میں بنی اسرائیل فرعون کے ماتحت تھے اگر ان پر حکمران قوم حد سے نکل چکی ہے اگر انکے بیٹے ذبح کئے جاتے ہیں اگر ان کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور ذلیل حالت میں رکھا جاتا ہے تو بھی اس قوم سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ لعلہ یتذکر او یخشی جب ایک شقی ازلی کے متعلق بھی ہے تو آج کیوں قول لین سے دعوت الی الحق دیکر ان کے مسلمان ہونے کی اُمید نہ رکھی جائے۔ فرعون کا تذکرہ مسلمانوں کی ہدایت کیلئے ہے مگر وہ فائدہ نہیں اُٹھاتے ۔

فرط

2067 یفرط۔ فَرَطَ کے معنی ہیں تَقَدَّمَ یعنی پیش دستی کی اور فَرَطَ علیہ کے معنی ہیں اَسْرَفَ و تقدم یعنی زیادتی کی اور پیشدستی کی (ل)۔

اور یہاں مراد ہے کہ قبل اس کے کہ ہمارے پیغام کو سُنے ہمارے اوپر کوئی حکم سزا صادر کردے اور یطغی سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں طغیان کرے ۔

2068 یہاں جو یہ فرمایا کہ ہم ایک آیت تیرے پاس لائے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد رسالت یا پیغام ہی ہے دیکھو آیۃ کے معنی کیلئے [6] کیونکہ اگر اس سے مراد معجزہ ہوتا تو معجزے دو تھے ایک نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ساتھ ہی فرمایا من اتبع الھدیٰ گویا وہ آیت ہدایت الٰہی یا پیغام الٰہی ہی ہے نہ کچھ اور ۔

2069 یہاں پھر بہت سے درمیانی واقعات کو چھوڑ دیا ہے یہانتک کہ حضرت موسیٰ اور ہارون دونوں فرعون کے پاس پہنچکر اپنا پیغام ادا کرتے ہیں ۔

۵۰ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ ۵۱ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ

کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر اسے (اپنے کمال کی) راہ دکھائی ۲۰۷۰ اس نے کہا تو پھر پہلی نسلوں کا کیا

۵۲ الْاُوْلٰی ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ۝ ۵۳ الَّذِیْ

حال ہے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے میرا رب غلطی نہیں کرتا نہ بھولتا ہے ۲۰۷۱ وہ جس نے

جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لئے اس میں رستے چلائے اور بادل سے پانی

۵۴ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ۝ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ؕ

اتارا پھر ہم اس کے ساتھ مختلف سبزیوں کے جوڑے پیدا کرتے ہیں ۲۰۷۲ کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو چراؤ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ۝ ع

یقیناً اس میں عقل والوں کے لئے نشان ہیں ۲۰۷۳

ہر چیز کا اپنے دائرہ میں کمال۔

۲۰۷۰ سوال رب کے متعلق تھا اسلئے فرمایا کہ وہ صرف خالق ہی نہیں اور اس نے مخلوق کو پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی ربوبیت کا یہ اقتضا ہے کہ اسے ہدایت بھی دی یعنی منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ دکھائی ایسی فطری ہدایت سے ہر چیز اپنے دائرہ میں کمال کو حاصل کرتی ہے اور اس میں وحی الٰہی کی ضرورت پر بھی دلیل ہے اور بتایا ہے کہ انسان کو اس کے کمال تک پہنچنے کیلئے وحی کی ضرورت ہے کیونکہ روحانی کمال کیلئے روحانی سامانوں کی ہی ضرورت ہے ۔

۲۰۷۱ سوال کا مطلب یہ تھا کہ پہلی قومیں جنہیں یہ ہدایت نہیں ملی ان کا کیا حال ہے تو اس کا جواب دیا ہے کہ وہ میرا کام نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو سامان چاہا کر دیا کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ نہ کسی کے متعلق غلطی کرتا ہے نہ کسی کو بھولتا ہے لا ینسیٰ میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کتاب کا محتاج نہیں جس طرح انسان بوجہ نسیان کے محتاج ہوتا ہے گویا اس کی کتاب بھی اس کا علم ہے جس سے کوئی چیز باہر نہیں ۔

۲۰۷۲ اس میں اسی پہلی دلیل کو اور ربط کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح اوپر سے پانی برستا ہے تو زمین کی روئیدگیاں نکل آتی ہیں اسی طرح وحی الٰہی قلب انسانی کو زندگی بخشتی ہے اور اس میں طرح طرح کی قوتیں نشو و نما پاتی ہیں۔ ازواج کے لفظ میں یہی اشارہ ہے کہ ہر چیز اپنا ایک زوج رکھتی ہے جس سے اثر قبول کر کے وہ بقائے حیات میں معاون ہوتی ہے قلب انسانی بغیر ہدایت وحی کے ترقی نہیں کر سکتا ۔

نہیۃ ۔ نُہٰی

۲۰۷۳ نُہٰی ۔ نُہْیَۃ کی جمع ہے جس کے معنی عقل ہیں اسلئے کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے۔ نُہٰی کے لئے دیکھو ۹۵۲ ۔

ع ۲۲ ۱۲

حضرت موسیٰ اور ساحروں کا مقابلہ

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ ۵۵ ۵۶

اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائینگے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری دفعہ نکالینگے ۲۰۷۴ اور ہم نے اسے اپنے سب

اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ ۵۷

نشان دکھلائے ۲۰۷۵ مگر اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ کہا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس آیا ہو کہ اپنے جادو سے ہمیں اپنے ملک سے

يٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ ۵۸

نکال دے سو ہم بھی ضرور تیرے پاس ایسا ہی جادو لائینگے سو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ ٹھہرالے جس کی نہ ہم خلاف

نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ ۵۹

ورزی کریں اور نہ تو برابر مکان میں رہوں ۲۰۷۶ کہا تمہارا وعدہ کا وقت

تارۃ

۲۰۷۴ تارۃ۔ تود سے ہو (اور تور ایک برتن ہو) اور اس کے معنی مَرَّۃً یا دفعہ ہیں اور تارۃً اُخرٰی کے معنی کئے ہیں مرۃً بعد مرۃٍ (ل)۔

انسان کی پہلی اور دوسری پیدائش کا زمین سے ہونا

سب انسان زمین سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور زمین میں ہی لوٹ کر جاتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہو اور دوسری مرتبہ زمین سے پیدا کیا جانا اس لحاظ سے ہو کہ انسان کے وہ اعمال جن سے اس کی دوسری زندگی پیدا ہوتی ہو اسی زمین پر ہی ہوتے ہیں نہ اس سے باہر اور سچ تو یہ ہو کہ پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا جانا بھی کئی مراحل سے وقوع میں آتا ہو اور یہ نہیں ہوتا کہ ایک مٹی کا بت بنا کر کھڑا کر دیا جائے بلکہ اس مٹی سے نباتات وغلے پیدا ہوتے ہیں جنہیں حیوانات کھاتے ہیں اور انسان بھی پھر ان غذاؤں کا خلاصہ اور خلاصہ وہ چیز ہو جس سے ہر انسان کی پیدایش کی ابتدا ہوتی ہو دوسری زندگی کن مراحل سے گزر کر آئے گی اور کن طریقوں پر پا کیسی ہوگی یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ دوسرے عالم کے متعلق ہو

حضرت موسیٰ کی دلائل

۲۰۷۵ نشان تو صرف دو ہی تھے یعنی عصا اور ید بیضاء کیونکہ باقی نشان اس واقعہ کے بہت بعد دکھائے گئے ہیں پس یہاں نشانوں یا آیات میں علاوہ معجزات کے دلائل و بینات بھی داخل ہیں جو حضرت موسیٰ نے بیان کئے جیسا کہ اوپر انہی آیات کا ذکر ہو یعنی جو دلائل حضرت موسیٰ نے توحید باری تعالیٰ پر دیئے ہیں۔ اور یہ قابل غور ہو کہ یہاں فرعون اور حضرت موسیٰ کی صرف گفتگو کا ذکر ہو اور حضرت موسیٰ کی دلائل کا جو ہستی باری اور ضرورت وحی پر دیئے ہیں اور فرعون کے سامنے عصا ڈالنے یا سفید ہاتھ نکالنے کا یہاں مطلق ذکر نہیں اور انہیں دلائل کو یہاں آیات کہا ہو اور اسی کا نام فرعون نے سحر رکھا ہو جیسا کہ اگلی آیت میں ہو لتخرجنا من ارضنا بسحرک گویا یہ دلائل بھی سحر ہیں اور دلائل اور بیان کا سحر ہونا ان من البیان لسحرا سے ظاہر ہو دیکھو ۱۲۹۔

فرعون کا تحقیق مذہبی میں برابری اختیار کرنا

۲۰۷۶ مکانا سوی کے ایک معنی کئے گئے ہیں کہ ہم سے اور تم سے برابر مسافت ہو اور ایک یہ کہ ہموار ہو مگر امر اول تو ایک بہت کمزور سی بات ہو اور دوسری بات کوئی ذکر کے قابل شے نہیں۔ تیسرے معنی یوں کئے گئے ہیں کہ ایسی جگہ ہو جہاں ہم اور تم برابر ہوں یعنی حاکم اور رعیت کا جو فرق ہو وہ اس میدان میں نہ ہوگا (ر) کیونکہ اس اجتماع کی غرض تحقیق حق تھی اور یہی معنی یہاں موزون ہیں یہ حضرت موسیٰ کی نرم گفتگو کا نتیجہ تھا کہ فرعون تحقیق حق پر اس طرح راضی ہو گیا اور گو وہ خود محروم رہا مگر اس کی قوم میں سے کئی لوگ ایمان لے آئے۔

٦٠ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝

جشن کا دن ہے اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں ۲۰۷۷ سو فرعون پھر گیا اور اپنی تدبیروں کو جمع کیا پھر آیا ۲۰۷۸

٦١ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ

موسیٰ نے انہیں کہا تم پر افسوس اللہ پر جھوٹ نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا اور

٦٢ ٦٣ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ

جو افترا کرتا ہے نامراد رہتا ہے تب انہوں نے اپنے معاملہ میں باہم جھگڑا کیا اور مشورہ کو مخفی رکھا ۲۰۷۹ انہوں نے کہا یہ دو جادوگر ہیں

يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝

چاہتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے اعلیٰ درجہ کے طریقہ کو دور کر دیں ۲۰۸۰

(یوم الزینة — ضحی — ضحی)

۲۰۷۷ یوم الزینة سے مراد وہ دن ہے جس میں لوگ زینت کرتے ہیں اور یہ نوروز یا کوئی میلہ یا کوئی اور جشن کا دن ہو سکتا ہے + ضحی ضحًی۔ دھوپ کا پھیل جانا اور دن کا امتداد ہے اور اس وقت کو بھی جب دھوپ پھیل جائے ضحی کہتے ہیں یعنی چاشت کا وقت۔ اور ضحی یضحی کے معنی ہیں دھوپ کے سامنے ہونا وانک لا تظمؤا فیہا ولا تضحی (۱۱۹) سویرے کا وقت مقرر کرنا بتاتا ہے کہ یہ مجمع بہت دیر تک رہنا تھا اسلئے سویرے سے لوگوں کو جمع کیا گیا +

(جمع. اجمع — فرعون کی تدابیر مختلفہ)

۲۰۷۸ جمع کیدہ جَمَعَ ایک چیز کے بعض کا بعض سے قریب کر کے ملا دینا ہے اور جَمَعَ امرہ اور اَجْمَعَ کیلئے دیکھو ۱۴۱۹ اور یہاں جمع کیدہ ہے اور آگے آتا ہے فاجمعوا کیدکم تو اس کے معنی احکام و عزیمت کئے گئے ہیں یعنی ایک امر کو پختہ اور مضبوط کرنا اور جَمَعَ کیدہ کے معنی بھی اسی طرح ہونگے یعنی اپنی تدبیروں میں سے کسی بات کو باقی نہ چھوڑا اور بعض نے جمع اور اجماع میں یہ فرق کیا ہے کہ جمع ایک چیز کا دوسری کے ساتھ ملانا ہے اور اجماع ایک پراگندہ چیز کے اجزا کو اکٹھا کرنا (ل)، تو اس لحاظ سے جمع کیدہ کے معنی یہ ہوتے کہ جتنی تدبیریں کر سکتا تھا وہ سب کیں۔ اور اجمعوا کیدکم میں مراد یہ ہوئی کہ اس بات کو پختہ اور مضبوط کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہاں ایک سے زیادہ رنگوں میں مقابلہ ہوا ہو یعنی کچھ ہاتھ کے کرتب کے علاوہ تقریریں وغیرہ بھی ہوئی ہوں +

(حضرت موسیٰ کی تقریر کا اثر)

۲۰۷۹ اس سے پہلی آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان کو سمجھایا کہ افترا نہ کریں اسی کا اثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے یقیناً وہاں کوئی تقریر کی ہے اور یہی اصل بات ہے جو کبھی فرعون کے سرداروں کے اور کبھی ساحروں کے دلوں کو کھائے چلی جاتی ہے اور یہ ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لئے کہ اشرح لی صدری اور احلل عقدۃ من لسانی کی دعا بیکار رہتی اگر اصل مقابلہ دلائل میں نہ تھا اور قبل اس کے کہ ساحر اپنے ہاتھ کے کرتب دکھائیں ان کے دل حضرت موسیٰ کی دلائل حقہ سے کھائے گئے تھے۔ چنانچہ آخر پر وہ کہتے بھی ہیں ما اکرھتنا علیہ من السحر (۷۳) جس سے معلوم ہوا کہ فرعون نے مجبور کر کے ان سے وہ شعبدہ بازی کرائی جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ خود اس پر رضامند نہ تھے +

(ذھب. اذھب)

۲۰۸۰ یذھبا۔ ذَھَبٌ سونا ہے اور ذَھَبَ کے معنی چلا گیا اور ذھب بالشیء اور اَذْھَبَ کے معنی ہیں اسے لے گیا اسے دور کر دیا اور اس کا استعمال اشیاء اور معانی دونوں میں ہوتا ہے جیسے انی ذاھب الی ربی (الصّٰفّٰت ۳۷ - ۹۹) فلما ذھب عن ابراہیم الروع (ھود ۱۱ - ۷۴)، اذھب عنا الحزن (فاطر ۳۵ - ۳۴)، لیذھب عنکم الرجس (الاحزاب ۳۳ - ۳۳) ذھب اللہ بنورھم (البقرۃ ۲ - ۱۷)

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ قَالُوْا ۶۴ ۶۵

اس لئے اپنی تدبیر کو پختہ کرو پھر صف باندھ کر آؤ اور آج وہ کامیاب ہو جائیگا جو بڑائی چاہتا ہے ۲۰۸۱ انہوں نے کہا

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا ۶۶

اے موسیٰ کہا تو ڈالے گا یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں کہا بلکہ تم ڈالو تو ناگہاں

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝

رسیاں اور لاٹھیاں انکی جادو سے اسے ایسا خیال ہوا کہ گویا وہ دوڑ رہی ہیں ۲۰۸۲

طاف - طریق طریقۃ - طرق - اصل میں ضرب کی طرح ہے مگر صرف ایک چیز کے دوسری پر بار بار مارنے کو کہا جاتا ہے اور اسی سے طریق رستہ کو کہتے ہیں کیونکہ اسے پیروں سے روندا جاتا ہے اور پھر ہر ایک مسلک پر بولا جاتا ہے جس کو انسان اختیار کرے اچھا ہو یا برا اور یہاں طریقۃ سے مراد ایسا ہی مسلک یعنی مذہب ہے +

امثل - مثلٰی مثلٰی - مثل کیلئے دیکھو نمبر ۳۰ و ۲۷۳ اور امثل کے معنی ہیں وہ چیز جو افضل اور اقرب الی الخیر چیزوں سے زیادہ مشابہ ہو اور اماثل القوم بہترین لوگوں کو کہا جاتا ہے اذ یقول امثلھم طریقۃ (۲۰ : ۱۰۴) اور مثلٰی اسی سے تانیث ہے طریقۃ مثلٰی سے مراد انکا مذہب اور ان کے رسوم و رواج ہیں جنہیں وہ حضرت موسیٰ کے مذہب سے افضل قرار دیتے ہیں +

استعلاء ۲۰۸۱ استعلٰی - استعلاء کے معنی طلب علو ہیں یعنی دوسروں سے اونچا یا بلند رہنے کی خواہش اور یہ علو مذموم بھی ہو سکتا ہے اور طلب رفعت یا بلندی مرتبہ بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے اور یہاں دونوں باتیں مراد ہو سکتی ہیں (غ)، اور بعض نے علا مراد لیا ہے یعنی غالب رہا (ر) +

خیال تخییل ۲۰۸۲ یخیل - خیال - صورت مجردہ کو کہتے ہیں (یعنی صرف ایک صورت کو) جیسے وہ صورتیں جو خواب میں نظر آتی ہیں یا شیشہ میں یا کسی چیز کے غائب ہونے کے باوجود دل میں آ جاتی ہیں پھر ہر ایک صورت پر بولا جاتا ہے جس کا تصور کیا جائے اور تخییل کسی چیز کے خیال کی صورت کا دل میں آنا ہے (غ) +

ساحروں کی رسیاں سانپ نہیں بنی بلکہ یہ شعبدہ بازی تھی اعراف ۱۱۶۔ میں صرف یہ ذکر ہے کہ لوگوں کو مرعوب کر دیا اور ان کی آنکھوں کو دھوکا دیا۔ یہاں حضرت موسیٰ کا ذکر ہے کہ انکو وہ رسیاں وغیرہ دوڑتی ہوئی خیال میں گزریں۔ یہ نہیں فرمایا کہ ساحروں نے رسیوں کی قلب ماہیت کر دی تھی اور وہ فی الواقع دوڑنے لگیں بلکہ صرف ان کی چالاکی سے اور دھوکا دہی سے حضرت موسیٰ کو بھی یہ خیال گزرا کہ یہ دوڑ رہی ہیں پس یہ محض چالاکی اور دھوکا دہی تھی جس طرح آج کل بھی شعبدہ باز کر لیتے ہیں۔ ساحروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کا فی الواقع سانپ بننا قرآن شریف میں مذکور نہیں بعض مفسرین نے اس شعبدہ بازی کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں کسی نے کہا ہے ان میں پارہ بھر دیا تھا کسی نے کہا نیچے آگ جلا دی تھی یہ سب بے ضرورت باتیں ہیں جس تفصیل کو اللہ تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور اس قسم کی شعبدہ بازیاں ایسی عام ہیں کہ کسی شخص کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں مداری جگہ جگہ ایسی شعبدہ بازیاں دکھاتے رہتے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کا خیال ایسا ہی ہے جیسے آج بھی کوئی اس قسم کی شعبدہ بازی دیکھ کر خیال کرے گا یہ نہیں کہا کہ حضرت موسیٰ کو یقین ہو گیا تھا +

۶۷ ۶۸ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۝

پس موسےٰ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا ۲۰۸۳ ہم نے کہا ڈر نہیں یقیناً تو ہی غالب ہے

۶۹ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ

اور جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے ڈال دے جو انہوں نے بنایا ہے وہ نگل جائیگا انہوں نے صرف جادوگر کی چال بنائی ہے اور جادوگر کامیاب نہیں

۷۰ ۷۱ حَیْثُ اَتٰی ۝ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

ہوتا خواہ کہیں آئے پس جادوگر سجدے میں گر گئے کہنے لگے ہم ہارون اور موسےٰ کے رب پر ایمان لائے (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لائے ہو پہلے

اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

کہ میں تمہیں اجازت دوں یقیناً وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے سو میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف

مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ۝

اطراف سے کاٹ دونگا اور تمہیں کھجوروں کے تنوں میں صلیب دوں گا اور تم جان لوگے ہم میں سے کون زیادہ سخت اور دیرپا عذاب دے سکتا ہے

۷۲ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ

انہوں نے کہا ہم تجھے اس پر ترجیح نہ دینگے جو دلائل سے ہمارے پاس آچکا اور اس پر جس نے ہمیں پیدا کیا سو تو حکم کر جو حکم تو کرنیوالا

۷۳ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا

ہے تو صرف اس دنیا کی زندگی کے متعلق ہی حکم دے سکتا ہے ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے

الثلثة

۷۴ وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ

اور وہ جادو (بھی) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے بات یہ ہے کہ جو اپنے رب کے حضور

مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ۝

مجرم بنکر آئیگا تو اس کیلئے دوزخ ہے وہ نہ اس میں مریگا اور نہ زندہ ہی ہوگا ۲۰۸۴

حضرت موسیٰ کا خوف

۲۰۸۳ یہ خوف اس لئے تھا کہ لوگ دھوکا نہ کھا جائیں اور اللہ تعالےٰ نے تسلی کی اور بتایا انت الاعلیٰ یعنی تمہارا غلبہ کھلا ہوگا اور کسی قسم کا دھوکا باقی نہ رہے گا +

جہنم میں نہ موت ہے نہ زندگی

۲۰۸۴ جہنم میں موت نہیں کیونکہ مر کر انسان دکھ سے چھوٹ جاتا ہے اور وہاں حیات یعنی زندگی بھی نہیں اسلئے کہ اصل زندگی تو لقاء اللہ ہے اذا دعاکم لما یحییکم اور وہ اہل نار کو میسر نہیں اور یا اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعماء سے محروم ہونگے اور زندگی ان نعماء

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ ۷۵ ۷۶

اور جو کوئی اس کے حضور مومن ہو کر آئیگا کہ اس نے اچھے عمل کئے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن کیلئے اونچے درجے ہیں ہمیشگی کے

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ ع

باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہیں میں رہیں گے۔ اور یہ اس کا بدلہ ہے جو پاک ہوا

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ڏ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۷۷

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات — ع ۱۲

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی۔ کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا پھر انہیں سمندر میں خشک رستہ پر جلد لیجا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا ۷۸

نہ تجھے پکڑا جانیکا خوف ہو اور نہ تو (غرق ہونے) سے ڈرے [۲۰۸۵] تب فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا سو سمندر سے وہ چیز ان پر آ گئی جس نے

غَشِيَهُمْ ۝ؕ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ ۷۹ ۸۰

انہیں ڈھانک لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو ہلاک کیا اور (منزل مقصود کا) رستہ نہ دکھایا۔ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝

نجات دی اور طور کی بابرکت جانب کا تمہارے ساتھ عہد کیا اور تم پر من اور سلویٰ اُتارا [۲۰۸۶]

فائدہ اُٹھانا ہے جیسا کہ بل احیاء عند ربہم میں نعماء سے لذت حاصل کرنا مراد لیا گیا ہے اہل نار کی حیات صرف ان کی قوت حاسہ کے لحاظ سے ہے کہ وہ عذاب کو محسوس کریں گے۔

ضرب

۲۰۸۵ اضرب لہم طریقا۔ بعض مفسرین نے ضرب مارنے کے معنی میں لیکر یوں معنی کئے ہیں اضرب البحر بعصاك لیصیر لہم طریقا سمندر کو اپنے عصا سے مار تاکہ وہ ان کے لئے رستہ بنا دے۔ مگر یہ الفاظ سے بہت دور نکل جانا ہے بعض نے ضرب کو یہاں بمعنی اتخاذ لیکر لہم اور طریق کو دو مفعول مانا ہے (ر) اور ضرب کے معنی اسراع فی السیر چلنے میں جلدی کرنا لغت میں موجود ہیں (ل) اور ضرب یغسوب الدین بذنبہ میں یہی معنی کئے گئے ہیں یعنی فتنوں سے بھاگتا ہوا جلدی چلا گیا (ل) پس ضرب کے معنی میں یہی اشارہ ہے +

یبس

یبسا۔ یبس کے لئے دیکھو [۱۵۴۴] اور یبس اس مکان کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو پھر جاتا رہے (غ) +

حضرت موسیٰ کا سمندر میں خشک رستہ چلنا

ان الفاظ سے اول تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ رستہ جس پر حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کو لیجانے کا حکم ہوا تھا ایک ہی رستہ تھا۔ نہ بارہ رستے جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ پھر اسے طریق یا رستہ کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اور لوگ بھی وہاں سے چلتے تھے کیونکہ طریق اسی کو کہا جاتا ہے جس پر لوگ چلیں دیکھو [۸۲۰] اور یہی وجہ ہے کہ فرعون بھی اس رستہ پر چل پڑا اگر وہ سمندر کی دیواریں بنکر غیر معمولی خشک جگہیں ہوتیں تو نہ ان پر طریق کا لفظ بولا جاتا نہ فرعون کبھی ان پر چلنے کی جرأت کرتا۔ پھر حضرت موسیٰ کو مصر سے چلنے سے پیشتر وحی ہو جاتی ہے کہ سمندر میں خشک رستہ مل جائیگا اور یبس کے جو معنی امام راغب نے دیئے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے پانی ہٹ گیا تھا خواہ جوار بھاٹے سے ہو یا اور غیر معمولی اسباب سے

۲۰۸۶ ایمن کیلئے دیکھو [۲۱۰] یہاں یہ جانب کی صفت ہے اور واعدنا سے مراد وہی حضرت موسیٰ کو توریت کا عطا کرنا ہے واذ

۸۱ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

ستھری چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔ اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ میرا غضب تم پر اُترے گا اور جس پر

۸۲ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ

میرا غضب اُترا وہ پستی میں گر گیا [۲۰۸۷] اور یقیناً میں اس کی بہت حفاظت کرنیوالا ہوں جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور

۸۳ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝

اچھا عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر قایم رہتا ہے [۲۰۸۸] اور اے موسیٰ کیا چیز تجھے اپنی قوم سے (آگے) جلدی لے آئی

۸۴ ۸۵ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا

کہا وہ بھی میرے نقش قدم پر ہیں اور اے میرے رب میں نے تیری طرف جلدی کی تاکہ تو راضی رہے [۲۰۸۹] کہا تو ہم نے

واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ (البقرۃ ۲۔ ۵۱) اور یہاں واعدنا کہا اسلئے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی وساطت سے توریت بنی اسرائیل کو ہی ملی تھی جو کچھ نبی کو دیا جاتا ہے وہ اس کی اُمت کو ہی اس کے واسطہ سے دیا جاتا ہے +

۲۰۸۷ تطغوا فیہ۔ فیہ کی ضمیر ما رزقنکم کی طرف ہے۔ اور ھویٰ کے معنی بلندی سے پستی کی طرف گرنا ہیں دیکھو ۱۵۲ اس مطلب یہ ہے کہ وہ اس بلند مقام سے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تھا یعنی رضائے الٰہی کا مقام ایک نہایت پست مقام کیطرف گر گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فی الحقیقت رضائے الٰہی کا حصول سب سے بلند مقام ہے جس پر انسان پہنچ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہی اسفل سافلین میں گر جانا ہے۔ اور ھویٰ کے معنی ہلاک ہو گیا بھی کئے گئے ہیں اسلئے کہ بلندی سے پستی میں گرنا موجب ہلاکت ہے۔

رضائے الٰہی حاصل کرنا کا بلند ترین مقام ہے

۲۰۸۸ اھتدیٰ۔ اِھْتِدَاء (جو ھدیٰ سے ہے) اس سے مخصوص ہے جس کا انسان اختیار کے طریق پر قصد کرتا ہے امور دنیوی میں یا اخروی میں جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا (الانعام ۶۔ ۹۸) لایستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا (النساء ۴۔ ۹۸) اور کبھی طلب ہدایت پر بولا جاتا ہے واذ اٰتینا موسی الکتاب والفرقان لعلکم تھتدون (البقرۃ ۲۔ ۵۳) ولاتم نعمتی علیکم ولعلکم تھتدون (البقرۃ ۲۔ ۱۵۰) اور اھتداء کسی صاحب ہدایت کا اقتدا کرنا بھی ہے اولو کان اٰباؤھم لایعقلون شیئا ولا یھتدون (البقرۃ ۲۔ ۱۷۰) یعنی کسی عالم (یا ہادی) کی پیروی نہ کرتے تھے اور فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ (یونس ۱۰۔ ۱۰۸) میں اھتداء میں کئی وجوہ داخل ہیں یعنی طلب ہدایت اور اقتدائے ہدایت اور قصد ہدایت اور یہاں اھتدیٰ کے معنی ہیں ہدایت کی طلب میں مداومت اختیار کرتا ہے یعنی اس میں لگا رہتا ہے اور اس کا قصد کرنے میں سستی نہیں کرتا اور نافرمانی کی طرف نہیں لوٹتا (غ) +

اھتداء

۲۰۸۹ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کے آدمیوں کو جو ساتھ لائے تھے پہاڑ کے نیچے چھوڑ کر خود اوپر چلے آئے تھے واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا (الاعراف ۷۔ ۱۵۵) اور اس سوال میں کوئی تنبیہ کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ انبیاء کے سب کام رضائے الٰہی کیلئے ہوتے ہیں اور بعض کے نزدیک ھم اولاء علی اثری سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے قریب ہی ہیں اور مراد ساری قوم ہے یعنی میری قوم بھی مجھ سے کچھ دور نہیں اور بعض کے نزدیک علی اثری سے مراد علیٰ دینی ہے یعنی وہ میرے ہی دین پر ہیں (ر) +

علی اثری سے مراد

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ ۸۶

تیری قوم کو تیرے پیچھے فتنہ میں ڈالا　اور سامری نے انہیں گمراہ کیا ۲۰۹۰ سو موسیٰ اپنی قوم کیطرف ناراض افسوس کرتا ہوا

أَسِفًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ

لوٹا۔ کہا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے　تم سے اچھا وعدہ نہ کیا تھا تو کیا وہ وعدہ تمہیں لمبا معلوم ہوا بلکہ تم نے یہ ارادہ کر لیا

يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ۝ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا ۸۷

کہ تم پر تمہارے رب کا غضب اُترے سو تم نے میرے ساتھ وعدہ کا خلاف کیا ۲۰۹۱ انہوں نے کہا ہم نے تیرے ساتھ وعدہ کا خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ

حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝

ہم پر قوم کی زینت کا بوجھ ڈالا گیا سو ہم نے اسے پھینک دیا　اور ایسا ہی سامری نے (خیال) ڈالا ۲۰۹۲

سمرۃ — ۲۰۹۰ السامری۔ سُمْرَۃ اس رنگ کو کہتے ہیں جو سفیدی اور سیاہی کے درمیان ہو (یعنی گندم گوں) اور سَمَر رات کی تاریکی کو کہتے ہیں اور رات کو کہانی بیان کرنے کو بھی اور سامر ایسی کہانیوں کا بیان کرنیوالا ہے اور سامری ایک شخص کی طرف منسوب ہے (غ) اور سامرۃ بنی اسرائیل کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہے جو بعض امور دینی میں یہود سے اختلاف رکھتے تھے اور سامری انہی کی طرف منسوب ہے (ل)، اور بعض مفسرین نے سامری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک قبطی تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ مصر سے نکلا تھا اور وہ ایک منافق آدمی تھا (د) اور یہ حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے۔

۲۰۹۱ وعدا حسنا سے مراد بعض نے توریت کا دینا لیا ہے اور بعض نے وہ وعدے جو اہل طاعت کے ساتھ کئے جاتے ہیں اور یہی درست معلوم ہوتا ہے وطال علیکم العہد سے مراد وہ وعدہ کا زمانہ لیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ ان سے الگ ہوئے تھے مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ تو اتنا لمبا نہیں تھا کہ تم بھول جاتے پس تم نے عمداً خلاف ورزی کی۔

ملک — ۲۰۹۲ مَلک اور مِلک کے ایک ہی معنی ہیں (ع)، یعنی اختیار یعنی اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا بلکہ کسی کے ورغلانے سے۔

القاء — القیٰ۔ اِلقاء کے معنی کسی چیز کا وہاں پھینکنا ہیں جہاں وہ تمہارے سامنے ہو (کیونکہ اس کا مادہ لقی ہے) اور پھر عام ہو گیا ہے یعنی ہر طرح کا پھینکنا۔ اما ان تلقی و اما ان نکون اول من القی (۶۵) اور پھر کلام۔ قول۔ سلام۔ دوستی کے پیش کرنے پر بھی یہی لفظ آجاتا ہے فالقوا الیہم القول (النحل ۱۶ - ۸۶) والقوا الی اللہ یومئذ السلم (النحل ۱۶ - ۸۷) او القی السمع (ق ۵۰ - ۳۷) (غ)، اور چونکہ یہاں مفعول مذکور نہیں اور زیورات کے ڈالنے پر قذف استعمال کیا ہے (۲۰۹۲) اور یہاں اسکے مقابل پر القیٰ ہے اسلئے مراد یہاں یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ بات سامری نے ہمارے سامنے پیش کی اور اسکے مطابق تفاسیر میں ایک قول بھی ہے فمثل ذلک الذی ذکرنا لک القی السامری ایضا و قررہ علینا (د)۔

زینۃ القوم سے مراد — اوزارا من زینۃ القوم سے وہی مراد ہے جو دوسری جگہ من حلیہم سے مراد ہے (الاعراف ۷ - ۱۴۸)، یعنی زیورات اور زینۃ القوم کے لفظ سے مفسرین نے عام طور پر یہ مراد لیا ہے کہ یہ وہ زیورات تھے جو بنی اسرائیل قبطیوں سے عاریتاً لے آئے تھے جیسا کہ خروج ۱۲: ۳۵ میں ذکر ہے مگر قرآن شریف کے الفاظ جہاں ان زیورات کو الاعراف ۷ - ۱۴۸ میں حلیہم یعنی بنی اسرائیل کے زیورات قرار دیا ہے اس توجیہ کو صحیح نہیں ٹھہراتے اور بعض نے اسے مال غنیمت قرار دیکر پھر خود ہی اعتراض کیا ہے کہ مال غنیمت

۸۸ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ

پس ان کیلئے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا (محض) ایک جسم جس سے آواز نکلتی تھی تو انہوں نے کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے مگر (موسیٰ) بھول گیا ۲۰۹۲

۸۹ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ ۹۰ وَلَقَدْ قَالَ

کیا وہ غور نہ کرتے تھے کہ وہ ان کی طرف بات نہیں لوٹاتا اور نہ ان کیلئے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نفع کا اور ہارون نے ان سے

لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ

پہلے ہی کہہ دیا تھا اے میری قوم تم اس سے صرف فتنہ میں ڈالے گئے ہو اور تمہارا رب بہت رحم کرنیوالا ہے سو میری پیروی کرو

۹۱ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝

اور میرے حکم کی فرمانبرداری کرو ۲۰۹۳ انہوں نے کہا ہم اسکی عبادت میں لگے رہینگے یہانتک کہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ کر آئے

ع ۱۵ — عجل پرستی کا انجام

کا پہننا ان کیلئے جائز نہ تھا اور مال غنیمت اسے یوں بنایا ہے کہ جب فرعون اور اسکے ساتھی سمندر میں غرق ہوگئے تو ان کے زیورات سمندر نے ساحل پر پھینک دیئے اور وہ بنی اسرائیل نے لے لئے مگر یہ سب دور از قیاس باتیں ہیں اور صحیح بات صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ فرعونیوں کی نقل کرکے بنی اسرائیل کے خیالات بھی زینت کے ظاہری سامانوں یعنی زیورات وغیرہ کی طرف بہت جھک گئے تھے۔ اس لئے یہ تجویز کہ زیورات کو اتار دیا جائے سب کو اچھی بھی معلوم ہوئی پس زینۃ القوم سے مراد اہل مصر کی ظاہری آرائش کے سامان ہیں اور حملنا میں یہ اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل بھی ان کی نقل کرکے اسی مرض میں مبتلا ہو گئے اور زیورات وغیرہ کا شوق بہت بڑھ گیا اسی لئے دوسری جگہ حلیھم فرمایا پھر یا تو ان زیورات سے بچھڑا بنایا گیا اور یا کوئی بت بچھڑے کا بنا کر ان زیورات سے آراستہ کیا گیا اور بتوں کو زیورات پہنانے کا دستور بھی بت پرست قوموں میں پایا جاتا ہے +

زیورات اور بچھڑے کا تعلق

۲۰۹۲ زیورات سے بنے ہوئے یا زیورات سے آراستہ بچھڑے کی پرستش میں کیا اشارہ ہے؟ کیونکہ بنی اسرائیل کے واقعات کا ذکر تو مسلمانوں کی ہدایت کیلئے کیا اس کی تصریح قرآن کریم نے خود اس سورت میں کر دی ہے جہاں فرمایا لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا (۱۳۱) یعنی جس طرح بنی اسرائیل فرعون اور اسکے ساتھیوں کی نقل کرکے دنیوی آرائش کے سامانوں پر گر گئے تھے مسلمان ایسا نہ کریں مگر آج یہی حالت مسلمانوں کی ہے کہ وہ فی الحقیقت عجل یورپ کی پرستش کر رہے ہیں اور ہر بات میں ان کی نقل اتارتے ہیں۔ فی الواقعہ یورپ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ ایک عجل ہے اور اس کی پرستش یہی ہے کہ مسلمان بھی اپنے تمام کاروبار میں دنیا اور اس کے مال اور اس کی آرائشوں کو اپنی زندگی کی غرض و غایت سمجھتے ہیں بمبئی اور مدراس کے شہروں میں انہماک دنیا کی حالت کو دیکھکر کوئی شخص خیال نہیں کر سکتا کہ یورپ سے ان کا نمبر کسی طرح پیچھے ہے +

مسلمان اور عجل یورپ

۲۰۹۳ یہاں قرآن کریم نے نہایت صفائی سے بائبل کے اس قصہ کی تردید کی ہے کہ حضرت ہارون بچھڑے کے بنانے اور عبادت میں شریک تھے یوں نہ صرف ان کی عدم شرکت کا ذکر کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ حضرت ہارون نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکا بھی تھا ایسے ایسے مقامات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم بائبل کے قصوں کو نقل نہیں کرتا بلکہ اس کلام پاک کا سرچشمہ کوئی اور ہے اور وہ بائبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اور یہاں حضرت ہارون کی عصمت کو ثابت کیا ہے +

حضرت ہارون کی عصمت اور بائبل کے بیان کی تردید

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ ۹۲ ۹۳

(موسیٰ نے) کہا اے ہارون کس چیز نے تجھے روکا جب تو نے انہیں دیکھا تھا کہ گمراہ ہو گئے کہ تو نے میری اتباع نہ کی تو کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ ۲۰۹۴

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ ۹۴

کہا اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرا سر نہ پکڑ میں ڈر گیا کہ تو کہے گا تو نے بنی اسرائیل

بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا ۹۵ ۹۶

میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا پاس نہ کیا ۲۰۹۵ (موسیٰ نے) کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے اس نے کہا میں نے وہ کچھ جانا

لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝

جو انہوں نے نہیں جانا پس میں نے رسول کے نقش قدم سے کچھ حاصل کیا پھر اسے پھینک دیا اور ایسا ہی میرے دل نے مجھے (یہ کام) اچھا کر دکھایا ۲۰۹۶

۲۰۹۴ اتباع نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایسے حالات میں تم نے وہ کچھ کیوں نہ کیا جو میں کرتا اور بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ تو ان لوگوں کو ساتھ لیکر جو شرک سے بچے رہے تھے میرے پیچھے کیوں نہ آگیا۔ مگر پہلے معنی زیادہ صاف ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں سے تعلق منقطع کر دیتا یا ایسا فساد ڈالنے والے کو قرار واقعی سزا دیتا یا سختی سے روک دیتا +

۲۰۹۵ دیکھو ۱۱۵۹ حضرت ہارون کو یہ خیال تھا کہ اگر انہوں نے سختی کی تو قوم میں فساد پڑ جائیگا کیونکہ دوسرا گروہ اور ان کے سرغنے بہت زبردست تھے جیسا کہ اعراف میں ہے کادوا یقتلوننی +

بصر ، ابصر

۲۰۹۶ بَصُرْتُ۔ بَصَرٌ کیلئے دیکھو ۲۱ جب ظاہری آنکھ سے دیکھنا مراد ہو تو کہتے ہیں اَبْصَرْتُ اور جب قلب کی قوت مدرکہ کا ذکر ہو تو کہتے ہیں اَبْصَرْتُہٗ اور بَصُرْتُ بِہٖ اور بَصُرْتُ حا سہ میں یعنی آنکھ سے دیکھنے کیلئے بہت ہی کم استعمال ہوتا ہے جبتک کہ اس کے ساتھ رؤیت قلب بھی نہ ہو لِمَ تعبد مالا یسمع ولا یبصر (مریم ۱۹ - ۴۲) اَبصرنا وسمعنا (السجدۃ ۳۲ - ۱۲) (غ) اور اسی کے مطابق زجاج کا قول ہے یعنی بَصُرَ بِالشَّیْءِ کے معنی ہیں علمہٗ اسے جانا اور اَبْصَرَ کے معنی ہیں دیکھا +

قبض

قبضت قَبْض کیلئے دیکھو ۳۱۴ مگر محض کسی چیز کے حاصل کرنے پر بھی بولا جاتا ہے گو اس میں ہاتھ سے لینا نہ ہو (غ) اور قبضۃ ایک مرتبہ حاصل کرنا ہے +

سامری کا بچھڑا بنانا اور حضرت جبرئیل کی گھوڑی کی خاک کا قصہ

یہاں بہت سے زوائد داخل کر کے یوں معنی کئے گئے ہیں کہ میں نے رسول یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی مٹی لے لی اور اسے آگ میں ڈالا۔ تو بچھڑا بن گیا معلوم نہیں اس عجیب کہانی کا ماخذ کیا ہے۔ اول تو یہاں جبرئیل کا ذکر نہیں پھر جبرئیل کا گھوڑا اور بیان میں زبردستی داخل کیا جاتا ہے۔ پھر مٹی کا کوئی ذکر نہیں۔ اثر کے معنی مٹی نہیں بلکہ نقش ہیں خواہ وہ نقش ظاہری ہو یا معنًا۔ پھر آگ میں ڈالنے کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر بچھڑا بننے کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ سامری کو منافق بھی کہا جاتا ہے اور ساتھ ہی اسکے اس کو ایسی قوت کا مالک بھی سمجھا جاتا ہے کہ جبرئیل اور اس کا گھوڑا جو مخلص مومنوں کو نظر نہ آئے وہ منافق سامری کو نظر آگیا۔ پھر یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ جبرئیل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی مٹی سے زیورات کا بت بن جایا کرتا ہے اور اس میں سے عجیب و غریب آوازیں آنے لگتی ہیں یا کیا اسے سامری کا معجزہ کہا جائیگا۔ غرض یہ کہانی کسی طرح پر قابل قبول نہیں۔ رسول خود حضرت موسیٰ ہیں اور انکے اثر سے کچھ لینا صاف بتاتا ہے کہ ان کی تعلیم کو اس نے پورے طور سے قبول نہیں کیا

۹۷ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ

کہا تو چلا جا تیرے لئے زندگی میں یہ (سزا) ہی کہ تو کہتا رہے چھونا نہیں ۲۰۹۷ اور تیرے لئے ایک (اور) وعدہ ہے جس کے خلاف

تُخْلَفَهُ وَانْظُرْ إِلٰى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي

تجھ سے نہ ہوگا اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی عبادت میں تو لگا ہوا تھا ہم اسے جلا دینگے پھر اسے دریا میں اچھی طرح

۹۸ الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ كَذٰلِكَ ۹۹

بکھیر دینگے ۲۰۹۸ تمہارا معبود صرف اللہ ہے وہ جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے اسی طرح

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا

ہم تجھ پر اس کی خبریں بیان کرتے ہیں جو پہلے گزر چکا اور ہم نے تجھے اپنے پاس سے ذکر

۱۰۰ ذِكْرًا ۝ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝

دیا ہے جو کوئی اس سے منہ پھیریگا تو وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے گا

بلکہ اس کو بہت تھوڑا قبول کیا۔ اور بصر کے معنی قلب کی قوت درک سے لینا ہیں پس وہ اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ جو بلا سوچے سمجھے تمہاری تعلیم کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں میں ان میں سے نہیں بلکہ صاحب علم ہوں کچھ اپنے مطلب کی بات لے لی پھر اسے بھی پس پشت پھینک دیا فنبذوہ وراء ظهورهم۔ اور یہ سب کچھ اس کے نفس کی تزئین تھی یعنی میرے دل نے مجھے یہ کام اچھا کر کے دکھایا اس لئے میں نے ایسا کیا یہی قول ابومسلم کا ہے اور یا مراد یہ ہے کہ زیورات کا بنی اسرائیل سے لینا تو رسول کی تعلیم کا کچھ اثر تھا مگر پھر اسے پھینک دیا اور انہی زیورات کے ذریعہ سے قوم کو مشرک بنا دیا +

مساس

۲۰۹۷ لا مساس۔ مَسّ دیکھو ۳۳۵ اور مِساس ایک دوسرے کو چھونا اور لا مساس کے معنی ہیں تم کسی سے مخالطت نہ کرو یعنی میل جول نہ رکھو سامری کا میل جول دوسرے لوگوں سے بطور سزا روک دیا گیا (ل)، پس معلوم ہوا کہ سامری کو یہ سزا دی گئی تھی کہ لوگوں سے اس کا میل جول روک دیا گیا۔ اور لا مساس کہنے سے مراد بظاہر یہی ہے کہ وہ کسی سے ملے نہیں اور قول اسی معنی میں آسکتا ہے دیکھو ۷۵ اور اگر منہ سے کہنا ہی مراد ہے تو بھی غرض یہی ہے کہ اگر کوئی اس سے کلام کرنا بھی چاہے تو بھی وہ کہہ دے کہ اسے یہ حکم نہیں +

سامری کا لوگوں سے میل جول روکا جاتا

۲۰۹۸ ظلت۔ اصل میں ظَلِلْتَ ہے۔ ایک لام حذف ہو گیا ہے دیکھو ۱۷۵۱ +

حرق۔ احراق تحریق احتراق

نحرقنّ۔ حَرَق آگ یا اس کا شعلہ ہے اور اَحْرَقَهُ کے معنی ہیں جلایا اور حَرَّقَهُ کثرت کیلئے ہے اور اِحْتَرَقْتُ حدیث میں آیا ہے جہاں اسکے معنی ہیں هَلَكْتُ یعنی ہلاک ہو گئی اور دوسری حدیث میں ہے اُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ أُحْرِقَ قُرَيْشًا جہاں اُحْرِقَ کے معنی ہیں اُهْلِكَ یعنی انہیں ہلاک کر دوں اور حَرَقَ نابَهُ (يَحْرُقُ)، کے معنی ہیں دانت پیسے یہانتک کہ اس کی آواز سنی گئی اور حَرَقَ الحديدَ بالمِبْرَدِ (يَحْرُقُهُ) اور حَرَّقَهُ کے معنی ہیں لوہے کو سوہان سے کوٹا اور اس کے بعض کو بعض سے رگڑا اور یہاں لَنُحَرِّقَنَّهُ کیجگہ لَنَحْرُقَنَّهُ بھی قرأت پڑھی گئی ہے اور دونوں کے معنی ایک ہیں (ل)، +

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ ۱۰۱ ۱۰۲

اسی میں رہیگا اور قیامت کے دن ان کا بوجھ برا ہوگا جس دن صور میں پھونکا جائیگا اور ہم اٹھائیں۔۔

الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ښ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۱۰۳

نیلی آنکھوں والے مجرموں کو اکٹھا کرینگے ۲۰۹۹ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرینگے کہ تم صرف دس (دن) ہی ٹھہرے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۱۰۴

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہینگے جب ان میں سے اعلیٰ درجہ کے طریق والا کہیگا تم صرف ایک ہی دن ٹھہرے ۲۱۰۰

نسف ننسفن۔ نَسْفٌ ہوا کا ایک چیز کو اکھیڑ دینا اور اس کا دور کر دینا ہے۔ ینسفہا ربی نسفا (۱۰۵) اور لننسفنہ فی الیم نسفا کے معنی ہیں ہم اسے دریا میں اس طرح ڈال دینگے جس طرح مٹی کا غبار ہوتا ہے +

بچھڑے کی خاک بائبل سے اختلاف چونکہ نحرقنہ کے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں یعنی جلانا اور پیس ڈالنا ممکن ہے جلانے سے وہ خاکستر کی طرح ہوگیا ہو۔ اور ممکن ہے چونکہ سونے چاندی وغیرہ سے بنا ہونے کے اس کو پیس کر ریت کی طرح کیا گیا ہو دونوں صورتوں میں اسے دریا میں ڈال دیا گیا تاکہ اس کی خاکستر سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے یہاں بھی قرآن کریم نے بائبل کے اس قصہ کی تردید کی ہے کہ بچھڑے کی خاکستر گھول کر بنی اسرائیل کو پلائی گئی (خروج ۳۲ : ۲۰) بعض مفسرین نے یہاں بھی یہ قصہ بڑھا دیا ہے کہ اس بچھڑے میں گوشت اور خون پیدا ہوگیا تھا گویا وہ سچ مچ کا زندہ بچھڑا بن گیا تھا اسلئے اسے جلانے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ بھی بالکل بے بنیاد بات ہے +

زُرق ۲۰۹۹ ذرق۔ زُرْقَۃ سیاہی اور سفیدی کے درمیان ایک رنگ ہے یعنی نیلا اور کہا جاتا ہے زَرِقَتْ عینہ یعنی اس کی آنکھ نیلی ہے اور یہاں معنی عُمیا یعنی "اندھے" کئے گئے ہیں (غ)، مگر ظاہر معنی زیادہ موزون ہیں +

نیلی آنکھوں والی قومیں حضرت ابن عباس سے دریافت کیا گیا کہ ایک آیت میں عُمیا یعنی حشر میں اندھے ہونے کا ذکر ہے اور یہاں زرقا یعنی نیلی آنکھوں والے تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے مختلف حالات ہیں (ر)، اور ہو سکتا ہے کہ اس زرق کے لفظ میں بعض ایسی قوموں کی طرف اشارہ ہو جن کی آنکھیں نیلی ہیں اور حشر کے لفظ میں ان کے دنیوی حشر کی طرف اشارہ ہو +

دس دن اور ایک دن رہنے سے مراد ۲۱۰۰ پہلی آیت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کہینگے کہ تم دس دن رہے اور یہاں ان میں سے اعلیٰ درجہ کے انسان کا قول بیان کیا ہے کہ تم ایک ہی دن رہے۔ اگر یہ قیامت کا قول ہے تو عشرا اور یوم کا الگ الگ بیان کرنا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا دونوں قلت میعاد پر دلالت کرتے ہیں اگر کسی قوم کی حیات دنیا کی طرف اشارہ لیا جائے تو پھر عشرا سے مراد دس صدیاں ہونگی اور افضل انسان کا قول کہ یہ دس صدیاں نہیں ایک یوم ہے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک یوم ہزار سال کی طرح ہے وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (الحج ۲۲ ـ ۴۷) اور دوسری جگہ امر اسلام کا ایک ہزار سال رکا رہنا مذکور ہے ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون (السجدۃ ۳۲ ـ ۵)، اسلئے اگر یہاں مراد ایسی قوم لی جائے جو اسلام کی ترقی میں مانع ہو اور اس کے خلاف زور لگائے تو واقعات کے لحاظ سے اقوام یورپ پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں کہ انکی آنکھیں بھی نیلی ہیں اور ایک ہزار سال تک انہوں نے اسلام کی ترقی کو بھی روکا ہے +

ع ۶ / ۱۵

ذکر قیامت میں رجوع الی الحق کی پیشگوئی

۱۰۵ ، ۱۰۶ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۙ فَيَذَرُهَا

اور تجھ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ میرا رب انہیں جڑ سے اڑا کر بکھیر دے گا ۲۱۰۱ پس ان کو صاف ہموار

۱۰۷ قَاعًا صَفْصَفًا ۙ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۗ

میدان کر چھوڑے گا نہ تو ان میں کجی دیکھے گا اور نہ اونچ نیچ ۲۱۰۲

پہاڑوں کے اڑانے سے مراد

۲۱۰۱ جبال اور ان کے اڑائے جانے کے متعلق دیکھو ۱۶۲۳ جیسا کہ میں بارہا لکھ چکا ہوں قرآن کریم نے جو الفاظ قیامت کبریٰ کے متعلق استعمال کئے ہیں وہ ایک رنگ میں قیامت وسطیٰ پر بھی صادق آتے ہیں۔ اور وہ وعید جن کا ذکر آیت ۱۱۳ میں ہے جس طرح قیامت سے تعلق رکھتے ہیں اس دنیا کی زندگی سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً اسی سورت میں فرعون کی ہلاکت اور سامری کی سزا کا ذکر ہے اور یہ دونوں باتیں اس دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ قرآن شریف ایک قوم کی اس دنیا میں تباہی کو بطور نظیر بیان کرکے پھر مخالفین نبی کریم صلعم کو صرف عذاب قیامت سے ڈرائے کیونکہ عذاب قیامت سے تو یوں بھی ڈرایا جا سکتا تھا اس کیلئے کسی قوم کی دنیوی سزا کے ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ اور خود الفاظ آیت پر غور کیا جائے تو یہاں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قیامت کے آنے یا مردوں کے زندہ ہونے کیلئے جبال یعنی پہاڑوں کا وجود کوئی رکاوٹ نہیں کہ وہ لوگ اس کے متعلق سوال کرتے نہ ایسا سوال کبھی کسی نے فی الواقع کیا کہ پہاڑ موجود ہیں۔ تو قیامت کیونکر آئے گی اور مفسرین نے جو اس وقت کو یوں دو نکرنا چاہا ہے کہ یہ سوال بطور استہزا تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس میں استہزا کیا ہے اور اگر بطور استہزا ہی ذکر تھا تو سمندروں کے متعلق سوال کیوں نہ کیا یا درختوں کے متعلق کیوں نہ کیا۔ اصل بات یہی ہے کہ وہ لوگ جبال کا لفظ عظیم الشان انسانوں پر بولتے تھے۔ اور جب انہیں طرح طرح کے پیرایوں میں بتایا جاتا کہ آخر ان کی بھی وہی حالت ہوگی جو پہلے حق کا مقابلہ کرنے والوں کی ہوئی جیسا کہ آیت ۱۱۳ میں ذکر ہے تو انہیں یہ امر مستبعد معلوم ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اتنے اتنے عظیم الشان انسان جو حق کی مخالفت کے درپے ہیں یہ کہاں جائینگے اور اس کے جواب میں ایسا پیرایہ اختیار فرمایا کہ ان الفاظ میں قیامت کبریٰ اور قیامت وسطیٰ دونوں کا ذکر آگیا ہے اور لو ان قرانا سیرت به الجبال (الرعد ۳۱) اس پر شاہد ہے کہ اس قرآن کے مقابل پر کتنے بھی عظیم الشان لوگ آئیں اللہ تعالیٰ ان سب کو دور کر دے گا۔

قاع — قیعة — صفصف — امت

۲۱۰۲ قاع - قاع اور قیع ہموار زمین کو کہتے ہیں جس کی جمع قیعان ہے (غ) یا فراخ نرم پست زمین جس میں کوئی اونچ نیچ نہ ہو اور نہ اس میں سبزی وغیرہ ہو اور قیعة بعض کے نزدیک واحد اور بعض کے نزدیک قاع کی جمع ہے (ل) کسراب بقيعة (النور ۳۹)

صفصف ہموار زمین کو کہتے ہیں گویا کہ وہ ایک صف میں ہے (غ)۔

اَمت کے اصل معنی قدر یا اندازہ ہیں اور اَمت چھوٹے ٹیلے کو کہتے ہیں اور اس زمین کو بھی جس میں نشیب و فراز ہو اور حدیث میں عیب او شک کے معنی میں بھی آیا ہے (ل)۔

ان آیات میں ھا کی ضمیر جبال کیطرف ہی ہے گویا پہاڑ جو روک کا کام دیتے ہیں وہ نہ رہینگے اور وہی ہموار پست زمین بن جائینگے گویا ایک انقلاب عظیم کا آنا مراد ہے وہ انقلاب عظیم اس دنیا میں یوں آیا کہ مقابلہ کرنے والے سب نابود یا مطیع ہو گئے اور سب روکیں جو حق کے پھیلنے میں نظر آتی تھیں دور کر دی گئیں اور ان میں عِوَج اور اَمت نہ رہنے کا ذکر کیا حالانکہ عِوَج اس ٹیڑھاپن کو کہا جاتا ہے جس کا ادراک فکر اور بصیرت سے ہو اگر آنکھ سے دیکھا جانیوالا ٹیڑھا پن مراد ہوتا تو عَوَج چاہیئے تھا دیکھو ۱۴۸۶ اور پہلے یہ لوگ تبغونها عوجا (الاعراف ۸۶) کے مصداق تھے آخر یہ عوج نہ رہیگا

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۚ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا ۱۰۸

اس دن اس دعوت دینے والے کی پیروی کرینگے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں اور رحمان کے سامنے آوازیں پست ہو جائینگی پس تو سوائے

تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ ۱۰۹

ہلکی آواز کے کچھ نہ سنیگا ۲۱۰۳ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی سوائے اسکے جس کیلئے رحمان اجازت دے

وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ ۱۱۰

اور اس کیلئے بات کو پسند کرے ۲۱۰۴ وہ جانتا ہے جو انکے آگے ہے اور جو انکے پیچھے ہے اور وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے

اور اسی طرح امت کے دوسرے معنی کے لحاظ سے پہلے وہ شک میں تھے وہ بھی جاتا رہیگا اور قیامت میں پہاڑوں کو دور کر کے زمین کے ہموار کرنیکی جو مراد ہے اس کی اصل حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ اس کی کیا صورت اور کیا غرض ہے +

داعی

۲۱۰۳ داعی ۔ دعاء کیلئے دیکھو ۲ اور داعی دعا کرنیوالا یا پکارنے والا ہے اور داعی ایک لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو پکارنیوالا ہے اجیب دعوۃ الداع (البقرۃ ۲ ۔ ۱۸۶) اور ایک لحاظ سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اطاعت کی طرف بلانیوالا ۔ اسی لحاظ سے نبی کریم صلعم کو داعی کہا ہے وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا (الاحزاب ۳۳ ۔ ۴۶) اور قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کو داعی اللہ بھی کہا ہے اجیبوا داعی اللہ (الاحقاف ۴۶ ۔ ۳۱) اور داعی اللہ مؤذن کو بھی کہا جاتا ہے اسلئے کہ وہ بھی توحید اور طاعت کی طرف بلاتا ہے (ل) +

همس

همس ۔ صوت خفی کو کہتے ہیں (غ) یعنی ایسی آواز جو مخفی ہو یا بہت ہی ہلکی ہو +

داعی سے مراد رسول ہے

داعی کون ہے قرآن کریم میں تو یہ لفظ بالخصوص رسول اللہ صلعم پر ہی بولا گیا ہے اور آپ کا نام خاص طور پر داعی الی اللہ یا داعی اللہ رکھا گیا ہے مگر مفسرین یہاں داعی الی المحشر مراد لیتے ہیں یعنی اسرافیل ۔ مگر اسرافیل کی اتباع لوگ کس طرح کرینگے اور پھر لا عوج لہ سے کیا مراد ہے ۔ اگر داعی رسول اللہ صلعم ہوں تو لا عوج لہ آپکی صفت ہے انزل علی عبدہ الکتاب و لم یجعل لہ عوجا (الکہف ۱۸ ۔ ۱) مگر اسرافیل مراد لیکر یوں تاویل کرنی پڑی ہے کہ وہ ظلم نہیں کرے گا اور یا یوں کہ وہ بعض لوگوں سے ہٹکر بعض کی طرف مائل نہ ہوگا یعنی اپنی آواز سب کو سنائے گا اور یہ دونوں تاویلیں بعید ہیں ۔ اور بعض مفسرین نے داعی سے مراد یہاں رسول اللہ صلعم کو ہی لیا ہے (ر) اور رسول اللہ صلعم کو داعی مراد لیکر یہ امر دنیا میں بھی صحیح ثابت ہوا اور آخرت میں بھی ہوگا کہ وہی لوگ جو پہلے آپ کے سخت دشمن مخالف تھے وہ سب بڑے بڑے لوگ آپکے متبع ہوئے اور آوازوں کا رحمان کے سامنے پست ہونا بھی دنیا میں صحیح ہوا کہ سرکشی کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور فروتنی اختیار کی +

شفاعت میں شارع اور شفیع دونوں کیلئے اذن کی ضرورت اور اس سے مراد

۲۱۰۴ ان الفاظ کے معنی دونوں طرح پر ہو سکتے ہیں اول یہ کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر صرف اسی کو جس کی شفاعت کیلئے اللہ تعالیٰ اجازت دے اور جس کی خاطر قول شفاعت کو پسند کرے یا جس کی بات کو پسند کرے یعنی جو ایمان اور طاعت پر قائم ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی شفاعت نفع نہ دے گی سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جس کی بات کو پسند کرے اور قرآن شریف سے ثابت ہے کہ شفاعت میں اذن شفاعت کرنیوالے کیلئے بھی ہے اور جس کیلئے شفاعت کی جائے اس کیلئے بھی من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ (البقرۃ ۲ ۔ ۲۵۵) لا یشفعون الا لمن ارتضی (الانبیاء ۲۱ ۔ ۲۸) اور اذن سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کرنیوالے بھی خاص لوگ ہونگے جو قرب کے مرتبہ پر ہیں اور شفیع بھی خاص لوگ ہونگے جنہوں نے کوشش کی مگر ایسی وجوہات سے جو انکی طاقت سے باہر ہیں کمال کے حاصل کرنے سے رہ گئے +

۱۱۱ ۱۱۲ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ

اور زندہ قایم (خدا) کے سامنے لوگ عاجز ہو جاینگے اور وہ نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ اُٹھایا [۲۱۰۵] اور جو اچھے عمل

۱۱۳ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ○ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

کرے اور وہ مومن ہو تو اسے نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ حق تلفی کا [۲۱۰۶] اور اسیطرح ہم نے اسے قرآن عربی

۱۱۴ عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ

اُتارا اور اس میں طرح طرح سے ڈرانے کی باتوں کو بیان کیا ہو تا کہ وہ بدی راہ سے بچیں بلکہ یہ ان کیلئے بڑائی پیدا کریگا [۲۱۰۷] سو اللہ کی بلند شان ہو (جو) بادشاہ

الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○

(اور) حق ہو اور تو قرآن کے معاملہ میں جلدی نہ کر قبل اسکے کہ اس کی وحی تیری طرف پوری کی جائے اور کہو میرے رب مجھے علم میں بڑھا [۲۱۰۸]

۲۱۰۵ عنت کے لئے دیکھو ۲۴۳ اور وجوہ وجہ کی جمع ہو جس کیلئے دیکھو ۱۴۴ و ۶۶۴ اور مراد مُنہوں سے خود وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور اشراف الناس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہو (د) پس مطلب یہ ہو کہ بڑے بڑے لوگ حی قیوم خدا کے سامنے ذلیل ہو جاینگے۔ اور حی قیوم کا لفظ لانے میں یہ اشارہ ہو کہ وہ ان کو حقیقی زندگی عطا فرمائے گا یعنی وہ اسلام میں داخل ہو جاینگے اور عرب کے کل کے کل بڑے بڑے لوگ آخر مسلمان ہوئے ✦

هضم هضيم — **۲۱۰۶** هضم هَضْم کے معنی ہیں اس چیز کا توڑنا جس میں نرمی ہو اور طلعها هضيم (الشعراء ۲۶ - ۱۴۸) میں مراد ہو کہ اس کا بعض بعض میں داخل ہو گویا کہ اسے توڑا گیا ہو (غ) اور اسی سے کھانے کا ہضم ہوتا ہو اور هَضَمَهٗ حَقَّهٗ کے معنی ہیں اس کا حق اسے ناقص کر کے دیا اور هضيم اسے کہتے ہیں جو اپنے کا بھکے اندر رہو اور خوشگوار اور رتانہ بھی اسکے معنی ہیں (ل) ✦

مومنوں کے حق میں ظلم وہضم کی نفی — ایسے مومن کو جو اعمال صالحہ کرے ظلم اور ہضم کا خوف نہیں ہوگا ظلم تو یہ ہو کہ ایک شخص نے ایک کام نہیں کیا اور اسے سزا دیجائے یا جتنا برا کام کیا ہو اس سے بڑھکر سزا دیجائے اور ہضم یہ کہ جو اس نے اچھا کام کیا ہو اسکے بارہ میں اس کی حق تلفی ہو یعنی اس کے ذمہ خواہ مخواہ کوئی بدی نہ لگائی جائے گی نہ اس کے نیک کام بلا اجر رہینگے اس کا مطلب یہ نہیں کہ برائی کرنے والوں کے حق میں ظلم اور ہضم ہوگا مگر چونکہ وہ سزا پائینگے اور ان کے نیک عمل ایسے نہ ہونگے جو ان کو سزا سے بچا سکیں اسلئے یہ ترکیب اختیار کی ہو اور اسسے پہلی آیت میں ہو من حمل ظلما۔ تو گویا ظلم اللہ تعالیٰ انسان پر نہیں کرتا بلکہ ہر انسان خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہو پس جس نے خود اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا اسے کسی ظلم کا خوف نہیں اور جس نے اپنے نفس کے حقوق کو تلف نہیں کیا اس کی حق تلفی کوئی نہ ہوگی اسلئے اسکے معنی یوں بھی کئے گئے ہیں کہ وہ ظلم اور ہضم کی سزا سے بیخوف ہوگا ✦

احداث — **۲۱۰۷** یحدث حدوث کیلئے دیکھو ۱۵۱۶ اور احداث وجود میں لانا ہو حتی احدث لک منه ذکرا (الکہف ۱۸ - ۷۰) لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا (الطلاق ۶۵ - ۱) ✦

اور ذکر سے مراد یہاں شرف وعظمت ہو دیکھو ۱۹۱ اور قرآنا عربیا سے مراد ہو کھولکر بیان کرنیوالا دیکھو ۱۵۱۶ اور او بمعنی بَلْ ہو یعنی نہ صرف وہ بدیوں سے بچ جاینگے بلکہ یہ قرآن انکے لئے ایک عظمت اور شرف کا مقام پیدا کر دے گا ✦

قرآن کے متعلق جلدی کرنے کے حکم کا منشا — **۲۱۰۸** الحق کیلئے دیکھو ۵۰۶ قرآن کے متعلق جلدی کرنے سے مراد یہ لی گئی ہو کہ جیسا حدیث میں ذکر ہو پہلے نبی کریم صلعم اس خوف سے کہ کچھ

ع ۳

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ۱۱۵ ۱۱۶

اور یقیناً ہم نے آدم کو پہلے حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا عزم نہ پایا ۲۰۹ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا

(حاشیہ: ...م اور شیطان یا ... عمل کا مقابلہ)

ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ ۝ فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ ۱۱۷

کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے نہ کی، اس نے انکار کیا تو ہم نے کہا اے آدم یہ تیرا اور تیری بیبی کا دشمن ہے سو یہ تم

لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ۝ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَ ۱۱۸

دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے پس تو تکلیف میں پڑے ۲۱۰ تیرے لئے یہ (میسر) ہے کہ تو اس میں بھوکا نہ ہو اور

لَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ ۱۱۹ ۱۲۰

نہ ننگا رہے اور یہ کہ تو اس میں پیاسا رہے اور نہ دھوپ میں رہے ۲۱۱ پس شیطان نے اس کی طرف وسوسہ ڈالا

رہ نہ جاتے ملک سے وحی لینے میں جلدی کیا کرتے تھے مگر یہاں وعید کا ذکر ہے اسلئے یہ مراد نہیں ہو سکتی اصل یہ ہے کہ ابتدائی سورتوں میں وعدہ اور وعید کا ذکر زیادہ تر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ہے جیسا کہ اوپر بھی وعید کا اسی رنگ میں ذکر ہوا اور رسول اللہ صلعم یہ چاہتے تھے کہ انکو ان کی بدکرداریوں اور مخالفت حق کا انجام صاف لفظوں میں جلد بتا دیا جائے اسلئے فرمایا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو بلکہ کہو رب زدنی علما یعنی اور زیادہ علم دیا جائے اور آنحضرت صلعم کی دعا مذکور ہے اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا اے اللہ مجھے اس سے نفع پہنچا جو تو نے مجھے علم دیا ہے اور مجھے وہ علم دے جو مجھے نفع دے اور میرا علم بڑھا ۔

آدم کی عصمت

۲۰۹ عزم کیلئے دیکھو ۲۹ کسی امر کے کر گزرنے کیلئے دل کو پختہ کر لینا اور یہاں نسیان کا قرینہ بتاتا ہے کہ جو امر آدم سے سرزد ہوا وہ نسیان کا نتیجہ تھا عزم یعنی عمداً اور ارادہ سے نہ تھا۔ بالفاظ دیگر ذنب پر عزم نہ تھا یعنی ابن زید وغیرہ سے مروی ہیں (د) اور راغب نے یوں معنی کئے ہیں کہ یہاں مراد اس امر کی محافظت یعنی جو کچھ حکم دیا گیا تھا اس کی حفاظت نہ کر سکے اور قیام پر ہم نے ان میں عزم نہ پایا (غ)، دونوں صورتوں میں نسیان کا لفظ آدم کی عصمت پر بیّن دلیل ہے ۔

وحی سے فطری کمزوری کا علاج

یہاں چونکہ اوپر ایک معاملہ میں جلدی کرنے سے روکا تھا تو اس لحاظ سے حضرت آدم کا ذکر کیا کہ انہوں نے بھی جلد ایک نتیجہ کو حاصل کرنے کے خیال سے غلطی کھائی اور یا اس لحاظ سے ذکر ہے کہ انسان وحی الٰہی کے بغیر خود بخود اپنی فطری طاقت سے بدی کا مقابلہ نہیں کر سکتا چنانچہ حضرت آدم بھی جب فطری عہد کو قایم نہ رکھ سکے تو اس کمزوری کا علاج وحی الٰہی سے کیا گیا ۔

شقاء

۲۱۰ تشقیٰ ۔ شقا اور شقاوۃ کیلئے دیکھو ۱۵۰۴ اسی قسم کی خیر سے محرومی اور شقاء شدت اور عسرت سختی اور تنگی کو بھی کہتے ہیں (ل)، جنت سے نکلنے کا نتیجہ شقاوت ہے پس یہ شقاوت شدت و عسرت ہی ہے ۔

جوع

۲۱۱ تجوع ۔ جُوْع وہ تکلیف ہے جو انسان کو معدہ کے کھانے سے خالی ہونے کی وجہ سے پہنچتی ہے (غ)، اور عِلْم کیلئے استجاعۃ یعنی طلب جوع یہ ہے کہ اس سے انسان سیر نہ ہو اور جَاعَ اِلٰى لِقَائِهٖ کے معنی ہیں اس کی ملاقات کی خواہش کی (ل) یعنی معانی میں بھی اس کا استعمال ہے ۔

عری

تعریٰ عَرِيَ کے معنے ہیں ننگا ہوا اور عُرِّيَ مِنَ الذَّنْبِ کے معنی ہیں ذنب سے عاری (غ)، اور حدیث میں آنحضرت صلعم کی صفت ہے اَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ یعنی کھول کر بیان کرنیوالا نذیر (ل) ۔

۱۲۱ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا

کہا اے آدم کیا میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا پتہ دوں اور ایسی بادشاہت کا جو پرانی نہ ہو[2112] سو دونوں نے اس سے کھایا

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ

تو ان کے عیب ان کیلئے ظاہر ہوگئے اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپکو ڈھانکنے لگے اور

۱۲۲ عَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝

آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس ناکام ہوا[2113] پھر اس کے رب نے اسے چن لیا[2114] پس اسپر (رحمت سے) متوجہ ہوا اور رستہ دکھایا

ظماء — تظمؤا۔ ظمأ کے معنی پیاس ہیں۔ اور ظمآن پیاسا یحسبہ الظمآن ماء (النور[24] ۔ ۳۹) ۔

ضحی — تضحی۔ ضحی (یضحی) تعرض للشمس یعنی اپنے آپکو سورج کے سامنے رکھا اور لا تضحیٰ کے معنی ہوئے کہ سورج کی گرمی سے محفوظ کر لیتا ہے (غ) ۔

اس عالم کی جنت میں اسباب آسایش کے مہیا ہونے سے مراد — ان دو آیات میں اسباب راحت کو جمع کر دیا ہے بھوک کی تکلیف سے بچا رہے ننگا نہ ہو پیاس اور دھوپ سے محفوظ رہے کھانا پینا پہننا مکان یہی انسان کی ضرورت کی چار چیزیں ہیں اور ان کا مہیا ہو جانا گویا انسان کی آسایش کے اسباب کا اجتماع ہے۔ اور دوسری جگہ اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے وکلا منہا رغدا حیث شئتما (البقرۃ[2] ۔ ۳۵) گویا دونوں جگہ ہر قسم کی فراغت ہی کا ذکر ہے۔ مگر کیا اس سے مراد جسمانی طور پر فارغ البال ہونا ہے اور انسان کی جنت یہی ہے کہ اسے کھانے پینے کو بہت ملے؟ تو پھر اس جنت کو بہت سے بدکار بھی اس دنیا میں حاصل کر لیتے ہیں آیت ۱۲۴ اس کو حل کرتی ہے جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اس کیلئے تنگی کی روزی ہے ظاہر ہے کہ اس تنگی کی معیشت سے یہ مراد نہیں کہ اسے جسم کو قایم رکھنے کیلئے سامان معیشت کم ملیگا یا نہ ملیگا بلکہ وہ ایسی تنگی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ اندھا اٹھایا جائیگا۔ اسی مضمون پر دیکھو [1061] و [1064] پس گو لفظ بھوک اور پیاس وغیرہ کے استعمال ہوئے ہیں مگر مراد یہی ہے کہ روحانی طور پر تنگی نہیں بلکہ آسایش حاصل ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنی زندگی کی اصل غرض ذکر اللہ یا لقاء اللہ کو سمجھے تو کھانے پینے وغیرہ سامانوں کے متعلق اسے آسایش حاصل ہوتی ہے اسلئے کہ وہ ان کے پیچھے نہیں پڑتا اور کھانے پینے کو اللہ تعالیٰ دے ہی دیتا ہے تفصیل کیلئے دیکھو [2116] نیز دیکھو [54] ۔

شجرۃ الخلد سے مراد — [2112] دوسری جگہ ہے الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین (الاعراف[7] ۔ ۲۰) پس شجرۃ الخلد سے مراد ہمیشہ کی زندگی ہے دیکھو [1062] ۔

غوی — [2113] غوی۔ کے معنی یہاں جہل کئے گئے ہیں یعنی جاہل ہوا یا خاب یعنی ناکام رہا یا فسد عیشہ یعنی اس کی زندگی میں فساد واقع ہوا ان الفاظ کی تفسیر [1064] میں گزر چکی ہے ۔

[2114] اجتبیٰ کے لفظ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بھلائی کی باتوں کو جمع کیا تھا دیکھو [575] اور ھدی میں اس ہدایت کی طرف اشارہ کیا جو بذریعہ وحی الٰہی ملتی ہے فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ (البقرۃ[2] ۔ ۳۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ سے ان غلطیوں سے بچایا جن کے وقوع کے لئے فطرت انسانی اکیلی قادر نہیں ۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي ۱۲۳

فرمایا تم سب اس (حالت) سے نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو سو اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت

هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ۱۲۴

آئے سو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑیگا ۲۱۱۵ اور جو کوئی میرے ذکر سے منہ

ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝

پھیریگا تو اس کیلئے تنگی کی زندگی ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے ۲۱۱۶

ف ۲۱۱۵ اهبطا کیلئے اور بعضکم لبعض عدو کیلئے دیکھو ۵۶ ذکر تو دونوں کا ہے مگر کل نسل انسانی کو خطاب کر دیا ہے اسلئے کہ یہ دونوں ساری نسل کیلئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور بتایا یہ ہے کہ جو قانون ان دو پر حاوی ہے وہی سب نسل انسانی پر حاوی ہوگا ۔

ف ۲۱۱۶ ضنک کے معنی ضیق یعنی تنگ ہیں ۔

ضنک

دنیادار کی زندگی کی تنگی سے مراد

تنگی کی زندگی سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے اسے عذاب قبر قرار دیا ہے بعض نے عذاب جہنم ۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ اس دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اسکے بعد آتا ہے ونحشرہ یوم القیامۃ اعمٰی پس لازماً وہ کوئی اور بات ہے اور یہ اَب بیان ۔ اللہ سے اعراض کا ذکر ہے اور دوسری جگہ فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ۱۳ ۔ ۲۸) یعنی اطمینان قلب انسان کو اس دنیا کی زندگی میں صرف ذکر اللہ سے ملتا ہے اور جو ذکر اللہ سے اعراض کرےگا ظاہر ہے کہ وہ اطمینان قلب کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا اور فی الحقیقت زندگی میں وسعت اور تنگی کثرت و قلت سامان پر منحصر نہیں بلکہ حالت قلب پر اس کا انحصار ہے جسے اطمینان قلب میسر آجاتا ہے اسکے لئے تھوڑے سامان بھی بہت ہیں اور جسے اطمینان قلب نہیں ملتا اس کیلئے ساری دنیا بھی ہو تو بھی اور زیادہ جلن کا موجب ہی ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس سے معیشۃ ضنکا کے معنی شقاء مروی ہیں (ج) یعنی خیرات اور نیکیوں سے محرومی اور بعض کے نزدیک رزق حرام اور کسب خبیث مراد ہے کیونکہ وہ باوجود فراخی کے تنگی ہے (ج) پس دنیا دار کی زندگی فی الواقع ایک تنگی کی زندگی ہے اور وہ خود اس تنگی کو محسوس کرتا ہے اور ایک اور لحاظ سے بھی یہ تنگی کی زندگی ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قسم کے قویٰ دیئے ہیں اور ان سب قویٰ سے کام لینے سے ہی انسان کی زندگی میں حقیقی کشایش پیدا ہوتی ہے لیکن جو لوگ اخلاقی اور روحانی پہلو کی طرف سے آنکھیں بند کرکے صرف دنیا کی زندگی پر ہی گرے رہتے ہیں وہ خود اپنی زندگی کو ایک تنگ دائرہ میں محدود کر دیتے ہیں اور ان کا زندگی کے حقیقی پہلو سے آنکھیں بند رکھنا ہی اسبات کا موجب ہے کہ وہ قیامت کے دن

حشر میں اندھا اٹھنے سے مراد

اندھے اٹھینگے کیونکہ وہ یہاں اندھے رہے ومن کان فی ھذہ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی (بنی اسرائیل ۱۷ ۔ ۷۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ انسان کو جنت یا سکون یا اطمینان قلب اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے سے ملتا ہے اور وہ جنت جو انسان اس دنیا میں حاصل کر سکتا ہے اور جس میں پہلے آدم کو رکھا گیا تھا یہی اطمینان قلب کی جنت تھی دیکھو ۲۰۳۵ ۔

اعمٰی یا اندھا اٹھانے سے کیا مراد ہے؟ دوسری جگہ ہے ونحشرھم یوم القیامۃ علیٰ وجوھھم عمیا وبکما وصما (بنی اسرائیل ۱۷ ۔ ۹۷) یعنی اندھے بہرے گونگے اٹھائے جائینگے عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ انکی آنکھیں نہیں ہونگی مگر وہ آگ کو دیکھیں گے ورأی المجرمون النار (الکہف ۱۸ ۔ ۵۳) اور اپنا نامہ اعمال بھی پڑھینگے اقرأ کتابک (بنی اسرائیل ۱۷ ۔ ۱۴) پس یہ ایسا اندھا پن ہے کہ حشر کے سامانوں کو دیکھینگے اور لقاء کو نہ دیکھ سکینگے اور ان لقاء کو وہی دیکھ سکتا ہے جو خود اپنے اندر ایسی آنکھیں پیدا کرتا ہے جن سے وہ لقاء دیکھی جا سکتی ہیں ایک راستباز انسان جس راحت اور جنت کو اس دنیا کی زندگی میں محسوس کرتا ہے اسے ایک طالب دنیا نہیں دیکھ سکتا پس ضرور ہے جنت کو کس طرح دیکھے اور آیت ۱۲۶ میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترک

۱۲۵ ۱۲۶ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا

کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں دیکھنے والا تھا [2117] کہا ایسا ہی تیرے پاس میری آیات آئیں

۱۲۷ فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ۝ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ

تو تو نے انکی پروا نہ کی اسیطرح آج تیری بھی پروا نہ کی جائیگی اور اسیطرح ہم اسے بدلہ دیتے ہیں جو زیادتی کرے اور اپنے رب کی باتوں پر

۱۲۸ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ۝ اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ

ایمان نہ لائے اور آخرت کا عذاب یقیناً زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے [2118] تو کیا ان کیلئے واضح نہیں کیا کہ ان سے

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

پہلے ہم نے کتنی نسلوں کو ہلاک کیا جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں یقیناً اس میں عقل

۱۲۹ لِّاُولِی النُّهٰی ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی [2120]

والوں کیلئے نشان ہیں [2119] اور اگر تیرے رب کیطرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقت مقرر (نہ ہوتا) تو یقیناً (عذاب) آہی لگا ہوتا

ع ۷ ۱۴ حق کی کامیابی اور باطل کی سزا یقینی ہے

کیا جانا یا لقاء اللہ سے محرومی یہی نابینائی ہے +

2117 اس کا یہ کہنا کہ میں بصیر تھا تو مراد اس سے دنیوی معاملات میں بصیرت ہے اگلی آیت میں جواب سے پتہ لگتا ہے جہاں فرمایا کہ ہماری آیات آئیں تو ان کی پروا نہ کی یعنی ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ اسلئے دنیا کے معاملات میں بصیرت وہاں فائدہ نہیں دے سکتی اور جو آنکھ یہاں بند رہی وہ وہاں بھی بند ہوگی +

اسراف — 2118 اسراف کسی فعل میں حد سے گزر جانے کا نام ہے اور یہاں شہوات میں انہماک مراد ہے اور عذاب آخرت کو جو اشد و ابقیٰ کہا تو مراد ہے کہ دنیا کے عذاب سے وہ زیادہ سخت اور دیرپا ہے اور دنیا کا عذاب وہ ہے جس کا ذکر فان له معيشة ضنكا میں ہے گویا وہی تنگی سخت تر صورت میں ظاہر ہو جائیگی +

هدى له — 2119 یھد۔ ھدایۃ کے معنی کیلئے دیکھو ۵ اور ھدی بمعنی بیّن بھی آتا ہے جیسے محمد بن کعب کی حدیث میں فما ھدی بما رجع جس کے معنی ہیں کہ اس نے جو جواب دیا اس میں نہ بات کو واضح کیا نہ کوئی دلیل دی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لغت اہل غور میں ھدیت لك کے معنی ہیں بیّنتُ لكَ یعنی بات کو کھول کر بیان کیا اور یہی معنی یہاں ہیں (ل) +

عذاب استیصال آکر رہیگا — 2120 ترکیب میں یوں ہے ولولا کلمة سبقت من ربك واجل مسمى لكان لزاما مگر لكان لزاما کو مقدم اسلئے کیا کہ فی الحقیقت یہ مستحق تو اسی بات کے تھے کہ عذاب فوراً ان کے لازم حال ہو جاتا اور کلمہ جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا ہے وہ اس کی رحمت کی سبقت غضب پر ہے جس کی وجہ سے وہ جلد گرفت نہیں کرتا۔ اور اجل مسمی یہ تھی کہ مخالف اپنی تمام تدابیر کو کمال تک پہنچا کر آخر اسلام کو تلوار سے نیست و نابود کرنے کیلئے نکل پڑیں سیھزم الجمع ویولون الدبر (القمر ۵۴ - ۴۵) اسلئے اجل مسمی سے مراد بعض نے یوم بدر لیا ہے اور اس پر یہ اعتراض درست نہیں کہ یہاں ذکر عذاب استیصال کا ہے اور بدر میں استیصال نہیں ہوا اسلئے کہ وہ اس کی ابتدا ہے اور فتح مکہ کے ساتھ وہ عذاب استیصال کمال کو پہنچ گیا +

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ ۱۳۰

سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اسکے ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ

غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ ۱۳۱

تسبیح کر اور رات کے وقتوں میں بھی تسبیح کر اور دن کی طرفوں میں بھی تاکہ تو راضی ہو جائے ۲۱۲۱ اور اپنی نگاہیں اسکے

عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ

پیچھے لمبی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کیلئے سامان دیا ہے تاکہ ہم انکو اسکے ذریعہ

فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ ۱۳۲

سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے ۲۱۲۲ اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوط

عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔـلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ وَقَالُوْا ۱۳۳

رہ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کے لئے ہے ۲۱۲۳ اور کہتے ہیں

اوقات نماز

۲۱۲۱ مصائب پر صبر کے ساتھ ہمیشہ نماز کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ اس میں رجوع الی اللہ ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ اور یہاں بھی پانچ اوقات نماز کا ذکر ہے صبح اور عصر کا ذکر تو صراحت سے ہے قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا اور باقی نمازوں کا ذکر اٰناء اللیل واطراف النہار میں ہے۔ دن کی طرفین یوں بھی ہو سکتی ہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور زوال آفتاب کے بعد اور یہی مراد طرفی النہار (ھود۔ ۱۱۴) میں ہے اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ زوال آفتاب کے بعد اور غروب آفتاب کے بعد اور یہی یہاں مراد ہے یعنی ظہر اور مغرب۔ اور ترضیٰ میں یہ اشارہ ہے کہ کامیابی کو حاصل کرے کیونکہ کامیابی پر ہی انسان راضی ہوتا ہے۔

نماز سے حصول کامیابی

زہرۃ

۲۱۲۲ زہرۃ۔ زَھْرَۃ سبزی کی کلی کو کہتے ہیں اور بعض نے اسے سفید سے مخصوص کیا ہے اور زہرۃ الدنیا۔ اس کی تروتازگی اور حسن اور خوشنمائی کو کہا جاتا ہے اور زُھْرَۃ حسن اور سفیدی کو کہا جاتا ہے اور رَجُلٌ اَزْھَرُ اس مرد کو کہا جاتا ہے جسکا سفید رنگ ہو اور جس کا منہ روشن ہو کیونکہ اَزْھَر چاند کو اور اَزْھَران سورج اور چاند کو کہتے ہیں، اور عورت کو زَھْرَاء کہا جاتا ہے اور نبی کریم صلعم کی صفت میں ہے اَزْھَرُ اللَّوْنِ یعنی آپ کا رنگ سفید چمکدار تھا اور حضرت فاطمہ اَلزَّھْرَاء کہلاتی ہیں۔

نبی کریم کا رنگ

آرائش ظاہری کے سامان

ان آیات میں خطاب عام ہے اور اگر رسول اللہ صلعم کو ہی خطاب سمجھا جائے تو اصل مقصود امت سے خطاب ہے جن کے سامنے یہ زہرۃ الحیٰوۃ الدنیا کے سامان آنیوالے تھے نبی کریم صلعم کے سامنے ایسی قومیں نہ تھیں جنہوں نے دنیوی زندگی کی آرائش کو کمال تک پہنچایا ہو۔ یہ نقشہ آج یورپ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور اسی زمانہ کے مسلمان بالخصوص مخاطب ہیں کہ دوسری قوموں کے سامان زینت و آرائش وحسن کو دیکھکر دنیا کے سامانوں کی طرف نہ جھک جائیں اور فی الحقیقت ایسا ہی ہوا ہے کہ آرائش ظاہری کی بیماری اور دنیا طلبی مسلمانوں میں بھی سرایت کر گئی ہے یہانتک کہ خدا کے آگے جھکنے کیلئے انہیں وقت بھی نہیں ملتا اسکے بالمقابل رزق رب کا ذکر کیا جس سے مراد نبوت وہدایت لیگئی ہے مگر فی الحقیقت تمام وہ امور اس میں داخل ہیں جو روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں

نماز نمازی کیلئے نفع روحانی ہے

۲۱۲۳ اَھْل دیکھو ۱۳۷۵ یہ لفظ عام ہے اور صرف بیبیاں مراد نہیں اگر خطاب رسول اللہ صلعم سے لیا جائے تو آپ کے کل متبعین

۱۳۴ وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۞ وَلَوْ

ہم پر ایک نشان اپنے رب کیطرف سے کیوں نہیں لے آتا کیا انکے پاس اسکی کوئی کھلی دلیل نہیں آچکی جو پہلے صحیفوں میں ہے[۲۱۲۴] اور اگر

اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

ہم انہیں اس سے پہلے عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیتے تو کہتے اے ہمارے رب کیوں تو نے ہماری طرف رسول نہ بھیجا

۱۳۵ فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۞ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ

تو ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے[۲۱۲۵] کہو سب ہی انتظار کرنیوالے ہیں سو تم بھی انتظار کرو

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۞ ع

پس تم جان لوگے کہ کون سیدھے رستے پر چلنے والے ہیں اور کون ہدایت پر قائم ہے

اس میں شامل ہیں اور اگر عام ہو تو ہر شخص کے ساتھ اتحاد کا رنگ رکھنے والے لوگ اس میں داخل ہیں اور یہ جو نماز کے ذکر کے ساتھ فرمایا کہ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے تو مطلب یہ ہے کہ نماز سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسکی بڑائی اور عظمت زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ نحن نرزقک میں بتایا کہ یہ نماز انسان کے رزق روحانی کا موجب ہے اور نماز کی ہدایت کرکے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کا اصل رزق دیتا ہے اور یہی وہ رزق ہے جو انجام کار کام آنیوالا ہے اسی کی طرف والعاقبۃ للتقوی میں اشارہ ہے اور اس طرف بھی کہ متقی کا انجام لازماً اچھا ہوگا +

مطالبہ عذاب کا لطیف جواب

۲۱۲۴ قرآن کریم کی طرز تبلیغ اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہے جب ان کے سامنے قوموں کی ہلاکتوں کا ذکر ہوتا تو کہتے کہ اس قدر قوموں کی ہلاکت کا جو ذکر ہمیں سنایا جاتا ہے ایسا ہی ایک نشان ہلاکت ہم پر کیوں نہیں لے آتا۔ اٰیۃ من ربہ میں تنکیر نہ صرف نشان مطلوب کی عظمت کے لئے ہے بلکہ نکرہ لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جیسا نشانوں کا ذکر سنایا جاتا ہے ویسا کوئی ایک نشان استیصال ہم پر بھی لے آئے اس کا جواب نہایت لطیف دیا ہے ان کے پاس پہلے صحیفوں کا بینہ یعنی رسول رحمۃ للعالمین آچکا ہے یہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے جیسا دوسری جگہ وقالوا لولا انزل علیہ اٰیات من ربہ (العنکبوت ۲۹ - ۵۰) کا جواب دیا ہے اولم یکفہم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیہم ان فی ذلک لرحمۃ وذکری لقوم یؤمنون (العنکبوت ۲۹ - ۵۱) یعنی کتاب میں ان کیلئے رحمت موجود ہے وہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے ایسا ہی یہاں ہے کہ پہلے صحیفوں میں رسول کریم کا ذکر موجود ہے اور وہ کھلی دلیل اب انکے پاس آچکی ہے کیونکہ پہلے صحیفوں کا بھی مصدق ہے اور بینۃ رسول کریم صلعم کو دوسری جگہ صفائی سے فرمایا لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیہم البینۃ رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ (البینۃ ۹۸ - ۱ و ۲) اور دوسرے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ جب پہلے صحیفوں کے مکذبوں پر عذاب آیا تو قرآن کریم کے جھٹلانے والے کیونکر اس سے بچ سکتے ہیں +

بینہ سے مراد رسول کریم ہے

۲۱۲۵ یہاں دو باتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ مکذبین کا فساد اور شرارت تو پہلے ہی اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ انہیں ہلاک کر دیا جاتا مگر اتمام حجت کیلئے ضروری تھا کہ رسول انکے پاس آجاتا اس سے بھی معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں بینۃ سے مراد رسول ہی ہے اور دوسرے عذاب جو مکذبین نبی کریم پر آنیوالا تھا اسکی نوعیت بھی بیان فرما دی ان نذل ونخزی یہ عذاب ذلت ورسوائی کا تھا۔ اسی میں ان کا استیصال اور یہی ان کی ہلاکت تھی کہ آخر کار اسی کے سامنے ذلیل اور مغلوب ہو کر آئے جس کو مٹانے کے درپے تھے آخری آیت میں صاف کہہ دیا کہ الٰہی فیصلے کا انتظار کریں وہ آکر رہے گا +

عذاب اور رسوائی

مکذبین نبی کریم کی ہلاکت کی نوعیت

سورۃ الانبیاء مکیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

نام — اس سورت کا نام الانبیاء ہی اور اس میں سات رکوع اور ۱۱۲ آیتیں ہیں لفظ انبیاء اس سورت میں نہیں آتا مگر اس کا مضمون انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہی ہی ان پر اعتراضات۔ ان کا مقام بلند۔ انکے مخالفین کی ہلاکت انکے دشمنوں کے ہاتھ سے انکی نجات۔ انکا اور انکے متبعین کا وارث زمین ہونا انہیں باتوں کا اس میں ذکر ہی۔ اور بالخصوص اس میں عصمت انبیاء کا مضمون نہایت صفائی سے بیان ہوا ہی کہ وہ اپنے قول اور فعل دونوں میں کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلتے ہیں اس لحاظ سے اس کا نام الانبیاء ہی۔

خلاصہ مضمون — اس سورت کی ابتدا اس سے ہوتی ہی کہ اعمال کی جزا و سزا کی لوگ پروا نہیں کرتے بلکہ جب اللہ تعالیٰ کیطرف سے ایک جگانیوالا آتا ہی تو اس پر اعتراض کرتے ہیں کبھی اسکی تعلیم کو پریشان خوابیں کہتے ہیں کبھی افترا قرار دیتے ہیں کبھی اسے شاعر بتاتے ہیں ان کا جواب دیا کہ رسول ہمیشہ بشر ہی ہوتے رہی۔ دوسرے رکوع میں انبیاء کے مقام عظیم کا ذکر کیا کہ گو وہ انسان ہیں انسانوں کیطرح کھاتے پیتے ہیں مگر ان کا اللہ تعالیٰ کیطرف سے آنا اس سے ظاہر ہی کہ انکے مخالف اور بدخواہ جب انہیں یا انکی تعلیم کو نیست و نابود کرنیکے درپے ہوتے ہیں تو آخر خود ہلاک ہوجاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ انکی تائید میں نہ ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ ایک اکیلا انسان ساری طاقتوں کے مقابلہ کیکے غالب آجاتا اسی رکوع کے دوسرے حصہ میں صاف الفاظ میں بتایا کہ انبیاء کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اس قدر ہی کہ ساری دنیا کی مخالفت کے باوجود وہ لذت جو انہیں اس میں حاصل ہوتی ہی وہ ترقی پر ہوتی ہی پھر بتایا کہ یہی لوگ خدا کی توحید کو دنیا میں پھیلاتے ہیں پھر بتایا کہ وہ ملائکہ کیطرح کامل فرمانبردار ہوتے ہیں کہ نہ قول میں اور نہ فعل میں ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی ہی جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو تیسرے رکوع میں اول بتایا کہ جس طرح بارش سے زمین کی روئیدگی کی قوت پکڑتی ہی اسی طرح سے وحی سے قلوب انسانی میں نشو و نما پیدا ہوتا ہی اور جو لوگ اس آسمانی بارش سے اپنے آپکو محروم کردیتے ہیں۔ وہ ضرور آخر کار نقصان اٹھائینگے۔ چوتھے میں بتایا کہ حق کس طرح دلوں پر تسلط کرتا چلا جاتا ہی اور یہ اسکی آخری کامیابی کا کھلا نشان ہی۔ پانچویں میں بتایا کہ حضرت ابراہیم نے جب تعلیم توحید دی تو کسطرح لوگ انکے دشمن ہوگئے اور کسطرح انہیں ہلاک کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے آپکو بچایا اور آپکے ذریعہ حق کو دنیا میں پھیلایا چھٹے رکوع میں کئی ایک دوسرے انبیاء کے ذکر سے اسبات کو واضح کیا کہ کسطرح بڑے مصائب میں وہ مبتلا ہو کر آخر بچے اور کامیاب ہوئے۔ ساتویں میں خاتم النبیین کا ذکر کیا اور بتایا کہ اب بھی اسیطرح حق کامیاب ہوگا۔ اور آخر کار راستباز زمین کے وارث ہونگے ۔

تعلق — اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے ظاہر ہی اس میں مضمون کا خاتمہ اس بات پر کیا کہ آنحضرت صلعم دنیا میں ناکام نہیں ہوسکتے اور آخر آپکی قبولیت پھیلے گی اس میں اسی کو اور واضح کیا اور بتایا کہ انبیاء اور راستباز ہمیشہ ہی کامیاب ہوتے رہی ہیں اور جو دشمن انہیں تباہ کرنا چاہتے ہیں ان سے انہیں بچا کر آخر کار حق کو غالب کیا جاتا ہی اور انہیں زمین کا وارث بنایا جاتا ہی ۔

زمانہ نزول — اس سورت کا زمانہ نزول بھی آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کا پہلا حصہ ہی یعنی ہجرت حبش سے پہلے کا زمانہ دیکھو بنی اسرائیل پر نوٹ۔ بنی اسرائیل سے لیکر اس سورت تک اوائل زمانہ کی سورتیں ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود کی کھلی شہادت وہاں نقل ہوچکی ہی ۔

رکوع ۱ — ع ۱

رسول پر مخالف اعتراضوں کا جواب

۱ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا یَاْتِیْهِمْ

لوگوں کیلئے (انکا وقت) حساب قریب ہو اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ۲۱۲۶ کوئی نصیحت ان کے

۲ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِیَةً

رب کیطرف سے انکے پاس نہیں آتی مگر وہ اسکو سنتے ہیں حالانکہ وہ کھیل رہے ہوتے ہیں ۲۱۲۷ ان کے دل

۳ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی ۖ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ

غافل ہوتے ہیں اور جو ظالم ہیں وہ چھپکر مشورہ کرتے ہیں (کہ) وہ کچھ نہیں مگر تمہاری طرح ایک

مِّثْلُکُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

انسان ہو تو کیا تم سحر کو قبول کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو ۲۱۲۸

حساب کے قریب ہونے سے مراد

۲۱۲۶ حساب کا یا حساب کے وقت کا قریب آنا کئی طرح پر ہے ایک یہ کہ انسان کا ہر عمل ساتھ ساتھ ہی نتیجہ پیدا کرتا جاتا ہے۔۔ دوسرا یہ کہ موت پر بھی ایک حساب انسان کے سامنے آجاتا ہے اور موت کا وقت بھی ہر انسان سے قریب ہے تیسرا یہ کہ اس قوم یا ان لوگوں کیلئے جن میں رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تھے ان کا وقت حساب قریب آگیا تھا کیونکہ ان کے اعمال اس قابل ہوگئے تھے کہ اس دنیا میں ان کو سزا دی جانے اور رسول کا آنا اتمام حجت کیلئے تھا چوتھا یہ کہ سب لوگوں کا حساب قریب ہے یعنی قیامت کبریٰ بھی جلد آنیوالی ہے ان الساعة لآتية اور بعض نے تحقق وقوع کے لحاظ سے قرب مراد لیا ہے کیونکہ جو چیز لامحالہ آنیوالی ہے وہ قریب ہی ہے (د)، اس سورت کی ابتدا اس مضمون سے کہ اعمال کی جزا و سزا یقینی ہے نہایت موزون ہے اسلئے کہ اس میں بحث ہی نبوت پر ہے اور ایک بات جس پر انبیاء خاص زور دیتے ہیں وہ اعمال کی جزا و سزا ہے۔

احداث۔ محدث

۲۱۲۷ محدث حدوث کیلئے دیکھو ۱۵۱۶ اور احداث کے معنی وجود میں لانا ہیں اور مُحْدَث وہ چیز جو وجود میں لائی جائے بعد اس کے کہ وہ نہیں تھی۔ اور یہ بعض وقت اس کی اپنی ذات میں ہوتا ہے اور بعض وقت ان لوگوں کیلئے جنہیں یہ حاصل ہوئی ہو (غ)، اور مُحَدَّث جو حضرت عمر کیلئے حدیث میں آیا ہے اور جس قسم کے لوگوں کا اس امت میں ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے اس کے معنی ہیں وہ شخص جس کے دل میں ملاء اعلیٰ کی طرف سے ایک بات ڈالی جائے (غ)، اور صادق الظن شخص کو محدث کہتے ہیں اور احادیث میں اس کی تفسیر مُلْهَم سے کی گئی ہے اور اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کے دل میں ایک بات ڈالی جاتی ہے تو وہ دور اندیشی اور فراست سے اس کی خبر دیں گویا انکے ساتھ ایک بات کی گئی ہے جسے وہ کہہ دیتے ہیں (ل)، اور ایک حدیث میں حضرت عمر کے ذکر میں مُحَدَّث کا لفظ آتا ہے اور دوسری حدیث متفق علیہ میں اسی حدیث میں محدثون کی جگہ الفاظ رجال یُکَلَّمُوْنَ من غیر ان یکونوا انبیاء آئے ہیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ مُحَدَّث اصطلاح شریعت میں وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے مگر وہ نبی نہیں ہوتے +

مُحَدَّث کے لغوی معنی

اصطلاح شریعت میں محدث

مخالفین کا قرآن کریم کو سحر قرار دینا

۲۱۲۸ ابتدائی زمانہ کی سورت ہے بڑے بڑے معجزات ابھی ظاہر نہیں ہوئے اور قرآن کریم اندر ہی اندر دلوں کو کھینچ رہا ہے یہاں تک کہ سخت ترین تکلیفیں اٹھا کر بھی لوگ اسے قبول کرتے چلے جاتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ اثر ہی تھا جس کی وجہ سے اسے سحر کہتے تھے +

قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ ٥

(رسول نے) کہا میرا رب (ہر) بات کو جانتا ہے (جو) آسمانوں میں اور زمین میں (کی جاتی ہے) اور وہ سننے والا جاننے والا ہے بلکہ

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ

کہتے ہیں (یہ) پریشان خوابیں ہیں بلکہ (یہ کہ) اس نے افترا کیا بلکہ (یہ کہ) وہ شاعر ہے سو ہمارے پاس کوئی نشان لائے جیسا کہ

اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ ٦

(نشانوں کے ساتھ) پہلوں کو بھیجا گیا[٢١٢٩] ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہیں لائی جسے ہم نے ہلاک کیا تو کیا یہ

يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ ٧

ایمان لائینگے اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی کو نہیں بھیجا سوائے مردوں کے جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے پس اہل علم سے پوچھ لو

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ٨

اگر تم نہیں جانتے[٢١٣٠] اور انکو ہم نے ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر متغیر تھے[٢١٣١]

قرآن کریم کے متعلق مختلف آرائیں

٢١٢٩ پہلی بات جو قرآن کریم کے متعلق کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ پریشان خواب ہیں پھر جب اس پر خود بھی مطمئن نہیں ہوتے اور اس کے نظم کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں افترا ہے یہ اس نے خود بات بنا کر کہدی ہے تیسرا قول یہ ہے کہ یہ محض شاعر ہے یعنی اس کے الفاظ حقیقت سے خالی ہیں قرآن کریم کے مخالف آج بھی ایک بات پر متفق نہیں ایک کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ۔ پریشان خوابوں میں تعلق کوئی نہیں ہوتا وہ کاہنوں کی طرح چند بے معنی فقرے چاہتے تھے مگر قرآن کریم میں ایک غرض اور مقصد صاف نظر آتا ہے اسلئے بول اٹھتے ہیں کہ یہ بناوٹ ہے پھر محض بناوٹ نہیں کیونکہ بناوٹ میں اتنا اثر نہیں اسلئے پھر یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ شاعرانہ کلام ہے کیونکہ شاعر تخیل کے زور سے کلام میں اثر پیدا کرتا ہے +

٢١٣٠ یہ بشر مثلکم (٣) کا جواب ہے یعنی پہلے بھی انسان آتے رہے اور رسول بشر ہی ہو سکتا ہے تاکہ وہ ان کیلئے نمونہ بنے۔ اگر رسول کسی اور جنس سے ہوتا تو وہ انسانوں کیلئے نمونہ کا کام نہ دے سکتا تھا +

وفات مسیح پر فیصلہ کن دلیل

٢١٣١ خلود اور خالد کیلئے دیکھو ٣٩[١] اسکے اصل معنی فساد واقع ہونے سے بری ہونا ہیں جو کھانے کا محتاج ہے وہ خالد نہیں ہو سکتا یعنی اس کا جسم تغیر سے پاک نہیں ہو سکتا کیونکہ کھانا بدل ما یتحلل ہے اور انسان کو کھانے کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے جسم خاکی سے کچھ اجزا ہر وقت نکلتے رہتے ہیں ان کی جگہ دوسرے اجزا لیتے رہتے ہیں اسلئے وہ کھانے کا محتاج ہوتا ہے اور کچھ اجزا کا نکلنا اور دوسروں کا ان کی جگہ لینا فانی ہونے کی دلیل ہے اور یہاں بتایا ہے کہ رسولوں کا جسم خاکی بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہوتا ہے یعنی تغیر اس میں بھی ہوتا رہتا ہے یہ دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر زندہ ہونے کو جیسا کہ بہت مسلمانوں کا خیال ہے صریحاً باطل ٹھہراتی ہے +

۱۰ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ لَقَدْ

پھر ہم نے (اپنا) وعدہ انہیں سچ کر دکھایا سو انہیں ہم نے نجات دی اور جسے ہم نے چاہا اور زیادتی کرنیوالوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ۲۱۳۲ یقینا

۱۱ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً

ہمنے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے جس میں تمہاری بڑائی ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۲۱۳۳ اور کتنی بستیاں ہمنے ہلاک کر دیں جو ظالم تھیں

ع ۲ / ۲ — مقام انبیاء

۱۲ وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ○

اور انکے بعد ہمنے دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کیا ۲۱۳۴ پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو اس سے بھاگنے لگے ۲۱۳۵

۱۳ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ○

بھاگو نہیں، اور اس کی طرف لوٹ جاؤ جس میں تمکو آسائش دیگئی تھی اور اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے سوال کیا جائے ۲۱۳۶

مخالفین کے خیالات کا جواب

۲۱۳۲ یہ ان کے اقوال آیت ۵ کا جواب ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو مومنوں کی نجات اور مکذبوں کی ہلاکت کے متعلق ہے پورا ہو کر اس خیال کو باطل ٹھہراتا ہے کہ یہ پریشان خوابیں ہیں پریشان خوابوں کا نتیجہ سالہا سال کے بعد کیونکر وہی نکل سکتا ہے جو قبل از وقت بتایا جاتا ہے ایسا ہی ان وعدوں کے پورا ہونے سے افترا یا بناوٹ ہونے کا خیال بھی باطل ہوتا ہے کیونکہ ایک مفتری آیندہ کے متعلق کوئی پرزور دعویٰ نہیں کرسکتا۔ بالخصوص جب وہ خود سخت بے سروسامانی کی حالت میں ہو اور چاروں طرف مخالفت کا زور ہو رہا ہو شاعر موزون کلام بنا سکتا ہے مگر وہ بھی یہ نہیں کرسکتا کہ بڑی بڑی قوموں کا تنہا مقابلہ کرسکے۔ شاعر تو خود بھی بادشاہان وقت کے ذلیل غلام ہوتے ہیں انہوں نے کیا مقابلہ کرنا ہے +

قرآن کے ذریعہ قوم عظمت حاصل کریگی

۲۱۳۳ ذکر کے معنی کیلئے دیکھو ۱۹۱۰ اور یہاں معنی شرف یا بزرگی مراد لئے گئے ہیں (ج)، اور ابن عباس سے یہی معنی مروی ہیں (د) مطلب یہ ہے کہ نہ صرف ایمان لانیوالوں کے لئے نجات اور مکذبین کیلئے ہلاکت کی خبر ہے بلکہ فی الحقیقت اس کے اندر وہ اعلیٰ درجہ کے جوہر موجود ہیں کہ ان کو عمل میں لاکر ایک قوم دنیا میں عظیم الشان مرتبہ پر پہنچ سکتی ہے اور مومن دنیا میں ایک عظیم الشان قوم بن جائیں گے +

قصم — انبیاء کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کا نشان

۲۱۳۴ قصمنا۔ قصم کسی چیز کا کوٹنا یا توڑنا۔ سخت چیز کا توڑنا۔ ہلاک کرنا ہے (ل)، ان چند آیات میں بتایا ہے کہ رسول بیشک عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق اس سے ظاہر ہے کہ بڑی بڑی بستیاں اور قومیں جب اس کی مخالفت میں کھڑی ہو جاتی ہیں تو بجائے اس کے کہ اس کا کچھ بگاڑ سکیں خود تباہ ہو جاتی ہیں اگر اس شخص کا تعلق اس مقتدر ہستی سے نہ ہو جسکے قبضۂ قدرت میں زمین و آسمان کی سب طاقتیں ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ ایک اکیلے آدمی کے مقابلہ پر اتنی زبردست قومیں ہلاک ہو جائیں رکوع کے پچھلے حصہ میں انبیاء علیہم السلام کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذکر ہے +

رکض

۲۱۳۵ یرکضون۔ رَکض کے معنی ہیں پیر کے ساتھ مارنا اگر سوار کیطرف منسوب ہو تو سواری کے دوڑانے پر آتا ہے اور چلنے والے کیطرف ہو تو چلنا مراد ہوتا ہے اُرکض برجلک (ص ۳۸۔ ۴۲) اور یہاں مراد انہزام یعنی بھاگنا ہے (غ) +

۲۱۳۶ اپنی آسودہ حالی اور فراخی کی طرف لوٹ جاؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے کہ تم پر کیا ماجرا گزرا یا اعمال سے سوال مراد ہے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا ١۴ ١۵

انہوں نے کہا ہم پر افسوس ہم ظالم تھے سو یہی ان کی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے کھیت اور بجھے ہوئے

خٰمِدِيْنَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ ١٦ ١٧

(شعلہ کی طرح) کر دیا ۲۱۳۷ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے بلا مقصد پیدا نہیں کیا ۲۱۳۸ اگر ہم ارادہ کرتے کہ کھیل

لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ ١٨

بے حقیقت بنائیں تو اپنے پاس سے اسے بناتے ہم (ایسا) کرنیوالے نہ تھے ۲۱۳۹ بلکہ ہم حق کو باطل پر ڈالتے ہیں سو وہ اسکا سر توڑ دیتا ہے

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ١٩

پس ناگہاں وہ نابود ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے اس کی وجہ سے افسوس ہے جو تم بیان کرتے ہو ۲۱۴۰ اور اسی کیلئے ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝

اور جو اسکے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں

خمد ۔ خامد — ۲۱۳۷ خامدین ۔ خَمَدَتِ النَّار کے معنی ہیں آگ کا شعلہ بجھ گیا اور اس کا کوئلہ نہیں بجھا اور ھَمَدَت کے معنی ہیں اسکا کوئلہ بجھ گیا (ل)، وتری الارض ھامدۃ (الحج ۲۲: ۵) حصید ۱۳۸۸ ۔

قوموں کی تباہی سے مراد — یہاں انکی اس آخری حالت کو دو باتوں سے تشبیہ دی ہے ایک کھیتی سے جو انکی پہلی سرسبزی کی طرف اشارہ ہے مگر وہ کھیتی کاٹ لی گئی دوسرے آگ سے جس کا شعلہ بجھ گیا ہو گویا وہ ان کا غیظ و غضب فرو ہو گیا پس یہ بھی قوموں کی تباہی ہی ہے کہ انکے اقبال میں کمی آجائے اور حق کے مقابل ان کا غیظ ٹھنڈا پڑ جائے جو بسا اوقات اسلئے ہوتا ہے کہ وہ مخالفت ترک کرکے حق کو قبول کر لیتی ہیں ۔

جزاء و سزا کا انکار خدا کے کاموں کو بے حقیقت قرار دینا ہے ۔ — ۲۱۳۸ لَعِب (۵۴۵) ایسا فعل ہے جس سے کوئی مقصد صحیح مدنظر نہ ہو پس بتایا کہ زمین میں کوئی مخلوق ہو یا آسمان میں ہر ایک کی پیدائش میں ایک مقصد صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں جو شخص اعمال کی جزاء و سزا کا منکر ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی خلق کو محض ایک لعب سمجھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اعمال بد پر اسے کوئی سزا نہیں ملے گی ۔

لھو — ۲۱۳۹ یہاں لھو کے معنی بہت سے مفسرین سے زوجۃ اور ولد مروی ہیں (ج) لیکن پہلی آیت میں لعب کا قرینہ بتاتا ہے کہ اسی مضمون کو جاری رکھا ہے لھو و لعب میں فرق کیلئے دیکھو ۹۳۲ اور مطلب یہ ہے کہ ہمارا ارادہ ہی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز بے حقیقت ہو اور ان کنا فاعلین میں اِنْ نافیہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری شان ہی یہ نہیں کہ ہم ایسا کرتے ۔

دمغ — ۲۱۴۰ یدمغ ۔ دَمَغَ کے معنی دماغ کا توڑ دینا ہیں (غ) ۔

پہلی دو آیتوں میں جو کچھ فرمایا تھا اس کا نتیجہ یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو مقصد صحیح سے پیدا کرتا ہے اس لئے حق جب آجاتا ہے تو باطل کا باوجود اس کی ساری طاقت کے سر کچل دیتا ہے اسی طرح توحید سے شرک کی تعلیم دنیا میں مٹ جائیگی اور باطل حق کے سامنے بھاگ جائیگا ۔

۲۰ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝ أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ

رات اور دن تسبیح کرتے ہیں سست نہیں ہوتے ۲۱۴۱ کیا انہوں نے زمین سے معبود بنالئے ہیں جو پیدا

۲۲ يُنشِرُونَ ۝ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ

کرتے ہیں ۲۱۴۲ اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو دونوں بگڑ جاتے سو اللہ عرش کا رب

۲۳ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۝

اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۲۱۴۳ اس سے اس کے متعلق پوچھا نہیں جاتا جو وہ کرتا ہے اور ان سے پوچھا جائیگا

استحسار۔ فتر

۲۱۴۱ حسر کیلئے دیکھو ۲۰۵ اور استحسار اس سے ابلغ ہے اور فتور کیلئے دیکھو ۸۴۰ اور یفترون کے معنی کئے ہیں لا یسکنون عن نشاطهم في العبادة (تاج) یعنی عبادت میں ان کو اس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے کہ وہ ٹھہرتے نہیں۔ یہاں من عندہ سے فرشتے مراد لئے گئے ہیں مگر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے پاک بندوں پر بھی صادق آتے ہیں کیونکہ دن اور رات تسبیح وہ بھی کرتے رہتے ہیں یعنی تسبیح پر مداومت کرتے ہیں قول سے اور فعل سے۔ اور وہ خدا کی عبادت سے تھکتے نہیں اور انہیں اس میں نشاط بھی حاصل ہوتی ہے اسلئے اس میں سست نہیں ہوتے۔ یا جس طرح ملائکہ کو رسالت تسبیح سے نہیں روکتی اسی طرح نیک لوگوں کو بھی نہیں روکتی اور یہاں ذکر انبیاء کا ہے۔ کیونکہ انہیں کے متعلق یہ اثبات کرنا ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے تو پہلے یہ تعلق اس رنگ میں ظاہر کیا کہ ان کے مقابلہ پر بڑی بڑی قومیں بھی گر جاتی ہیں اور اب اسی تعلق کو صاف الفاظ میں بیان فرمایا اور انکے مقام بلند کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کے حضور انکو حاصل ہے اور بتایا کہ یہی کیسا کھلا نشان انکے تعلق باللہ کا ہے کہ انہیں ذکر الٰہی میں کمال درجہ کا سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت کرتے ہوئے تھکتے نہیں بلکہ باوجود مخالفت کے اس میں خوشی سے لگے چلے جاتے ہیں ۔

انبیاء کا تعلق اللہ تعالیٰ سے انکی عبادت میں نشاط سے ظاہر ہے

نشر۔ اِنشار

۲۱۴۲ ینشرون۔ نشور اور نشر کے لئے دیکھو ۱۹۰۳ اور نَشَرَ الْمَيِّتُ کے معنی ہیں مردہ جی اٹھا اور انشر اللہ کے معنی ہیں اللہ نے مردہ کو زندہ کیا اور نَشَرَ اللہ کے بھی یہی معنی ہیں اور حدیث میں ہے لا رضاع الا ما انشز اللحم و انبت العظم۔ جہاں انشز اللحم کے معنی ہیں گوشت کو مضبوط کیا اور قوت دی اِنشار سے جیسے معنی احیاء ہیں (ل) اسلئے یہاں بعض مفسرین نے معنی مردہ زندہ کرنا کئے ہیں اور بعض نے صرف یخلقون یا پیدا کرتے ہیں معنی کئے ہیں اور یہ دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں اسلئے کہ ان معبودان باطل کے متعلق قرآن کریم میں بار بار یہ مطالبہ کیا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے خلقوا کخلقه فتشابه الخلق عليهم (الرعد ۱۳-۱۶) ام هم الخالقون (الطور ۵۲-۳۵) ۔

توحید باری پر دلیل اصل ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو نظام عالم قائم نہیں رہ سکتا

۲۱۴۳ یہ توحید باری پر دلیل ہے اور اس مضمون کے یہاں لانے کی وجہ آیت ۲۵ میں صاف بیان فرما دی ہے کہ تمام رسول توحید کی تعلیم لیکر آئے اور انہی کی تعلیم سے اللہ تعالیٰ کی توحید دنیا میں پھیلی ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو نظام عالم قائم نہ رہ سکتا کیونکہ ایک ایک طرح پر اسے چلاتا تو دوسرا اپنے حسب منشا دوسری طرح پر چلاتا۔ نظام عالم کا قیام ہی اس بات پر ہے کہ ایک قانون کے ماتحت یہ چل رہا ہے مختلف خدا ہوں تو مختلف قانون ہوں اور نظام عالم تباہ ہو جائے اگلی آیت میں لا یسئل عما یفعل اسی قانون کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ قانون کے ماتحت سب کو چلنا پڑتا ہے سوال تو وہ شخص کرے جو اس قانون سے باہر ہو مگر کل مخلوق ایک قانون میں جکڑی ہوئی ہے اور بندوں پر تو اور بھی خلاف ورزی قانون کریں تو مواخذہ ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں سوال فعل کے رنگ میں ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً ؕ قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ ۚ ہٰذَا ذِکۡرُ مَنۡ مَّعِیَ ۲۴

کیا اس کے سوائے (اور) معبود بنالئے ہیں تم اپنی روشن دلیل لاؤ یہ اس کا ذکر ہو جو میرے ساتھ ہے

وَ ذِکۡرُ مَنۡ قَبۡلِیۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَقَّ فَہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝

اور اسکا ذکر جو مجھ سے پہلے ہو بلکہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لئے وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں ۲۱۴۴

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا ۲۵

اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم (یہی) وحی کرتے تھے کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں سو

فَاعۡبُدُوۡنِ ۝ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَہٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ ۲۶

میری عبادت کرو ۲۱۴۵ اور کہتے ہیں رحمٰن نے بیٹا بنا لیا وہ پاک ہو بلکہ وہ معزز

مُّکۡرَمُوۡنَ ۝ۙ لَا یَسۡبِقُوۡنَہٗ بِالۡقَوۡلِ وَ ہُمۡ بِاَمۡرِہٖ یَعۡمَلُوۡنَ ۝ ۲۷

بندے ہیں وہ بات میں اس سے آگے نہیں بڑھتے اور اس کے حکم کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں ۲۱۴۶

دوسری دلیل۔ توحید میں سب قومیں ایک دوسر کی مؤید ہیں شرک میں نہیں

۲۱۴۴ ذکر من معی سے مراد ہو اس اُمت کا ذکر اور ذکر من قبلی سے پہلی اُمتوں کا ذکر مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہی میرے ساتھیوں کا ذکر ہو اور یہی پہلوں کا ذکر تھا یعنی وہ بھی توحید پر قایم تھے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا کہ پہلے رسولوں کی طرف بھی یہی وحی ہوتی تھی کہ اللہ ایک ہو پس ایک طرف توحید الٰہی ہو جس پر نہ صرف محمد رسول اللہ صلعم اور آپکے ساتھیوں کی شہادت ہو بلکہ جس قدر راستباز نیکی کے معلم پہلے گزرے ان کی بھی یہی شہادت ہو۔ اسکے مقابل شرک پر اپنی برہان پیش کرو۔ اور یہ کیسی عجیب بات ہو کہ ہر قوم کا شرک دوسری قوم سے علیحدہ رنگ کا ہو اور ایک قوم کے شرک کی دوسری تائید نہیں کرتی۔ پرستاران مسیح اہرمن کو اور ہندوستان کے تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو نہیں مانتے اور اہرمن کے ماننے والے اور ہندو مسیح کو خدا نہیں مانتے لیکن ان شرکیوں کو چھوڑ کر ایک خالق کو ماننے میں سب ایک ہیں۔

تیسری دلیل ہر نبی کی تعلیم میں توحید ہی ہے

۲۱۴۵ یہ تیسری دلیل توحید الٰہی پر ہو کہ جس قدر انبیاء دنیا میں ہوئے کسی کو سوائے توحید کے اور کوئی تعلیم نہیں دی گئی۔ یہ بھی ایک زبردست دلیل توحید الٰہی پر ہو یا تنک۔ کہ ان انبیاء کی تعلیم پر بڑے بڑے تغیرات آجانے کے باوجود بھی انکی تعلیم توحید اب تک قایم ہو اگر ایک خدا کے سوائے کوئی اور بھی خدا ہوتا تو کسی نبی کی تعلیم میں بھی یہ لفظ موجود ہوتے مگر ایسا نہیں +

۲۱۴۶ آیت ۲۶ سے لیکر ۲۹ تک کا مصداق ملائکہ کو سمجھا گیا ہو لیکن کئی ایک قرائن صاف بتاتے ہیں کہ ان میں مراد انبیاء علیہم السلام ہی ہیں اور ولدیت کا عقیدہ بھی انبیاء کے متعلق ہی بنا۔ اول اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ میں عموماً عیسائیوں کے عقیدہ ولدیت مسیح کی تردید ہی کی گئی ہو گو اور بھی اس میں شامل ہو جائیں اور عباد کا لفظ اسلئے استعمال کیا کہ مسیح کے سوائے اور لوگوں کو بھی خدا کا بیٹا بنایا گیا ہو جیسے عزیر جن کا ذکر قرآن شریف میں ہو اور اور بھی اس قسم کے عقاید مروج ہیں دوم اوپر جو ذکر تھا وہ یہی تھا کہ کسی رسول کو یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ خدا کے سوائے کوئی اور بھی لائق عبادت ہو پس یہ بھی رسولوں کا ہی ذکر ہو سوم اُنتیسویں آیت میں ہو ومن یقل منھم انی الٰہ جو کوئی ان میں سے کہے میں معبود ہوں ظاہر ہو کہ فرشتے انسانوں کو اس طرح کہنے نہیں آتے بلکہ انسانوں کو انسان ہی کہہ سکتا ہو اور دوسرے انسان تو ایسا کہنے والے ہوئے ہیں یعنی جنہوں نے اپنے آپکو خدا کہا مگر فرشتہ کوئی ایسا نہیں ہوسکتا اور نہ ہوا مفسرین نے اس وقت

۲۸ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ

وہ جانتا ہے جو کچھ انکے سامنے ہے اور جو انکے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اسی کیلئے جسے وہ پسند کرے اور وہ اسکی

۲۹ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ○ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَٰلِكَ

ہیبت سے ڈرتے ہیں ۲۱۴۷ اور جو کوئی ان میں سے کہے کہ میں اسکے سوائے معبود ہوں تو اسے ہم

۳۰ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ○ أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ

دوزخ کی سزا دینگے اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں کیا جو کافر ہیں وہ غور نہیں کرتے کہ آسمان اور

وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ○

زمین دونوں بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا تو کیا یہ ایمان نہیں لائینگے ۲۱۴۸

ع ۱۲ — کہ بین پر ہلاکت کا آنا مقدر ہوگا ہے

کو یوں حل کیا ہے کہ ابلیس نے ایسا کہا مگر اول تو ابلیس نے ایسا کہا نہیں دوسرے ابلیس ملائکہ میں سے نہیں پس منہم کی ضمیر انسانوں کیطرف ہی جا سکتی ہے چہارم ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ (آل عمران ۸۰) میں صاف یہی ذکر موجود ہے اور یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں پنجم آخری آیت کے آخری الفاظ کذالک نجزی الظالمین صاف بتلاتے ہیں کہ انسانوں کا ذکر ہے کیونکہ فرشتہ پر لفظ ظالم آ ہی نہیں سکتا +

عصمت انبیاء پر قطعی دلیل — پس اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے مقام بلند کا ذکر ہے اور ان کی عصمت پر دلیل ہے۔ وہ نہ تو قول میں اللہ تعالیٰ پر سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں یعنی وہی تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے اور ان کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں پس نہ قولاً اور نہ عملاً وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک ذرہ بھی انحراف کر سکتے ہیں اور یہی مقام عصمت ہے۔ اور یہ آیت انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر قطعی دلیل ہے +

دوسروں کیلئے استغفار شفاعت ہے — **۲۱۴۷** لمن ارتضیٰ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے شہادۃ ان لا الہ الا اللہ۔ اور ان کی شفاعت استغفار ہے جو دنیا اور آخرت میں ہے (د) درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شفاعت بھی اپنی اُمتوں کیلئے استغفار ہی ہے یعنی ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ اُمتوں کی بعض کمزوریوں کی پردہ پوشی کر دیتا ہے +

رتق۔ فتق — **۲۱۴۸** رتقاً۔ ففتقنا۔ رَتْق۔ فَتْق کے خلاف ہے اور فتق کے معنی شق یعنی پھاڑنا ہیں اور فتق تھوڑی بارش کو بھی کہتے ہیں اور صبح کے پھٹنے کو بھی۔ اور رَتْق ملجانا ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آسمان کا رتق یہ ہے کہ اس سے بارش نہ برسے اور زمین کا رتق یہ کہ اس میں سبزی نہ اُگے اور فتق اس کے مقابل پر آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین میں سبزی کا نکلنا ہے اور یہی زجاج کا قول ہے اور رتق سے مراد یہاں ذوی رتق ہے یعنی رتق والے تھے اور رُتُق کے معنی ظلمت بھی ہیں (ل) +

قرآن کریم کی علم جدید سے مطابقت جبکہ اسکے نزول کے وقت دنیا کو علم نہ تھا — آسمان اور زمین کے بند ہونے اور انکے کھولا جانے سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سب چیزیں ایک غیر ممیز صورت میں باہم ملی جلی تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اجرام کو الگ الگ کرکے ایک دوسرے سے ممیز کر دیا اور اس کی طرف آگے کل فی فلک یسبحون (۳۳) میں اشارہ بھی ہے کہ اب وہ سب اپنے اپنے افلاک میں چکر لگا رہے ہیں اور اس معنی سے ملتے جلتے معنی مفسرین نے کئے ہیں اور سائینس بھی یہی کہتا ہے کہ یہ سب نظام ایک ابتری کی حالت میں سے نکلکر اس موجودہ نظام پر آیا اور دوسرے معنی جو اوپر نقل کئے گئے ہیں حضرت ابن

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ ٣١
اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تا وہ انہیں غذا پہنچائیں اور ہم نے اس میں کھلے رستے بنائے تاکہ وہ

يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ ٣٢
راہ پائیں ٢١٤٩ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اسکے نشانوں سے منہ پھیر رہے ہیں ٢١٥٠

عباس سے مروی ہے یعنی آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی کا نکلنا اور اس صورت میں یہ بتایا تو قانون عام ہے کہ جب آسمان سے پانی نہیں برستا زمین سے بھی روئیدگی نہیں نکلتی اور یہی ابتدائے آفرینش کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانیوں کو الگ کر دیا تو اسکے ذریعہ سے زمین میں روئیدگی ہوئی اور اس کی صداقت کا بھی سائنس گواہ ہے اور وجعلنا من الماء کل شیءٍ حی میں اس دوسرے معنی کی طرف اشارہ ہے۔

پانی سے زندگی کا ہونا

پانی سے ہر زندہ چیز کا ہونا یہ بھی ایک عظیم الشان صداقت ہے جس کا اعتراف سائنس نے آج کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس صداقت کا علم ایک ہو کے اُمی کے منہ سے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا کو دیا۔ یوں اس ایک آیت میں تین ایسی عظیم الشان علمی صداقتیں اکٹھی کر دی ہیں جن کا علم دنیا کو آج ہوا ہے اور پھر کیسے پرحکمت طریق سے ایمان کیلئے اسے بطور گواہ ٹھہرایا یعنی جسطرح وہاں آسمان سے پانی آتا ہے تو زندگی نمودار ہوتی ہے اسی طرح قلب انسانی وحی الٰہی کیلئے بمنزلہ زمین کے ہے جب وحی کی بارش کا اس پر نزول ہوتا ہے تو اس قلب کی مردہ قوتیں زندہ ہو جاتی ہیں اگر انبیاء نہ آئیں تو یہ زمین قلوب انسانی بالکل مردہ ہو جائے اس لحاظ سے پچھلے حصہ میں مکذبین کی ہلاکت کا ذکر کیا کیونکہ جو لوگ اس بارش سے اپنے آپکو محروم کرتے ہیں ضرور ہے کہ انجام کار وہ نقصان اُٹھائیں۔

فج

ف ٢١٤٩ فجاج، فجّ کی جمع ہے اور وہ اصل میں وہ شگاف ہے جس کا احاطہ دو پہاڑوں نے کیا ہوا ہو (غ)، یا دو پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ اور پھر ہر کشادہ رستہ پر اس کا استعمال ہوا ہے (غ)، من کل فجٍ عمیق (الحج ٢٢-٢٧)۔

اس مضمون پر دیکھو ف ١٤٢٥ اور یہتدون میں گو ظاہر طور پر رستہ پانا ہی مراد ہے مگر اس میں اشارہ یہ ہے کہ ان جسمانی انتظامات سے روحانی انتظامات کی طرف بھی ہدایت ملتی ہے۔

سقف

ف ٢١٥٠ سَقْف چھت کو کہتے ہیں اور اس کی جمع سُقُف ہے لبیوتہم سُقُفًا من فضة (الزخرف ٤٣-٣٣) اور سَقِیف ہر مکان کو کہتے ہیں جس کی چھت ہو (غ)، اور اسی سے سقیفۃ بنی ساعدہ ہے جہاں آنحضرت صلعم کی وفات پر مہاجرین و انصار انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تھے۔

محفوظ

محفوظ حِفظ کا لفظ ہر قسم کے تعہد اور نگہداشت پر بولا جاتا ہے (غ)، مثلاً انا له لحافظون (الحجر ١٥-٩) میں مراد ہے کہ اسے تحریف یا فساد سے بچایا جائے گا والحافظین فروجہم والحافظات (الاحزاب ٣٣-٣٥) میں مراد عفت کی رو سے حفاظت ہے اسی طرح حافظوا علی الصلوات (البقرۃ ٢-٢٣٨) وما جعلناک علیہم حفیظا (الانعام ٦-١٠٨) وغیرہ میں تعہد اور نگہداشت کے مختلف پہلو ہیں۔

نظام عالم کی تشبیہ ایک گھر سے

یہاں آسمان کو سقف کہا ہے اور محفوظ بھی۔ اور دوسری جگہ سماء کو بناء یعنی عمارت کہا ہے ان الفاظ کے استعمال میں بتایا ہے کہ یہ تمام نظام عالم بمنزلہ ایک گھر کے ہے جس کا ایک مالک ہے اور اسے محفوظ کہا ہے یعنی وہ نظام فساد سے محفوظ ہے یعنی اتنا بڑا نظام بگڑتا نہیں اگر اس کی پیدا کرنے والی ایک مدبر بالا رادہ ہستی نہ ہو تو اتنا بڑا نظام جس میں لاکھوں اجرام شب و روز گشت لگا رہے ہیں کس طرح قایم رہ سکتا ہے یہی وہ آیات ہیں جن سے کفار اعراض کرتے ہیں ان موٹی موٹی باتوں پر غور نہیں کرتے۔

۳۳ ۳۴ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنَا

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا سب (اپنے اپنے) فلک میں تیزی سے چل رہے ہیں ۲۱۵۱ اور تجھ سے پہلے

۳۵ لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ

ہم نے کسی انسان کیلئے خلد نہیں بنایا تو کیا اگر تو مر جائے گا تو یہ رہ جائیں گے ۲۱۵۲ ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے

۳۶ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

اور کھرا کھوٹا الگ کرنے کیلئے ہم تمہیں دکھ اور سکھ سے آزماتے ہیں اور تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے ۲۱۵۳ اور جب وہ جو کافر ہوئے تجھے

یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ

دیکھتے ہیں وہ صرف تجھے ہنسی بناتے ہیں کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے اور وہ خود رحمٰن کے ذکر کا انکار کرنے والے

۳۷ كٰفِرُوْنَ ○ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ○

ہیں انسان جلد بازی سے پیدا ہوا ہے میں تمہیں اپنے نشان دکھاؤں گا سو تم مجھ سے (وہ) جلدی نہ مانگو ۲۱۵۴

فلک

۲۱۵۱ فلک ـ مجری الکواکب یعنی سیاروں کے چلنے کی جگہ ہے (غ)، یا مدار النجوم (ل) جس میں ستارے گھومتے ہیں (ل)، اور سمندر کی موج کو بھی فلک کہا جاتا ہے جو آتی اور جاتی ہے اور زجاج نے کل فی فلک یسبحون میں کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک فلک ہے (ل)، اور سبح کیلئے دیکھو [illegible] ہوا یا پانی میں تیز گزرنے پر بولا جاتا ہے +

اجرام سماوی کا اپنے فلکوں میں تیز چلنا۔

یسبحون کا استعمال بتاتا ہے کہ وہ سیارے تو فلک میں تیز دوڑ رہے ہیں نہ یہ کہ فلک ان کو لئے ہوئے گھوم رہا ہے پس فلک وہ رستہ ہے جس میں یہ اجرام مختلفہ چلتے ہیں اور وہ فلک ہر جرم کیلئے الگ ہے جیسا کہ زجاج کا قول ہے اور فی فلک میں واحد کا استعمال جنس کیلئے ہے جس سے مراد جمع ہوتی ہے جیسے کساھم حلۃ میں مراد ایک حلہ نہیں بلکہ ہر ایک کیلئے الگ حلہ ہے (ر)، اور کل میں ضمیر بعض نے شمس و قمر کیلئے لی ہے مگر مراد سب کواکب ہیں کیونکہ سورج اور چاند سب سے روشن اجرام ہیں اور بعض کے نزدیک ضمیر نجوم کی طرف ہے گو ان کا ذکر موجود نہ ہو اسلئے کہ جو بیان ہو رہا ہے اس سے ان کے ذکر پر دلالت ملتی ہے (ر)، اجرام سماوی کا اپنے اپنے فلکوں میں گھومنا ایک اور علمی حقیقت ہے جس کو قرآن کریم نے ظاہر کیا ہے +

خلد سے خضر اور عیسیٰ کے زندہ نہ ہونے پر دلیل

۲۱۵۲ خلد سے مراد خلود ہے (ر) جس کیلئے دیکھو [illegible] اور یہاں مکث طویل یعنی دیر تک زندہ رہنا معنی لیکر اس سے خضر علیہ السلام کے زندہ نہ ہونے پر دلیل لی گئی ہے (ر)، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس استدلال سے کیونکر باہر رہ سکتے ہیں +

فتنۃ ـ شر و خیر

۲۱۵۳ یہاں فتنۃ اپنے اصل معنی میں ہے ادخال الذھب النار لتظھر جودتہ من رداءتہ اور شر اور خیر سے مراد یہاں شدۃ اور رخاء یعنی سختی اور نرمی یا دکھ اور سکھ ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے (ر) +

انسان کے عجلت سے پیدا ہونے سے مراد

۲۱۵۴ خلق الانسان من عجل کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عجلت میں پیدا کیا یا ایسے وقت پیدا ہوا جب دن تھوڑا رہ گیا تھا مطلب صرف اس قدر ہے کہ عجلت انسان میں اس قدر ہے کہ گویا اسی سے پیدا ہوا ہے جیسے اللہ الذی خلقکم من ضعف (الروم ۳۰ : ۵۴) اور لسان العرب میں ہے کہ جب انسان میں ایک چیز بہت پائی جائے تو اہل عرب یوں کہتے ہیں خلقت منہ یعنی تو اس سے

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۞ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ ۳۸ ۳۹

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو کاش جو کافر ہیں اس وقت کو جانیں جب

لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۞

اپنے منہوں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ انہیں مدد دی جائے گی

بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۞ وَلَقَدِ ۴۰ ۴۱

بلکہ وہ (گھڑی) ان پر اچانک آجائے گی پس وہ ان کو مبہوت کردے گی تو وہ اسے ہٹا نہ سکینگے اور نہ انہیں مہلت ملیگی اور یقیناً

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ

تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ ہنسی کی گئی تو انہیں جو ان میں سے ہنسی کرتے تھے اسی نے آ لیا جسکے ساتھ وہ ہنسی کرتے تھے ۲۱۵۵

ع ۳

قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِم مُّعْرِضُونَ ۞ أَمْ لَهُمْ ۴۲ ۴۳

حق والوں پر تسلط حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

کہو کون رات کو اور دن کو رحمان سے تمہاری حفاظت کرتا بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیر رہے ہیں ۲۱۵۶ کیا ان کے

آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا يُصْحَبُونَ ۞

معبود ہیں جو ہمارے مقابلہ میں انہیں بچالینگے۔ وہ آپ اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے انکی حفاظت ہوگی ۲۱۵۷

پیدا ہوا ہو مثلاً خُلِقَ مِن لَعِبٍ لیے کہینگے جو بہت کھیلتا ہو اور سیاق خود بتاتا ہو کہ یہی معنی ہیں اسلئے کہ ساتھ ہی جلد بازی سے روکا ہے۔

متی ھذا الوعد میں سوال نشان ہلاکت تھا

۲۱۵۵ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ وہ عذاب جس کے متعلق وہ سوال کرتے ہیں اس دنیا کا عذاب ہو کیونکہ اس چیز کا آلینا جس سے وہ ہنسی کرتے تھے اس کی ہلاکت ہی ہو نہ کچھ اور اور درحقیقت یہ سارا دیکھ آیاتی او رفلا تستعجلون سے صاف ظاہر ہو کیونکہ وہ جس نشان کو جلدی مانگتے ہیں وہ نشان ہلاکت ہو نہ قیامت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایسے ہی نشان دکھانے کا وعدہ ہو قیامت نشان نہیں کہلا سکتی ہو پس آیت ۳۹ میں جو آگ کو منہوں اور پیٹھوں سے نہ ہٹا سکنے کا ذکر ہو تو

نار سے مراد

اس سے مراد مجازاً جنگ ہی ہو اور منہوں اور پیٹھوں کا ذکر اسلئے کیا کہ جب وہ حملہ کرکے آئینگے تب بھی دکھ اٹھائینگے اور جب پیٹھ پھیر کر بھاگینگے تب بھی دکھ اٹھائینگے اور آیت ۴۰ سے بھی یہی ظاہر ہو اسلئے کہ مبہوت ہونا اسی زندگی کیلئے ہو جب نشان اول ہی مقابلہ سے عاجز آجائے۔

کلاءۃ

۲۱۵۶ یکلؤ۔ کِلَاءَۃ کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اس کا باقی رکھنا ہو (غ)۔

من الرحمٰن سے مراد ہو رحمان کی سزا سے مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمانیت نہ ہوتی تو اپنے اعمال بد کی سزا میں کفار فوراً پکڑے جاتے۔ با ایں ہمہ رب رحمان کیطرف رجوع نہیں کرتے۔

صحب۔ اصحب

۲۱۵۷ یصحبون۔ صَحِبَہٗ کے معنی ہیں عاشَرَہٗ یعنی اسکے ساتھ رہا اور اَصْحَبَ الرجل کے معنی ہیں اس کی حفاظت کی اور یہاں یہی معنی ہیں یُصْحَبُونَ بالاِجارۃ۔ اور قتادہ کا قول ہو لا یصحبون من اللہ بخیر اور اَصْحَبْتُ الرَّجُلَ کے معنی ہیں منعتہٗ اس کی حفاظت کی اور صَحِبَکَ اللہ کے معنی بھی حفظک اللہ آتے ہیں یعنی اللہ تیری حفاظت کرے (ل)، اور یوں

۴۴ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان دیا یہاں تک کہ انکی عمر لمبی ہو گئی تو پھر کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم زمین کو اسکے

۴۵ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ۖ

کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں تو کیا وہ غالب ہونگے ۲۱۵۸ کہو میں تمہیں صرف وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں

۴۶ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ○ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ

اور بہرے پکار کو نہیں سنتے جب انہیں ڈرایا جائے ۲۱۵۹ اور اگر انہیں تیرے رب کے عذاب کی ایک لپٹ

۴۷ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ

چھو جائے تو کہینگے اے افسوس ہم پر ہم ظالم تھے ۲۱۶۰ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی میزانیں

الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۗ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ

رکھینگے پس کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی (عمل) ہوگا

اَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○

ہم اسے لے آئینگے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں ۲۱۶۱

بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ہماری طرف سے وہ چیز نہیں ہوگی جو ان کا ساتھ دے یعنی سکینت اور کشایش اور نرمی وغیرہ جو اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔
یعنی جو انکے معبود ہیں باطل ہیں وہ تو اپنے آپکو دوسروں کے مقابل پر نہیں بچا سکتے جیسا کہ اگلے رکوع میں حضرت ابراہیم کے ذکر سے واضح کر دیا ہے اور جب سزا کا وقت آجائیگا تو پھر وہ رحمٰن کی حفاظت بھی نہیں رہے گی اسی لیئے اس وقت ان کے بچنے کا کوئی سامان بھی نہ رہے گا ۔

۲۱۵۸ ایک قوم پر جب ایک لمبے زمانہ تک اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرتا تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا میں ہمیشہ رہینگے جو چاہیں کریں اور غور کی عادت بھی چھوڑ دیتے ہیں عمر سے مراد یہاں ایک قوم کی عمر ہے اطراف کے گھٹانے سے مراد کفار کے دلوں پر اسلام کا اثر ہونا ہے دیکھو ۱۶۳۲ اسلیئے فرمایا کہ اب اسلام کے غالب آنے کے نشان تو واضح ہیں ۔ — غلبۂ اسلام کا نشان

۲۱۵۹ وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں یعنی یہ میں قیاس سے نہیں کہتا بلکہ اس خبر کا سرچشمہ یقینی ہے ۔

۲۱۶۰ نفحة ۔ نفح الریح ہوا چلی اور نفح الطیب مشک نے خوشبو دی اور نفحة ہوا کا جھونکا ہے (اچھا ہو یا بُرا دل) ۔ — نفحة

۲۱۶۱ خردل ۔ واحد خردلة ہے ۔ رائی ۔ میزان پر دیکھو ۱۰۵۰ اور قسط موازین کی صفت ہے چونکہ مصدر ہے اس لئے واحد لایا گیا اور یا ذوات القسط مراد ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا وزن قائم ہے کہ اس سے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل باہر نہیں رہتا ۔ — خردل

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ ۴۸

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشنی اور متقیوں کیلئے نصیحت دی ۲۱۶۲ وہ جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ ۵۰

غیب میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ اس گھڑی کا ان کو خوف ہے ۲۱۶۳ اور یہ بابرکت نصیحت ہے جو

اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ ۵۱

الربع ع

ابراہیم اور لوط دشمن سے نجات پاتے ہیں

ہم نے اتارا ہے تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو اور ہم نے ہی ابراہیم کو پہلے سے اسکے لائق حال ہدایت دی اور ہم

كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ ۵۲

اسکو خوب جانتے تھے ۲۱۶۳ جب اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیں کیا ہیں جن کی تعظیم میں تم

لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ ۵۳ ۵۴

لگے ہوئے ہو ۲۱۶۴ انہوں نے کہا ہم نے اپنے بڑوں کو انکی عبادت کرتے ہوئے پایا کہا تم اور تمہارے

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ ۵۵

بڑے کھلی گمراہی میں تھے انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے یا تو کھیل کرنیوالوں میں سے ہے

۲۱۶۲ فرقان ـ ضیاء ـ ذکر سب توریت کے نام بھی ہو سکتے ہیں ـ فرقان حق و باطل میں فرق کرنے کے لحاظ سے ضیاء اس لحاظ سے کہ ہر قسم کی ظلمت کو دور کرکے اس کی جگہ روشنی کردی اور ذکر اس لحاظ سے کہ اپنے پیرودں کو کمال تک پہنچایا اور یا فرقان وہ معجزات ہیں جنہوں نے حق و باطل میں فرق کردیا ـ ضیاء دلائل ہیں جن سے تعلیم روشن ہوئی اور ذکر خود وہ تعلیم ہے تینوں چیزیں موسیٰ اور ہارون دونوں کو دی گئیں ⁂

۲۱۶۳ بالغیب یا تو مفعول سے حال ہے یعنی اللہ سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ غیب میں ہے اور یا فاعل سے حال ہے یعنی اس حال میں ڈرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتے ہیں ـ اگلی آیت میں توریت کے مقابل پر قرآن کو مبارک کہا ہے جس کیلئے دیکھو ۹۰۲

عصمت انبیاء

۲۱۶۳ الرشد کیلئے دیکھو ۶۰۹ و ۱۹۰۹ اور چونکہ یہ غی اور ضلال کا نقیض ہے اسلئے رشد کے دینے میں ضلالۃ اور غی کی نفی پائی جاتی ہے اور رشدہ اسلئے کہا کہ یہ معمولی رشد نہیں نہ صرف دنیا کے کاموں میں رشد تھا بلکہ ایسا رشد جو اس کے لائق حال تھا یعنی رشد کامل جو رسولوں اور نبیوں کو دیا جاتا ہے من قبل میں اشارہ حضرت موسیٰ کی طرف یا خود آنحضرت صلعم کی طرف ہے اور بعض نے مراد من قبل البلوغ لیا ہے یعنی بچپن سے ہی وہ ہدایت پر تھے ۔ اور اسکو جاننے میں اشارہ انکے کمالات کیطرف ہے

تمثال

۲۱۶۴ تماثیل ـ تمثال کی جمع ہے اور تمثال صورت کو کہتے ہیں (ل)، معلوم ہوتا ہے یہ بت انسانوں وغیرہ کی صورت پر بناتے تھے ـ اور ما یہاں سوال کیلئے نہیں بلکہ تحقیر کیلئے ہے ⁂

۵۶ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ

کہا بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہی دینے والوں

۵۷ الشّٰهِدِیْنَ ○ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ○ فَجَعَلَهُمْ

میں سے ہوں اور اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہوں اسکے بعد کہ تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے ۲۱۶۵ سو انکو

۵۸ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ

الربع

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر انکے بڑے کو رہنے دیا، تاکہ وہ اسکی طرف رجوع کریں ۲۱۶۶ کہنے لگے ہمارے معبودوں سے کس نے یہ کام کیا ہے یقیناً

۵۹ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا

۶۰ وہ ظالموں میں سے ہے (لوگوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے کہنے لگے اسے لوگوں کے

۶۱ بِهٖ عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہی دیں کہا اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں سے

۶۲ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ○

یہ کام کیا ہے اس نے کہا بلکہ یہ کیا (جو کچھ کیا) ان کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں ۲۱۶۷

کید

۲۱۶۵ کید کیلئے دیکھو ۵۰ اور کاد کے معنی اراد بسوء آتے ہیں اور یہاں معنی الأریدن بہا سوءً ہی ہیں (غ) +

جذاذ

۲۱۶۶ جذ اذا جذ کے معنی توڑنا اور ریزہ ریزہ کر دینا ہیں، اور جُذاذ توڑے ہوئے اور ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے کو کہتے ہیں (ل)

ابراہیم کے بڑے بت کو نہ توڑنے کی وجہ

کبیراً لھم میں ضمیر عبادت کرنیوالوں کی طرف ہے اور مراد ہے ان کفار کا بڑا بت۔ اور الیہ یرجعون میں جمہور نے ضمیر کو ابراہیم کیطرف لیا ہے یعنی اس سے دریافت کریں۔ اور بعض نے اللہ کی طرف یعنی بتوں کو ٹوٹا ہوا پا کر اللہ کی طرف رجوع کریں اور بعض نے بڑے بت کی طرف، اور میرے نزدیک یہ آخری توجیہ صحیح ہے کیونکہ ابراہیم یا خدا کیطرف رجوع کرنے کیلئے تو چاہیے تھا کہ سارے توڑ دیئے جاتے۔ اس غرض کیلئے ایک کو باقی رکھ لینا بے معنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حل مشکلات کیلئے اس کی طرف رجوع کریں یعنی ایک طرف تو اپنے بتوں کو ٹوٹا ہوا پا کر یہ سمجھیں کہ اگر یہ نفع نقصان کے مالک ہوتے تو خود کیوں ٹوٹ جاتے اور دوسری طرف بڑے بت کو سالم پا کر اس کی طرف رجوع کرتے اور دیکھ لیتے کہ وہ جو سب سے بڑا تھا باوجود صحیح سالم ہونے کے ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتا اور نہ ان کی مشکلات کو حل کر سکتا ہے +

حضرت ابراہیم نے بتوں کا توڑنا بڑے بت کی طرف منسوب نہیں کیا نہ جھوٹ بولا

۲۱۶۷ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ بل فعلہ پر وقف ہے اور اسی کو مد نظر نہ رکھنے سے حضرت ابراہیم کی طرف یہ جھوٹ منسوب کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے خود بت توڑنے سے انکار کیا اور جواب یہ دیا کہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ یہ کہنا کہ اس طرح ان پر الزام دینا مقصود تھا صحیح نہیں اسلئے کہ اس قسم کا الزام تو بغیر اس جھوٹ کے بھی دیا جا سکتا تھا اور اس معنی کے خلاف اور قرائن بھی ہیں اول حضرت ابراہیم نے علی الاعلان انہیں کہہ دیا تھا لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین مفسرین نے اس صریح خطاب کو جو قوم

فَرَجَعُوٓا اِلٰٓی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ ۶۴ ۶۵

سو انہوں نے اپنے آپکی طرف رجوع کیا اور کہنے لگے تم خود ہی ظالم ہو ۲۱۶۸ پھر اپنے سروں پر اوندھے گر گئے (اور بولے)

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا ۶۶

تو جانتا ہے کہ یہ بات نہیں کرتے ۲۱۶۹ کہا تو کیا اللہ کو چھوڑ کر تم اسکی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کچھ

يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۶۷

نفع نہیں دیتا اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے تف ہے تم پر اور اس پر جس کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

سے حضرت ابراہیم نے کیا محض طور پر کہنا قرار دیا ہے اگر یہ مخفی تھا تو بعد ان تو لوا کے کیا معنی ہوتے وہ تو کچھ لوگوں کو خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ تم پھر جاؤ گے تو میں انہیں نقصان پہنچاؤں گا - اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم کو ڈرایا ہوگا کہ اگر تم بتوں کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالو گے تو وہ تمہیں نقصان پہنچائینگے حضرت ابراہیم نے کہا انہوں نے مجھے کیا نقصان پہنچانا ہے میں انہیں نقصان پہنچاؤں گا اور طرز عبارت صاف بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ بات میدان مقابلہ میں کہی ہے اور بہت لوگوں نے اسے سنا ہے اسی لئے جب بت ٹوٹے ہوئے پائے گئے اور تحقیقات شروع ہوئی تو بہت سے لوگ بول اٹھے کہ ہم نے ابراہیم کو یوں کہتے سنا تھا - اسی لئے ابراہیم کو بلایا گیا تاکہ سب کے سامنے یہ گواہی دی جائے . یہ دوسرا قرینہ اس بات پر ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے فعل کا اخفا نہیں کیا اور اخفا کرنے سے ان کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی تھی . تیسرا اور نہایت قوی قرینہ یہ ہے کہ بڑے بت سے پوچھنے کیلئے نہ حضرت ابراہیم کہتے ہیں اور نہ پجاری بڑے بت کے متعلق نہ بولنے کا عذر کرتے ہیں بلکہ حضرت ابراہیم بھی کہتے ہیں فسئلوھم ان کانوا ینطقون اور وہ بھی جواب میں کہتے ہیں ماھٰؤلاء ینطقون . اگر بڑے بت کو اسلئے چھوڑا گیا تھا کہ فعل کو اس کی طرف منسوب کیا جائے تو فسئلوہ کہنا چاہئے تھا نہ فسئلوھم اور وہ بھی جواب میں کہتے کہ یہ بولتا نہیں پس وہ صورت الزام بھی نہ رہی جو اس جھوٹ کی غرض بتائی جاتی ہے +

انبیاء علیہم السلام کسی مصلحت اور غرض کیلئے کبھی جھوٹ نہیں بولتے . انکی سب اغراض اور انکے سب مصالح سچائی سے پورے ہو جاتے ہیں . بل فعلہ پر وقف ہے اور کسائی جیسے نحوی نے ان الفاظ کی توجیہ یوں کی ہے فعلہ من فعلہ کیا جس نے کیا یعنی فاعل محذوف ہے . تو حضرت ابراہیم نے جواب یوں دیا ہے کہ میں نے کیا یا کسی اور نے کیا . تم اس تحقیقات کے کیوں در پے ہو اور اس سے کیا حاصل . اگر تمہارے یہ بت کچھ کر سکتے ہیں کوئی نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہیں تو ابھی سب سے بڑا بت موجود ہے یہ کیوں کچھ نہیں کر لیتا اگر یہ مجھے نقصان پہنچانے پر قادر ہیں تو یہ بڑا موجود ہے رہا یہ کہ کس نے کیا تو خود ان سے کیوں نہیں پوچھتے جس شخص کو مار پڑے وہ خود بتا دیا کرتا ہے کہ مجھ فلاں نے مارا ہے یہ کیوں نہیں بتاتے پس اگر یہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں اور نہ بول سکتے ہیں تو انکی عبادت کے کیا معنی اور بل جو حرف اضراب ہے تو کبھی پہلے جملہ کے خیال کے ابطال کیلئے ہوتا ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون اور کبھی ایک غرض سے دوسری غرض کیطرف انتقال کے لئے آتا ہے جیسے قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا (مغنی) +

۲۱۶۸ اپنے آپ کی طرف رجوع کرنے سے مراد تفکر و تدبر ہے یعنی اپنے دلوں میں سوچا +

تکس . ناکس

۲۱۶۹ نکسوا . نکس کے معنی ہیں کسی چیز کا سر کے بل الٹا کر دینا . اور نکس راسہ کے معنی امالہ آتے ہیں یعنی اسے جھکایا اسی سے ہے ناکسوا رءوسہم عند ربہم (السجدۃ - ۱۲) اور بیماری میں نکس یہ ہے کہ افاقہ کے بعد مبتلا نے مرض ہو جائے

۶۸ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ○ ۶۹ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَ

کہنے لگے اسے جلا دو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنے والے ہو ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور

۷۰ سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ○ ۷۱ وَ

سلامتی ہو جا [۲۱۷۰] اور انہوں نے اس سے جنگ کرنا چاہا تو ہم نے انہی کو نقصان اٹھانے والا کر دیا اور

نَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ○

ہم نے اسے اور لوط کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے قوموں کیلئے برکت رکھی تھی [۲۱۷۱]

تنکیس

اور یہاں معنی یہ کئے گئے رجعوا عما عرفوا من الحجۃ لابراھیم یعنی ابراہیم کی جس دلیل کا اعتراف کیا تھا اس سے رجوع کیا۔ اور ننکسہ فی الخلق (یٰسٓ ۳۶ - ۶۸) میں معنی ہیں کہ قوت کی جگہ ضعف بدل دیا اور جوانی کی جگہ بڑھاپا (ل)۔

حضرت ابراہیم کا آگ سے بچایا جانا

۲۱۷۰ حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالا جانے اور رہنے کے قصوں کو بعض مفسرین نے عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے چالیس دن تک لکڑیوں کا جمع کیا جانا پھر ایک عظیم الشان آگ کا جلنا پھر کفار کو سمجھ نہ آنا کہ کس طرح حضرت ابراہیم کو اس آگ میں ڈالیں اور شیطان کا آ کر انہیں گوپیا بنانا سکھانا پھر حضرت ابراہیم کا اس آگ میں چالیس یا پچاس دن رہنا اور ایسے ایسے قصوں کو نقل کر کے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس قصہ کی بہت سی روایتیں ہیں لیکن بحر المحیط میں ہے کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم کے ماجرا کو بیان کرنے میں بہت سی باتیں بنائی ہیں اور صحیح وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا" اور یہی صحیح ہے۔ اب قرآن کریم میں کفار کے ارادہ کا ذکر یہاں تو صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے کہا حرقوہ اور دوسری جگہ ہے اقتلوہ او حرقوہ (العنکبوت ۲۹ - ۲۴) اسے قتل کر دو یا جلا دو اور تحقیق پر دیکھو ۲۰۹۸ اور تیسری جگہ ہے ابنوا لہ بنیانا فالقوہ فی الجحیم اس کے لئے عمارت بناؤ اور اسے جحیم یعنی دوزخ میں ڈال دو (الصّٰفّٰت ۳۷ - ۹۷) اور کیا ہوا اس کے متعلق بیان فرمایا قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم اور دوسری جگہ کہا ہے فانجٰہ اللہ من النار (العنکبوت ۲۹ - ۲۴) اور تیسری جگہ ہے فارادوا بہ کیدا فجعلنٰھم الاسفلین (الصّٰفّٰت ۳۷ - ۹۸) اور یہاں بھی بردا و سلاما کے بعد بھی لفظ آتے ہیں اسلئے اگر ہم قرآن کریم کے بیان سے آگے نہ نکلیں تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا فی الواقع حضرت ابراہیم کو اس آگ میں ڈالا گیا یا جیسا کہ انجٰہ اللہ من النار سے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے حضرت ابراہیم کو آگ میں پڑنے سے پہلے نجات دیدی اور کسی دوسری طرف نکال دیا جیسا کہ آیت ۷۱ سے ظاہر ہے اور حضرت ابراہیم کا وہاں سے ہجرت کر جانا تو صاف معلوم ہوتا ہے جس خدا نے حضرت نوح کو طوفان سے حضرت موسیٰ کو سمندر سے۔ حضرت عیسیٰ کو صلیب سے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کو قتل سے بچا لیا حالانکہ آپ کے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا وہ اسباب پر بھی قادر تھا کہ حضرت ابراہیم کو آگ سے بچا دے خواہ آگ میں پڑ کر آپ بچائے گئے ہوں اور خواہ اس سے بھی پیشتر اس آگ کو ابراہیم کے حق میں (علیٰ ابراھیم) ٹھنڈا کر دیا گیا ہو۔ اور آیت ۷۰ سے اور ایسا ہی (الصّٰفّٰت ۳۷ - ۹۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ابھی ارادہ ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں سے نجات دیدی۔

۲۱۷۱ برکت والی زمین سے مراد ارض شام ہے جدھر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط ہجرت کر کے چلے گئے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ ۷۲ ۷۳

اور ہم نے اسے اسحاق دیا اور یعقوب پوتا اور سب کو ہم نے نیک بنایا اور ہم نے انہیں

اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ

امام بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے انکی طرف نیکیوں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ

وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ۙ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۷۴

دینے کی وحی کی اور وہ ہماری عبادت کرنیوالے تھے اور لوط کو (بھی) ہم نے اسے فہم اور علم دیا

وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

اور اسے اس بستی سے نجات دی جو ناپاک کام کرتی تھی وہ برے لوگ (اور) نافرمان

فٰسِقِيْنَ ۝ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ۧ وَنُوْحًا اِذْ ۷۵ ۷۶

تھے اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ نیکوں میں سے تھا اور نوح کو جب

ع ۶ / ۱۸

انبیاء اور راستبازوں کی نجات کا عام قانون

نَادٰي مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝

(اس سے بھی) پہلے اس نے پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی سو اسے اور اس کے اہل کو بڑی سختی سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ ۷۷

اور اسے اس قوم کے مقابل پر مدد دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے۔ وہ برے لوگ تھے

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ ۷۸

سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ کھیتی کے معاملہ میں فیصلہ کرتے تھے

اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝

جب اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں اور ہم انکے فیصلہ کے گواہ تھے ۲۱۷۲

نفش

منفوش

بکریوں کے کھیتی چر جانے کے واقعہ کی اہمیت کی وجہ

۲۱۷۲ نفشت۔ نَفَش اون کا کوٹنا ہے یہاں تک کہ اس کے اجزا ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں یعنی اس کا دھننا۔ کالعھن المنفوش (القارعۃ: ۵) اور نَفَش اونٹوں بکریوں کا چرواہے کے علم کے بغیر پھیل جانا اور چرنا ہے (ل)۔

اس واقعہ کا ذکر خصوصیت سے کیا حالانکہ حضرت داؤد اور سلیمان بادشاہت کی حیثیت میں بڑے بڑے اہم امور طے کرتے تھے اور یہ ایک نہایت خفیف سا معاملہ ہے کہ کسی کی بکریاں رات کو کھیت چر گئیں اس میں یہ توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ

۷۹ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ

سو ہم نے اسے سلیمان کو سمجھا دیا اور سب کو ہم نے فہم اور علم دیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو جو تسبیح

الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

کرتے تھے اور پرندوں کو داؤد کے ساتھ کام میں لگا دیا اور ہم ہی کرنیوالے تھے ۲۱۸۳

سے تعلق رکھنے والے بادشاہ بھی ہو جائیں تو وہ اپنی رعایا میں سے معمولی لوگوں کی شکایات کی طرف اسی طرح توجہ کرتے ہیں جس طرح اہم امور ملکی کیطرف۔ اس کی مثالیں ہمارے خلفائے راشدین اور بعض دیگر اسلامی بادشاہوں میں ملتی ہیں اکس طرح رعایا کے غریب سے غریب لوگوں کی خاطر وہ خود تکلیف اور مشقت اُٹھانے کے عادی تھے یہی بادشاہت کا وہ رنگ ہے جسے اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی تک چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی آواز پہنچ سکے آج کل کی جمہوریت میں دفاتر کی پابندیوں کی روک بڑے سے بڑے مطلق العنان بادشاہوں کے استبداد سے بڑھکر ہے اور وہ سادگی جو انسانیت کا اصل فخر ہے بالکل مفقود نظر آتی ہے ✦

اسلام کس قسم کی بادشاہت چاہتا ہے

۲۱۸۳ سلیمان کو فیصلہ سمجھا دیا۔ حالانکہ حضرت داؤد کی موجودگی میں سلیمان نبی نہ تھے پس فہم معاملات میں بعض وقت ایک غیر نبی نبی سے بڑھ سکتا ہے ✦

فہم معاملات میں غیر نبی کی فضیلت

پہاڑ حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے بعض کے نزدیک یہ معجزہ تھا جس طرح کنکریوں کا نبی صلعم کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنا جسے دوسرے لوگوں نے سُنا۔ مگر یہاں اس کا ذکر بطور معجزہ نہیں جو ایک دفعہ کا واقعہ ہوتا ہے بلکہ عادت کے طور پر ہے اور اکثر لوگوں کا قول یہ ہے کہ ان کی تسبیح کو صرف حضرت داؤد سنتے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ تسبیح زبان حال سے تھی۔ اور حالانکہ قرآن کریم کے ظاہر الفاظ طیر کو تسبیح میں ساتھ شامل نہیں کرتے مگر بعض نے یہ مانا ہے کہ پرندے بھی آپکے ساتھ تسبیح کرتے تھے ✦

پہاڑوں کی تسبیح

قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں بھی اور سورۃ سبا میں بھی تین باتوں کا اکٹھا ذکر ہے ۱۔ پہاڑوں کی تسخیر یعنی ان کا حضرت داؤد کے کام میں لگایا جانا اور تسبیح کرنا ۲۔ پرندوں کا انکے کام میں لگایا جانا ۳۔ حضرت داؤد کا زرہیں بنانا چنانچہ دوسری جگہ ہے یٰجِبال اوبی معه والطیر والنّا له الحدید۔ ان اعمل سٰبغٰت وقدر فی السرد (السبا ۳۴ - ۱۰ و ۱۱) دونوں جگہ ان تینوں باتوں کا اکٹھا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ ان میں باہم کوئی تعلق ہے۔ اب ان تینوں میں سے جہاں تک زرہیں بنانے کا سوال ہے۔ اس کی غرض ظاہر ہے تاکہ وہ جنگوں میں کام دیں اور خود بھی قرآن کریم نے یہ وضاحت کر دی ہے لتحصنکم من باسکم۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت داؤد کے وقت میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں جن سے سلطنت اسرائیلی نہایت درجہ مستحکم ہوگئی اور جب زرہیں بنانے کا تعلق صاف طور پر ان فتوحات سے ہے تو لازماً دوسری باتوں کا تعلق بھی فتوحات سے ہی ہونا چاہئے ورنہ تینوں باتوں کا اکٹھا ذکر نہ ہوتا پرندوں کا تعلق جنگوں اور فتوحات سے دو طرح پر ہو سکتا ہے ایک یہ کہ پرند جنگوں میں خبر رسانی کا کام دیتے تھے اور اسی لئے حضرت سلیمان کے ذکر میں بھی پرندوں کا ذکر آتا ہے اور میرے نزدیک پرندوں کے حضرت داؤد کے ساتھ مسخر ہونے یا کام میں لگایا جانے سے منشا یہی ہے مگر ایک اور رنگ میں بھی پرندوں کا ذکر فتوحات میں اشعار عرب میں آتا ہے جیسا کہ نابغہ کے شعر میں ہے اذا ما غزا بالجیش حلق فوقه۔ عصائب طیر تھتدی بعصائب یعنی جب وہ لشکر کے ساتھ نکلتا ہے تو اس کے اوپر پرندوں کے جھنڈ حلقہ باندھ لیتے ہیں جو ان لشکروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور بائبل میں بھی پرندوں کے مفتوح فوج کو کھانے کا ذکر ہے " تو اسرائیل کے پہاڑوں پر گر جائیگا تو اور تیرا سارا لشکر اس گروہ سمیت جو تیرے ساتھ ہے۔ اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو خوراک کے لئے دوں گا" (حزقی ایل ۳۹: ۴)۔ تیسری بات پہاڑوں کی تسخیر اور ان کی تسبیح ہے اب ایک رنگ میں تو زمین و آسمان کی سب چیزیں انسانوں کیلئے مسخر ہیں چنانچہ دوسری جگہ کشتی کی اور دریاؤں کی اور چاند

حضرت داؤد کیلئے پہاڑ اور پرندوں کا مسخر کیا جانا

پرندوں کا جنگوں سے تعلق

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ ۸۰ وَلِسُلَيْمٰنَ ۸۱

اور ہم نے اسے تمہارے لئے زرہ بنانی سکھائی تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرے تو کیا تم شکرگزار ہو[۲۱۷۴] اور ہم نے سلیمان

الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝

کیلئے تیز چلنے والی ہوا کو (کام میں لگا دیا) وہ اسکے حکم سے اس زمین کیطرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں[۲۱۷۵]

پہاڑوں کی تسخیر اور تسبیح مراد

اور سورج کی تسخیر کا ذکر آتا ہے بلکہ یوں بھی وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منه (الجاثیۃ ۴۵-۱۳) اور تسبیح بھی ہر چیز کرتی ہے وان من شیء الا یسبح بحمدہ (بنی اسرائیل ۱۷-۴۴) اسلئے یہاں کوئی خصوصیت ہونی چاہئے میرے نزدیک زمین اور پرندوں کے تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے پہاڑوں کا مسخر ہونا اور تسبیح کرنا اس معنی میں ہے کہ وہاں پر حضرت داؤد کی حکومت قایم ہوگئی اور انکی تسبیح سے مراد ان پہاڑی قوموں کا تسبیح کرنا ہے جو ظاہری اور باطنی دونوں رنگوں میں حضرت داؤد کے ساتھ ہوگئیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس معنی میں کل مخلوق کو انسان کیلئے مسخر کیا ہے اسی معنی میں پہاڑ اور پرند حضرت داؤد کیلئے مسخر کئے۔ کل مخلوق انسان کیلئے اسی معنی میں مسخر ہے کہ وہ اس کے کاموں میں معاون ہے پھر جس قدر انسان اس پر زیادہ تصرف حاصل کرلے اسی قدر زیادہ مسخر ہو جاتی ہے مثلا ہوا سب انسانوں کیلئے بھی مسخر ہے یعنی ان کے کام میں لگی ہوئی ہے پھر جو انسان اس سے دوسروں سے بڑھکر فائدہ اٹھاتا ہے اس کیلئے خصوصیت سے مسخر ہوگئی پس پہاڑوں اور پرندوں کے مسخر ہونے کے معنی سوائے اسکے کچھ نہیں ہوسکتے کہ پہاڑ اور پرند ان کے کام میں دوسروں کی نسبت زیادہ آئے اور ان کیلئے نصرت کا موجب ہوگئے اور اسی کی طرف وکنا فاعلین میں اشارہ ہے۔ ایسا ہی تسبیح جس رنگ میں کوئی چیز کرتی ہے اسی رنگ میں کرگئی پہاڑ بھی خدا کی تسبیح کرتے ہیں مگر اسی طرح جس طرح ہر چیز تسبیح کرتی ہے ولکن لا تفقھون تسبیحھم (بنی اسرائیل ۱۷-۴۴) ہاں اگر جبال سے مراد اہل جبال یعنی پہاڑی قومیں

جبال سے مراد اہل جبال

لی جائیں جیسے بعض وقت قریہ سے مراد اہل قریہ یعنی بستی کے رہنے والے لئے جاتے ہیں یا بڑے بڑے انسان مراد لئے جائیں دیکھو ن۱۶۲۳ تو ان کی تسبیح بلاشبہ حضرت داؤد کی طرح ہی ہوگی ❊

لبوس لبس

ن۲۱۷۴ لبوس۔ لَبِسْتُ کے معنی ہیں میں نے پہنا اور لَبَسْتُ کے معنی ہیں میں نے مشتبہ کر دیا۔ اور لباس اور لبوس اول سے ہے ما یُلْبَسُ یعنی جو چیز پہنی جائے اور لبوس کے معنی کپڑے بھی ہیں اور ہتھیار بھی اور اس صورت میں مذکر ہوتا ہے اور جب اس سے مراد زرہ ہو تو مونث لایا جاتا ہے (ل)، ❊

حضرت داؤد کا زرہ بنانا

حضرت داؤد کو زرہ بنانی سکھائی سب علم اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ اس سے پہلے زرہ کا استعمال بالکل نہ ہوتا ہو بلکہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں انہوں نے ترقی کی اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ کثرت سے ان کا استعمال کیا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت داؤد پہلے بیت المال سے گزارہ لیتے تھے پھر زرہ بنا کر اسکی اجرت سے اپنا گزارہ کرتے تھے ❊

حضرت سلیمان کیلئے ہوا کی تسخیر

ن۲۱۷۵ ولسلیمان الریح میں سخرنا مقدر ہے یعنی سلیمان کیلئے ہوا کو مسخر کر دیا مفسرین لکھتے ہیں کہ سلیمان کیلئے شیاطین نے ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا فرش بنایا تھا جس پر سلیمان مع اپنے درباریوں اور دیگر لوگوں کے بیٹھ جاتے اور پرندے اکٹھے ہوکر سر پر سایہ کئے ہوئے ہوتے اور پھر ہوا اسے اٹھا کرلے جاتی اور بعض نے ایک عجیب قسم کا مرکب بنایا ہے جس میں ہزار ہا مکان تھے اور جسے شیاطین اٹھاتے اور پھر ہوا اسے چلاتی۔ مگر قرآن کریم ان قصوں سے پاک ہے اور ہوا کا حضرت سلیمان کیلئے مسخر ہونا یہی ہے کہ آپکے کام میں معاون تھی جس طرح پر ہوا سے مدد ملا کرتی ہے اور غالباً تجری بامرہ میں اس ہوا کے کشتیاں چلانے کی طرف اشارہ ہے یا خود کشتیوں کا چلنا ہی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہوا سے موافق یا بادبانوں وغیرہ کے استعمال سے جہاز دور دور کا سامان لیکر ملک شام میں جو ارض مبارکہ

۸۲ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ

اور کئی سرکش تھے جو اسکے لئے غوطہ زنی کرتے اور اسکے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کی

۸۳ حٰفِظِيْنَ ۝ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

حفاظت کرنیوالے تھے ۲۱۷۶ اور ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے ۲۱۷۷

آتے تھے۔ چنانچہ یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ خلیج فارس اور خلیج عقبہ کے درمیان حضرت سلیمان کے جہاز چلتے تھے اور اس تجارت سے ملک میں سونا اور دولت بہت بڑھ گئی تھی اور یہی وجہ حضرت سلیمان کی شان و شوکت کی تھی اور قرآن شریف میں دوسری جگہ آتا ہے وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ (ابراہیم ۱۴ - ۳۲) اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی بامرہٖ میں اشارہ امر الٰہی کیطرف ہی ہو اور یہاں دیکھو کہ عاصفۃ کہا ہے اور دوسری جگہ ہے تجری بامرہٖ رخاء (صٓ ۳۸ - ۳۶) تو مطلب یہ ہے کہ وہ ریح عاصفہ ایسی نہ تھی کہ نقصان پہنچاتی بلکہ باوجود تیز ہوا ہونے کے اس میں نرمی پائی جاتی تھی +

شیاطین سے مراد

۲۱۷۶ شیاطین۔ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں جنّ ہو یا انسان ع۲۶ اور یہاں سرکش انسان ہی مراد ہیں جیسا کہ ان کے غوطہ زنی کرنے اور دوسرے کام کرنے سے صاف ظاہر ہے +

غوص
غوّاص

یغوصون۔ غوص کے معنی ہیں پانی کے نیچے داخل ہونا اور اس سے کسی چیز کا نکال لانا اور پھر جو کوئی کسی پوشیدہ چیز پر اچانک آئے اور اسے نکال لے تو اسے غائص کہا جاتا ہے خواہ وہ کوئی چیز ہو یا علم ہو اور غوّاص وہ ہے جو کثرت سے ایسا کرے اور یغوصون سے یہاں یہی مراد ہے کہ اس کیلئے نادر کام اور افعال بدیعہ کرتے تھے اور فقط موتیوں کا نکالنا مراد نہیں (غ)، مگر دوسرے اعمال کا ذکر یعملون عملا دون ذٰلک میں موجود ہے، اور اس کی تفصیل دوسری جگہ موجود ہے یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت (السبا ۳۴ - ۱۳) +

شیاطین غوطہ زن اور معمار انسان تھے۔

حالانکہ لغت میں صاف طور پر موجود ہے کہ شیطان سرکش انسان کو بھی کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں شیاطین الانس بالتصریح مذکور ہیں اور کئی جگہ پر خود مفسرین نے بالاتفاق شیاطین سے مراد صرف سردار یعنی انسان لئے ہیں جیسے واذا خلوا الی شیاطینہم (البقرۃ ۲ - ۱۴) اور حالانکہ یہاں غوطہ زنی کا صاف ذکر ہے جو کام ہمیشہ سے انسان کرتے چلے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن مفسرین کو یہ اصرار ہے کہ یہ سچ مچ کے شیطان ہی تھے جو غوطہ زنی کرتے تھے اور پھر کنا لہم حافظین میں یہ قصہ بنایا گیا ہے کہ ان شیطانوں پر ایک گروہ ملائکہ کا اور مومن جنّوں کا حفاظت کیلئے مقرر تھا۔ اور پھر وہ شیطان سچ مچ معماروں کا کام بھی کرتے تھے والشیاطین کل بناء وغواص (صٓ ۳۸ - ۳۷) گویا وہ زمانہ ایسا تھا کہ جتنے کام آج کل انسان کرتے ہیں اس وقت وہ شیاطین کیا کرتے تھے اور شیاطین اس وقت بدی کے محرک نہ تھے اور یہ قانون اللہ تعالےٰ کا پیچھے بنا کہ ان الشیطان یجری من ابن اٰدم مجری الدم صاف اور سادہ الفاظ کو معمہ بنانے سے اور قرآن کریم کے سادہ بیانات میں عجیب و غریب قصے داخل کرنے سے قرآن کریم کی عظمت بڑھتی نہیں بلکہ اس سے اسے نقصان پہنچتا ہے۔ اور ان کاریگروں کو شیاطین اسلئے کہا کہ وہ سرکش قوموں میں سے تھے جنہیں سلیمان نے فتح کر کے مغلوب کیا تھا اور بعض کو ان میں سے قید کر کے کام لیا جاتا تھا جیسا کہ اٰخرین مقرنین فی الاصفاد (صٓ ۳۸ - ۳۸) سے ظاہر ہے اسی لئے کنا لہم حافظین بھی فرمایا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی تو ان سے کام لینا آسان نہ تھا +

حضرت ایوب کی تکلیف

۲۱۷۷ قرآن کریم نے اس ضرّ یا تکلیف کی کوئی تشریح نہیں فرمائی مفسرین نے کچھ بائبل سے اخذ کر کے اور کچھ اس پر اور بڑھا کر خطرناک پیرایہ جسمانی تکالیف کا بنایا ہے گو یہ بھی ممکن ہے مگر اصل یہ ہے کہ انبیاء کی تکالیف اور رنگ کی ہوتی ہیں اور بیماریوں سے بڑھکر ان میں

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ ۸۴

تو ہم نے اسکی دعا قبول کی ، اور جو اسے تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ہم نے اسے اسکے اہل دیئے اور انکی مثل انکے ساتھ اور بھی دیئے ، یہ ہماری طرف سے

عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۸۵

رحمت تھی اور عبادت کرنیوالوں کیلئے یاد دلانیکو ہے ۲۱۷۸ اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو ۔ سب صبر کرنیوالوں میں سے تھے ۲۱۷۹

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا ۸۶ ۸۷

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کیا وہ نیکو کاروں میں سے تھے اور ذوالنون کو جب وہ (قوم پر) ناراض ہو کر چلا گیا

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ ق

اور اسے یقین تھا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کرینگے (کسی تکلیف میں نہیں رکھیں گے) پس اس نے مشکلات میں پکارا کہ تیرے سوائے کوئی معبود نہیں تو پاک ہے

اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ ۸۸

بیشک میں (اپنے اوپر) ظلم کرنے والوں میں سے ہوں ۲۱۸۰ سو ہم نے اسکی (دعا) قبول کی اور اسے غم سے نجات دی

صبر دکھانا پڑتا ہے۔ ہاں یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے اور دوسری جگہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ایوب اپنے اہل و عیال سے الگ ہو گئے تھے

حضرت ایوب کو انکے اہل اور اسکی مثل دیا جانے سے مراد

۲۱۷۸ کہا گیا ہے کہ حضرت ایوب کی سب اولاد مر گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اٰتیناہ اھلہ سے یہی مراد لی گئی ہے لیکن قرآن شریف میں نہ ان کے مرنے کا ذکر ہے نہ دوبارہ زندہ ہونے کا اور دینے سے مطلب صرف یہی ہے کہ وہ دوبارہ اسے مل گئے اور نہ صرف وہی مل گئے بلکہ اور بھی اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سی اولاد دی۔ اور ابن عساکر وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ردّ اللہ تعالیٰ امراتہٗ الیہ وزاد فی شبابھا حتی ولدت لہ ستۃ وعشرین ذکرا (د) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی بی بی اس کی طرف لوٹا دی اور اس کی شباب کو بڑھایا یہاں تک کہ چھبیس لڑکے اس کیلئے جنی۔ اور ذکریٰ للعٰبدین یہ بتانے کیلئے ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اللہ تعالیٰ اسے دنیوی نعمتوں سے بھی محروم نہیں رکھتا۔

ذوالکفل حزقیل ہیں

۲۱۷۹ ذا الکفل۔ ذوالکفل کون تھے اس میں اختلاف ہوا ہے کئی اور ناموں کے علاوہ زکریا۔ الیاس۔ یوشع بن نون کا نام بھی لیا گیا ہے ۔ راؤول نے ایک سیاح کی سند پر لکھا ہے کہ عرب کے لوگ حزقیل کو کفل کہتے ہیں اور مفسرین لکھتے ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ ذوالکفل سے مراد حزقیل ہیں پس ان دونوں شہادتوں کی بنا پر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ذوالکفل حضرت حزقیل کا نام ہے۔

دوسرے صابر انبیاء

جب حضرت ایوب کا ذکر کیا جو صبر میں ایک نمونہ ہیں تو اپنے اپنے وقتوں کے اور ایسے انبیاء کا بھی ذکر کیا جنہوں نے صبر میں کمال دکھایا ان سب کے سرتاج حضرت اسمٰعیل ہیں جنہوں نے بلوغت سے بھی پیشتر اپنی گردن چھری کے آگے رکھ دی اور حزقیل نبی بھی صبر میں نمونہ ہیں اسلئے کہ وہ اس وقت مبعوث ہوئے جب یہودی قید اور یروشلم تباہ ہو گیا تھا اور بنی اسرائیل پر سخت ترین مصائب کا زمانہ تھا۔

نون۔ ذوالنون

۲۱۸۰ ذا النون۔ نون بڑی مچھلی کو کہتے ہیں اور حضرت یونس کو ذوالنون مچھلی کی وجہ سے کہا گیا ہے جس نے آپکو منہ میں لیا تھا۔

قدر علیہ

نقدر علیہ۔ قدر کے معنی اندازہ ہیں اور قدرت علیہ الشیء کے معنی ہیں ضیقتہ اسے تنگ کر دیا گویا یہ اندازہ ہوا اس وسعت کے خلاف جو بغیر حساب ہیں پائی جاتی ہے ومن قدر علیہ رزقہ (الطلاق ۶۵ - ۷) یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (الرعد ۱۳ - ۲۶) اور

۸۹ وَكَذٰلِكَ نُـۨجِی الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ

اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑیو اور

۹۰ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۚ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ

تو سب وارثوں سے بہتر ہے سو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ دیا اور اسکی بی بی کو اس کیلئے اچھا کر دیا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا

بلاشبہ وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے

۹۱ خٰشِعِيْنَ ○ وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ

عاجزی کرنے والے تھے ۲۱۸۱ اور وہ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا سو ہم نے اپنا کلام اس میں پھونکا اور

۹۲ جَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ

اسے اور اسکے بیٹے کو قوموں کیلئے نشان بنایا ۲۱۸۲ یہ تمہاری جماعت

یہاں بھی لن نقدر علیہ کے معنی ہیں اس پر تنگی نہیں کرینگے (غ)۔

حضرت یونس کی قوم پر ناراضگی اور بلا اذن ہجرت

حضرت یونس ناراض ہو کر چلے گئے کس سے ناراض ہو کر؟ قریبًا تمام بڑے بڑے مفسرین نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے یعنی ان لوگوں سے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا کیونکہ انہوں نے آپ کو قبول نہ کیا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے کہ اس نے عذاب کیوں ٹالدیا کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ نبی تو ایک طرف رہا یہ ایک معمولی مومن کی بھی شان کے خلاف ہے۔ اور یہ آپ کا قوم سے ناراض ہو کر جانا بطور ہجرت تھا لیکن ہجرت کا حکم ان کو نہیں ہوا تھا (د) اور انہیں یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر گرفت نہیں کرے گا مگر ہجرت کیلئے انہیں حکم الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا اسی لئے فرمایا فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت (القلم ۶۸-۴۸) نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمات یعنی مشکلات میں پڑ گئے ظلمات بمعنی شدائد کیلئے دیکھو ۹۵۷ اور انی کنت من الظالمین اسلئے کہ نبی کی ادنےٰ غلطی بھی گو وہ کسی حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہ ہو اور گناہ نہ ہو ظلم میں داخل ہے کیونکہ ظلم کا لفظ بہت وسیع ہے اور ہجرت جیسا اچھا فعل بھی محض اسلئے ظلم میں داخل ہو گیا کہ بغیر اجازت الٰہی اسے اختیار کیا گیا دیکھو ۵۵ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے متعلق دوسری جگہ بحث آئے گی اور حضرت یونس کی دعا لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کے متعلق حدیث میں ہے کہ جو مومن مشکلات میں یہ دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے اسی کی طرف اگلی آیت کے الفاظ وکذٰلک نُـۨجی المؤمنین میں اشارہ ہے۔

دعائے یونس

۲۱۸۱ بی بی کی اصلاح یا اچھا کرنے سے مراد بعض مفسرین نے یہ کی ہے کہ اسکے اخلاق اچھے کر دیئے مگر قرآن کریم نے جو نقص خود دوسری جگہ بیان فرمایا ہے وہ اس کا عقیم ہونا ہے اسی نقص کے دور کرنے کو یہاں اصلاح بیان فرمایا ہے۔

مریم میں نفخ روح کے مراد

۲۱۸۲ نفخ روح سے کیا مراد ہے حضرت آدم کے متعلق آتا ہے نفخت فیہ من روحی (ص ۳۸-۷۲) پس اگر نفخ روح سے مراد جان ڈالنا لیا جائے تو یہ جان حضرت مریم میں پھونکی گئی حالانکہ وہ زندہ تھیں اس مشکل کو دور کرنے کیلئے بعض مفسرین نے یہ توجیہ اختیار کی ہے کہ یہاں

أُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ ۹۳

ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میری عبادت کرو ۲۱۸۳ اور انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سب

اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ ۹۴

ہماری طرف لوٹکر آنیوالے ہیں تو جو کوئی کچھ اچھے کام کرے اور وہ مومن ہو تو اسکی کوشش کی ناقدری

لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ۹۵

نہ ہوگی اور ہم اس کیلئے لکھ لینگے ۲۱۸۴ اور اس بستی پر لازم ہے جسے ہم ہلاک کر دیں کہ وہ لوٹ کر نہیں آتے ۲۱۸۵

ع ۶ — نیکی کی محنت رائیگاں نہ ہوں گے

مضاف حذف ہے یعنی مراد ہے فنفخنا فی ابنہا من روحنا مگر یہ تاویل بعید ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد کلام الٰہی ہے دیکھو ۱۱۱ یعنی اس میں اپنا کلام پھونکا یا اسے وحی کی اور مریم اور انکے بیٹے کے نشان ہونے پر دیکھو ۲۲۷۱ +

سب انبیاء اور راستبازایک جماعت ہیں

۲۱۸۳ امۃ کے معنی جماعت بھی ہیں اور دین بھی جیسے انا وجدنا اٰباءنا علیٰ امۃ (الزخرف ۴۳-۲۲) دغ، اور یہاں دونوں طرح پر معنی ہو سکتے ہیں یعنی انبیاء اور راستبازوں کی ایک ہی جماعت ہے جس طرح ایک کو اپنے اعداء سے نجات دی دوسرے کو بھی دی اور اسکی عبادت کرنے والوں کو وہ اب بھی نجات دیگا اور دین معنی لیکر مراد یہ ہوگی کہ ملت توحید اور اسلام ہی سب کا اصل مذہب ہے +

کفر ۔ کفران ۔ کفور

۲۱۸۴ کفران ۔ نعمت کا کفر اور کفران اسکے ادائے شکر کو ترک کر کے اس کا چھپانا ہے اور یہاں یہی معنی ہیں اور کفران کا اکثر استعمال انکار نعمت ظاہری ہیں، اور کفر کا اکثر استعمال دین میں ہے اور کفور کا استعمال دونوں میں ہے فابی الظلمون الا کفورا (بنی اسرائیل ۱۷-۹۹) اما شاکرا واما کفورا (الدھر ۷۶-۳) +

مومنوں کو خوشخبری

جب گروہ انبیاء کا اور انکو مصائب سے نجات دینے کا ذکر کیا اور اس میں رسول اللہ صلعم کو خوشخبری دی تو اب ساتھ ہی مومنوں کا بھی ذکر کیا تا کہ وہ بھی مصائب کے وقت ان الفاظ سے تسلی حاصل کریں کہ وہ بھی اگر انبیاء کے نقش قدم پر چلیں تو انکے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ خدا کی راہ میں کوشش کرنیوالا کوئی ہو اسکی کوشش کی اللہ تعالیٰ قدردانی فرماتا ہے اور یہاں مراد ویسی ہی کوشش ہے جو حق کے پھیلانے سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اسکے بالمقابل اگلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو مخالفت حق کیوجہ سے ہلاک کر دیا جاتا ہے +

حرام

۲۱۸۵ حرام کے معنی ممنوع ۱۸۱ میں بیان ہو چکے ہیں اگر یہی معنی لئے جائیں تو لا یرجعون بطور تاکید ہوگا گویا ترکیب عبارت یوں ہے کہ جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں اس کیلئے پھر حق کی مخالفت ممنوع ہے اسلئے کہ وہ لوٹ کر نہیں آتے اور حرام بمعنی واجب بھی اشعار جاہلیت میں آیا ہے۔ فَاِنَّ حَرَامًا لَا اَرَی الدَّهْرَ بَاكِيًا عَلٰی شَجْوِهٖ اِلَّا بَكَيْتُ عَلٰی عَمْرٍو یعنی مجھ پر واجب ہے کہ میں کسی کو اسکے غم پر روتا ہوا نہ دیکھوں مگر کہ عمرو پر روؤں۔ اور دوسری قرأت حِرْم اس معنی کی مؤید ہے مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے

مردے اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

حضرت ابن عباس سے ایک قول میں صراحت سے منقول ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک کر دیئے جائینگے وہ قیامت سے پہلے پھر دوبارہ نہ آئینگے یعنی اس دنیا میں لوٹ کر نہ آئینگے اور دوسرا قول میں منقول ہے کہ جن پر ہلاکت کا حکم ہو چکا وہ توبہ نہیں کرینگے اور پہلا قول زیادہ واضح ہے (دث)، اگر سیاق مضمون کو مدنظر رکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہاں ذکر یہی ہے کہ جنکو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے وہ اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آتے کیونکہ ذکر انبیاء اور انکے مخالفین کا ہے جب انبیاء اور راستبازوں کی اعداء و مصائب سے نجات کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بتا دیا کہ جو قوم بوجہ مخالفت حق ہلاک کر دیجاتی ہے وہ لوٹکر اس دنیا میں نہیں آتی کہ دوبارہ مخالفت کرے لیکن اس خاص موقعہ پر ایک عام قانون بیان کر دیا کہ جو مر جائے وہ اس دنیا میں لوٹکر نہیں آیا کرتا جس طرح پچھلی آیت میں

٩٦ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ

یہانتک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائینگے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑینگے ٢١٨٦ اور سچا وعدہ

الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ

قریب آ جائیگا تو ناگاہ انکی آنکھیں جو کافر ہیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی ہم پر افسوس ہم اس سے

٩٨ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

غفلت میں رہے بلکہ ہم ظالم تھے ٢١٨٧ تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہو

بھی ایک خاص موقعہ پر عام قانون بیان کر دیا۔ اور اسی پر نسائیؒ اور ابن ماجہ کی حدیث بھی گواہ ہے جو پہلے نقل ہو چکی ہے دیکھو ١٢٣٤ جس میں مذکور ہے کہ جابر بن عبداللہ کے باپ کو جو شہید ہو گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ مانگتے ہو مانگو اور انہوں نے دوبارہ دنیا میں جانیکی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد سبق منی انہم لا یرجعون یہ میں پہلے سے کہہ چکا ہوں کہ مردے لوٹکر دنیا میں نہ جائینگے۔

حدب ٢١٨٦ حدب۔ حَدَب پیٹھ کا باہر کو نکل آنا اور پیٹ کا اندر ہو جانا ہے یعنی کبڑا ہو جانا۔ اور اسی سے حَدَب بلند زمین کو کہتے ہیں حدب الماء پانی کی موج کی بلندی کو کہا جاتا ہے (ل)۔

خروج یاجوج ماجوج اور مسلمان

یاجوج ماجوج پر دیکھو نوٹ ١٩٦٠ وغیرہ انکے کھولے جانے سے مراد انکا خروج ہے جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے اور یہ آخری زمانہ کے متعلق ہے اور کئی حدیثوں میں خروج دجال اور خروج یاجوج ماجوج کا اکٹھا ذکر ہے اور خروج یاجوج ماجوج سے مسلمانوں پر خاص طور پر بلاؤں اور مشکلات کا آنا مذکور ہے یہانتک کہ لکھا ہے کہ مسلمان اپنے شہروں اور گھروں میں گھس جائینگے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور سلطنت انکے ہاتھ سے نکل جائیگی اور یہ جو بعض احادیث میں ہے کہ وہ دریاؤں کا سب پانی پی جائینگے تو شاید اس لحاظ سے ہے کہ پانی ہی زندگی کا موجب ہے تو مطلب یہ ہے کہ دوسری قوموں کی اور بالخصوص مسلمانوں کی زندگی کے سامانوں کو وہ چٹ کر جائینگے

یاجوج ماجوج کا ساری روئے زمین پر تصرف

اور ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑنے کے معنی صاف ہیں کہ ہر بلندی پر تھوڑے عرصہ میں قابض ہو جائینگے یعنی خشکی اور تری کے تمام مقامات پر ان کا قبضہ یا انکا تصرف ہو جائیگا چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہ ساری زمین کو ڈھانک لینگے اور نسل کیلئے دیکھو ٢٦٤ اور ان الفاظ کی یہ مراد حدیث سے بھی ظاہر ہے جہاں آتا ہے لا ید ان لاحد بقتالھم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت دنیا میں کسی قوم کو نہیں ہوگی اور ان کی آخری حالت کا ذکر یوں فرمایا وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض (الکہف ١٨-٩٩) یعنی وہ ایک دوسرے سے ہی الجھ پڑینگے اور یہی ان کی ہلاکت کا موجب ہوگا اور یہاں یاجوج ماجوج کا ذکر اسلئے کیا کہ حق کے مخالفین اور انکی ہلاکت اور ہلاکت کے بعد دنیا میں لوٹکر نہ آنیکا ذکر تھا تو اسلئے فرمایا کہ اتنی بڑی زبردست اقوام بھی جو دنیا کی ہر بلندی پر قابض ہونگی اور جنکے ساتھ جنگ کی طاقت کسی کو نہ ہوگی وہ بھی اسی قانون کے ماتحت ہیں مگر وہ بھی آخر ہلاک ہونگی اور ہلاکت کے بعد لوٹکر نہ آئینگی۔

ان کی ہلاکت

شخص۔شاخص ٢١٨٧ شاخصۃ شخص کھڑے ہوتے ہوئے انسان کا وجود ہے جو دور سے نظر آئے (غ)، اور شَخَصَ بَصَرُ فلان کہا جاتا ہے جب آنکھ کھولے اور جھپکے نہیں۔ اور حدیث میں ذکر میت میں ہے اذا شخص بصرہ یعنی پلکوں کا اوپر کو اٹھ جانا اور نظر کی تحدید اور اس کا جگہ سے اکھڑ جانا اور جب ایک قلق میں ڈالنے والا امر کسی پر پڑے تو کہا جاتا ہے شُخِصَ بہ (ل)، تشخص فیہ الابصار (ابراھیم ١٤-٤٢)،

وعد حق سے مراد مفسرین نے قیامت لی ہے مگر اس سے موت بھی مراد ہو سکتی ہے اور ہلاک یا زوال طاقت کا وقت بھی ہو سکتا ہے بلکہ چونکہ ذکر یہاں ان کی ہلاکت کا ہی چلتا ہے اسلئے زیادہ قرین قیاس یہی ہے اور اس وقت وہ کہینگے کہ یہ امر حق تھا جسکی طرف

حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ○ لَوۡ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ؕ ٩٩

دوزخ کا ایندھن ہو — تم اس میں داخل ہوگے — ۲۱۸۸ اگر یہ معبود ہوتے — تو اس میں داخل نہ ہوتے

وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ○ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّهُمۡ فِيۡهَا لَا يَسۡمَعُوۡنَ ○ ١٠٠

اور سب اسی میں رہینگے — ان کیلئے اس میں چلانا ہوگا — اور وہ اس میں (کچھ) نہ سنینگے

اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ○ ١٠١

جن کیلئے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی آچکی ہو — وہ اس سے دور رکھے جائینگے ۲۱۸۹

لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا ۚ وَهُمۡ فِىۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ ○ ١٠٢

وہ اس کی آہٹ (بھی) نہ سنینگے — اور وہ اس میں جو ان کے دل چاہیں — رہینگے ۲۱۹۰

ہم غافل رہو بلکہ غافل ہی نہیں ظلم کرکے اس کی مخالفت کرتے رہو اس میں بھی ان کے قبول حق کیطرف ہی اشارہ معلوم ہوتا ہے +

حصب — ۲۱۸۸ حصب۔ حَصَبَ۔ اور حَصَبَۃ پتھروں یا کنکریوں کو کہتے ہیں اور حَصَب کنکریاں پھینکنے کو۔ اور حَصَب ہر اس چیز کو کہتے ہیں یعنی لکڑی وغیرہ جو آگ میں ڈالی جائے اور یہاں یہی مراد ہے اور بعض کے نزدیک اہل یمن کی لغت میں حَصَب اور حَطَب کے ایک ہی معنی ہیں (ل)، اور بعض نے حصب کے معنی صرف مایرمی بہ لئے ہیں یعنی پھینکی گئی چیز +

کون سے معبود جہنم میں جائیں گے — کفار یا مخالفین حق کا جہنم کا ایندھن ہونا تو ایک ظاہر امر ہے لیکن ما تعبدون سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا صرف بت مراد ہیں کیونکہ ما غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے۔ اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں ہر قسم کے معبود یہاں مراد لیکر نیکوں کو ان الذین سبقت لہم منا الحسنی میں مستثنی کیا گیا ہے۔ مگر دیکھو نوٹ ۱۳۹۱ جہاں دکھایا گیا ہے کہ اس موقعہ پر مراد صرف وہ معبودان باطل ہیں جو اپنے آپ کو معبود کے رنگ میں پیش کرتے تھے یعنی صرف انکے بڑے بڑے پیشوا جو حکم خدا کے خلاف انہیں اپنی مرضی پر چلاتے تھے اور ان سے حق کی مخالفت کراتے تھے اس لئے کہ ما تعبدون من دون اللہ میں یوں تو سورج چاند ستارے ہوائیں بادل دریا۔ درخت پتھر۔ کتے بلیاں اور دوسرے بہت سے جانور آجاتے ہیں اسلئے کہ دنیا کی قوموں نے ان چیزوں کی عبادت کی ہے لیکن ان چیزوں کا حشر نہیں ہوگا کہ وہ خاص خاص چیزیں جن کی عبادت کی گئی ہے از سر نو بناکر دوزخ میں ڈالی جائیں اور نہ انکے دوزخ میں ڈالنے سے کچھ حاصل ہے۔ پس یہاں مراد صرف انکے کبراء اور ساوات ہیں جن کے دوزخ میں ہونے کا بار بار ذکر بھی آتا ہے چونکہ انہوں نے اپنی عبادت کرائی یا ایسی تعظیم کرائی جو عبادت کے قایم مقام تھی اسلئے وہ مستحق دوزخ ہیں اور لو کان ھٰؤلاء اٰلھۃ میں یہی بتایا ہے کہ جیسا کہ یہ اپنے آپ کو پیش کرتے تھے اگر سچ مچ ویسے ہوتے تو دوزخ میں کیوں داخل ہوتے +

سبق — ۲۱۸۹ سبقت۔ سَبْق کے معنی اصل میں چلنے میں آگے بڑھنا ہیں پھر کسی چیز کے نفوذ پا جانے پر یا تقدم یعنی پہلے سے ہو چکا ہونے پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے ولا کلمۃ سبقت من ربک (طٰہٰ ۲۰ - ۱۲۹) (غ) +

یہ لوگ وہی ہیں جو دنیا میں ہی جنت میں پہنچ چکے ہیں یعنی نفوس مطمئنہ اسلئے فرمایا کہ انہیں حسنٰی پہلے سے پہنچ چکی ہے +

حسیس — ۲۱۹۰ حسیس حِسّ کیلئے دیکھو ۴۴۲ و ۵۳۸۔ اور حَسِیس اور حِسّ سے مراد حرکت بھی لی جاتی ہے (غ) +

شہی۔ اِشتہی — اشتہت۔ شَھِیَ الشیء اور اِشتَھَاہُ کے معنی ہیں ایک چیز سے محبت کی اور اسکی طرف مائل ہوا (ل) +

١٠٣ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

سب سے بڑے خوف کی بات انہیں غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان سے ملینگے یہ وہ تمہارا دن ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا ٢١٩١

١٠٤ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لینگے جس طرح تحریروں کا طومار لپیٹ لیا جاتا ہے جس طرح ہم نے پہلی پیدائش شروع کی اسے پھر لوٹا دینگے یہ ہم پر

١٠٥ عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ

وعدہ ہے ضرور ہم (یہ) کرنے والے ہیں ٢١٩٢ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے

١٠٦ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝

وارث میرے صالح بندے ہونگے ٢١٩٣ یقیناً اس میں عبادت کرنیوالے لوگوں کیلئے پیغام ہے

مومنوں کی محبت اور ان کا میلان کس چیز کی طرف ہوتا ہے؟ دنیا میں وہ معمولی سے معمولی چیزوں پر گزارہ کر لیتے ہیں اور انکی اصل تڑپ اور خواہش حصول رضائے الٰہی کیلئے ہوتی ہے اسی لئے جنت کی سب سے بڑی نعمت بھی وہی ہے (رضوان من اللہ اکبر۔ التوبۃ ٩ ۔ ٧٢)

فزع — ٢١٩١ فزع۔ فَزَع اس انقباض اور گھبراہٹ کو کہتے ہیں جو ڈرانے والی چیز سے پہنچے اور وہ جَزَع کی جنس سے ہے (جزع اس غم کو کہتے ہیں جو انسان کو اس کے مقصد سے روک دے) اللہ تعالیٰ کے متعلق خوف کا لفظ آسکتا ہے فزع کا نہیں۔ ففزع من فی السموٰت ومن فی الارض (النمل ٢٧ ۔ ٨٧) وھم من فزع یومئذ اٰمنون (النمل ٢٧ ۔ ٨٩) اور فَزِعَ الیہ کے معنی ہیں فزع کے وقت اس سے مدد چاہی۔

تفزیع — اور تفزیع فزع کا دور کرنا ہے حتّٰی اذا فُزِّعَ عن قلوبھم (السبا ٣٤ ۔ ٢٣) اور فزع الاکبر سے مراد آگ میں داخل ہونے کی گھبراہٹ ہے۔

طی۔ طوٰی، مطوی — ٢١٩٢ نطوی۔ طوٰی (مصدر طَیّ) کے معنی ہیں لپیٹا۔ اور طَیّ کے معنی عمر گزر جانا بھی آتے ہیں جیسے طَوَتْكَ خُطُوْبُ دَهْرِكَ بَعْدَ نَشْرٍ اور والسمٰوٰت مطویٰت بیمینہ (الزمر ٣٩ ۔ ٦٧) میں پہلے معنی بھی ہو سکتے ہیں اور دوسرے بھی یعنی مراد صرف یہ ہے کہ وہ فنا کر دیئے جائینگے (غ)۔ اور طوی البلاد کے معنی ہیں شہر سے شہر کو گیا (ل)۔

سجل یسجل — سجل۔ سَجَّلَ کیلئے دیکھو ١٤٣٩ اور سِجِلّ کتاب عہد وغیرہ کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد کاتب ہے اور سِجِلّ صحیفہ کو بھی کہتے ہیں جس میں کتاب ہو (ل) یعنی کچھ لکھا جاتے۔

آسمان کو لپیٹ لینے سے مراد — آسمان کو لپیٹنا یا فنا کرنا دونوں سے مراد ایک انقلاب عظیم معلوم ہوتا ہے اور کما بدانا اول خلق نعیدہٗ سے بظاہر مراد قیامت ہے لیکن اس انقلاب عظیم کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے جب کفر کی صف لپیٹ کر اسکی جگہ حق کو قائم کیا جائے جیسا کہ یہ نظارہ ہمارے نبی کریم صلعم کی زندگی میں ملک عرب میں دیکھا گیا اور اس اشارہ کو کھول کر اگلی آیت میں بیان کیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ زمین کے وارث اسکے صالح بندے ہونگے۔

دہنبا زمین کے وارث ہونگے — ٢١٩٣ زبور ٣٧ : ٢٩ میں ہے "صادق زمین کے وارث ہونگے" اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ اور الارض سے مراد ارض مقدس بھی ہو سکتی ہے دیکھو ٥٦٦ جہاں دکھایا گیا ہے کہ اس زمین کا وعدہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے تھا۔ اور اب اس نسل ابراہیمی کے قائم مقام مسلمان ہیں اور اس کا دو دفعہ انکے ہاتھ سے عارضی طور پر نکل جانا پیشگوئیوں کے مطابق ہے اور الارض سے مراد عام زمین بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں اشارہ مسلمانوں کی حکومت اور بادشاہت کیطرف ہوگا جیسا کہ احادیث

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ۱۰۷

اور ہم نے تجھے تمام قوموں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے ۲۱۹۴

آنحضرت کی اپنی اُمت کے لئے پیشگوئی

نبوی میں صاف آتا ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اِنَّ رَبِّیْ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَاُرِیْتُ مَشَارِقَہَا وَمَغَارِبَہَا وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُہَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْہَا وَاُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ یعنی میرے رب نے زمین کو میرے لئے سکیڑ دیا اور اسکی مشرقی اور مغربی زمینیں مجھے دکھائی گئیں اور میری اُمت کی بادشاہت وہانتک پہنچے گی جہانتک زمین سکیڑ کر مجھے دکھائی گئی اور مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں ایک سرخ اور ایک سفید۔ یہ حدیث مسلم ابوداؤد و ترمذی میں ہو اس سے ثابت ہوتا ہو کہ نبی کریم صلعم نے ملک عرب سے باہر اپنی اُمت کی بادشاہت کی کھلی پیشگوئی کی تھی۔ اور موجودہ غلبہ کفر اس کو غلط نہیں کرتا اسلئے کہ اسی

آنحضرت کے سرخ اور سفید خزانوں سے مراد

حدیث میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہو کہ مجھے دو خزانے دیئے گئے ایک سرخ اور ایک سفید اور سرخ خزانہ مشرقی اقوام کا اسلام میں داخل ہونا ہو اور سفید خزانہ مغربی اقوام کا جو سفید رنگ کی ہیں اور اس میں صاف بشارت ہو کہ جسطرح مشرق میں اسلام پھیلا مغرب میں بھی پھیلے گا اور یوں بھی مسلمان زمین کے وارث ہونگے اس لئے اگلی آیت میں توجہ دلائی کہ عابد بن جاؤ تو بادشاہت بھی تمہیں مل جائے گی ✦

رحمۃ للعالمین

۲۱۹۴ آنحضرت صلعم کو دنیا کی تمام قوموں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ یہ ایک عظیم الشان حقیقت ہو اس میں نہ صرف یہ بات بتائی گئی ہے کہ آپ کل دنیا کی طرف مبعوث ہوئے بلکہ یہ بھی کہ آپ رحمت کے رنگ میں مبعوث ہوئے اور دشمنوں کو تباہ اور برباد کرنے کے لئے نہیں آئے جیسا کہ زبور دشمنوں کی تباہی اور ویرانی کی دعاؤں سے بھری ہوئی ہو بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی نہ صرف آپنے ہی

دشمنوں کیلئے رحمت

رحم کا سلوک کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ رحم ہی کیا اور انکی ہلاکت محض انکی قوت توڑ دینے تک محدود کی نہ قوم کی تباہی اور بربادی پر۔ چنانچہ یہ تشریح ان الفاظ کی خود حدیث نبوی میں موجود ہو کہ جب آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ مشرکوں پر بددعا کیجئے تو آپنے فرمایا اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً "میں لعنت کرنے کیلئے مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں" پس آپکے اعداسے اللہ تعالیٰ نے بھی رحم کا ہی سلوک کیا ہو۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے یہاں اس کا ذکر کیا کیونکہ یہاں ذکر تو یہی تھا کہ راستباز زمین کے وارث ہونگے اور یہ وراثت چاہتی تھی کہ دشمن برباد ہوں اور تباہ ہو جائیں تا کہ ان کی جگہ راستباز لیں۔ تو فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا اسلئے کہ ہم نے رسول کو رحمت بنا کر بھیجا ہو پس مسلمانوں کو زمین کی وراثت تو ملے گی مگر نہ پہلی قوموں کو برباد کرکے بلکہ ان پر رحم کے ذریعہ سے چنانچہ اسلام کی تاریخ میں ایسا ہی نظر آتا ہو کہ کسی قوم کو برباد نہیں کیا گیا ✦

غیرمسلموں کیلئے رحمت

ان الفاظ میں یہ بھی بتایا ہو کہ رسول اللہ صلعم کی رحمت اس قدر وسیع ہو کہ صرف دوست ہی اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے بلکہ دشمن بھی اور یہ صرف مسلموں کیلئے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کیلئے بھی ہو چنانچہ قرآن کریم کی تعلیم سے بہت سی ان قوموں نے فائدہ اُٹھایا ہو اور یہ ان کے حق میں رحمت ثابت ہوا ہو جنھوں نے بظاہر اسلام کو قبول نہیں کیا خود یورپ کی قومیں اسی رحمۃ للعالمین سے فائدہ اُٹھا رہی ہیں گو اس کی دشمن بھی ہیں وہ اصول سعی پر عمل پیرا ہیں جو انجیل کی نہیں بلکہ قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ وہ ہر بات میں ایک نظام رکھتی ہیں یہ بھی اسلام کی تعلیم ہو جس نے نماز اور خیرات تک میں اعلیٰ درجہ کا نظام قایم کیا وہ وقت کی قدر کرتی ہیں جو اسلام کی کھلی تعلیم ہو ان کا رستوں تک کا صاف رکھنا اسلام کی تعلیم اماطة الاذی عن الطریق پر عمل ہو اور آج بیسیوں خوبی کی باتیں جو ان میں ہم دیکھتے ہیں ایک ایک کرکے تعلیم اسلامی کا نتیجہ دکھائی جا سکتی ہیں ✦

۱۰۸ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

کہو میری طرف یہی وحی کی جاتی ہو کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہو تو کیا تم (اللہ کے) فرمانبردار بنتے ہو

۱۰۹ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ

پھر اگر پھر جائیں تو کہدے میں نے تمہیں انصاف کی بات کہکر خبردار کردیا ہو اور میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہو یا دور ہو

۱۱۰ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○

جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہو[۲۱۹۵] وہ پکار کر کہی ہوئی بات کو جانتا ہو اور اسے بھی جانتا ہو جو تم چھپاتے ہو

۱۱۱ ۱۱۲ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ

اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے آزمایش ہو اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا (رسول نے) کہا میرے رب حق کے

النصف

بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○

ساتھ فیصلہ فرما۔ اور ہمارا رب رحمان ہو جس سے ان باتوں پر مدد مانگی جاتی ہو جو تم بیان کرتے ہو[۲۱۹۶]

اذن ۲۱۹۵ اٰذنت۔ اَذِنْتُهٗ بکذا اور اٰذَنْتُهٗ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ایک بات کا علم دیدینا (غ)، دیکھو ۱۲۳ و ۳۵۷ علی سواء کے لئے دیکھو ۴۵۵ اور انصاف کی بات یہ ہو کہ ایک خدا کو مان لیں۔ دوسری جگہ ہے تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم (آل عمران ۳۔ ۶۳) ◆

۲۱۹۶ مصائب اور مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے اور اسی سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور حق کو دنیا میں پھیلائے ◆

سورة الحج مدنية وهي ثمان وسبعون آية وعشر ركوعات

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

نام — اس سورت کا نام الحج ہے اور اس میں دس رکوع اور ۷۸ آیتیں ہیں اور اس کا نام الحج اس حکم سے لیا گیا ہے جو حج کے متعلق اس سورت میں دیا گیا ہے حج ارکان اسلام میں سے چوتھا رکن ہے اور محبت الٰہی میں عاشقانہ رنگ پیدا کرکے اسے اس کی ترقی کے کمال تک پہنچاتا ہے اور محبت الٰہی جب کمال کو پہنچتی ہے تو انسان اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے قربان کر دیتا ہے یہانتک کہ جان بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیدیتا ہے اور یہی ضرورت اس وقت پیش آئی تھی اسلئے کہ کفار نے مسلمانوں کو تلوار کے ساتھ نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الحج رکھا ہے +

خلاصہ مضمون — اس سورت کی ابتدا زلزلة الساعة کے ذکر سے ہوئی ہے جس میں حق کی مخالفت کرنے والی قوم کی تباہی کا بھی ذکر ہے اور پھر بتایا ہے کہ محاسبۂ اعمال ضروری ہے۔ دوسرے رکوع میں بتایا ہے کہ حق کی نصرت یقینی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس نصرت کو روک نہیں سکتی۔ تیسرے رکوع میں اہل حق کے نیک انجام کا ذکر کرکے بتایا ہے کہ انہیں خانہ کعبہ سے روکا گیا ہے اور مقام حرمت میں ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ چوتھے میں خانہ کعبہ کی ابتدا کا ذکر کرکے فرضیت حج کا ذکر کیا ہے پانچویں میں قربانی کی اصل غرض بتائی اسلئے کہ حج میں قربانی کرنی ضروری ہے۔ چھٹے میں مضمون کا انتقال ضرورت جنگ کی طرف کیا جس کیلئے اعلیٰ درجہ کی قربانیوں کی ضرورت تھی اور جس کا موقعہ اب آچکا تھا ساتویں میں اعدائے حق اور انکے انجام کا ذکر کیا۔ آٹھویں میں بتایا کہ مومن کامیاب ہونگے۔ نویں میں بتایا کہ توحید ایک مضبوط اصول ہے جس کی دنیا کی سب قوموں کو تعلیم دی گئی اور اب یہ دین توحید کی طرف ہی بلاتا ہے اور آخری رکوع میں شرک کی کمزوری اور بے بنیادی کا ذکر کرکے مسلمانوں کو بشارت دی اور ساتھ ہی سمجھایا کہ کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ پر پورا زور لگاؤ +

تعلق — پچھلی سورت سے اس کا تعلق یوں ہے کہ اس میں انبیاء کی کامیابی اور ان کے اعدا کی ہلاکت کا عام ذکر تھا یہاں اسبات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ تمہیں بھی اپنے اعدا سے نجات دی جائے گی۔ مگر اس کیلئے جنگوں کی ضرورت پیش آئے گی +

زمانہ نزول — بعض لوگوں نے اس سورت کو مدنی قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مکی قرار دیا ہے اور ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ سوائے ھٰذان خصمان والی چار آیات کے یعنی آیت ۱۹ سے ۲۲ تک کے یہ سورت مکی ہے اور ان چار کو مدنی کہنا بھی اس وجہ سے ہے کہ وہ خصمان سے مراد جنگ بدر میں بالمقابل دو فریقوں کو لیتے ہیں۔ مگر اسکے لئے کوئی سند نہیں۔ البتہ اس سورت میں جنگ کی اجازت اور ہجرت کے ذکر سے یہ یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے آخری ایام کی ہے اور ممکن ہے کہ بعض آیات کا نزول بعد ہجرت ہوا ہو +

ع ۱

حق و باطل میں فیصلہ کا وقت

۱ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا

اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو اُس گھڑی کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے ۲۱۹۷ جس دن تم اسے دیکھو گے

تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى

ہر دودھ پلانیوالی بدحواس ہوکر اسے چھوڑ دے گی جسے دودھ پلاتی تھی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تو لوگوں کو

النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝

متوالے سمجھے گا حالانکہ وہ متوالے نہیں ہونگے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے ۲۱۹۸

زلزلۃ الساعۃ

۲۱۹۷ زلزلۃ الساعۃ کیا چیز ہے مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ قیامت سے پہلے ہے یا قیامت یعنی مردوں کے جی اُٹھنے کے بعد روایات دونوں قسم کی ہیں اور بعض نے اسے قبل قیامت قرار دے کر اشراط الساعۃ میں سے لکھا ہے اور روح المعانی میں ہے کہ قیامت سے پیشتر ایک زلزلہ عظیم کی خبر بہت سے آثار میں پائی جاتی ہے اور اسے زلزلۃ الساعۃ اسلئے کہا کہ اسکے قرب میں اور اس کے نشانوں میں سے ہوگا۔ اور بعض احادیث کی رو سے اس کا وقوع مردوں کے جی اُٹھنے کے بعد ہے۔ اور ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے مگر مردوں کے جی اُٹھنے کے بعد حمل والی عورتیں اور دودھ پلانے والی عورتیں کہاں ہونگی دوسری آیات قرآنی پر جن میں زلزلہ کا ذکر ہے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ وہ ہے جس سے زمین تباہ ہو جائے گی مثلاً وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ (الحاقۃ ۶۹-۱۴) اور اذا رجت الارض رجا (الواقعۃ ۵۶-۴) کے بعد کو کنتم ازواجا ثلثۃ آتا ہے اور وہ تین قسم قیامت میں ہونگے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ قیام قیامت کے بعد زلزلہ ہوگا بلکہ پہلے زلزلہ عظیم آکر یہ نظام تباہ ہو جائے گا پھر قیامت قایم ہوکر لوگ تین گروہ ہو جائینگے اور اذا زلزلت الارض زلزالہا سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ زلزلہ کے ذکر کے بعد آتا ہے یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالہم (الزلزال ۹۹-۶) تو گویا اس سب کو ایک یوم قرار دیکر یوں فرمایا کہ پہلے زلزلہ سے اس نسل انسانی کا خاتمہ ہو جائیگا پھر مردے اُٹھینگے تاکہ اپنے اعمال کے نتائج دیکھیں پس زلزلۃ الساعۃ قبل قیامت ہی ہے مگر اس طرح پر کہ وہی قیامت کالانیوالا ہے البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ساعتیں تین ہیں دیکھو ۱۰۰۲ اور لفظ ساعۃ کی تشریح کیلئے ۹۳۱ یعنی صغریٰ وسطےٰ کبریٰ۔ صغریٰ جو ہر انسان کی موت سے تعلق رکھتی ہے اس کا ذکر تو یہاں نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں خطاب سب لوگوں کو ہے۔ اور وسطےٰ اور کبریٰ دونوں قیامتوں پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں اور ساعت وسطےٰ کی صورت میں لفظ زلزلہ سے مراد زمین کا کانپنا نہیں بلکہ اہوال وشدائد اور جنگیں وغیرہ ہیں دیکھو ۲۷۳ اور زلزلہ سے یہاں مراد مجازاً اہوال وشدائد کا آنا مفسرین نے بھی قبول کیا ہے والزلزال ہو ما یحصل للنفوس من الرعب والفزع کما قال اللہ تعالیٰ ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیدا یعنی زلزلہ سے مراد دلوں میں رعب اور گھبراہٹ کا پیدا ہونا ہے اور یہاں اس ساعت وسطیٰ کیطرف یقیناً اشارہ ہے اسلئے کہ پچھلی سورت کا خاتمہ اس ساعت وسطیٰ یعنی نشان ہلاکت کے ذکر پر ہوا تھا۔ تو اب کھول کر اسکے اہوال سے ڈرایا ہے اور ساعت وسطیٰ ساعت کبریٰ کیلئے بطور ایک گواہ کے ہے اسلئے اس کے قیام سے تقویٰ اللہ کیطرف دل مائل بھی ہوتے ہیں اور اس سورت میں آگے چل کر جنگ کی اجازت بھی دی ہے پس یہ تمام قرائن بتاتے ہیں کہ یہاں خصوصیت سے اشارہ ایک قوم کی ساعت وسطیٰ کیطرف ہے +

ذھل

۲۱۹۸ تذھل۔ ذَھَل ایک چیز کا چھوڑ دینا ہے خواہ ارادتاً چھوڑی جائے یا کوئی دوسرا شغل اس سے روک دے (ل) یا ایسی بات جس سے حزن اور نسیان پیدا ہو (غ) +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ ٣

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے اور ہر بھلائیوں سے خالی شیطان کی پیروی کرتا ہے

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ ٤

اس کی نسبت لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی اسے دوست بناتا ہے وہ اسے گمراہ کر دیتا ہے اور اسے جلتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف لیجاتا ہے[219]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ ٥

اے لوگو اگر تمہیں جی اٹھنے میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ

نطفے سے پھر لوتھڑے سے[220] پھر گوشت کے ٹکڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے اور (کبھی) ادھورا رہتا ہے تاکہ تمہارے لئے کھول کر بیان کریں

مرضع ۔ مرضعة مرضعة ۔ رَضَع کیلئے دیکھو ۳۰۲ مُرْضِع اور مُرْضِعَة میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ مرضع بلحاظ صفت دودھ پلانیوالی ہے اور مُرْضِعَة وہ ہے جو فی الواقع دودھ پلا رہی ہو یعنی جس کی چھاتیاں بچہ اس وقت چوس رہا ہو (ل) ⁕

گھبراہٹ کی شدت کی یہ تصویر کھینچی ہے کیونکہ ماں کا دودھ پیتے ہوئے بچہ کو چھوڑنا یا حمل والی کا حمل گر جانا سخت ترین غم سے ہی ہو سکتا ہے اور سکارٰی سے مراد یہاں شراب سے بدمست ہے یعنی بدحواس ایسے ہونگے اور عقل پر اس قدر پردہ پڑا ہوا ہوگا کہ گویا شراب سے بدمست ہیں حالانکہ وہ بدحواسی شراب سے نہ ہوگی بلکہ شدت عذاب سے ہوگی ⁕

۲۱۹ ہر دو آیات عام ہیں نضر ابن الحرث ہو یا ابوجہل یا اور کوئی ان کا مثیل ۔ بلکہ ابوجہل اور اسکے مثیلوں کا ذکر شیطان مرید کے لفظ میں ہے اور اتباع کرنیوالے عام لوگ ہیں اور شیطان مرید سے رؤسائے کفار مراد ہونا مفسرین نے بھی مانا ہے (د) اور اتباع کا لفظ انہی کیلئے زیادہ موزون ہے علیہ میں ضمیر اسی شیطان مرید کیطرف ہے کہ اسکی دوستی سے انجام کار قلب کو راحت نہیں ملتی بلکہ جلن ہی پیدا ہوتی ہے

علق ۔ علقة **۲۲۰** علقة ۔ عَلَق کے اصل معنی کسی چیز کو مضبوط پکڑ لینا یا تعلق پیدا کر لینا ہیں اور عَلَقَة وہ خاص حالت ہے جس سے بچہ بنتا ہے (غ) اور اس کے معنی عموماً خون کا لوتھڑا کئے جاتے ہیں ⁕

مضغة مضغة گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں اس اندازہ سے جو چبایا جا سکے اور جنین کی اس حالت کا نام ہے جو علقہ کے بعد ہوتی ہے

مخلقة مخلقة ۔ خلق کیلئے دیکھو ۳۳ و ۱۴۳ اور مُخَلَّقَة سے مراد تامّة الخلق ہے یعنی جس کی پیدائش کمال کو پہنچ گئی اور ایک قول ہے

غیر مخلقة کہ مخلقة وہ ہے جس کی خلق ظاہر ہو گئی اور غیر مخلقة وہ ہے جس کی تصویر نہیں بنی اور قدح مخلق اس تیر کو کہتے ہیں جو برابر اور نرم کیا گیا ہو

پیدائش حیوانی کے مختلف مراتب جو لوگ موت کے بعد جی اٹھنے کو امر مستبعد خیال کرتے ہیں اور اس بنا پر اس میں شک کرتے ہیں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے انکو بتایا ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش پر غور کریں پہلی اس کی حالت مٹی کی ہوتی ہے گویا ہر انسان کی پیدائش مٹی سے شروع ہوتی ہے اس مٹی سے نطفہ بنتا ہے کیونکہ مٹی سے غذائیں غذاؤں سے خون صالح خون صالح سے منی بنتی ہے ۔ یہ انسان کی دوسری حالت ہے ۔ پھر یہ نطفہ رحم مادر سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اس کی حالت علقہ کی ہو جاتی ہے ۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ علقہ اس حالت کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک نیا تعلق پیدا ہوتا ہے جو نطفہ رحم مادر سے تعلق پیدا نہیں کرتا وہ بچہ نہیں بنتا پس علقہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی ابتدائی حالت ہے پھر یہ نشوونما پاتا ہوا ایک گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے ۔ اور مخلقة اور غیر مخلقة سے صحیح مراد وہی ہے جو مجاہد نے کہا ہے یعنی مخلقة وہ

وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

اور ہم جو چاہتے ہیں رحموں میں ایک مقرر وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تمہیں بڑھاتے ہیں، تاکہ تم اپنے کمال

اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

کو پہنچو اور تم میں سے کوئی ایسا ہے جو وفات پا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے وہ ہے جو نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ علم حاصل کرنے

مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

کے بعد اسے کچھ علم نہ رہے ۲۲۰۱ اور تو زمین کو بے حس پڑی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ

ہیں تو وہ لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما روئیدگی اگاتی ہے ۲۲۰۲ یہ اسلئے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اللہ ہی حق ہے اور کہ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۲۲۰۳

ہو جس کی مدت حمل پوری ہو جاتی ہے اور غیر مخلقۃ وہ ہے جو ادھورا رہ کر نا تمام گر جاتا ہے (د) اور یہ مراتب اسلئے بیان کئے کہ تا انسان پر واضح ہو جائے کہ اگر ایسے حالات میں سے ایک خوبصورت انسان بن سکتا ہے تو اعمال سے اس کو ایک اور زندگی ملنا کونسا مستبعد امر ہے۔ اور دوسری طرف یہ خلق جسمانی کے مراتب خلق روحانی کے مراتب کے مقابل پر ہیں یعنی اعمال انسانی پہلے اسی طرح پراگندہ سے ہوتے ہیں جس طرح انسان کے اجزا مٹی میں پھر نطفہ کی حالت میں آکر ان اعمال میں ایک غیر محسوس طریق پر زندگی پیدا ہوتی ہے مگر یہ زندگی نطفہ کی طرح قابل نشو و نما نہیں ہوتی جبتک کہ ان اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہ ہو پھر وہ تعلق کبھی ناقص ہوتا ہے کبھی کامل +

طفل ۲۲۰۱ طفل۔ بچہ کو کہتے ہیں جبتک وہ نرم و نازک ہو۔ اطفال جمع ہے واذا بلغ الاطفال (النور[۲۴]۔ ۵۹) +

اس حصہ میں بتایا کہ بچہ ہونے سے انسان کس طرح ترقی کر کے اپنے جسمانی کمال کو پاتا ہے پھر اپنے روحانی کمال کو حاصل کرتا ہے اور کمال جسمانی کے بعد پھر اس میں زوال بھی آنے لگتا ہے جو اس کے مخلوق ہونے پر دلالت ہے اور یہ تنزل کی حالت یہانتک پہنچ جاتی ہے کہ انسان پھر ایک بچہ کی طرح ہو جاتا ہے اور سب کچھ حاصل کیا ہوا پھر بھول جاتا ہے +

ھامدۃ ۲۲۰۲ ھامدۃ۔ ھَمَدَتِ النَّارُ کے معنی ہیں آگ بجھ گئی اور ارض ھامدۃ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں سبزی کوئی نہ ہو (غ)

بہجۃ۔ بہیج بہیج۔ بَھْجَۃ رنگ کی خوبصورتی اور خوشی کے ظاہر ہونے کو کہا جاتا ہے حدائق ذات بھجۃ (النمل[۲۷]۔ ۶۰) (غ) +

اس روحانی زندگی کے ذکر کو جو پہلے حصہ میں بطور اشارہ چلا آیا ہے یہاں مردہ زمین اور پانی کا ذکر کر کے زیادہ واضح کیا ہے

۲۲۰۳ گویا اللہ تعالیٰ کے ان قانونوں سے معلوم ہوا کہ اللہ حق ہے اور جس طرح وہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اسی طرح مردہ دلوں کو روحانی بارش یعنی وحی الٰہی سے زندہ کرتا ہے یحی الموتیٰ سے یہاں یہی مراد ہے۔ قیامت میں مردوں کو اٹھانے کا ذکر اگلی آیت میں الگ ہے یعنی ساعت کا آنا اور جو قبروں میں ہیں ان کا اٹھا کھڑا کیا جانا +

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ ۸

اور کہ وہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور کہ اللہ انہیں اٹھائیگا جو قبروں میں ہیں اور لوگوں میں سے

النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ ۹

کوئی ایسا ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے حالانکہ نہ علم رکھتا ہے اور نہ ہدایت اور نہ روشنی دینے والی کتاب اعراض

عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ

کرنیوالا تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے اس کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ہم اسے قیامت کے

الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ع وَمِنَ ۱۱

ع ۲ ۱۲ حق کیلئے نصرت الٰہی ضروری ہے

دن جلنے کا عذاب چکھائینگے ۲۲۰۴ یہ اس کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں اور لوگوں

النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

میں سے کوئی ایسا ہے جو کنارہ پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے سو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو اس پر مطمئن رہتا ہے اور اگر اسے تکلیف

فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

پہنچتی ہے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے دنیا اور آخرت میں گھاٹے میں رہا یہی کھلا گھاٹا ہے ۲۲۰۵

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ ۱۲

اللہ کو چھوڑ کر اسے پکارتا ہے جو اسے نقصان نہیں دے سکتا اور جو اسے نفع نہیں پہنچا سکتا یہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے

عطف — ثانی عطفہ

۲۲۰۴ ثانی عطفہ۔ ثنی کے لئے دیکھو ۱۴۴۲ عُطف کسی چیز کے متعلق کہا جاتا ہے جب اس کی ایک طرف دوسری پر دوہرا دی جائے اور عِطف انسان کی جانب اسکے سر سے لیکر ران تک ہے اور ثنی عِطفہ کے معنی ہیں اعراض کیا الگ ہو گیا جیسے ناٰ بجانبہ (بنی اسرائیل ۱۷-۸۳) (غ)۔

علی حرف

۲۲۰۵ علی حرف۔ حَرف کے معنی کنارہ یا طرف بیان ہو چکے ہیں ۱۰۰۰ اور کہا جاتا ہے فلان علی حرفٍ من امرہ یعنی اپنے معاملہ میں وہ ایک کنارہ پر کھڑا ہے گویا انتظار کر رہا ہے کہ اگر آرام اور سکھ ملتا رہے تو خیر اور جو ذرا تکلیف پہنچی تو فوراً دوسری طرف مائل ہو گیا اور زجاج نے علی حرف کے معنی علی شکٍّ کئے ہیں یعنی شک کی حالت میں رہ کر (ل)۔

علی وجہہ — دین کو حق کی خاطر قبول کرنا چاہئے

علی وجہہ سے مراد ہے کہ وہ دائیں بائیں التفات کئے بغیر الٹا پھر جائیگا اور بعض نے اسے بھاگ جانے سے کنایہ سمجھا ہے دین یہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو دین کو دین کی خاطر قبول نہیں کرتے بلکہ دنیوی فوائد کیلئے قبول کرتے ہیں اسلئے جبتک کچھ فائدہ پہنچتا رہا خوش رہے لیکن دین کی خاطر بڑی بڑی تکلیفیں بھی اٹھانی پڑتی ہیں۔ بخاری میں ہے کہ ایک شخص مدینہ میں آتا پھر اس کی عورت لڑکا جنتی اور اس کی گھوڑیاں بچے جنتیں تو کہتا یہ اچھا دین ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا یہ برا دین ہے ایسے لوگ اعراب

۱۳ ۱۴ يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ

اسے پکارتا ہے جس کا نقصان اسکے نفع سے قریب تر ہے کیا ہی برا دوست اور کیا ہی برا رفیق ہے ۲۲۰۶ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اللہ جو ارادہ

۱۵ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

کرتا ہے کر گزرتا ہے جسے یہ خیال ہے کہ اللہ اس (رسول) کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا

تو چاہیئے کہ وہ اپنے آپکو کسی ذریعہ سے آسمان پر لیجائے پھر (اسے) قطع کردے پھر دیکھے کہ کیا اس کی کوششیں اسکو دور کردیتی ہے جس پر وہ

۱۶ يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝

غیظ میں ہے ۲۲۰۷ اور اسی طرح ہم نے اسے اتارا (کہ) کھلی آیتیں (ہیں) اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

میں سے تھے جنہیں دین کی خاطر کوئی دکھ اٹھانا نہیں پڑا ورنہ ابتدائی مسلمانوں کا بیشتر حصہ وہ تھا جنہوں نے دین کی خاطر سر بھی دیدیئے اور یہاں یہ سمجھایا ہے کہ حق کو حق کی خاطر قبول کرنا چاہیئے نہ اس لئے کہ اس سے کوئی دنیوی فائدہ پہنچتا یا نقصان دور ہوتا ہے ۔

۲۲۰۶ پہلی آیت میں ذکر ہے کہ وہ اسے بلاتا ہے جو نہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور دوسری میں ہے کہ اسے بلاتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب تر ہے اور ان دونوں باتوں میں تناقض سمجھا گیا ہے حالانکہ تناقض فی الحقیقت کوئی نہیں معبود باطل فی الحقیقت نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان یعنی نہ وہ کسی کا کچھ بنا سکتا ہے نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ مگر اسکی عبادت عبادت کرنیوالے کو یقیناً نقصان پہنچاتی ہے اور عبادت کرنیوالا اس میں نفع سمجھتا ہے تو یہ نقصان اس کے فرضی نفع سے قریب تر ہے یعنی نفع کی امید تو اسے آیندہ کیلئے ہے اور نقصان اسکے اخلاق کو جب وہ اپنے آپکو ایک مخلوق کے سامنے گراتا ہے فوراً پہنچ جاتا ہے ۔

قطع

۲۲۰۷ یقطع ۔ قَطْعٌ کے معنی کسی چیز کا علیحدہ کردینا ہیں خواہ وہ مادی چیز ہو جو آنکھ سے دیکھی جاسکے اور خواہ بصیرت سے معلوم کی جاتی ہو (غ) ، اور یہاں حَبْل یعنی رسہ کا قطع کرنا بھی مراد لیا گیا اور اجل یعنی زندگی کا قطع کرنا بھی (غ) ۔

حق کی نصرت کو کوئی نہیں روک سکتا
سبب

من ینصرہ میں ضمیرہ کی رسول اللہ صلعم کیلئے ہے اور یہ ابن عباس اور اور مفسرین سے مروی ہے (ر) اور خود قرینہ بھی یہی چاہتا ہے اسلئے کہ ذکر رسول اللہ صلعم سے جھگڑنے والوں کا ہے فلیمد دبسبب الی السماء ثم لیقطع کے ایک معنی سبب کے معنی رسہ اور سماء کے معنی سقف بیت یعنی گھر کی چھت لیکر اور یقطع کے معنی یختنق یعنی گلا گھونٹ لے لیکر یہ کئے گئے ہیں کہ چھت سے رسہ لٹکا کر پھانسی لیلے یعنی نصرت تو بہرحال آئیگی مگر چونکہ سبب کے معنی کوئی ذریعہ ہیں جس سے کسی چیز تک پہنچا جائے ۲۲۰۸ اسلئے یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ نصرت الٰہی تو رسول کیلئے آئیگی جو شخص اسے روکنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ کسی ذریعہ سے آسمان پر پہنچ کر یعنی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرکے اس نصرت کو قطع کردے مگر کسی کی کوشش کچھ نہیں کرسکتی ۔ اور رسول

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ ۱۷

جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہیں اور صابی اور نصرانی اور مجوس اور

وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

جو مشرک ہیں اللہ انکے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اللہ ہر چیز پر گواہ

شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۱۸

ہے ۲۲۰۸ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ

سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جاندار اور بہت سے لوگ (بھی)

وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور بہت (ایسے ہیں کہ) عذاب ان پر لازم ہوگیا۔ اور جسے اللہ ذلیل کرے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں اللہ جو

السجدة

يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ۝ هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۱۹

چاہتا ہے کرتا ہے ۲۲۰۹ یہ دو جھگڑنے والے ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا

کیلئے نصرت کا آنا یقینی ہے کسی کے غیظ و غضب سے یہ سلسلہ قطع نہیں ہو سکتا +

مجوس

۲۲۰۸ مجوس ۔ وہ لوگ جو خالق نور اور خالق ظلمت الگ الگ مانتے ہیں اور آتش پرست ہیں حدیث میں یُمَجِّسَانِہٖ آیا ہے یعنی اسے مجوسیوں کے دین کی تعلیم دیتے ہیں (ل) +

اختلاف عقاید مٹ نہیں سکتا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اختلاف عقاید اس دنیا میں رہیگا اور اس کا فیصلہ قیامت میں ہی ہوگا یہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان ادیان کو بکلی مٹادے

سجدہ تسخیری اور سجدہ اختیاری

۲۲۰۹ سجدہ کیلئے دیکھو ۵۲ بعض مخلوق صرف سجدہ تسخیری کرتی ہے اور بعض یعنی انسان دوسری مخلوق کے ساتھ سجدہ تسخیری میں شامل ہے اور سجدہ اختیاری اس کا امتیاز ہے اسلئے پہلے من فی الارض میں انسان بھی شامل ہے اور سجدہ تسخیری میں اس کا بھی ذکر ہے اور اسکے بعد جو سورج چاند درختوں وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ صرف یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ چیزیں جن کی بعض لوگ عبادت کرتے ہیں یہ خود اللہ تعالےٰ کے قانون میں جکڑی ہوئی اور اس کے احکام کے پابند ہیں جنتی چیزوں کا یہاں نام لیا ہے ان سب کی عبادت کی گئی ہے یہانتک کہ درختوں اور چارپایوں کی بھی لوگوں نے عبادت کی ہے۔ اور کثیر من الناس میں سجدہ اختیاری کا ذکر ہے مگر اس سے بھی لازماً مراد صرف زمین پر ماتھے کا رکھنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری ہے اور ان لوگوں کا ذکر جو احکام الٰہی کی فرمانبرداری نہیں کرتے کثیر حق علیہ العذاب میں کیا یعنی انہوں نے سجدہ اختیاری سے انکار کرکے اپنے آپ کو سزا کا مستوجب کرلیا۔ اور آخر پھر بھی اللہ تعالےٰ کے قانون سے باہر نکل سکے۔ ومن یہن اللہ کی فرمانبرداری اور عبادت انسان کو ذلیل کرنے والی شے سے اور اللہ کی فرمانبرداری اسے عزت دینے والی ہے +

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ

تو جو کافر ہیں ان کیلئے آگ کے کپڑے قطع کئے گئے ہیں انکے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالا

۲۰ ۲۱ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝

جائیگا ۲۲۱۰ اس سے جو کچھ انکے پیٹوں میں ہے اور کھالیں گل جائینگی ۲۲۱۱ اور انکے لئے لوہے کے گرز ہونگے ۲۲۱۲

۲۲ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ع

جب کبھی ارادہ کرینگے کہ اس سے (یعنی) غم سے نکل جائیں اس میں لوٹائے جائینگے اور جلنے کا عذاب چکھو ۲۲۱۳

ع ۳ — اہل حق کو خانہ کعبہ سے روکا جانا

۲۳ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں باغوں میں داخل کرے گا جنکے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝

بہتی ہیں ان میں انہیں سونے کے کڑے اور موتی پہنائے جائینگے اور ان کا لباس ان میں ریشم کا ہوگا

صبّ — **۲۲۱۰** یصب ۔ صَبّ پانی کا اوپر سے گرانا ہے ۔ انا صببنا الماء صبا (عبس ۔ ۲۵) فصب علیہم ربک سوط عذاب (الفجر ۱۳) (مف)

ھٰذٰن خصمان کے متعلق قیس کی روایت ابوذر سے بخاری میں ہے کہ بدر کے دن حضرت علی اور آپکے دو ساتھیوں اور عتبہ اور اسکے دو ساتھیوں کے حق میں یہ نازل ہوئی مگر یہ سورت مکی ہے اور صحیح یہی ہے کہ دو جھگڑنے والوں سے مراد مومنوں اور کافروں کے فریق ہیں (د) جن میں سے ایک فریق حق کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے اور دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کی توحید کو اور نیکی کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے چنانچہ اسکی وضاحت آیت ۲۵ میں کردی ہے اور آگ کے کپڑے قطع کرنا بطور مجاز ہے کیونکہ کپڑے تو انسان کی پردہ پوشی اور زینت کیلئے ہوتے ہیں ان کی پردہ پوشی اور زینت کا کام آگ دے گی ۔ ایسا ہی سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالنا اس وجہ سے ہے کہ وہ سر کو اللہ تعالیٰ کے آگے نیچا نہ کرتے تھے۔

صَھر ، صِھر — **۲۲۱۱** یصھر ۔ صَھر ۔ چربی کا پگھلانا ہے ۔ اور صِہر بیٹی اور بہن کے خاوند کو کہتے ہیں اور عورت کے اہل بیت اصہار کہلاتے ہیں فجعلہ نسبا وصھرا (الفرقان ۔ ۵۴) (غ) +

عذاب کی غرض — وہ آلائشیں جو ان کے اندر جمع ہوگئی ہیں وہ بھی نکال دی جائینگی اور جلد یعنی باہر کا حصہ بھی صاف کر دیا جائے گا +

مقمع ، قمع — **۲۲۱۲** مقامع ۔ مِقمَع کی جمع ہے جس سے مار کر مطیع کیا جاتا ہے مایضرب بہ ویذلل او قمعتہ فانقمع کے معنی ہیں میں نے اسے روکا سو وہ رک گیا (غ) اور قمع کے اصل معنی ہی مغلوب اور مطیع کرنا ہیں اور مِقمَع گرز یا کوڑے کو کہا جاتا ہے (ل) +

عذاب کی غرض — معلوم ہوا اس کی اصل غرض بھی انکی سرکشی کے مادہ کو دور کرنا اور ان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی روح پیدا کرنا ہے +

عذاب کی نوعیت — **۲۲۱۳** من غم کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں یا یہ منہا سے بدل ہے یعنی اس غم سے باہر نکل جانا جو ان کے لاحق حال ہے گویا بتایا ہے کہ اصل عذاب انکا وہ غم ہے جو ان کے دلوں کو کھا رہا ہے اور وہی آگ بنکر ان کے جسموں پر محیط ہو جائے گا اور یا من غم علت خروج ہے یعنی اس غم کی وجہ سے نکلنا چاہینگے جو انہیں ہوگا ۔ اور بعض نے غم سے مراد یہاں ڈھانک دینے والا عذاب لیا ہے +

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝ اِنَّ ۲۴ ۲۵

اور ان کو پاک بات کی طرف ہدایت کی گئی اور انہیں تعریف کئے گئے رستہ کیطرف ہدایت کیگئی ہی۲۲۱۴ جو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ

لوگ کفر کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور مسجد حرام سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے یکساں

سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

بنایا ہو (خواہ) اس میں رہنے والا ہو، اور (خواہ) باہر سے آنیوالا اور جو کوئی اس میں ظلم کیساتھ ناانصافی کا ارادہ کرے اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائینگے ۲۲۱۵

قول طیب اور صراط الحمید — ۲۲۱۴ اس ہدایت سے مراد اس دنیا کی زندگی میں ہدایت ہی اور طیب من القول اقرار توحید ہی یا سب اچھی باتوں کا اقرار اور صراط الحمید میں اضافت بیانیہ ہی یعنی ایسا رستہ جو محمود ہی اور مراد اس سے ہر قسم کے اچھے فعل ہیں کیونکہ رستہ پر چلنا بذریعہ افعال کے ہی۔ اور بتایا ہی کہ جنت انسان کی پاک باتوں اور اچھے فعلوں سے ہی پیدا ہوتی ہی اور صراط الحمید میں بعض نے الحمید سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم لیا ہی اور اللہ تعالیٰ کی صراط سے مراد اس کا بتایا ہوا رستہ یعنی اسلام ہوگا +

اعدائے حق — ۲۲۱۵ اس آیت میں یہ واضح کر دیا ہی کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہی جو شرارت کی راہ سے لوگوں کو حق کے قبول کرنے سے روکتے تھے اور مسجد حرام سے بھی روکتے تھے اور یہ کفار مکہ تھے جن کی اذیت مسلمانوں کے حق میں اسوقت کمال کو پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے مسلمان مکہ کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے +

مکانات مکہ کی بیع اور کرایہ — مسجد حرام کی حرمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنیوالے سب اس میں برابر ہیں تو اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ اس میں مکانوں کا کرایہ حاجیوں سے لینا جائز نہیں اور بعض نے اسی بنا پر وہاں کے مکانات کی بیع کو بھی جائز نہیں رکھا مگر امام شافعی کے نزدیک یہ جائز ہی اور درست بھی یہی معلوم ہوتا ہی اسلئے کہ یہاں ذکر یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اسکے مقابل پر عاکف اور باد کا برابر ہونا اسی لحاظ سے ہو سکتا ہی کہ اس میں عبادت کرنے سے کسی کو نہ روکا جائے اور مکانات کا بیع ہونا روایات سے ثابت ہی چنانچہ حضرت عمر نے دار السجن کو خریدا اس میں شک نہیں کہ دوسری طرف بھی بعض روایات ہیں مثلاً ایک شخص نے اپنے گھر کو دروازہ لگایا تو حضرت عمر نے ناپسند فرمایا اور کہا کہ تم حاجیوں کو گھر میں جگہ دینے سے روکتے ہو تو اس نے کہا کہ میں نے ان کے اسباب کی حفاظت کیلئے دروازہ لگایا ہی مگر اس سے صرف اسی قدر اخذ ہو سکتا ہی کہ جسکے پاس جگہ ہو اس کا فرض ہی کہ حاجیوں کو آرام دے البتہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص مکہ کے گھروں کا کرایہ کھاتا ہی وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتا ہی لیکن جس مکان کی بیع جائز ہی اسکے کرایہ کا ناجائز ہونا خلاف اصول ہی +

اِلحاد — من یرد فیہ بالحاد بظلم سے کیا مراد ہی۔ اِلحاد کیلئے دیکھو ۸۰۶ اور اَلحَدَ فلان کے معنی ہیں مال عن الحق (غ) حق سے مائل ہو گیا یعنی حق بات کو ترک کر دیا اور خانہ کعبہ کے متعلق الحاد یہ ہی کہ جو اس کی غرض ہی اسے پورا نہ ہونے دیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اسے اپنی عبادت کا گھر اور لوگوں کا مرجع بنایا تو جو شخص اللہ کے نام لینے والوں کو اس سے روکتا ہی وہ اس میں الحاد چاہتا ہی اور بظلم ساتھ بڑھایا ان مظالم کیطرف اشارہ کرنے کیلئے جو مسلمانوں پر ہو رہے تھے اور یہ جو الحاد میں شرک اور احتکار غلہ وغیرہ کو داخل کیا ہی تو یہ چیزیں من وجہٍ الحاد میں داخل ہو سکتی ہیں مگر اصل غرض یہ نہیں +

ع ۵
حج کی فرضیت

۲۶ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ

اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ (کعبہ) کی جگہ کو مرجع بنایا کہ ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور قیام کرنیوالوں

۲۷ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ

اور رکوع (اور) سجدہ کرنیوالوں کیلئے پاک کر ۲۲۱۶ اور لوگوں میں حج کیلئے ندا کر دے وہ تیری طرف آئینگے (کچھ) پیدل اور (کچھ) ہر طرح

۲۸ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا

کی دبلی (سواریوں) پر جو ہر دور کے رستے سے آتی ہونگی ۲۲۱۷ تاکہ اپنے فائدہ کی باتوں پر گواہ ہوں اور مقرر دنوں میں

اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

اللہ کے نام کا ذکر اس پر کریں جو اس نے انہیں چارپائے جانور دیئے ہیں۔

بوّأ
تطہیر خانہ کعبہ

۲۲۱۶ بوّأ کیلئے دیکھو ۵۰۰ و ۱۹ چونکہ باء بمعنی لام بھی آتا ہے اسلئے بوّانا کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں ہم نے اس کیلئے مرجع بنایا اور ہم نے اس کو جگہ دی اور زجاج نے معنی کئے ہیں ہم نے اسے خانہ کعبہ کی جگہ بتا دی اور طہر بیتی سے مراد ہے شرک سے پاک کر اور یہ مجاہد سے مروی ہے (ج)، اور شرک کے ذکر کے بعد طہر کا لانا بتاتا ہے کہ اسی سے پاک کرنا مراد ہے اور پھر طواف قیام رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک کرنا بھی یہی ہو سکتا ہے یہی مضمون البقرۃ ۲-۱۲۵ میں بھی آچکا ہے۔ دیکھو ۱۵۹ ۔

حضرت ابراہیم کے خانہ کعبہ سے تعلق پر بحث ۱۵۷ میں گزر چکی ہے اور ۱۶۲ میں بتایا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کو کب کب اور کس کس نے بنایا۔ خانہ کعبہ کا موجودہ طول و عرض وغیرہ حسب ذیل ہے بلندی، ۲۷ ہاتھ طول ۲۵ ہاتھ عرض ۲۰ ہاتھ ۔

ضمر
ضامر

۲۲۱۷ ضامر ضمر اور ضمر ھزال یعنی دبلاپن کو کہتے ہیں اور اضمر کے معنی ہیں ایک چیز کو مخفی کیا (ل)، اور اسی سے ضمیر ہے اسلئے کہ اس پر اطلاع پانا کچھ مشکل ہوتا ہے یعنی وہ چیز صاف طور پر بیان نہیں ہوتی اور ضامر تھوڑے گوشت والے گھوڑے وغیرہ کو کہا جاتا ہے جس کی گوشت کی کمی اس کے زیادہ کام کرنے کا نتیجہ ہو نہ ھزال سے (غ)، اور ضامر کے لفظ میں اشارہ ہے کہ لوگ بڑی بڑی مشقتیں اٹھا کر خانہ کعبہ کی زیارت کو آئینگے ۔

عمیق

عمیق۔ عُمق اس بُعد کو کہتے ہیں جو نیچے ہونے کے لحاظ سے ہو اور یہاں عمیق مطلق بعید کے معنی میں ہے (غ) ۔

ارکان حج کی ابتدا

اَذِّن میں خطاب عموماً حضرت ابراہیم سے مانا گیا ہے گویا ارکان حج حضرت ابراہیم کے قائم کردہ ہیں اور خانہ کعبہ کا حج ان کے ذریعہ ہی مقرر ہوا اور اذّن میں اسی قسم کا اعلان ہے جیسا اذان من اللہ و رسولہ میں، اور یہ خیالات کہ حضرت ابراہیم کی آواز وہاں تک پہنچانے کیلئے پہاڑ نیچے کئے گئے اور بستیاں بلند کی گئیں یا اصلاب اور ارحام میں آواز پہنچائی گئی محض خیالات ہی ہیں جس طرح انبیاء کی تبلیغ دنیا میں پہنچتی ہے اسی طرح حضرت ابراہیم کی آواز بھی پہنچی۔ اور بعض کے نزدیک یہ خطاب آنحضرت صلعم سے ہے جس کا حکم آپکو حجۃ الوداع میں دیا گیا لیکن یہ سورت مکی ہے اور حجۃ الوداع میں اس آیت کا نزول صحیح نہیں بلکہ خطاب آنحضرت صلعم سے ہے اور اس میں حج کی فرضیت کا ذکر ہے ۔

فرضیت حج

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا ۲۹

سو ان سے کھاؤ اور تکلیف والے محتاج کو کھلاؤ ۲۲۱۸ پھر چاہیے کہ اپنی میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو

نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

پورا کریں اور آزاد گھر کا طواف کریں ۲۲۱۹

بائس ۔ بؤس ۲۲۱۸ بائس ۔ وہ ہے جسے بؤس پہنچا ہو دیکھو ۲۱۵ اور بؤس اس شدت کو کہتے ہیں جو فقر کی وجہ سے ہو (غ)۔

حج کے منافع منافع سے مراد دنیوی اور اُخروی ہی دونوں قسم کے فوائد لئے گئے ہیں مگر اصل غرض منافع اُخروی ہیں اور منافع کی تنکیر ان کی عظمت اور کثرت کیلئے ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑا نفع ہے مگر لفظ کا جمع لانا خود بتاتا ہے کہ اس میں مختلف قسم کے فوائد شامل ہیں اور حج میں روحانی فوائد بہت کثرت سے ہیں انہی میں سے ایک مساوات کا وہ منظر ہے جو سوائے حج کے اور دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا ۔ ایسا ہی سب مسلمانوں کا ملکر دعا کرنا وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا دل پر اثر مسلمانان عالم میں اتحاد ۔ اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کی تجاویز کو عمل میں لانا وغیرہ ✦

اعمال حج کی اصل غرض ایام معلومات سے مراد عموماً ایام نحر لئے گئے ہیں یعنی عید کا دن اور دو دن اس کے بعد کیونکہ یہاں قربانیوں کا خاص طور پر ذکر ہے اور فی الحقیقت ایام حج بھی اس میں شامل ہیں اس لئے کہ قربانی حج کی آخری منزل ہے اور امام ابوحنیفہ نے ذوالحج کے دس دن ہی مراد لئے ہیں پس مراد صرف جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا نہیں بلکہ عبادت مراد ہے یہاں تک کہ قربانی کا دن آجائے اور ان الفاظ میں یہ ذکر اسلئے کیا کہ تا قربانی کی اصل غرض کی طرف توجہ دلائی جائے ۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اعمال حج کل کے کل صرف اسکے ذکر کیلئے ہیں اور مناسبات کو کہ قربانی کی غرض ذکر اللہ کس طرح پر ہے اور دیکھو لکر آیت ۳۴ میں بیان کیا ہے ۔ اور آخر پر ہدایت فرمائی کہ قربانیوں کے گوشت سے خود بھی کھاؤ جس میں دوستوں

قربانی کا گوشت عزیزوں کو کھلانا بھی آجاتا ہے اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانیوں کا گوشت ضائع نہیں ہونا چاہئے اور اس میں سے ایک حصہ محتاجوں کو بھی کھلانا چاہئے ✦

تفث ۔ قضاء ۲۲۱۹ تفث ۔ اصل میں ناخن کی میل کو کہا جاتا ہے اور ایسی چیز کو جسے بدن سے دور کرنا چاہئے ۔ اور قضاء کے معنی چونکہ قطع کرنا آتے ہیں اسلئے یہاں مراد اس کا ازالہ ہے (غ) ✦

عتیق عتیق ۔ متقدم کو کہتے ہیں یعنی جو دوسروں سے آگے بڑھا ہوا ہو خواہ زمانہ کے لحاظ سے ہو یا مکان کے یا رتبہ کے اسلئے قدیم کو بھی عتیق کہا جاتا ہے اور کریم کو بھی اور جو غلامی سے آزاد ہوا سے بھی اور خانہ کعبہ کو عتیق اسلئے کہا کہ وہ اس سے ہمیشہ آزاد

عتق رہا ہے کہ جبابرہ اس کو ذلت پہنچا سکیں (غ)۔ اور عِتق خلاف رق ہے اور اس کے معنی حریت ہیں ۔ اور عتیق حضرت ابوبکر

خانہ کعبہ کو بیت عتیق کہنے کی وجہ صدیق کا نام ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اَنْتَ عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ یعنی آگ سے آزاد کیا گیا ۔ اور حدیث ابن زبیر میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اسلئے بیت عتیق رکھا ہے کہ اسے ظالم حملہ آوروں سے آزاد کیا اور کبھی کوئی ظالم حملہ آور اس پر غالب نہیں آیا اور بیت عتیق اس کے قدیم ہونے کے لحاظ سے بھی اس کا نام ہے کیونکہ وہ اول بیت وضع للناس ہے اور، پس عتیق کے معنی قدیم بھی ہیں اور آزاد یا اعلیٰ درجہ کا بھی اور روح المعانی میں ہے تبع نے اس کا قصد کیا تو اسے فالج ہو گیا اور ابرہہ نے قصد کیا تو اس کا قصہ اصحاب فیل کے واقعہ کے نام سے مشہور ہے اور حجاج کا منشا کعبہ کی اہانت نہ تھا بلکہ ابن زبیر کا اخراج اور قرامطہ کا حجر اسود کے نکالنا شاید اسی قبیل سے تھا ✦

٣٠ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ

یہ (یوں ہو) اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اسکے رب کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہو اور تمہارے لئے

لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ

چارپائے حلال ہیں سوائے اسکے جو تم پر پڑھا جاتا ہو پس بتوں کی ناپاکی سے بچو اور

٣١ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

جھوٹ بات سے بچو ٢٢٢٠ اللہ کیلئے درست روی اختیار کرتے ہوئے اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانے ہوئے اور جو کوئی اللہ کیساتھ (اور کو) شریک بنا

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝

تو گویا وہ بلندی سے گر پڑا پھر اسے پرندے اُچک لیگئے یا ہوا اسے اُڑا کر دور کے مکان میں پھینک دے ٢٢٢١

ظاہری صفائی کی تاکید — یہاں مطلب تو صرف اس قدر تھا کہ قربانی سے فارغ ہو کر بال وغیرہ کٹوالیں یا حالت احرام سے نکل جائیں مگر اس کو ادا ان الفاظ میں کیا ہو کہ اپنی میل کچیل کو دور کریں اور میل کیلئے بھی ناخن کی میل کا لفظ استعمال کیا ہو جس میں یہ بتانا مقصود ہو کہ ایام حج میں بعض افعال کا نہ کرنا جیسے بال یا ناخن کٹروانا وغیرہ ایک خاص مقصد کیلئے تھے ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا کہ ایک مسلمان کا ناخن بھی ایسا ہو کہ اس میں میل ہو اس میں اعلیٰ درجہ کی جسمانی صفائی کی تعلیم دی ہو اور نبی کریم صلعم کے حالات سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ جسم کی ظاہری صفائی کے تمام مراتب کو بدرجہ غایت ملحوظ رکھتے تھے +

طواف افاضہ طواف الصدر — نذروں کے پورا کرنے سے مراد اعمال حج کا پورا کرنا بھی ہو سکتا ہو اور ابن عباس نے اسکی تخصیص قربانیوں سے کی ہو اور ایسے نیک عمل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اپنے اوپر واجب کر لئے ہوں اور یہاں طواف کے خاص حکم سے مراد طواف افاضہ ہو جو قربانی کے دن ہوتا ہو اور بعض نے طواف الصدر بھی مراد لیا ہو یعنی روانگی کے وقت کا طواف +

ذٰلک — ٢٢٢٠ ذٰلک ۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے اسمائے اشارہ دو کلاموں کے درمیان فصل کیلئے رکھے جاتے ہیں اور مراد ہو الامر ذٰلك (ر)

حرمات — حرمات ۔ حُرمۃ کی جمع ہو وہ چیزیں ہیں جن کا احترام واجب ہے، اور وہ تمام مناسک حج ہیں اور ابن زید کہتے ہیں پانچ چیزیں ہیں ۔ مشعر حرام ۔ مسجد حرام ۔ بیت حرام ۔ شہر حرام ۔ اور مُحرم +

وثن — اوثان ۔ وَثَن جو اپنی جگہ پر ٹھہرا ہوا ہو اور حرکت نہ کرے ، اور وثن صنم یعنی بت کو کہتے ہیں یا چھوٹے بت کو اور

وثن اور صنم میں فرق — ابن اثیر نے وَثَن اور صنم میں یہ فرق کیا ہو کہ وثن وہ ہو جس کیلئے جثہ ہو خواہ وہ زمین کے جواہر سے بنایا گیا ہو یا لکڑی اور پتھر سے (مثلاً) آدمی کی صورت پر جو بنایا جائے اور قائم کیا جائے اور اسکی عبادت کیجائے اور صَنَم صورت بلا جثہ ہو اور بعض نے دونوں میں کچھ فرق نہیں کیا ہو (ل)

جب ظاہری میل کچیل کا ذکر کیا تو دو اندرونی ناپاکیوں کا بھی ذکر کیا یعنی ایک بتوں کی ناپاکی اور دوسرے جھوٹ کی ناپاکی اسلئے کہ خانہ کعبہ توحید کا نشان ہو اور صدق توحید کیلئے تمام نیکیوں کی جڑ ہو گویا بتایا کہ حج کرتے ہو تو ہر قسم کی اندرونی ناپاکیوں سے بھی بچو اور انعام کا ذکر چونکہ حج میں آتا تھا اسلئے انکا بھی یہاں ذکر کیا ہو اور اسلئے بھی کہ چارپایوں کے ساتھ بہت سی مشرکانہ رسوم کو وابستہ کیا گیا تھا

سحق ۔ سحیق — ٢٢٢١ سحیق ۔ سَحْق کسی چیز کا باریک پیسنا ہو اور سُحْق کے معنی بُعد یعنی دوری ہیں فسحقا لاصحب السعیر (الملک ۔ ١١) اور سحیق کے معنی بعید ہیں (ل) +

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ ۳۳

یہ (مسئلہ) ہی اور جو کوئی اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرتا ہو تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہو ۲۲۲۲ تمہارے لئے ان میں ایک مقرر

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ۳۴

ع — قربانی کا اصل منشا

وقت تک فائدے ہیں پھر انکی آخری منزل آزاد گھر کیطرف ہو ۲۲۲۳ اور ہر قوم کیلئے ہم نے عبادت مقرر کی ہے

لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

تاکہ اللہ کا نام اس پر یاد کریں جو اس نے انہیں چارپائے جانوروں سے دیئے ہیں پس تمہارا معبود ایک ہی معبود

وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ ۳۵

ہی سو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی اختیار کرنیوالوں کو خوشخبری دو ۲۲۲۴ وہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے

شرک میں ذلت — اس میں شرک کا انجام بتایا گویا توحید سے انسان کا مقام بلند ہوتا ہی اور شرک کرکے وہ اپنے آپ کو نیچے گراتا ہی اور مشرک فی الواقع اپنے آپکو اس قدر ذلیل کرتا ہی کہ اس سے بڑھکر انسان کی ذلت نہیں ہو سکتی۔ اور خرّ من السمآء اس لئے فرمایا کہ فطرتاً توحید کو بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے پس شرک کو اختیار کرنا اس مقام بلند سے گرنا ہی اور پرندوں کے اُچک لیجانے کی تشبیہ خواہشات سفلی کے افکار کو پریشان کرنے سے ہی کیونکہ ایسے شخص کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا اور ہوا کے دور پھینک دینے سے مراد ضلالت میں اس قدر دور نکل جانا ہی کہ جس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں +

افعال حج کا مقصد — ۲۲۲۲ گو ہر عبادت کے ظاہری ارکان ہیں جیسے حج کے مگر ان تمام افعال کا مقصد بھی دل کی حالت کا بدلنا ہی اور دل میں تقویٰ پیدا کرنا اسلئے فرمایا کہ شعائر اللہ کی تعظیم سے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی عزت پیدا کرو۔ شعائر اللہ کیلئے دیکھو ۱۸۱ اس سے مراد تمام وہ امور ہیں جن میں انسان شرعاً مکلف کیا گیا ہی یعنی سب حدود و فرائض اور خصوصیت سے اعمال حج بھی ہو سکتے ہیں اور قربانیاں بھی۔

۲۲۲۳ مَحِلّ مصدر میمی ہی اور مَحِلُّ الدَّین کے معنی ہیں قرضہ کی اجل یعنی اس کا مقرر وقت (ل)، اور یا وقت نحر مراد ہی (ر)، اور فیہا میں قربانیوں کی طرف ہی اشارہ ہی جیسا کہ اگلے رکوع کے مضمون سے ظاہر ہی اور بعض نے کل اعمال حج مراد لیکر محلہا کے معنی لوگوں کا حالت

کل عبادتوں کا منتہی — احرام سے نکلنا لیا ہی اور کل حدود و فرائض کو مراد لیکر یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمام احکام دینی کی آخری منزل حج ہی کیونکہ حج میں اللہ تعالیٰ کی عاشقانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہی اور دیگر عبادات میں محض عبودیت کا رنگ ہی اور بیت عتیق کا لفظ شاید اسی طرف اشارہ کرنے کیلئے اختیار کیا کہ تمام تعلقات سے آزاد ہو کر انسان صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور چونکہ حج ہی اس رکوع کا مضمون ہی اور شعائر اللہ کے لفظ کو قربانیوں پر محدود کرنے کیلئے کوئی وجہ نہیں اس لئے یہ آخری معنی ہی اصل منشائے قرآنی معلوم ہوتا ہی اور اگر کیا بھی جائے تو بھی قربانیوں کے کرنے میں انسان کے اپنے حصۂ حیوانیت کو قربان کرنے کی طرف اشارہ ہی دیکھو اگلا نوٹ +

منسک — ۲۲۲۴ منسک دیکھو ۱۴۳ اصل اسکی یہی ہی کہ کل عبادات اور طاعات پر بولا جاتا ہی۔ اور لکھا ہی کہ یہاں اسکے معنی نحو یعنی قربانی ہیں مگر آیت ۶۷ میں جہاں یہی الفاظ ہیں لکل اُمۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ۔ سب عبادات اور طاعات ہی مراد ہیں اور یہاں بھی لفظ عام ہی ہیں اور لیذکروا میں نتیجہ ان عبادات کا بتایا ہی +

قربانی کا اصل مقصد — اس رکوع میں قربانی کا مضمون بیان کیا ہی اور اس کی ابتدا یوں کی ہی کہ ہر قوم کیلئے ہم نے عبادات مقرر کیں اور ان

وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا

تو انکے دل خوف محسوس کرتے ہیں اور اس پر صبر کرنیوالے جو انہیں (تکلیف) پہنچتی ہو اور نماز کے قایم کرنیوالے اور وہ،

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا ۳۶

اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہو خرچ کرتے ہیں [۲۲۲۵] اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نشانوں سے ٹھہرایا ہو تمہارے لئے ان میں

خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا

بھلائی ہو تو اللہ کا نام ان پر یاد کرو (جب وہ) قطار باندھے ہوئے (ہوں)، پھر جب وہ پہلو کے بل گر پڑیں تو ان سے کھاؤ

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور سوالی اور مصیبت زدہ کو کھلاؤ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا ہو تاکہ تم شکر کرو [۲۲۲۶]

عبادات کی اصل غرض یہ ہو کہ وہ اللہ کا نام چارپایوں پر یاد کریں بالفاظ دیگر قربانی کریں ایک جانور کی قربانی عبادت کی غرض کیونکر ہوسکتی ہو وہ خود اگلے الفاظ میں بتا دیا کہ ایک خدا کی ہی فرمانبرداری کرو۔ گویا اصل غرض یہ ہو کہ کل خواہشات حیوانی و سفلی کو اس معبود حقیقی کی فرمانبرداری کے سامنے قربان کر دیا جائے پس قربانی فی الحقیقت انہی خواہشات حیوانی کو قربان کرنے کا نام ہو اور اسی معنی میں یہ عبادت کی غرض ہو۔ اور بہیمۃ الانعام کی قربانی بھی اسی حقیقی قربانی کا ظاہری نشان ہو ظاہر ہو کہ انسان دو مختلف قسم کی خواہشات سے بنا ہوا ہو ایک اس کی حیوانی خواہشات ہیں جو اس سفلی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک ملکی خواہشات ہیں جو ان خواہشات حیوانی سے الگ اور ان سے بالاتر ہیں مثلاً اپنا آرام چاہنا یہ ایک ایسی خواہش ہو جو حیوانی زندگی سے تعلق رکھتی ہو انسان کا جسم آرام کا محتاج ہو اور اپنی حقیقی ترقی کیلئے یا دوسروں کی بھلائی کیلئے اپنے آپکو تکلیف میں ڈالنا یہ ایک ملکی خواہش ہو ایسا ہی ہر چیز کو اپنے قبضہ میں لانا یہ ایک حیوانی خواہش ہو اور دوسروں کے حقوق کی عزت کرنا یہ ایک ملکی خواہش ہو انسان کو جس قدر عبادات سکھائی گئی ہیں ان کی اصل غرض یہی ہو کہ حیوانی خواہشات کو ملکی خواہشات کے ماتحت کر دیا جائے بالفاظ دیگر ان کے سامنے قربانی کر دیا جائے یعنی انسان میں جو حصہ حیوانیت کا ہو اسے ملکی حصہ کے سامنے قربان کر دیا جائے یہی اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری ہو اور یہی وہ سبق ہو جو چارپایوں کی قربانی ہمیں سکھاتی ہو گویا حیوان کے ذبح کرنے میں مقصود یہ ہو کہ حصہ حیوانیت کو قربان کر دیا جائے اور اس کیلئے یہ ظاہری نشان ہو۔ اسی اصول کو قرآن کریم نے یہاں کھول کر بیان کیا ہو اور جس طرح حیوانات میں ایک اجل مسمی تک فوائد ہیں اسی طرح انسان کی حیوانی زندگی میں بھی ایک اجل مسمی تک فوائد ہیں جس کی طرف پچھلی آیت میں اشارہ بھی ہو اگلی آیات میں اور خود یہاں لفظ مخبتین میں اسی مضمون کی مزید تشریح ہو ❊

[۲۲۲۵] اس آیت میں پہلی آیت کے مضمون کی ہی مزید وضاحت ہو دل میں خوف الٰہی کا احساس ہونا۔ مصائب پر صبر کرنا۔ نماز کے ذریعہ اپنے نفس کی اصلاح کرنا اپنے مال اور اپنے قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں مخلوق خدا کی بھلائی میں لگا دینا یہی چیزیں ہیں جو انسان میں قربانی کی وہ روح پیدا کرتی ہیں جس سے اس کی خواہشات سفلی بکلی حالت اعتدال پر آجاتی ہیں ❊

[۲۲۲۶] بدن۔ بَدَن جسم کو کہتے ہیں اور یہ نام جثہ کی بڑائی کے لحاظ سے ہے جس طرح جَسَد اسکے رنگ کے لحاظ سے ہو فالیوم ننجیک ببدنک (یونس ۱۰- ۹۲) اور بَدُنَ کے معنی موٹا ہو گیا۔ اور بَدَنَۃٌ (جس کی جمع بُدْن ہو) قربانی کو اس کی موٹائی کے لحاظ

بُدْن

بَدَنَۃ

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ

انکے گوشت اللہ کو نہیں پہنچتے اور نہ انکے خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے اسی طرح

سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ ۳۸

۲۲۲۶

اس نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی کرو جو اس نے تمہیں ہدایت دی اور احسان کرنیوالوں کو خوشخبری دے

اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

اللہ ان لوگوں سے دشمنوں کو ہٹاتا ہے جو ایمان لائے ۔ کیونکہ اللہ کسی دغاباز ناشکر گزار کو پسند نہیں کرتا ۲۲۲۸

سے کہا جاتا ہے (غ)، اور اونٹ اور گائے کی قربانی پر ہی یہ لفظ بولا جاتا ہے یا صرف اونٹ پر (ل) +

صافّة صواف ۔ صافّة کی جمع ہے یعنی صف میں کھڑے ہوئے اور بعض نے اسکے معنی صافن کئے ہیں یعنی ایسی حالت میں کھڑے ہوئے کہ ان کی اگلی ٹانگ بندھی ہوئی ہو +

وجوب وجبت ۔ وُجوب کے معنی ثبوت یا ٹھہر جانا ہیں اور وجبت الشمس کے معنی ہیں غربت یعنی سورج غروب ہوگیا اسی معنی میں یہاں ہے یعنی گر جانے سے اس کا پہلو زمین سے لگ جائے +

قناعة ۔ قانع قانع ۔ قَنَاعَة تھوڑی ان چیزوں پر راضی ہو جانا ہے جن کا انسان محتاج ہو اور یہ قَنِعَ يَقْنَعُ سے ہے اور قَنَعَ (مصدر قُنُوع) کے معنی ہیں سوال کیا ۔ اور بعض کے نزدیک قانع وہ سوالی ہے جو الحاح نہیں کرتا اور جو مل جائے اس پر راضی ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک

قناع قانع قِنَاع سے ہے جس کے ساتھ سر ڈھانکا جاتا ہے گویا وہ ایسا محتاج ہے جو اپنی محتاجی کے اخفا کیلئے سر ڈھانک لیتا ہے (غ) +

معتر ۔ عرّ ۔ معترّة معتر وہ ہے جو سوال کیلئے آگے آنیوالا ہو اور عَرّا ور عُرّ خارش کو کہتے ہیں جو بدن میں عارض ہو جاتی ہے اور اسی سے تشبیہ کے لحاظ سے مَعَرَّة

قانع اور معتر میں فرق مضرت کو کہا جاتا ہے فتصیبکم منهم معرّة بغیر علم (الفتح ۔ ۲۵) (غ) بعض کے نزدیک قانع اور معتر میں فرق یہ ہے کہ قانع سوال کرنے والا ہے اور معتر وہ جو تمہارے پاس اپنی حاجت کیلئے آتا ہے خواہ سوال کرے یا نہ کرے (ل) اور بعض کے نزدیک قانع وہ ہے جو اس پر راضی ہو جو اسکے پاس ہے اور معتر وہ جو سوال کیلئے آگے آتا ہے (ل) اور ابن جبیر کا قول ہے کہ قانع اہل مکہ ہیں اور معتر سب لوگ (ل) +

اس آیت میں اونٹوں کی قربانیوں کو من شعائر اللہ کہکر صاف بتا دیا کہ وہ بطور نشان کے ہیں اور اصل مقصد انکی قربانی میں کچھ اور ہے جو اگلی آیت میں اور بھی صراحت سے مذکور ہے اور اونٹ کو ذبح کرنے کا طریق بھی اس میں بتا دیا +

نیل ۲۲۲۷ ینال ۔ نَیْل وہ چیز ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے لیتا ہے لن تنالوا البر (آل عمران ۔ ۹۱) ولا ینالون من عدو نیلا (التوبۃ ۔ ۱۲۰) (غ)، اور اللہ کا ہاتھ اس کی قدرت اور طاقت ہے +

غرض قربانی تقویٰ کا پیدا کرنا ہے یہاں صفائی سے بیان کر دیا کہ قربانی کی غرض اس کا گوشت نہیں جو کھایا جاتا ہے نہ اس کا خون ہے جو گرایا جاتا ہے نہ تو خون کے گرانے کا نام قربانی ہے اور نہ گوشت غربا کو کھلانے کا نام بلکہ قربانی حقیقت میں وہ تقویٰ ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اور لحوم اور دماء کا ذکر اس لئے کیا کہ خون چھڑکنے اور گوشت پھیلانے کی رسم اہل جاہلیت میں بھی پائی جاتی تھی اور اور اقوام میں بھی پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلق قلوب سے ہے نہ اجسام سے +

قربانی اور جنگ ۲۲۲۸ یدافع دیکھو ۳۲۲ اس آیت میں صاف جنگ کا مضمون شروع کر دیا ہے جو اگلے رکوع کا مضمون ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام جسکے آخر پر ہے ومن یرد فیہ بالحاد بظلم

ع ۶ الثالثة ۱۳ — جنگ اور اس کی ضرورت

۳۹ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا　اور اللہ یقیناً انکی مدد پر قادر ہے ۲۲۲۹

۴۰ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ

وہ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی صحیح وجہ کے نکالے گئے سوائے اسکے　کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادتگاہیں

وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ

اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں ۲۲۳۰ اور ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے

نذاقه من عذاب الیم (۲۵) گویا وہ عذاب الیم آنحضرت صلعم کے دشمنوں پر جنگوں کے رنگ میں آنیوالا تھا اور قربانی اور جنگ میں یوں تعلق بھی بتا دیا گویا اگر تم میں قربانی کی روح پیدا ہو گئی ہو تو پھر تم اس قابل بھی ہو کہ حق کی خاطر جنگ کرو۔ اور یہاں گو اللہ تعالیٰ نے مدافعت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے مگر مطلب یہ نہیں کہ تم خاموش ہو کر بیٹھے رہو بلکہ بتایا یہ ہے کہ اب تمہیں جنگ کیلئے تیار ہو جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح دشمن کو دور کرتا ہے یہ بھی خود ہی آگے بتا دیا ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض (۴۰)۔ ✦

۲۲۲۹ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارہ میں نازل ہوئی (ث)۔ بعض روایات میں ہے کہ جب نبی کریم صلعم کو کفار نے مکہ سے نکال دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ ہلاک ہو جائینگے تب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ ضرور لڑائی ہوگی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہجرت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی یا ہجرت میں یا اس سے کچھ پہلے کیونکہ گو نبی کریم صلعم ویسے نکلے مگر صحابہ سب پہلے ہجرت کر چکے تھے۔ ...... اور یہ جو فرمایا کہ ان اللہ علی نصرهم لقدیر تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سوائے جنگ کے دوسری طرح پر بھی مدد کر سکتا تھا بلکہ یہ مطلب ہے کہ باوجود اس قدر قلیل تعداد میں ہونے کے انہیں جنگ کی اجازت دیجاتی ہے تو یہ ہلاک نہیں ہونگے اس لئے کہ ان کا مددگار اللہ ہے ✦

هدم ـ تهديم

۲۲۳۰ هدّمت ـ هَدْم عمارت کا گرانا ہے اور تَهْدِيم میں کثرت پائی جاتی ہے (غ)۔ ✦

صومعة

صوامع ـ صَوْمَعَة کی جمع ہے اور وہ ایسی کوٹھری ہے جو اوپر سے تنگ ہو۔ کیونکہ اَصْمَع اس شخص کو کہتے ہیں جس کے کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے سر سے ملے ہوئے ہوں (غ)، اور صَوْمَعَة راہب کی کوٹھری کو کہتے ہیں (ل)۔ ✦

بيعة

بیع ـ بِيْعَة کی جمع ہے جو نصاریٰ کے عبادتگاہ پر بولا جاتا ہے اور بعض نے اسے یہود کی عبادتگاہ کہا ہے (ل)۔ ✦

صلوة

صلوات ـ صلوٰۃ کی جمع ہے مسجد پر بھی بولا گیا ہے اور یہود کی عبادتگاہ کو بھی کہتے ہیں دیکھو ۶۶۳ اور اس کے اصل معنی عام عبادتگاہ ہی ہیں خواہ کسی مذہب کی ہو۔ کیونکہ جب نصاریٰ کے راہبوں کی کوٹھریوں تک کا اور انکے گرجاؤں کا ذکر کر دیا اور یہی آنحضرت سے پہلے آخری مذہب تھا تو اب علیحدہ علیحدہ مذاہب کا نام لینے کی بجائے ایسا لفظ بولدیا جو ہر عبادتگاہ پر صادق آتا ہے۔

اسلامی جنگوں کی غرض

یہاں نہایت صفائی سے اسلامی جنگ کی غرض صرف مساجد کو بچانا نہیں بلکہ ہر قوم کی عبادتگاہوں کو بچانا بتائی ہے یہانتک کہ عبادتگاہوں کو چھوڑ کر عبادت کرنیوالوں کی کوٹھڑیوں کو بھی حفاظت میں شامل کیا اور صحابہ کی جنگوں میں بھی اس بات کو

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا ۴۱

وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قایم کرینگے اور زکوٰۃ دینگے اور اچھی باتوں کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ۴۲

حکم کرینگے اور بری باتوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہی ہے ۲۲۳۱ اور اگر تجھے جھٹلاتے ہیں

فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ ۴۳

تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود نے جھٹلایا اور ابراہیم کی قوم اور

قَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ ۴۴

لوط کی قوم نے اور مدین کے رہنے والوں نے اور موسیٰ (بھی) جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر

اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۴۵

انہیں پکڑا پس میرا انکار (ان پر) کیسا تھا ۲۲۳۲ سو کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا

مد نظر رکھا جاتا تھا کہ کسی راہب کی کوٹھڑی کو اور کسی عبادتگاہ کو نقصان نہ پہنچے بلکہ بعض معاہدات کی رو سے گرجا گھروں کی حفاظت اور مرمت کا انتظام بھی بیت المال کے ذمے تھا پس اسلام کی جنگ مذہبی آزادی کیلئے تھی نہ صرف مسلمانوں کی آزادی کیلئے۔ یہ اسلام کا کمال ہے کہ نہ صرف سب مذاہب کی اصلیت کو خدا کی طرف سے مانا اور تمام انبیاء پر ایمان لانا اصول ایمان میں داخل کر دیا بلکہ دوسرے مذاہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کو بھی مسلمانوں کے فرایض میں داخل کر دیا اور پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ کس قدر پر زور الفاظ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ چند منتشر مسلمان جو نزول آیت کے وقت اپنی جانیں بچانے کیلئے بھاگ گئے تھے اور جن کی جمعیت کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا ان کی تائید میں خدا کا ہاتھ ہوگا اور وہ غالب آئینگے اور اس قابل ہونگے۔

۲۲۳۱ مکہ کے آخری ایام کی یہ سورت ہے مسلمان کچھ حبش میں ہیں کچھ مدینہ میں آنحضرت صلعم کو خود مکہ چھوڑنا پڑا ہے۔ کافر اپنی کامیابی پر خوش ہیں۔ اور ادھر حکومت اور بادشاہت کی خبر ہی نہیں دی جاتی بلکہ اتنی وسیع حکومت کی خبر دیجاتی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی مسلمانوں کے ماتحت آجائینگے اور پھر ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کی جاتی ہے کہ حاکم اور بادشاہ ہو کر یہ لوگ کیا نمونہ دکھائینگے۔ یہ تمام باتیں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتیں جس طرح یہ بات بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی کہ کسی قوم نے سوائے مسلمانوں کے حکومت پاکر نیکی کا دنیا میں پھیلانا اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھا ہو یا فی الواقع فتوحات کے نشہ میں اور انتظام ملکی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پیروی کی ہو۔

نکیر۔ انکار

۲۲۳۲ نکیر۔ نکیر اور انکار کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ضد عرفان ہے دیکھو ۱۴۸۱ اور نکرت عل ملاتہ اور ما نکرت کے معنی ہیں اسکے ساتھ ایسا معاملہ کیا جو اسے روک دے (رغ)، اور نکیر اس انکار کا نام ہے جس کے معنی تغیر ہیں یعنی خوشی کی حالت سے ایسی حالت کی طرف تبدیل کر دینا جو تمہیں ناپسند ہو دل۔ اور منکر وہ فعل ہے جسے عقل صحیح قبیح ٹھہرائے یا اگر عقل صحیح اسکے قبح یا حسن کا حکم نہ لگا سکے تو شریعت اسکے قبح کا حکم لگائے اور تنکیر کے معنی ہیں ایسا کر دینا کہ پہچانا نہ جا سکے نکروا لہا عرشہا (النمل ۲۷ : ۴۱)، (رغ)۔

تنکیر۔

یہاں جن اقوام کی تکذیب کا ذکر کیا وہ تاریخی ترتیب سے وار بتایا ہے کہ جب انہوں نے حق کو قبول نہ کیا اور دنیوی زندگی

وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ۝

اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں سو وہ خالی ہیں انکی عمارتیں گری ہوئی اور کتنے ہی بیکار کنوئیں اور مضبوط محل ویران ہیں ۲۲۳۳

۴۶ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ

تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں تاان کے لئے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے یا کان ہوتے

يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي

جن سے وہ سنتے کیونکہ وہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو

۴۷ الصُّدُورِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ

سینوں میں ہیں ۲۲۳۴ اور تجھ سے عذاب جلد مانگتے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کا خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور ایک

۴۸ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا

دن تمہارے رب کے نزدیک ایک ہزار سال کی طرح ہے جیسے تم گنتے ہو ۲۲۳۵ اور کتنی بستیاں ہیں جنھیں میں نے مہلت دی

۴۹ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ

ع ۶ — اصلۂ حق اور انجام

اور وہ ظالم تھیں پھر میں نے انہیں پکڑا اور میری طرف ہی انجام کار آنا ہے کہو اے لوگو میں صرف تمہارے لئے کھلم کھلا ڈرانے

۵۰ مُّبِينٌ ۝ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

والا ہوں پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں انکے لئے حفاظت اور عزت والا رزق ہے

پر بھی پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انکی اس آرام کی حالت کو دکھ کی حالت میں تبدیل کر دیا +

بئر۔ تعطیل

۲۲۳۳ بئر معطلۃ ۔ بئر کے معنی کنواں ہیں اور مُعَطَّلَة عَطَلَ سے ہے جس کے معنی ہیں زینت یا شغل کا جاتے رہنا اور تعطیل زینت اور عمل سے فارغ کر دینا ہے (غ) بئر اور قصر قریۃ پر عطف ہیں +

۲۲۳۴ یعنی زمین میں چلنے پھرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ غور کرتے کہ کس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں اور آخر میں تباہ ہو گئیں آنکھوں سے تو انسان بہتیرا کچھ دیکھتا ہے مگر غور نہ کرنے سے ہی نقصان اٹھاتا ہے یعنی جب اس کی ہلاکت آتی ہے تو اس کی وجہ آنکھوں کا اندھا ہونا نہیں ہوتی بلکہ دل اندھا ہو جاتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صم بکم عمی میں یا من کان فی ھذہ اعمی وغیرہ میں آنکھوں کا اندھا پن مراد نہیں بلکہ دل کا اندھا پن مراد ہے +

۲۲۳۵ اللہ کے نزدیک ایک دن کے ہزار سال کے برابر ہونے کا ذکر صرف اسلئے نہیں کیا کہ جسے تم بہت وقت سمجھتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھوڑا سا ہوتا ہے بلکہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ بعض قوموں کو ایک ایک ہزار سال تک کی مہلت بھی دیدیتا ہے اور دوسری جگہ صاف طور پر اسلام کی ترقی کے ایک ہزار سال تک نزول کا ذکر ہے ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون (السجدۃ ۳۲:۵) +

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ ۵۱ ۵۲

اور جو ہماری آیتوں کی مخالفت میں کوشش کرتے ہیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ عاجز کر دینگے وہی دوزخ والے ہیں [۲۲۳۶] اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی

قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ

رسول نہیں بھیجا اور نہ نبی مگر جب اس نے آرزو کی شیطان نے اس کی آرزو کے بارہ میں وسوسہ اندازی کی

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

پس اللہ مٹا دیتا ہے جو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے [۲۲۳۷]

معاجز — [۲۲۳۶] معاجزین عجز کیلئے دیکھو [۱۰۱۵] اور اَعْجَزَتْ عَجَّزَتْ عَاجَزَتْ سب کے ایک ہی معنی ہیں اسے عاجز کیا۔ گو معاجزین کے معنی یہاں لئے گئے ہیں ظانّین ومقدّرین انہم یعجزوننا یعنی یہ خیال کرتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دینگے (غ)۔

تمنی — [۲۲۳۷] تمنی تَمَنّی کے معنی کسی چیز کا نفس میں اندازہ کرنا اور اس کی صورت بنانا ہیں مگر اور یہ کبھی محض تخمینہ اور اندازہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی بنا اصلیت پر ہوتی ہے (غ)۔

قصہ غرانیق اور اس کی بے بنیادی — اس آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے ایک جھوٹا قصہ لکھ دیا ہے جس کی کوئی صحیح سند نہیں ابن کثیر لکھتے ہیں ذکر کثیر من المفسرین ھھنا قصۃ الغرانیق ...... ولکنہا من طرق کلہا مرسلۃ ولم ارھا مسندۃ من وجہ صحیح یعنی بہت سے مفسرین نے یہاں غرانیق کا قصہ لکھ دیا ہے ...... لیکن یہ سب روایات مرسل ہیں اور میں نے کسی وجہ صحیح سے اس کی سند کو رسول اللہ صلعم تک نہیں پایا اور غرانیق کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سورۂ نجم پڑھتے وقت جب یہاں پہنچے افرایتم اللات والعزّٰی ومناۃ الثالثۃ الاخرٰی تو بجائے الکم الذکر ولہ الانثی تلک اذا قسمۃ ضیزٰی کے جو الفاظ قرآنی ہیں یوں پڑھ دیا تلک الغرانیق العلٰی وان شفاعتھن لترتجٰی یعنی یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اس قصہ پر بحث تو سورۂ نجم میں ہی ہوگی یہاں اس قدر ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس قصہ کو سورۂ حج کی اس آیت سے ملانا واقعات تاریخی کی پوری لاعلمی کا ثبوت دینا ہے۔ سورۂ نجم ابتدائی زمانہ کی سورت ہے اور ہجرت حبش کے ابتدائی ایام کی ہے یعنی پانچویں سال بعثت کی۔ اور سورۂ حج اس قدر پچھلے زمانہ کی ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسے مدنی قرار دیا ہے اور اصل یہ ہے کہ یہ مکہ کے آخری ایام کی ہے جس پر کافی اندرونی شہادت موجود ہے اب ان دونوں سورتوں میں آٹھ سال کا فرق بنتا ہے گویا تو وہ تلک الغرانیق العلٰی آٹھ سال تک پڑھا جاتا رہا جس کی غلط روایات خود ہی تردید کرتی ہیں اور پھر کفار کی ایذا رسانی اور شعب میں محصور کرنا وغیرہ سب ذہنی قصے ہونے چاہئیں اور یا اس آیت کا کوئی تعلق سورۂ نجم کی اس آیت سے نہیں اور یہی لازماً ماننا پڑے گا۔

نبی کی وحی میں شیطان القا نہیں کرتا — اگر سیاق و سباق پر غور کیا جائے تو خود معلوم ہو جائیگا کہ جو معنی اس آیت کے عام طور پر سمجھے گئے ہیں وہ ہرگز مراد نہیں ان آیات سے پہلے بھی مخالفت حق کرنے والوں اور ان کی سزا کا ذکر ہے وکاین من قریۃ املیت لہا وھی ظالمۃ ثم اخذتہا (۴۸) اور پیچھے بھی یہی ذکر ہے حتی تاتیہم الساعۃ بغتۃ او یاتیہم عذاب یوم عقیم (۵۵) اور اس مسلسل مضمون کے درمیان ایک بالکل غیر متعلق واقعہ کا آ جانا جس کا اس مضمون سے ادنیٰ تعلق بھی نہیں دکھایا جا سکتا کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا یہاں ذکر نبی کی مخالفت کا ہے اور یہی ذکر پہلے اور پیچھے ہے۔

۵۳ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ

تاکہ وہ اسے جو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے ان لوگوں کیلئے آزمائش کا موجب بنائے جنکے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بلاشبہ ظالم پرلے درجہ کی مخالفت میں ہیں

خود الفاظ آیت کو لو تو بھی صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے اصل غلطی صرف لفظ تمنیٰ کے استعمال سے لگتی ہے جو اس میں شک نہیں کہ اکثر جھوٹی آرزوؤں کیلئے بولا گیا ہے مگر جیسا کہ امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے اس کا استعمال ایسی خواہش اور ایسے اندازہ پر بھی ہوتا ہے جس کی بنا اصلیت پر ہو پس نیک آرزو اور نیک خواہش بھی امنیۃ ہے اور یہاں وہی مراد ہے اور غلط آرزو ہرگز مراد نہیں اور الفاظ فی امنیتہ خود اس قصہ کی غلطی کو ظاہر کرتے ہیں اسلئے کہ قصہ تو یہ ہے کہ شیطان نے وحی میں دخل دیکر وحی کو بدل دیا۔ اور الفاظ قرآنی میں یہ نہیں کہ القی الشیطن فی وحیہ بلکہ فی امنیتہ ہے اور اس کے معنی صرف اسی قدر ہیں کہ نبی کی نیک آرزو کے بارہ میں شیطان لوگوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا رہتا ہے نہ یہ کہ وہ نبی کی وحی میں کچھ ڈالتا رہتا ہے پھر الفاظ کے حصر کو دیکھو۔ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں بھیجا کہ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا ہو۔ تو کیا حضرت عیسیٰ کی وحی میں بھی شیطان نے القا کر دیا تھا؟ غالبًا اس سوال کا جواب رسول کریم سے بڑھکر حضرت عیسیٰ سے محبت رکھنے والے مسلمان کبھی اثبات میں نہ دینگے۔ پھر سب کو چھوڑو ایک بھی نبی کا ذکر قرآن شریف میں نہیں جس کی وحی میں القائے شیطان کا ذکر آیا ہو حالانکہ دوسرے معاملات میں جہاں ایسا حصر کیا ہے اسکی مثالیں بھی دی ہیں مثلاً جب یہ فرمایا کہ سب نبیوں سے استہزا ہوا سب نبیوں کی تکذیب ہوئی تو ایک ایک نبی کا ذکر کرکے اس کی تکذیب کا ذکر بھی کر دیا۔ پھر کیا یہ جائے تعجب نہیں کہ حصر تو یہ کیا جائے کہ کوئی نبی اور رسول ایسا ہوا ہی نہیں جس کی وحی میں شیطان نے القاء نہ کیا ہو اور ایک نبی کی بھی مثال پیش نہ کی جائے کہ اس کی وحی میں شیطان نے یوں القاء کر دیا تھا پھر نتیجہ اس کا بتایا ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق تو کیا صاحب علم لوگوں کو اسکے حق ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا جبتک کہ شیطان وحی میں القا نہ کرے کیسی بدیہی البطلان بات ہے

آیت کے معنی صاف ہیں اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا والذین سعوا فی اٰیاتنا معاجزین یعنی ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے ہیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ خدا کو عاجز کر دینگے تو اب فرمایا کہ یہ مخالفت کچھ تمہارے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ سب انبیاء و رسل کے ساتھ ایسا ہی ہوا یعنی جب کسی نے خدا کے نام کو دنیا میں پھیلانا چاہا اور نیکی کے پھیلانے کی آرزو کی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی شروع کی کہ اس کی مخالفت کرو۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ وحی نبی میں شیطان کا القا۔ ایک ایسا امر ہے جس کی تردید قرآن شریف کا لفظ لفظ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربہم (الجن ۷۲ - ۲۷ و ۲۸) یعنی وحی کے آگے پیچھے اللہ تعالیٰ پہرہ لگا دیتا ہے تاکہ جان لے کہ ان کے رب کا صحیح پیغام پہنچا دیا گیا ہے اور ہمارے مفسرین قصہ گھڑتے ہیں کہ خدائی پہرہ پر شیطان غالب آجاتا ہے پھر وہ فرماتا ہے کہ شیطان کا میرے بندوں پر کچھ تسلط نہیں اور اس لغو قصہ سے یہ اصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ انبیاء پر بھی شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے۔ یہاں تو ذکر نہیں کہ شیطان کس کی طرف القا کرتا ہے مگر قرآن کریم نے دوسری جگہ خود بتا دیا کہ شیطانوں کا القا شیطانوں یا ان کے متبعین کیطرف ہی ہوتا ہے ان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم (الانعام ۶ - ۱۲۲) اور درحقیقت اس آیت کی تفسیر اس دوسری آیت سے ہوتی ہے وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غرورا (الانعام ۶ - ۱۱۳) ہر نبی کے لئے ہم نے شیطان انسان اور جن دشمن بنائے ہیں جو ایک دوسرے کے دل میں باتیں دھوکا دینے کیلئے ڈالتے رہتے ہیں پس یہی مراد یہاں ہے

شیطان کا القاء شیاطین کیطرف ہی ہوتا ہے

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۵۴

اور تاکہ وہ جنہیں علم دیا گیا ہو جان لیں کہ وہ تیرے رب کیطرف سے حق ہو پس وہ اس پر ایمان لائیں پس انکے دل اس کیلئے نرم ہو جائیں

وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۵۵

اور یقیناً اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے سیدھے رستہ کیطرف ہدایت کرنیوالا ہو ۔ اور جو کافر ہیں وہ اس کے بارے میں

فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝

شک میں ہی رہینگے یہاں تک کہ وہ گھڑی ان پر اچانک آجائے یا انپر تباہ کرنیوالے دن کا عذاب آجائے ۲۲۳۸

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ ۵۶

بادشاہت اس دن اللہ کیلئے ہی ہوگی وہ انکے درمیان فیصلہ کریگا پس جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وہ نعمت کے باغوں

النَّعِيمِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ ۵۷

میں ہونگے ۔ اور جو کافر ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ۔ تو ان کیلئے ذلیل کرنیوالا عذاب ہو

نبی کی آرزو کو باطل کرنے کیلئے شیطان اپنے اولیاء کے دلوں میں طرح طرح کی باتیں مخالفت کی ڈالتا رہتا ہو مگر اللہ تعالی ان تمام باتوں کو منسوخ کر دیتا ہو اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیتا ہو یعنی حق کو قایم کر دیتا ہو ہاں یہ شیطان کی مخالفت کمزوروں اور سخت دلوں کیلئے موجب فتنہ ہو جاتی ہو کیونکہ مخالفت کی وجہ سے مومنوں کو زور لگانا پڑتا ہو اور کمزور دل چاہتے ہیں کہ سکھ ہی سکھ ہو ایسا ہی سخت دل لوگ بھی چونکہ حق کی آخری کامیابی پر ایمان لا ہی نہیں سکتے اس لئے ان کیلئے بھی یہ مخالفت موجب فتنہ ہو جاتی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں صاف فرمایا اور اہل علم کیلئے یہی مخالفت ازدیاد ایمان کا موجب ہو جاتی ہو جس کا ذکر اگلی سے اگلی آیت میں ہے اور اسی کے مطابق دوسری جگہ ہو ولما را المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله (الاحزاب ۲۲ ۳۳)

۲۲۳۸ عقیم عُقم وہ یبس ہو جو اثر قبول نہ کرنے دے چنانچہ داء عُقام وہ بیماری ہو جو علاج قبول نہ کرے اور وہ عورت عقیم کہلاتی ہے جو نطفہ کو قبول نہ کرے عجوز عقیم (الذاریات ۵۱ ۔ ۲۹) اور الریح العقیم (الذاریات ۵۱ ۔ ۴۱) وہ طرح پر ہو سکتی ہے یعنی فاعل کے معنی میں جو بادل کو اور درخت کو نہ اٹھائے اور نہیں کرتی یا بمعنی مفعول جو خود اچھا اثر قبول نہیں کرتی اور یوم عقیم وہ دن ہے جس میں خوشی کوئی نہ ہو (غ) ، اور بعض نے یوم عقیم سے مراد جنگ کا دن لیا ہے ۔ اس لئے کہ اس دن ان کی اولاد قتل ہو جاتی ہے (ر) ۔

عقیم

یہاں ساعۃ اور عذاب کو الگ الگ کرکے صاف بتا دیا کہ دونوں سے مراد اس دنیا کا عذاب ہو ۔ ساعۃ سے مراد ان کی ہلاکت کی گھڑی ہو اور عذاب اس سے کمتر ۔

ع ۷ / ۱۵
مومن کامیاب ہونگے

۵۸ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا

اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل ہو گئے یا مر گئے اللہ انہیں اچھا رزق،

۵۹ حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ

دے گا اور اللہ یقیناً بہترین رزق دینے والا ہے ۲۲۳۹ وہ ضرور انہیں ایسی جگہ میں داخل کریگا جسے وہ پسند کرینگے اور اللہ یقیناً

۶۰ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ○ ذَٰلِكَ ۖ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

جاننے والا بردبار ہے یہ (اسیطرح ہوگا) اور جو اس کی مثل سزا دے جو اسے ایذا دی گئی اور اس پر زیادتی ہوئی ہو اللہ ضرور اس کی مدد

۶۱ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ

کرے گا یقیناً اللہ معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے ۲۲۴۰ یہ اسلئے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات

۶۲ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ

میں داخل کرتا ہے اور کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے یہ اسلئے کہ اللہ ہی حق ہے اور کہ جو کچھ

مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ○

اسکے سوائے پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور کہ اللہ بلند شان والا بڑا ہے ۲۲۴۱

۲۲۳۹ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت شروع ہو چکی تھی اور رزق حسن سے مراد یہاں وہ رزق ہے جو انہیں حیات ابدی کا مستحق ٹھہراتا ہے یعنی تسلی دی کہ ہجرت کرکے اگر قتل بھی ہو جائے یا مر بھی جائے تاہم عند اللہ وہ ثواب کا مستحق ہے۔

۲۲۴۰ عاقب یا عقاب کا اصل مفہوم تو بدی کے پیچھے اس کی سزا کا لانا ہی ہے مگر یہاں عوقب ابتدائی ایذا رسانی پر بولا گیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ گو اس کی تکلیف کسی اس کے قصور کا نتیجہ نہ تھی ثم بغی علیہ بڑھا دیا ہے یعنی اس پر زیادتی ہوئی۔ اور ثم یہاں ترتیب کے لیے نہیں بلکہ ایک اور امر کے اظہار کے لئے ہے دیکھو ۱۲۲۲ ومن عاقب میں جہاں صاف طور پر کفار کو سزا دینے کا ذکر ہے یہ بتا دیا کہ مسلمانوں کو حکومت اور غلبہ ملے گا اور وہ اپنے دکھ دینے والوں کو سزا دینے پر قادر ہوں گے اور اللہ انکی تائید کرے گا۔ اور مسلمانوں کے غلبہ اور حکومت کی طرف ہی اگلی آیت میں بھی رات اور دن کے ایک دوسرے میں داخل کرنے میں اشارہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء کے مقابل پر بھی تولج الیل فی النہار وتولج النہار فی الیل (آل عمران ۳۔ ۲۶) فرمایا ہے اور آیت کے آخر پر اللہ تعالیٰ کی صفات عفو و غفر لانے سے یہ منشا ہے کہ اگر اتنی سزا بھی دو تو وہ بھی بہتر ہے کیونکہ اللہ جو تمہارا رب ہے وہ عفو و غفر کرنے والا ہے اور یہی سچ ہے کہ نبی کریم صلعم نے ہرگز اتنی سزا نہیں دی جتنا دکھ آپ کو اور آپکے ساتھیوں کو دیا گیا تھا۔

۲۲۴۱ پس اللہ کا نام لینے والے بھی ضرور دنیا میں کامیاب ہونگے اسلئے کہ حق قائم رہتا ہے اور باطل نابود ہو جاتا ہے۔

۶۳ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کیا تونے غور نہیں کیا کہ اللہ بادل سے پانی اتارتا ہو تو زمین سرسبز ہو جاتی ہو اللہ بیشک

۶۴ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ۚ‏ ۞ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِىُّ

باتوں کا جاننے والا خبردار ہو اسی کا ہو جو کچھ آسمانوں میں ہو اور جو کچھ زمین میں ہو اور بلاشبہ اللہ بے نیاز تعریف

۶۵ الۡحَمِيۡدُ ۞ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ وَالۡفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ

کیا گیا ہو کیا تونے غور نہیں کیا کہ اللہ نے جو کچھ زمین میں ہو تمہارے کام میں لگا رکھا ہو اور کشتی کو بھی جو اسکے حکم سے سمندر میں

رکوع ۱۹

دلائل توحید اور شرک پر دلیل کا نہ ہونا

بِاَمۡرِهٖ ؕ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

چلتی ہو اور وہ مینہ کو روکتا ہو کہ سوائے اس کی اجازت کے زمین پر پڑے یقیناً اللہ لوگوں پر

۶۶ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۞ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ‌ ؕ

مہربان رحم کرنیوالا ہے ۲۲۲۲ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں ماریگا پھر تمہیں زندہ کریگا

وُقُوع ۔ واقعة

۲۲۲۲ تقع ۔ وُقُوع کسی چیز کا ٹھہرے رہنا اور اس کا گرنا ہو اور واقعة صرف سختی اور ناپسندیدگی کے موقعہ پر بولا جاتا ہو اور قرآن شریف میں وَقَعَ کا لفظ اکثر عذاب اور سختیوں کے موقعہ پر ہی آیا ہو اذا وقعت الواقعة لیس لوقعتها کاذبة (الواقعہ ۵۶ - ۱-۲) فیومئذٍ وقعت الواقعة (الحاقة ۶۹ - ۱۵) اور قول کا وُقُوع یہ ہو کہ جس بات پر وہ شامل ہو وہ حاصل ہو جائے ووقع القول علیهم بما ظلموا (النمل ۲۷ - ۸۵) کے معنی ہیں کہ عذاب جس کا انہیں وعدہ دیا گیا تھا وہ واجب ہو گیا اذا وقع القول علیهم (النمل ۲۷ - ۸۲) اور فقد وقع اجرہ علی اللہ (النساء ۴ - ۱۰۰) میں بھی مراد اسی کا واجب ہونا ہو اور وَقَعَ الطَّيْرُ سقط کیطرح ہے یعنی اتر پڑی وغیرہ اور سماء کیلئے دیکھو ۲۹۵ اور سماء کیلئے دیکھو ۳۱ ۔

سماء کا زمین پر گرنا

سماء کے معنی آسمان بلندی بارش بادل ہیں دیکھو ۳۱ پس سماء کے گرنے سے مراد یا آسمان کا گرنا ہو سکتا ہو یا مینہ کا پڑنا یہ بھی صحیح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہو رفع السمٰوات بغیر عمد ترونها (الرعد ۱۳ - ۲) اور ان اللہ یمسک السمٰوات والارض ان تزولا (فاطر ۳۵ - ۴۱) مگر یہاں منشا یہ معلوم نہیں ہوتا اور اس پر الا باذنه بڑا بھاری قرینہ ہو جو بتاتا ہو کہ جب اللہ کا اذن ہوتا ہو تو وہ سماء گرتا بھی رہتا ہو اور ظاہر ہو کہ آسمان کبھی زمین پر نہیں گرا اور یہ خیال کہ اس میں اشارہ قیامت کیطرف ہو اسلئے درست نہیں کہ قیامت میں آسمانوں کے انفطار انشقاق وغیرہ کا ذکر تو ہو مگر آسمان کے زمین پر گرنے کا کہیں ذکر نہیں جیسا کہ روح المعانی میں بھی تسلیم کیا ہو پس یہاں سماء سے مراد مینہ ہو۔ اور جیسا کہ امام راغب نے قول نقل کیا ہو سماء کا لفظ بارش پر بالخصوص اس وقت تک بولا جاتا ہو مالم یقع علی الارض جبتک وہ زمین پر نہ گرے اور اللہ تعالیٰ کا مینہ کو روکنا کہ سوائے اس کی اجازت کے زمین پر نہ پڑے درحقیقت عظیم الشان اسباب رحمت الٰہی سے ہو نہ صرف اسلئے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے نہ روکے اور اندازہ سے نہ اتارے تو وہی مینہ بجائے رحمت کے تباہی کا موجب ہو جاتا ہو بلکہ اس لئے بھی کہ اسکے روکنے سے ہی وہ مختلف قطعات زمین پر پہنچتا ہو ورنہ سمندر سے اٹھکر سمندر پر برس جائے یہ اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر

٦٧ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ۝ لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا

یقیناً انسان ناشکرا ہے ہر ایک قوم کیلئے ہم نے عبادت کا طریق مقرر کیا جس پر وہ چلتے ہیں پس تجھ سے

٦٨ يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَإِن

اس امر میں تنازع نہ کریں اور تو اپنے رب کیطرف بلا یقیناً تو سیدھے رستے پر ہے[٢٢٤٣] اور اگر

٦٩ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

تجھ سے جھگڑا کریں تو کہدے اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن ان باتوں

٧٠ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

کا فیصلہ کریگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔

٧١ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ

یہ (سب) کتاب میں ہے یہ اللہ پر آسان ہے اور اللہ کے سوائے اس کی عبادت

اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ۝

کرتے ہیں جس کی اس نے کوئی مضبوط دلیل نہیں اتاری اور جس کا انہیں کوئی علم نہیں اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں[٢٢٤٤]

مہربانی اور رحمت ہے کہ کہاں سے اٹھا کر کہاں لاکر اسے برسنے کی اجازت دیتا ہے سیاق مضمون بھی اسی معنی کو چاہتا ہے اور یہاں ان باتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ توحید پر یہ بھی دلائل ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے نہ دوسرے معبودوں نے ۔

حقانیت توحید پر دلیل

٢٢٤٣ منسک کے معنی عبادت یا عبادت کا طریق ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو ہی تمام جسمانی بہرہ ور کیا ہے اسی طرح اپنی عبادت کا طریق بھی سب قوموں کو بتایا جس طرح زمین سب کیلئے ہے بارش سب کے لئے ہے اسی طرح طریق عبادت الٰہی بھی سب قوموں کو بتایا اور یہ مذہب توحید کی حقانیت پر کھلی دلیل ہے کیونکہ مختلف قوموں اور مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریق سکھانے والے لوگ پیدا ہوتے ہیں اسلئے الامر یعنی دین کے معاملہ میں جھگڑے کا سلسلہ اور مطلب یہ ہے کہ تم انکے جھگڑے کی پرواہ نہ کرو اور دعوت الی اللہ میں لگے رہو ۔

شرک پر کوئی دلیل نہیں

٢٢٤٤ یعنی توحید الٰہی پر تو ساری دنیا گواہ ہے باوجود ایک خدا کو چھوڑ کر کوئی مسیح کو خدا بناتا ہے کوئی اہرمن کو کوئی بتوں کو حالانکہ ان میں سے کسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی کیونکہ کسی نبی پر یہ تعلیم نہیں اتری پھر ان کے پاس اس کی کوئی علمی دلیل بھی نہیں ۔ اور آخری بات یہ ہے کہ مدد اللہ کی مدد جس پر انہیں بھروسہ ہے وہ بھی انہیں نہیں ملے گی یعنی عملی طور پر بھی کوئی ثبوت اس کا نہیں ۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۖ يَكَادُونَ ۷۲

اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو تو انکے چہروں میں جو کافر ہیں انکار دیکھے گا قریب ہے کہ ان پر

يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ

حملہ کریں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں کہہ کیا میں تمہیں اس سے بدتر چیز کی خبر دوں۔ (وہ) آگ ہے

رکوع ۱۰ — کامیابی کی بشارت

وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ ۷۳

اللہ نے اس کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کافر ہیں اور پھر جانے کی بری جگہ ہے ۲۲۴۵ اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے

فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ

سو اسے سن رکھو وہ جنہیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے گو وہ سب اسکے لئے

اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ

اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے ۲۲۴۶ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا ۷۴ ۷۵

انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جس طرح اسکے پہچاننے کا حق (تھا) یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے اللہ فرشتوں میں سے رسول چنتا ہے

سطا — ۲۲۴۵ یسطون۔ سَطْوَة ہاتھ اٹھا کر پکڑنا ہے اور سَطَا بِه کے معنی ہیں اسے اس طرح پکڑا اور اصل میں سَطَا گھوڑے کی اگلی ٹانگیں اٹھا کر کھڑا ہو جانے کو کہا جاتا ہے (غ)۔

شرا من ذلکم یا اس سے بدتر میں اشارہ انکے غیظ و غضب کی طرف ہے جس کی وجہ سے وہ داعی حق پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں تو فرمایا کہ تمہارے غیظ و غضب سے بدتر چیز وہ آگ ہے جو فی الحقیقت غیظ و غضب کا ہی نتیجہ ہے۔ اور یہ ان کا غیظ و غضب بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاتھ میں دلیل کوئی نہیں۔

سلب — ۲۲۴۶ یسلب۔ سَلْب غالب ہو کر کسی چیز کا دوسرے سے لے لینا ہے اور سَلَب وہ چیز ہے جو اس طرح لے لی جائے (غ)۔

طلب — طالب۔ مطلوب۔ طَلَب کسی چیز کے پانے کا اور اسکے لے لینے کا قصد کرنا ہے اور طَلَب بمعنی رَغِب بھی آتا ہے یعنی اسکی طرف مائل ہوا (ل) اور بعض نے طالب سے مراد معبود باطل اور مطلوب سے مراد مکھی بھی لی گئی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ طالب سے مراد عبادت کرنیوالا اور مطلوب سے مراد معبود ہے جیسا کہ سدی ضحاک وغیرہ سے مروی ہے (ر)۔ اور طلب ایک چیز کی بھی ہوتی ہے اور معنی کے لحاظ سے بھی فلن تستطیع له طلبا (الکہف۔ ۴۱) (غ)۔

معبودان باطل کی انتہا درجہ کی کمزوری — اس میں معبودان باطل کی کمال درجہ کی کمزوری دکھائی ہے کہ تمام دنیا میں جس قدر انسانوں یا دوسری چیزوں کو معبود مانا گیا ہے وہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے بلکہ انکی عاجزی کی یہ انتہا ہے کہ مکھی کوئی چیز ان سے چھین لیجائے تو وہ اسے اس سے واپس نہیں لے سکتے جب معبود کی کمزوری کی یہ حالت ہے تو عابد کی کمزوری کو خود سمجھ لو۔ اسی لئے فرمایا کہ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں اور یہاں بت مراد معلوم نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جنہیں خدا بنایا گیا ہے جیسا کہ آیت ۷۵ میں بتایا ہے اس کمزوری کے ذکر میں یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ پرستاران باطل اور معبودان باطل حق کا مقابلہ کر سکیں گے

۷۶ وَمِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ

اور انسانوں میں سے ۔ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ۲۲۴۷ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو انکے پیچھے ہے اور اللہ کیطرف ہی

۷۷ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

سب کام لوٹائے جاتے ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو

۷۸ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (السجدۃ) وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

تاکہ تم کامیاب ہو اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جو اسکی (راہ میں) کوشش کا حق ہے۔ اس نے تمہیں چن لیا ہے اور دین کے معاملہ

فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا

میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

تاکہ رسول تمہارا پیشرو رہو اور تم لوگوں کے پیشرو بنو سو نماز کو قایم کرو

وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ ع

اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑو وہ تمہارا آقا ہے سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے ۲۲۴۸

۲۲۴۷ یہاں فرشتوں اور انسانوں کے رسول بنانے کا ذکر مضمون توحید کے لحاظ سے ہی کیا ہے کیونکہ انسانوں کو خدا بنایا گیا ہے تو اسلئے فرمایا کہ انسان کی برگزیدگی کا بلند سے بلند مرتبہ رسالت کا ہے اس سے اوپر کچھ نہیں اور اس کی مخلوق تو فرشتے بھی ہیں انہیں بھی وہ رسالت کا مرتبہ ہی دیتا ہے خدائی کے حصہ دار وہ بھی نہیں ہوتے +

۲۲۴۸ شرک کی تردید کرکے اب مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ توحید پھیلانے کیلئے زور لگائیں آیت ۷۷ میں تکمیل نفس کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا نام پھیلانے میں وہی قوم کامیاب ہو سکتی ہے جو پہلے اصلاح نفس کرے اسلئے اس آیت میں اصلاح نفس کا حکم دیکر اب فرمایا کہ اللہ کی راہ میں وہ کوشش کرو جو کوشش کا حق ہے ادھوری اور ناتمام کوششیں کسی معمولی دنیوی امر میں بھی انسان کو کامیاب نہیں کر سکتیں دین میں کس طرح کامیاب کریں۔ اور ھو اجتبٰکم میں بتایا کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پھیلانے کیلئے چن کیا اور رسولوں کے مصطفٰی مذکورہ آیت ۷۵ کے مقابل اُمت مسلمہ کا اجتباء صاف بتاتا ہے کہ جو کام رسول کرتے تھے وہ اب یہی اسی اُمت مسلمہ کے سپرد کیا گیا ہے اور اسبات میں کہ اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مسلم رکھا پہلے بھی یعنی پہلی کتابوں میں بھی اور فی ھٰذا یعنی اس قرآن میں بھی اسبات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کامل فرمانبرداری ان کا شیوہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مسلم رکھا ہے اور اس کی وجہ بھی خود ہی بتادی کہ تم لوگوں کے پیشرو یعنی معلم توحید بنو جس طرح رسول تمہارا معلم توحید ہے اس پر دیکھو ۱۵۱ +

مسلمانوں کو اعلاء کلمۃ اللہ پر پورا زور لگانیکی نصیحت

سورۃ المؤمنون مکیۃ وھی مائۃ وثمان عشرۃ آیۃ وستۃ رکوعات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ ۔ ۲۲ — مومنوں کی کامیابی

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ

مومن یقیناً کامیاب ہیں ۲۲۴۸؎

نام — اس سورت کا نام المؤمنون ہے اور اس میں چھ رکوع اور ۱۱۸ آیتیں ہیں اس کا نام المؤمنون پہلی ہی آیت میں آتا ہے جہاں یہ بتایا کہ مومنوں کی کامیابی کا انحصار کن باتوں پر ہے۔ اور اسی لحاظ سے یعنی یہ بتانے کو کہ مومن اپنی کامیابی صرف دنیوی ترقی کو نہ سمجھیں اس سورت کا یہ نام رکھا ہے ۔

خلاصہ مضمون — پہلے رکوع میں بتایا ہے کہ مومنوں کی فلاح کن امور میں ہے اور سمجھایا ہے کہ فلاح یا کامیابی کی بنیاد اخلاق فاضلہ پر رکھنی چاہیئے۔ رہا یہ کہ اپنے دشمنوں سے نجات ملے اور ایک قوم دنیوی رنگ میں بھی کامیاب ہو تو حضرت نوح کا دوسرے رکوع میں اور آپ کے بعد کے انبیاء کا تیسرے رکوع میں ذکر کر کے بتایا کہ یہ بھی ان لوگوں کو میسر آجاتا ہے جو اپنی فلاح کا مدار اخلاق پر رکھتے ہیں چوتھے رکوع میں پھر صفائی سے بتایا کہ فلاح حصول مال و دولت سے نہیں بلکہ اخلاق فاضلہ و تعلق باللہ سے ہے اس لحاظ سے پانچویں رکوع میں اثبات توحید و ابطال باطل کیا اور چھٹے میں بتایا کہ اعدائے حق کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اسلئے کہ وہ غلط راہ پر چلتے ہیں ۔

تعلق — پچھلی سورت میں بتایا تھا کہ آنحضرت صلعم بھی دیگر انبیاء کی طرح کامیاب ہونگے مگر اس کیلئے جنگیں کرنی پڑینگی جن میں وہ فاتح ہونگے مگر اس لئے کہ فتوحات اور بادشاہت اور مال و دولت کو کامیابی نہ سمجھ لیں یہاں یہ بتایا کہ مومنوں کی فلاح کن باتوں میں ہے ۔

زمانہ نزول — یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ اور مضمون کے لحاظ سے مکہ کے آخری زمانہ میں رکھی جا سکتی ہے ۔

ترقی کی بنیاد اخلاق پر ہے — ۲۲۴۸؎ اس رکوع میں مومنوں کی فلاح یا کامیابی کا ذکر ہے (فلاح میں کیا کیا امور شامل ہیں دیکھو ۱۶؎) اور اس فلاح کیلئے مومنوں میں چند صفات کا موجود ہونا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اور وہ صفات کیا ہیں صلوٰۃ[1] یعنی رجوع الی اللہ۔ ان باتوں[2] اور کاموں سے اجتناب جن کا اثر انسان کی ترقی اور بہتری پر اچھا نہیں۔ ہر ایک[3] فعل میں پاکیزگی یا قوائے انسانی کے نشو و نما کو مدنظر رکھنا۔ تو اپنے[4] شہوانی پر پورا غلبہ حاصل کرنا۔ امانتوں[5] اور عہد کی پابندی نمازوں[6] پر محافظت۔ پس فلاح قومی کو اللہ کا کلام اخلاقی ترقی سے وابستہ کرتا ہے مومنوں کو بلاشبہ وہ سب مشکلات پیش آنے والی ہیں جو دنیا میں قوموں کو پیش آتی ہیں لوگ ان کے مخالف اور دشمن ہونگے انکو ظلم سے کچلنا چاہینگے انکو لڑائیاں کرنی پڑینگی انکو مختلف قوموں اور مذاہب سے واسطہ پڑے گا انہیں دنیوی رنگ میں اپنی تجارتوں وغیرہ کا خیال کرنا ہوگا۔ مگر انکی قومی ترقی کی جڑ ان کی فلاح کا رنگ بنیاد اخلاق میں بلند مرتبگی کو قرار دیا گیا اگر وہ اخلاق فاضلہ پر قائم ہونگے تو باقی صفات جن سے دنیا میں قومیں ترقی کرتی ہیں خود بخود ان میں پیدا ہو جائینگی۔ گو دشمن انہیں کچلنا چاہیگا مگر انہیں ان تجاویز کے سوچنے کی ابھی ضرورت نہیں جن سے دشمن کو زک پہنچ سکے گو انہیں جنگ کرنی پڑے گی مگر انہیں فن جنگ سیکھنے اور سامان حرب اکٹھا کرنے کی ابھی ضرورت نہیں۔ انکی پہلی ضرورت اخلاق میں ترقی رجوع الی اللہ لغو سے بچنا۔ شہوات پر حکمرانی امانت اور عہد کا پورا کرنا ہے دنیا کی کسی کتاب نے قومی ترقی کا یہ راز نہیں بتایا جو قرآن شریف نے بتایا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس بنیاد پر جو عمارت

۲ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝

جو اپنی نماز میں عاجزی کرنیوالے ہیں ۲۲۴۹ اور جو لغو سے مُنہ پھیرنے والے ہیں ۲۲۵۰

صحابہ کی زندگیوں کا نقشہ قرآن کریم میں

بنی وہ کیسی مضبوط بنیاد قرآن کریم کا ایک طرف مسلمانوں کی فلاح کیلئے ان صفات کو ضروری ٹھہرانا اور دوسری طرف آنحضرت صلعم کے ساتھیوں کی فلاح کی بار بار پیشگوئیاں کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ سب صفات نبی کریم صلعم کے صحابہ میں پائی جاتی تھیں اور یہ وہ انقلاب تھا جو آپ کی قوت قدسی سے ملک عرب کے رہنے والوں میں پیدا ہوا جن کی پہلی حالت ان سب باتوں کے خلاف تھی اور قد افلح المؤمنون کے آگے جو مومنوں کی تصویر کھینچی ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا ہی نقشہ ہے اسی سے محمد رسول اللہ کی زندگی کے حالات کا اندازہ کرلو ٭

نماز میں خشوع کیا ہے

۲۲۴۹۔ خشوع ۔ سکون اور فرمانبرداری عاجزی کی حالت کا نام ہے ۔ نماز میں خشوع سے مراد کیا ہے ۔ خائف اور سکون کی حالت میں ہونا ۔ آنکھ کا نیچا رکھنا ۔ سر جھکا ہوا ہونا وغیرہ مختلف معنی لئے گئے ہیں مگر درحقیقت یہ سب باتیں اسمیں شامل ہیں ۔ اور نماز میں سکون یہی ہے کہ نماز کے سوائے اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو ۔ جب یہ حالت ہوگی تو قلب میں بوجہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کے احساس کے اس مقام کی پوری عظمت ہوگی اور جوارح خود ہی سب سکون کی حالت میں ہونگے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا یا کپڑوں یا اپنے جسم کے کسی حصہ سے لغو حرکتیں کرنا یا اسے جلدی جلدی بیگار کی طرح ادا کرنا سب نماز میں خشوع کے خلاف ہیں اور مومن کیلئے نماز میں خشوع اس کی روحانی ترقی کا پہلا قدم ہے ۔ اسلام نے صلوٰۃ یا رجوع الی اللہ کو تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ قرار دیا ہے اس لئے کہ خلوص جو تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے وہ کبھی کسی قوم میں یا کسی انسان میں سوائے خدا سے تعلق کے پیدا نہیں ہوسکتا ۔ اور جبتک تمام اخلاق اور معاملات میں خلوص نہ ہو اس وقت تک اخلاق فاضلہ کا نام بھی ان کو نہیں دیا جا سکتا اور اسی لئے یہاں محض نماز پڑھنا نہیں رکھا ۔ بلکہ نماز میں خشوع رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا اثر جبتک دل پر پیدا نہ ہو کچھ فائدہ نہیں ٭

صلوٰۃ اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے ۔

لغو

۲۲۵۰۔ لغو ۔ دیکھو ۲۸۵ ایسا کلام جو غور و فکر سے نہیں کیا جاتا اور لغا چڑیا اور پرندوں کی آواز کو کہتے ہیں اور قبیح بات کو بھی لغو کہدیا جاتا ہے لا یسمعون فیہا لغوا ولا تاثیما (الواقعۃ ۵۶ ۔ ۲۵) واذا مروا باللغو مروا کراما (الفرقان ۲۵ ۔ ۷۲) اور لاغیۃ بھی لغو کے معنی ہی ہے لا تسمع فیہا لاغیۃ ۔ (الغاشیۃ ۸۸ ۔ ۱۱) اور اسی سے لُغۃ ہے (غ) اور لغو میں بے حقیقت اقوال اور افعال دونوں شامل ہیں (د) ٭

لاغیۃ ۔ لُغۃ

ان اقوال و افعال سے اجتناب جن میں نسل انسانی کی بہتری مدنظر نہیں ترقی کا دوسرا بنیادی پتھر ہے ۔

اخلاقی اور روحانی ترقی میں لغو سے اعراض کو دوسرا مرتبہ قرار دیا ہے اور اس سے مراد نہ صرف لغو باتیں ہیں بلکہ لغو کام بھی جن میں اکثر لوگ مبتلا رہتے ہیں اور اس زمانہ کی تہذیب کے خاص اشغال میں سے ہیں مسلمان کی حدیث میں ہے ایاکم و ملغاۃ اول اللیل یعنی اول شب میں لغو باتوں سے بچو (ل) اگر دیکھا جائے تو آجکل مسلمانوں نے دوسروں کی نقل کرکے اول شب کی لغو باتوں کو دنیا جہان کی ضروریات میں سب پر مقدم کیا ہوا ہے ہنسی اور ٹھٹھے اور عیب چینی اور غیبت کی مجلس جمتی ہے تو آدھی آدھی رات گزر جاتی ہے ایسی حالت میں شب بیداری تو ایک طرف رہی نماز فجر کی بھی پروا نہیں ہوتی ۔ ایسا ہی تاش وغیرہ کے اشغال ہیں جنہوں نے انسانی زندگی کو چارپایوں کی زندگی سے بڑھکر بلا مقصد بنا دیا ہے اور قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی ایسا فعل یا کلام نہ کیا جائے جس میں انسان یا نسل انسانی کی بہتری مدنظر نہ ہو پس کہاں تعلیم قرآن اور کہاں موجودہ مسلمانوں کا عمل ٭

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ

اور جو پاکیزگی کے لئے کام کرتے ہیں ۲۲۵۱ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ۲۲۵۲ مگر اپنی بیبیوں سے

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

یا اس سے جنکے انکے داہنے ہاتھ مالک ہوئے تو وہ ملامت کئے گئے نہیں ۲۲۵۳ لیکن جو اس سے آگے نکلنا چاہیں

زکوٰۃ بمعنی تزکیہ

ف ۲۲۵۱ زکوٰۃ کیلئے دیکھو ف ۱۹۴۲ و ف ۱۹۸۱ یہاں مراد تزکیہ ہی للزکوٰۃ میں لام علت کا ہی یعنی جو وہ کرتے ہیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ انکے نفس کا تزکیہ ہو دغ، اور اگر ادائیگی زکوٰۃ مراد ہوتی تو فاعلون کا لفظ یہاں نہ لایا جاتا اسلئے کہ فعلت الزکوٰۃ نہیں کہتے اور یہاں زکوٰۃ کے معنی مصدری یعنی تزکیہ ہی ہیں (د) اور سیاق بھی اسی معنی کو چاہتا ہی اس لئے کہ یہ تیسرا مرتبہ انسانی ترقی میں ہی پہلا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا اور اس سے تعلق پیدا کرنا ہی دوسرا یہ کہ انسان اپنے اوقات کو لغو باتوں اور لغو کاموں سے بچائے اور لغو سے وقت کو بچانا خود چاہتا ہی کہ اسے کسی بہتر مصرف پر لگایا جائے پس اب وہ مصرف بتایا کہ تزکیہ کو اپنے ہر ایک فعل کی غرض رکھے اور تزکیہ سے مراد صرف پاکیزگی اپنے تمام معنوں میں نہیں بلکہ اس کے معنی ہی نفس کو خیرات و برکات سے ترقی دینا بھی دیکھو ف ۱۹۴۲ وغیرہ پس کامیابی کیلئے یہ ضروری ہی کہ اپنے اوقات کو ایسے مصرف میں لگایا جائے جس میں انسان کی اپنی یا اس کی قومی بہتری مدنظر ہو +

انسانی ترقی کا تیسرا مرتبہ نفس کا تزکیہ ہے اور دنیا میں ترقی دینا ہی

فروج

ف ۲۲۵۲ فروج ۔ فَرْج کی جمع ہی اور وہ اصل میں دو چیزوں کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں اور مراد اس سے وہ ہی جو دونوں پاؤں کے درمیان ہی اور شرمگاہ کیلئے اس کا استعمال بوجہ کثرت صریح کے طور پر ہو گیا ہی اور ہر ایک موضع مخافت کو یعنی جہاں کسی کا خوف ہو فَرْج کہا جاتا ہی (غ) +

حفظ فروج سے مراد

حفظ فروج تو فی الحقیقت وسیع معنی میں ہی یعنی ہر ایک موضع مخافت کا یعنی ایسے مقام کا جہاں سے شیطان حملہ آور ہو سکتا ہی محفوظ رکھنا مگر یہاں ازواج کا استثناء بتاتا ہی کہ مراد ایسے مواضع مخافت ہیں جو قوت شہوانیہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مراد صرف زنا سے بچنا نہیں بلکہ شہوات کے تمام موقعوں سے اپنی حفاظت کرنا ہی یہانتک کہ بدنظری سے بچنا بھی اس میں داخل ہی اسلئے جس طرح مردوں کو حفاظت فروج کا حکم ہی عورتوں کو بھی ہی والحافظین فروجھم والحافظات (الاحزاب ۳۳ : ۳۵) لیکن یہاں استثنا میں الا ما ملکت ایمانہم سے ایک وقت پیدا ہوتی ہی اور وہ یہ کہ ذوج سے مراد تو مرد کی صورت میں اس کی بی بی اور عورت کی صورت میں اس کا خاوند ہیں اور او ما ملکت ایمانہم میں غلام اور لونڈی دونوں داخل ہیں سوائے اسکے کہ قرینہ اسے غلاموں سے مخصوص کردے یا لونڈیوں سے اب یہاں بظاہر کوئی ایسا قرینہ نہیں لیکن اجماع نے مرد مملوک سے آزاد عورت کا تعلق بغیر نکاح ناجائز ٹھہرایا ہی اور زن مملوکہ سے آزاد مرد کا تعلق جائز رکھا ہی۔ اسلئے او ما ملکت ایمانہم سے یہاں صرف لونڈیاں مراد لی ہیں مگر یہ سوال الگ ہی کہ لونڈی کے ساتھ تعلق بذریعہ نکاح ہو سکتا ہی یا بغیر نکاح سو اس پر ف ۶۰۵ و ف ۶۳۹ میں مفصل بحث گزر چکی ہی +

انسانی ترقی کا چوتھا مرتبہ قوائے شہوانی پر حکومت ہی

انسانی ترقی کا یہ چوتھا مرتبہ ہی جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہی اور اس کا منشا یہ ہی کہ انسان کے قوائے شہوانی جو اسے قدرت نے دیئے ہیں ان پر اسکو پوری حکومت حاصل ہو۔ یہ وہ بات ہی جس کی طرف سے اکثر قوموں نے غفلت کی ہی اور یہی آخر کار ان کی تباہی کا موجب ہوئی ہی قوائے شہوانی کو جبتک حد اعتدال کے اندر نہ رکھا جائے یہ تمام دوسری قوتوں کو دبا لیتے ہیں اور ان کا ہیجان آہستہ آہستہ انسانوں کو اور قوموں کو بڑے بڑے اخلاق فاضلہ سے عاری کر دیتا ہی آج بھی کس قدر قومیں ہیں جو اپنے آپکو مہذب اور ترقی یافتہ سمجھتی ہیں مگر قوائے شہوانی کی غلامی کی طرف ان کا قدم اٹھ رہا ہی اور وہ نہیں جانتیں کہ وہ ہلاکت کے گڑھے کے قریب ہوتی چلی جا رہی ہیں +

۹ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى

وہ حد سے بڑھنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کو نگاہ رکھنے والے ہیں[2252] اور جو اپنی نمازوں

۱۰ ۱۱ صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا — وقف لازم

کی محافظت کرتے ہیں[2253] یہی وارث ہیں جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں وہ اسی میں

۱۲ ۱۳ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ

رہیں گے اور ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کرتے ہیں[2254] پھر ہم اسے ایک مضبوط ٹھہرنے کی جگہ میں

۱۴ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ

نطفہ بناتے ہیں پھر ہم نطفہ کو لوتھڑا بناتے ہیں اور لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بناتے ہیں اور گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں

عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

بناتے ہیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں پھر ہم اسے ایک اور پیدائش دیکر اٹھا کھڑا کرتے ہیں سو اللہ بابرکت ہے جو سب بنانیوالوں سے بہتر ہے[2255]

ترقی کا پانچواں مرتبہ پابندی عہد ہے

۲۲۵۲ یہ ترقی کا پانچواں مرتبہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی مدعی تہذیب قوموں کی حالت کو مدنظر رکھا ہے یہ علاج بتائے گئے ہیں جب ایک قوم دنیوی ترقی کے معراج پر پہنچتی ہے تو پھر اسے امانت اور عہد کی کوئی پروا نہیں رہتی اسلئے کہ وہ زبردست ہے اور جو چاہے کر سکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ امانت اور عہد کے عدم ایفا سے قوموں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساتھ ہی ان کا رعب جاتا رہتا ہے اور رعب کے بغیر کوئی مادی قوت کچھ کام نہیں دیتی۔

حفاظت نماز ترقی کا آخری مرتبہ ہے۔

۲۲۵۳ چھٹا اور آخری مرتبہ یہ نمازوں کی محافظت رکھی ہے اور اسی طرح سورۃ المعارج میں بھی آخری مرتبہ نمازوں کی محافظت کو ہی رکھا ہے اور اس سے مراد جیسا کہ ۲۰ میں دکھایا گیا ہے صرف اوقات و ارکان کی حفاظت ہی نہیں بلکہ ہر ایک فحشاء اور منکر سے بچنا بھی ہے اور نماز یا خدا کی طرف رجوع ایسے انسان کیلئے بطور ایک غذا کے بنجاتا ہے جس کے بغیر اسے چین نہیں پڑتا اور یہی وجہ ہے کہ نماز کو مومن کا معراج کہا ہے کیونکہ اسکی ترقی کا آخری مرتبہ بھی یہی ہے جب انسان اس مرتبہ کو حاصل کرتا ہے تو اسکا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ بلند سے بلند اخلاق والے لوگ دنیا میں مادی ترقی کے لیڈر نہیں بلکہ وہ روحانی پیشوا ہوئے ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل ہوا ہے اور تمام دنیا کی اقوام انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتی ہیں ◆

سلالۃ

۲۲۵۴ سلالۃ۔ سل ایک چیز کا دوسری سے کھینچ کر نکال لینا ہے اور سلالۃ وہ صاف جوہر ہے جو زمین سے کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے (غ)۔ ◆

انسان مٹی سے کس طرح بنتا ہے

قرآن کریم میں کئی جگہ انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کا ذکر ہے یہاں اس کی تصریح فرما دی اور بتا دیا کہ مٹی کا بت نہیں بنایا جاتا بلکہ اس کا خلاصہ نکالا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے کثیف جوہر سے جیسے مٹی ہے وہ نہایت لطیف جوہر پیدا کرتا ہے جس سے انسان کی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے اور جسے کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی پس جب مٹی جیسی کثیف چیز سے اللہ تعالیٰ زندگی کے جوہر نکالتا رہتا ہے اور یہ نظارہ دن رات ہماری آنکھوں کے سامنے ہے تو اعمال سے اس سے بھی لطیف تر ایک جوہر کیوں نہیں بن سکتا جو انسان کی دوسری زندگی کیلئے بطور ایک بنیاد کے ٹھہرے ◆

۲۲۵۵ جسمانی زندگی کے مدارج کو روحانی زندگی کے مدارج پر بطور شہادت کے پیش کیا ہے اور یہاں بھی چھ ہی مدارج بیان فرمائے ہیں ۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا ۱۵ ۱۶ ۱۷

پھر تم اسکے بعد یقیناً مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اور ہم نے تمہارے

فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ ۱۸

اوپر سات رستے بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ۲۲۵۶ اور ہم بادل سے ایک اندازہ سے پانی

بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ ۱۹

اتارتے ہیں پھر اسے زمین میں ٹھہراتے ہیں اور ہم اسے لیجانے پر یقیناً قادر ہیں ۲۲۵۷ پھر ہم اسکے ساتھ تمہارے لیے

وقف لازم

بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ ۲۰

کھجوروں اور انگوروں کے باغ اگاتے ہیں۔ ان میں تمہارے لیے بہت پھل ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور

شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝

ایک درخت جو سینا پہاڑ سے نکلتا ہو وہ روغن اور کھانے والوں کیلئے سالن لئے ہوئے نکلتا ہے ۲۲۵۸

اور انشانٰہ خلقاً اٰخر میں نفس ناطقہ یا عقل انسانی کے دینے کی طرف اشارہ ہو یعنی بتایا ہو کہ انسان کی زندگی کی ترقیات کو ہم نے محض حیوان کی زندگی کی ترقیات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے کوئی چیز زائد بھی دی ہو جو اسکے اعمال کے محاسبہ کو اور بعثت کو ضروری ٹھہراتی ہو۔ اسی لئے اس کے بعد اس کی موت کے ساتھ اس کی بعثت کا ذکر کیا ۔

سات رستے اور نظام شمسی

۲۲۵۶ سات رستوں کی توجیہ مفسرین نے یوں کی ہو کہ وہ سات آسمان ہیں اور رستے انہیں اس لئے کہا ہو کہ فرشتوں کی آمد و رفت ان میں ہو یا کواکب ان میں چلتے ہیں۔ مگر طرائق اس چیز کو نہیں کہتے جس میں کوئی رستہ بھی ہو یوں تو زمین بھی طریقہ ہوئی کیونکہ اس میں سبل فجاج ہیں۔ بلکہ طریقہ خود رستہ کو کہتے ہیں۔ اور یہاں صرف طریقوں کا ذکر ہو دوسرے قرآن کریم نے خود بتا دیا ہو کہ وہ چلنے والے کون ہیں والسماء والطارق وما ادرٰک ما الطارق النجم الثاقب اور نجم ثاقب زہرہ ہو بس معلوم ہوا کہ جن کے یہ رستے ہیں ان میں سے ایک چلنے والا زہرہ ہو اور باقی بھی اسی کے ساتھ کے دوسرے کواکب ہیں جو زمین کے علاوہ نظام شمسی میں سات ہیں پس انہی سات کے رستوں کو سبع طرائق کہا ہو نہ آسمانوں کو۔ ہاں سبع سماوات کا لفظ خود ان سات سیاروں پر اس لحاظ سے صادق آتا ہو کہ وہ اوپر ہیں۔ اور ما کنا عن الخلق غافلین اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے بیان فرما رہا ہو اور ان اجرام فلکی کی طرف اسلئے توجہ دلائی کہ انسان کی پیدایش کیا حقیقت رکھتی ہو اللہ تعالیٰ نے اتنے اتنے بڑے اجرام بھی پیدا کئے ہیں اور ممکن ہو کہ ما کنا عن الخلق غافلین میں یہ اشارہ ہو کہ ان اجرام میں جو مخلوق ہو ہم اس کی بھی خبر گیری کرتے ہیں ۔

۲۲۵۷ پانی کے لیجانے سے مراد اس کا زمین میں کم کر دینا بھی ہو سکتا ہو اور اس کا اوپر بخارات کی صورت میں اٹھا کر لیجانا بھی سیاق کی رو سے دوسرے معنی کو ترجیح ہو کیونکہ یہاں صرف نعمتیں دینے کا ذکر ہو ۔

سیناء سینین

۲۲۵۸ سیناء سینا۔ اور سینین شام میں ایک مشہور پہاڑ ہو (ل)، اور بعض نے اس کے معنی مبارک کئے ہیں اور بعض نے درختوں والا (ق)، اور اس کا وہ پہاڑ ہونا جس پر سے موسیٰ علیہ السلام پکارے گئے مشہور ہو اور ایک قول یہ ہو کہ وہ پہاڑ ہو جیسے آنحضرت صلعم کا پہاڑ [illegible]

۲۱ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ

اور یقیناً تمہارے لئے چارپایوں میں بھی عبرت ہے ہم تمہیں اس سے پلاتے ہیں جو انکے پیٹوں میں ہے اور ان میں تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں

۲۲ ۲۳ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ

اور ان سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کیطرف بھیجا

ع ۲ حضرت نوح کا دشمنوں سے نجات پانا

۲۴ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَقَالَ

سو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں تو کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے تو ان لوگوں کے

الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ

سرداروں نے جو اس کی قوم میں سے کافر ہوئے کہا یہ صرف تمہیں جیسا ایک بشر ہے چاہتا ہے کہ تم پر بڑائی حاصل

عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝

کرے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اُتار دیتا ہم نے یہ پہلے اپنے باپ دادوں میں نہیں سُنا ۲۲۵۹

۲۵ ۲۶ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝

وہ صرف ایک ایسا شخص ہے جسے جنون ہے تو ایک وقت تک اسکے بارے میں انتظار کرو (نوح نے) کہا اے میرے رب مجھے مدد دے اسلئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ۲۲۶۰

۲۷ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ

پس ہم نے اسکی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنا پس جب ہمارا حکم آئے اور زمین اپنا پانی جوش مارے

دھن ۔ صبغ

دُھن ۔ روغن کو کہتے ہیں اور صبغ سالن کو اس لحاظ سے کہ کھانا کھانیوالا روٹی کو سالن میں ڈبو کر کھاتا ہے ع۱۳۳ +

زیتون کا درخت

یہ درخت زیتون ہے (ج) اور اس کے الگ ذکر میں حالانکہ اوپر بارش کے ساتھ باغ وغیرہ لگانے کا ذکر ہوا اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے یوقد من شجرة مبارکة زيتونة لا شرقية ولا غربية (النور ۲۴ : ۳۵) جہاں اسلام کو درخت زیتون سے تشبیہ دی ہے اور بعض احادیث میں زیتون کی تعریف بھی بہت آئی ہے +

تفضل

۲۲۵۹ یتفضل تَفَضُّل یہ ہے کہ اپنے ہمسروں پر فضیلت کا دعوے کرے یعنی وہ چاہتا ہے کہ رسول بنکر عام لوگوں سے اس کی قدر و منزلت زیادہ ہو دل ، +

۲۲۶۰ بما کذبون میں با سبب کیلئے ہے یا بدل کیلئے اور آلہ کیلئے لیکر ایک یوں معنی بھی ہو سکتے ہیں اس چیز کیساتھ میری مدد کر جس میں انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے یعنی اس عذاب کو بھیجکر جس کا تونے وعدہ کیا ہے +

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ

تو اس میں ہر ضرورت کی شے کے نر و مادہ دو دو لیلے اور اپنے اہل کو بھی سوائے اس کے جسکے متعلق اُن میں سے پہلے حکم ہو چکا

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۝ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ ۲۸

اور انکے متعلق مجھ سے خطاب نہ کرنا جو ظالم ہیں وہ غرق کئے جائینگے پس جب تو اور جو تیرے ساتھ

مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَقُلْ ۲۹

ہیں کشتی پر مضبوط ہو کر بیٹھ جاؤ تو کہہ سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی ۲۲۶۱ اور کہو

رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَ ۳۰

اے میرے رب مجھے برکت والا اتارنا اتاریو اور تو سب اُتارنیوالوں سے بہتر ہے ۲۲۶۲ یقیناً اس میں نشان ہیں اور ہم

إِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا ۳۱ ۳۲

آزمائش کرتے رہتے ہیں ۲۲۶۳ پھر ہم نے انکے بعد ایک اور نسل پیدا کی پس ان میں انہی

فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ ۳۳

ع ۱۸ — انبیاء بعد نوح کا اپنے دشمنوں سے نجات پانا

میں سے رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں تو کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے ۲۲۶۴ تو اسکی قوم کے

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

سرداروں نے کہا جو کافر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں آسودگی دی تھی

دوسرے کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہیئے

۲۲۶۱ حالانکہ قوم غرق ہو گئی تھی مگر ان کے غرق ہونے پر الحمد نہیں کہا بلکہ اپنی نجات پر اور نجات بھی ان لوگوں کے ہاتھ سے جنھوں نے ظلم کر کے چند خدا کے بندوں کو ہلاک کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہیئے ٭

مُنْزَل

۲۲۶۲ مُنْزَل مصدر بھی ہو سکتا ہے بمعنی انزال اور اُترنے کی جگہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یہ دعا اس بنا پر کہ اذا استویت انت کے بعد آتی ہے کشتی میں داخل ہونے کے متعلق سمجھی گئی ہے مگر مجاہد اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ یہ وہ دعا ہے جو حضرت نوح کو کشتی سے اُترنے کے وقت کرنیکا حکم تھا اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

اِنْ

۲۲۶۳ اِنْ بمعنی اِنَّ ہے۔ اور مراد قوم نوح کی آزمائش بھی ہو سکتی ہے مگر نشان کے ذکر کے لحاظ سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے بندوں کی آزمائش مراد لی جائے یہ الفاظ ایک قانون کے رنگ میں ہیں یعنی ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم بندوں کی آزمائش کرتے رہتے ہیں یعنی ان کی جودت اور رداءت کو ظاہر کرتے رہتے ہیں ٭

۲۲۶۴ قوم نوح کے بعد جس قوم کا ذکر قرآن شریف نے کیا ہے وہ عاد ہی ہے واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح (الاعراف ۶۹) اور ان کے رسول حضرت ہود علیہ السلام تھے ٭

۳۳ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○

یہ کچھ نہیں مگر تم جیسا ایک انسان جو اسی سے کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور اسی سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو

۳۴ ۳۵ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ

اور اگر تم اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت کروگے تو اس حال میں تم یقیناً نقصان اٹھانے والے ہوگے کیا وہ تمہیں ڈراتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور

۳۶ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ○ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ○

مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (دوبارہ) نکالے جاؤ گے دور بہت ہی دور (از عقل) وہ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے [۲۲۶۵]

۳۷ ۳۸ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ○ اِنْ هُوَ

یہ کچھ نہیں مگر صرف ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے [۲۲۶۶] وہ کچھ نہیں

۳۹ اِلَّا رَجُلُ ِۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ

مگر صرف ایک شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں (رسول نے) کہا میرے رب

۴۰ ۴۱ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ○ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ

میری مدد کر اسلئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے فرمایا تھوڑی سی دیر میں یقیناً پشیمان ہونگے [۲۲۶۷] تو ایک ہولناک

الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○

آواز نے انہیں حق کے ساتھ آپکڑا سو ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر دیا پس ظالم لوگوں کیلئے دوری ہے [۲۲۶۸]

۲۲۶۵ ھیھات ایک کلمہ ہے جو کسی چیز کے دور کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے (غ) اور دوسرا اس کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر عرب لام داخل بھی کرتے ہیں جیسے یہاں اور نہیں بھی کرتے ہیں (ج) + — ھیھات

۲۲۶۶ نموت ونحیا۔ ہم مرتے ہیں اور ہم زندہ ہوتے ہیں یعنی پہلے۔ تو چلے جاتے ہیں نئے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور بعض نے اس سے تناسخ کا عقیدہ نکالا ہے یعنی ان کا منشا یہ ہے کہ ہم جب مر جاتے ہیں تو کسی نئی صورت میں زندہ ہو کر آ جاتے ہیں اور بعثت یا نئی زندگی کوئی شے نہیں +۔ — تناسخ

۲۲۶۷ عما قلیل کی ترکیب ہے عن زمان قلیل اور ما جار و مجرور کے درمیان صلہ ہے جو قلت کے معنی کی تاکید کیلئے ہے +

۲۲۶۸ غثاء۔ سیلاب اور ہانڈی کا غثاء وہ چیز ہے جو ایک جگہ پھر کر متفرق ہو جائے جیسے خشک شدہ نبات یا ہانڈی کی جھاگ اور اس کے ساتھ اس چیز کی مثال دی جاتی ہے جو ضائع ہو جائے اور اس کی کچھ قدر و قیمت نہ سمجھی جائے۔ بُعد کیلئے دیکھو ۱۲۷۷ + — غثاء

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا ۴۲ ۴۳

پھر انکے بعد ہم نے اور نسلیں پیدا کیں — کوئی قوم نہ اپنے وقت مقررہ سے آگے جا سکتی ہے اور نہ

يَسْتَأْخِرُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۴۴

پیچھے رہ سکتی ہے — پھر ہم نے اپنے رسول پے درپے بھیجے — جب کبھی کسی قوم کے پاس اسکا رسول آیا انہوں نے اسے جھٹلایا

فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝

تو ہم بھی ایک کے پیچھے دوسرے کو (ہلاکت میں) پہنچاتے رہے اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا پس ان لوگوں کیلئے دوری ہو جو ایمان نہیں لاتے ۲۲۶۹

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۴۵ ۴۶

پھر ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور کھلی مضبوط دلیل کے ساتھ بھیجا — فرعون اور اس کے

وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا ۴۷

سرداروں کیطرف مگر انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے — تو انہوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝ وَلَقَدْ ۴۸ ۴۹

اور انکی قوم کے لوگ ہمارے خدمتگار رہیں ۲۲۷۰ سو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہلاک شدہ (قوموں) میں ہو گئے — اور ہم نے

آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً ۵۰

موسیٰ کو کتاب دی — تاکہ وہ ہدایت پائیں — اور ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو ایک نشان بنایا۔

تترٰی **۲۲۶۹** تترٰی۔ مُوَاتَرَۃ سے فَعْلیٰ ہے جس کا مادہ وَتر ہے اور مواترۃ کے معنی ہیں وتر و تریعنی ایک ایک کرکے ایک کو دوسرے کے پیچھے لانا اور اسکی اصل واؤ ہے جو تا سے بدل گئی ہے (غ)۔

احادیث۔ دیکھو ۱۵۱۶ د اور یہاں مراد ہے کہ ان کا ذکر صرف خبروں کے طور پر رہ گیا جسکے ساتھ مثال دی جائے (غ)۔

عابد، تعبید **۲۲۷۰** عابدون۔ عابد کے معنی خادم مطیع بھی ہیں اور عبادت کرنے والے بھی۔ مگر یہاں خادم ہی مراد ہیں اس لئے کہ دوسری جگہ ہے وتلک نعمۃ تمنہا علیّ ان عبدت بنی اسرائیل (الشعرا ۲۶-۲۲) اور عبّدہ کے معنی ہیں اسے عبد یا غلام بنا لیا۔

وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ع

اور ان دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو ہموار اور چشموں والی تھی ۱۷۲۲

ربوة — ۱۷۲۲ ربوة۔ کل ما ارتفع من الارض یعنی جو زمین بلند ہو اسے ربوة کہا جاتا ہے (ل) اور وہ ایسی بلند زمین ہے جو ہموار بھی ہو یا اٹھی ہو (د) یعنی سطح مرتفع۔ مکان ما ارتفع من الارض علی ما حوله (ج)۔

قرار — قرار کے معنی ٹھہرنا ہیں۔ اور ذات قرار کے معنی ہیں ایسی زمین جس میں پانی ٹھہرے (ل)، یا سطح مستوی یعنی ہموار جگہ (ق)، یا پھلوں والی (ق)۔

معین — معین۔ ماء معین اور ماء معیون کے ایک معنی ہیں ظاہر یعنی جسے آنکھ زمین پر چلتا دیکھے (ل)، کیونکہ عین آنکھ کو کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ اور آپ کی والدہ کا نشان ہونا — ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا کس لحاظ سے؟ مفسرین اکثر بن باپ پیدائش کی طرف ہی گئے ہیں مگر یہاں ذکر نیک لوگوں کی فلاح اور ان کے ظالموں کے ہاتھ سے نجات پا لینا ہے اور اسی کو بار بار نشان کہا گیا ہے ان فی ذٰلک لاٰیة اور قوم نوح کو غرق کرنے کے بعد فرمایا وجعلنٰھم للناس اٰیة (الفرقان ۲۵: ۳۷) پس قوم نوح اگر ہلاک کیا جانے کے لحاظ سے نشان ہے تو ابن مریم اور انکی والدہ بچائے جانے کے لحاظ سے نشان ہیں۔ پس مراد ان کا نشان ہونا اسی لحاظ سے ہے کہ انہیں ظالم قوم کے ہاتھ سے نجات دی گئی اور قرآن کریم نے خود اس آیت کا بیان اگلے الفاظ میں کر دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ کو پناہ کہاں ملی — یہ جگہ کونسی تھی جہاں ابن مریم اور انکی والدہ کو پناہ ملی مفسرین کا اس میں بہت اختلاف ہے کوئی اسے فلسطین قرار دیتا ہے کوئی بیت المقدس کوئی دمشق اور کوئی مصر۔ مگر سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ قرآن شریف کے لفظ۔ ربوة۔ ذات قرار۔ ذات معین ان میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتے۔ ربوة چاہتا ہے کہ بلند زمین ہو۔ ذات قرار چاہتا ہے کہ ہموار ہو پہاڑ نہ ہو۔ یا بہت پھلوں والی ہو۔ ذات معین چاہتا ہے کہ اس میں سطح زمین پر چشمے اور نہریں بہتی ہوں ان تمام صفات میں اگر کوئی یکتا قطعہ زمین ہے تو وہ کشمیر ہے۔

حضرت عیسیٰ کا کشمیر آنا — فلسطین اور بیت المقدس اور دمشق اور مصر تو بہرحال نہیں۔ کشمیر کی بلندی چار ہزار فٹ یا اس سے اوپر ہے۔ پھر یہ ذات قرار ہموار میدان ہونے کے لحاظ سے بھی ہے اور پھلوں والی جگہ ہونے کے لحاظ سے بھی۔ پھر چشمے بھی اس میں اس کثرت سے بہتے ہیں کہ انکی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ایواء یا پناہ دینے کا ذکر ہے اور انبیاء کا جس قدر ذکر قرآن شریف میں ہے وہ بعد تبلیغ کے ظالم مخالفوں کے ہاتھ سے نجات دینے پر ہی ہے۔ پس حضرت عیسیٰ کو جو یہ پناہ ملی یہ بھی اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے ملی اور جیسا کہ ح ۶۲۲ میں بتایا گیا حضرت عیسیٰ صلیب سے زندہ اتر آئے اور یہاں قرآن کریم نے اس عقدہ کو بھی حل کر دیا کہ صلیب سے زندہ اتر کر پھر کیا ہوا۔ اور یہاں بتا دیا کہ انہیں اور انکی والدہ کو ایک اور ملک میں پناہ ملی اور اس کا نقشہ ایسا بتا دیا کہ دنیا کے کسی دوسرے حصے پر وہ صادق نہیں آ سکتا۔ گویا فلسطین سے انہوں نے ہجرت کی۔

یوز آسف نبی کی قبر حضرت عیسیٰ کی قبر ہے — کشمیر میں حضرت عیسیٰ کا آنا تاریخ سے بھی ثابت ہے چنانچہ محلہ خانیار شہر سری نگر میں ایک قبر ہے جو یوز آسف کی قبر کے نام سے موسوم ہے اور جسے نبی صاحب کی قبر بھی کہا جاتا ہے اور یہ نہ صرف زبانی روایتوں سے ہی معلوم ہوتا ہے بلکہ تاریخ اعظمی کشمیر جسے لکھے ہوئے ڈیڑھ سو سال گذر چکا ہے اس میں صفحہ ۸۲ پر اس قبر کا ذکر ان الفاظ میں ہے کہ یہ قبر عام طور پر ایک نبی کی قبر مشہور ہے اور کہ وہ ایک شہزادہ تھا جو کشمیر میں کسی دوسرے ملک سے آیا اور کہ اس کا نام یوز آسف تھا۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد تو کوئی نبی ہوا نہیں اور نہ کسی ولی کی قبر نبی کی کہلا سکتی تھی۔ اور نبی کا لفظ عربی اور عبرانی زبانوں کا ہے پس لازماً یہ کوئی عبرانی نبی ہیں۔ اور جو عرصہ بیان کیا جاتا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے ملتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ نام یوز یا یوس (کیونکہ س۔ ز سے بدل جاتا ہے) اور یسوع باہم ملتے ہیں یہ دلائل ایک زبردست قرینہ ہیں کہ وہ قبر جو محلہ خانیار میں ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہی ہے اور کسی نبی کی قبر نہیں۔

فلاح حصول کمال وجود سے نہیں اخلاق فاضلہ اور تعلق باللہ سے ہے

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ ۵۱

اے رسولو پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو میں اسے جو تم کرتے ہو جانتا ہوں[۲۲۷۲]

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۵۳

اور کہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو پھر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے

زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۵۳ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۵۴

ٹکڑے کر دیا ہر گروہ اسپر جو انکے پاس ہے خوش ہیں[۲۲۷۳] سو انہیں اپنی جہالت میں ایک وقت تک چھوڑ دے

افغانوں اور کشمیریوں کا بنی اسرائیل سے ہونا

علاوہ ازیں اور بھی وجوہات ہیں کہ حضرت عیسیٰ مشرق کی طرف آئے۔ افغان ابتک اپنے آپکو بنی اسرائیل بتاتے ہیں اور انکی روایات سے رسم و رواج سے ان کے نقشوں سے ان کا بنی اسرائیل ہونا ثابت ہوتا ہے یہی بات اہل کشمیر کے متعلق معلوم ہوتی ہے اور کشمیر کے بہت سے شہروں کے نام فلسطین کے شہروں پر ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ بنی اسرائیل کا ایام جلاوطنی میں افغانستان اور کشمیر میں آباد ہوا اور حضرت عیسیٰ کو جب یہود فلسطین کی ایذا دہی سے ہجرت کرنی پڑی تو آپنے ان اقوام بنی اسرائیل کی طرف رخ کیا جو اپنے وطن سے الگ ہو چکی تھیں۔ اور حدیث میں جو آتا ہے ان عیسیٰ عاش مائۃ وعشرین سنۃ یعنی حضرت عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے اس کی رو سے بھی ضروری ٹھہرتا ہے کہ بقیہ عمر آپنے کہیں اور گزاری ہو +

حضرت عیسیٰ کا ایک سو بیس برس عمر پانا

۲۲۷۲ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہے اور ایک شخص کیلئے بعض وقت جمع کا صیغہ استعمال ہو جاتا ہے (ج) اور مراد یہ ہے کہ ہم نے عیسیٰ اور ان کی والدہ کو اچھی جگہ پر پناہ دی تو ساتھ ہی ان کو یہ بھی کہدیا کہ طیبات سے کھاؤ (د) جس سے معلوم ہوا کہ وہ خطہ زمین پھلوں والا بھی تھا جیسا کہ ذات قرار کے معنی میں بیان ہوا ہے۔ اور یا یہ حکایت کے طور پر ہے کہ ہر رسول سے اس کے زمانہ میں یوں ہی خطاب ہوا تھا اور اب گویا نبی کریم صلعم کو انہی الفاظ میں خطاب ہوتا ہے اور امام راغب کہتے ہیں کہ رسل کے لفظ میں نبی کریم صلعم کے ساتھ آپکے برگزیدہ اصحاب شامل ہیں +

مذاہب مختلفہ کا بھی منشا اور سب رسولوں کا ایک ہی منشا

۲۲۷۳ مختلف رسولوں کا ذکر کرنے سے منشا یہ ہے کہ سب خدا کی طرف سے آئے اور اصلاح خلق انکے مد نظر تھی سب کے حالات انکا دشمنوں کے ہاتھ سے نجات پانا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں قایم کرنا یکساں تھا اسی لئے پہلے یایہا الرسل میں سب کو ایک ہی لفظ سے خطاب کیا پھر ان کی بعثت کا مقصد ایک ہونے کا ذکر اور بھی صراحت سے ان الفاظ میں کیا ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ یعنی رسولوں کی جماعت ایک ہی جماعت ہے اور ان کی بعثت کی غرض دنیا میں اس بات کا قایم کرنا ہے کہ سب کا رب اللہ ہے اس کا تقویٰ اختیار کیا جائے لیکن ان کے پیروؤں نے اس واحد مقصد کو ملیا میٹ کر دیا اور امر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہر گروہ صرف جو اس کے اپنے پاس تھا اس پر خوش ہو گیا اور دوسرے رسولوں کی رسالت کا انکار کر دیا اور نسل انسانی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی یہ اس آیت کا مضمون ہے اور اس کے بیان کرنے کی غرض صاف ہے کہ اس حالت میں ضروری تھا کہ سب کو ایک دین پر جمع کرنے کیلئے اور اس حقیقت کو دنیا میں آشکارا کرنے کیلئے کہ سب مذاہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ایک رسول مبعوث ہوتا۔ جیسا کہ آگے چلکر تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (الفرقان ۲۵ - ۱) میں بیان فرمایا +

۵۵ ۵۶ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَل

کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ جو ہم انکو مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں تو ہم ان کیلئے اچھی چیزیں جلدی بھیج رہے ہیں بلکہ

۵۷ ۵۸ لَّا يَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم

محسوس نہیں کرتے ۲۲۷۴ جو لوگ اپنے رب کے خوف کی وجہ سے ڈرتے رہتے ہیں ۲۲۷۵ اور وہ جو

۵۹ ۶۰ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ

اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں کرتے اور وہ جو

۶۱ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ

دیتے ہیں جو کچھ کہ وہ دیتے ہیں حالانکہ انکے دل خوف سے بھرے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب کیطرف لوٹکر جانیوالے ہیں ۲۲۷۶ یہ لوگ

۶۲ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ انکی وجہ سے سبقت لیجانیوالے ہیں ۲۲۷۷ ہم کسی شخص پر کچھ مشقت نہیں ڈالتے مگر اسکی وسعت کے مطابق

دنیا کا مال اور جتھہ کامیابی نہیں

۲۲۷۴ یہاں بتایا ہے کہ لوگ دنیا کے مال اور جتھے کو یعنی دنیوی طاقت کو ہی کامیابی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ فلاح سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ انکو یہ احساس بھی نہیں کہ فلاح کسے کہتے ہیں اور حقیقی کامیابی بلند اخلاق سے ہے۔ مال و دولت سے نہیں، اسی کو غمرۃ یعنی اپنی جہالت کہا ہے جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اور اسی لئے اس کے بالمقابل اگلی آیات میں پھر اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذکر کیا ہے جو اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہے۔

شَفَق

۲۲۷۵ مشفقون۔ شَفَق دن کی روشنی کا رات کی سیاہی سے مل جل جانا ہے جو غروب آفتاب کے وقت ہوتا ہے فلا اقسم بالشفق (الانشقاق ۸۴-۱۶) اور اِشْفاق فکر ہے جو خوف کے ساتھ ملا ہوا ہو وھم من الساعۃ مشفقون (الانبیاء ۲۱-۴۹) اور جب اس کا صلہ مِنْ ہو تو خوف کے معنی اس میں غالب ہوتے ہیں اور فی صلہ ہو تو فکر کے معنی غالب ہوتے ہیں انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین (الطور ۵۲-۲۶) مشفقین مما کسبوا (الشوریٰ ۴۲-۲۲) ءاشفقتم ان تقدموا (المجادلۃ ۵۸-۱۳) (غ)، اور شَفَقَۃ اسی سے اسم ہے چنانچہ کہتے ہیں اَشْفَقْتُ علیہ وانا مُشْفِقٌ وشفیق (ل)۔

اشفاق

شفقة

ایتاء

۲۲۷۶ یؤتون ما اٰتوا۔ ایتاء کے معنی اعطاء یا دینا ہیں اور صدقات کے دینے پر بالخصوص بولا گیا ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور انکا خوف اسلئے ہوتا ہے کہ انکا دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہوگا یا نہیں یا اسلئے کہ کافی طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے یا نہیں اور ان آیات میں دو ہی باتوں کا ذکر کیا ایک اللہ تعالیٰ کا خوف اور عظمت دل میں ہونا اور اس کی توحید پر قائم ہونا اور دوسرا اپنے مال کو مخلوق خدا کی خدمت میں لگا دینا۔

۲۲۷۷ اوپر کہا تھا کہ مال اور جتھہ خیرات نہیں یعنی ایسی بھلائیاں جو انسان کی فلاح کا موجب ہوتی ہیں تو اب اللہ تعالیٰ سے تعلق اور مخلوق خدا کی خدمت کا ذکر کرکے بتایا کہ خیرات یہ ہیں یعنی انسان کی فلاح کا تعلق ان چیزوں سے ہے اور جو لوگ بجائے دنیا کے مال پر جھکنے کے ان کے لینے کے لئے جلدی کرتے ہیں وہ ان خیرات کی وجہ سے سابق بن جاتے ہیں یعنی دوسرے لوگوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا ۶۳

اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا ۲۲۷۸ بلکہ انکے دل اسکے متعلق جہالت میں ہیں اور

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ ۶۴

اسکے سوائے ان کے اور عمل بھی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں ۲۲۷۹ یہانتک کہ جب ہم نے انکے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑا

اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ ۝ لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى ۶۵ ۶۶

تو اسوقت وہ چلانے لگے ۲۲۸۰ آج مت چلاؤ تمہیں ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں دیجائیگی میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ ۶۷

جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاتے تھے ۲۲۸۱ تکبر کرتے ہوئے اسے مشغلہ بناتے ہوئے ۲۲۸۲ (حق کو) ترک کرتے تھے

۲۲۷۸ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام انسان کی فلاح کیلئے دیئے ہیں یا جو راہیں ترقی کی اسے بتائی ہیں تو یہ کوئی ایسے امور نہیں جو عام انسانوں کی وسعت سے باہر ہوں۔ اور کتاب ینطق بالحق میں اپنا قانون بیان فرمایا کہ اعمال کے نتائج پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ جو کچھ انسان کرتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ پاتا چلا جاتا ہے ✦

۲۲۷۹ ان کے دل جہالت میں ہیں یعنی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ترقی کی راہیں انسان کے اخلاق میں مضمر ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ہر طرح طرح کی بدعملیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ✦

دل مکہ پر عذاب قحط — ۲۲۸۰ الفاظ کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ جب ہم نہیں عذاب میں پکڑینگے تو وہ چلائینگے لیکن آیت ۷۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی کوئی عذاب ان پر آیا تھا اور چونکہ یہ سورت مکی ہے اسلئے غالباً یہ عذاب قحط تھا جس کیلئے نبی کریم صلعم نے دعا بھی کی تھی اور جس کا ذکر قرآن کریم میں پیشگوئی کے طور پر سورۃ الدخان میں آتا ہے (الدخان ۴۴ – ۱۰ تا ۱۲) اور احادیث میں ہے کہ یہ قحط اس قدر شدید ہوا کہ انہوں نے مردار اور چمڑے اور ہڈیاں کھائیں اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبل از ہجرت تھا اور بعض سے یہ کہ یہ بعد از ہجرت تھا اور چونکہ یہ سات سال کا قحط تھا اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ ہجرت سے قبل شروع ہو کر بعد تک رہا ✦

نکص — ۲۲۸۱ تنکصون۔ نَکَصَ کے معنی ہیں ایک امر سے پھر گیا یا بھلائی کی جس حالت پر تھا اس سے لوٹ گیا اور یہ خصوصیت سے بھلائی سے لوٹ جانے پر بولا جاتا ہے (ل) ✦

سَمَرَ ۔ سامر — ۲۲۸۲ سامرا۔ سُمْرَۃٌ گندم گوں رنگ کو کہتے ہیں اور سَمَرٌ رات کی سیاہی کو اور رات کے وقت باتیں کرنے کو بھی کہا جاتا ہے اور یہاں سامر جمع کے مقام پر استعمال ہوا ہے (غ) ✦

ھجر — تھجرون ھَجْرٌ کے اصل معنی دوسرے سے الگ ہو جانا ہیں۔ اور ھُجْرٌ وہ کلام ہے جس کی برائی کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا ہو اور اَھْجَرَ کے معنی ہیں قصداً ایسا کلام کیا اور ھَجَرَ المھیش کے معنی ہیں بلا قصد ایسا کلام کیا (غ) ✦

مستکبرین بہ میں جمہور مفسرین نے ضمیر ادبیا ہے خانہ کعبہ کی وجہ سے متکبر بنے ہوئے تھے مگر ضمیر قرآن شریف کی طرف پھیرنا جس کا ذکر اوپر آیا میں ہے اولیٰ ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو متکبرانہ روش کے چھوڑ جاتے تھے اور سامرا میں اشارہ خانہ کعبہ میں بیٹھکر رات کے وقت قرآن شریف کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنانا ہے گویا قرآن شریف کا ذکر ایک مشغلہ کے طور پر کرتے تھے ✦

۶۸ ۶۹ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ

تو کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا بلکہ ان کے پاس وہ آیا ہے جو انکے پہلے باپ دادوں کے پاس نہیں آیا تھا ۲۲۸۳ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا

۷۰ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

اسلئے وہ اس سے منکر ہیں ۲۲۸۴ کیا کہتے ہیں اسے جنون ہے بلکہ وہ انکے پاس حق لایا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند

۷۰ كَارِهُونَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ

کرتے ہیں ۲۲۸۵ اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کوئی انکے اندر ہیں بگڑ جاتے

۷۱ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ

بلکہ ہم انکے پاس انکی بڑائی (ذکر) کا سامان لائے ہیں سو وہ اپنی بڑائی سے منہ پھیر رہے ہیں ۲۲۸۶ کیا تو ان سے کچھ صلہ مانگتا ہے تو تیرے رب کا صلہ

۷۲ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ الربع

بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے اور یقیناً تو انہیں سیدھے رستہ کی طرف بلاتا ہے

اَم

۲۲۸۳ اَم کا استعمال کئی جگہ پر ہے کبھی وہ متصلہ ہوتا ہے اور اس سے پہلے ہمزۂ تسویہ آتا ہے جیسے سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم (المنافقون ۶۳-۶) سواء علینا اجزعنا ام صبرنا (ابراہیم ۱۴-۲۱) اور یا اس سے پہلے ہمزہ طلب آتا ہے جیسے ءانتم اشد خلقا ام السماء (النزعت ۷۹-۲۷) اور دوسرا یہ کہ وہ منقطعہ ہوتا ہے اور اس صورت میں یا اس سے پہلے محض ایک خبر ہوتی ہے تنزیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین ام یقولون افترٰہ (السجدۃ ۳۲-۲ و ۳) یا اس سے پہلے ہمزہ ہوتا ہے جو استفہام کیلئے نہ ہو جیسے الہم ارجل یمشون بہا ام لہم اید یبطشون بہا (الاعراف - ۱۹۵) جہاں ہمزہ انکار کیلئے ہے یا اس سے پہلے استفہام بغیر ہمزہ ہوتا ہے جیسے ہل یستوی الاعمیٰ والبصیر ام ہل تستوی الظلمٰت والنور ام جعلوا للہ شرکاء (الرعد ۱۳-۱۶) جہاں مراد ان کے شرک کی خبر دینا ہے اس صورت میں یہ بمعنی بَل یعنی بلکہ ہوتا ہے (مغنی)، اور یہاں اَم بمعنی بَل ہے اور مراد ذکر یا قرآن کا آنا ہے اور یا مراد آرام اور آسایش ہے کہ ان کو اتنی آسودگی ملی ہے جو ان کے باپ دادوں کو نہیں ملی تھی اس لئے قرآن پر غور نہیں کرتے۔

۲۲۸۴ مطلب یہ ہے کہ رسول کو تو یہ پہچانتے ہیں اس کے کوئی حالات ان سے مخفی نہیں۔ وہ آپ کی نیکی کے اس حد تک معترف تھے کہ آپکو الامین کے نام سے پکارتے تھے پس ایسے راستباز انسان کا جسے بچپن سے جانتے تھے انکار باعث تعجب تھا۔

۲۲۸۵ یعنی رسول کو تو پہچانتے ہیں کہ وہ صادق اور امین ہے مگر وہ حق جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہے وہ پسند نہیں۔

۲۲۸۶ آسمان و زمین کا نظام تو پابندی قانون پر ہے مگر وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں کسی قانون کا پابند ہونا نہیں چاہتے اگر حق بھی ایسا ہی ہوتا تو نظام عالم قایم نہ رہتا۔ اور اس قانون کی اتباع میں ان کے لئے خود شرف ہے جس سے وہ منہ پھیر رہے ہیں۔

وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ ۷۴ ۷۵

اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے رستہ سے ہٹ رہے ہیں ۲۲۸۷ اور اگر ہم ان پر رحم کریں

وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا ۷۶

اور جو انہیں تکلیف ہو اسے دور کردیں تو وہ اپنی سرکشی میں حیران بھٹکتے ہوئے اصرار کریں ۲۲۸۸ اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا مگر وہ

اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ ۷۷

اپنے رب کے آگے نہ گرے اور نہ عاجزی کرتے ہیں ۲۲۸۹ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے پھر ناگہاں وہ

فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا ۷۸

ع ۱۵ ۵

اثبات توحید و ابطال شرک

اس میں مایوس ہو جائینگے اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے بہت ہی کم

تَشْكُرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي ۷۹ ۸۰

تم شکر کرتے ہو اور وہی ہے جو تمہیں زمین کے اندر وجود میں لاتا ہے اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے ۲۲۹۰ اور وہی ہے

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ ۸۱

جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور رات اور دن کا اختلاف اسی (کے اختیار) کا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ اسی کی طرح کہتے ہیں جو پہلوں

الْأَوَّلُونَ ۝ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِن ۸۲ ۸۳

نے کہا کہتے ہیں کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائینگے ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے یہی وعدہ

قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ۸۴

دیا جاتا رہا ہے یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں ہیں کہو زمین اور جو کوئی اسکے اندر رہیں وہ کس کیلئے ہیں اگر تم جانتے ہو

نکب — ۲۲۸۷ ناکبون۔ نکب عن کذا کے معنی ہیں اس چیز سے دوسری طرف مائل ہو گیا ۔

لجاج — ۲۲۸۸ لجوا۔ لجاج سرکشی اور عناد کو کہتے ہیں جو ایسے فعل کے کرنے میں دکھائے جائیں جس سے روکا گیا ہو۔ اور لجۃ البحر اس کی امواج

لجۃ ۔ لجی — کا پھر پھر کر آنا ہے اسی سے ہے بحر لجی (النور ۲۴ ۔ ۴۰) (غ)، وحسبتہ لجۃ (النمل ۲۷ ۔ ۴۴) ۔

استکانۃ اور تضرع — ۲۲۸۹ استکانۃ اور تضرع دونوں اظہار عاجزی کیلئے ہیں مگر استکانۃ میں اظہار عاجزی فرمانبرداری کے اختیار کرنے سے ہے دیکھو ۵۳۲ اور تضرع میں اس کا تعلق دل سے ہے اسی لئے دعا میں تضرع ہوتا ہے ۹۵۰ یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ عذاب کی اصل غرض صرف انسانوں کو خدا

عذاب کی غرض — کیطرف جھکانا ہے اور ساتھ ہی آیت میں بتایا کہ سخت عذاب آنے پر رحمت الٰہی سے بھی مایوس ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ رحم کرنے کیلئے تیار رہے ۔

ذرأ — ۲۲۹۰ ذرأ کم ذرأ۔ اللہ تعالیٰ کا اس کو ظاہر کرنا ہے جس کی اس نے ابتدا کی اور ذرا اللہ الخلق کے معنی ہیں مخلوق کے اشخاص کو وجود میں لایا (مف)

٨٥ ٨٦ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○

کہینگے اللہ کیلئے کہو تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ کہو ساتوں آسمانوں کا رب اور بڑے عرش والا رب کون ہے

٨٧ ٨٨ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا

کہینگے اللہ کیلئے ہی ہے کہو تو کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے کہو کون ہے جسکے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اسکے

٨٩ ٩٠ يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ

مقابل پر پناہ نہیں ملتی اگر تم جانتے ہو کہینگے اللہ کیلئے ہی ہے کہو پھر تمہیں کہاں سے دھوکہ لگتا ہے بلکہ ہم انکے پاس حق لائے ہیں

٩١ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ

اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں [2291] اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اسکے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے اس صورت میں ہر ایک معبود لیجاتا جو اسنے پیدا کیا ہوتا

٩٢ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ع

اور ان میں سے ایک دوسرے پر بڑائی حاصل کرنے میں لگا رہتا [2292] اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں غیب اور حاضر کا جاننے والا سو وہ اس سے بلند ہے جو وہ شریک ٹھیراتے ہیں

٩٣ ٩٤ ٩٥ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ○ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ

کہو میرے رب اگر تو مجھے وہ دکھائے جسکا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے میرے رب تو مجھے ظالم لوگوں میں نہ رکھیو [2293] اور ہم اس پر کہ تجھے وہ دکھائیں

ع ٦ ٣٦ ٦

اعدائے حق کامیاب نہیں ہونگے

٩٦ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ○ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○

جسکا انہیں وعدہ دیتے ہیں یقیناً قادر ہیں بدی کو اس (بات) کے ساتھ دور کر جو بہت اچھی ہے ہم خوب جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں [2294]

اور یذرؤکم فیہ (الشوریٰ ۴۲-۱۱) میں معنی یکثرکم فیہ کئے گئے ہیں دل، یعنی تمہیں بڑھاتا اور پھیلاتا ہے +

دلیل توحید

2291 یہ حق توحید ہے۔ اوپر کی آیات میں تین باتوں کا اثبات کیا ہے۔ آیت ۸۴ و ۸۵ میں خلق کا اثبات صرف اللہ کیلئے ہے اور آیت ۸۶ و ۸۷ میں ربوبیت کا اور آیت ۸۸ و ۸۹ میں حکومت کا اور ان باتوں کا اقرار کفار کے منہ سے کرایا ہے۔ کیونکہ ان باتوں کا اقرار مشرکوں کو بھی ہے کہ خلق اور ربوبیت اور حکومت اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے نہ مسیح کا نہ بتوں کا اور آخر پر فرمایا کہ دوسرے معبود بنانے میں خواہ وہ مسیح کی طرح خدا کا بیٹا کہلائے یا کوئی بت وغیرہ ہو مشرک جھوٹے ہیں +

شرک کے خلاف ایک دلیل

2292 جب دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں ہو سکتے تو اتنی بڑی مخلوق کا انتظام کسطرح قایم رہ سکتا ہے اگر خدا کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہو کیسی سیدھی اور قطعی دلیل ہے +

مخالفین کا استیصال آپ کی زندگی میں

2293 اس دعا میں اشارہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نزول عذاب اس حالت میں نہ ہو کہ آپ ان ظالم لوگوں کے اندر ہوں کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ (الانفال ۸-۲۵) کیطرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ اگلی آیت میں بتا دیا کہ ان لوگوں کی قوت کا استیصال جنہوں نے حق کا استیصال کرنا چاہا آپ کی زندگی میں ہو جائے گا +

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ ﴿۹۹﴾

اور کہو میرے رب میں شیطانوں کی عیب جوئی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے سامنے آئیں یہاں تک کہ جب انہیں سے

الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ ﴿۱۰۰﴾

ایک کو موت آتی ہے کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹاؤ ۲۲۹۶ تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ دیا اچھا عمل کروں ہرگز نہیں وہ ایک بات ہے جسے وہ کہے گا

بدی کے مقابل پر نیکی کی تعلیم احسن پیرایہ میں

۲۲۹۴ جو تمہارے ساتھ بدی کرتا ہے تم اس کے ساتھ نیکی کرو یہ تمام راستبازوں کی تعلیم ہے اور حضرت مسیح کے ساتھ اسے کوئی خصوصیت حاصل نہیں لیکن یہ تعلیم باوجود ایک بلند پایہ کی تعلیم ہونے کے ہر حالت میں عمل میں نہیں آسکتی۔ قرآن کریم چونکہ ایک کامل کتاب تھی اسلئے اس بلند پایہ تعلیم میں جو نقص تھا اسے دور کرکے پیش کیا ہے اور اس نقص کو دور کرنے کیلئے ایک چھوٹا سا لفظ ادفع اختیار فرمایا ہے یعنی بدی کو دفع کرنا اصل غرض ہے اگر ایک بدی بالمقابل نیکی کرنے سے دور نہیں ہوسکتی تو اس وقت نیکی کرنے کا حکم قرآن شریف نے نہیں دیا بلکہ پھر جزاء سیئة سیئة مثلها بھی ہے بہرحال مقدم امر بدی کا دفع کرنا تھا اور اس کے دفع کرنے میں بہترین طریق اختیار کرنے کا حکم ہے اور یہ بہترین طریق بعض وقت بالمقابل نیکی کا اختیار کرنا ہے بعض وقت صرف بدی سے درگزر کرنا بعض وقت اس پر ملامت کرنا بعض وقت اس کی سزا دینا ۔

ھمز
ھُمَزَۃ ھَمَّاز لُمَزَۃ

۲۲۹۵ ھمزات ھَمَزَۃ کی جمع ہے ھَمَزَ کے معنی غَمَزَ ہیں یعنی اشارہ کیا اور جانور کو چلنے کا اشارہ کرنے پر بھی بولا جاتا ہے اسی سے مِھْمَاز ہے جس سے جانور کو چلایا جاتا ہے اور ھمز کے معنی عیب ہیں۔ اور ھُمَزَۃ اور ھَمَّاز عیب لگانیوالے کو کہا جاتا ہے جو پیٹھ پیچھے عیب لگائے اور لمزۃ وہ ہے جو سامنے عیب لگائے اور ھمزات الشیطٰن شیطان کے وساوس یا خطرات کو کہا جاتا ہے اور حدیث میں دعائے افتتاح صلوٰۃ آتی ہے اللّٰھم انی اعوذ بك من الشیطان الرجیم من ھمزہ ونفثہ ونفخہ تو دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس کا ھمز اور نفث اور نفخ کیا ہے تو فرمایا اس کا ھمز جنون ہے اس کا نفث شعر ہے اور اس کا نفخ کبر ہے (ل)، اور ھَمَزَ کے معنی ضَغَطَ یا دبانا بھی ہیں اور انسان کا ھمز اس کی پیٹھ پیچھے اسکے عیب بیان کرنا ہے (غ)۔

حضر
محضر

یحضرون حَضَرَ اصل میں بَدْوٌ کے خلاف ہے یعنی جنگل یا گاؤں میں رہنے کے بعد کسی مکان میں جانے یا کسی انسان کے پاس جانے یا کسی قسم کی موجودگی پر یہ لفظ بولا گیا ہے اور مُحْضَرٌ وہ چیز ہے جو سامنے لائی جائے ما عملت من خیر محضرا (آل عمران ۳۰۔۲۹) جمیع لدینا محضرون (یٰسین ۳۲۔۳۱) (غ) ۔

آنحضرت کا وساوس شیطانی سے محفوظ ہونا

عام طور پر یہاں ھمزات الشیاطین سے مراد وساوس شیطانی لئے گئے ہیں اور آنحضرت کو یہ حکم ہونا کہ وساوس شیطانی سے اللہ کی پناہ مانگو بتاتا ہے کہ آپ وساوس شیطانی سے محفوظ تھے کیونکہ جو اللہ کی پناہ میں آتا ہے وہ شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا میرا شیطان میرا فرمانبردار ہو گیا ہے اور وہ سوائے بھلائی کے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں کرتا اور قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں کہ کبھی شیطان نے کوئی وسوسہ آنحضرت صلعم کے دل میں ڈالا ہاں انجیل میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان نے بعض باتیں کہی تھیں جس کا مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ وساوس آپکے دل میں ڈالے تھے چنانچہ اس کا ذکر متی ۴: ۱ تا ۱۰ میں ہے گو حضرت عیسیٰ نے ان وساوس کو رد کر دیا اور انہیں قبول نہیں کیا مگر آنحضرت کا مقام بہت بلند ہے لیکن اگر سیاق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں شیاطین سے مراد رؤساء کفار ہیں اور ان کے ہمزات سے مراد انکی عیب جوئی اور بدگوئی ہے جو وہ رسول اللہ صلعم کی کرتے تھے چنانچہ اوپر کی آیت میں نحن اعلم بما یصفون میں صاف ان کی ان بدگوئیوں کا ذکر ہے اور انہی کے مقابل پر ادفع بالتی ھی احسن بھی فرمایا تھا اور بعد کی آیت میں صاف فرمایا حتی اذا جاء احدھم الموت یعنی انہیں شیطانوں میں سے ایک کو موت آتی ہے تو وہ یوں کہتا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ اوپر ذکر رؤسائے کفر کا تھا اور جنہوں نے وساوس شیطانی مراد لئے ہیں وہ کوئی تعلق اس مضمون کا نہ اگلے مضمون سے بتا سکتے ہیں نہ پچھلے سے ۔

جمع کے خطاب سے مراد اکرام و تعظیم بھی ہوتا ہے

۲۲۹۶ ارجعون۔ اصل میں ارجعونی ہے اور ارجعوا جمع کا صیغہ ہے جو بعض کے نزدیک بلحاظ تعظیم کے ہے بعض کے نزدیک خطاب ملائکہ کو ہے اور اصح یہ ہے

١٠١ وَمِن وَرَآئِهِم بَرۡزَخٌ إِلَىٰ يَوۡمِ يُبۡعَثُونَ ۝ فَإِذَا نُفِخَ فِي ٱلصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٖ

اور انکے سامنے ایک روک ہے اس دن تک جو وہ اٹھائے جائیں ٢٢٩٧ سو جب صور میں پھونکا جائیگا تو اس دن ان میں رشتہ داریاں نہ رہینگی

١٠٢ ١٠٣ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ۝ فَمَن ثَقُلَتۡ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ۝ وَمَنۡ خَفَّتۡ

اور نہ وہ ایک دوسرے سے حال دریافت کرینگے ٢٢٩٨ پس جسکے اچھے عمل بھاری ہونگے تو وہی کامیاب ہیں اور جسکے اچھے عمل ہلکے

١٠٤ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ فِي جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ۝ تَلۡفَحُ وُجُوهَهُمُ

ہونگے پس وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپکو گھاٹے میں رکھا جہنم میں رہینگے آگ انکے منہوں کو

١٠٥ ٱلنَّارُ وَهُمۡ فِيهَا كَٰلِحُونَ ۝ أَلَمۡ تَكُنۡ ءَايَٰتِي تُتۡلَىٰ عَلَيۡكُمۡ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝

جھلس دیگی اور وہ اس میں بدصورت بنے ہوئے ہونگے ٢٢٩٩ کیا میری آیتیں تم پر نہ پڑھی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے۔

کہ تثنیہ یا جمع کی ضمیر بعض وقت تکرار کیلئے آجاتی ہے جیسا دوسری جگہ آتا ہے القیا فی جہنم جہاں مطلب ہے الق الق اور یہاں مراد ہے ارجعنی ارجعنی۔

٢٢٩٧ کلا۔ بعض کے نزدیک ک تشبیہ اور لا نافیہ سے مرکب ہے اور بعض کے نزدیک بسیط ہے وہ کلمہ زجر ہے یعنی ایک چیز سے روکنے کیلئے آتا ہے (مفردات)۔ *کلا*

برزخ۔ دو چیزوں کے درمیان روک اور حد کو کہتے ہیں بینہما برزخ لا یبغیان (الرحمن ٥٥: ٢٠) اور برزخ وہ حالت ہے جو انسان کی موت سے لیکر قیامت تک ہے۔ *برزخ*

فیما ترکت میں اشارہ ایمان کی طرف ہے جسے پہلے چھوڑ دیا اور یہ خواہش کفار سے خاص نہیں بلکہ ابن عباس کہتے ہیں زکوٰۃ اور حج کو چھوڑنے والے بھی یہی خواہش کرینگے

اور حدیث میں ہے کہ ہر چیز جو انسان کو قبول حق میں مانع ہوتی ہے موت کے وقت اسکے سامنے آجاتی ہے اور وہ خواہش کرتا ہے کہ اسے واپس بھیجا جائے من ورائہم

برزخ الی یوم یبعثون میں بتا دیا کہ موت کے بعد حالت برزخ ہے اور انسان کی دوبارہ زندگی پھر یوم البعث میں ہی ہوگی اور اس سے پیشتر وہ کبھی زندگی کیطرف نہیں لوٹ سکتا *برزخ*

قرآن کریم اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد عذاب اور ثواب کا ایک رنگ شروع ہو جاتا ہے گو اسکا کامل ظہور قیامت کے دن ہی ہوگا مثلاً *عالم برزخ*

لوگ جو نیکی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات پر پہنچتے ہیں جیسے شہداء، انکو رزق کا ملنا یا مومن کی قبر میں جنت کی کھڑکی کا کھولا جانا جسکا ذکر احادیث میں ہے ایسا ہی فرعون صفت

لوگوں کا عذاب میں مبتلا ہونا معلوم ہوتا ہے البتہ یہ حالت کامل انکشاف کی نہیں اور انسان کی زندگی کی اس حالت کے مشابہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے جب تک ایک

پردہ اخفا کا رہتا ہے اور حالت برزخ میں بعض لوگوں کا عرصہ دراز اور بعض کا کم عرصہ رہنا قابل اعتراض نہیں کیونکہ وقت کا احساس وہاں نہیں ہوگا *رہنا کا اس عالم میں آنا*

اور یہ باتیں کہ روحیں عالم برزخ سے اس دنیا میں آتی رہتی ہیں اور وہ اپنے مکانوں وغیرہ میں جاتی ہیں محض قصے ہیں ہاں رویا یا کشف میں انکی ملاقات ایک علیحدہ رنگ رکھتی ہے (تجانس روح)

٢٢٩٨ انساب۔ نسب کی جمع ہے اور النسب اور النسبۃ اشتراک ہے جو ماں یا باپ کی طرف سے ہو اور نسبۃ کا استعمال دو مقداروں میں ہوتا ہے جنکی کسی قسم کا تعلق ہو *نسب۔ نسبۃ*

فلا انساب بینہم سے مراد ہے کہ کوئی نسب فائدہ نہ دے گی یعنی صرف اعمال ہی فائدہ دینگے۔ اور یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ہر سبب *نسب آخرت میں فائدہ نہ دے گی*

اور نسب منقطع ہوگا سوائے میرے سبب اور نسب کے۔ تو اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت صلعم کے نسب سے ہونا نجات کیلئے کافی ہے اور اگر کوئی سید عیسائی ہو جائے تو

بھی وہ نجات یافتہ ہوگا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرے تو اسکے ہاتھ کاٹے جائیں پس جب نسب اس دنیا کی سزا سے نہیں بچا سکتی تو

قیامت کی سزا سے کس طرح بچا سکتی ہے بلکہ یہاں نسب اپنے وسیع معنی میں ہے یعنی آنحضرت صلعم کے ساتھ تعلق روحانی مراد ہے اور ایک دوسرے سے حال دریافت

نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ حال دریافت نہیں کریں گے لکل امرئ منہم یومئذ شان یغنیہ (عبس ٨٠ : ٣٧)۔

٢٢٩٩ تلفح۔ لفح آگ یا سموم کے جھلس دینے پر بولا جاتا ہے کالحون کلوح سخت ترش روئی ہے۔ *لفح۔ کلوح*

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ ١٠٦ ١٠٧

کہینگے اے ہمارے رب ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم تھے اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال دے پھر اگر ہم

عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۝ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ۝ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي ١٠٨ ١٠٩

دوبارہ (یہ کام) کریں تو ہم ظالم ہونگے کہیگا اسی میں ذلیل ہو کر پیچھے ہٹ جاؤ اور میرے ساتھ بات نہ کرو میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا

يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ ١١٠

وہ کہتے تھے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بہتر ہے تو تم نے ان سے تمسخر کیا یہانتک کہ (گویا)

أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ۝ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ ١١١

انہوں نے تمہیں میرا ذکر بھلا دیا اور تم ان پر ہنسی اڑاتے تھے نوٹ ٢٣٠ آج میں نے انہیں انکے صبر کرنیکا بدلہ دیا کہ وہی

الْفَائِزُونَ ۝ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ ١١٢ ١١٣

بامراد ہیں کہیگا برسوں کی گنتی سے تم کتنا زمین میں رہے کہینگے ہم دن یا دن کا کوئی حصہ

يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ۝ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ أَفَحَسِبْتُمْ ١١٤ ١١٥

رہے سو گنتی کرنیوالوں سے پوچھ لے کہے گا تم رہے تو تھوڑا ہی کاش تم جانتے کیا تم خیال کرتے ہو

أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ لَا إِلَٰهَ ١١٦

کہ ہم نے تمہیں صحیح غرض کے بغیر پیدا کیا ہے اور کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے نوٹ ٢٣١ سو اللہ بلند ہے بادشاہ برحق ہے اسکے سوائے کوئی معبود

إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا ١١٧

نہیں وہ معزز عرش والا رب ہے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکاریگا اسکی اسکے پاس کوئی دلیل نہیں تو اسکا

حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝ ع ١١٨

حساب اسکے رب کے ہاں ہے کافر کامیاب نہیں ہونگے اور کہہ میرے رب حفاظت فرما اور رحم کر اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بہتر ہے

سخری — نوٹ ٢٣٠ سخریا یا سُخریا اور سِخریا تمسخر کرنیوالے کا فعل ہے۔

انسوکم ذکری - ذکر کے بھلا دینے کو مومنوں کی طرف منسوب کیا ہے مطلب صرف یہ ہے کہ تمہارا ان سے استہزاء اس قدر بڑھا کہ تم اللہ کے ذکر کو بالکل بھول گئے گویا وہ ترک ذکر کا سبب بن گئے۔

عبث — نوٹ ٢٣١ عبثا عبث یہ ہے کہ اپنے عمل کیساتھ کھیل والے [illegible] جبکی کوئی صحیح غرض نہ ہو عبث کہا جاتا ہے